اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اس کا پھر ابھرنا محال ہے

كَلَّا إِنَّهُ

تذکرہ

فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ

(ہرگز نہیں یہ تو ایک عبرت ہے سو جو چاہے اس سے عبرت پکڑ لے)

یعنی

قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اسکے منجانب اللہ ہونے پر دس جلدوں میں ایک مکمل اور مبسوط علمی تبصرہ

مجلد اوّل

مقدمہ کتاب، ماہیتِ ایمان و حکمتِ عبادات وغیرہ

للمفتقر الی اللہ الرحمٰن

محمد عنایت اللہ خان

المشرقی

باہتمام شیخ عبدالعزیز ناشر و طابع

مطبع وزیر بازار امرتسر میں برقی قوت سے طبع ہوئی

وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ

اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اُس کا پھر اُٹھنا محال ہے (سورۂ انبیاء)

كَلَّآ اِنَّهٗ

تذکرہ

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ

ہرگز نہیں یہ تو ایک نصیحت ہے سو جو چاہے اس سے نصیحت پکڑے

یعنی

قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اُسکے منجانب اللہ ہونے پر دس جلدوں میں ایک مکمل اور مبسوط علمی تبصرہ

جس میں

مسلمانان عالم کو اُن کی اجتماعی موجبات کے متعلق آخری پیغام دیا گیا ہے

جلد اول

مقدمہ کتاب، ماہیت ایمان و حکمت عبادات مع افتتاحیہ و دیباچہ

للمفتقر الی اللہ الرحمٰن

محمد عنایت اللہ خان المشرقی الہندی

سنہ ۱۳۴۲ھ مطابق سنہ ۱۹۲۴ء

مطبع وکیل امرتسر میں باہتمام شیخ محمد عبدالعزیز ناظم طبع ہو کر

ادارۃ الاشاعۃ للتذکرہ امرتسر پنجاب سے شائع ہوئی

فهرس

المقالات التي جاءت في الافتتاحية العربية من كتاب تذكرة

المجلد الاول

ينبغي للقارئين ان يتدبروا هذه الامتحانة اشد تدبر فانه قد تخصص فيها روحا من امره تعالى بقدر
استطاعتي حق وسعي وبينت فيها ما الدين الحق الذي جاء به الانبياء من ربهم ولم اكد ابين في الفهرس معاني
المقالات التي جاءت في متن الكتاب الا القليل الذي يجوز للايضاح فينبغي للقاري ان يطالعها ويغوص
في الفاظها الجلية والخفية اشد غوصا لاستقراء المطالب والاستقصاء في ما انزل الله علينا للفلاح في الدنيا
والآخرة۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔

فہرست مضامین دیباچہ

فقط

فہرست مضامین تذکرہ

مجلد اوّل

جو مضامین کتاب کے متن میں وارد ہوئے ہیں اُن کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے جو حواشی میں آئے ہیں اُن کا قلم مہین ہے۔

فهرس آيات القرآن

التي جاءت في الاشاعة العربية من كتاب تذكرة (المجلد الاول)

العدد الاول اعنى ۲ في (۲ ۱۱۲) صفحه ۲۷ يشير الى عدد السورة والثاني اعنى ۱۱۲ الى عدد الآية
والثالث اعنى ۲۷ الى عدد الصفحة من الاشاعة

اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات	اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات	اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات	اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات	اعداد سور القرآن و آیاته	صفحات
الفاتحة ۱		۲ ۱۱۲	۲۷	۳ ۹۳	۲۹، ۵۴	۴ ۱۴	۳۳	۵ ۹۶	۹۹
		۲ ۱۴۱	۱۱۱	۳ ۶۶	۵۲	۴ ۵۹	۱۳، ۴۳، ۴۶، ۴۷	۵ ۴۲-۴۳	۱۲۷
۱ ۱	۷۲	۲ ۱۴۳	۱۳۱	۳ ۷۵	۲۷، ۱۵		۱۸	۵ ۷۳	۹۱
۱ ۱-۷	۲۷، ۹۶، ۹۹،	۲ ۱۵۵، ۱۵۶	۳۲	۳ ۸۲	۹۷	۴ ۶۴	۷۴	۵ ۷۴	۹۳
	۱۲۷، ۱۲۹، ۱۲	۲ ۱۵۷	۳۳	۳ ۸۴	۲۹، ۴۰، ۵۵	۴ ۶۶-۶۷	۱۳۱	۵ ۱۱۲	۸، ۸۲
	۱۴۴،	۲ ۱۵۹	۱	۳ ۹۶	۳۲، ۱۳۹	۴ ۶۹	۱۳۷	الانعام ۶	
۱ ۵-۶	۳۵، ۶۶	۲ ۱۶	۹۲	۳ ۹۸	۱۷	۴ ۷۱	۶۲		
۱ ۵-۷	۹، ۱۴۱	۲ ۱۶۴	۳۹	۳ ۱-۱۰۲	۱۳	۴ ۷۶	۱۱۸	۶ ۳۷	۴
۱ ۶	۴۱	۲ ۱۶۵	۱۲، ۴۳، ۸۰	۳ ۱۰۱-۱۰۲	۱۴	۴ ۸	۷۳	۶ ۳۸	۳۹، ۴۱
۱ ۶-۷	۱۵، ۴۳، ۶	۲ ۱۶۶-۱۶۷	۱۶	۳ ۱۰۲	۸، ۱۵	۴ ۸۲	۳۴	۶ ۳۹	۴۰، ۴۱
	۱۷، ۱۳۷	۲ ۱۷	۲۷	۳ ۱۰۴	۱۷	۴ ۸۹	۱۱۹	۶ ۴۵	۲۵
۱ ۷	۱۳۷، ۱۳۸	۲ ۱۷۳	۹۲	۳ ۱۱۰	۳۳	۴ ۹۳	۱۱۳	۶ ۴۷	۳۵، ۷۶
البقرة ۲		۲ ۱۷۴	۱۰۱	۳ ۱۲۹	۱۰۶	۴ ۱۰۳	۶۲	۶ ۷	۱۱۲
		۲ ۱۷۷	۲۷، ۱۰۵	۳ ۱۳۲، ۱۳۳	۱۵	۴ ۱۰۴	۱۱۹	۶ ۸۳	۱۱۵، ۱۲، ۷۶
۲ ۲	۸۲	۲ ۱۹۱	۷۴	۳ ۱۳۸	۱۹، ۳۴، ۱۳۶	۴ ۱۱	۹۲	۶ ۸۹-۹	۳۹
۲ ۲-۴	۱۰۶	۲ ۱۹۳	۲۱، ۳۲		۸۱، ۱۳۸	۴ ۱۳۶	۱۳۹	۶ ۹۲	۱۱، ۴۸
۲ ۴	۵۳، ۸۲	۲ ۱۹۴	۱۰۶	۳ ۱۴	۹۱	۴ ۱۳۸-۱۳۹	۲	۶ ۹۴	۱۴، ۷۸
۲ ۷	۳۴	۲ ۲۱۳	۷، ۱۳	۳ ۱۴۱	۱۱	۴ ۱۴۵	۱۵	۶ ۹۸	۳۹
۲ ۸	۱۱، ۲۴۳،	۲ ۲۱۸	۹۳	۳ ۱۴۱-۱۴۲	۱۲۵	۴ ۱۵-۱۵۲	۵۳، ۱۲۸	۶ ۱۱۵	۱۱۱
	۱۲۴	۲ ۲۲۵	۹۲، ۱۱۴	۳ ۱۴۳	۱۳۹	۴ ۱۷۶	۱۳۸	۶ ۱۱۶	۱۱۱
۲ ۹	۲۴	۲ ۲۲۹	۳۴، ۵۴	۳ ۱۴۶	۱۳۱	المائدة ۵		۶ ۱۱۷-۱۱۸	۱۱۱، ۱۳۴
۲ ۲۱	۱۰۴	۲ ۲۳۷	۱۴۳	۳ ۱۵۵	۱۱۶			۶ ۱۱۸	۹۰
۲ ۲۳	۱۱۳	۲ ۴۵	۱۴۱	۳ ۱۹۵-۱۹۷	۱۱۷	۵ ۸	۱۰۶	۶ ۱۲۳-۱۲۴	۱۳۷
۲ ۲۶-۲۷	۶۲	۲ ۲۵۵	۲۲	۳ ۱۶۹	۵۵	۵ ۱۱	۱۰۵	۶ ۱۲۶	۱۰۹
۲ ۲۷	۶۲، ۹۳	۲ ۲۶۰	۸۲	۳ ۱۶۲-۱۶۹	۱۱۷	۵ ۱۳	۵۴	۶ ۱۲۷-۱۲۸	۱۳۷
۲ ۳۱	۳۷	۲ ۲۸۶	۱۷، ۱۴۱	۳ ۱۸۹-۱۹۷	۸۵	۵ ۱۵-۱۶	۱۳۵	۶ ۱۲۹	۱۵، ۹۸،
۲ ۵۴	۱۸	آل عمران ۳		۳ ۱۹	۹	۵ ۱۸	۲۵	۶ ۱۲۹-۱۳۶	۹۹
۲ ۶۲	۵۲			۳ ۱۹۹	۸۰، ۸۱	۵ ۲۳	۸۱	۶ ۱۳۷	۹۸
۲ ۶۳	۹۳	۳ ۱۱	۱۱۹	النساء ۴		۵ ۳۵	۱۰۵	۶ ۱۳۹	۳۶
۲ ۷۴	۱۰۹	۳ ۱۳	۱۹			۵ ۳۹	۹۲	۶ ۱۵۲-۱۵۴	۱۳۲
۲ ۷۸	۵۰	۳ ۱۷	۸۳	۴ ۹	۱۰۶	۵ ۴۴	۱۱۰	۶ ۱۶	۱۴۴
۲ ۸	۲۵	۳ ۱۸	۶، ۵۵	۴ ۱۷	۹۲	۵ ۴۵	۱۱۰	۶ ۱۶۲-۱۶۴	۱۳
۲ ۸۵	۱۱، ۵۸	۳ ۳۰-۳۱	۹۴	۴ ۱۸	۹۲	۵ ۴۷	۱۱	۶ ۱۶۶	۳۴، ۹۲، ۱۴۴
۲ ۹۳	۹۳	۳ ۵۳	۱۱	۴ ۳۷	۱۱۵	۵ ۵۷	۱۷	الاعراف ۷	

اعداد سور القرآن و آیات	صفحات
۲:۱۱۳	۱۰۳
الانبیاء ۲۱	
۲۱:۱۱-۱۹	۱۴۲
۲۱:۲۲	۸، ۶۲، ۷۴
۲۱:۲۳	۲۸
۲۱:۴۸-۴۹	۱۰۶
۲۱:۵۲	۱۹، ۷
۲۱:۷۸-۸۱	۸۸
۲۱:۹۲	۷۲
۲۱:۹۵	۹، ۹۷
۲۱:۹۸	۱۴۳
۲۱:۱۰۵-۱۰۶	۳۸، ۶۳
۲۱:۱۰۷	۴۹
الحج ۲۲	
۲۲:۳-۴	۴۵
۲۲:۳۱	۲۱، ۲۴
۲۲:۴۷	۹
۲۲:۵۴	۴۱، ۴۴، ۱۳۶
۲۲:۶۷	۵۶
۲۲:۶۷-۶۹	۱۳۷
۲۲:۶۸-۷۰	۱۰۹
۲۲:۷۲	۱۳۶
۲۲:۷۸	۱
المؤمنون ۲۳	
۲۳:۳	۱۳۴
۲۳:۹	۶۳
۲۳:۱۴	۶۲، ۱۴
۲۳:۵۲	۱۴، ۱۰۳
۲۳:۵۳	۸، ۱۲
۲۳:۶۰	۷۵
۲۳:۶۶-۶۷-۶۸	۴۱، ۶۲، ۹۹
۲۳:۶۸-۷۰	۱۰۹
۲۳:۹۲	۲۹
۲۳:۱۱۵	۱۴
۲۳:۱۱۷	۲۹، ۱۱۴، ۱۱۹
النور ۲۴	
۲۴:۲	۸۲
۲۴:۵	۹۱

اعداد سور القرآن و آیات	صفحات
۲۴:۱۱	۱۱۲
۲۴:۱۲	۱۱
۲۴:۲۱-۲۲	۹۴
۲۴:۲۲	۹۳، ۱۳۹
۲۴:۳۵	۵۳
۲۴:۳۹-۴۰	۱۲
۲۴:۴۱	۶۱، ۶۲
۲۴:۴۲	۶۱
۲۴:۴۵، ۴۶	۱۳۳
۲۴:۵۲، ۵۳	۴۰
۲۴:۵۵	۷۴، ۷۷، ۹۰
۲۴:۶۲	۸، ۹۴
الفرقان ۲۵	
۲۵:۳	۱۰۸
۲۵:۶۳	۱۳۴
۲۵:۷۰-۷۱	۹۲
۲۵:۷۲	۱۳۴
الشعراء ۲۶	
۲۶:۷	۷
۲۶:۷۱	۷۱
۲۶:۷۳	۷۱
۲۶:۷۶	۷
۲۶:۷۷	۷
۲۶:۸۳	۷۱
۲۶:۸۴	۷۱
۲۶:۸۵	۷۱
۲۶:۸۶	۷۱
۲۶:۸۷-۸۸	۷۰
۲۶:۸۹	۷۱
۲۶:۹	۷۱
۲۶:۹۱	۷۱
۲۶:۱۰۶-۱۱۰	۷۵
۲۶:۱۲۴	۱۴۲
۲۶:۱۳۹	۹۸
۲۶:۱۴۶	۱۳۹
۲۶:۱۹۲-۱۹۷	۸۶
۲۶:۱۹۸-۲۰۹	۸۶
۲۶:۲۲۴-۲۲۶	۵۱
۲۶:۲۲۷	۱۳۹
النمل ۲۷	

اعداد سور القرآن و آیات	صفحات
۲۷:۱۵-۱۶	۸۷
۲۷:۱۷	۸۷
۲۷:۳۱	۱۰۲
۲۷:۶۵	۱۴
القصص ۲۸	
۲۸:۵۵	۱۳۴
۲۸:۶۲	۱۶
۲۸:۷۶-۷۷	۱۱۶
۲۸:۸۲	۱۱۷
العنکبوت ۲۹	
۲۹:۲	۱۱
۲۹:۲-۳	۱۱، ۱۲۵
۲۹:۳	۱۱
۲۹:۶	۶۹، ۱۲۵
۲۹:۱۲-۱۳	۱۲۶
۲۹:۲۳	۱۲۵
۲۹:۳۴-۳۵	۶۵
۲۹:۴۱	۲۹
۲۹:۴۳	۴۸
۲۹:۴۴	۴۹، ۳۸، ۶۲، ۶، ۱۲۲
۲۹:۴۵	۶۴
۲۹:۴۷	۱۲۲
۲۹:۴۹	۸۴، ۱۳۵
۲۹:۵۱	۱۱۱
۲۹:۵۲	۹، ۸۹، ۱۳۴
۲۹:۵۶	۷۷
۲۹:۵۷، ۵۹	۷۷
۲۹:۶۱	۶۶
۲۹:۶۳	۷۶، ۶۹، ۷۷
۲۹:۶۷	۱۲۳
۲۹:۶۹	۱۳۲
الروم ۳۰	
۳۰:۲۷	۳۰
۳۰:۳	۲۹، ۵۳
۳۰:۳۱-۳۲	۱۵، ۱۶، ۶۲، ۹۹
۳۰:۳۲	۱۱۳
۳۰:۴۱	۷
۳۰:۴۲	۲۵

اعداد سور القرآن و آیات	صفحات
۳۰:۴۷	۱۱
۳۰:۵۲-۵۳	۹
لقمان ۳۱	
۳۱:۱۱	۶۷
۳۱:۱۳	۱۵، ۲۱
۳۱:۲۰-۲۵	۷
۳۱:۲۵	۶۶، ۶۷، ۶۹، ۷۷
۳۱:۳۲	۱۱۸
السجدة ۳۲	
۳۲:۴	۳
۳۲:۵	۳
۳۲:۹	۱۲۲
۳۲:۱۰	۱۲۴
۳۲:۱۶	۶۱، ۷۶
۳۲:۱۶-۱۷	۶۳
۳۲:۱۶-۱۸	۳۶
۳۲:۱۹-۲۱	۳۶
۳۲:۲۶	۹۵
الاحزاب ۳۳	
۳۳:۵	۹۲
۳۳:۸	۱۱۳
۳۳:۱۸-۱۹	۱۱۷
۳۳:۲۵	۸۱
۳۳:۳۶	۸۰
۳۳:۶۲	۹۰
۳۳:۶۶-۶۸	۱۶، ۹۹
۳۳:۷۰	۱۰۶
السبا ۳۴	
۳۴:۱۰-۱۳	۳۵، ۸۸
۳۴:۲۲	۶۷
۳۴:۲۳	۱۴
۳۴:۳۷	۲۴
۳۴:۳۸	۱۷
فاطر ۳۵	
۳۵:۱	۴۸
۳۵:۵-۷	۱۱۴

اعداد سور القرآن و آیات	صفحات
۳۵:۲۷-۲۸	۴۲
۳۵:۲۸	۸۲، ۱۰۶
۳۵:۲۸-۳۰	۹۴
۳۵:۲۹-۳۱	۸۳
۳۵:۴۰	۶۷
۳۵:۴۳	۳۴
یٰس ۳۶	
۳۶:۳۱	۹۵
۳۶:۳۸	۶۱
۳۶:۴۰	۶۲
۳۶:۶۰-۶۱	۱۲۹
۳۶:۶۹	۵۱
والصّٰفّٰت ۳۷	
۳۷:۶۵	۲۷
۳۷:۱۱۴-۱۲۲	۹۵، ۱۳۷
۳۷:۱۶۲	۴۴
۳۷:۱۶۳	۴۴، ۱۱۹
۳۷:۱۸۰	۳۳
صٓ ۳۸	
۳۸:۱۷-۲۰	۸۸
۳۸:۲۷	۴۱، ۱۲۲
۳۸:۲۷-۲۸	۸۷، ۱۰۹
۳۸:۲۹	۸۷
۳۸:۳۴-۴۰	۸۸
۳۸:۴۵	۴
۳۸:۷۱-۷۳	۴۷
۳۸:۸۷	۴۹
الزمر ۳۹	
۳۹:۳	۱۱۵
۳۹:۸	۱۱۴
۳۹:۹	۸۴
۳۹:۱۰	۱۷
۳۹:۲۲	۱۰۹
۳۹:۲۳	۸۳
۳۹:۳۳	۱۰۵
۳۹:۳۸	۶۸
۳۹:۴۲	۱۴
۳۹:۴۹	۱۴۲
۳۹:۵۰	۱۴۳

اعداد سور القرآن و آیاتہ	صفحات
۳۹ ۵۱	۱۴۳
۳۹ ۵۲	۱۴۲
۳۹: ۵۳	۲۴
۳۹: ۵۳ ۵۵	۹۵
۳۹ ۵۴	۲۴
۳۹: ۶۳	۳۷
۳۹: ۷۳-۷۵	۱۸
۳۹: ۷۴	۸، ۱۶، ۱۷
المؤمن ۴۰	
۴ ۳-۶	۱۲۰
۴: ۵۶-۵۸	۸۶، ۱۲۲
۴: ۷۲-۷۳	۱۱۵
۴ ۸۳-۸۵	۱۲۷
حٰم السجدۃ ۴۱	
۴۱: ۳	۴۱
۴۱: ۶-۷	۷۲، ۱۱۶
۴۱: ۱۱	۷۴
۴۱ ۲۵	۱۰۳
۴۱ ۲۶	۱۳۵
۴۱: ۲۹	۹۹
۴۱: ۳-۳۲	۷۸
۴۱: ۴۲	۷
۴۱: ۴۴	۵۱، ۵۲
الشوریٰ ۴۲	
۴۲: ۱۳	۱۵، ۴۵، ۱۲۷
۴۲: ۱۴	۶
۴۲ ۱۵	۶
۴۲ ۲	۲۶
۴۲ ۳	۳۲
۴۲: ۳۸	۱۴۳
۴۲: ۳۹	۷۴، ۱۲۴، ۱۲۳
۴۲ ۴۱	۹۷
۴۲ ۵۲	۵۷، ۱۳۶
الزخرف ۴۳	
۴۳ ۳	۵۱
۴۳ ۹	۹۷
۴۳ ۲۳	۲۷
۴۳ ۴۳	۴۹، ۱۳۵
۴۳ ۶۱	۱۳۶
۴۳ ۶۱-۶۲	۱۳۰
۴۳ ۶۳-۶۴	۱۳۶
۴۳: ۶۳-۶۵	۱۳۱
۴۳ ۸۷	۷۶، ۹۸، ۹۹

اعداد سور القرآن و آیاتہ	صفحات
الدخان ۴۴	
۴۴ ۲۵-۲۶	۷۱
۴۴ ۳-۳۲	۸۹
۴۴ ۳۸-۳۹	۳، ۳۸
۴۴: ۵۱-۵۷	۱۸
۴۴: ۵۸	۵۱
الجاثیۃ ۴۵	
۴۵: ۳	۳۸، ۸۲
۴۵: ۴	۳۹
۴۵ ۵	۳۸
۴۵ ۱۳-۱۶	۸۹، ۸۰
۴۵: ۱۰	۶، ۱۸
۴۵: ۲۰	۵۰
۴۵: ۲۱-۲۲	۸۹
۴۵: ۲۳	۲۴
۴۵: ۲۴	۸۲
الاحقاف ۴۶	
۴۶: ۳	۱۲۴
۴۶: ۲۹	۱۰۲
۴۶ ۳۰	۱۲
۴۶ ۳۱	۱۲
۴۶: ۳۲	۱۰۲
۴۶: ۳۳	۱۳
۴۶: ۳۵	۲۵
محمد ۴۷	
۴۷: ۱	۱۱۹
۴۷ ۲	۲۹، ۱۲۰
۴۷ ۳	۱۲۳
۴۷ ۴	۱۴۴
۴۷: ۴-۵	۱۱۹
۴۷ ۸	۲۹
۴۷: ۸-۹	۱۱۹
۴۷ ۱۰-۱۱	۱۲
۴۷ ۱۱	۲۹
۴۷ ۱۲	۲۹، ۲۲، ۱۲
۴۷ ۱۸	۱۲۶
۴۷ ۳۱	۱۲۴
۴۷: ۳۵-۳۶	۱۰۵
الفتح ۴۸	
۴۸: ۱-۲	۱۳۴
۴۸: ۲	۱۳۹
۴۸ ۱۱-۱۳	۱۱۸
۴۸ ۲	۱۳۴

اعداد سور القرآن و آیاتہ	صفحات
۴۸ ۲۲-۲۳	۱۱۹
۴۸ ۲۹	۱
الحجرات ۴۹	
۴۹: ۳	۱۴
۴۹ ۹	۱۴
۴۹: ۱	۱۳، ۱۸، ۴۲،
	۱۱
۴۹: ۱۲	۱۱
۴۹: ۱۴	۱۱۳
۴۹ ۱۶	۸۱
ق ۵۰	
۵۰: ۲۹	۱۱، ۱۱۹
۵۰ ۳۸	۳۰
الذّٰریٰت ۵۱	
۵۱: ۱۵-۱۶	۱۰۸
۵۱: ۱۵-۱۸	۶۳
۵۱: ۱۶	۶۳
۵۱: ۱۷	۷۶
۵۱: ۱۷-۱۸	۶۱
۵۱ ۱۸	۷۶
۵۱: ۴۷-۴۸	۹۷
۵۱: ۴۹-۵۱	۶۸
۵۱ ۵۶	۲۲، ۲۴، ۴۳، ۷۶
الطور ۵۲	
۵۲ ۱۷- ۲	۱۰۸
۵۲ ۲۱	۱۱۲
۵۲: ۳۸	۱۰۰
النجم ۵۳	
۵۳ ۲۳	۴۱، ۱۰۸
۵۳ ۲۸- ۳	۱۳۳
۵۳ ۳۱	۹۰، ۱۳۴
۵۳ ۳۹	۳۳، ۳۴، ۱۱۲
الرحمٰن ۵۵	
۵۵: ۵	۹۲
۵۵: ۶	۹۱
۵۵: ۲۹	۳۱
۵۵: ۳۳	۹۷
۵۵ ۴۶	۱۰۸
الواقعۃ ۵۶	
۵۶ ۱-۳	۹۵
۵۶ ۱۰-۱۱	۱۰
۵۶ ۷۶	۵
۶	

اعداد سور القرآن و آیاتہ	صفحات
الحدید ۵۷	
۵۷ ۷-۸	۸۱
۵۷ ۱۲	۱
۵۷ ۲۰	۲۶
۵۷ ۲۵	۴۳
۵۷ ۲۷	۷۷
الحشر ۵۹	
۵۹: ۱۳	۱۱۹
۵۹ ۱۴	۱۱۹
۵۹ ۱۹	۱۲۶
۵۹ ۲۱	۱۲۶
۵۹ ۲۲	۲۹
الممتحنۃ ۶	
۶ ۱۳	۱۲۵
الصف ۶۱	
۶۱: ۲	۱۱۲
۶۱ ۲-۳	۱۱
۶۱: ۳	۹۶، ۱۱۳
۶۱: ۴	۱۲۳
۶۱: ۹	۱۱، ۱۳۷،۵
الجمعۃ ۶۲	
۶۲ ۵	۴۱
۶۲ ۶-۸	۱۲۴
التغابن ۶۴	
۶۴ ۱۴	۲
الطلاق ۶۵	
۶۵: ۲-۳	۱۰۷
۶۵: ۴-۵	۱۷
التحریم ۶۶	
۶۶: ۸	۲۴
الملک ۶۷	
۶۷: ۲	۳۶
۶۷: ۳	۲۸
الحاقۃ ۶۹	
۶۹: ۴۸	۵۰
المعارج ۷۰	
۷۰: ۱۹-۲۳	۹۴
نوح ۷۱	
۷۱: ۲-۳	۷۸
۷۱ ۳-۴	۷۸
الجن ۷۲	
۷۲ ۱-۲	۱۰۲
۷۲: ۳-۴	۱۰۲

اعداد سور القرآن و آیاتہ	صفحات
۷۲ ۵-۱۹	۱۳
۷۲ ۸	۱۱
۷۲ ۲-۲۸	۱۰
۷۲ ۲۱	۱۴
۷۲: ۲۶	۱۴
۷۲ ۲۷	۱۴
المدثر ۷۴	
۷۴ ۵۴-۵۵	۳۴
الدھر ۷۶	
۷۶: ۲	۳۴
والنّٰزعٰت ۷۹	
۷۹ ۳۴	۳
عبس ۸۰	
۸۰: ۱۷	۳۸
۸۰: ۱۹-۲۰	۳۴
التکویر ۸۱	
۸۱: ۲۹	۳۲، ۳۳، ۱۴۶
الانفطار ۸۲	
۸۲: ۸	۳۴
الانشقاق ۸۴	
۸۴ ۲۱-۲۲	۱۲۵
الاعلیٰ ۸۷	
۸۷: ۱۴	۵۹
اللیل ۹۲	
۹۲: ۱۹-۲۰	۷۷
التین ۹۵	
۹۵: ۶	۱۴۳
البینۃ ۹۸	
۹۸: ۴-۵	۷
الزلزال ۹۹	
۹۹: ۷-۸	۳۱
الھمزۃ ۱۰۴	
۱۰۴: ۶-۷	۳۱
الماعون ۱۰۷	
۱۰۷: ۴-۷	۶۴
النصر ۱۱۰	
۱۱۰: ۲	۵۴
الاخلاص ۱۱۲	
۱۱۲: ۱	۳۱
الناس ۱۱۴	
۱۱۴: ۴-۵	۷

تمت بالخیر

فہرست آیاتِ تذکرہ

(مجلدِ اوّل)

اس فہرست میں صرف اُن آیاتِ الٰہی کا حوالہ دیا گیا ہے جن کے الفاظ مع مطالب اس کتاب یا حواشی میں آئے ہیں۔ جہاں صرف آیت کا شمار لکھ کر حوالہ دیا گیا اُس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

شمارہ	سپارہ و آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
	۱- الفاتحۃ (۷)	
۱	(۱: ۱)	۲۲۷
۲	(۱: ۲)	۲۲۷
۳	(۱: ۳)	۱۶۱، ۲۲۷
۴	(۱: ۴)	۱۱۲، ۲۲۷
۵	(۱: ۵)	۱۶۹، ۲۲، ۲۲۴
۶	(۱: ۶)	۲۲، ۲۲۴
۷	(۱: ۷)	۲۲، ۲۳۷
۲۹۳	۲- البقرۃ (۲۸۶)	
۸	(۲: ۲۳)	۶۵
۹	(۲: ۲۶)	۷۸
۱۰	(۲: ۳۰)	۱۶۹
۱۱	(۲: ۳۴)	۲۱۶، ۱
۱۲	(۲: ۴۳)	۱۰۸
۱۳	(۲: ۴۵)	۱۱۱، ۲۲۹، ۲۶۱
۱۴		۲۷۴، ۲۹۸
۱۵	(۲: ۴۷)	۲۱۶
۱۶	(۲: ۵۴)	۷۸
۱۷	(۲: ۱۵۵)	۷۸
۱۸	(۲: ۵۷)	۷۹
۱۹	(۲: ۶۱)	۶۸، ۲۲۳
۲۰	(۲: ۱۱۲)	۱۷۷
۲۱	(۲: ۱۲۲)	۲۱۶
۲۲	(۲: ۱۲۴)	۲۵۸
۲۳	(۲: ۱۲۹)	۵۴
۲۴	(۲: ۱۳۶)	۱۸۵، ۱۸۷
۲۵	(۲: ۱۳۷)	۱۸۶
۲۶	(۲: ۱۳۸)	۱۸۷
۲۷	(۲: ۱۴۲)	۲۲۹
۲۸	(۲: ۱۴۳)	۱۰۵، ۱۷
۲۹	(۲: ۱۴۴)	۱۳۶
۳۰	(۲: ۱۴۵)	۱۳۶
۳۱	(۲: ۱۴۸)	۱۳۷
۳۲	(۲: ۱۵۰)	۲۱۸

شمارہ	سپارہ و آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۳۳	(۲: ۱۵۱)	۵۴
۳۴	(۲: ۱۵۲)	۲۴۸
۳۵	(۲: ۱۵۳)	۲۴۸
۳۶	(۲: ۱۵۴)	۱۲۶
۳۷	(۲: ۱۵۵)	۱۲۳
۳۸	(۲: ۱۵۶)	۱۲۳
۳۹	(۲: ۱۵۷)	۱۲۳
۴۰	(۲: ۱۶۵)	۱۱۷، ۱۱۹
۴۱	(۲: ۱۶۸)	۲۰۷
۴۲	(۲: ۱۶۹)	۲۰۷
۴۳	(۲: ۱۸۶)	۲۴۸
۴۴	(۲: ۱۹۸)	۲۳
۴۵	(۲: ۲۱۰)	۲۳۰
۴۶	(۲: ۲۱۱)	۲۱۵
۴۷	(۲: ۲۱۳)	۱۸۸، ۲۲۸
۴۸	(۲: ۲۲۸)	۱۴۸
۴۹	(۲: ۲۲۹)	۱۴۸، ۱۷۵
۵۰	(۲: ۲۳۱)	۱۴۸، ۲۱۷
۵۱	(۲: ۲۳۲)	۱۴۸
۵۲	(۲: ۲۳۳)	۱۴۸
۵۳	(۲: ۲۳۴)	۱۴۸
۵۴	(۲: ۲۳۶)	۱۴۸
۵۵	(۲: ۲۴۱)	۱۴۹
۵۶	(۲: ۲۴۷)	۲۰۷
۵۷	(۲: ۲۴۸)	۲۰۷
۵۸	(۲: ۲۷۳)	۱۶۸، ۲۰۱
۳۹۲	۳- آلِ عمران (۱۹۹)	
۵۹	(۳: ۳)	۸۹
۶۰	(۳: ۱۳)	۸۷
۶۱	(۳: ۱۸)	۱۹۱، ۲۰۳
۶۲	(۳: ۱۹)	۱۹۱
۶۳	(۳: ۳۱)	۲۲۲
۶۴	(۳: ۳۲)	۱۰۱
۶۵	(۳: ۵۳)	۵۲،
۶۶	(۳: ۹۳)	۱۸۰

شمارہ	سپارہ و آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۶۷	(۳: ۷۵)	۱۹۸
۶۸	(۳: ۸۳)	۱۸۵، ۱۸۸، ۱۹۷
۶۹	(۳: ۸۴)	۱۹۰
۷۰	(۳: ۹۶)	۱۷۳
۷۱	(۳: ۱۰۰)	۲۲۶
۷۲	(۳: ۱۰۱)	۲۲۶، ۱۴۵
۷۳	(۳: ۱۰۲)	۱۴۵، ۲۱۷، ۲۲۶، ۲۵۶
۷۴	(۳: ۱۰۳)	۱۴۵، ۱۵۱، ۲۲۶
۷۵	(۳: ۱۰۴)	۱۴۵
۷۶	(۳: ۱۱۰)	۲۲۳
۷۷	(۳: ۱۱۲)	۱۰۷
۷۸	(۳: ۱۱۳)	۱۳۷
۷۹	(۳: ۱۱۴)	۱۳۷
۸۰	(۳: ۱۱۹)	۱۲۷
۸۱	(۳: ۱۳۷)	۸۹
۸۲	(۳: ۱۳۸)	۱۰۷، ۱۲۱، ۱۵۳، ۱۶۹
۸۳	(۳: ۱۳۹)	۱۲۰
۸۴	(۳: ۱۴۰)	۱۴۲، ۱۲
۸۵	(۳: ۱۴۱)	۱۲
۸۶	(۳: ۱۴۲)	۱۲
۸۷	(۳: ۱۵۳)	۱۴۲
۸۸	(۳: ۱۶۳)	۵۴
۸۹	(۳: ۱۶۴)	۱۲۴
۹۰	(۳: ۱۶۵)	۱۲۴
۹۱	(۳: ۱۶۶)	۱۲۴
۹۲	(۳: ۱۶۸)	۱۲۶
۹۳	(۳: ۱۷۰)	۲۱۶
۹۴	(۳: ۱۷۳)	۲۱۶
۹۵	(۳: ۱۸۰)	۱۳۹
۹۶	(۳: ۱۹۴)	۱۲۲
۹۷	(۳: ۱۹۵)	۱۵۳
۹۸	(۳: ۱۹۶)	۱۵۳
۹۹	(۳: ۱۹۷)	۱۵۳
۱۰۰	(۳: ۱۹۹)	۱۴۲، ۱۴۵، ۱۵
۶۶۹	۴- النساء (۱۷۷)	

شماره	شماره آیت مع سوره	صفحه کتاب
۱۰۱	(۴: ۵)	۱۴۹
۱ ۲	(۴: ۶)	۱۴۹
۱ ۳	(۴: ۱۱)	۱۸۹
۱۰۴	(۴: ۱۵)	
۱۰۵	(۴: ۱۶)	۱۸۹
۱۰۶	(۴: ۱۷)	۱۸۹
۱ ۷	(۴: ۱۹)	۱۴۹
۱۰۸	(۴: ۲۳)	۱۸۹
۱ ۹	(۴: ۲۵)	۱۴۹
۱۱۰	(۴: ۲۹)	۱۸۹
۱۱۱	(۴: ۳)	۱۸۹
۱۱۲	(۴: ۳۲)	۱۸۹
۱۱۳	(۴: ۳۳)	۱۸۹
۱۱۴	(۴: ۳۴)	۱۸۹
۱۱۵	(۴: ۳۵)	۱۸۹
۱۱۶	(۴: ۳۶)	۱۸۹
۱۱۷	(۴: ۴۸)	۱۲۰
۱۱۸	(۴: ۵۸)	۲۳۱
۱۱۹	(۴: ۵۹)	۱۷۹، ۲۴۳
۱۲۰	(۴: ۶۲)	۱۲۵
۱۲۱	(۴: ۶۴)	۲۴۵
۱۲۲	(۴: ۶۶)	۲۴۳
۱۲۳	(۴: ۶۷)	۲۴۳
۱۲۴	(۴: ۶۸)	۲۴۳
۱۲۵	(۴: ۶۹)	۲۴۳، ۲۲
۱۲۶	(۴: ۷)	۲۴۳
۱۲۷	(۴: ۷۲)	۱۲۵
۱۲۸	(۴: ۷۹)	۱۲۳، ۱۲۶
۱۲۹	(۴: ۸۰)	۱۷۱
۱۳۰	(۴: ۸۲)	۵۸
۱۳۱	(۴: ۱۰۳)	۱۸۹، ۲۳
۱۳۲	(۴: ۱۰۴)	۱۶۴
۱۳۳	(۴: ۱۱۳)	۵۴
۱۳۴	(۴: ۱۱۴)	۱۴۹
۱۳۵	(۴: ۱۱۶)	۱۱۹
۱۳۶	(۴: ۱۳۵)	۲۰۲، ۲۵۷
۱۳۷	(۴: ۱۴۲)	۲۵۳
۱۳۸	(۴: ۱۴۳)	۲۵۳
۱۳۹	(۴: ۱۴۵)	۲۵۳
۱۴۰	(۴: ۱۷۶)	۲۲۴
۷۷۹	۵- المائدة (۱۲۰)	
۱۴۱	(۵: ۳)	۲۱۷، ۵۴

شماره	شماره آیت مع سوره	صفحه کتاب
۱۴۲	(۵: ۶)	۲۱۷
۱۴۳	(۵: ۷)	۲۱۸
۱۴۴	(۵: ۸)	۲۰۲
۱۴۵	(۵: ۱۱)	۱۷۰، ۲۱۶
۱۴۶	(۵: ۱۲)	۲۶۴
۱۴۷	(۵: ۱۳)	۲۶۶
۱۴۸	(۵: ۱۵)	۱۷۷، ۲۳۵، ۲۷
۱۴۹	(۵: ۱۶)	۲۳۵، ۱۷۲، ۲۷
۱۵۰	(۵: ۲)	۲۱۵
۱۵۱	(۵: ۲۲)	۲۱۹
۱۵۲	(۵: ۲۳)	۲۱۹
۱۵۳	(۵: ۳۵)	۱۵۶
۱۵۴	(۵: ۴۴)	۸۹، ۹۶
۱۵۵	(۵: ۴۵)	۹۶
۱۵۶	(۵: ۴۶)	۸۹
۱۵۷	(۵: ۴۷)	۹۶
۱۵۸	(۵: ۴۸)	۱۳۵، ۱۹۳
۱۵۹	(۵: ۵)	۹۲
۱۶	(۵: ۵۵)	۱ ۷
۱۶۱	(۵: ۵۶)	۱۵، ۱۵۳، ۱۷۹
۱۶۲	(۵: ۵۷)	۲۵
۱۶۳	(۵: ۵۸)	۲۵
۱۶۴	(۵: ۱ ۶)	۱۲۶
۱۶۵	(۵: ۱۰۹)	۲۲۱
۱۶۶	(۵: ۱۱)	۲۲۱
۱۶۷	(۵: ۱۱۲)	۱۷۹
۹۵۵	۶- الأنعام (۱۶۶)	
۱۶۸	(۶: ۳۴)	۲۵۴
۱۶۹	(۶: ۳۵)	۲۵۴
۱۷۰	(۶: ۳۷)	۸۱، ۲۵۶
۱۷۱	(۶: ۳۸)	۸۱
۱۷۲	(۶: ۸۷)	۲۳۴
۱۷۳	(۶: ۸۸)	۲۳۴
۱۷۴	(۶: ۹۲)	۸۹
۱۷۵	(۶: ۹۹)	۱۵
۱۷۶	(۶: ۱ ۰)	۱۰۳، ۱۱۵
۱۷۷	(۶: ۱۱۵)	۸۹، ۹۲، ۹۳
۱۷۸	(۶: ۱۱۶)	۴۴، ۹۲، ۹۳، ۱۵۱
۱۷۹	(۶: ۱۱۷)	۹۳
۱۸۰	(۶: ۱۱۸)	۹۳
۱۸۱	(۶: ۱۲۶)	۲۳۸
۱۸۲	(۶: ۱۲۷)	۲۳۸

شماره	شماره آیت مع سوره	صفحه کتاب
۱۸۳	(۶: ۱۲۸)	۲۳۸
۱۸۴	(۶: ۱۳۴)	۹
۱۸۵	(۶: ۱۴۲)	۱۱۵
۱۸۶	(۶: ۱۵۲)	۲۴، ۲۴۱
۱۸۷	(۶: ۱۵۳)	۲۴، ۲۴۱
۱۸۸	(۶: ۱۵۴)	۲۴، ۲۴۲
۱۸۹	(۶: ۱۵۵)	۸۹
۱۹	(۶: ۱۵۶)	۸۹
۱۹۱	(۶: ۱۵۸)	۹
۱۹۲	(۶: ۱۶)	۱۳۱
۱۹۳	(۶: ۱۶۱)	۱۳
۱۹۴	(۶: ۱۶۲)	۲۳۱
۱۹۵	(۶: ۱۶۳)	۲۳۱
۱۹۶	(۶: ۱۶۴)	۲۳۱
۱۹۷	(۶: ۱۶۶)	۱۳
۱۱۶۱	۷- الأعراف (۲۰۶)	
۱۹۸	(۷: ۱۶)	۱۹۵
۱۹۹	(۷: ۱۷)	۱۹۵
۲۰۰	(۷: ۱۸)	۱۹۵
۲۰۱	(۷: ۲۷)	۲ ۷
۲۰۲	(۷: ۲۸)	۲ ۷
۲۰۳	(۷: ۲۹)	۲۴، ۲۶، ۲۸، ۲۱۱، ۲۵۷
۲۰۴	(۷: ۳۴)	۱۳، ۱۷۷
۲۰۵	(۷: ۳۵)	۱۳، ۴۳، ۱۷۷
۲۰۶	(۷: ۵۲)	۵۸، ۹۲، ۱۷۵
۲۰۷	(۷: ۵۳)	۱۳۱
۲۰۸	(۷: ۵۶)	۲ ۵
۲ ۹	(۷: ۹۵)	۱۲۷
۲۱	(۷: ۱۲۸)	۳۹
۲۱۱	(۷: ۱۲۹)	۹
۲۱۲	(۷: ۱۳۰)	۱۲۷
۲۱۳	(۷: ۱۳۷)	۱۹، ۴۰
۲۱۴	(۷: ۱۳۸)	۴۰
۲۱۵	(۷: ۱۵۲)	۲۲۳
۲۱۶	(۷: ۱۵۴)	۸۹
۲۱۷	(۷: ۱۵۶)	۱۵۶
۲۱۸	(۷: ۱۵۷)	۱۷۲
۲۱۹	(۷: ۱۵۸)	۲ ۴
۲۲۰	(۷: ۱۶۲)	۲۶
۲۲۱	(۷: ۱۶۸)	۱۲۷
۲۲۲	(۷: ۱۷۶)	۸۵
۲۲۳	(۷: ۱۸۲)	۹۸

شمارہ	شمار و آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۲۴	(۷: ۱۸۳)	۹۸
۲۲۵	(۷: ۱۸۵)	۹۳
۲۲۶	(۷: ۱۸۷)	۸۴
۲۲۷	(۷: ۱۸۹)	۴
۲۲۸	(۷: ۱۹)	۴
۲۲۹	(۷: ۲۰۳)	۵۷
۲۳۰	(۷: ۲۰۶)	۱۷
۱۲۳۶	۸۔الانفال (۷۵)	
۲۳۱	(۸: ۱)	۱۷۹، ۲۶۳
۲۳۲	(۸: ۲)	۱۳، ۲۶۳
۲۳۳	(۸: ۳)	۱۸، ۲۶۳
۲۳۴	(۸: ۴)	۱۸، ۲۶۳
۲۳۵	(۸: ۷)	۱۸۴
۲۳۶	(۸: ۸)	۱۸۴
۲۳۷	(۸: ۱۱)	۱۴۲، ۱۴۴
۲۳۸	(۸: ۱۲)	۱۴۴
۲۳۹	(۸: ۲۰)	۱۷
۲۴۰	(۸: ۲۱)	۱۷
۲۴۱	(۸: ۲۲)	۱۶۰
۲۴۲	(۸: ۲۴)	۱۶۱
۲۴۳	(۸: ۲۵)	۱۶۱، ۲۴۵
۲۴۴	(۸: ۲۶)	۱۲، ۱۴۴
۲۴۵	(۸: ۲۹)	۱۵۲
۲۴۶	(۸: ۳۱)	۷۱
۲۴۷	(۸: ۳۵)	۱۱۱
۲۴۸	(۸: ۴۵)	۱۴۳، ۱۴۴، ۱۸۰
۲۴۹	(۸: ۵۳)	۲۱۲
۲۵۰	(۸: ۶۳)	۱۹۷، ۱۹۸
۲۵۱	(۸: ۶۴)	۹۷
۲۵۲	(۸: ۶۵)	۱۹۴
۲۵۳	(۸: ۶۶)	۱۹۴
۲۵۴	(۸: ۷۴)	۱۱۴، ۱۲۵
۱۳۶۵	۹۔التوبۃ (۱۲۹)	
۲۵۵	(۹: ۴)	۱۹۹
۲۵۶	(۹: ۱۳)	۱۵۷، ۱۵۸
۲۵۷	(۹: ۲)	۱۱۶
۲۵۸	(۹: ۲۱)	۱۱۵
۲۵۹	(۹: ۲۴)	۱۱۵
۲۶۰	(۹: ۳۱)	۱۸۹
۲۶۱	(۹: ۳۲)	۱۸۴، ۲۷۱
۲۶۲	(۹: ۳۳)	۱۸۴

شمارہ	شمار و آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۶۳	(۹: ۳۴)	۱۳۸
۲۶۴	(۹: ۳۵)	۱۳۸
۲۶۵	(۹: ۳۹)	۹
۲۶۶	(۹: ۴۴)	۱۵۸
۲۶۷	(۹: ۴۵)	۱۵۸
۲۶۸	(۹: ۵)	۱۲۵
۲۶۹	(۹: ۶۷)	۱۲۹
۲۷	(۹: ۷)	۷۶
۲۷۱	(۹: ۷۱)	۱۵
۲۷۲	(۹: ۸۴)	۱۳۳
۲۷۳	(۹: ۸۸)	۱۳۴
۲۷۴	(۹: ۸۹)	۱۳۴
۲۷۵	(۹: ۹۷)	۸
۲۷۶	(۹: ۹۹)	۱۳۳
۲۷۷	(۹: ۱۰۳)	۱۳۳، ۱۸۱
۲۷۸	(۹: ۱۰۴)	۱۳۹
۲۷۹	(۹: ۱۰۷)	۲۵۵
۲۸۰	(۹: ۱۰۸)	۲۵۵، ۲۵۷
۲۸۱	(۹: ۱۰۹)	۲۵۵
۲۸۲	(۹: ۱۱)	۲۵۵
۲۸۳	(۹: ۱۱۱)	۱۴
۱۴۷۴	۱۰۔یونس (۱۰۹)	
۲۸۴	(۱۰: ۱)	۵۳
۲۸۵	(۱۰: ۳)	۱
۲۸۶	(۱۰: ۱۹)	۱۹۱
۲۸۷	(۱۰: ۲۵)	۲۳۵
۲۸۸	(۱۰: ۲۷)	۱۲۸
۲۸۹	(۱۰: ۳۴)	۲۴
۲۹۰	(۱۰: ۴۴)	۱۲۱
۲۹۱	(۱۰: ۵۷)	۹
۲۹۲	(۱۰: ۶۲)	۱۵۸
۲۹۳	(۱۰: ۶۳)	۱۸۸
۲۹۴	(۱۰: ۶۴)	۱۵۸، ۱۸۵
۲۹۵	(۱۰: ۱۰۳)	۱۶۶
۱۵۹۷	۱۱۔ھود (۱۲۳)	
۲۹۶	(۱۱: ۱)	۵۵
۲۹۷	(۱۱: ۱۰)	۱۲۸، ۲۱۴
۲۹۸	(۱۱: ۱۳)	۶۵، ۶۶
۲۹۹	(۱۱: ۱۴)	۶۶
۳۰۰	(۱۱: ۸۸)	۲۰۳
۳۰۱	(۱۱: ۵۷)، ۸۸	۹، ۱۴۳

شمارہ	شمار و آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۳۰۲	(۱۱: ۱۱۰)	۱۹۴
۳۰۳	(۱۱: ۱۱۹)، ۱۱۴	۱۹۴، ۴۲، ۹
۱۷۰۸	۱۲۔یوسف (۱۱۱)	
۳۰۴	(۱۲: ۱)	۵۷، ۹۱
۳۰۵	(۱۲: ۲)	۹۱، ۹۶
۳۰۶	(۱۲: ۹)	۲۱۳
۳۰۷	(۱۲: ۱۲)	۱۹۲
۳۰۸	(۱۲: ۲۴)	۲۰۸
۳۰۹	(۱۲: ۲۸)	۲۴۷
۳۱۰	(۱۲: ۱۱۱)	۸۶، ۹۲۹
۱۷۵۱	۱۳۔الرعد (۴۳)	
۳۱۱	(۱۳: ۴)	۱۱۵
۳۱۲	(۱۳: ۶)	۱۲۷
۳۱۳	(۱۳: ۲۳)	۱۲۹
۳۱۴	(۱۳: ۳۴)	۱۱۹
۳۱۵	(۱۳: ۳۷)	۹
۳۱۶	(۱۳: ۳۸)	۲۴۷
۱۸۰۳	۱۴۔ابراھیم (۵۲)	
۳۱۷	(۱۴: ۱)	۵۵، ۲۶۹
۳۱۸	(۱۴: ۴)	۴۶، ۹۶
۳۱۹	(۱۴: ۵)	۲۷
۳۲۰	(۱۴: ۶)	۲۱۵
۳۲۱	(۱۴: ۷)	۲۳۸
۳۲۲	(۱۴: ۸)	۱۳۱
۳۲۳	(۱۴: ۱۲)	۲۳۷
۳۲۴	(۱۴: ۱۳)	۴۳، ۹۶
۳۲۵	(۱۴: ۱۴)، ۱۵	۴۳، ۹۶، ۱۵۹
۳۲۶	(۱۴: ۲۳)	۲۷۱
۳۲۷	(۱۴: ۲۷)	۱۴۳
۳۲۸	(۱۴: ۳۴)	۲۱۲
۱۹۰۲	۱۵۔الحجر (۹۹)	
۳۲۹	(۱۵: ۱)	۵۷
۳۳۰	(۱۵: ۹)	۹۲
۳۳۱	(۱۵: ۲۱)	۱۲۹
۳۳۲	(۱۵: ۸۷)	۲۶۸
۳۳۳	(۱۵: ۹۰)	۷۴
۳۳۴	(۱۵: ۹۱)	۷۴، ۱۴۳
۳۳۵	(۱۵: ۹۲)	۷۴
۳۳۶	(۱۵: ۹۳)	۷۴

شماره	شماره آیت مع سوره	صفحه کتاب
۲۰۳۰	۱۶- النحل (۱۲۸)	
۳۳۷	۱۶: ۸	۲۵
۳۳۸	۱۶: ۳	۱۵۹
۳۳۹	۱۶: ۳۶	۱۸۷
۳۴۰	۱۶: ۴۴	۵۹، ۸۶، ۱۵۱
۳۴۱	۱۶: ۴۵	۱۲۸
۳۴۲	۱۶: ۴۹	۱۷
۳۴۳	۱۶: ۵۳	۲۱۴
۳۴۴	۱۶: ۶۴	۹
۳۴۵	۱۶: ۷۱	۲۱۴
۳۴۶	۱۶: ۷۲	۲۱۴
۳۴۷	۱۶: ۷۹	۱۲
۳۴۸	۱۶: ۸۱	۲۱۴
۳۴۹	۱۶: ۸۳	۱۵۴، ۲۱۴
۳۵۰	۱۶: ۸۹	۵۹، ۹۲، ۱۶۷
۳۵۱	۱۶: ۹۰	۲۰۸
۳۵۲	۱۶: ۹۱	۱۹۸
۳۵۳	۱۶: ۹۳	۱۴۲
۳۵۴	۱۶: ۱۰۲	۶۹، ۱۴۴
۳۵۵	۱۶: ۱۰۳	۹۱
۳۵۶	۱۶: ۱۱۴	۲۱۶
۳۵۷	۱۶: ۱۲	۲۳۲
۳۵۸	۱۶: ۱۲۱	۲۳۲
۳۵۹	۱۶: ۱۲۳	۲۳۲
۳۶۰	۱۶: ۱۲۵	۹۵
۳۶۱	۱۶: ۱۲۷	۱۵۲
۳۶۲	۱۶: ۱۲۸	۱۵۲
۲۱۴۱	۱۷- بنی اسرائیل (۱۱۱)	
۳۶۳	۱۷: ۲	۸۹
۳۶۴	۱۷: ۵	۱۳
۳۶۵	۱۷: ۶	۱۳
۳۶۶	۱۷: ۷	۱۳
۳۶۷	۱۷: ۹	۴۵، ۲۶
۳۶۸	۱۷: ۱۱	۱۸۹
۳۶۹	۱۷: ۳۶	۸۳
۳۷۰	۱۷: ۳۷	۲
۳۷۱	۱۷: ۳۹	۸۳
۳۷۲	۱۷: ۴۹	۲۹
۳۷۳	۱۷: ۵۰	۲۹
۳۷۴	۱۷: ۵۱	۲۹
۳۷۵	۱۷: ۵۳	۱۸۹
۳۷۶	۱۷: ۵۶	۱۸۴
۳۷۷	۱۷: ۵۷	۱۵۷
۳۷۸	۱۷: ۸۵	۱۷، ۳
۳۷۹	۱۷: ۸۳	۲۱۳
۳۸۰	۱۷: ۸۸	۷۱
۳۸۱	۱۷: ۱۰۶	۷۲
۳۸۲	۱۷: ۱۱۱	۱۱۲
۲۲۵۱	۱۸- الکهف (۱۱۰)	
۳۸۳	۱۸: ۱	۱، ۵۵
۳۸۴	۱۸: ۲	۱
۳۸۵	۱۸: ۵	۱۹۶
۳۸۶	۱۸: ۲۳	۱۶۰
۳۸۷	۱۸: ۵۴	۱۸۹
۲۳۴۹	۱۹- مریم (۹۸)	
۳۸۸	۱۹: ۵۶	۲۲۰
۳۸۹	۱۹: ۵۷	۲۲
۳۹۰	۱۹: ۵۸	۲۲
۳۹۱	۱۹: ۵۹	۲۶۶
۳۹۲	۱۹: ۹۷	۶۶، ۷۹، ۱۵۱
۳۹۳	۱۹: ۹۸	۷۹
۲۴۸۴	۲۰- طٰهٰ (۱۳۵)	
۳۹۴	۲۰: ۱۳	۱۹
۳۹۵	۲۰: ۳۹	۱۱
۳۹۶	۲۰: ۵۰	۱۱
۳۹۷	۲۰: ۸	۲۲۳
۳۹۸	۲۰: ۸۱	۲۲۳
۳۹۹	۲۰: ۸۲	۲۲۳
۲۵۹۶	۲۱- الانبیاء (۱۱۲)	
۴	۲۱: ۵	۸۸
۴۰۱	۲۱: ۳۰	۲۰، ۲۲
۴۰۲	۲۱: ۳۱	۲۲
۴۰۳	۲۱: ۳۲	۲۲
۴۰۴	۲۱: ۳۳	۲۲
۴۰۵	۲۱: ۳۸	۸۹
۴۰۶	۲۱: ۵	۹۰
۴۰۷	۲۱: ۷۳	۸، ۱۳۶
۴۰۸	۲۱: ۹۰	۱۱۰، ۱۳۶، ۲۲۷
۴۰۹	۲۱: ۱۰۵	۵، ۸۷
۴۱	۲۱: ۱۰۶	۴، ۱۶۰
۴۱۱	۲۱: ۱۰۷	۸۶
۲۶۷۴	۲۲- الحج (۷۸)	
۴۱۳	(۲۲: ۳۴)	۱۷۳، ۲۳۱
۴۱۳	(۲۲: ۳۵)	۱۷۳، ۲۳۱
۴۱۴	(۲۲: ۳۷)	۲۳۲
۴۱۵	(۲۲: ۴۶)	۸۳
۴۱۶	(۲۲: ۴۷)	۱۶
۴۱۷	(۲۲: ۵۴)	۲۲۷
۴۱۸	(۲۲: ۶۷)	۲۲۹، ۲۳۲، ۲۳۷
۴۱۹	(۲۲: ۶۸)	۲۳۳
۴۲	(۲۲: ۶۹)	۲۳۳
۴۲۱	(۲۲: ۷۲)	۱۵
۴۲۲	(۲۲: ۷۴)	۱۱
۴۲۳	(۲۲: ۷۷)	۱۵
۴۲۴	(۲۲: ۷۸)	۱۵
۲۷۹۲	۲۳- المؤمنون (۱۱۸)	
۴۲۵	(۲۳: ۱۹)	۱۱۵
۴۲۶	(۲۳: ۴۵)	۱۹
۴۲۷	(۲۳: ۴۶)	۱۹
۴۲۸	(۲۳: ۴۷)	۱۹
۴۲۹	(۲۳: ۵)	۲۲۲
۴۳۰	(۲۳: ۵۲)	۴۹، ۷۹
۴۳۱	(۲۳: ۵۳)	۴۹، ۷۴
۴۳۲	(۲۳: ۵۴)	۴۹
۴۳۳	(۲۳: ۵۵)	۱۳۵
۴۳۴	(۲۳: ۵۶)	۱۳۵
۴۳۵	(۲۳: ۶)	۱۳۷
۴۳۶	(۲۳: ۶۱)	۱۳۵
۴۳۷	(۲۳: ۶۶)	۸۸
۴۳۸	(۲۳: ۶۷)	۸۸
۴۳۹	(۲۳: ۶۸)	۸۸
۴۴	(۲۳: ۶۹)	۸۸
۴۴۱	(۲۳: ۷)	۸۸
۴۴۲	(۲۳: ۷۲)	۲۲۷
۴۴۳	(۲۳: ۷۳)	۲۲۷
۲۸۵۶	۲۴- النور (۶۴)	
۴۴۴	(۲۴: ۳۱)	۲۰۹
۴۴۵	(۲۴: ۳۵)	۳۷
۴۴۶	(۲۴: ۳۶)	۳۷
۴۴۰	(۲۴: ۵۵)	۱۱۷، ۲۲۵، ۲
۲۹۳۳	۲۵- الفرقان (۷۷)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۴۴۸	(۳۶ ۱۶)	۹۵
۴۴۹	(۲۵، ۱۳)	۴۶
۴۵	(۲۵، ۳۱)	۴۶
۴۵۱	(۲۵، ۳۲)	۴۶، ۷۲
۴۵۲	(۲۵، ۶۳)	۲ ۱۶۲
۴۵۳	(۲۵، ۷۲)	۲۱
۳۱۶۰	**۲۶-الشعراء (۲۲۷)**	
۴۵۴	(۲۶، ۳)	۸
۴۵۵	(۲۶، ۴)	۸
۴۵۶	(۲۶، ۲۲)	۱۱، ۲۱۲
۴۵۷	(۲۶، ۵۷)	۱۱۶
۴۵۸	(۲۶، ۵۸)	۱۱۶
۴۵۹	(۲۶، ۵۹)	۱۱۶
۴۶	(۲۶، ۱۳۲)	۱۱۶
۴۶۱	(۲۶، ۱۳۳)	۱۱۶
۴۶۲	(۲۶، ۱۳۴)	۱۱۶
۴۶۳	(۲۶، ۱۴۷)	۱۱۶
۴۶۴	(۲۶، ۱۴۸)	۱۱۶
۴۶۵	(۲۶، ۲۲۴)	۶۴
۴۶۶	(۲۶، ۲۲۵)	۶۴
۴۶۷	(۲۶، ۲۲۶)	۶۴
۳۲۵۳	**۲۷-النمل (۹۳)**	
۴۶۸	(۲۷، ۱)	۵۷، ۱۷۵
۴۶۹	(۲۷، ۲)	۹، ۱۷۵
۴۷۰	(۲۷، ۹)	۵۳
۴۷۱	(۲۷، ۱۳)	۱۷
۴۷۲	(۲۷، ۳۶)	۱۳۷
۴۷۳	(۲۷، ۶)	۱۰۲، ۱۹۱
۴۷۴	(۲۷، ۷۷)	۹۰
۴۷۵	(۲۷، ۸۹)	۱۳۱
۴۷۶	(۲۷، ۹)	۱۳۱
۳۳۱۴	**۲۸-القصص (۸۸)**	
۴۷۷	(۲۸، ۲)	۵۷
۴۷۸	(۲۸، ۵)	۱۸
۴۷۹	(۲۸، ۶)	۱۸
۴۸۰	(۲۸، ۳۲)	۶۵
۴۸۱	(۲۸، ۴۳)	۸۹
۴۸۲	(۲۸، ۴۷)	۱۲۵
۴۸۳	(۲۸، ۴۹)	۸۹، ۹۱
۴۸۴	(۲۸، ۵۴)	۱۲۹

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۴۸۵	(۲۸، ۵۵)	۲
۴۸۶	(۲۸، ۵۸)	۱
۴۸۷	(۲۸، ۵۹)	۱، ۸۱
۴۸۸	(۲۸، ۶۷)	۳۳
۴۸۹	(۲۸، ۶۸)	۳۳، ۱۹۱
۴۹	(۲۸، ۸۳)	۱۲۸
۳۴۱۰	**۲۹-العنکبوت (۶۹)**	
۴۹۱	(۲۹، ۶) ۲ ۳	۱۷۳، ۱۸۱ ۱۳
۴۹۲	(۲۹، ۱۹)	۲۴
۴۹۳	(۲۹، ۲)	۲۴
۴۹۴	(۲۹، ۳۹)	۱۵
۴۹۵	(۲۹، ۴۵)	۲۷، ۹۷، ۷۲، ۲۳
۴۹۶	(۲۹، ۴۹)	۹۴
۴۹۷	(۲۹، ۵)	۹۴
۴۹۸	(۲۹، ۵۱)	۷۹، ۹۴
۴۹۹	(۲۹، ۵۲)	۹۴
۵	(۲۹، ۶۷)	۲۱۸
۵۰۱	(۲۹، ۶۹)	۲۴۲
۳۴۷۰	**۳۰-الروم (۶۰)**	
۵۰۲	(۳۰، ۹)	۳۹، ۷۶
۵۰۳	(۳۰، ۲۷)	۲۴
۵۰۴	(۳۰، ۳۰)	۱۰۴، ۶۱
۵۰۵	(۳۰، ۳۶)	۱۲۷
۵۰۶	(۳۰، ۴۷)	۱۶۶
۳۵۰۴	**۳۱-لقمان (۳۴)**	
۵۰۷	(۳۱، ۲)	۵۳
۵۰۸	(۳۱، ۳)	۹
۵۰۹	(۳۱، ۱۴)	۲۱۴
۵۱۰	(۳۱، ۳۱)	۲۱۴
۵۱۱	(۳۱، ۳۴)	۱۶۴
۳۵۳۴	**۳۲-السجدۃ (۳۰)**	
۵۱۲	(۳۲، ۴)	۱۴
۵۱۳	(۳۲، ۵)	۱۴
۵۱۴	(۳۲، ۶)	۱۴
۵۱۵	(۳۲، ۷)	۱۴
۵۱۶	(۳۲، ۸)	۱۴
۵۱۷	(۳۲، ۹)	۱۴
۵۱۸	(۳۲، ۱۳)	۱۹۶
۵۱۹	(۳۲، ۱۶)	۲۴۶، ۲۶۳

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۵۲	(۳۲، ۲۳)	۸۹
۵۲۱	(۳۲، ۲۴)	۴
۳۶۰۷	**۳۳-الاحزاب (۷۳)**	
۵۲۲	(۳۳، ۹)	۲، ۱۶
۵۲۳	(۳۳، ۳۷، ۴۰)	۲۱۹، ۳۳
۵۲۴	(۳۳، ۵۶، ۷۲)	۱۳۲، ۳۳
۳۶۶۱	**۳۴-السبا (۵۴)**	
۵۲۵	(۳۴، ۱۷)	۹۶
۵۲۶	(۳۴، ۲۸)	۲۴
۵۲۷	(۳۴، ۳۹)	۱
۳۷۰۶	**۳۵-الفاطر (۴۵)**	
۵۲۸	(۳۵، ۱)	۳۲
۵۲۹	(۳۵، ۳)	۲۱۴
۵۳	(۳۵، ۱۵)	۳۴
۵۳۱	(۳۵، ۱۶)	۳۴
۵۳۲	(۳۵، ۱۷)	۳۴
۵۳۳	(۳۵، ۲۷)	۲۸
۵۳۴	(۳۵، ۳۶)	۱۳۶
۵۳۵	(۳۵، ۳۹)	۲۶۵
۵۳۶	(۳۵، ۴۳)	۱۹۳
۵۳۷	(۳۵، ۴۴)	۳۹
۳۷۸۹	**۳۶-یٰس (۸۳)**	
۵۳۸	(۳۶، ۱)	۵۳
۵۳۹	(۳۶، ۲)	۵۳
۵۴	(۳۶، ۳)	۵۳
۵۴۱	(۳۶، ۴)	۵۳
۵۴۲	(۳۶، ۲۲)	۱۱۵
۵۴۳	(۳۶، ۲۸)	۲۳
۵۴۴	(۳۶، ۳۹)	۲۳
۵۴۵	(۳۶، ۴)	۲۳
۵۴۶	(۳۶، ۶)	۲۲۸
۵۴۷	(۳۶، ۶۱)	۲۲۸
۵۴۸	(۳۶، ۶۶)	۱۷۳
۵۴۹	(۳۶، ۶۷)	۱۷۳
۵۵۰	(۳۶، ۶۹)	۶۴
۵۵۱	(۳۶، ۷)	۶۴
۵۵۲	(۳۶، ۷۷)	۱۷۴
۵۵۳	(۳۶، ۷۹)	۳۱
۵۵۴	(۳۶، ۸۰)	۳۱

سلسلہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۳۹۷۱	۳۷-الصّٰفّٰت (۱۸۲)	
۵۵۵	(۳۷:۱۱)	۱۵
۵۵۶	(۳۷:۱۱۴)	۲۳۶
۵۵۷	(۳۷:۱۱۵)	۲۳۶
۵۵۸	(۳۷:۱۱۶)	۲۳۶
۵۵۹	(۳۷:۱۱۷)	۲۳۶، ۸۹
۵۶۰	(۳۷:۱۱۸)	۲۳۶
۵۶۱	(۳۷:۱۱۹)	۲۳۶
۵۶۲	(۳۷:۱۲)	۲۳۶
۵۶۳	(۳۷:۱۲۱)	۲۳۶
۵۶۴	(۳۷:۱۲۲)	۲۳۶
۵۶۵	(۳۷:۱۷۱)	۱۶۵
۵۶۶	(۳۷:۱۷۲)	۱۶۵
۵۶۷	(۳۷:۱۷۳)	۱۶۵
۴۰۵۹	۳۸-صٓ (۸۸)	
۵۶۸	(۳۸:۵)	۲۱
۵۶۹	(۳۸:۲۶)	۲۳۴
۵۷	(۳۸:۲۹)	۵۹
۵۷۱	(۳۸:۴۵)	۲۵۸، ۲۶
۵۷۲	(۳۸:۸۲)	۱۹۶
۵۷۳	(۳۸:۸۳)	۱۹۶
۵۷۴	(۳۸:۸۴)	۱۹۶
۵۷۵	(۳۸:۸۵)	۱۹۶
۴۱۳۴	۳۹-الزُّمَر (۷۵)	
۵۷۶	(۳۹:۱)	۵۳
۵۷۷	(۳۹:۲)	۱۶۲
۵۷۸	(۳۹:۳)	۱۶۲، ۲۱
۵۷۹	(۳۹:۸)	۲۱۴
۵۸۰	(۳۹:۹)	۱۵۹
۵۸۱	(۳۹:۱۱)	۱۶۱
۵۸۲	(۳۹:۱۲)	۱۶۱
۵۸۳	(۳۹:۱۴)	۱۶۱
۵۸۴	(۳۹:۲۷)	۵۵، ۱۶۷
۵۸۵	(۳۹:۲۸)	۵۵، ۱۶۷
۵۸۶	(۳۹:۴۸)	۱۲۸
۵۸۷	(۳۹:۴۹)	۱۶۴، ۲۱۳
۵۸۸	(۳۹:۵۱)	۱۲۸
۵۸۹	(۳۹:۶۳)	۱۲۹
۵۹۰	(۳۹:۷۴)	۴۱
+	+	+

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۲۱۹	۴۰-المؤمن (۸۵)	
۵۹۱	(۴۰:۲)	۵۳
۵۹۲	(۴۰:۱۴)	۱۹۷
۵۹۳	(۴۰:۲۱)	۳۹
۵۹۴	(۴۰:۲۲)	۹۶
۵۹۵	(۴۰:۵۱)	۱۶۶
۵۹۶	(۴۰:۵۳)	۸۹
۵۹۷	(۴۰:۵۷)	۱۵
۵۹۸	(۴۰:۶)	۲۴۸، ۲۵۴
۵۹۹	(۴۰:۸۲)	۳۹
۴۲۷۳	۴۱-حٰمٓ (۵۴)	
۶۰۰	(۴۱:۳)	۵۸
۶ ۱	(۴۱:۱۸)	۱۶۶
۶۰۲	(۴۱:۳۰)	۱۲۶، ۱۶۵
۶۰۳	(۴۱:۳۱)	۱۶۵
۶۰۴	(۴۱:۳۲)	۱۶۵
۶۰۵	(۴۱:۳۷)	۱۰۷
۶۰۶	(۴۱:۴۲)	۵۵
۶۰۷	(۴۱:۴۴)	۹۰
۶۰۸	(۴۱:۵۱)	۲۱۳
۴۳۲۶	۴۲-الشّورٰی (۵۳)	
۶۰۹	(۴۲:۳)	۱۲۵
۶۱۰	(۴۲:۴۸)	۱۲۷
۶۱۱	(۴۲:۵۱)	۱۹۱
۶۱۲	(۴۲:۵۲)	۲۲۷
۴۴۱۵	۴۳-الزّخرف (۸۹)	
۶۱۳	(۴۳:۲)	۵۷، ۶
۶۱۴	(۴۳:۳)	۶۰، ۶۶، ۷۷
۶۱۵	(۴۳:۴)	۶۰، ۷۷
۶۱۶	(۴۳:۵)	۶۰، ۷۷
۶۱۷	(۴۳:۴۳)	۲۳۶
۶۱۸	(۴۳:۵۹)	۲۲۱، ۲۲۲
۶۱۹	(۴۳:۶۰)	۱، ۱۹
۶۲۰	(۴۳:۶۱)	۲۳۶
۶۲۱	(۴۳:۶۳)	۲۳۵
۶۲۲	(۴۳:۶)	۲۳۵
۶۲۳	(۴۳:۶۵)	۲۳۵
۴۴۷۴	۴۴-الدّخان (۵۹)	

سلسلہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۶۲۴	(۴۴:۲)	۵۷
۶۲۵	(۴۴:۲۵)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۶	(۴۴:۲۶)	۱۱۶، ۱۱۶
۶۲۷	(۴۴:۲۷)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۸	(۴۴:۲۸)	۱۱۶
۶۲۹	(۴۴:۵۸)	۵۷، ۶۶
۴۵۱۱	۴۵-الجاثیۃ (۳۷)	
۶۳	(۴۵:۲)	۵۳
۶۳۱	(۴۵:۲)	۵۸، ۹
۴۵۴۶	۴۶-الاحقاف (۳۵)	
۶۳۲	(۴۶:۲)	۵۳
۶۳۳	(۴۶:۱۲)	۸۹، ۹
۶۳۴	(۴۶:۱۵)	۱۱۳
۶۳۵	(۴۶:۳۵)	۸، ۱۱۸
۴۵۸۴	۴۷-محمد (۳۸)	
۶۳۶	(۴۷:۳۱)	۱۱۸
۶۳۷	(۴۷:۳۸)	۱، ۱۸۱
۴۶۱۳	۴۸-الفتح (۲۹)	
	(۴۸:۱)	۲۴۲
۶۳۸	(۴۸:۲۰)	۲۱۷، ۲۴۲
۶۳۹	(۴۸:۲)	۲۳۳
۶۴۰	(۴۸:۲۷)	۱۸۴
۶۴۱	(۴۸:۲۸)	۱۸۴
۶۴۲	(۴۸:۲۹)	۱۶۸
۴۶۳۱	۴۹-الحجرات (۱۸)	
۶۴۳	(۴۹:۱)	۱۶، ۷۷
۶۴۴	(۴۹:۱۲)	۷۵
۶۴۵	(۴۹:۱۳)	۱۶، ۲۳۷
۶۴۶	(۴۹:۱۵)	۱۱۵
۴۶۷۶	۵۰-قٓ (۴۵)	
۵۴۷	(۵۰:۹)	۱۱۵
۵۴۸	(۵۰:۳۸)	۲۵
۴۷۳۶	۵۱-الذّٰریٰت (۶۰)	
۶۴۹	(۵۱:۵۶)	۱۱۸
۶۵۰	(۵۱:۵۷)	۱۱۸
+	+	+

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۱۲۷۸۵	۵۲-الطور (۴۹)	
۶۵۱	(۴۹ ۵۲)	۸۵
۶۵۲	(۱۳ ۵۲)	۸۵،۸۱
۶۵۳	(۳۱ ۵۲)	۸۵
۶۵۴	(۳۳:۵۲)	۸۱
۶۵۵	(۳۴ ۵۲)	۸۱
۴۸۴۷	۵۳-النجم (۶۲)	
۶۵۶	(۱ ۵۳)	۲
۶۵۷	(۲ ۵۳)	۲
۶۵۸	(۳ ۵۳)	۲
۶۵۹	(۴ ۵۳)	۲
۶۶	(۵ ۵۳)	۲
۶۶۱	(۶ ۵۳)	۲
۶۶۲	(۷ ۵۳)	۲
۶۶۳	(۸ ۵۳)	۲
۶۶۴	(۹ ۵۳)	۲
۶۶۵	(۱۰ ۵۳)	۲
۶۶۶	(۱۱ ۵۳)	۲
۶۶۷	(۱۲ ۵۳)	۲
۶۶۸	(۲۳ ۵۳)	۸۴،۸۲
۶۶۹	(۲۸ ۵۳)	۸۷
۶۷۰	(۲۹ ۵۳)	۸۷
۶۷۱	(۳۰ ۵۳)	۸۷
۶۷۲	(۳۱ ۵۳)	۸۷
۶۷۳	(۳۹ ۵۳)	۱۲
۶۷۴	(۶۲:۵۳)	۱۷
۴۹۰۲	۵۴-القمر (۵۵)	
۶۷۵	(۱۷:۵۴)	۵۷
۶۷۶	(۲۲ ۵۴)	۵۷
۶۷۷	(۲۶ ۵۴)	۱۶۲
۶۷۸	(۳۲:۵۴)	۲۱۲
۶۷۹	(۳۵ ۵۴)	۲۱۲
۶۸۰	(۴ ۵۴)	۵۷
۴۹۸۰	۵۵-الرحمن (۷۸)	
۶۸۱	(۶ ۵۵)	۱۰۷
۶۸۲	(۱۳ ۵۵)	۱۵
۶۸۳	(۲۹ ۵۵)	۲۴
۶۸۴	(۵۶ ۵۵)	۵۳
۶۸۵	(۷:۵۵)	۱۳۶

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۶۸۶	(۷۴:۵۵)	۵۲
۵۰۶۷	۵۶-الواقعۃ (۹۶)	
۶۸۷	(۱:۵۶)	۱۴
۶۸۸	(۲ ۵۶)	۱۴
۶۸۹	(۳ ۵۶)	۸۴
۶۹۰	(۲۳:۵۶)	۵۱
۶۹۱	(۷۵:۵۶)	۵۱
۶۹۲	(۷۶ ۵۶)	۵۱
۶۹۳	(۷۷ ۵۶)	۱۹۹،۵۱
۶۹۴	(۷۸ ۵۶)	۱۹۹،۵۱
۶۹۵	(۷۹ ۵۶)	۱۹۹،۵۲،۵۱،۱۵
۶۹۶	(۸۰ ۵۶)	۱۹۹،۵۱
۶۹۷	(۸۱ ۵۶)	۵۱
۶۹۸	(۸۲ ۵۶)	۵۱
۶۹۹	(۸۳ ۵۶)	۵۱
۷۰۰	(۸۴ ۵۶)	۵۱
۷۰۱	(۸۵ ۵۶)	۵۱
۵۱۰۵	۵۷-الحدید (۲۹)	
۷۰۲	(۷:۵۷)	۹
۷۰۳	(۱۱ ۵۷)	۱۳۷
۷۰۴	(۱۲ ۵۷)	۲۷۱
۷۰۵	(۱۸ ۵۷)	۱۸
۷۰۶	(۲۲:۵۷)	۱۲۵
۷۰۷	(۲۳ ۵۷)	۱۲۵
۵۱۲۷	۵۸-المجادلۃ (۲۲)	
۷۰۸	(۷ ۵۸)	۱۳۸
۷۰۹	(۲۲ ۵۸)	۱۴۹،۱۴
۵۱۵۱	۵۹-الحشر (۲۴)	
۷۱۰	(۲:۵۹)	۱۵۵
۷۱۱	(۱۳:۵۹)	۱۶۳
۷۱۲	(۱۴ ۵۹)	۱۶۳
۷۱۳	(۱۸:۵۹)	۱۶۲
۷۱۴	(۲۳:۵۹)	۱۲۲
۷۱۵	(۲۴:۵۹)	۱۲۲
۵۱۶۴	۶۰-الممتحنۃ (۱۳)	
۵۱۸۸	۶۱-الصف (۱۴)	
۷۱۶	(۳:۶۱)	۱۲۸

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۷۱۷	(۸ ۶۱)	۲۷۱،۱۸۴
۷۱۸	(۹ ۶۱)	۱۸۴، ۲۲
۷۱۹	(۱۰ ۶۱)	۱۸۴
۷۲۰	(۱۱ ۶۱)	۱۸۴
۷۲۱	(۱۲:۶۱)	۱۸۴
۷۲۲	(۱۳:۶۱)	۱۸۴
۵۱۹۹	۶۲-الجمعۃ (۱۱)	
۷۲۳	(۲ ۶۲)	۵۴
۵۲۱۰	۶۳-المنافقین (۱۱)	
۷۲۴	(۷ ۶۳)	۱۳۱
۵۲۲۸	۶۴-التغابن (۱۸)	
۷۲۵	(۱۱ ۶۴)	۱۲۶
۷۲۶	(۱۷:۶۴)	۱۳۷
۵۲۴۰	۶۵-الطلاق (۱۲)	
۵۲۵۲	۶۶-التحریم (۱۲)	
۷۲۷	(۸:۶۶)	۲۷۱
۷۲۸	(۱۲ ۶۶)	۲۲۳
۵۲۸۲	۶۷-الملک (۳۰)	
۷۲۹	(۲ ۶۷)	۲۶
۷۳۰	(۱۵:۶۷)	۲۹
۵۳۳۴	۶۸-القلم (۵۲)	
۷۳۱	(۴:۶۸)	۲۱۸
۷۳۲	(۴۹ ۶۸)	۲۱۲
۵۳۸۶	۶۹-الحاقۃ (۵۲)	
۷۳۳	(۴۱:۶۹)	۷۲
۷۳۴	(۴۲:۶۹)	۷۲
۷۳۵	(۴۳ ۶۹)	۷۲
۵۴۳۰	۷۰-المعارج (۴۴)	
۷۳۶	(۴:۷۰)	۱۶
۷۳۷	(۱۹ ۷۰)	۲۵۲
۷۳۸	(۲۰:۷۰)	۲۵۲
۷۳۹	(۲۱:۷۰)	۲۵۲
۷۴۰	(۲۲ ۷۰)	۲۵۲
۷۴۱	(۲۳:۷۰)	۲۵۲

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۵۴۵۸	۷۱- نوح (۲۸)	
۷۴۲	(۷۱: ۱۳)	۱۷
۷۴۳	(۷۱: ۱۴)	۱۷
۷۴۴	(۷۱: ۱۵)	۱۷
۵۴۸۶	۷۲- الجن (۲۸)	
۵۵۰۶	۷۳- المزمل (۲۰)	
۷۴۵	(۷۳: ۴)	۷۳
۷۴۶	(۷۳: ۲۰)	۱۳۸
۵۵۶۲	۷۴- المدثر (۵۶)	
۷۴۷	(۷۴: ۳)	۲۶
۷۴۸	(۷۴: ۴)	۲۶
۷۴۹	(۷۴: ۵)	۲۶
۵۶۰۲	۷۵- القیامۃ (۴۰)	
۵۶۳۳	۷۶- الدھر (۳۱)	
۵۶۸۳	۷۷- المرسلت (۵۰)	
۷۵۰	(۷۷: ۴۸)	۱۰۸
۷۵۱	(۷۷: ۴۹)	۱۰۸
۵۷۲۳	۷۸- النبا (۴۰)	
۵۷۶۹	۷۹- النزعت (۴۶)	
۵۸۱۱	۸۰- عبس (۴۲)	
۵۸۴۰	۸۱- التکویر (۲۹)	
۵۸۵۹	۸۲- الانفطار (۱۹)	
۵۸۹۵	۸۳- التطفیف (۳۶)	
۵۹۲۰	۸۴- الانشقاق (۲۵)	
۵۹۴۲	۸۵- البروج (۲۲)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۵۹۵۹	۸۶- الطارق (۱۷)	
۵۹۷۸	۸۷- الاعلیٰ (۱۹)	
۶۰۰۴	۸۸- الغاشیۃ (۲۶)	
۶۰۳۴	۸۹- الفجر (۳۰)	
۶۰۵۴	۹۰- البلد (۲۰)	
۶۰۶۹	۹۱- الشمس (۱۵)	
۶۰۹۰	۹۲- الیل (۲۱)	
۷۵۲	(۹۱: ۱۹)	۲۱۸
۷۵۳	(۹۲: ۲)	۲۱۸
۶۱۰۱	۹۳- الضحیٰ (۱۱)	
۷۵۴	(۹۳: ۱۱)	۲۱۸
۶۱۰۹	۹۴- الانشراح (۸)	
۶۱۱۷	۹۵- التین (۸)	
۷۵۵	(۹۵: ۴)	۱۲
۷۵۶	(۹۵: ۵)	۱۲
۶۱۳۶	۹۶- العلق (۱۹)	
۷۵۷	(۹۶: ۴)	۱۷۵
۷۵۸	(۹۶: ۵)	۱۷۵
۷۵۹	(۹۶: ۶)	۱۷۵
۷۶۰	(۹۶: ۷)	۱۷۵
۷۶۱	(۹۶: ۸)	۱۷۵
۶۱۴۱	۹۷- القدر (۵)	
۶۱۴۹	۹۸- البینۃ (۸)	
۶۱۵۷	۹۹- الزلزال (۸)	
۶۱۶۸	۱۰۰- العدیت (۱۱)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۶۱۷۹	۱۰۱- القارعۃ (۱۱)	
۶۱۸۷	۱۰۲- التکاثر (۸)	
۶۱۹۰	۱۰۳- العصر (۳)	
۶۱۹۹	۱۰۴- الھمزۃ (۹)	
۶۲۰۴	۱۰۵- الفیل (۵)	
۶۲۰۸	۱۰۶- القریش (۴)	
۶۲۱۵	۱۰۷- الماعون (۷)	
۷۶۲	(۱۰۷: ۴)	۲۵۲
۷۶۳	(۱۰۷: ۵)	۲۵۲
۷۶۴	(۱۰۷: ۶)	۲۵۲
۷۶۵	(۱۰۷: ۷)	۲۵۲
۶۲۱۸	۱۰۸- الکوثر (۳)	
۶۲۲۴	۱۰۹- الکفرون (۶)	
۷۶۶	(۱۰۹: ۶)	۱۶۱
۶۲۲۷	۱۱۰- النصر (۳)	
۷۶۷	(۱۱۰: ۱)	۱۶۱
۷۶۸	(۱۱۰: ۲)	۱۶۱
۷۶۹	(۱۱۰: ۳)	۱۶۱
۶۲۳۲	۱۱۱- اللھب (۵)	
۶۲۳۶	۱۱۲- الاخلاص (۴)	
۶۲۴۱	۱۱۳- الفلق (۵)	
۶۲۴۷	۱۱۴- الناس (۶)	

تمت بالخیر

قرآن حکیم کی کل آیات کی تعداد ۶۲۴۷ ہے جن میں سے مندرجہ صدر حساب سے کم و بیش ۷۶۹ مکمل یا پارہ ہائے آیات کی تشریح ذکر یا گویا قرآن کا آٹھواں حصہ پہلی جلد میں آچکا ہے۔ عربی اصطلاحات میں علیٰ ہذا القیاس قریباً ۶۲۲۹ آیات آچکی ہیں گویا اس حصہ کتاب میں سی کتاب الٰہی کے ساتویں حصے کی تشریح ہو گئی ہے۔

وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم ولعلهم يتفكرون (القرآن)

البلاغ المبين

أعني المقالة

الافتتاحية

الديباجة العربية من كتاب تذكرة الذي صنفه باللغة الهندية

المفتقر إلى الله الرحيم الرحمن محمد عناية الله خان المشرقي الهندي بن عطا محمد خان

بن كمال الدين خان المرحوم

في علامات عشر لتبيان القرآن العظيم وتشريح حكمته وما فيه وعلمه

بل تشريع ما شرع الله فيه للناس من الدين العملي الذي جاء به كل الأنبياء عليهم السلام

المعول عليه لفلاح الأنام والمرجوع إليه لإصلاح الأقوام صرفاً عن الدين القولي الشرعي النظري الذي

أشاع به علماء الإسلام الذين صرفوا عن سبل السلام

وقد بلغت فيها المسلمين المعاصرين المستضعفين الهالكين

بلاغاً أخيراً

في حياتهم ومماتهم وأوضحت لهم طريقاً يهديهم إلى البقاء ويدخلهم في زمرة الأحياء من قبل أن يأتيهم العذاب

فإنه قال

وحرام على قرية أهلكناها أنهم لا يرجعون

سنة ١٣٤٣ هجري سنة ١٩٢٤ عيسوي

طبعت هذه المقالة بواسطة السيد محمد عبد العزيز

مطبعة بالزبدة امرتسر فنجاب ونشرتها إدارة الإشاعة للتذكرة امرتسر

تهدیة

الی

اللّٰہ

عزوجل

فاطر السمٰوٰت والارض واحکم الحاکمین

رب انی قد جئتک بشیء غرس

مما آتیتنی من لدنک وقلبی وجل انه انا الذی اسئلک

بما لم یات به احد وقلبی وجل انی راجع الیک لیوم لا ریب فیه

فتسئلنی عما فعلت فتقبل منی واصلح لی فی ذریتی وثبت له هوادی

واجعل افئدة من الناس تهوی الیه فیعلموا انه الحق منک فیخشع لک قلوبهم

ربّ واصلح المسلمین واهدهم بنورک فی هذا کما اصلحتهم وهدیتهم من قبل

فانهم قومٌ لا یعلمون **ربّ** اخبرنی انهم لها لکون من فرس وانبئهم

بنبأٍ عظیم من فور **ربّ** فالف بینهم وجمع شملهم واهدهم

الصّراط المستقیم صراط الّذین

انعمت علیهم

غیر المغضوب علیهم ولا الضّالّین

بسم الله الرحمن الرحيم

الافتتاحية

الحمد لله العظيم * البارئ الفاطر الذي فطر السموات والارض في احسن تنظيم * القادر
المقتدر السميع البصير الذي جعل الشمس والقمر بحسبان * وسخر ما في الارض لنفع الانسان *
حمده مقدم على كل امر جامع يهتم به الاعضاء والاذهان * واستعانته حري الا تترك الا
في لغة الغي والعصيان * الملك حقا فما يليق الا ليطاع * ومن اطاع فاجره لا يضاع *
ومنة من منته ان خلق الانسان * ذا السمع والبصر والفرقان * فجعله ملك المكان * و
قومه على مخلوق الزمان * وفضله مع ضعف جسمه على سائر الحيوان * ذوات القرن و
الاسنان * ثم حمله في البر والبحر * وجعله خليفة الجبل والقفر * والسهل والصخر *
وقلده حطام العلم والامر * فلما كشف الغطاء * وبرز الاشياء والاسماء *
اعترف الانسان بان عليه نصيبا من دون الحكم والجال من الطاعة والامتثال بامر
ربه شديد المحال * والحاكم المتعال * فسبحان الحي الذي لا يموت * وسيد الملكوت *
الذي اسس بنيان القدوس * تدوين الدين المستقيم * بل تكوين الكون العظيم *

على الحكم والتسليم * والتعظم والتعظيم * وعسر التعبد ويسر الامارة * وحلاوة الحكومة ومر الطاعة * الذي جعل مع كل يسر عسرا * ومع كل حلاوة مرا * الملك العادل الذي يحكم بين الناس عدلا للحالف والجادل * ويزن بقسطاس العدل * سواء عليه البيض والسود * والنصارى واليهود * والمسلم والهنود * وسائر المخلوق والمولود * الذي لا مبدل لكلماته * ولا مصرف لآياته * ولن تجد لسنته الا لحكمة وعادته * ولا تحويلا لامره وسنته * فتبارك الذي يطاع ولا يطيع * ويمال اليه ولا يميل * من لا غاية لقوته وسلطنته * ولا حد لجلاله وبرهانه * مرجع الانام بين رفع وخفض * ومفزع الاقوام بين بسط وقبض * من هلك من حكمه فقد هلك عن بينة * ومن سلم سلم من اصول مسلمة * مالك الكون والفساد * وهالك كل باغ وعاد * بارئ الموت والحياة * والخبير بما هو آت * الذي من اطاعه فرفع درجاته * ومن عصاه فقد لاقى مماته * احمده لانى لا اجد لاحد منا من دونه ملجأ ومجيرا * ولا وليا ولا نصيرا * شديد العقاب * ولى الطول والعذاب * المعز لمن اهتدى * والمذل لمن اعتدى * الذى يرزق ويسلب ويرفع ويخفض ويقبض ويبسط ويسئل ويجيب لمن اتقى او طغى بغير حساب * احمده لانى اخاف عذاب يوم عظيم للامة التى عصت عن امره وبغت عن طاعته ثم لم يكن لها من مآب * احمده لانه هدى الانسان صراطه والهمه حياته ومماته - وجعل له سمعه وبصره وفؤاده * وبين له فطرته وعادته - ثم على هذا انزل عليه الكتاب * الكتاب الذى جاء به النبى العربى خاتم الانبياء الى يوم الحساب * القول الفيصل الذى جمع فيه روح من امره تعالى ولب الالباب * وسر السموت والارض وسر النساب * وسؤال البقاء والجواب[+] * وعقدة فريضة الانسان فى الدنيا وحلها

[+] سيأتى لشرحه هدانى كتاب التذكرة فى موضعه *

بالصواب ❁ وحكاية الثواب والعذاب ❁ الذى تمت كلمته صدقاً وعدلاً ٭ يصدقه
ما جرى وما يجرى نظراً وعملاً ❁ لا محرف لآياته والفاظه ٭ ولا محاسب على وجوه حوازه
احمده لانه قد اكمل دينه واتم برهانه ٭ ورضى للانسان ما احسن له ❁ فلا حجة لنا اليوم ٭ و
لا هى يقظة من النوم لاحد من القوم ٭ فان القول قد وقع ٭ والحكم قد وجب وفرض٭
فاما الرحمة والثواب ٭ او المسكنة والعذاب ❁ فالحمد لله حق البرهان ٭ عظيم السلطان
الرحيم الرحمٰن ٭ الذى علمنا القرآن ❁ ساق به الاقوام ٭ الى المعاد والمرام ٭ والتمكن و
القيام ٭ والنسق والنظام ٭ وسائر الافضال والاكرام ❁ من اتبعه عملاً واسلم وجهه
لاحكامه معناً واصلاً جزآؤهم جنّٰت الارض تجرى من تحتها الانهٰر ❁ وفى الآخرة
الجنة[†] الخلد التى يرثها الاخيار والابرار ❁ ومن انكره فعلاً دون القول واللسان واصر على
معصيته فاحله الله دار البوار ❁ سلبهم ما كان لهم من ملك وفضل فى الدنيا وطردهم من
الجنة بالاستحقار ❁ فمن اسلم سلم ٭ ومن ابتغى دون ذلك وجهاً عدم واهدم ❁ وهذا
هُوَ الْأَصْلُ من اُصول الدين ❁ الدين المتين الذى جاء فى الكتب المبين ❁ وما ارسل
الله به خاتم المرسلين ❁ وصراط ربك المستقيم بحق اليقين ❁ يجتمع فيه فلاح الدنيا و
الدين ٭ ويشترى به يسر الحكومة بعسر التسليم ٭ وطاعة من فى الارض بطاعة العلى
العظيم ٭ ونعمة الدنيا والعقبى بالصراط المستقيم ٭ وجنّت الارض والجنة المقيمة على
رضوان الله ولقاء احكم الحاكمين ❁ فاطر السمٰوت والنجوم ❁ وما له ما ينزله بقدر معلوم❁
يسئله من فى السمٰوت ومن فى الصين ومن فى الروم ❁ فسبحٰن ربنا رب العٰلمين ❁
والصلوٰة والسلام على محمّد خاتم الانبياء وسيد العٰلمين ٭ وامام المجتبين المتقين
واعظم المقتدين الذى اتانا بقرآن عظيم ٭ وهدى قومه الصراط المستقيم ٭ و

[†] هذا ما فرق بين هذين اللفظين فى القرآن وسأتى شهادته فى كتاب مذكور على صفحه ١١٥-١١٦ تحت المادة ٭

نجّاه من الكرب الاليم * وجعلهم من ورثة جنّة النعيم * ومكّنهم فى الارض مكاناً المقيم
ويدّل ضعفهم قوّة وخوفهم بمقام امين * أعدّ للطائفة من المسلمين * الّذين يتّبعون
عملاً ومعنىً ما انزل الله من الدّين * ويقولون به بسعيين * ويمسون ويصبحون معتصمين
بالحبل المتين * ويفعلون ما فعل النّبىّ الكريم * عليه التحيّة والتسليم * الّذى اثنى عليه
العزيز العليم * اصلحه لانه اعظم النّاس واعلمهم * واكرمهم عند الله واتقهم * البطل
الجليل الّذى فعل فى هذه الدّنيا ما لم يفعل احدٌ اصلاً * وسلك سُبُل ربّه طوعاً وذللاً *
فبعثه ربّه مقاماً محموداً * وجيهاً فى الدّنيا ومأموراً * وفى الأخرة مأجوراً ومشكوراً * فالحمد
لمن لا شريك له فى الحكم والامر * والسّلام على من لا مثيل له فى الطّاعة والعمل * لله العالى
على امره جلّ وعلا * وعلى النّبىّ البالغ فى امره المجتبى والمصطفى * صلّى الله تعالى عليه واٰله
واصحابه اجمعين * الى يوم الدّين *

واصلّى على سائر الانبياء الكرام والاتقياء العظام * من دون النّبىّ العربى سيّد
الانام * الّذين شرعوا فى اصلاح العوام * وابتدؤا بتعليم الانام كالانعام * اشرقت به الظّلمٰت
وظهرت علينا الصّلحٰت النّقيّة * وبدت لنا السّيّئات المهلكات * واكتشفت لنا طريقة
الحيات والممات * الّذين اصلحوا واحسنوا شاهدين مبشّرين ومنذرين وبيّنوا لنا ما هوات *
اعلى الله مقامهم رفيع الدّرجات * لا افرّق بين احدٍ منهم وبين سيّدنا محمّد لانّهم كانوا من
عباد الله المخلصين * ورسله المصلحين * وخدامه المسلمين المكرمين * اجلّة الخلق وائمّة
العصر * عباده ذوى الايد والبصر * الّذين لم يبلغ مقامهم احدٌ من العوام * من العلماء
الطّبعيّين * والحكماء المهندسين * والكبراء السّالفين * حتّى الفضلاء المتكبّرون المعاصرون
الّذين يظنّون انّهم بيّنوا اوّل مرّة حقائق الاشياء * وكشفوا الغطاء * والقوا عنها الرّداء * و

* الاشارة الى قوله تعالى وَاذْكُرْ عِبٰدَنَا اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ (٣٨ : ٤٥) لكونهم اولى قوةٍ وعلم *

حلباب الشر والجفا ❊ ولا اقسم بافاق النجوم ۔ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ (٥٦ ۔ ٧٦) ۔ ان الانبياء قد بنوا فی عهودهم مالم يبن احد قط فی هذا الزمان ۔ من طائف الانسان ۔ وبتاجج السعی الطغيان وتعبد ماخلا الرحمن ۔ وعبادة الاوثان والاصنام ۔ واصول بقاء الاقوام ۔ واسباب فناء الامم ۔ واسلحة اصلاح الشيم ❊ فالحق ان علم الانسان الذی دونه الطبيعيون وغيرهم من الحكماء فی زماننا هذا ليس بشئ ولا يقابل بالعلم الجليل الذی جاء به الانبياء فی عهدهم ❊ علمهم قد احاط بعلم حكماء الحاضرة ۔ واحتوی علی افكارهم الجارية ۔ بل سبق علمنا علی ما نحن عليه اسبقا تامة ۔ لانهم ايضا اصروا فی عصورهم علی تحصيل علم حقائق الانسان ۔ وتدوين خواص الاجزاء والاعضاء ۔ من دون اصول الفناء والبقاء ۔ و اوضحوا السياسة المدن والعمران من دون علم فرائض الانسان ❊ واصلی عليهم صلوة الرجل المتحير ۔ واحمدهم بحسن المرء المستكر ❊ لانهم اصلحوا بالارض وجاؤا بالدواء مرضا حين لم تكن الارض مشرقة بانوار العلم ۔ ولم يطلع احد علی سرائر البدن والجسم ❊ ادام الله اثار اصلاحهم فی الدنيا واصلح الله امر فلاحهم فی العقبی صلواتنا وسلامنا عليهم اجمعين۔ مخلصين لهم الدين† ❊

ولا شك فی ان هذه الانبياء الكرام والهادين العظام جاؤا من ربهم حين جاؤا **بكتاب واحد** ۔ جامع الاصول والعقائد ۔ وشارح الحقائق والفرائض ۔ الدين الذی اشاعوا به فی الارض وشرعوا للناس لابد من كون بناءه علی اساس واحد ۔ جامع الناس لافارق‡ ❊ ولابد من كونه مهيمنا علی كلمة سواء بين البدو والحضر و العجم والعرب والشرق والغرب وساكن الجزيرة ومكين البر ❊ مشتملا لكل ما يحتاج الانسان من تشريح النفع والضر ❊ مفصلا لما ينبغی له لبقاء نسله وتقوية جماعته

† ای طلبه سلاما صادقا ‡ تذكره صفحه ١٩ ودیباچه صفحه ٤٢ الخ

وحفظ قوته • واستخلافه فى الارض واستملاكه قوى الفطرة • واساله عادة الله الجارية وسنته تعالى المجرّبة • واستعماله اشياء الطبيعة واجرآءها النافعة العجيبة الغريبة * موضحًا الحلول الذى يهتدى به ويلزم الانسان لاستحصال القوة والامن فى هذه الدنيا دار السعى والمحن • ولحصول رضوان الله ونجاته فى الدنيا الى آخر الزمن * فما جاء الانبياء فى اوقات مختلفة بصُحُفٍ متنوعة مختلفةٍ فى اللسان مشتركة فى البيان الا لاحياء العلم الذى كان الانسان عليه فصرف عنه • ولاجراء السعى المشكور الذى شرع المتقدمون من الرسل له فرغب عنه * وما جاؤا الا لتذكير بما نسى الانسان من عهد الى الله تارة أخرى • وليستبنوا له مرادًا ما فرضته فى الدنيا * فوالله ما ابتدع احدٌ من الانبياء من دين اصلًا ولكن الناس اختلفوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (٣: ١٨)[+] وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (١٠: ١٩) ولفرقوا برغم تأشدهم رسلهم متبعين لهم * الله اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (٢: ٢١٣) * شاهدًا على التوحيد والاتحاد * ودليلًا على وحدة الخالق والخطاب * ووحدة اصل الانسان ومساواته عند رب الحساب * فاختلف من بينهم الاحزاب * وما جاء الكتب الا لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (٢: ٢١٣) • وما جاء الرسل الا ليحكموا به وليعدلوا ويصلحوا بينهم[+] ونذهب الناس الى شقاق وتباب * واتبعوا كتبهم صرفًا عن سائر الكتب التى جاء بها الانبياء من قبل ومن بعد وتقطعوا امرهم بينهم حصصًا • وكثروا اصغائر الامور وصغروا كبائرها • وحرفوها معنًا وعملًا ولفظًا • ومسخوا مطالبها ومقاصدها • وبرجموها عن كلام كلامًا • والقوا عليها جلباب الغلو حسدًا وعصيانًا • واتخذوا رسلهم اربابًا • وجعلوا يتوغلون فى حبهم وتعظيمهم يعبدونهم ويعبدون الطاغوت

[+] وكذا فى قوله تعالى وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (٤٢: ١٤) وقوله فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (٤٥: ١٧) الى كما اوتعد
[+] وكذا فى القرآن الحكيم فى نبينا صلعم وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (٤٢: ١٥) اى استويكم ولا حجة بيننا وبينكم الله يجمع بيننا (٤٢: ١٥) اى توصل ما وفى شعيب عليه السلام اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ (١١: ٨٨) اى للصالحة بين الناس كذا وكانات التى فى عامة الانبياء فى جاء والاعدل بين العباد للصلحة لا للتفريق والتحريك •

وما تفرق الذين أوتوا الكتب إلا من بعد ما جاءتهم البينة ٥ وما أمروا إلا ليعبدوا الله (٩٨ ٤-٥)
رب الارباب * جامع الاشتات والاحزاب * ومن ذلك ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي
الناس (٣٠ ٤١) * من شر الوسواس الخناس الذي يوسوس في صدور الناس (١١٤ ٤-٥) *
وتمت كلمة ربك لأملأن جهنم من الجنة والناس (١١ ١١٩) * اشركوا فتفرقوا فلات
حين مناص * فيا معشر الرجال! هل لكم من حيلة عن هذا الجدال * ومن مفر عن هذا
التخالف والقتال * وتحولكم حالاً عن حال * والقاء انفسكم بايديكم الى التهلكة والزوال *
هل لكم من محال عن ان تسلموا مرة أخرى إلى ربكم شديد المحال * ومن محيص عن ان تتوبوا اليه
واجمعوا انفسكم على دين ربكم من دون اربابكم الستى صاحب الحول والجلال * وان تستمسكوا
كلكم بالذكر الواحد الذي احفظ عن التحريف والزوال * بالقرآن المجيد * والفرقان
الحميد * وكتاب الله الحكيم الرشيد * لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من
حكيم حميد (٤١ ٤٢) * فيا ايها الناس! هل لكم من كتاب غيره تخوضوا فيه وفتشوه وتدبروه
فتعلموا باليقين ما يشاء ربكم * وما يريد بقومكم * وما مشيئته * وما القانون الذي يحكم به
وما وظيفتكم في الدنيا * وما بالكم في العقبى * هل من صحيفة عندكم من دون القرآن
فتخرجوها لنا تستن لكم بلفظه وبعينه ماذا انزل الله علينا فنعلمه فان الصحف القديمة و
الكتب المقدسة كلها قد ترجمت من لسان الى لسان * وبدلت حالاً عن حال * وغيرت معنا
عن معنى * حتى مسخها الناس كلها * وغاب اصلها * وغورت حقيقتها ووحيها * وتبدلت صورها
مع امرها ونهيها * فلم يبق منها الا ما فهم بعض الرجال عند الترجمة من مطالبها ومقاصد امورها
المهمة التي بين رسالتها فيها * فلا مجال لنا ان ندرك الآن ما عنى الله بنصوصها والفاظها * وما
محلها ومقامها * بل ما حلالها وحرامها * فتعالوا الى القرآن العظيم! وخوضوا فيه خوض

* سائل سوء الحالة على صفحة ١٥ من هذا الاساحة ستى الكرم المترجم وبعدهم ولمتا يوسوسون في صدور الناس ١٢

النصير العليم * وبه تروه واحرثوه بل تحسسوه بوساطة العلم الحمد لله الذى يكشف عنكم الضر ويهديكم الى صراط مستقيم * ويجمع شملكم ويرفعكم ويوحدكم على اختلافكم الاليم* وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (٣ ١٢) واستمسكوا بعبادة الرحمٰن من دون عبادة الطاغوت الذى تغرى بينكم العداوة والبغضاء * والله يريد ان يجمع بينكم ويحفظكم منه ومن سيّء وَلَوْ شَآءَ اللهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً (١٦ ٩٣) * وانتم تشاءون ان تضلوا وتقتلوا انفسكم* وَلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ (١٦ ٩٣) * كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (٢٣ ٥٣) * وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (١٦ ٩٣)

واصلى على **السلف** من المسلمين المؤمنين الصالحين * الذين اتبعوا الانبياء الكرام حق امكانهم علماً ومعناً واتبعوهم بعين اليقين * الذين صدقوا ولم يكذبوا ولم يستهزءوا بالذين المساس * وانتوا امة قامهم فى الارض طائعين * وداموا ما داموا فى الارض غالبين * واستأجروا العوم بهم العزة والعظمة واسدا موها فى الآخرين * وتخلقوا باخلاق الله العزيز العظيم * صاحب العزة والعظمة الذى يرث السمٰوٰت والارض وَلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (١٨ ٢٦) من العالمين * لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا (٢١ ٢٢) باليقين * واطاعوا وحده واجرهم عند ربهم وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (٣٩ ٧٤) * فسلام على المتقين* * الذين لم يغادروا من الارض قطعاً ولا ملكاً ولا صعداً ولا حجراً ولا جبلاً ولا سهلاً ولا براً ولا بحراً ولا مافوق البر وما تحت البحر وما فى جو السماء وما فى جوف الارض الا كانوا عليها قابضين * ويملكونها بحكم خليفة الله فى الارض وعلى ارب ممن خلق الانسان مهاو من

* قد ضل الشارحون سبلاً بعيداً فى شرح هذه الآية الشهيرة ونشرت معناه فهمنا بالموكد على لفظ الله. اعوالله يشاء ان يجمعكم ويوحدكم وانتم لا تشاؤون هذه الوحدة مما بينكم والله لا يدخل بمشيئته فى مشيئتكم واطلعكم ليعذبكم ويسئل عن اعمالكم. ويتضح من هذه الآية انه تعالى لا يرضى لعباده الانشعاب ولا الافتراق بل يرضى ان يكون الناس امة واحدة لئلا يفسدوا فى الارض * سيأتى تفسيرها الاتقلاء على صفحه ٣١ ... من هذه الآية تساحه سنة امده وعلى صفحه ٢٧ ... من كتاب الله بين امة شتى لكونها المتعادين الذين يريدون الارض ولعنة القرآن *

طين * ويقولون ربنا ما خلقت هذا باطلا (٣ ١٩١) وخلق الله السموات والارض بالحق (٢٩ ٤٤)
واجعل لنا خاصة كل ما خلقت بالحق في الدنيا وفي يوم الدين * وابعثنا فيها على مقام امن *
ولا تترك لاحد سوانا في هذه الارض يملك من قفر المدن * ولا تشرك في حكمنا احدا لئلا نكون
من المفسدين * واصلح الارض لنا وللنافين * وطهر الارض من الكافرين * الذين
مثل اعمالهم كرماد اشتدت به الريح في يوم عاصف لا يقدرون مما كسبوا على شيء (١٤ ١٨)
ويفسدون في الارض ولا يصلحون * والذين يؤمنون بالباطل وبنعمة الله هم يكفرون (١٦ ٧٢)
* والذين يعرفون نعمت الله ثم ينكرونها واكثرهم الكافرون (١٦ ٨٣) * واهدنا
الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين (١ ٥-٧) *
الضالين الذين امنوا بالباطل وكفروا بالله اولئك هم الخاسرون (٢٩ ٥٢) * واعرضوا عن
الحق وصاروا من الاخسرين * ومن كان في هذه اعمى فهو في الاخرة (١٧ ٧٢) من العمين *
من المغضوبين الضالين * فسلام على المنعمين المتطوعين * ربما يود الذين كفروا لو
كانوا مسلمين (١٥ ٢) * اعلى الطائعين الوارثين * الذين يرثون الفردوس ويرثون الارض ممكنين
المهيمين * على رغم العادين والعالين * ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (٣ ١٣٩) *

ويا معشر المخالفين المتشرعين المتصرفين الحاضرين ، المتعادين في زماننا هذا بالمسلمين
المؤمنين * الذين يزعمون انهم يتبعون السلف من الصالحين * وانهم على اثارهم لمهتدون *
ويظنون انهم ابناء الله وانهم هم المقربون الخاصون من دون العالمين * المغضوبين الضالين *
قد فسدت امور دنياكم وخربت دياركم وهلكت عظمتكم وجلالكم وفقدت اموالكم و
ضاعت بلادكم وذهب الله بنوركم وهدايتكم واهلككم فلم يبق منكم الا حكايتكم * ودنى
امركم من البوار واثركم من الزوال * صرتم في الدنيا كالعضو المعطل * وفي النادي كالحلق المنحل

ولا حركة لجسمكم من الموت والنوم * ولا سماع لصريح كلم اليوم * أزعمتم أنكم تتبعون الأسلاف الأخيار

وتقلدونهم * وهل أتتنا أنباء المؤمنين الذين خلوا من قبلكم * وقد جاءنا أخبارهم وأحوالهم * و

أعمالهم وأفعالهم في التاريخ وصلاحية بالهم * وما كان في هذه الدنيا بالهم * وما كان عندهم

من العلم والنور ومن معرفة الآراء الصائبة التي دفعوا بها مضرة الأعداء وخلصوا بها من السيئات

والمهالك * والمصائب والنوائب * وما استصابوا بها الرفيع مقامهم في الدنيا بفائس المدن في عظيم

الممالك * وما استملكوا في هذه الأرض من عجائب القدرة وغرائب الطبيعة للاستنفاع و

التجارة * وما طبلوا في الأرض طبل **لمن الملك اليوم** * وما كان فيهم من العصبية و

حماية القوم * من الطاعة والعمل والجد والجهد دون القول والنظر * وتصديق إيمانهم

بالامتثال بالأمر * لا بالتأويل والمكر * واتباعهم الله بقلب سليم * وخوفهم من نار الجحيم *

وجهادهم في الله حق جهاده * واعتصامهم بالله جل امكانه * وتعبدهم ربهم بقلب فرح * و

تسليمهم منه أن الله ما جعل عليهم في الدين من حرج† * ومسابقتهم بالعامات بينهم ونقلهم

إلى الخيرات * ومسارعتهم إلى ما هو آت * واصطبارهم لتحصيل الدرجات * يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ

أَيْدِيهِمْ (٥٧ : ١٢) وتشعهم عروس السلطنة معكم عبيدكم والأموات ° فما عهدها إلا أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (٤٨ : ٢٩) * وَلَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ

(٨ : ٦٣) * ويا أيها المسلمون المرتسمون للعاصرون! هل أنتم **الأعلون** وهل أنتم **مؤمنون***

فما الاشتراك بينكم وبين المتصلين بالمتقدمين * لا أنتم ما كانوا عليه ولا أنتم لها سامعون *

ولا أنتم مقيمون في الأرض بل أنتم ساكنون * بل إلى الزوال لراجعون * ولا تسارعون إلا

إلى العذاب المهين * وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ* ° أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ (٥٦ : ١٠-١١) * وأولئك هم المؤمنون*

---

† أي على كونه مشكلا لأنهم كانوا يفعلون ما أمرهم الله بالتيسير من أنفسهم ولم يرضوا الله وهذا ما عنى الله بقوله وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (٢٢ : ٧٨)
ولسطر الغاري إلى صفحة ١٠٠ من كتاب التذكرة تحت المسألة المعدنية لطلبة المعاني *

* السابقون في لغة القرآن الذين يسعون في الأرض سعيا بليغا ليسبقوا ويسبقوا إلى غايات درجاتهم ؛

وانتم لا تسبقون فتسبقون * قد فجعت امور دنياكم وانتم في الآخرة ايضاً من المفتوحين * و
ضللتم عن الصراط فانتم منه عمون * بل لا تستطيعون * ونسيتم ما كنتم عليه فنسيكم الله
فكنتم من المنسيين * وعصيتم فعصى الله عنكم وقد قال لكم كان حقاً علينا نصر المؤمنين ۝
(٣٠ ٤٧) * فاتخذتم مكر الاعتقاد والالفاظ والنظريات والاقوال دون ايمان الافعال
والاعمال والاشكال • وصرتم من المؤمنين النظريين المعتقدين • والمسلمين اللفاظين
القواليين * فشرعتم في تأويل حديث ربكم الى ما شئتم • وتسهل دينكم عن حرج واشكال * و
تنزيله من حال الى حال • وتركتم كل ما كان فيه من اشكال العمل ونطق الحصول • واتخذتم
حكم ربكم سخرياً • ودينكم لهواً ولعباً • وبدلتموه قولاً ومعنىً • وكثرتم صغائر الامور وصغرتم
كبائرها عمداً ومكراً • وجعلتم تتوغلون في دينكم تؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض (٢ ٨٥)
تقولون بافواهكم نؤمن به كلاً • واخذتم تجعلونه قراطيس تبدونها وتخفون كثيراً (٦ ٩٢) منه
كاليهود لتخادعوا انفسكم فعلاً وعملاً * فيا ايها الذين زعمتم انكم آمنتم لم تقولون بافواهكم ما ليس
في قلوبكم ولم تقولون ما لا تفعلون ۝ كبر مقتاً عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون (٦١ ٢-٣) *
فمكرتم ومكر الله والله خير الماكرين (٣ ٥٣) * قد مكر الذين من قبلهم فاتى الله بنيانهم من القواعد
فخر عليهم السقف من فوقهم واتاهم العذاب من حيث لا يشعرون (١٦ ٢٦) * أحسبتم ان تتركوا
ان تقولوا آمنا وانتم لا تفتنون * ولقد فتن الله الذين من قبلكم فليعلمن الله الذين صدقوا
وليعلمن الكاذبين (٢٩ ٣) * ومن الناس من يقول آمنا بالله وباليوم الآخر وما هم بمؤمنين
(٢ ٨) * ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما يعلم الله الذين جاهدوا منكم ويعلم الصابرين (٣ ١٤٢) *
فانتم لا تصبرون على مصيبتكم بل تضجرون * ولا تجاهدون بل تجهلون * وتنظرون و

---

* الاشارة الى قوله تعالى أحسب الناس ان يتركوا ان يقولوا آمنا وهم لا يفتنون ۝ ولقد فتنا الذين من قبلهم فليعلمن الله الذين صدقوا وليعلمن الكاذبين ۝ (٢٩ ٢-٣) فالحق ان الاعراب بالقول ليس شرع عبد الله وسيأتي شرحه في الصفحات الآتية •

* هذا هو القول الفصل الذي نصل منه ان القول من دون العمل ليس شرع عبد الله •

تقولون ولا **تفعلون** * مستشهدين بنهاية مكركم على أن القرآن ينهاكم عن هذه الدنيا و
والاعتناء بها وزخارفها وأنتم تريدون الآخرة فهل لكم من خلاق في الآخرة إن كنتم فيهما من
الأخسرين * وقد اختلقتم هذا الكذب حين الدنيا لم تزدكم * ودينكم الحرف لم يردكم * وحين
بدل الله مكانكم الحسنة السيئة * ولم يغفر لذنوبكم * جعلتم القرآن عضين * ومزقتموه
كل ممزق وجعلتموه أحاديث للمكر والرياء تحرفون الكلم عن مواضعه لتسكين شهواتكم وأنتم
تراءون الناس وتقتسمون * فتقطعتم أمركم بينكم زبرا كل حزب بما لديهم فرحون (٢٣: ٥٣) *
فما مالت الدنيا إلى الأولين؟ * وبما سعوها سعي المتطلبين؟ * وبما لانت لهم فتعشقوها
تعشق العاشقين؟ * ولما أرسل الرسول بالهدى ودين الحق؟ * **ليظهره على الدين
كله ولو كره المشركون** (٩: ٣٣) (٩١٦١) * فلما **القتال** بالسيف مع الكافرين؟ * ولما
الجهاد بالمال والأنفس * ولما الهجرة * ولما الصوم والصلوة ولما الحج والزكوة * ولما التلقب
بالاتحاد والصلح * وبطاعة أولي الأمر منكم * وبالاعتصام بالله * ولما النهي عن عبادة الطاغوت *
والأمر بما وصاكم به الله من دونها لعلكم تعقلون * فهل هذا إلا ليعلمكم وليظهركم على أعداء الدين *
ولما أسوة خلفائكم الراشدين * وسلاطينكم الأولين * وشهدائكم المجاهدين * وجنودكم
السائحين * التي أنتم في النار بها تفرحون * ألا ليصلحوا لكم في **الدنيا** ولتكونوا من الذين
لا خوف عليهم ولا هم يحزنون * ولئلا تكونوا من الخاسرين * في الحيوة الدنيا وتكونوا في الآخرة
من المكرمين * فهل شرع لكم كل الدين * وكل آيات الكتاب المبين * وما أنتم بها من
المكلفين * وبقي لكم ما بقي من كلمة الشهادة * ولحى مسترعة * وعمائم متطوية * وانتظار
الجنة فانتظروا إني معكم من المنتظرين * أفلهم البنات ولكم البنون† * ولكم الجنة بغير أذى

---

† أعني الحلوى يستلذها العرب الأولى نصيبا سيئا من الجهل والفقر العمل ويجعلون لأنفسكم البشر إيمان الأقوال وهذا ما عن الله بقوله ويجعلون لله البنات سبحنه ولهم ما يشتهون * وإذا بشر أحدهم بالأنثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم (١٦: ٥٧-٥٨) فمن يجعلون له حظا ناقصا من السعي والعمل والمال عاريا ولا يعطيهم حظا معطيا وطيبا وهذا ما يفعل المسلمون في زماننا هذا صادرا عن ربهم +

ولهم فرح ما داموا فى الارض وما لا نطاق به وخسران مبين * قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ

أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا *

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا * ذَٰلِكَ

جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا *(١٨: ١٠٣-١٠٦) * فلم تمكرون مكر الثعلب علنا *

وتقولون ما سالى الدنيا نفرا * افليس الله باحكم الحاكمين فى هذه الدنيا ام حو ون يوم الدين *

وهل يعدل بكم احد من دونه بهذا العذاب المهين * فلم تحزون ديكم ولا تصلحون * وتقطعون

القرآن فتقطعون *

يا حزب المسلمين، ويا رحمة المستنين! المستضعفين فى الارض والعالمين! قد قال الله

لكم فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (٨: ١) * وقد قال لكم

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (٤٩: ١٠) * فهل انتم تصلحون

بين اخويكم وهل انتم مؤمنون * وهل انتم فى السلك منسلكون * او فى الاخوة سالمون *

هل فيكم من النظم والنسق ووحدة الامة والطاعة والمواخاة والمواساة والمعاونة وخوف

العذاب وطمع الثواب ورهب الفساد ورغب الصلاح فكونوا من المؤمنين * هل انتم تطيعون

اولى الامر منكم وتردون نزاعكم الى الله ان تنازعتم فى شئ والله يامركم به إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ (٤: ٥٩) *

بل هل لكم الامير والجماعة • هل لكم من امر او امير او امارة • بل هل من امر من شئ ومن

جمع من شئ • ومن نظم • ومن صورة * تقذفون فى الارض كالاناء المكسور • وتنتشرون

كالهباء المنثور * فكيف لا يؤاخذكم الله ولا يحاسبكم بها ان كنتم من المفسدين * اعمالكم كرماد

---

* فهذا من هذه الآيات ان الله من خاب سعيه وحبط عمله ولم يقدر مما كسب على شئ فى هذه الدنيا هم الذين كفروا وهم الذين لا يجدون فى الآخرة الا الخسران والتحسرة والعذاب العظيم. فلا نقيم لهم في الآخرة عند الله والذين يحسبون انهم يحسنون صنعا ظاهره فهم حرموا من الاجر ولا يجدون ان يعملوا في الأرض فهم يكذبون انفسهم كذا اعطيناه وهم الذين يكفرون بالله حقا كما قال الله عز وجل مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝ (١٤: ١٨) ركما مر على صفحة ١٣-١٤ من هذه الاحاديث) فالنظم والنسق والجهد والعمل الحصول لعلية هو ما يوافق بالايمان وما ناق الكفر فقد ترى * الاشارة الى قوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (٤: ٥٩) *

اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ (١٤: ١٨) لا تقدرون مما كسبتم على شيء بكفركم وهل انتم تفعلون
الا ما يفعل الكافرون ✻ وقد نبهكم الله وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ†
(٢٣: ٥٢) ✻ فهل فيكم من الاتقاء من شيء وهل انتم متقون ✻ فاختلفتم مذاهب شرائع و
مسالك وطرائق عاما بعد عام وفرقتم بعدون في دينكم الذي وصى الله لكم وتتبعتم آراء علمائكم
وهيامات كبرائكم وظنون جهلائكم وسفهائكم . متصورين كل واحد منكم عن الذي اشار الله والرسول
اليه من وحدة امتكم . وجعلتم افكا بعد افك واخر عن جمعا بعد جميع اتباعا لصلحائكم الذين
ما قالوا لكم ان تتبعوهم واتخذتم مللا ونحلا حسنا وبغتا بينكم . واتخذتم احباركم ورهبانكم
واصفيائكم واوليائكم واهل العرض منكم واهل الشر منكم اربابا من دون الله‡ . واخذتم
تعبدونهم ليقربوكم الى الله زلفى . ولتبتغوا اليه الوسيلة . ولتتخذوا امصارا لكم في الجنة .
ولتعلموا الغيب منهم . وليشفعوا لكم . وليقضوا حاجاتكم . ويرفعوا درجاتكم . وانما
امرتم ان تعبدوا الله مخلصين له الدين . لتعتصموا بالحبل المتين ✻ وقد قال الله لكم انه
لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (٢٧: ٦٥) ✻ وقل اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ (١٠: ٢٠) ✻ وَلَا يُشْرِكُ
فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (١٨: ٢٦) ✻ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا (٧٢: ٢٦) ✻ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ
(٧٢: ٢٧) ✻ وقد قال الله لرسوله قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا (٣٩: ٤٤) ✻ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ
اَذِنَ لَهٗ (٣٤: ٢٣) ✻ وقد قال له قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (٧٢: ٢١) ✻ وما اَدْرِيْ مَا
يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ (٤٦: ٩) ✻ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ (٧: ١٨٨) ✻ وَلَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا
وَّلَا نَفْعًا (١٠: ٤٩) ✻ فأتوني بشهادة على ان اوليائكم وكبرائكم جاءكم من الرسول او من رسل او اقربيه
عند الله ان انتم لهم عابدون ✻ فقبحا لكم وترحا هل عندكم من سلطان لكل هذا الاختلاف و

† مقصد من هذه الآية ان وحدة الامة هو الاتقاء والذي يتقي ربه حق تقته فهو يوحد بين الناس . والذي يظلم بين الناس بتعبية بالحق . وهذا نوع من نوع الاتقاء بل نوع مهم منها كما يأتي - ‡ الاشارة الى قوله تعالى اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (٩: ٣١)

الاختلاف في الدين ان كنتم صادقين * وقد قال الله لكم ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه كبر
على المشركين ما تدعوهم اليه (٤٢: ١٤) فان المشركين لا يزالون مختلفين * وقد قال الله لكم
ان لا تكونوا من المشركين من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون (٣٠: ٣٢-٣٣) *
فقد كبر عليكم الاتحاد ورضيتم بالسب والافتراق * وشرعتم في التباين والشقاق * ومردتم على النفاق
والنفاق * بعد ان اصبحتم بنعمته اخوانا[1] * فهل لكم من محيص عن ان اصبحتم بالحق من المشركين *
فلذلك ظهر الله بعذابه وفار التنور * وتزحزحت البحور * وزلزلت الانهار من غيظه وغضبه *
وحاسب نحو عزته وعزته * فهل للارض ان طردي وللسماء اسقطي على هذا القوم لانهم من المشركين
الكفار * والملائكة ينزلون في كل مكان يضربون وجوههم والادبار * لانكم صرتم مرة اخرى
على شفا حفرة من النار[1] * وصرتم في الدرك الاسفل من النار[1] * واتخذتم الهكم رهبانكم والاحبار *
واحباركم والابرار * واتخذتم اربابا لكم شياطين الانس والاشرار * واتبعتم طواغيتكم الذين
اتوكم من بين ايديكم ومن خلفكم وعن ايمانكم وعن شمائلكم ليضلوكم عن الله القادر الجبار * وانتم
تظنون انهم اعضاء عنكم لانهم كانوا يكتمون ويخونون[2] انفسهم في بطون صحرائهم مستخفين ومصلين
بالاستغفار * معشر الجن الذين استكثر كل واحد منهم[3] من الانس ليقطعوكم ويضعفوكم فتفشلوا
وتذهب ريحكم وليحلوكم دار البوار * فيا للعذاب ! ويا للعار ! اليوم تعذبون بشرككم الشرك
الذي لا يغفر الله لاحد من الناس ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء لانه رحيم غفار * يؤاخذكم
بشرككم الظلم العظيم[4] الذي من لبس ايمانه به فلا امن لهم في الدنيا ولا قرار[4] * ومن دونها
جهنم وبئس القرار * ءارباب متفرقون خير ام الله الواحد القهار (١٢: ٣٩) * فتحزبون وتضربون [illegible]

---

[1] الاشارة الى قوله عز وجل واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها كذلك يبين الله لكم آياته لعلكم تهتدون (٣: ١٠٤) ـ والى قوله ان المنافقين في الدرك الاسفل من النار ولن تجد لهم نصيرا (٤: ١٤٦)

[2] ولذلك سماهم الحق في القرآن + والذين يضلون الناس بامرهم هم الجنة في لغته + وكذا الخلق هم الجنة لانهم [illegible]

[3] الاشارة الى قوله تعالى يمعشر الجن قد استكثرتم من الانس (٦: ١٢٩)

[4] الاشارة الى قوله تعالى لا تشرك بالله ان الشرك لظلم عظيم (٣١: ١٤) والى قوله الذين آمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون (٦: ٨٣) +

وتحزرون وتعذبون وتطردون في غمرات الموت والملائكة باسطوا أيديهم سوقكم أخرجوا أنفسكم

اليوم تجزون عذاب الهون بما كنتم تقولون على الله غير الحق وكنتم عن آياته تستكبرون (٦ ٩٣) *

فلا يقضى عليكم فتموتوا ولا يخفف عنكم العذاب لأنكم أصررتم على ما كنتم تعملون * ولا أصلي

عليكم اليوم ولا أستغفر لكم فإن أستغفر لكم سبعين مرة فلن يغفر الله لكم ولا أنتم حرتون به و

الله لا يهدي القوم المشركين * فليضحكوا قليلا وليبكوا كثيرا جزاء بما كانوا يكسبون (٩ ٨٢) *

أفحسب الذين كفروا أن يتخذوا عبادي من دوني أولياء إنا أعتدنا جهنم للكافرين نزلا (١٨ ١٠٢)

وإنا جعلنا الشياطين أولياء للذين لا يؤمنون (٧ ٢٧) * فمثلكم كمثل الكلب إن تحمل عليه يلهث

أو تتركه يلهث (٧ ١٧٦) لا تحتسبون أصلا ما يفعل الله بكم * وعادة أولوا باس يلكدونكم سعالكم

ترهقكم ذلة ما لكم من الله من عاصم كأنما أغشيت وجوهكم قطعا من الليل مظلما ذلك مثل القوم

الذين لبسوا إيمانهم بظلم وصاروا من المشركين * فهل لكم من محيص عن جنود ربكم اليوم التي

كنتم تكفرون بها وكنتم بها تستهزءون * وهل لكم مخارجين من هذه النار ولو أنتم تشتهون *

وهل لكم من مستغاث مما كنتم تعبدون * فأين شركاءي الذين كنتم تزعمون (٢٨ ٦٢) * ائتوا

بأصفيائكم وأوليائكم الذين كنتم تظنون بهم ظنونا وجنتكم وسيطيعكم الذين كانوا يوحون إليكم

لتطيعوهم فليسمحوا لكم ويتشاوروا فيكم ويتشفعوا لكم عند ربكم ويقربوكم إلى الله ويقولوا ربنا

لا تؤاخذ هذه الأمة فإنهم عبادنا وإنا نحن من عبادك الصالحين * لا تهلكهم بما فعل الصلحاء

منا وما فعلنا إلا لنقربهم إليك ولنصلح بين إخواننا وليبتغوا إليك وسيلة منا فإن تعذبهم

فعذبنا واعف عنهم فإنهم عبادك عبادك وإن تغفر لهم نكن من الشاكرين * فاليوم ادعوهم بربكم و

(بقيه از صفحه ١٥) يحسبون أنفسهم من الناس لكونهم هداتهم وسادتهم، وكل القرآن يشهد على أن الله يحق بالحق هذا القوم، وإنما تزون يحدون
هذين من الفريقين من الناس أحد مطيعون وأحد مطاعون، أحد يتبعون من حاشية الناس أحد يتبعون من عامتهم، فالأول سماهم الله الحق والآخر سماهم الأنس كما قال
تعالى فيهم إذ تبرأ الذين اتبعوا من الذين اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بهم الأسباب وقال الذين اتبعوا لو أن لنا كرة فنتبرأ منهم كما تبرءوا منا كذلك يريهم الله أعمالهم
حسرات عليهم وما هم بخارجين من النار (٢ ١٦٦–١٦٧) وفي موضع آخر وقال يوم تقلب وجوههم في النار يقولون يا ليتنا أطعنا الله وأطعنا الرسولا * وقالوا ربنا إنا أطعنا سادتنا
وكبراءنا فأضلونا السبيلا * ربنا آتهم ضعفين من العذاب والعنهم لعنا كبيرا (٣٣ ٦٦–٦٨) ولينظر القارئ على صفحه ٩٤ الحرص هذا الاصطلاح المتصل المرء

تشهقكم وانكوا بدموع وانتصبه على خراب بلادكم وفساد احوالكم وذهاب اموالكم واسكوا

اليهم ضعف قوتكم وقلة حيلتكم وفقدان حكمكم وفساد امركم في الدنيا فليسمعوا لكم

وليخلصوكم من هذه المصيبة ان كانوا قادرين * ولا يستجيبون لكم الا انهم يكفرون بعبادتكم

كلا ويقولون ما كنتم إيانا تعبدون (١ ٢٨) * ولم يقل لكم ان تعبدونا بأن عبدتم وما نحن

بمأخوذين بما فعل الجاهلون * وما انتم الا انكم تكفرون بعبادتهم وتقولون ما نعبدهم

بل نتبعهم دينا ومسلكا ان الله جعلهم خطين علينا وهادين لنا وما اجلعنا بل شيخكم

دينا، ولنسعهم الى اسلامنا، ولندخل الجنة مستمسكين باذيال اوليائنا، ولعل الله يفتح

ابواب السماء لنا، وكل هذا اجاز الله لنا، وما اختلاف امتنا الا رحمة لنا† ، فما نعبد الا الله و

لا نشرك به في القول شيئا وما نحن الا من الموحدين * فلن يقبل منكم هذا المكر

وانكم تعبدونهم بالحق عملا ومعنا وتتخذونهم اربابا والهة وتفعلون ما يأمرونكم من دون

ما امركم الله فما الله بغافل عن عبادتكم وما الله بغافل عما تعملون (٣ ٩٨) * والله لا تفتح

لكم ابواب السماء ولا تدخلون الجنة حتى يلج الجمل في سم الخياط فانكم كذبتم بآيات الله و

استكبرتم عنها† وذلك جزاء المجرمين* وسعيتم في آيات الله معجزين* معاندين عليها سعيكم

مستضعفين بعضكم بعضا مظاهرين ومعاونين على الاثم والعدوان والشتت الاليم*

وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ (٣٨ ٣٤) * افلم يقل ربكم لكم

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (٣ ١٠٤)*

فلا نجاة لكم اليوم وانكم اشركتم **فتفرقتم** وظلمتم انفسكم فضربت عليكم الذلة والمسكنة

---

* هذا انما اخترع المسلمون من احاديث نبينا صلعم ولا نشك في انه من اشر الاحاديث فان المسلمين يعوذون به ويستهلون منه في ما تنازعوا وصاروا شيعا نظرا الله ولا يعافون ان الافتراق والانساب هو الذي يدمرهم ويهلكهم .

† الاشارة الى قوله تعالى إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۞ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ (٧ ٤٠-٤١).

‡ اعنى سعيتم ان تجعلوا هذا الكتاب الله معاجزا سعيكم وليصحبوا بعضكم بعضا ۔

ویشتم نغضب من الله فتوبوا الی بارئکم واقتلوا انفسکم ذلکم خیر لکم لو کنتم تعلمون *
وان لم تفعلوا فاعلموا ان عذاب الآخرة هو اشق من هذا العذاب واتقوا النار التی اعدت
للمشرکین * وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً (۱۱: ۱۱۸) ووحدهم بوحدة الههم و
توحیده والناس یشاءون ان یفترقوا بالشرک وعبادة الجن ولذلک لَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ
(۱۱: ۱۱۸) * فما یشاء الناس اصلا الا ما یشاء الله بهم إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ (۱۱: ۱۱۹) وما خلق الله الجن
والانس الا لیعبدوه فیکونوا امة واحدة بتوحیده وعبادته وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ (۱۱: ۱۱۹) * فما
الاتحاد الا فطرة الله التی فطر الناس علیها لو کنتم تعلمون * فالطاغوت
لا یزال یغری بینهم العداوة والبغضاء ویرید الانشعاب والافتراق بین احزابهم و
شیاطین الانس من الاشرار والجنة لا یزالون یستکثرون من الناس لیصلحوا بال
انفسهم فی الدنیا ولیخربوهم ویقطعوهم لیکونوا علی شفا حفرة من النار وَتَمَّتْ كَلِمَةُ
رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (۱۱: ۱۱۹) *

یا معشر المتوحدین ویا محفل الیحادین المنشرین، الموحدون فی القول والمشرکون
فی العمل برب العلمین * ازعمتم انکم لا تعبدون الا الله ولا تشرکون به شیئا ولا یتخذ
احد منکم اربابا من دون الله * فقد تبین لکم انکم بالحق من المشرکین * لا شک
فی اقرارکم بافواهکم بالله وتوحیده ودعوتکم لیلا ونهارا باسمائه * وتکرار صفاته فی
صلوتکم کرة ومرة * ولا شک فی ذکر خوفکم من کلمات الکفر المضرة * وفی شهادتکم بالسنتکم
علی کونه تعالی واحدا وفی اعترافکم لسانا بکونه شاهدا وحاضرا وناظرا * ولکن انتم فی
ما انتم تعملون * لا قول لنا فی اقوالکم ولا حجة لنا فی ما نصف السنتکم واهواءکم وما

* الاشارة الی قوله تعالی وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (۲: ۵۴) ومعنی فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم هو ان توبوا وان لم تفعلوه فاقتلوا انفسکم * وقد شرب فهما معنی هذه الآیة الشهادة ای حمل العارفون [illegible] علی نشرهم معانیها [illegible] الجن (ای کبرائه الخلق) والانس (ای العامة من الناس) للاتحاد والصلح لا للتفرق والتحزب *

بطهرون كلامكم واقوالكم ولكن انبئوني بما في قلوبكم ان كنتم من الصادقين ❋
انه حواصد صدوركم وتتولى ما انتم في القلب مستترون ❋ فما هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا
عَاكِفُونَ (٢١: ٥٢) ❋ وما الاوثان التي انتم في صدوركم مرتبون ❋ سوف صدوركم
لتحفوها متا وانتم في الحق لمبررون ما تريدون ان تستروا في قلوبكم ما كرس ❋ فما هذا
الحب لاولادكم التي انتم بها تعنون ❋ وما شغلكم بنيكم وبناتكم • وما وجه حبكم
هذا الى اموالكم وانفسكم وصدم تغشيكم ازواجكم وعشيرتكم واله دعتكم الى الآباء
وامهاتكم • وما هذا الولع بالمال والاشتغال بالنساء والرجال عن الرب المتعال • و
استيثاركم على ربكم بعائش الاشياء ومعظم الاموال • وما وجه حبكم للقناطير المُقَنطَرَةِ
مِنَ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ وَالخَيلِ المُسَوَّمَةِ وَالأَنعَامِ وَالحَرثِ (٣: ١٣) واقطاع الارض وبعائش
الطرف† • وما صمم اشهائكم الى الاطعمة اللذيذة • واله اشيائكم النفيسة • وون شهواتكم
المرضية • وتعلل هواءكم النفسية • وما الات حبكم الحيوة الدنيا • وصوة عشقكم بالاعمال العاجلة
وتغوب بحلكم بالمال • وود شغلكم بالجمال • وهل جيفة الدنيا • وعزى العزة الشائعه
الاخرى • والاخرون من اصنام الملاهي والملاعب ما سواها وتستثني • بالا تعدا لاقصى ❋ فلا
تنبئوني بما انتم تعبدون في قلوبكم ولكن تتولى انتم لا تعبدون ❋ من دون الله الهكم الحق اليقين ❋
الحبكم بالاموال لرب العلمين ❋ وبالاولاد لاعلاء الدين المتين ❋ وبالشهوات
لابتغاء وجه العزيز الحكيم ❋ وبالاهواء لحصول رضوانه العلي العظيم ❋ اتطيعونه كما
تطيعون اولادكم الاقربين • في الشفاء وحين مرضون ❋ ام انتم تجاهدون في الله
كجهادكم في البنين • وسعيكم لاولي الارحام الاخرين • بالليل والنهار مبيتين ومصبحين ❋
افلا تعبدون حكامكم المكرمين المنعمين • وتدعونهم رغبا ورهبا لهم خاشعين • وتعرضون

† اي مساكن طيبه +

علیهم صفاً رُكَّعًا سُجَّدًا كالمحرمين المصوحين • مد هسين مسعصرين من الدل فی الاصفاد

مقرنين * الذي بعث الله عليكم ليعدّ بكم ولتكونوا من المدحرين * عادكه اولو باس سديد

اعدّهم الله ليقطعوا دابركم وليحرّبوا ديارکم وبلادکم والبادين * فقذف الله فی قلوبكم

الرّعب منهم فانتم لهم عابدون * مستمسكين بهم ولولا تسهون * افی انتم تحسونه كافل

حسبكم منهم وتعدونه معسارما تعدونهم والله احَقُّ اَن تَخشَوهُ اِن كُنتُم مُّؤمِنِينَ (٩ ١٣) *

فبشِّرِ المُنٰفِقِينَ بِاَنَّ لَهُم عَذَابًا اَلِيمًا ۙ اَلَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الكٰفِرِينَ اَولِيَآءَ مِن دُونِ المُؤمِنِينَ ؕ

اَيَبتَغُونَ عِندَهُمُ العِزَّةَ فَاِنَّ العِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ؕ (٤ ١٣٨-١٣٩) * الذين اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً

لِيَكُونُوا لَهُم عِزًّا ۙ (١٩ ٨١) * كلا يقطعون دابركم ويقطعون اسبابكم ويكونون عليكم ضِدًّا *

افانتم تؤمنون بالله وتحبونه ام تحبون حكامكم المعبودين • واولادكم المحبوبين • واهواءكم و

اموالكم وانفسكم الاعزة ونساءكم وابناءكم المكرمين * وقد قال الله لكم يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا

اِنَّ مِن اَزوَاجِكُم وَاَولَادِكُم عَدُوًّا لَّكُم فَاحذَرُوهُم ۚ (٦٤ ١٤) وَاعلَمُوٓا اَنَّمَآ اَموَالُكُم وَاَولَادُكُم

فِتنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِندَهٗٓ اَجرٌ عَظِيمٌ ۠ (٨ ٢٨) * فما سعيكم بهذه وبالاصنام الباقين من تلمائه

وستين او يريدون التی انتم فی كعبة قلبكم مرتبون * وبما ادّعاءكم بالايمان بعد هذا التربّد *

وَالَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (٢ ١٦٥) ولا يدخلون فی جوف قلوبهم احدا من العالمين * وَمِنَ النَّاسِ

مَن يَّتَّخِذُ مِن دُونِ اللّٰهِ اَندَادًا يُّحِبُّونَهُم كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ (٢ ١٦٥) فما هذه الاوثان والارباب والانداد كم

بالعبث • من دون الله اله العالمين • اِلٰهٌ واحدٌ لا اله الا هو لئلا يكون للناس حجة بعد العذاب

اَن كانوا غافلين • رب السمٰوٰت والارض احكم الحاكمين • وَلَو كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ

فَسُبحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ العَرشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۠ (٢١ ٢٢) * واتخذتم اٰلهة من دونه وافسد الله امركم فی الدنيا

وجعل عاقبكم سافلكم ودمّر اهلكم حقًّا عليه يفسد المفسدين * ووصّى الله علی محرّسا لكم

فى العقلى انه انقم الناس امان * ولا تشركوا بالله إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (٣١: ١٣) * وانه لعلو للفساد المقيم * ودليل على العذاب الاليم * وانه لحسرة على الظلمين * يستدرجهم من حيث لا يعلمون * تفرقهم ويقطعهم فما يتشغل احد الا بالهه صرفا عن الناس * ويمزقهم كل ممزق فيتخطفهم الناس عن كل مكان امس * وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (٢٢: ٣١) فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ (٢: ١٩٣) * الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ (٦: ٨٢) * ما ايها المشركون الظلمون المعاصرون، ءانتم بالتوحيد تدعون * وانتم على الله مفترون * وعلى اسلامكم تمنون * افليس الله بعالم ما تسرون وما تعلنون * اما هو بخبير بما تبدون وما انتم تكتمون * اولا هو يحول بين المرء وقلبه ويعلم ما فى قلوبكم وما تظهرون * اليس الله باعلم العلمين * واحكم الحاكمين * وامكر الماكرين * تقولون بافواهكم ما ليس فى قلوبكم وتصف السنتكم الكذب تشهد على ايمانكم وتوحيدكم ايديكم وارجلكم شاهدة على عاقى صدوركم من الهتكم التى انتم لها تسجدون ، والتى انتم بها مكلفون * فانكم تفعلون ما امركم لملائكم ولهاوكم وما انتم تفاعلين ما يامركم رب العلمين * فتحسرة على المسلمين اعدة الاصنام المعاصرين ، ما تاسيهم من شهادة شركهم الا كانوا بها كافرين * ويقولون انما نحن نعبد ولا نشرك به شيئا ونحن على ذلك من الشهدين ، ما قولنا والسنتنا وصلواتنا وكلماتنا وتحاننا وعمائمنا الهنا الله واحد وما نحن بما خوذين بما نفعل بل بما نقول من كلمات الكفر ونحن فى الله قائلون * بل الله كلفنا بالقول وقال لنبيه قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (١١٢: ١) فما نحن بصارفين عما جاء فى الكتب المبين * والنوم طائركم معكم ويشهد على ايمانكم احوالكم السيئة فلم يعذبكم الله بذنوبكم ان كنتم من الموحدين المؤمنين * اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم

(٢ ٢٥٧) مّن ظُلُمٰتِ الخوف والحزن الى نور العلم والامن ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (١٠ ٦٢-٦٤) * فلهم فى الدنيا ما يشاؤون وما يشتهون * وما يبشّركم فى هذه الحيوة ايّها القائلون الجاهلون ! الّا ان تجادلون وتعذّبون بالعذاب الاليم * فالقول لبس شئ عنده لانكم تقولون ما لا تفعلون * وما الشرك الّا فى العمل وما يريد الله منكم من شئ الّا ان لا تسلموا وجوهكم لغيره ان كنتم ايّاه تعبدون * وقد قال الله ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾† (٥١. ٥٦) * وما العبادة الّا ان تفعلوا ما انتم به تؤمرون * وان لا تطيعوا من دونه شيئًا ولا تصنموه ولا تشركوا به ما لم ينزّل به من سلطٰن مبين * وان كان الشرك يجوز كم للاوثان المحجرة خاصّة من دون سائر الالهة فما نهٰكم الله عن اهوائكم ولذّاتكم وشهواتكم التى تشغلكم عن ربّكم ولقال لنبيّه اتّق الحجارة واتخذ من دونها ما تشاء سكينة لقلبك لانّ الحجارة هى المعبودون الّذين يغضبونى اشدّ غيظا فلا تشرك بى حجرًا ولا بعبادتهم تكفرون * وان لم يكسّر رسولكم فى عهده وثنًا من اوثان قلوبكم الباطنة سوى الاصنام المحجرة الظاهرة من ثلثمائة وستّين التى كان يستخدم فى جوف الكعبة وان كان هذا مبلغ سعيه ومعظم دينه واستجهاده فى الاسلام فوالله لا احد كرهذه الحكاية المهمّة فى الكتب المبين * بل اوثانكم معكم وفى قلوبكم وتحبّبكم عن ايمانكم وعن يساركم لترغبكم عن ربّكم وتنهٰكم عن طاعته وعبادته وخوفه وتمنعكم عن كل ما يصلح بالكم وما يوحّدكم ويحقّ بكم فلذٰلك منعكم الله عن الشرك وهذا ما كسّر رسولكم فى عهده كسرة تامّة لو كنتم تعلمون * افتزعمون انكم تعبدون ربّكم بصلواتكم والحقّ انكم لا تعبدون الّا انفسكم ولا تخدمون * فوالله ما انشغل الهنود باصنامهم الظاهرة المحجّرة وطمثل ما تشغلكم اصنامكم الباطنة المفرّقة والله ما هم مشركين فى عبادتهم الاحجار

† اى انه خمر وطبعه الجن والانس وجبلهم ارتبطوا فاتويه تعالى فان عصوا عنه بهذا تتم وهلكم ـ ولينظر العارفى كتاب الدين كر كا صفحه ١١٨ المشتهر بها +

مضار وما انتم تشركون * فما العبد الا العمل وما العبادة الا الخدمة المولى وما الخدمة الا طاعته وما الطاعة الا الاعتناء بما امر الآمرون * وما صلوتكم من عبادة وصومكم من طاعة وزكوتكم من صدقة او حجكم من حدمة حتى تسلموا وجوهكم لله كافة وقاطبة و تجاهدوا فيه حق جهاده وتعبدوه حق قدره وتفعلوا له اقل ما انتم تفعلون لحكامكم الخسوبين المعززين . واولادكم الاقربين . وطواغيتكم المعبودين . واوثانكم المخلوقين وشهواتكم المعززة . واهوائكم المكرمة * فهل انتم تصرون على عصيانكم من بعد ما جاءتكم البينة * فاتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة (٨ : ٢٥) * واعلموا ان الله يحول بين المرء وقلبه (٨ : ٢٤) * ويحول بينكم وقلوبكم المستكبرة * واعلموا انه عزيز ذو انتقام * فيا ايها المسلمون القوالون ! ايكفيكم ان تقولوه واحدا بافواهكم وتتخذوا من دونه اربابا بعد ارباب لتعبدوهم عملا وتجاهدوا انفسهم ثم تسئلوا الله عليه حق هذه الخدمة . واجر هذه العبادة . والجنة الاخرة . وجنات الارض المخضرة . ابلى بكم ان تسئلوه من اجر على ما انتم تفعلون * فبنئوني بمالك او مولى يؤدي اجر عبد للغيرة ويبني عليه و يضعف له اجره والعبد لا يزال يخدم جاره ويعبد عدوه ويجد لخصمه ومع هذا لا يزال يشهد على كونه واحدا بلسانه ليلا ونهارا وانبئوني بمالك رضى عن عبده هو وفقه حسانه مع عصيانه وطغيانه لان العبد سماه واحدا او قال له احد بلسانه كرة بعد مرة فهل يجب عليه من اجر او يلزمه من حق بهذا القول والتكرار ان كنتم صادقين * قل هل انتم موفون عهودكم او مؤدون اجور كم لحادمكم الذى يسميكم احدا ولا يعمل شيئا مما تامرون * فلن تجدوا التجارة رابحة مثل هذه فى هذه الدنيا ولو حرصتم كل الحرص فاعترفوا انكم بالحق من المشركين * وان قلوبكم تشهد على مكركم وانتم الاعلمون بما يمكر الماكرون * وان

الله بعد بنا سركنا في الدنيا وان نحن الا من المعصومين الضالين * من الذين ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم غشاوة ولهم عذاب عظيم (٢ ، ٧) * ذلك بانهم استحبوا الحيوة الدنيا على الاخرة وان الله لا يهدي القوم الكفرين (١٦ ، ١٠٧) * اولئك الذين طبع الله على قلوبهم وسمعهم وابصارهم واولئك هم الغفلون (١٦ ، ١٠٨) * ومن الناس من يقول امنا بالله وباليوم الاخر وما هم بمؤمنين (٢ ، ٨) * يخدعون الله والذين امنوا وما يخدعون الا انفسهم وما يشعرون (٢ ، ٩) * افرءيت من اتخذ الهه هوىه واضله الله على علم وختم على سمعه وقلبه وجعل على بصره غشوة فمن يهديه من بعد الله افلا تذكرون (٤٥ ، ٢٣) * فتوبوا الى الله توبة نصوحا (٦٦ ، ٨) وطهروا انفسكم من رجز الشيطن * ومحصوا قلوبكم من الاوثان * وابنوا في صدوركم بناء مسجدا للرحمن * حنفاء لله غير مشركين به (٢٢ ، ٣١) اجتنبوا الاصنام * يا ايها الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا انه هو الغفور الرحيم (٣٩ ، ٥٣) * انيبوا الى ربكم واسلموا له من قبل ان ياتيكم العذاب ثم لا تنصرون (٣٩ ، ٥٤) * وما اموالكم ولا اولادكم بالتي تقربكم عندنا زلفى الا من امن وعمل صالحا فاولئك لهم جزاء الضعف بما عملوا وهم في الغرفت امنون (٣٤ ، ٣٧) * يا ايها الذين امنوا توبوا الى الله توبة نصوحا عسى ربكم ان يكفر عنكم سيئاتكم ويدخلكم جنت تجري من تحتها الانهر (٦٦ ، ٨) التي اعدها لكم منها وذلك هو الفوز العظيم * ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (٣ ، ١٣٩)

يا حزب المعتدين ويا معشر الظالمين ، المشركين بالحق رب العلمين ، ان كان اباؤكم وابناؤكم واخوانكم وازواجكم وعشيرتكم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومسكن

---

* فتصل دمن الحوص في هذه الاثاب (٤ ، ١١٦ ، ٤٥ ، ٢٣) (١ ، ١٠٦) و (١٧ ، ٩) و (٦٦ ، ٨) انه من استحبت الحيوة الدنيا على الاخرة فهم الذين طبع الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم غشاوة لانهم لا يفهمون ما عاقبة هذه الاعمال العاجلة في الدنيا وشهد القران على انهم هم الكفرون الغافلون بقوله تعالى وان الله لا يهدي القوم الكفرين (١٦ ، ١٠٧) وقوله واولئك هم الغفلون (١٦ ، ١٠٨)

تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ (٩ ٢٤) * وقد قال لكم ان لا تتخذوا آباءكم واخوانكم اولياء ان
اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ (٩ ٢٣) * المسركون و
ما علو الظلم العظيم * فاتخذتم الحيوة الدنيا الهكم وقد هب الله بد باكم وجعلتم يعسدون
فيها انتخذون الهة من الارض وسعيتم لتعسدوا امر الله فعسد الله امركم ودمركم وهو ذو القوة
المتين * وعلوتم في الارض تقولون نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَأَحِبّٰٓؤُهُ (٥ ١٨) وَلَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا
مَّعْدُودَةً (٢: ٨) فبعث الله عليكم عبادًا له اولي باس شديد فجاسوا خلال دياركم حاكمين * و
عروا في عقر داركم حاتمين * فتحكموا فصرتم من المحكومين * وعصيتم ربكم فغصب الارض
عنكم وعن يافث * وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (٩ ٢٥) وسدت عليكم العارات * وصرتم
عرضًا ترمى في العرصات * وعباده اولو باس يخرجونكم من دار الى دار - وظهر الفساد في بركم وبحركم
بما كسبت ايديكم ليذيقكم بعض الذي عملتم لعلكم يرجعون † * فاصررتم على معصيتكم وتنازعتم
وتشاجرتم بينكم وتواكلتم وتخاذلتم فذهب الله بريحكم وشغلتكم اموالكم واهلوكم من
دون الله ورسوله شغلًا تامًا وكثرت فيكم الاحداث والذنوب وازددتم كفرًا وظلمًا و
فسقًا وشركًا فقضينا اليه ذٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ (١٥ ٦٦) * فلم
تبق من بلادكم قطعًا وملكًا الا وكلها بقوم ليسوا بكافرين * فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُونَ
(٤٦ ٣٥) * وَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُونَ (٦ ٤٧) * كفرتم فاخذكم الله فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ
فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ (٣٠ ٤٢) * فَقُطِعَ دَابِرُ
الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ (٦ ٤٥) * فيا من يفسدون ولا يصلحون ويأمر
اتيهم الله من حيث لا تشعرون، الدنيا محبوبة عجوز عاقر طليعة اللسان حسناء الوجه التي

† الاشارة الى قوله (٣٠ ٤١)

مكر يفعلها احدنا كل يوم ولا يزال يتذلل بفعلها ويحتال له كل ما شاء ويسعى لنفسه حتى
يضعف هواه واعضائه ويوهن امره فيتركه او يطرده ولا يلد لزوجها الا الخزي والخسران في
العاقبة ولا تزال تمر وتصاحب الا من انكرها واهملها ومن احل بها ولم يلتفت عينه اليها بل
نظر من طرفٍ خفيّ الى حليها وغضّ طرفه عن زخارفها وزينتها فلا تزال تواهده العقوبة الا من
ابعدها ولا عدها ومن دنا منها فتقصيه ومن مال اليها فتزعج عنه وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا
مَتَاعُ الْغُرُورِ (٥٧: ٢٠) * وهذا سرّ حجبها وتحبيرها ونعسفها لكم وفي ذلك فليتوسم المتوسمون *
ولذلك قال الله وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن نَّصِيبٍ (٤٢: ٢٠) وكذلك
قال مَن كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ (١٧: ١٨) وذلك
جزاء الكافرين • الذين يريدون الدنيا فالدنيا تطردهم في النار داخرين • والذين يعبدونها
فتبعدهم خاسئين * وقد قال الله وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (٥١: ٥٦) ومن يجعل
يورثه الارض إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (٧: ١٢٨) * فسلام على المتقين •
الذين يرثون الارض ولا يزالون امة واحدة وبربهم يتقون • والذين لا يشركون به شيئا في العمل
ويطهرون قلوبهم من رجز الاوثان ويقولون انما الهنا اله واحد وبه يستعين • والذين
يجاهدون اعدائهم بالسيف باموالهم وانفسهم ويهاجرون في سبيله لتقوية قومهم ويهجرون
كل ما يشغلهم من المعبودين • والذين يطيعون اولي الامر منهم ويردون نزاعهم الى الله وامامهم
ان تنازعوا في شيء لئلا يكونوا من المفسدين • وداموا ما داموا في الارض منتظمين • وفي السلك
منسلكين • وفي الاخرة شاملين * الجماء الغفير الذين يخشى الناس عنهم وهم لا يخشون
احدا الا عذاب احكم الحاكمين * اشداء على الاعداء رحماء بينهم فلا يعدون الا على الظالمين •
المشركين المفرقين للمستضعفين من الرجال فيتخطفوهم خطفة العقاب الشاهين • ويقولون

لا يذر في الارض احداً من المشركين • ودياراً من الكافرين • الا من اتى الله بقلب سليم
(٢٦ ٨٩) • وسلك صراطه المستقيم • وطاع واسلم وتنظم وتطوع ولم يخش الا الله واتقى
معوى واحسن فاولئك من المفلحين * والذين اذا اصابهم البغي هم ينتصرون (٤٢ ٣٩)
والموفون بعهدهم اذا عاهدوا (٢ ١٧٧) واولئك هم المتقون (٢ ١٧٧) * بلى من اوفى بعهده واتقى
فان الله يحب المتقين (٣ ٧٦) * فسلام على المتمسكين الذين لا يزالون شاهدين على الناس
لربهم وعلى توحيده عملاً ومعنًا ويتموا بامره جباههم في اعلاء سنة العلي العظيم * بلى من اسلم
وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه (٢ ١١٢) فمن اتقى واصلح فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون
(٧ ٣٥) * فيحسرة على المسلمين المعاصرين، يكاد سنا البرق يخطفهم وكسفاً من السماء يسقط
عليهم وهم غافلون * عسى ان ياتي الله بامره وهم في غفلتهم يعمهون * ويقولون انا وجدنا
آباءنا على امة وانا على آثارهم مقتدون (٤٣ ٢٣) * وانما نحن الموحدون من دون العالمين
الذين هم اصحب النار والجحيم • طلعها كانه رءوس الشياطين (٣٧ ٦٥) * واذا قيل لهم اتبعوا
ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه آباءنا اولو كان آباؤهم لا يعقلون شيئاً ولا يهتدون
(٢ ١٧٠) * فانتظروا اني معكم من المنتظرين (٧ ٧١) * ويقال وارحالكم فانكم من المرحلين • في
صبح ماسة او اقرب منه بالبعاد • ومطيتكم الجحيم • ومحلكم حفرة من نار وقودها الحجارة
واشراركم المعلدون * والحمد لله رب العالمين ° الرحمن الرحيم ° مالك يوم الدين ° اياك نعبد
واياك نستعين ° اهدنا الصراط المستقيم ° صراط الذين انعمت عليهم ° غير المغضوب عليهم
ولا الضالين ° (١ ١-٧)

فيا مؤتمر المسافرين، ويا فوج المتهوسين، هل بكم تدعون ان نبدل لواء سنة الله في الارض
بمكركم ونرضيه بقولكم الهلالس • مكثرين متسللين وحامدين وحامدين * هل بكم

تسعون ان تغیّروا ما بکم بالخدع • او تغیّروا عادته بالجزع والفزع • او تحرّفوا الارض وتکسّروا السمآء کسرًا مکسّرًا لتمسوا فی الارض مرحین * ءانتم تمنّون بان تبدّلوا لهما ارضًا غیر الارض وسمآءً غیر السمآء وسنته عن سنته تعالی الجاریة لتفعلوا فیهما ما انتم تشتهون * هل ترون فی خلق الرحمٰن من تفٰوتٍ (۶۷ : ۳) • وفی الارض من صُعبٍ • وفی السمآء من نعص وفی سنته من لبسٍ او تحوّل لسل لکم او یکاد یرکن الیکم فتصنعوا فیها ما تشآؤن * بل بناها فرشًا مستبدًّا وسقفًا محفوظًا و سمآءً غیر محوّل لا مبدّل لعادته وفطرته وحفظها من کل شیطٰن رجیمٍ (۱۵ : ۱۷) * من شیٰطینکم الذین یوحون الی اولیآئهم انهم هم القادرون علی ان یبدّلوا امره وحکمه بدعآئهم وشفاعتهم وهم فی هٰذه الارض لا یملکون من نقیرٍ ولا یقدرون * ولن تستطیعوا ان تغیّروه مقدار حبّة خردلٍ ولو اجتمعتم له انتم ومن فی الارض جمیعًا فلماذا لا ترجعون * بلٰی وهو الملیك العظیم * والاقدار العلی الحکیم * والسمآء المعمور * لا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (۲۱ : ۲۳) وانتم تسئلون * فهل تنظرون الا سنّة الاوّلین * فسیحوا فی الارض وانظروا کیف کان عاقبة المکذّبین * واحذروا لمجرمین من ودّ له الکفرین * ان تنتهوا یغفر لکم ما قد سلف وان تعودوا فقد مضت سنّة الاوّلین • (۸ : ۳۸) * سنّة الکفّار المعذّبین * عسٰی ان تکونوا من المفلحین * والله ما انتم بمعجزی الله فی هدیه وما کان لکم ان تغیّروا عادته ولکنکم انتم من المغترّین * او مغیّرین بانفسکم من قبل ان یأتیکم الممات * وَاِنَّ اللهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۱۳ : ۱۱) ولا یؤخّر احدًا حتّی دنا امره الی الحین * وَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ (۱۶ : ۶۱) * فتعالوا الی القراٰن العظیم • واهجروا الشرك والکفر هجرًا مهجورًا فسحقًا لاصحٰب الجحیم * و تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ (۳ : ۶۴) فهل انتم مسلمون * فاطر السمٰوٰت والارض وما بینهما

وخالق ما لا تعلمون * عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (۵۹ ۲۲) فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۲۳ ۹۲) * وهذا هو الاسلام
الذى اسس عليه السموات والارض ونظام كل الكون . وسطيع الكون المتين . و
رب كل ما اصلح وافلح فى العلمين * فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳ ۳) * وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ
بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (۲۳ ۱۱۷) * وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا
فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۳ ۸۴) * وانه فى هذه الدنيا من الاخسرين *
انتم دون ما فى هذه الارض للموحدين المسلمين . وما اجر العاملين الصابرين المؤمنين العاملين
من دون القائلين الكافرين . اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (۴۷، ۱۲) بما
كانوا يكفرون * وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ
اَصْلَحَ بَالَهُمْ (۴۷، ۲) . وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (۴۷، ۸) . ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ
مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (۴۷ ۱۱) * فيا ايها المسلمون المعاصرون ! كيف
تدعون بالايمان وبالايمان على محمد وبالكفر بالكفرين * وَمَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ م
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۲۹ ۴۱) * فيا من يزعمون انهم يحسنون ويصلحون باتخاذهم الاولياء تمتعوا
فى هذه الارض حتى حين * ويا من ضل سعيهم فى الدنيا امتعوا فى الارض منتهى قلبكم
فرحين . بما هى اسه لكم فى يوم الدين . وما لكم فى الآخرة من النعيم . من فضل وحرير
وشراب وفاكهه ومن حور عين * فاسروا وامرحوا وتفاخروا بينكم فان لكم نار الجحيم * و
عذاب ربكم المقيم * ومن دون عذابكم فى الدنيا عذاب يوم الدين * فان الدين هو

الدنیا وان الدنیا هی الدین * الدنیا مزرعة الاخرة فیما تزرعوا فیها تحدوه عند ربکم غیر ممنون * وما تعدموا للغد فهو فی الاخرة یمین * ولنعم اجر العاملین * وبئسما اشتروا بعملهم القائلون * فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى (۷۹: ۳۴) • وعرض الناس علی ربهم صفًا صفًا • وانی حان توفیة حسابهم فی العقبی • وجاء وا ربهم فرادی وقیل للانسان انت بما قدمت یداک فی الدنیا • لان لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳: ۳۹) • وان له نصیبًا فی الاخرة من دون نصیبه الادنی • وعذابًا من حب الفرح علی عذابه جمعًا • وثوابًا من فوق ثوابه فی الاولی • ولعذاب الاخرة اشق وابقی • وثواب العاقبة خیر وابقی • فیا اسفا وعجبًا ! تحیرت العقول بما اری • القائلون فی عذاب الیم • و العاملون فی الجنة والنعیم • الموحدون فی زمرة المشرکین • والمشرکون المتعارفون علی الارائک متکئون والرسول شاهد علیهم انهم هم المؤمنون • الذی هو بالمؤمنین رءوف رحیم* ادخلوا کافة انکم کنتم تفعلون • ما تقولون وتعملون ولا تنظرون * وکنتم انتم تؤمنون بما نزل علی محمد عملًا ومعًا من رب العالمین* وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۴۴: ۳۸-۳۹) * ان فی ذٰلک لاٰیٰت للعٰلمین المتوسمین * فالقول لیس بشیء عندی و لو اصطفینا القول لجعلنا لکل من یقول فی الارض لبیوتهم سقفًا من فضة وابوابًا من ذهب وابارقًا من زبرجد وماکنا فعلین * وانی انا الله الفعال الخلاق الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (۳۰: ۲۷) * یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۳۲: ۵) * والذی ینزل من السماء ماءً • ویفلق الحب و النوی • ویثمر الاشجار ویرسل الریاح یومًا بعد یوم • والذی خلق السمٰوٰت والارض وما بینهما فی ستة ایام (۳۲: ۴) • وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (۵۰: ۳۸) • یجری الفلک فی البحر بامره الا له

* الاشارة الی قوله تعالی وعرضوا علی ربک صفًا لقد جئتمونا کما خلقنٰکم اول مرة بل زعمتم الن نجعل لکم موعدًا (۱۸: ۴۸) * الاشارة الی قوله (۹: ۱۲۸) *

الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (٧: ٥٤) * يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (٥٥: ٢٩) فكيف لا احب العالمين * بل يرى عمل كل عامل في الدنيا وسعيه ويعطيه اجره مع الاجر جهده ووسعه بعد سعيه إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (١٠: ٤٤) * فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (٩٩: ٧-٨) * فما انا بطارد العاملين من الجنة وقابل القائلين * هم الذين ما زالوا في الارض مكثرين اسمي وعاصين عن امري ولم يعلموا من انا حين دعوني ولم يكرموني او يعطوني معنا رما كرموا الهتهم عندي فكيف اكرم ههنا الظالمين العادين * وَإِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (١٤: ٨) فاني انا الله ذو القوة العزيز العليم * احب كل صاحب **قوة وعزة وعلم** من الناس الذين احسنوا صنعهم في الدنيا وداموا ما داموا خلائف فيها وخلائف متى مسخرين كل ما سخر الله لهم في السماء والارض متفكرين في خلقهما وما بينهما شاكرين بما اتيهم الله من فضله ورحمته حق شكرهم وقدسهم الذين احرثوا الارض وبثموها ومشوا في مناكبها وفتشوا برها وبحرها ليعرفوا من انا ومن اين كل هذه وماهي ولماهي وما كنهها وكيفها وليشهدوا اسما فعالهم وليسعوا من فضله سائحين * حتى انهم في الارض قاهرين على من ضعف وكسل ومكرمون من سعى وسأل متخلقون باخلاقي واخلاق فطرتي وعادتي فاني انا الجبار القهار القوي العظيم * ولا احب المستضعفين الا قليل الذين ضربت عليهم الذلة والمسكنة ينظرون من طرف خفي الى الناس من ذل وغي يسئلون عبادنا الحافا ومعشرا لا يقدرون على شيء ولا يملكون نقيرا الذين يسجدون لكل مالك فوقهم كان او ضعيفا ويعبدونهم حيا ولغيفا لاضعاف بهم من الضعف والفقر لا يحسون ما بانفسهم من نار السقر * نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ (١٠٤: ٦-٧) * فتحرقهم حرقة مهلكة * تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ (١٠: ٢٧) * أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا (١٠: ٢٧) * و

املئت بابهم البالية المستروعة فيحا من الفصل سكنا • يأكلون كما تأكل الأنعام (٤٧: ١٢)
لا تحسبهم الا جرباً من ورده خاسئين * لا احبهم ولا آمن عليهم لانهم ما قدروا حق قدرها و
ما عرفوا حق معرفتها وانا الذي جعلت لهم السمع والبصر والافئدة ليعرفوا انهم شاكرين * فقليلاً
ما كانوا يشكرون في الارض وقليلاً ما يشكرون * فلا تنكران نسيهم اليوم وما هم في جنتها بداخلين *
اخرجوا واهبطوا من هذه ان مهادكم الجحيم * وان جهنم لمحيطة بالكافرين * فما تزعمون انكم
احق بالجنة ولسوف يجدون بها حرمان بانعمها لو كنتم تعلمون * فمن يلدن نعمة الجنة الخالدة
الباطنة ان لم يكن له نصيب من نعمة الارض الظاهرة افلا تعقلون * وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى
فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (١٧: ٢) ومن الضالين * وما الجنة الا الوارث جنات الارض وعيونها
وما العاقبة الا للمتقين •

ويا ايها المسلمون المنهزمون المعاصرون ، الذين يظنون انهم يظلمون في هذه الارض وان
الله يظلمهم بمشيئته منصرفا عما تعملون ويعتقدون • ما ربكم بظلام للعبيد * اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ
النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (١٠: ٤٤) * يفعل ما يشاء وهو لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ
اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (١٢: ١٠٠) * فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (٢: ١٩٣) * الذين يتعدون حدود
الله وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (٢: ٢٢٩) * وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
اَيْدِيْكُمْ (٤٢: ٣٠) فمن شاء فليرجع الى ذنوبه وحدوده ويتخذ الى ربه سبيلاً ويصبر عليه و
بسمعه الله وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (٢: ١٥٥-
١٥٦) * ومن شاء فليصبر على مصيبته وَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (٣: ٩٧) * وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ
يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (٨١: ٢٩) * ما مشيئته الا ان ليس للانسان الا ما يجهد وما مشيئتكم

* يعرف القارئ ان بين هذه الآية [illegible] معناها هنا ما سنذكره بعد هذه . فالمعنى هو انكم ما تشاءون شيئا الا انه شاء لكم مهما شاء وان
اردتم ان تسعوا في الدنيا سعيا بليغا لتفوزوا فهو يؤدي في الحكم احدكم بعدها ما تم تسعون . فلا شك في ان معنى هذه الآية تترادف بما عنى الله بقوله ان ليس
للانسان الا ما سعى (٥٣: ٣٩) لا تزيد منه ولا النقص [illegible] ما شاء [illegible] ولا تعدل على شيء حتى [illegible] فهو [illegible]

إلا ما تعملون وما تؤمرون * وما مشيئته إلا قانونه * فارجعوا إلى قانونه وعادته مرة أخرى
ليكون لكم في الدنيا والعقبى ما تشاؤون * مهما تجهدون فهو سامحكم ويؤدي أجركم المكرم غير
ممنون لأنه لا يكاد أن يتداخل في مشيئتكم أو يعارض سعيكم حتى تنتهون * ليحكم أو
يعدّلكم بالعدل * ويزن سعيكم بالقسطاس المستقيم * فما تشاؤون إلا أن يشاء الله
رب العالمين ○ (٨١ ٢٩) * ومن قال إني راجع إليه يجد أجره عنده من فوره * وأولئك عليهم
صلوات من ربهم ورحمة وأولئك هم المهتدون ○ (٢ ١٥٧) * فلا تجهدوا وتنتظروا بل أنيبوا
إلى ربكم وارجعوا إليه وجاهدوا فيه حق جهاده ليشاء ربكم لكم ما تشتهون * فإنه لا يشاء
لكم شيئا حتى تشاؤون * ولا يجري حتى تجهدون * فما تشاؤون إلا أن يشاء الله رب العالمين
(٨١ ٢٩) لكم بمقدار ما تعملون * سبحان ربك رب العزة عما يصفون ○ (٣٧ ١٨٠) * ويقولون
لا خيرة لنا في أعمالنا وما لنا من الأمر من شيء فكيف نغير ما بأنفسنا حتى يشاء ربنا ما يشاء وما
نحن نشاء شيئا إلا ما يشاء العزيز الحكيم * يغفر لمن يشاء ويعذب من يشاء (٣ ١٢٨) وإن نحن
إلا من المظلومين المجبورين * وما هذا إلا مكركم بأنفسكم ولتفرّوا من السعي وتمكروا السيئات
وما الله بمغيّر ما بكم حتى تغيّروا ما بأنفسكم وما الله بغافل عما تعملون * إن الله لا يظلم مثقال
ذرة وإن تك حسنة يضاعفها (٤ ٤٠) فسبحان ربك عما يصف القدريون الجبريون الذين
قالوا إنما ربنا إلا ملك مستبد لا قانون له ولا يحكم إلا بما يشتهي من فوره متصرفا عما يجوز له عدلا
وأصولا * ويجبرنا على ما نفعل ويعذبنا مهما يشاء * وقدّر لنا كل ما فعلنا وما نفعل من قبل
فلا محيص لنا عما يريد * إنه على كل شيء قدير * بل قانونه مشيئته * وما مشيئته إلا قانونه
وأمره * وما يشاء إلا ما يوافق أمره * وما يأمر إلا ما يطابق مشيئته * وما يعذب إلا من بعد تمام
حجته وتبيين قانونه * وما الإنسان إلا قادر على فعله * ولا يكلف الله أحدا إلا وسع نفسه

وجل استطاعه ۔ ولا یرر وازرۃ الا وزرہ ۔ ولوکان فیہما الٰہ مستبد مثل ما یصفون به لفسدت السمٰوٰت والارض ۔ ولا طلعت الشمس مثل ھذہ ۔ ولا جاء اللیل بھذا التنعم وھذہ الصحیہ ۔ ولا تغورت النجوم او طلع البدر بکل ھذا النظم والتسویہ ۔ ولا جرت الفلک فی البحر او سال الماء فی الاودیہ ۔ او احرقت النار او جرت کل ما یجری فی عادۃ اللہ المؤکدۃ المستمرۃ ۔ فواللہ ما یعم کل ھذا لیلا بعد لیل ونہارا بعد نہار الا بمشیتہ * فما مشیتہ الا عادتہ الجاریہ وما عادتہ الا ما نشاء انہ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (۲۰: ۵۰) * كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ (۱۷: ۸۴) من اول یوم خلق فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا (۳۵: ۴۳) * و من ھذا الفضل خلق الانسان فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ (۸۲: ۸) رَكَّبَهٗ * فجعل له سمعه وبصرہ وفؤادہ وبین له فطرته وعادته ۔ وقدر له وسعته وقدرته والھمه فجورہ وعصمته ۔ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ (۸۰: ۱۹-۲۰) * ومعھا انزل علیه کتابه * فمن شاء من بعد ذلک فلیشکر ومن شاء یکفر * وما کتابه بمضحکه * كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (۷۴: ۵۴-۵۵) * اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا (۴: ۸۲) * ان اللہ علی کل شیء قدیر یدل علی ان الانسان لا یقدر علی شیء شیئا * بل قدرہ لیقدر علی ما یعمل واعد لکل عمل اجرا * وان قدر الانسان قادرا بمشیتہ ۔ وجعله سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا (۷۶: ۲) برضائه ورغبته ایھا الجھلون ، ولم یعن علیه عن قدرته اول یوم خلقه * ولا یخالفکم الا ان فیما تفعلون بمشیتکم * ولا یکف اللہ بکم عما تعملون برضائکم ورغبتکم ۔ فما تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (۸۱: ۲۹) * فما ھو الا ان مشیتکم منشیته ۔ وان لم تکن مشیتکم بما بعة مشیته فتعولوا ما نشاء شیئا الا ان شاءہ ربنا من قبل فانه اطلقکم وارسلکم رسالۃ تامۃ واعد اجورکم بقدر سعیکم ووسع انفسکم ۔ فھل لکم من حجة بعد ھذہ القدرۃ والعدل ان کنتم صدقین *

قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ (٨٠: ١٧) ۔ يفعل ما يوصيه ۔ ثم يقول الله اجره ۔ فمن ابن اجره ۔ و
يعمل العمل ويستعمل ارجله وايديه ۔ ولا يخالفه احد فيما يفعله * فيا ايها المسلمون الفدائيون
الحائرون ! ما جزيتم الا بما عملتم حتى الآن ۔ وهل تجزون بعد ذلك الا ما تعملون * اجبروا
انفسكم واقدروها فانكم لن تؤتوا مثقال حبة اجرا حتى تسعوا لها ۔ هذا ما قال الله لنا وهذا
ما اجبرنا عليه ۔ فلا اجر علينا الا ان نفعل ما امرنا به احكم الحاكمين * الذي لا بد لاحد منا من
حكمه ۔ وانما امره حكم لا ريب ۔ وهو القوي العزيز الحكيم *

فيا معشر المسلمين المهديين ! هل بقي لكم من بعد الذي نخبركم اليه من وسيلة الا ان
تسعوا لانفسكم سعيا مستبقا ليلا ونهارا ما لا يطاق به ولا يسبق ۔ لترضوا الله فان الله لا يرضى
الا عن القوم العاملين * اعملوا على مكانتكم حق امكانكم ۔ واستبقوا لتفوزوا ولا تهنوا في زعمكم
الباطل ان امرا قد تجاوز عن سعينا ۔ فعسى الله ان يجاوز عنا متعطفا علينا واحسانا لنا مصرفا
عن سعينا وجهدنا او يرسل علينا **مهديا** مبشرا يهدينا ويفوقنا ۔ ويظهر على اعدائنا ۔ فنكون
من **الغالبين** * فما هذا الانتظار الا اماني قلوبكم ۔ وتوهين امركم ۔ وتضعيف اعضائكم
في الدنيا ۔ وما اشاع بهذا الكذب الا اشراركم المفسدون المخلقون * فلا مهدي لكم اليوم
الا من **هداكم** ۔ وهداكم الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ (١: ٥-٦) انعم الله عليهم ۔
فمن نصركم ومن بدل ضعفكم قوة وخوفكم امنا ۔ ولا شهادة على بعثة المهدي في القرآن الا حاجة
في احاديثكم الضعيفة الموضوعة ۔ وان كان لنا من نبي او رسول ياتي من بعد ختم الانبياء اسمه
مهدي فلما لا يبشرنا الله بهذا الامر المهم في الكتب المبين * ولا تجدوا من قولكم الا تمهيدات الامور
اذا تناهت تغيرت فانه لا تتغير شيئا في هذه الدنيا حتى تغيروا * وليس الذي انتم تنتظرون اليه
وتزعمون من امارات القيامة ۔ وما لكم من **علم** بعلاماتها إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي (٧: ١٨٧) ياتيكم بغتة

وانتم لاتشعرون * إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (۶:۱۴۹) * وماهي الا قد
قامت قيامتكم وانكم في موتكم تتجاهلون * وتخدعون انفسكم في موت اعدائكم وتمارونهم
على تابوتهم وانكم لميتون * فمايظن رجل احول الا ان الارض امتلئت من الاحولين * فلابد
لكم من ان تسعوا وتجهدوا وان اردتم ان تحيوا البقاء * وتؤثرون ان تكونوا في زمرة الاحياء * فان
الله لايحيي الموتى وهو يحيي الموتى حتى تحيوا انفسكم وتحركوها جاهدين * فمالكم لاتستيقظون
من نومكم وموتكم وسائر الناس قد تيقظوا من نومهم * والشمس قد بلغت معدل النهار افلا
تشعرون * ومالكم تظنون ان خلقكم الله عبثا وانكم اليه لاترجعون * هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ
خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ (۶:۱۶۶) وخَلَقَ الْمَوْتَ وَ
الْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (۶۷:۲) افلا تعقلون * وَإِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ
رَّحِيمٌ (۶:۱۶۶) * فانتم نائمون في مضاجعكم والذين يرجون لقاء ربهم يؤمنون ويعملون *
تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا
أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔ أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوُونَ
(۳۲: ۱۶-۱۸) * ومالكم تضيعون وتفسقون * وتغلبون ولاتؤمنون * وتنظرون ولاتعملون *
وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۳:۱۳۹) * وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ
نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا
فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ۔ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ
دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (۳۲: ۱۹-۲۱) * ارجعوا فان العذاب الادنى قد قرب ولعل الله
يحدث بعد ذلك عذابا آخر فتكونوا من المدمرين * اعملوا ولاتظنوا انكم معجزي الله او تستطيعون
ان تفروا منه او تبعدوا من اقطار السموات والارض بل لاتقدرون مما كسبتم على شيء افلا تذكرون *

اتعدون على ان تكونوا اسدّاء على حكّامكم الذين بعثهم الله عليكم اوتنصروهم شيئًا ولو حرصتم • فكيف تطيعون على ان تنصرّوا الله او تعجزوه مالك السّمٰوت والارض واحكم الحاكمين ٭ بل هل يسمعون لكم اذا سألتموهم شيئًا • او يوجّهون اليكم حين تنحلّ ظهركم باسهم سيكون سدّا • بعثهم الله عليكم ليحلّ لكم فى الدّنيا وليجعلكم نكالًا لما بين ايديكم وما خلفكم ولا يردّ باسه عن القوم الكفرين ٭ كفرتم باحكام الله وكذّبتم بها وتوليتم • فاستبدل قومًا غيركم لا تضرّونهم شيئًا ولا تضرّونه وانقلبوا خسرين ٭ عباده اولو بأس فضّل الله بعضهم على بعض درجٰت • يرثون الارض على سلطٰن منه • لانّهم احسنوا فى هٰذه الدّنيا واصلحوا واتقوا واسلموا وجوههم له • ولم يتخذوا اربابًا من دونه • ولم يعبدوا الّا الله • ولم يسجدوا لاحد غيره • ولم يتخذوا اهوآءهم واولياءهم الهه • ولم يتفرّقوا • واعتصموا بحبل الله جميعا • ولم يصيروا شيعًا • ولم يقطّعوا امرهم بينهم حزبًا • واطاعوا اولى الامر منهم بلا عذر وحجّة • وردّوا نزاعهم الى الله حين تنازعوا • وجاهدوا باموالهم وانفسهم • ولم يولّوا ادبارهم حين الباس • ولم يتحرّفوا عن القتال • وهاجروا من ملك الى ملكٍ ليقوّى به سلطنهم واجرآء حكمهم فى الدّنيا • وهجروا اكثر ما يلصق الانسان من رجز الشّيطان • ومن لوث العداوة والبغضآء بينهم • واسلكوا انفسهم فى الاخوّة • ولم يغتب بعضهم بعضًا • ولم يتجسّسوا بينهم • ولم يتزلزلوا فى ايفآء عهودهم • ولم يرفعوا اصواتهم فوق صوت اميرهم • وغضّوا ابصارهم واصواتهم عند اولى الامر منهم • ولم يخشوا الّا الله • وتفكّروا فى خلق السّمٰوت والارض حقّ امكانهم • وساحوا فى الارض ومشوا فى مناكبها حقّ سعيهم† وقدروا الله حقّ قدره بتدبّر اعماله • وعرفوه حقّ معرفته بتدبّر فطرته • واختاروا كلّ ما يجرى فى العادة • و تركوا كلّ ما يبعد فيها • وفعلوا اكثر ما امر الله من دون ما فى الكتٰب • ونهوا عن نهيه فى الجملة • وصاروا من الذين احسنوا واصلحوا • فادخلهم الله فى الصّلحين المحسنين العٰبدين ٭ واورثهم

† كل هذا ما امر الله فى القرآن فلتدبر هم العادى الى القرآن للتّصديق ١٢

الارض ومساكنكم التي كنتم فيها آمنين* وقد كتب الله في الزبور من بعد الذكر أن الأرض يرثها عبادي الصالحون ٥ إن في هذا لبلاغا لقوم عابدين (۲۱: ۱۰۵-۱۰۶) * وقد قال لكم إن الأرض لله يورثها من يشاء[†] من عباده والعاقبة للمتقين (۷: ۱۲۸) * فقتّشوا ارض الله* ودرسوا صحف الفطرة * وعلموا قانونه * وطالعوا احوال مخلوقاتها * وطلعوا على عاداتها وخصائصها * واستوعبوا امر معائشهم وسعيهم في الدنيا * واستقصوا بال فلاح الاقوام وصلاحهم * واستقرءوا الدروا ملكوت السموات والارض * ولتطلعوا على عادته تعالى وسنته * وتركوا ما بعد في العادة قولاً واعتقادا * واستمسكوا بما يجري فيها عملاً ونظرًا * وتخلقوا باخلاق الله * وبما صلح من عادات مخلوقاته السفلة* وميّزوا الخبيث من الطيّب * ومحّصوا الثواب عن الخطاء بجدّ مكانهم * واستعملوا سمعهم وبصرهم وفؤادهم لتطلبوا العلم من اعمال الله من دون الظنّ * فعرفوا اعماله تعالى لتعرفوا ربّهم * وليعلموا ما ربّ منهم وبهم * وما سنّته فيهم * ولخّصوا حقائق الفطرة * وبتنوا دقائق الاشياء لتبسطوا منها فريضة الانسان * ثمّ استسلموا لها * وصاروا من المفلحين* درسوا كتاب الله * بل حجّة البالغة الكاملة * وكتم عن دراسته لغفلين* وقد قال الله لكم إنّ في السموات والأرض لآيات للمؤمنين (۴۵: ۳) * وخلق الله السموات والأرض بالحق إن في ذلك لآية للمؤمنين ٥ (۲۹: ۴۴) * وسخر لكم ما في السموات وما في الأرض جميعا منه إن في ذلك لآيات لقوم يتفكرون ٥ (۴۵: ۱۳) * وما خلقنا السموات والأرض وما بينهما لاعبين ٥ ما خلقناهما إلا بالحق ولكن أكثرهم لا يعلمون ٥ (۴۴: ۳۸-۳۹) * وسخر لكم الليل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بأمره إن في ذلك لآيات لقوم يعقلون ٥ (۱۶: ۱۲) * واختلاف الليل والنهار وما أنزل الله من السماء من رزق فأحيا به الأرض بعد موتها وتصريف الرياح آيات لقوم يعقلون ٥ (۴۵: ۵)* وإن في خلق السموات والأرض واختلاف الليل والنهار والفلك التي تجري في البحر بما ينفع الناس وما أنزل

---

† ای نورثها من اهل دلها واحق بها لانه لطنعّ لما بعدها ۱۲ (۱) كما جاء على صفحة ۳۲ من هذه الاشاعة ۱۲

اللهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (۲ ۱۶۴) * وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۴۵ ۴) * اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ (۱۰ ۶) * وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۶ ۹۸) * وقد قال الله لكم وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ (۶ ۳۸) * فخاضوا فی احوال الدّواب والطّيور * واطّلعوا علٰی عوائدها واخلاقها * وفتّشوا انتظام مجامعها وعوالمها * وعلموا مستقرّها ومستودعها * وفحصوا عن نظمها وسننها * صُنع الله الذی علم کلّ مخلوق درسه * وَاَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (۲۰ ۵۰) * الّا الانسان فلم يظهر عليه صراطه * الّا انّه اعطاه سمعه وبصره وفؤاده * لتعلّموا فريضته في الدنيا * ويدرس ما يريد الله منهم * ومن دون هذا اعطاه الكتاب الذی جآء به الانبيآء ما فرّط الله فيه من شيء * واظهر فيه کلّ ما يحوله ويبعه * واشار فيه الٰی کلّ ما سمعه وبصره * تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۶ ۸۹) وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲ ۱۱۱) لعلّكم تتدبّرون * وسكّروا فيه حقّ فكركم و تدبّركم ولتكونوا من المفلحين * الذی كان لكم ان تأتوا بمثله ولو اجتمعت الانس والجنّ له فانّه اُنزل بعلم الله (۱۱ ۱۴) فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۱ ۱۴) * ولا يزال الحكمآء الطّبيعيون من المغرب يطّلعون علٰی سرائر الطّبيعة و عوائد العادة واحوال المواليد الثّلاثة من الجماد والنّبات والحيوان حتّٰی ظهرت عليهم مماثلة امم الانسانية بامم المخلوقات السّفليّة والمشاكلة بين قواعد مجامعها وبين عوائد الاحزاب الحيوانيّة الخاصة * ولم يزالوا كذلك حتّٰی لاحت لهم الحقيقة * واتّضحت لهم الطّريقة * فاستنبطوا من كلّ هذا العلم القانون الذی اُسّس

ف۱ تحوّل ان نسعد بالعثور مطالب هذه الامم المهمة النافعة ونحرص فيها اسلّ حوصلة لله تعالٰی قد نص فيها قانون نعلة الامم الانسانية نتشبهها بالا مم السفليّة وقضی فيها انه من سلك صراطه المستقيم وتجنّب للقانون الذی يجری فی العادة (كما تفعل الدّواب والطيور) فهم الذين افلحوا وهذا الدنيا واولٰئك من الخاسرين فيها ما دامت السّمٰوٰت والارض مثل المخلوقات السفليّة ولذلك قال فی موضع آخر وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ (ای يطيعه) مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

عليه نظام العالم * واصول حفظ الاقوام وبقاء الامم * وطلبوا فيها آيات الله البالغة النافعة التي تقدم ذكرها ، وصاروا بالحق من عباد الله المؤمنين المتفكرين العالمين العاقلين الموقنين المتقين * واتخذتم آيات الله المتقدمة هزوًا وسخرًا ، وما سعيتم ان تحرّوها لتعلموا منها من شيء * وقلتم ما انزل الله علمنا فيها من امر ومن نهي . فما في خلق السموات والارض من آيات لقوم يتفكرون ، ومن علم لقوم يعلمون ، ومن ادّعاء له وهم يفقهون * بل كفانا ما دون الفقهاء منّا وعلماؤنا من طرق الطهارة واساليب الاستنجاء ومسائل الاستحاضة والنفاس وغيرها من العلوم الشرعية التي لا بدّ للانسان من علمها لتحصيل النجاة ولحصول رضوان الله والآخرة وما كان لنا ان نعلم ما المماثلة بين ما وبين امور الدواب والطيور * الا انما نعتقد ان الله ما عاد وما فرّط في قرآننا من شيء الا وعلّمنا فيه * فلا يجب علينا ان نعلم كل ما جاء في كتابنا الا ما يكفينا للنجاة * فتثنوني بما **النجاة** في علمكم وما رضوان الله في ظنكم ان كنتم صادقين * **فكذّبتم** بآيات الله بالحق * وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (٦ ، ٣٩) * فيا حاملي القرآن العظيم ، ويا من يرجون انهم على صراط مستقيم من الدين المبين ، وانهم يعلمون القرآن ويتلون كتاب الله من دون العالمين * أفأنتم بالحق بصمّ بكم في **الظلمات** تكذبون بهذه الآيات * ام لا ضللتم عن الصراط والحكماء العربيون قد اقتبسوا **نورهم** منها ورفعوا انفسهم عليكم درجات * أانتم عرفتم معناها ، وفهمتم مقاصدها ومعارفها ، وتعلمتم علمها وحكمتها * ام الذين اكتسبوا الفضائل من **صحيفة الله** التي عرضها السموات والارض بعد ان تفكروا في خلقها مدة عمرهم * واسبغوا نعمه تعالى الظاهرة والباطنة على انفسهم * وهدوا الى الصراط المستقيم * صراط الذين انعم الله عليهم

(البقية من الصفحة ٣٩) في الارض من دابّة والملائكة وهم لا يستكبرون ، يخافون ربهم من فوقهم ويفعلون ما يؤمرون (١٦ ، ٤٩ - ٥٠) وبعد ذلك قال في هذه السورة إِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً (١٦ ، ٦٦) وبعد ذلك قال في النحل فاسلكي سبل ربك ذللا (١٦ ، ٦٩) ونظرًا الى اعلاء مطالب الآية واهميتها قال وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ (اي ما سعد في العادة) مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً (اي امرًا مهمًا من قدرته) وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ، راجع ما بعده الباقي

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (١ ٦) * ورغمهم ان يحملوا كتاب الله وقرآنه فما حملوه بل

كذبتم * قد كانت آياتي تتلى عليكم فكنتم على أعقابكم تنكصون * مستكبرين به سامرا

تهجرون (٢٣ ٦٦-٦٧) * فمثلكم كمثل الحمار يحمل أسفارا (٦٢ ٥) * كالذين من قبلكم

حملوا التوراة ثم لم يحملوها (٦٢ ٥) * بئس مثل القوم الذين كذبوا بآيات الله والله لا يهدي

القوم الظالمين (٦٢ ٥) * انما قال الله لكم في القرآن وما خلقنا السماء والأرض وما بينهما باطلا

ذلك ظن الذين كفروا (٣٨ ٢٧) * فكم توجهت اعرضتم عن هذا الحق * وأسميتم باطلكم

الشريعة الموضوعة التي ما أنزل الله بها من سلطان (٥٣ ٢٣) * والتي كنتم تشغلون بها في الذين المتبر *

فما جزاء من يكفر الآخرة في الدنيا وهم في الآخرة من الجحد ولبس * أو ما قال لكم في الكتاب هو

الذي جعل الشمس ضياء والقمر نورا وقدره منازل لتعلموا عدد السنين والحساب ما خلق الله

ذلك إلا بالحق يفصل الآيات لقوم يعلمون (١٠ ٥) * فما علمتم من الشمس من شيء * وما اقتبستم

من القمر من نور * وعباده اولو علم ينظرون اليها من كل مكان ليعلموا حقيقتها * ويقدروا اكتسابها

وكنهها * فيعرفوا خالقها فيؤمن به قلوبهم * ويزيد هم ايمانا * وليكونوا من الشاكرين * وليعلم

الذين أوتوا العلم أنه الحق من ربك فيؤمنوا به فتخبت له قلوبهم وإن الله لهاد الذين آمنوا

إلى صراط مستقيم (٢٢ ٥٤) * انما قال الله لكم في القرآن انه كتاب فصلت آياته قرآنا عربيا

لقوم يعلمون (٤١ ٣) * ولقد جئناهم بكتاب فصلناه على علم هدى ورحمة لقوم

يؤمنون (٧ ٥٢) * افعلماؤكم المتشرعون الحاضرون العلماء بالحق في لغة القرآن ام

الحكماء الغربيون الطبيعيون المعاصرون الذين علموا عدد السنين والحساب * ورأوا ملكوت

السموات بالعيان * أنزل القرآن لهم ام لكم قوم جاهلين * افكتابكم هدى ورحمة لكم ام

(البقية من الصفحة ٢) جهلهم * ويعرف انه جاء بالقانون وقال وما من دابة في الأرض ولا طائر يطير بجناحيه إلا أمم أمثالكم (اي يعيشون ويعملون بالقانون الذي يجري عليهم) ما فرطنا في الكتاب من شيء (اي لم نغادر في القرآن من امر ونهي وقانون الا ذكرناه فيه ليعملوا به) ثم إلى ربهم يحشرون (اي يحشرون ليقضي الله بينكم ايكم احسن عملا) ويعرف انه قال والذين كذبوا بآياتنا صم وبكم في الظلمات من يشإ الله يضلله ومن يشأ يجعله على صراط مستقيم

لقوم آخرين * افما قال الله لكم في القرآن ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾ (٣٥-٢٧-٢٨) * افهؤلاء وكم الذين لم يعرفوا ما الماء * ولم يتدبروا ثمرات الارض ولم يميزوا بين الوانها المختلفة * ولم يسبروا في الجبال ليعلموا جددها البيض والحمر * ولم يجربوا طبعها السود النافعة التي اخرجها الغرب واصلحها وافلح * والذين لم يفرقوا بين الوان الناس والدواب وغيرها من خلق الله * اهم حريون بان يسموا العلماء ام الغربيون الذين جعلوا اعالي الارض سافلها * وبدلوا سافلها عاليها * وصعدوا بحرنها * وغوروا في بطنها * وصعدوا اعلى جبالها * ولم يغادروا من الارض شيئا الا عرفوا حسنها وقبحها * وزينوا الارض بزخارفها * وحلوها بحلية العلم والايجاد والفضل والرحمة * الذين احسنوا في هذه الدنيا علما وعملا * واصلحوا بالهم في الدنيا والآخرة فاتوني بشهادة عليكم ان كنتم صادقين * اما بالكم تجدون بهذا اللقب في قلوبكم على جهالتكم التامة المتعدية * واذهانكم الخاملة الخالية * وبراهينكم الشتى للعطلة* وحججكم التي ليست بالغة او نافعة * واجتهاداتكم المفرقة المشتتة * والسنتكم المسرعة * وعمائمكم المطوية * فاتوا برهانكم ان كنتم صادقين * افما قال الله لكم في الكتب ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾† (١٨-٧) * فنبئوني بما احسنتم في هذه الدنيا وما علمتم وما الذي على الارض جعلتموه زينة لها * فالمعرضون الذين تسمونهم الكفار بلسانكم وتظنونهم اصحاب النار والمغضوب عليهم في زعمكم فلا سافوا على بر هذه الارض فروسا من الخشب* وبحوها تماسيح من الحديد * وتحت البحر حيتانا من الفلز * وفي جو السماء طيورا من الرصاص* فيصعدون فيها فتكون طيرا باذن الله يطير في الهواء كالشهاب الثاقب * ويوقدون في افرانها و

* اي من سعل [?] عليها وجعلها زينة لها هو الذي حسن عملا ۱۲ † الاشارة الى ما صنعوا من العطارات، والمراكب والطيارات من الخشب والحديد والطوطيا ۱۲

مخاهرها فجرى فى البحر ليلاً ونهاراً كالحوت المبهوت ۔ وبعلامن معالمها فسعى فى الارض كدابة العابه ۔ وماكان فكم من علم هذه العجائب والعرائب ۔ لا احد فى صدوركم و ادهانكم من شئ الاما يستحيى منه ويبهره به العالمون * فلا اشك انكم تحرمون وتجادلون و تعلمون فى هذه الارض لانكم لم تقدروا الله حق قدره ۔ ولم تعرفوه حق معرفته ۔ ولم تشكروه حق شكره ۔ اتحسبتم السموٰت والارض ماسهما وما علمها باطلاً وعبثاً ۔ واحكام ربكم زهقاً وهباءً فابطلكم الله وازهقكم ۔ تسيرون فى الارض كالمخلوق المفهوم ۔ وفى ديارکم كالاجلاف الاجلاف تطردون من دار الى دار من الضعف والذل حاسئين * والمغربيون العالمون الذين عرفوا ربهم بوساطة صحيفه الفطرة ودرسوا كتاب الله فهم الذين يطئون فى الارض وطأة العلاء التى تعطكم وهم الذين سالون منكم سلاً فتحصون اباملكم عليهم من الغضب والاسف ويقولون ما هذا الا انهم ارادوا الدنيا فجعل الله لهم فى الدنيا ما شاء ۔ ونحن نريد الآخرة فما لهم من نصيب فى الاخرة ان شاء ربنا رب العالمين * فنا موا فى غفلتكم ايها الضالون الجاهلون ۔ * ومونوا بغيظكم على قوتهم ولا خلاق لكم فيما انهم يرعمون * ان فى صدوركم الا كبر وبغاجرسكم فموتوا فى ضعفكم صاغرين * ووالله ماشاء ربكم بهم ما شئتم ولاريب انكم انتم فى الاخرة من الحزن ولبن * اسا قال الله لكم وَاَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (۵۷ : ۲۵) * اوانتم اسعدهم بهذه الاية ام الكفار القويون المعززون * وانتم احلقهم باخلاق الله القوى العزيز ام النصارى الوثنيون * و انتم اسعدهم من الحديد اوالغربيون الحلادون السندادون * اولو بأسٍ شديدٍ تلك الذين تحذو سكاكينهم وسيوفهم ليحتل واعليكم ويشدوكم ولا تستطيعون ان تحاذوهم عامرين * و يبتغون فضلاً من الله فى مناكب الارض وبه يرحمون * فقد علم الله انكم لا تنصرونه ولا رسله

بالغيب فالذي نصر نفسه من اعدائه فقد نصر الله * صاحب القوة والعزة الذي لا حاجة
له نصركم * الا انه شاء ان تنصروا انفسكم على الناس * وانه لا يؤمن عنده احد الا الذين
اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ (٤٢: ٣٩) * والذين داموا ما داموا في الارض منصورين * وانتم
الاعلون ان كان فيكم من الايمان فالمؤمنون لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ (٣٧: ١٧٢) وان جندهم لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝
(٣٧: ١٧٣) * فجعلوا من هذا القطر العجب الغريب مغافرهم ومجانّهم * واعدّوا اسلحتهم للحرب
القتال * وآلاتهم للجرح والدفاع * والبنادق والمدافع للهجوم والدخول * وصنعوا موازينهم
ومكاييلهم ومعائشهم وغيرها من آلات المراصد والتجارب * وبواخرهم ومساكنهم وأثوابهم *
وحصّنوا قلاعهم ومسالح حيلهم * حتى أَلَانَ الله لهم الحديد كما ألانَ لداؤد وملكه * واسال لهم
انهارًا من الذهب الفضة في الارض * وما علّموا كلّ هذا الا ليعملوا صالحًا وليكونوا من
المفلحين * فاسئلوني بما اصلحتم في هذه الدنيا * وبما تشترون به جنتكم في العقبى * وما
يعلم علماءكم الجاهلون * الذين لا يعلمون من شيء * ولا يملكون من قطمير في هذه الارض الا
انهم اذا جاءهم امر من الجهل واللغو اذاعوا به * ويحبّون ان يشيع الذل والمسكنة في امّتهم * ولا
يكادون يفقهون ما يريد الله بهم * ويحرّفون القرآن ليسكّنوا شهواتهم * ويبدّلون معانيه
ليجمعوا خيرًا وليجعلوا يسرًا لانفسهم * ويخصّصون نفسهم من الكبر والجهل وادّعاء العلم * و
يجادلون في الله لغير قوة وما هم بعارفيه * متحيرين بينهم معاندين * وما بهم مثقال ذرة
من علم اعمال الله وصحيفة الفطرة او قانونه وعادته * لا يستطيعون ان يميّزوا الابيض من
الاسود * ولا يكادون يعلمون الحسن من الحديد * الا انهم يجهرون بادّعائهم في الصرف والنحو
ويرفعون اصواتهم لينادوا انهم بلغوا اشدّ مبلغهم في البلاغة والعروض والبدائع واللغة وغيرها

٭ كما قال الله عز وجل: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا [illegible]

من العيوب التي لا تحوي ان تعالى لها علم. وان العلم في لغة القرآن هو الذي يترشح من درس
الفطرة ومطالعة اعماله تعالى • ما كان الله ان يسمي سيئًا العلم ان اخرجه الانسان ولم
يكن شهادة صدقه في خلقه • وما كان لكم ان تجادلوا في الله بهذا المبلغ • او يعلموا ما سمته
بواسطة الصرف والنحو • او يدرسوا ما يريد بكم بوساطة اللغة والعروض • او يعرفوه بمنطقكم
وصنائعكم واجتهاداتكم في الادب • فانه ما عرف احد ربه قط الا من عرف نفسه • ومن علم
قدرته وحكمته بسمعه وبصره • ومن تعقل ملكوته بفؤاده • ومن استعمل قوته واعضائه
لدرك اعماله وبذل طاقته • ومن عرفه فاولئك هم العالمون ❊ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَرِيدٍ كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ
السَّعِيرِ (٢٢ - ٣ - ٤) ❊ فلا شك في ان علمائكم جادلوا في الله بغير علم وهدوكم الى ما ادى عليه
جهلهم • وهدوكم الى الذلة والمسكنة لتتركوا هذه الدنيا ولتكونوا من المخذولين ❊ وكيف
تدعون ان تفهموا كلام الله واقواله اذ لم يكن لهم من علم باعماله • ما لكم كيف تحكمون ❊
فوالله ما تبين لعبد قط ما يعني مولاه بكلامه واحكامه حتى درس العبد اعماله بامعان النظر وعلم
ما يعمل المولى وما الذي يرضيه او يغيظه • وما عادته وسنته • وما محموله واخلاقه • وبما يرحم
ويخص • ويغفر ويعذب • وما فعل بالعباد الذين خلوا من قبله • ولما فعل • ولما عاقب
ولما اقر • فهذا علمه ومعرفته واشد قدره وشكره وحق عبادته ومبلغ طاعته • وحقًّا حقًّا
لو كنتم تعلمون ❊ وما قال حاكم ابدًا الا ما يطابق بعمله • وما عمل صالحًا الا ما يوافق بقوله • ولا شك
في ان علم اعمال الله هو العلم الذي يترشح عن كلامه وعلم كلامه هو الذي يصدق من اعماله • وما
فهم قوم كتابه حتى درسوا صحيفة الفطرة اشد درسًا • ومن درس صحيفة الفطرة فقد درس قرآنه
ووجد قانونه • واطلع على امره ونهيه وصدق به واولئك من العالمين ❊ انما قال الله لكم

(النعمة من الضيعة ٤٢) وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (٣٤ : ١٣) فعد سبب هو ما كيف الا ان الله الحق بل اذا (؟) وكيف كانوا يعملون هو وقومه صالحًا (الملك)

في اعدائكم ان أَعِدُّوا لَهُم مَّا استَطَعتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الخَيلِ تُرهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُم
وَآخَرِينَ مِن دُونِهِم لَا تَعلَمُونَهُمُ اللهُ يَعلَمُهُم (٨: ٦٠) * فكذب علماؤكم هذه الآية * وضلوكم
عن سبيله حين لم يدعوكم الى حكمها * ولم يحثوكم على جمع قوتكم * ولم يحرضوكم على القتال و
الدفاع لترهبوا به اعدائكم * ولا شك في انهم هدوكم الى عذاب السعير * مصدودين عن علمها و
حكمة الله النافعة البالغة التي هي فيها * والمغربيون كلهم صدقوا بهذه الآية بالعمل وآمنوا بها
ما استطاعوا * وبذلوا جهدهم امتثالاً بها * واطاعوا الله ورسوله فصاروا من المفلحين * في الدنيا
ولا شك انهم في الآخرة من عباده المؤمنين * سخر الله لهم بر الارض وبحرها * وسخر معهم
الجبال والانهار * والماء والهواء والجماد والنار * وسخر لهم البرق الذي يريكم خوفاً وسرهم
طمعاً * والريح تجري بامرهم† في البر والبحر * والنار تحترق بايديهم * والبلاد تصير على حركة اصابعهم
وسخروا انعام الارض ليحملوا اوزارهم * والدواب ليزدادوا بهم ربحاً ونفعاً * وسخروا امثالكم من الجن‡
والناس ليخدموهم * وانشأوا على الارض عيوناً من الذهب والفضة والحديد وانشاء التجارة
ليفرحوا كل ما هي في الارض من الناس وما هي من طرق معاشهم * ومن البلاد وما هي من اساليب
تهذيبهم * نظراً الى تأليف قلوب الرعية وسلب حقوقهم * فوالله ما جاهد قوم قط في هذه
الدنيا مثل ما جاهد الغربيون في زماننا هذا * ولم يعرفوا الله مثل ما عرفوه * ولم يعبدوه مثل ما عبدوه *
فكيف لا يؤتي الله اجورهم ويوفيهم حق عبادتهم في الدنيا ويتم نعمته عليهم ان كانوا شاكرين *
وكيف لا يستخلف في الارض الذين آمنوا بالله بالحق وعملوا الصالحات‡ انه شكور
حليم * فالملائكة اكثرهم مسخرين لهذا القوم * وملك البرق يخدمهم ليلاً ونهاراً

(البقية من الصفحة ٥٣) وكيف اشاء الله على القطر بل كيف تعلل الله كل هذا المغربيين المعاصرين الذين يعملون من هذه الصلوة الاشياء العجيبة العربية التي تقدم ذكرها فلا شك انهم يشكرون ربهم حق شكره ويعبدونه حق عبادته والريح تجري بامرهم† كما كان تجري في عهد سليمن وغيرها من الاعمال التي ذكرت على هذه الصفحة. وسيأتي شرح الجن‡ على صفحة ٨٨. الخ من هذه الاستاذ ١٢

‡ الاشارة الى قوله تعالى وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُم وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَستَخلِفَنَّهُم فِي الأَرضِ كَمَا استَخلَفَ الَّذِينَ مِن قَبلِهِم (٢٤: ٥٥) ١٢

يسوق مراكبهم على الارض ويرسل رسالاتهم و بلاغاتهم من المغرب الى المشرق فى طرفة العين ويضئ بلادهم ومساكنهم بحركة اصابعهم * ويجر مراوحهم لكى يروّحهم فى الحرّ * ويحمى مساكنهم فى القرّ * ويقدرهم على المكالمة بين البلاد فى لمحة البصر * ليشكروا الله ويثنوا عليه * فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (١:٣٥) * **وملك البخار** يعبدهم بكرةً واصيلًا يسوق قطاراتهم ويجرّ اثقالهم اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ (٧:١٦) * وينسج ثيابهم * ويزرع ارضهم * ويطبع كتبهم * ويصنع آنيتهم * ويعمل لهم الاشياء النّافعة * وغيرها من الاعمال العجيبة الغريبة مالا تعدّ ولا تحصى **باجنحته الشتّى**† * والآخرون من الملٰٓئكة لمّا يسجدوا لهم حتّى الآن * وهم يجهدون بجدّ امكانهم ان يعبدوهم طائعين * **خليف الارض حقًّا** * **فهم** الّذين قال الملٰٓئكة لربّهم فيهم حين اراد الله ان يجعل فى الارض خليفة : اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ (٣٠:٢) فاجاب لهم ربّهم ناظرًا الى اعمالهم الاٰتية وشاهدًا على افكارهم البالغة اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (٣٠:٢) * فعلّمهم الله **الاسمآء** اكثرها * ومن حقائق الاشيآء معظمها * واقدرهم على استعمالها * وملٰٓئكته يدخلون عليهم من كلّ باب **سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ** (٧٣:٣٩) فى هٰذه الارض واحسنتم * اراحكم الله فالبثوا فيها الى الحين * **وهم** الّذين قال فيهم ربّهم للملٰٓئكة وفى رجال مثلهم اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰۗىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ (٣٨: ٧١-٧٣) * فسوّاهم الله ونفخ **فيهم** من روحه لانّهم هم القادرون على مايكسبون * سميعون وبصيرون وعليمون مثله وانتم لاتقدرون مما كسبتم على شئ ولا تسمعون من شئ ولا تبصرون ولا تعلمون * و

---

† فهذا ما عنى الله باجنحة الملٰٓئكة فالمراد انّهم يفعلون افعالًا شتّى بقوآءهم المختلفة * وهٰذا ما عنى الله بسجودهم اى امرهم الله ان يطيعوا الانسان حقّ اطاعته * واما الشيطان (اى القوة البهيميّة التى تسرى فى الانسان) فلا يكاد يطيعه بل يعصى عنه ومن عبده فهو الّذى يفلحه فى الدّنيا كما يأتى فى وصف التوحيد على صفحة ٧٢ - الخ

الملائكة لا يسجدون لكم الآن ويقولون نحن خير منكم خلقنا مما هو افضل وخلقتم مما هو الابتر* نسبح له ونقدس* ولا نطيع من لا يطيع لرب العلمين * وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ٥(٢٩ ٤٣) * فيا أيها المسلمون الجاهلون المستضعفون المعاصرون! اروني ماذا حسبتم في هذه الدنيا. وما سعيتم فيها. ما الذي في الارض يسجد لكم* وما الذي سخرتموه لنفعكم* ما استنفعتم من الحديد* وما احدثتم من الجديد السود والبيض* ما استنبطتم من الفطرة. وما استفدتم من العادة* الا انكم اتخذتم انتم وعلماؤكم كتاب الله هزوا وسخريا* ودينه لهوا ولعبا. وفطرته باطلا وعبثا. وملائكته هزوا وهجرا. تفخرون بالقرآن وحكمته. وتنبذون وراءكم علمه وسننه. مظاهرين بكتمانكم نهاية حكمته وبناءه على انه مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ (٦ ٩١) * وشاهدين بتحقيركم اشياء الفطرة على انه ما خلق الله في السموات والارض من شيء* فلا والله انتم قوم تجهلون * أتظنون انكم تحسنون في هذه وان المغربيين هم الخسرون * قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۞ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۞ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۞ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا (١٨ ١٠٣ ١٠٦)

فابكوا على قسمتكم ايها الجاهلون * وذوقوا مما كنتم تكسبون * * *

يا ايها المسلمون المرسومون افلا انتم في اسلامكم الضالون * وعن الصراط لناكبون *
افما انتم تفعلون هو الاسلام ام ما يفعل الكافرون * وقد قال الله لكم وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (٣ ٨٥) * فلم يقبل الله منهم ولا يقبل منكم ويتم نعمته عليهم ويعرض عنكم * ويرفعهم ويخفضكم* وينقص المسلمين ويبسط الكافرين *
فالحق انه ما فيكم من الاسلام من شيء وانهم هم المسلمون * علمكم الاسلام رسولكم* فاتبعتم عليه ما دمتم ونلتم اجركم ما دمتم* فلما احدثتم تنسون ما ذكرتم به ذهب الله بنوركم وهداكم

فسلبكم فضيلتكم على العالمين * وفسقتم عن امر ربكم فاستدرجكم من حيث لا تعلمون ۞
فكنتم تنقصون في ايمانكم واسلامكم وعباده الصالحون الذين ورثوا الارض منكم كانوا يزيدون
ايمانا واسلاما في اعمالهم حتى ظننتم انكم تعيبون القرآن مثل ما كنتم عليه وما انتم بعائبيه * و
ظننتم انهم هم الكافرون ۞ وانه ما كان لكم ان تدخلوا في زمرة الكفار ابدا بعد ان اشهدتم بالسنتكم
ولو عصيتم كل المعصية عن امر رب العالمين ۞ فذهب الله بفقر انكم على كبركم ومكركم * و
انسٰكم ما كان في اذهانكم من علم عادته وخبر سنته وكيفية اتيانه * وانسٰكم ما كان بكم
من **النبأ العظيم** الذي جاء به خاتم المرسلين ۞ ليحييكم ويرضيه عنكم * فخطف وراثة
الارض منكم * ودمّر حكمكم * واورثها كلها قوما آخرين ۞ فليضحكوا قليلا وليبكوا كثيرا
جزآء بما كنتم تكسبون ۞ والمغربيون هدوا بهذا **العلم والنبوّة** الى **التوحيد** و
الايمان * وبهذا القرآن وان لم يروه اويدرسوه كل سكم الى الفلاح والعمران * وبقي
ما بقي بكم من كلماتكم وجهلكم ومكر اللسان * وحبطت اعمالكم بذل النسيان والطغيان * ذٰلك
هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
اٰتَيْنٰهُمُ **الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ** ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ
(٦: ٨٩-٩٠) ۞ وقد نبّهكم الله بوساطة رسوله وقال فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ (٤٣: ٤٣) بل قال وَلَئِنْ شِئْنَا **لَنَذْهَبَنَّ** بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝
اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ (١٧: ٨٦-٨٧) ۞ فبئس ما اشتريتم به ضلالتكم
وساء ما كنتم تحكمون ۞ افامنتم ان يذهب الله بما بقي عندكم من كتابكم كله ويورثه الذين
يصطفي من عباده الصالحين ۞ ليعملوا به ليكون رحمة لهم فانه قال في نبيّكم وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا
رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (٢١: ١٠٧) ۞ وفي كتابكم اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (٣٨: ٨٧) ۞ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ

لِلْمُتَّقِينَ ۝ (٢:٢٩) ۞ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِينَ (١٦: ٨٩) الطائعين ۞ وَبَصَائِرُ لِلنَّاسِ

وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ (٤٥: ٢٠) ۞ وما من حيّ فى هذه الارض اتّقى واصلح ثمّ افلح الّا

بتّبعه بالقران ۞ وما يخل الله كتابه واماسه عن احد فان يترکه هؤلاء او يهجره فيعرضه

على قومٍ اخرين ۞ ليحملوه ومن حمله فاولئك هم المفلحون ۞ سلامٌ على المسلمين الّذين

يحملون القران العظيم فى زماننا هذا وبشرهم بجنّت النّعيم ۞ فى الدّنيا ولهم فيها نعيم

مقيم ۞ خالدين فيها ما داموا على الصّراط المستقيم ۞ صراط الّذين انعم الله عليهم غير المغضوب

عليهم ولا الضّالّين (١: ٦-٧) ۞ ولا تظنّوا انّ قرانكم هو الّذى تحفظون الفاظه فى صدوركم

امانىّ[*] من اوّله الى اخره كالببغاء * او تزيّنون به طبعاتكم * او يعلقونه فى غلف السّندس و

الحرّ * او المجلّد المتعارف الّذى جاء به النّبىّ العربىّ * فانّه معكم ومن اثاث بيتكم * وما كان

لاحدٍ ان يسرقه عنكم * ولكن كتاب الله هو الهدى ودين الحقّ الّذى ارسل[†] به رسوله ليظهركم

فانّ الهدى قد غاب منكم ودين الحقّ قد صرف عنكم * وغوّرت حقيقته عنكم * فلا تعلمون

القران الّا امانىّ * ولا تعرفون ما حكمته وعلمه وصدقه وعدله ووحيه وما نونه الّا ما هجر

به علماؤكم الجاهلون ۞ وقد نبّهكم الله انّه شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى (٤٢: ١٣) وما وصّى به كلّ قوم صالحين ۞ و

نبّهكم اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ (٤٢: ١٣) ۞ فما الدّين بقران عربىّ الّذى تؤمنون بالفاظه امانىّ

ولا تعلمون ما كتب الله عليكم فيه * وما هو بأقراره باللّسان الّذى تمرّون فيه ليلًا ونهارًا * وما هو

بالّذى تعرّفتم فيه * او بالّذى صنعتم فيه شرائع ومسالك اتباعًا لاوليائكم وصلحائكم * وما هو

---

[*] امانىّ ـ اى امانةً ـ لا تدرين الفاظه ولا تمضون بها كالاماناته وهذا ما عنى الله بقوله وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ (٢: ٧٨) وما هم اكثر السارحين منه انّه حم امنية فهو ليس بعظيم * [†] الاشارة الى قوله عزّ وجلّ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (٩: ٣٣) ـ فما قال ارسله بالقران او بالفاظه بل بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ اى الهدى انه الّتى نصر من اسماء القران علمًا ومعنًا والصّراط المستقيم الّذى يهدى القران المستقيمة اليه *

يقول لكم ان القرآن هو ابلغ وافصح واشعر من كل كتب الكون * فما امن نوح ولا ابراهيم وموسى
او عيسى او غيرهم من الانبياء بقرآنكم هذا * وما كانت الامم المسلمة التي خلت من قبلكم تكرر
بافواههم كلمات تكم الشهادة وادعيتكم العربية * او يقرؤون قرآنا عربيا * او يؤمنون بفصاحة
القرآن الذي بين ايديكم * او بكونه شعرا كما امنتم لتسلموا * فيثبتون بها الدين الذي شرع الله
لكم ولكل الانبياء ان كنتم صادقين * وقد قال الله لكم في القرآن فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُونَ (٤٤ ٥٨) * وقد قال لكم وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ
(٣٦ ٦٩) * وقد قال وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ
مَا لَا يَفْعَلُونَ (٢٦ ٢٢٤ - ٢٢٦) * فما الدين بما زعمتم وما كان الله ليهديكم الى الاسلام بشعره
وحسن كلامه * ولكن الدين ما ذكركم به وما بين لكم من الامر والنهي في القرآن المبين * وانه
هو القانون الذي دون الله في الكتاب الحكيم * صرفا عن اللسان الذي جاء فيه * فاللسان ليس
بشيء عندي وعند احد من المقتسمين * وما عربيتكم بدينكم وقد جاء دينه تعالى في السنة
ستي * وقد قال الله لكم وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (١٤ ٤) وقد قال
لكم إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (٤٣ ٣) * وَإِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ
(١٢ ٢) * وانزل الله القرآن بلسان العرب لئلا تكون للعرب حجة بعده لانه قال فيهم وَلَوْ جَعَلْنَاهُ
قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ (٤١ ٤٤) * فاللسان ليس بشيء عنده * وما دينكم الا الامتثال
باوامره * والاعراض عن نهيه * والذكر بما نسيتم من درس مطالبه وتعقل قانونه وتيسر سنته
وما وظيفتكم في لسان القرآن الا انه عليكم حفظ الفاظه * ونصيبكم عن تحريف كلماته ومطالبه
نظرا الى حفظ مقاصد الله * ولتعلموا تعيينه وبلغته ما امركم الله * لا نقدسه بالجهل ونقول لكم
ان القرآن قد جاءنا بلسان عربي فلا يسلم احد عندنا ولن يدخل قوم في دين الاسلام حتى يتعلموا

من القرآن العربي بأفواههم * فما يريد بكم الله أن تعد سوء لسان العرب أو تحقروا العجم ولكن يريد
أن تطيعوه وتتبعوا أحكامه * وإنه لا **يؤمن** أحد عنده حتى يتبع أحكام القرآن عملاً ومعناً لو كنتم
تعلمون ۝ ولذلك قال الله ءَاعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ **آمَنُوا** هُدًى وَشِفَاءٌ وَالَّذِينَ
لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ (٤١ ٤٤) ۝ وإنما ما دعوه
وفي أي لسان تسلموه فهو يقبله ويتوجه إليكم أجوركم الله غني عن العالمين ۝ سواء عليه كل ما
خلق من النصارى واليهود * والمسلم والهنود * وغيرهم من الأقوام * ألا إنه من أطاعه فهو الذي آمن
وأسلم عنده * ومن أنكر حكمه فقد كفر عنده * فَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ
آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ**عَمِلَ** صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
(٢ ٦٢) ۝ ليست اليهود على شيء عنده وليست النصارى على شيء عنده وليس المسلمون على شيء عنده حتى
يعملوا ويقيموا **الكتاب** الذي جاء به موسى وعيسى وخاتم النبيين والنبيون غيرهم من قبل * صرفاً
عن اللسان الذي أرسل فيه * وإن كان اللسان من شيء أو التوحيد من قول عنده فلم سمى الله إبراهيم مسلماً
وقال: مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (٣ ٦٦) ۝
ولم سمى الله النبيين من قبل نبينا عليهم الصلوة مسلمين ومؤمنين ولم يؤمنوا بهذا القرآن * ولا
بهذا الكتاب العربي في اللسان * ولم سمى الله كل أمم صالحة من قبل الإسلام مؤمنة ومسلمة في القرآن
وما قالوا بأفواههم من كلمة الشهادة وغيرها التي تروج فينا في هذا الزمان * فتدبروا إن كنتم قوماً تتفكرون ۝
فلا الإسلام إلا في **العمل** * ولا الدين إلا ما جاء في الكتاب * وما الكتاب إلا قانونه تعالى * وما القانون
إلا ما بين الله لنا بلسان العرب في القرآن أو في الكتب التي جاء به الأنبياء من قبل * وإنه لا إسلام قوم
عند ربنا إلا من اتبع قانونه **عملاً** و **فعلاً** دون القول واللسان فإن قانونه قانون **واحد** إلا أن
القرآن هو أكمل كتبه وآخرها وأبين صحفه وأحسنها * وحفظه الله من كل تحريف لفظي * للمعول عليه

۝ أي طالعتا ويساعد الأمر به عملاً ومعناً *

عند التصديق • والمرجوع اليه للتوسل • فهذا ديننا ومسلكنا في الاعتقاد وهذا ما كلفنا الله به لان دينه دين **واحد** جامع الناس لا فارق • لا دين اليهود ولا دين النصارى • لا مسلمًا ولا مهتديًا لا عربيًا ولا اعجميًا • لا شرقيًا ولا غربيًا «مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ • اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ» (٢٤ ،٣٥) وشرع «اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ» (٢٤ ،٣٥) لنا من نوره ما وصى به كل الانبياء ولذلك كلف الله المسلمين بان يؤمنوا «بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ» (٢ ،٤) كله ومن هذا الفضل فليؤمن المؤمنون وليعمل العاملون ۝ ولذلك لا يخص الله احدًا من الاقوام بنوره ووحيه في اي زمان • بل يذهب بالذي اوحى الى قوم ويوكله بقوم آخرين بشاء وينقل دينه من امة الى امة ليؤدي اليهم اجورهم بقدر اعمالهم وصلاحهم • ويقبض ويبسط ويرفع ويخفض نظرًا الى **اعمالهم** لا الى اقوالهم واعتقاداتهم فانه لا يضيع اجر المحسنين ۝ وهذا هو **القانون الذي** يحكم به الله بين الناس • والدين الذي سماه **الاسلام** • صرفًا عن كل ما قال فيه علماؤنا والمجتهدون ۝ وهم الذين فرقوا بين الناس باجتهاداتهم الواهية وقالوا نحن نتبع نبينا محمدًا والنصارى يتبعون نبيهم عيسىٰ ونحن بريئون مما يقولون ويفعلون ۝ لا هم منا ولا نحن منهم • وما قال نبينا الذي قال نبيهم • بل ضرب كلهم عن المسلك الذي اشار اليه نبيونا فلا شك انهم **فرقوا بين الله ورسلهم** • وزعموا ان الرسل جاؤا وارسلوا شتى من ربهم وقد قال الله في رجال مثلهم في القران «اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ **هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا** وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا» (٤، ١٥ - ١٥٢) ۝ فصنعوا حدود

الاسلام بل تعدت واحد حدود الله ومن يتعد حدود الله فأولئك هم الظلمون (۲:۲۲۹) • ولو آمنوا
بالرسل كلهم جميعاً وحسبوا انهم كلهم جاءوا بكتب واحد من عند ربهم وبالدين الواحد الذي
شرع الله لنا منه من اول يوم وبالذي وصى به ابرهيم وموسى وعيسى عليهم من النبيين أن أقيموا
الدين ولا تتفرقوا فيه (۴۲:۱۳) • ولم يتفرقوا فيه واجتمعوا بين الاعتقاد • وقالوا لاهل الكتب تعالوا
الى كلمة سواء بيننا وبينكم ألا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون
الله (۳:۶۴) لكان خيرا لهم ولجماعتهم • فلجمع الله الناس كلهم على الاسلام ولدخلوا في دين الله افواجا
(۱۱۰:۲) • ولجمعهم على الهدى • وكثرت جماعتهم • ولصاروا من المفلحين ۞ فيا ايها المسلمون
المتشرعون المعترون! ما الاسلام بما زعم علماؤكم • وما الدين بما ظننتم بل سماه الله فطرت الله
التي فطر الناس عليها (۳۰:۳۰) لانه احد كافة الناس عليه بل جبلهم عليها • ولهذا لا مفر لاحد
من الناس منها • وان من قوم اصلحوا ثم افلحوا في هذه الارض الا اسلموا له • وان من ارض خاب
اهلها الا انهم صدوا عنه • لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون
(۳۰:۳۰) ۞ فلا شك في ان علماءنا كلهم نسوا اصل ديننا والفطرة هي التي لا تخفى على الذي
فطر عليها اصلا ولا شك في انهم نسوا فطرتهم ونسوا حظا معظما مما ذكروا به (۵:۱۳) وكلهم
ضربوا عن بث هذه السرائر الى دين الاقوال والعقائد • وشرعة الكلمات والمناسك • من قيود
الحقائق والفرائض • وكبروا صغائر الامور وصغروا كبائرها ابتغاء الفتنة وجهلا • واتخذوا
دينهم لهوا ولعبا • ولم يتدبروه ولم يتفقهوا فيه حتى تدبره وتفقهه • فاوهنوا امرنا في الدنيا • و
اضعفوا بالنا في العقبى • واضلوا سعينا وجعلونا من الاخسرين ۞ فيا ايها العلماء المتكبرون
المعاصرون! ما شوى بما الدين وما الاسلام ان كنتم صدقين ۞ ما في اسلامكم من الفطرت التي
فطر الناس عليها ان كنتم قوما تتفكرون ۞ وما الذي شرع الله لنا منه والذي وصى به ابرهيم و

موسٰی وعیسٰی وغیرهم من الانبیآء الیٰ رسولنا سید المرسلین ۞ وما الذی احمل الله الناس علیه فلا مجال لهم ان یعرّوا منه منکرین ۞ وان سائر الناس سوٰکم یعرّون من فطرهم ولما لا یعدّ بون * من فوریلا نه ماکان للباغین عن الفطرة ان یسعون ۞ فما الذی قال الله فیه وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (۳ : ۸۴) ولما لا یقبلون * فی هٰذه الدنیا وهم یقبلون ۞ من دون الاٰخرة فستعلمون ایکم من الاخسرین ۞ واین المطلوب الذی قال الله فیه اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ (۳ : ۱۸) افلا تعقلون ۞ وان السّنّة من عملهم التی نصیب الذین لا یدخلون فی زمرتکم * ولا یقولون مثل ما تقولون * ولا یصلون مثل ما تصلون * ولا یرکعون او یسجدون او یسبحون مثل ما فعلتم * ولا یؤمنون مثل ما اٰمنتم * ولا یعممّون او یتاَزّرون مثل ما تعممّتم وتاَزّرتم - جزآءً فی زعمکم بعدهم عن الفطرة ، افلا تذکرون ۞ اتقولکم بافواهکم انه احق هو الاسلام ، فاکثر الناس من دونکم لا یکادون یقولون هٰذا وما کادوا یعدّ بون ۞ افصومکم عامًا بعد عامٍ فی ایّامٍ معدوداتٍ هی الفطرة ، فالناس من دونکم ینکرون اصلاً هٰذه الفطرة وهم لا یعنتون ۞ اوصلوا انکم الخمسة التی تقیمونها فی مساجدکم او فی دیارکم وتکررون ارکانها بغیر علمٍ وبکل صحّة صرفًا عمّا تقولون فی قیامکم وقعدتکم هی الدّین ، فالناس غیرکم لا یصلّون مثلکم صلوٰةً واحدةً وهم یستعسون ۞ افزکٰوتکم التی تنثرونها فی الارض کالرماد عامًا بعد عامٍ فالریح تجری به فی جوّ السمآء لیجدلکم وتشبع المسکنة فی قومکم فتذرکم مستضعفین فی الارض غیر قادرین ممّا کسبتم علی شیءٍ هی الاسلام ، فسائر الناس لا ینفقون حبة مثل هٰذا فی سبیل الله وهم لا یخذلون ۞ افحجّکم وهجرتکم فی اواخر عمرکم الی مکة للفلاح هی الاسلام فاکثر الناس فی الارض لم یسعوا اسم مکتکم قط وهم مفلحون ۞ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (۳ : ۱۶۹) ۞

وما الفطرة التی فطر الله **الناس** علیها. وما الذی بنی علیه الاسلام لو کنتم تعلمون ۞ وما صلی
الانبیاء من قبلکم صلوة مثل ما انتم علیه. ولا صاموا صوما علی نهجکم فی شهر رمضان. ولا انفقوا
مثل ما انفقتم. ولا ارتحلوا من دیارهم الی مکة لیقضوا مناسکهم. ولا اسندوا کلماتکم الشهادة
العربیة. ولا تغنوا او تأثروا امثل ما انتم تفعلون اصلا. ولکننی اقسم برب السماء والارض انهم
کانوا من عباد الله المؤمنین المسلمین ۞ وما کانت الامم التی قبلهم الا امما مسلمة من دونکم
ومن دون المعلمین ۞ ولا شك فی ان اسلامهم کان مبنیا علی ارکان من دون ما انتم تظنون ۞
فلا اقسم بالله العلی العظیم ۞ ما بنی الاسلام علی ما انتم تزعمون ۞ وما کلمة الشهادة و
الصوم والصلوة والحج والزکوة التی تسمونها **ارکان** الاسلام الا **شعائر** الامة المعتد به
او مناسکها التی تمتاز بها امتکم من الامم الاخری. ولکنه ما اسس الاسلام علیها قط. ولا هی فطرة
الله التی فطر الناس علیها. ولا هی ما یولد علیها ولد. ولا ما تفلح به امة. ولا ما ذکر الله به العالمین ۞
ولا ما وصی به النبیون ۞ بل ضرب الله فی القران عن تعیین کلمة الشهادة والفاظها. وتفصیل
ارکان الصلوة ورکعاتها. وعدتها واوقاتها. وتقدیر انفاق المال والزکوة. وتبیین مناسك الحج
الا ما شاء. وترك کل هذه للنبی العربی لیفصلها فی امته انی شاء. الا انه صار امتنا اکثرة بعد مرة
واکرهها مرارا علی هذه الشعائر نظرا علی اصلاح اعمالنا وتکمیل اخلاقنا فی هذه الدنیا. ولادخال
الایمان فی قلوبنا. ولنکون ما اراد الله بنا. ولنکون من المفلحین ۞ فلا والله ما هو الا انه قد بنی
الاسلام علی عشرة اصول (١) **التوحید فی العمل من دون القول** (٢) **وحدة
الامة** (٣) **واطاعة اولی الامر منکم** (٤) **والجهاد بالمال مع الاعداء**
(٥) **والجهاد بالسیف وبالانفس** (٦) **والهجرة الی البلاد** وهجر کل ما یشغلکم عن السعی
(٧) **والاستقامة فی السعی** مع التوکل فی النتائج (٨) **ومکارم الاخلاق** (٩) والعلم

(۱۰) والایمان بالآخرة لو کنتم تعلمون • ومن اتبع هذه العشرة علمًا وعملًا فاولئك هم المسلمون بیقین

وكل واحد من هذه العشرة المبشرة الكاملة من اصول الاسلام يتفرع من الاصل الاول اعنى التوحيد فى العمل كما ياتى • وكل اوامر القرآن ونواهيه يتفرع من هذه الاصول ولتأييدها كما ياتى • وكل ما ياتى عليه الاسلام يؤول الى التوحيد ويهدى العامل الى العلية والامن والتمكن فى الارض والاستخلاف فيها وكل هذه هى الفطرت التى فطر الناس عليها • فمن اطاع الله حق اطاعته فى هذه الامور وجد اجرة من عند ربه فى الدنيا • ومن عصاه او بغى عليه لاتى عذابه فيها • وكل هذه هو ما اوصى به النبيون من قبل الا انهم اوتوا اجزاءً وبين امته حتى اكمل الله دينه واتم شريعته واسبغ نعمته على نبينا عليه الصلوة والسلام • وما كلمة الشهادة والصوم والصلوة والحج والزكوة التى تسمى بها اركان الاسلام شئ الا اسلحة ووسائل لاجراء هذه الاصول فى انفسنا ولاستمساك بالذى اوحى الله الينا • وما **كلمة الشهادة** الا مظهر التوحيد فى العمل المصداق ما فى قلب الانسان • وما **الصوم** الا جهاد بالنفس والاحتساب عليها • وما **الصلوة** الا توحيد الامة واطاعة الامام • وما **الزكوة** الا الجهاد بالمال وما **الحج** الا اظهار وحدة الامة • وكل هذه من اركان الاسلام نصبت لتاسيس الجماعة ولتوحيدها وتقويتها نظرًا الى استعلائها فى الارض واستخلافها فيها • وما هذه العشرة من اصول الاسلام الا **روح من امره** تعالى اى قانون به كما قال وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۲،۵۲) ※ وما هذه الاركان الا اساس الامة وظواهر الايمان وما هى باصل الدين فقط بل فروع من امره • بل مسلحة منه • ولذلك قال الله عز وجل لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (۲۲،۶۷) ※ فجعل الله لكل امة طريقة عبادة ربها واسلوب التعبد بقانونها • فلا يستمسك كل امة بهذه الطريقة

وتداوم عليها ولكن **امره** وما نوبه شيء آخر يستوي في كل الامم * فمهما استمسك أمّة بامره
وأتمّ ما امر به سواء عليه فهو يؤدّي اليهم اجورهم بقدر سعيهم ويوفّي حسابهم * فيجب على الناس
ان لا يتنازعوا بينهم في الامر * فالنزاع في الامر هو ما ينافي الاسلام وينافي صريح بيّنه تعالى * والنزاع
في المناسك هو الذي يفرّق بين الاقوام لا بين افرادهم * ولا يعذّب الله قوماً حتّى يتنازعوا في الامر
ويضلّوا عن سبيله المستقيم ۞ وان امّة من الامم استمسكت بمناسكها ثمّ توغّلت فيها معرضة
عن مقاصدها المهمّة التي تختفي فيها واخلّت بامره تعالى واهملته او تنازعت فيه فلا شكّ انها
قد ضلّت عن سبيله ووجب عليها العذاب كما وجب على المسلمين المعاصرين الذين قالوا ما الاسلام
الّا اقامة الصلوة وايتاء الزكوة والصوم والحجّ واقراره تعالى باللسان * فما كان لنا ان نؤمن بما
سواها * كتب الله علينا هذه الخمسة * وما نحن الّا من المفلحين ۞ وما هو الّا انّه قد غاب اصل
الدّين عنهم * وغوّرت حقيقته * ولبسوا سطحه وظاهره * وصرفوا عن مخّه وباطنه * أَفَتُؤْمِنُوْنَ
بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاۤءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ
الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (٢: ٨٥)

ولا شكّ في انّ هذه العشرة من اصول الاسلام وما يليها من الاوامر في القرآن هي **الفطرة**
لانّه في ايّ ارض تجدها وايّ قوم يتّبعها فهم لا يزالون ينتفعون منها * يرفعون بها من مقام الى
مقام حتّى يمكّنهم الله من الارض ويعليهم ويبدّل خوفهم امناً * فالذين جاهدوا في هذه الاصول
حقّ جهادها * وبلغوا اشدّ مبلغهم فيها * وسعوا فيها ما استطاعوا * ولم يتزلزلوا عنها * فاولئك هم
المفلحون ۞ واولئك هم **المؤمنون المسلمون** ۞ وقد استنبط الحكماء من المغرب
كلّ هذا الاسلام من دراسة احوال الطّبيعة وعوائد المخلوقات السّفلية * ومن مطالعة ما يماثل
ويشاكل بين مجامع الناس وأُمم الطّيور والدّوابّ * اشار الله اليه في الآيات التي تقدّم ذكرها †

† ولينظر القارئ الى صفحة ٣٩ من هذا الاصحاح .

بجدّ مالم يتقدّم عليهم احد من حكماء العرون الخالية • وعنّسوا موالىد الارض ولوزوا طبقاتها الباقية ومخلوقاتها البالية والركازات والمتحجرات • ودرسوا عبرها من العلم وحقائق الاشياء وتاريخ الامم الخالية • فاستقصوا فيها واستقرءوا انه ماهو الا ان نظام كل العالم قد بنى على السّعى والعمل والجدّ والجهد • والنّظم والنّسق • وانه لايفلح فيها احد الامن اصلح • ولاتصلح الا من حفظ نفسه من كلّ الاعداء والبليّات والحوادث والنوائب • واعدّ لها ما استطاع من قوة ونظم وعلم ثم استقام لسعيه • واستدام فى تعدّمه • فانه ليس للانسان فى هذه الدّنيا الاما سعى له سعيًا بليغًا • فالسعى والتقدم وحفاظة النفس هى المنتهى فى الدنيا • وانما نوفى النّاس اجورهم السّعى فى العقبى • فلابدّ للانسان ان اراد ان يبتغى وجه الله من ان يجهد فيهما جهدًا متتابعًا لتقوية قومه وتزكية نفسه • فما هذه الارض الامصرع للابطال ومقبل للشجعاء ليصرع بعضهم بعضًا فى المجادلة للحياة والتنازع للبقاء • وليحفظوا انفسهم من تطاول الاعداء • و ليكفوا ايدى النّاس عنهم فيكونوا فى زمرة الاحياء • وانه لايبلغ قوم عندهم هذا المقام الحصين حتّى يزكّوا قلوبهم من رجز الاوثان • وعبادة الاصنام • وحبّ الحيوة الدنيا • والشغف بالمال والاولاد والمساكن وغيرها من الاوثان التى تشغلهم عن السّعى والعمل والجدّ والجهد • وما هذا الا اقرار التوحيد فى الاعمال • واشعار القلوب بالحاكم المتعال • والاعراض عن الطّاغوت والدّجّالة وهذا ما اسّس عليه اصلاح الانسان عندهم • وما بنى عليه كلّ اصولهم • ويولج فيه معظم سياستهم وهذا ما عُرّف به الصّلاح والارتقاء عندهم • واساس الابقاء فى علمهم • فمن عرف هذا فقد عرف سرّ الحيوة والممات • واكتسف له حقيقة الفناء والبقاء فى الدنيا • ومن اعرض عنه فقد هلك بلا استهلاك واستماتت • وما هذه التزكية الا تهيئة للصّلاح وتمهيد • فقد افلح من تزكّى (١٤:٨٧) عندهم كما قال الله عزّ وجلّ • ولكنه لايفلح قوم فى علمهم حتّى ينظّموا انفسهم ويوحّدوا ويألفوا بين

قلوبهم بهذه التركيبة ويعتصموا بحبلهم وقانونهم * ويطيعوا امرهم بحد استطاعتهم * ولا يصلح قوم في اصطلاحهم حتى يجاهدوا باموالهم وانفسهم لتكشف اعدائهم عنهم * وحتى يعدوا لهم ما استطاعوا من قوة واسلحة * ويهاجروا من ملك الى ملك لامضاء حكمهم على الناس وتقوية امرهم وجماعتهم * وحفظ نفوسهم عند الضعف * وتقذف رعبهم في الاعداء * وتحصل عزتهم وغلبتهم * وتمكنهم من الارض ولا نشأ اهل هذا المقام قوما اصلا في هذه الدنيا حتى استقاموا في سعيهم وسعوا لحصولها سعيا متتابعا ليلا ونهارا وداوموا ما داموا في الارض فاولئك هم المفلحون ❁

ولا شك في ان كل هذا هو مما تفعل الوحوش والطيور والدواب والانعام وغيرها من المخلوق السفلى في مساكنها بعد استطاعتها وحد امكانها وهم الذين يسجدون لسنة الله وللاصول التي وضع الله في جبلتهم وحمر في طبيعتهم بل اوحى في جبلتهم * فانهم يدافعون عن انفسهم الاعداء حين الباس ويتخذون بيوتا من الجبال ليحفظوا انفسهم ويجاهدون ويهاجرون في ديارهم ويسعون سعيا متواترا ليخرجوا اعدائهم من الارض ويحرموها عليهم حتى الاستيلاء * وليستخلفوا انفسهم فيها على اذن من الله * وليتسلطوا على صعيدها وجرزها وسهلها وصخرها * وعلى ما فوق الارض وما تحت السماء * وعلى سطح البحور وفي قعورها على كره منه * ويتخطفون اعدائهم خطفة كاملة فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ (٩ ١١١) ليحفظوا انفسهم * ويقاتلون اعدائهم كافة حيث وجدوهم * ويقتلوهم جميعا حتى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ (٨ ٣٩) ان كانوا قادرين ❁ ولا شك في ان كل هذا الدرس والوحي من الله فانه علمهم ولم يعلمهم احد غيره ولم يقدر على تسوية خلقهم او يحيط على افعالهم سواه * ولا شك في انهم له ساجدون ❁ ولذلك قال الله فيهم وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (١٦ ٤٩- ٥٠) ❁ فهذه سجودهم وركوعهم لرب العلمين ❁ وهذه ما يؤمرون بها وهذه ما يفعلون ❁ ومن ذلك قال الله في احدهم وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ

اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ۝ ثم کلی من کل الثمرٰت فاسلکی سبل ربک

ذللا یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس ان فی ذلک لاٰیة لقوم یتفکرون

(۱۶: ۶۸-۶۹) ❊ احفظی نفسک باعبدۃ اللہ و بیتک من الاعداء ٭ وان احد اراد ان یجرحک منہ فاھجمی

علیہ ٭ واطعنی ابرۃ - واسعی سعیا بلیغا لما امرک اللہ فی الحفظ والامن وافعلی ما تؤمرین ❊ وھذا صراط

ربکم مستقیما فی ھذہ الدنیا ٭ وھذا سجود ما فی السمٰوٰت وما فی الارض من آیۃ والملٰئکۃ لہ

ومن فی الارض من الانسان لا یسجد لہ ولا یطیعہ فسحقا للکفرین ❊ وھذا صلوٰۃ الدواب و

تسبیح الطیور للہ ربکم فاطر الجبال وفاطر الصخور ٭ والنجم والشجر یسجدٰن (۵۵: ۶) لہ لو کنتم تعلمون ❊

ویسبح الرعد بحمدہ والملٰئکۃ من خیفتہ (۱۳: ۱۳) ٭ والشمس والقمر والارض لہ یعدلون ❊ الم تر

ان اللہ یسبح لہ من فی السمٰوٰت والارض والطیر صٰفٰت کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ واللہ علیم

بما یفعلون (۲۴: ۴۱) ٭ وللہ ملک السمٰوٰت والارض (۲۴: ۴۲) والی اللہ ترجعون ❊ تسبح لہ السمٰوٰت

السبع والارض ومن فیھن وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولٰکن لا تفقھون تسبیحھم (۱۷: ۴۴)

فبای حدیث بعدہ تؤمنون ❊ فیا ایھا المسلمون المستکبرون المعاصرون ! الذین یزعمون

انھم لربھم لساجدون ❊ وانھم ھم المصلون ٭ فی الارض من دون العٰلمین ❊ ویظنون انھم بحمدہ

مسبحون ٭ ”کانوا قلیلا من الیل ما یھجعون ٭ وبالاسحار ھم یستغفرون“ (۵۱: ۱۷-۱۸) ٭ ھذا ما عنی

اللہ بسجودکم وصلوٰتکم ٭ وھذا تسبیح مخلوقہ غیرکم بل کیفیۃ ما یرید اللہ ان تخبروا الکم

فما یرید اللہ منکم من شیء الا ان تعنوا فی الارض طائعین ❊ ساجدین لحکمہ وقانونہ فنعم اجر

العٰملین (۳۹: ۷۴) ❊ وان تتخذوا من الجبال والقلاع والحصون بیوتا لکم لتحفظوا انفسکم من اعدائکم

ولتکونوا من الغالبین ❊ وان تجاھدوا فی ھذہ الارض حق جھادکم وجدوا وسعکم واسعوا مبلغکم لتمتنوا

❊ ای لا یاموں الاعلام من اللیل لکونھم مصلین بالعشی ومعتکفین فی المساجد“ ھذا ما عنی المسلمون المعاصرون بھذہ الاٰیۃ بل معنی قولہ تعالیٰ تتجافی جنوبھم عن المضاجع (۳۲: ۱۶) وقد مر شرحہ علی صفحہ ۳۶ من ھذہ الاحاسیۃ وسانی ترجمۃ الاٰیۃ (۵۱: ۱۷) علی صفحہ ۷ مما یثبت لکم انہ ما عنی اللہ بہ الا عکاف ادالرھبانیۃ بل السعی والعمل بالصدق والانکار بمعونۃ القوی کما قد مر مر قولہ تعالیٰ علی صفحہ ۳۶ جزاء بما کانوا یعملون (۳۲: ۱۷) وقولہ نزلا بما کانوا یعملون (۳۲: ۱۹) علی صفحہ ۳۶ ٭

فی مساکنها امنین ❋ وسطوا فوانکم وبوحدوا العسکم وبالقوابین قلوبکم کالنحل ولتسلکوا سُبُل

ربکم مذللا ❋ وان لا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم (٨ ٤٦) انه حوت العوائق المعربین ❋

وان تخافوا ربکم من فوقکم کالدوآب وتفعلوا ما انتم تؤمرون ❋ وتجاهدوا اعدآئکم وتغلطوا علیهم

کالجبارین المقهرین ❋ وان تاخذوا واحذرکم کالنحل والعنکبوب والدوآب والطیر والبعوضة

التی لا یستحیی الله ان یضرب لکم مثلها وما فوقها فتنفروا اشاتا وتنفروا جموعا ❋ عُبدلت له اولاد

بائس وهن اللاتی لا ینقضن عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ (٢ ٢٧) من اول یوم ولا یقطعن مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ

اَنْ یُّوْصَلَ (٢ ٢٧) ولا فی الارض یفسدن ومن بعض عهده من بعد میثاقه فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

(٢ ٢٧) ❋ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ (٢٤ ٤١) من اول یوم خلق وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ

(١٧ ٤٤) مُسْتَکْبِرِیْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (٢٣ ٦٧) ❋ لا یقیمون صلوتهم کسالی ❋ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

الْخٰلِقِیْنَ (٢٣ ١٤) ❋ والله ما یرید بکم من صلوتکم وتسبیحکم من شئ الا ان تصلوا کالصواعق

تسبحوا کالرعد بحمده مهللین ❋ لتصیبوا به من تشاؤون وما تسهون ❋ وتطئوا الارض وطأة

الغلاظ المعتدین ❋ وان لا تغتوا فی زوایاکم معتکفین ❋ مزملین من الذل والعجز کالمسکین ❋

وان تسجدوا کالنجم مبیتین ومصبحین ❋ وتسجدوا الاحکامه کالشمس والقمر بحسبان تابعین ❋

لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (٣٦ ٤٠) ❋ وان

تجروا المستقر لکم وادرین مقدرین ❋ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ

(٣٦ ٣٨) ❋ وما یرید الله اصلا من سجودکم من شئ الا ان تطیعوه عابدین ❋ کالنجم بمیزان

الاشارة الی قوله تعالی یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (٩ ٧٣) فحصل من هذه الآیة ان الغلظة علی الاعدآء هو ما سوقع الله عز وجل من عباده لیحفظوا انفسهم منهم ١٢ ❋ کما قال الله عز وجل فی القرآن الحکیم یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا (٤ ٧١) وقال فی موضع آخر تولکما وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَاَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَکُمْ وَخُذُوْا حِذْرَکُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا (٤ ١٠٢) علیکم القاری فی هذه الآیة اشد تفکر لان الله اکد المسلمین فیما اخذ اسلحتهم کرة بعد کرة ١٢ ❋ الاشارة الی قوله تعالی اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً الخ (٢ ٢٦-٢٧) وقد سبب فیها ما عنی الله بهذا القول السفهاء ١٢ ❋ الاشارة الی قوله ...

مستعمل والطائر صافٌ مستعجل ❁ والشجر من الاصل الى الفرع منتظم ❁ كخلياته ملحقين ❁
لامر ربهم ساجدين ❁ فاعلين بل فعالين ❁ حادين مياههم من الارض فمقسمين ❁ وبالنهر
مستسقين ❁ مسامحين بينهم بل مطاوعين ❁ مصالحين بل موافقين ❁ ثم المؤمنون
المسرورون ❁ وضاحكون وآمنون ❁ لانهم كانوا لا ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه (٢ ٢٧) ولا
يقطعون ما امر الله به ان يوصل (٢ ٢٧) ولا يفسدون ❁ رفع الله فوقهم بميثاقه الجبل العظيم ❁
فما هم عن وردهم بمعرضين ❁ آخذين ما آتاهم ربهم (٥١ ١٦) بقوة وذاكرين ما فيه لعلهم يعقلون ❁
ومن اطاع واصلح فاولئك من الصالحين ❁ واولئك من الذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ❁
في حب الارض وعيون ❁ على رغم العادين ❁ لانهم كانوا عابدين ❁ ولقد كتبنا في الزبور من
بعد الذكر ان الارض يرثها عبادي الصالحون . ان في هذا لبلاغا لقوم عابدين (٢١ ١٠٥-١٠٦) ❁ فمن
تنظم وتطوع فاولئك هم العابدون ❁ واولئك هم الساجدون ❁ والمصلون ❁ والمستحقون ❁
وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون (٥١ ٥٦) ❁ فالعابدون هم الطائعون الفاعلون ❁ الذين
هم في صلواتهم مواظبون ❁ والذين هم على صلواتهم يحافظون (٢٣ ٩) ❁ ويسامحون و
يرابطون ❁ والذين يجهدون في تقوية جماعتهم ممسين ومصبحين ❁ يخافون عذاب ربهم من
فوقهم ويطمعون ان يكونوا من العالمين ❁ تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفا و
طمعا ومما رزقناهم ينفقون . فلا تعلم نفس ما اخفي لهم من قرة اعين جزاء بما كانوا
يعملون (٣٢ ١٦-١٧) ❁ افعلمتم ما في هذه الارض من قرة اعين للمتقين المصلين ❁ ان المتقين
في جنت وعيون . آخذين ما آتاهم ربهم انهم كانوا قبل ذلك محسنين . كانوا قليلا من الليل ما
يهجعون . وبالاسحار هم يستغفرون (٥١ ١٥-١٨) ❁ والموسعة قلوبهم فهم الذين لا يمنعون اجره

❁ الاشارة الى قوله عزوجل واذ اخذنا ميثاقكم ورفعنا فوقكم الطور خذوا ما آتيناكم بقوة (٢ ٦٣) و(٢ ٩٣) اي جعل عليهم التوراة التي اعطاها الله على جبل الطور محملا لهم الله الوزر العظيم بمثابة مثل رفع فوق رؤوسهم [illegible] ويشهد على هذه المعاني قوله ورفعنا فوقهم الطور بميثاقهم وقلنا لهم ادخلوا الباب سجدا وقلنا لهم لا تعدوا في السبت واخذنا منهم ميثاقا غليظا (٤ ١٥٤) [illegible] ١٢

ما يستطيعون ❊ وسيسرق صلوتكم ايها الضالون المشركون ❊ يركعون ويسجدون ليريكم الناس
وانتم لربكم لا تسجدون ❊ فويل للمصلين ○ الذين هم عن صلاتهم ساهون ○ الذين هم يراءون ○
ويمنعون الماعون ○ (١٠٧-٤-٧) ❊ فهل شعرتم بما الصلوة في قرآنكم ايها الساهون ❊ الصلوة هي
التي تنهكم عن فحشاء البخل ومنكر النفاق ولذكر الله اكبر والله يعلم ما تصنعون (٢٩-٤٥) ❊
فوالله ان الانسان خلق هلوعا ○ اذا مسه الشر جزوعا ○ واذا مسه الخير منوعا ○ الا المصلين ○
الذين هم على صلاتهم دائمون ○ (٧٠-١٩-٢٣) ❊ المداومون وحدتهم والموسعون عطاياهم للسائلين
والمحرومين ❊ الذين ان نقصوا حاجاتهم فشفعوا جماعتكم وتكونوا من الغالبين ❊ لا الذين
يسألون الناس ملحفين ❊ فما الصلوة بما انتم تزعمون ❊ ما هي الا النظم والنسق ووحدة الامة
واطاعة الامير وتاليف القلوب وحفاظة النفس والجهاد والغلظة على الاعداء والحسبان في الميزان
لو كنتم تعلمون ❊ والتمكن من بر الارض وبحرها كالدواب ومن جو السماء كالطيور ومن تحت البحر
كالحيتان فما لكم لا تصلون ولا تفلحون ❊ والمغربيون كلهم قد علموا صلاتهم وخطوا الارض
من فوقها ومن تحتها واتخذوا اسواقا من سهلها وصخرها ❊ وبنوا مساكن ومراكب في برها وبحرها فسبحان
الله وبحمده وهو الذي هدى الى الصراط المستقيم ❊ صراط الذين انعم الله عليهم غير المغضوب
عليهم ولا الضالين ○ (١-٦-٧) ❊ وما علمتم ما الصراط المستقيم[†] ايها الجاهلون ❊ وقد قال
الله لكم في الكتاب المبين ❊ في موسى وهرون ❊ اللذان ابعا قومهما على مقام امين ❊ واورثهم
جنت الارض وعيون ❊ التي تركوها قوما آخرين ❊ ولقد مننا على موسى وهرون ○ ونجينهما وقومهما
من الكرب العظيم ○ ونصرنهم فكانوا هم الغلبين ○ واتينهما الكتب المستبين ○ وهدينهما

---

* الاشارة الى قوله تعالى اتل ما اوحي اليك من الكتب واقم الصلوة ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر ولذكر الله اكبر والله يعلم ما تصنعون ○ (٢٩-٤٥) وقد ثبتت في كتاب التذكرة على صفحات ١٢٥-١٥١ (بعض المتن) ان الله عنى بلفظ المنكر النفاق والتفرق في الامة وعلى صفحات ٢٦-٢٩ (بعض المتن) منه الله عنى بلفظ الفحشاء البخل في انفاق المال والمشاحة وصيغة العلوم وعدها من التسنات الى تميم الرجال عن المذاطة والمؤاساة والمواخاة بينهم ❊ ولا شك في ان الصلوة في المساجد المحافظة التي اراد الله بها والملاقاة بين المصلين هي التي تبعد الرجال عن التفريق والتحزب لو شعروا عليهم وليمعنها وليسطر القارئ الى صفحات ١٥١-٢٥٣ من كتاب التذكرة للتشريح المزيد ❊

† سيأتي تفصيل ما عنى الله بهذا على صفحات ١٣٩ سالخ من هذه الافتتاحية ❊

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۚ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ۚ سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲) * وان كان التسبيح تكرار كرامات الله على
سبحاته الجهلون ؛ ۝ فما استعمل رسولكم هذا السلاح العجيب لعربي في حياته وقط ليكون من
المفلحين * فما لكم لا تتدبرون وتجهلون * وتحرفون مقاصد كتاب الله فتضلون ۝ <<
وعلى كل ما تعقله العلماء الطبعيون والحكماء العربيون من تسبيح الطيور والدواب والملائكة
وصلوة الاشياء وحمدها وخضعها وركوعها وسجودها وعلى كل ما تفكروا في قانون عدم تحول الذي
سرى بين اشياء الفطرة سراية تامة فقد ذهبوا الى ان دراسة اشياء الطبيعة ومخلوقاتها وحقائقها وعوائدها
لا تخلو عن النقائص والعيوب لان الاصول والفروع التي تخرج من هذه المطالعة او يصل من
دراسة حقائق الاشياء لا تطابق في اكثر الاحوال بعوائد الانسان وفطرته ولذلك لا يجوز للانسان
ان يتبعها اتباعا تاما ومن هذا اعترف العربيون بان مبلغهم من العلم الذي دونوه في كتبهم
لا يكاد يحتوي على ما يكفي للانسان لفلاحه وبقاء نسله وتدوم قوته وعكسه من الارض فصرفوا
عن هذا السبيل ليكملوا علمهم بدراسة احوال التواريخ واسباب ارتقاء الاقوام ومطالعة السياسات
الخالية وسياسة المدن المتمدنة الماضية وبالخوض في آثار الصناديد واحوال الامم وتتبع
اصولها في المعاش سنين فهرس الاعداد وغيرها من علوم التواريخ التي اشار الله اليها في قوله
إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (۲۹: ۳۴-۳۵) فلا شك في انهم صاروا من قوم يعقلون سنته وبعضهم عادله بل صاروا
من المفلحين * ونظرا الى كل ما تقدم من اجتهادهم في اشياء الفطرة ومبلغهم من عادة الله استقصائهم
في قانونه واستقرائهم سنته القول الحق الذي لا يشك فيه هو ان كل هذه ما ذهب اليها العرب من

* فيتصل من هذه الآيات الجليلة انه من عمل مثل ما عمل موسى وهرون عليهما السلام نعومهما بعد سلك الصراط المستقيم وهو الذي عمل ربه حتى عاداه بل آمن
به حق ايمانه لانه سماهما عبادنا المؤمنين ۝ فما الصادق الاسلام كما [illegible] ربه وايا عكم قانونه [illegible] ولتكونوا من العالمين [illegible]
في اي موضع في القرآن صراط مستقيم بالالف واللام الا في هذا الموضع [illegible] وفي سورة الفاتحة) ولذلك ما قصد الله من قوله اهدنا الصراط المستقيم صراط [illegible]

اصول الاسلام بل دينه تعالى بل فطرت الله التى فطر الناس عليها والدين الذى وُصّى به النبيون لانهم افلحوا بهذا القانون واصلحوا بالهم بهذا المسنون فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (٧: ٣٥) * واما الاختلاف بين القرآن وبينهم فى اساليب نفاذها وطرق اتباعها فهو من الفروع ليس باصل الدين ولذلك يجزيهم الله بما كسبوا ويستخلفهم فى الارض ويمكن لهم دينهم الذى ارتضى لهم (٢٤: ٥٥) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (٩: ١٢٠) * فيا من تجهلون ولا تعقلون! انبئونى بما استنبطتم من القرآن العظيم * وما القانون المتفق عليه الذى استخرجتم منه فانتم له تسجدون * ءاستنبطتم من القرآن انه من اعترف بلسانه بان الله خالق السموت والارض فهو المسلم عنده وهو الذى دخل فى دينه او امن بتوحيده تعالى * فلا شك فى ان كثيرا من العرب قبل ظهور الاسلام

فى ان العلم يصدر من التوحيد ويوافقه۔

والاعراب والنصارى واليهود والمتعفس وغيرهم من معاصرى النبى اكثرهم كانوا يقرون بلسانهم انه خالق السموت والارض وما كادوا يعتقدون بعبادة غيرها لو كنتم تعلمون * ولذلك قال الله فيهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (٣١: ٢٥) * فما كان قولهم من دون العلم واليقين الا ما انتم تقولون الآن بافواهكم بغير علم * فلما لا ادخلهم الله فى زمرة المسلمين بل سماهم المشركين * ولا شك فى ان اكثرهم كانوا يقولون انه سخر الشمس والقمر كما تافكون بالسنتكم لانه قال فيهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (٢٩: ٦١) * ولا شك فى انهم كانوا يعتقدون بافواههم بغير تعقل وعلم ان الله منزل الماء من السماء * وانه هو محى الارض بعد موتها كما تعتقدون الآن * فانه قال فيهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ

(البقية من صفحة ٦٥) الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (١: ٥-٦) الاقوام العظام ونعمه العاجلة فى الدنيا ولن تنحو بالمغضوب عليهم والضالين الذين هلكوا من قضاء حكمه فى الدنيا ومن شئت ما عنى الله بالمغضوب عليهم فى كتاب الله كرر على صفحات (٢١-٢٢٣) بتلخيص العارى الهدى التشريح المبين * وسانى تفصيل ما صراط مستقيم مثل ما الصراط المستقيم على صفحات (١٣٩-١٣٨) من فروع الاصلاحية سنن لكم ما الاعمال التى يلزم الانسان منه فالمراد منهما هو ان الصلوة هى التى تدل بكم الى (الباقى)

موتها ليقولن الله قل الحمد لله بل اكثرهم لا يعقلون (٢٩ ٦٣) ＊ ولا شك في ان كثيرا
منهم كانوا يقرون بالسنتهم اوصافه تعالى واسمائه كما تكررونها الآن ليلاً ونهاراً ۞ فانه قال ولئن
سألتهم من خلق السموات والارض ليقولن خلقهن العزيز العليم (٤٣ ٩) ＊ ولا شك
في ان معاصري النبي اكثرهم كانوا يعرفون بان الله خلقهم من دون الشمس والقمر والسموات
والارض كما تعرفون وتلامسون بسكم وتافكون باقوالكم في زماننا هذا كرة بعد مرة ۞ لانه
قال ولئن سألتهم من خلقهم ليقولن الله فانى يؤفكون (٤٣ ٨٧) ＊ فان كان
التوحيد قولكم بافواهكم او فككم بالسنتكم انه خالق السموات والارض او خالقكم ۞ او خالق الشمس
والقمر ۞ او منزل الماء من السماء ۞ وان لم يدخل في هذا الاقرار علم خلقه وتعقل ملكوته ○ وتدبر
سمواته وارضه ۞ ومعرفته بدراسة اعماله ○ وتفتيش سنته وعادته بالتفكر في مخلوقاته ○ فلما
لا سمى الله معاصري النبي المسلمين الموحدين ۞ ولما سماهم المشركين الكافرين ＊ بل لاى شيء ارسل
الرسول ليهديهم ۞ ولما قال فيهم على اقرارهم باللسان بكونه خالقا بل اكثرهم لا يعلمون ○
(٣١ ٢٥) وبل اكثرهم لا يعقلون (٢٩ ٦٣) ＊ ولاى شيء فاخر وتفخر ۞ وفخر وتفخر ۞ بل فخر
نفسه على سائر الخلائق والكائنات وقال اروني ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرك في السموات (٣٥ ٤٠) ۞
وقال هذا خلق الله فاروني ماذا خلق الذين من دونه (٣١ ١١) ○ وقال ادعوا الذين زعمتم من دون
الله لا يملكون مثقال ذرة في السموات ولا في الارض وما لهم فيهما من شرك وما له منهم من ظهير ○
(٣٤ ٢٢) ۞ بل لاى شيء استكبر وتكابر في سمائه وارضه وقال والسماء بنيناها بايد وانا لموسعون ○ و
الارض فرشناها فنعم الماهدون ○ (٥١ ٤٧-٤٨) ＊ ولاى شيء استدل الرسول بل دلكم على مخلوقه
لمعرفته ۞ واشهدكم على خلقه لتحصيل قربه وذكره وقال ومن كل شيء خلقنا زوجين لعلكم

(البقية من صفحة ٦٦) الصراط المستقيم والصراط هو الذي تعلمكم في الدنيا فلست تر العارى هذه الآيات اسئت تدبره +

＊ فصدق من كل هذه الآيات ان معاصري النبي كلهم او اكثرهم من اهل الكتاب والكفار وعامتهم كانوا يعتقدون بالسنتهم بالله كما يعتقد المسلمون في زماننا هذا ولكنه صلعم
حاربهم لانهم عاملين فيهم ولستم تروا من هو وما عرفه وعظمته وجلاله وحكمته بل قصدوا اياهم بالله ما لحجته سبيله واطاعته احكامه والخوانات العول السرمدى وما قصد الله من الآيات وال فطر +

تذكرون ○ ففروا الى الله انى لكم منه نذير مبين ○ ولا تجعلوا مع الله الها آخر انى لكم منه نذير
مبين ○ (٥١ : ٤٩ - ٥١) * وان كان التوحيد اقراركم بالسنتكم انه احد او خالق كل شئ * او عزيز فوق
كل ذي عزة * او عليم فوق كل ذي علم كما قال الكفار في عهد النبي * وان لم يشتمل عليه بعد في
العمل * وطاعة امره * واتباع قانونه * وشدة حبه * وترك ما سواه * وان لم ينافه اتخاذكم اربابا
من دونه علما ومعنى * وعبادتكم اولياءكم وكبراءكم * وتوغلكم في حكامكم واعزاءكم * وعبادة الشهوات
واللذات * والشغف بالمال والاولاد * والاعتناء بكل ما يحجبكم او يشغلكم عن احكام الله * واوثان
القلوب التي تعبدونها من دون الله * والتي كان الكفار يعبدونها قبلكم * فلما لا صبر الله على اقوالهم
الظاهرة * ولما سماها افكا وقال فانى يؤفكون ○ (٤٣ : ٨٧) * وهو الذي قال فيهم ولئن سألتهم من
خلق السموات والارض ليقولن الله قل افرءيتم ما تدعون من دون الله ان ارادني الله بضر هل هن
كاشفات ضره او ارادني برحمة هل هن ممسكات رحمته قل حسبي الله عليه يتوكل المتوكلون ○
(٣٩ : ٣٨) * وان كان التوحيد كله لفظيا فلما لا ادخل الله اليهود في زمرة المسلمين واكثرهم كانوا يعتقدون
بالله لفظا * الا قليل منهم قالوا عزير ابن الله (٩ : ٣٠) بافواههم * ولما قال فيهم اتخذوا احبارهم
ورهبانهم اربابا من دون الله (٩ : ٣١) * ولم يسمهم احد اربابه بلسانه * فتدبروا ان ابيتم اليوم تنكرون
فما التوحيد الا بالعمل * وصاركم الله عليه لتعلموا ربكم بوساطة اعماله وتعقلوا سننه * وصاركم
على العلم والتعقل لتسخير واسائه * وصاركم على تسخيرها لمعرفته * ومعرفة قانونه * ولتكونوا في
الدنيا من الغالبين * وما التوحيد بان تهجروا الاحجار خاصة وتعبدوا سائر الاصنام الباطنة
التي تشغلكم عن السعي او تعكفكم عن العمل * بل صاركم الله عليه لتوحدوا انفسكم به * وتالفوا بين
قلوبكم بواسطته * ولتجهدوا في هذه الارض اشد جهدكم مجتمعين * شاغلين عن كل ما يضعف

---

* اي سارعوا الى الايمان بالله وتوحيده لانه ما كان لاحد ان يخلق مثله شيئا * فالتفكر في اعمال الله وسنن تحويلها هو الذي يهدينا الى معرفته وما كان لاحد ان يعرف الله معتكفا في بيته وهذا لو عقل الصوفياء في ما عنى الله بمعرفته لو تلا عطيتها بالاعتكاف في بيوتهم ولذلك ما عرفوه حق معرفته قط بل لو تطلعوا على دينه وسننه اصلا *

قوّاكم وسلطانكم ومعاونيكم لتكونوا في الارض من الغالبين * وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ
لِنَفْسِهٖ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (٢٩ : ٦) * وهو غنيٌّ عن ان يتموّه احدًا او اناس او بلاد
الّا انه من اتخذ الهاً غيره في العمل وظلّ له عاكفًا فلهم خزيٌ في الحيوة الدنيا ماداموا مشركين *
والله ما جاهد قوم في زماننا هذا في التوحيد قطّ مثل ما جاهد الغرب لانهم جاهدوا في ربّهم بعلمهم
وعقلهم * وطهّروا قلوبهم من رجز الاوثان علمًا ومعنًا * ولم يخلقوا افكًا بافواههم واقوالهم *
بل هم الذين راوا في زماننا هذا ما هنّ بكاشفات ضرّه * او ممسكات رحمته * وما رايتم هذه قطّ
فصرتم من الاخسرين * وما شرك القران سيحول كم للاصنام المحرّم خاصّة ايها المسلمون الجاهلون[1]
ان هو الّا قولكم بافواهكم انّه احدٌ وعلى هذا شغلكم باصنام القلوب واعتكافكم لها * وعبادتكم
اولياءكم وكبراءكم * واتخاذكم احباركم ورهبانكم اربابًا من دون الله * وافككم بلسانكم انّه ربّكم
ورازقكم وعلى هذا عبادتكم حكّامكم والهتكم من الارض * وشغفكم باوثان القلوب وجهادكم فيها
وشغلكم عن الجهاد في الله واحكامه * ونفرتكم من السعي والعمل في سبيله * وكونكم من الذين لا يعلمون
سمٰوٰته وارضه (٣١ : ٢٥) * وكونكم من الذين لَا يَعْقِلُوْنَ (٢٩ : ٦٣) ملكوته وقانونه * وعدم معرفته
بدراسة صحيفة الفطرة * وعدم تسخيركم اشياء الطبيعة * بل جهلكم عن سنّته * ومجادلتكم
فيه بغير علم * وسلوككم سبله بغير هدًى * وقولكم بافواهكم بغير عمل * وهجركم كتاب
الله ومع هذا ادّعاءكم انّكم تعلمونه * وكونكم من الذين يُؤْفَكُوْنَ (٤٣ : ٨٧) باقوالهم انّهم يعملونه
يسلمون له * لو كنتم تعلمون * ولذلك قال الله لكم اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى
وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ

[1] قد سبق على صفحة ٥٣ من هذا الاساس انّه ان العلم في لغة القران هو الّذي يحصل عن دراسة احوال الطبيعة الّذي يحصل من استعمال السمع والبصر والفؤاد اي من حسّ المشاهدة والفكر فهذا ما يعني الله بالعلم في هذا الامر واما الهدى فهو الاستعداد للعمل الّذي يحصل [illegible] لانسان من بعد علم ما توجه فيه اما كتاب منير فهو القانون الّذي جاء به الانبياء من ربّهم والّذي سمّاه الله الكتاب في القران او هو صحيفة الفطرة التي هي بين ايديكم *

الشيطن يدعوهم الى عذاب السعير ۝ ومن يسلم وجهه الى الله وهو محسن فقد استمسك بالعروة

الوثقى ۗ والى الله عاقبة الامور ۝ ومن كفر فلا يحزنك كفره ۗ الينا مرجعهم فننبئهم بما عملوا ۗ

ان الله عليم بذات الصدور ۝ نمتعهم قليلا ثم نضطرهم الى عذاب غليظ ۝ ولئن سألتهم من خلق

السموت والارض ليقولن الله ۗ قل الحمد لله ۗ بل اكثرهم لا يعلمون ۝ (٣١ ، ٢ ، ٢٥) * فانهم

لا يعلمون ربهم بوساطة خلقه ؛ وانما يقولون بافواههم ما ليس في قلوبهم ؛ ما التوحيد الا

اسم موهوم * ان هو الا علمكم اعمال ربكم * وهجركم كل ما يشغلكم عن السعي * والاستقامة

اليه * لو كنتم تعلمون * والله عليم بما تسرون وما تعلنون * لا تسلمون وجوهكم الى الله و

لا تحسنون * ولا تسخرون لانفسكم ما في السموت وما في الارض * ولا تسبغون عليكم نعمة ظاهرة

وباطنة بل تجادلون في الله بغير علم * وهدى * وبرهان * ولا تستمسكون بالعروة الوثقى * بل

تتبعون ما وجدتم عليه آباءكم فلذلك يمتعكم الله قليلا في هذه الارض ليعطر داركم مبلسين *

فاذا جاء اجلكم لا تستأخرون ساعة ولا تستقدمون * فلا شك في انكم في توحيدكم تجهلون * بل

تتجاهلون * ولا تعلمون ولا تعقلون * وتحرفون القران لتجعلوا تيسرا لكم فتجادلون * فامر لا يتدبرون

القران انما قال سبحانه ابرهيم لابيه وقومه ما تعبدون ۝ (٢٦ ، ٧٠) * وما هذه التماثيل التي انتم

لها عاكفون ۝ (٢١ ، ٥٢) * انما كانت هذه التماثيل الا اصنامهم التي كانت تشغلهم عن السعي و

العمل بل تغرهم وتعطلهم عن العلم * اصنام المال والبنين * واوثان الملاهي والملاعب *

والهة النفع والربح * من دون ما صنعوا من الحجر انتم وآباؤكم الاقدمون ۝ (٢٦ ، ٧٦) * ليمزقوهم كل ممزق

ويهدوهم الى عذاب الجحيم * فلذلك قال ابرهيم فانهم عدو لي الا رب العلمين ۝ (٢٦ ، ٧٧) *

ولذلك دعا ربه يارب لا تخزني يوم يبعثون ۝ يوم لا ينفع مال ولا بنون ۝ (٢٦ ، ٨٧-٨٨) * الى كان

---

* مجهود للعامة [illegible] الآيات [illegible] والله [illegible] الناس [illegible] العلم [illegible] الطبيعة [illegible] الى [illegible]
له ومن [illegible] الله الناس [illegible] العلم [illegible] الكذب [illegible] اللسان ومكر
الاحوال من دون السعي والعمل [illegible] تعالى كما صنع علماء [illegible] ولذلك قال في معاصري النبي صلى الله عليه وسلم [illegible]
[illegible] بالله [illegible] علم ؛ * اي [illegible] الاولاد والآباء والازواج [illegible] الارباب يوم القيمة [illegible]

الناس يطلون لها عٰكفين (٢٦ ٧١) * والذين كانوا لا يسمعونهم اذ يدعون * ولا ينفعونهم او
يضرون (٢٦ ٧٣) * الا من اتى الله بقلب سليم (٢٦ ٨٩) * فالذي سلم وجهه له صرفا عن الناقد
من المعبودين * والذي يطيعه ولا يطيع احدا من العٰلمين * والذي لا يسجد للمال والبنين * ليجاهد
الناس في سبيل الله باموالهم وانفسهم وليكونوا من الغٰلبين * ولذلك دعا ابرٰهيم ربه قال رب
هب لي حكما والحقني بالصٰلحين (٢٦ ٨٣) * بالذين يرثون الارض فان الارض يرثها
عباده الصٰلحون * وقال واجعل لي لسان صدق في الاٰخرين (٢٦ ٨٤) * ليصل الناس
عليه ويسلموا عليه ما دامت السمٰوٰت والارض مسلمين * وقال واجعلني من ورثة جنة النعيم
(٢٦ ٨٥) * فان الجنة لوارث جنٰت الارض من عيون * وزروع ومقام كريم (٤٤ ٢٥-٢٦) * وما هي
الا للذين قالوا الحمد لله الذي صدقنا وعده واورثنا الارض نتبوا من الجنة حيث نشاء
فنعم اجر العٰملين (٣٩ ٧٤) * لان الارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين
(٧ : ١٢٨) * ولذلك قال ابرٰهيم وازلفت الجنة للمتقين (٢٦، ٩) * وبرزت الجحيم للغٰوين
(٢٦، ٩١) * للضالين الذين لم يرثوا من الارض قطعة وكانوا مستضعفين * ومن كان في هٰذه
اعمى فهو في الاٰخرة اعمى (١٧ ٧٢) ومن الضالين * ولذلك دعا ابرٰهيم ربه وقال واغفر لابي
انه كان من الضالين (٢٦ ٨٦) * من الذين لم يسلكوا صراط المستقيم * صراط الذين انعمت
عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين (١: ٦-٧) * فالضالون هم الذين لم يقدروا على اتمام سعيهم في
هذه الدنيا واولٰئك هم المغضوبون * والمغضوبون هم الذين لم يرثوا من الارض قطعة فصاروا
مستضعفين * والمستضعفون هم الهالكون المغضوبون * فانه قال ومن يحلل عليه غضبي
فقد هوى (٢ ٨١) وصار من الهالكين * فسلٰم على المتقين * الذين يرثون حيث الارض ثم

* [illegible] لا يستطيعون [illegible] والله هو الذي [illegible] وقالوا [illegible] ربنا [illegible] عليه السلام كان [illegible] الارض [illegible]
[illegible] اعلى الارض ،

سیؤ دون من الحیاۃ حسب نشاء ون ❊ فنعم اجر العاملین الساعین للموحدین المتقین ❊ والحمد للہ رب العلمین (۱۰ ۱) ❊

فما الشرک الا ما شعلکم عن السعی ایھا الضالون المغضوبون ، وکل ما یصرفکم عن وحدۃ الامہ والاتحاد الی الاشتات والافتراق ھو الشرک لو کنتم تعلمون ❊ ولذلک قال اللہ لکم ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ (۱۳،۴۲) لان الشرک یکفھم عن التصلح و الاتحاد والمشرکون ھم الذین یفسدون فی الارض ولا یرابطون ولا یصلحون ❊ کل واحد منھم یشتغل بصنمہ ویفرح بما لدیہ صرفا عن الباقین ❊ واللہ یوحدکم ویجمع بینکم ویفرقکم لو کنتم تعلمون ❊ وان من قوم فی ھذہ الارض تحدوا واصلحوا الا انھم طھروا قلوبھم من اوثان الاھواء واللذات فالف بینھم اللہ وصاروا من الموحدین ❊ ولذلک قال اللہ لکم ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا کل حزب بما لدیھم فرحون (۳۲-۳۱،۳۰) ❊ ومن اشرک تقطع فصار من المدبرین ❊ ولذلک قال اللہ لکم فلا تدع مع اللہ الھا اخر فتکون من المعذبین (۲۶،۲۱۳) ❊ ولذلک قال اللہ لکم ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون (۹۲،۲۱) ❊ فما التوحید الا وحدۃ الامۃ لو کنتم تعلمون ❊ وکل من یؤمن باللہ ویھجر رجز الشیطان ویطھر قلبہ من الاوثان ویزکی نفسہ ولا یدخل فی جوف قلبہ الا الرحمن یتیسر لہ لتقویۃ قومہ الجھاد بالمال لانہ لا یصنم المال ولا یتخذ الھۃ من دون اللہ ولا یشرک ولا یلبس ایمانہ بظلم ویؤمن بانہ سوف یؤتی اجرہ من عند ربہ ولذلک قال اللہ لنبیہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد فاستقیموا الیہ واستغفروہ وویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوۃ وھم بالاخرۃ ھم کفرون (۴۱،۶-۷) ❊ ومن یؤمن باللہ وبتوحیدہ یتیسر لہ الجھاد بالانفس والھجرۃ لانہ من یؤمن بہ عملا ومعنا

فان وحدۃ الامۃ توحی فی التوحید ونصرف منہ فما الشرک الا مایشت التوحید۔

فان الجھاد بالمال والجھاد بالانفس والھجرۃ سلاسل التوحید ونوافلہ۔

ولا تبحث نفسه من الله فالذین آمنوا اشد حبا لله (۲: ۱۶۵) ○ ولذلك قال الله فیهم والذین آمنوا
وهاجروا وجاهدوا فی سبیل الله والذین آووا ونصروا اولٰئك هم المؤمنون حقا لهم مغفرة
ورزق کریم ○ (۸: ۷۴) ❊ فما التوحید الا الجهاد والهجرة من دون ما تقدم ایها المسلمون الموحدون
وما یؤمن احد عنده حتی جاهد وهاجر لتقویة قومه بل هجر کل ما یشغله عن السعی والعمل من
یفعل ذلك فاولٰئك هم المؤمنون ○ حقا واولٰئك هم الموحدون ❊ صرفا عما قال القائلون وکذب
الکاذبون ❊ ومن یؤمن بالله وبتوحیده ویزکی قلبه ییسر له اطاعة امیره لانه لا یجد فی
قلبه وبما یامره بشیٔ امرا او ینهاه عنه فلذلك قال الله لکم یا ایها الذین آمنوا اطیعوا الله و
اطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوه الی الله والرسول ان کنتم تؤمنون
بالله والیوم الآخر ذلك خیر واحسن تاویلا (۴: ۵۹) ❊ ولا تظنوا ان طاعة الرسول فی زماننا هذا

> فی ان اطاعة الامیر جزء من التوحید و من شرطه - وما اطاعة الرسولؐ الا الاطاعة اولی الامر منکم

هی ما یجهر به فقهاء کم الجاهلون ❊ الذین قالوا انما هی اتباع احادیث النبی لیمکروا
فیها مثل ما مکروا فی القرآن ○ ولیحرفوها مثل ما حرفوه عملا ومعنا ○ ویضربوا بعضها
بعضا ○ ولیضربوها بکتاب الله ○ فیمشوا فی الارض حامدین صابرین وقائلین متنعمین ❊
شاکرین بان الله ما جعل علیهم فی الدین من حرج وبانهم هم المفلحون ❊ بل طاعة
الرسول هی طاعة ما کان الرسول یامر المؤمنین فی عهده یوما فیوما مشافهة ومواجهة
من کونه امیرا علی جماعتهم وسیدهم لیظهرهم علی اعدائهم ○ وما کان یدعوهم لما یحییهم
او یخرجهم من الظلمات الی النور ○ لینصروا علی اعدائهم غالبین ❊ ومن کان یطیعه او یستجیب لاحکامه
من فوره فی عهد النبوة فهو الذی قد اطاعه ○ ومن یطع الرسول فقد اطاع الله (۴: ۸۰) وما
کان للرسول ان یاتی بامر غیر ما امر که الله ○ او یحکم بینکم الا بما انزل الله ○ فما طاعة الرسول
الآن الا طاعة امیرکم ○ والاستجابة لصاحب الامر منکم ○ او لمن خلف من بعده لما امرکم ○ او لمن

قام مقام الرّسول فيكم ۞ بل من قام مقام اميركم فيكم ۞ ولذلك قال الله لكم ان اطيعوا اولي الامر منكم فالطّاعة هي المقصود منه ۞ لانه من اطاع اميره فقد افلحوا وفازوا في هذه الدّنيا ۞ ولا شكّ انهم في الآخرة من المفلحين ۞ ولذلك قال الله عزّ وجلّ لمعاصري النّبيّ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (٢٤، ٥٢) ۞ ولذلك قال الله لهم وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ (٤، ٦٤) فالطّاعة هي التي يريد الله منكم اجمعين ۞ فلا تيسّروا ولا تمسّكوا بالمكر والتاويل ۞ وَلَا تُقْسِمُوا طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (٢٤، ٥٣) ۞ امركم الله ان تطيعوا ذا الامر منكم ۞ ولا تعصوه في اي حالٍ واشكالٍ ۞ وان اختلفتم في شيءٍ منه او تنازعتم فلا تزالوا اتبعوه ۞ وردّوا نزاعكم الى خليفة الرّسول ليحكم بينكم بما انزل الله ۞ او بما كان الرّسول يفعل في عهده ۞ وليؤاخذه بما فعل ويحاسبه ۞ فهذا ما عنى الله بقوله فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (٤، ٥٩) ۞ لانّ الْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (٢، ١٩١) ۞ وما يريد بكم الله من شيءٍ الّا ان تطيعوا اميركم طائعين ۞ ولذلك ذهب السّلف من علماء الدّين الى انه من اطاع السّلطان فقد اطاع الرّحمٰن ۞ لانّ الطّاعة هي التي بني عليها نظام العالم ۞ وهي التي يصل الامن منها في هذه الدّنيا ۞ وليس لم يسجد لله من في السّمٰوت والارض طوعًا او كرهًا لفسدت السّمٰوت والارض ۞ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (٢١، ٢٢) ۞ ولذلك قال الله للسّماء وللارض ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (٤١، ١١) ۞ فما الايمان الّا اطاعة الامير من دون ما تقدّم بها التوحيد الّا ان تنظّموا انفسكم مجاهدين وخائفين ۞ ولذلك قال الله لمعاصري النّبيّ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (٨، ١) ۞ ومن يحسّ احدًا الّا الله يجعل في جوف قلبه الٰهًا غيره ۞ وهذا ما نافى التوحيد وما يناقض الايمان ۞ ولذلك قال الله

۞ اي لا تعتذروا الى رسولكم بالمكر ولا تعصوا فالطّاعة هي التي لا يخفى على احدٍ ان تطيعوا بالتّحدث من انفسكم لا احد لكم ارشدوا بالله للاتقاء ؛

۞ هذا ما كتب السلطان ... [illegible] ... ؛ الله من طاعته ولا سل في انهم كانوا يعلمون ان اطاعة الرسول انما هي طاعة السّلطان ۔

أتخشونهم فالله أحق أن تخشوه إن كنتم مؤمنين (٩: ١٣) * فما الايمان والاتقاء والتوحيد الا شيء واحد في الاصل يصدر من ان نظر الانسان فلله من دون الاوثان * ولا شك ان اطاعة الامير فرع من فروع الايمان * وما هي الا التوحيد اصلا وعملا لو كنتم تعلمون * وهذا ما وصى به كل الانبياء من قبل نبينا صلى الله عليه وسلم من الدين الذي شرع الله لنا * والفطرة التي فطر الله الناس عليها * لان الانبياء نوحا وهودا وصالحا ولوطا وشعيبا وعيسى وغيرهم كلهم قالوا لاقوامهم الا تتقون ۝ إني لكم رسول أمين ۝ فاتقوا الله وأطيعون ۝ وما أسألكم عليه من أجر إن أجري إلا على رب العالمين ۝ فاتقوا الله وأطيعون (٢٦: ١٠٦-١١٠) * فما اصرح الا على اتقاء الله واطاعة الامير * لان الاطاعة سر العالم والامن في هذه الدنيا * والاتقاء سر الايمان والتوحيد * والمتقون والمطيعون هم الامنون واولئك هم المفلحون *

ونظرا الى كل ما تقدم في شرح التوحيد القول الحق الذي لا يشك فيه هو ان كل واحد من اصول الاسلام التي تقدم ذكرها اعني وحدة الامة واطاعة الامير والجهاد بالانفس والجهاد بالمال والهجرة والاستقامة في الشعوب ومكارم الاخلاق والعلم والايمان بالآخرة **يوجد** في اصل التوحيد لان كل هذه الاعمال تصدر من القلب الذي لا تحب الها غيره * ولا يعبد الطاغوت * ولا يصنم نفسه * ولا يحب شيئا غيره * ولا يخشى احدا الا الله * والذي يسعى في الدنيا سعيا ملتفا بعروة والذي لا يسأل على ما يعمل من اجر الا على رب العالمين * وما يفعل كل هذه الا الذين يخافون ربهم من فوقهم وقلوبهم وجلة أنهم إلى ربهم راجعون (٢٣: ٦٠) * ومن يعمل هذه الاعمال فاولئك هم الفائزون * في هذه الدنيا ايضا ما نظرون * صرفا عما يقولون ويعتقدون فلا شك في ان التوحيد والعمل هو الذي بني عليه الاسلام * بل الذي فطر عليه الناس * بل ما خلقت عليه الجن والانس فلذلك قال الله عز وجل وما خلقت الجن والإنس إلا

* فيحصل من هذه الآيات الجليلة الناصعة ان الاتقاء واطاعة الامير هو ما يريد الله من الناس سواء يحصل بالاتقاء وبالوراثة على الصحابة الاتقياء (٤٩: ١-٩) والاصلاحية وبين لكم ان الاتقاء هو الايمان ويسر لكم انه من عمل اعمال الاتقاء واطاع اميره فقد افلح في هذه الدنيا وهم الذين يبدل الله خوفهم امنا ويصعدهم فوق ملك الله فان كل الانبياء لاقوامهم إني لكم رسول أمين (٢٦: ١٠٧) او حشكم بالعار الذي سيأتي فلكوا منا * لا ما هم اكثر الشاكرين من اعمى حشكم بآياته وهو ليس بعسير *

لِيَعْبُدُونِ (٥١: ٥٦) ※ وكل من يصرف شيئا من هذه الاعمال يصرف عن التوحيد * ويشرك بالله *
بل يظلم نفسه * فاولئك هم الهالكون ※ في الدنيا اينما يظهرون ※ ولا نصيب لهم في الاخرة
من الخلد ولا ※ والذين يعبدون الله مخلصين له الدين * ولا يتخذون اربابا غيره عملا او معنا
في قلوبهم ابدا * ويسعون في توحيدهم سعيا بليغا ليلا ونهارا ليغلبوا * ويستفتحون على
اعدائهم بوحدهم * فاولئك هم الغالبون ※ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا
وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (٣٢: ١٦) ※ وقَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ (٥١: ١٧) ※ ليجاهدوا في
سبيله بايديهم وارجلهم حق جهاده وليغيروا ما بانفسهم جاهدين ※ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ
(٥١: ١٨) ※ ليغفر الله لهم ما تقدم من ذنبهم وغفلتهم وما تأخر * وليرجعوا اليه مصاعدين بسعيهم
معتمدين ※ هم الذين قالوا رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (في مساعينا) رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا
إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا (للتسلط على اعدائنا) رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا
(نظرا الى وسع انفسنا وقلة حيلتنا) وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ
(٢: ٢٨٦) ※ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ
(١٠: ٦٤) ※ أرأيتكم إن أتاكم عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ (٦: ٤٧)
المشركون ※ ورأيتم انه من آمن ولم يلبس ايمانه بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ (٦: ٨٢)

فيا من يزعمون انه ما العبادة الا اعتكافكم في بيوتكم او مساجدكم منصرفين عن خلق الله
واعيان عما خلق الله في السموات والارض وما بينهما بالحق * حاسبين خلقه باطلا وعبثا * مكررين
اسمائه تلهيا وهزلا * ما العبادة ما زعمتم * وما هو بموجب في رواياتكم الذي يستدرجكم
الى الذلة والمسكنة * او عزلة تضعف قوتكم وتستذلكم * فتقولوا ما انزل الله علينا
في القرآن من شيء * وما هو شيء يصلح بالنا في الدنيا بل يخرسنا ويخسرنا * بل هو الذي

في انما العبادة
الا اطاعة احكامه
تعالى والسعي والعمل
وما هي رهبانية.

نسعر الدّ لله والمسكنة فسا * وما هذا الا اساطر الاولين ❋ بل عهٰكم الله عن هذه الرّهبانيّة
ايّها الجٰهلون ❋ انّ عمارها بكم واحباركم واصفياؤكم ليصلحوا بال انفسهم وحرّموكم * اويكسلوا
الله * ما كتبها الله عليكم وقط اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (٥٧، ٢٧) افلا تعقلون ❋
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ (١١، ٥٠) * على الله فانكم تقولون على الله ما لا تعلمون ❋ ما يريد الله من
تعبّدكم من شئ بل ما عبادته من شئ الّا ان تسعوا فى الارض جاهدين ❋ وما ابتغاء رضوانه
الّا ان تعملوا وتستقيموا له وتصبروا وتوكّلوا عليه مبتبن ومصلحين ❋ لتسعوا فضلة
منه ورحمة ونعمة فمن ابتغى نعمته وسعى لها سعيها فهو الّذى ابتغى وجهه باليقين ❋ وَمَا
لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (٩٢، ١٩ - ٢) افلا تتدبّرون ❋ وما يريد
الله من عبادتكم من شئ الّا ان لا تضمّوا شيئًا فى جهادكم فتسعلوا احسرين ❋ وان لا تحذوا اتبتًا
ربًّا لكم فتظلّوا عليه عاكفين ❋ شاغلين عن سعيكم فتكونوا من الخاسرين ❋ وان تفرّوا اليه لتفرّوا
عمّا خلاه * ولترهبوا له لترهبوا عمّا سواه راهبين ❋ لترثوا الارض فانّه من ورث الارض فاولٰئك
قومٌ عابدون ❋ واولٰئك عباده الصّٰلحون ❋ فلذلك قال الله لكم يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ
وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ (٢٩، ٥٦) بوراثة الارض الواسعة فانّما نحن نرث الارض (١٩، ٤٠)
ونورثها من نشاء من عبادنا الصّٰلحين ❋ فما العبادة الّا ان تستمتعوا فى ارضه الواسعة وآثرين ❋
وان تسعوا فى مناكبها غالبين ❋ فانّه قال كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ الَّذِيْنَ
صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (٢٩، ٥٧-٥٩) فى نتائج سعيهم اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (٩، ١٢٠) ❋ فيا من
لَا يَعْلَمُوْنَ (٣١، ٢٥) وَلَا يَعْقِلُوْنَ (٢٩، ٦٣) ما العبادة الّا صلا ومتكم على التوحيد ما زلتم * وتعبّدكم
له ما استطعتم * واستقامتكم اليه ليلًا ونهارًا * لتسعوا فى الارض جاهدين ❋ ليوحّدكم ويقوّكم

ويعليكم على العالمين ❊ ويحسبكم باحبائه وأنكم ۝ ويلين قلوبكم بتزكية نفوسكم ۝ ويسرح صدوركم

ما جلاء الاوثان منكم ۝ فمسوا في الارض فاهرين ❊ مرسلين النعم ربكم على انفسكم مدرارا كالسماء

واكلا من فوقكم ومن تحت ارجلكم فرحين ❊ ولذلك قال هود لقومه يٰقوم اعبدوا الله ما لكم من

إلٰهٍ غيره ۚ إن أنتم إلا مفترون ۝ يٰقوم لا أسألكم عليه أجرا ۖ إن أجري إلا على الذي فطرني ۚ أفلا

تعقلون ۝ ويٰقوم استغفروا ربكم ثم توبوا إليه يرسل السماء عليكم مدرارا ويزدكم قوة إلى

قوتكم ولا تتولوا مجرمين (١١: ٥٠-٥٢) ❊ ولذلك قال نوح لقومه يٰقوم إني لكم نذير مبين ۝ أن اعبدوا

الله واتقوه وأطيعون (٧١: ٢-٣) واستغفروا ربكم إنه كان غفارا ۝ يرسل السماء عليكم

مدرارا ۝ ويمددكم بأموال وبنين ويجعل لكم جنات ويجعل لكم أنهارا (٧١: ١٠-١٢) ۝ ولذلك

قال الله عز وعلا إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة ألا تخافوا ولا تحزنوا

وأبشروا بالجنة التي كنتم توعدون ۝ نحن أولياؤكم في الحياة الدنيا وفي الآخرة ۖ ولكم فيها ما

تشتهي أنفسكم ولكم فيها ما تدعون ۝ نزلا من غفور رحيم (٤١: ٣٠-٣٢) ❊ وما العبادة

الا مايزيدكم قوة ويضعفكم نعمة ايها الضالون المفترون الزاهون ❊ والذى يجعل لكم جنات

فى هذه الارض ويجعل لكم مالكى الانهار والعيون ❊ والذى يمدكم باموال وبنين ❊ والذى يبدل

خوفكم امنا ويستخلفكم فى الارض ويبشركم فى الحيوة الدنيا ليكون لكم فيها ما تشتهون ❊ ومن

أظلم ممن افترى على الله كذبا (٦: ٩٤) وقال ان هذا القرآن لا يفلحني ولا يهديني ❊ كلا ان هذا

القرآن يهدي للتي هي أقوم ويبشر المؤمنين الذين يعملون الصالحات أن لهم أجرا كبيرا (١٧: ٩)

افلا تذكرون ❊ ومن اجل تعذاب الله لانكم لا تعملون كتابه او تحرفون معناه الا انفسكم فتخذلون

ووالله لا احد فى كل ما جرى فى القرن الاولى فى عهد سيدنا صلعم صلوة غير هذه الصلوة او توحيدا غير

❊ فيصل من الحوض في هذه الآيات انه تعالى ما اعطى بقوله جنات تجري من تحتها الانهار الا جنات الارض وعمومها لا الجنة الآخرة [illegible] كل السارحين علاه
الذي منه ـ فما قصد عز وجل منه في اي مقام الا الاستخلاف في الارض والتمكين من برها وبحرها ويؤيد هذا القول قوله تعالى في هذه الآيات ويزدكم
قوة الى قوتكم وقوله يمددكم باموال وبنين وقوله يرسل السماء عليكم مدرارا ـ فما هم [illegible] لفظ جنت الجنة الآخرة الا بالمكرو (الملكي)

هذا التوحيد او عبادة غير هذه العبادة التي كانت سجيتهم على عدّ آبائهم عالمين ✱ ولا احد في كلامه تعالى من اوله الى آخره مسحه من خبر الا انه ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون (٩:٣٣) ✱ فهل انتم تؤمنون بهذا القرآن من هذه القبيل لتظهروا على اعدائكم عابدين ✱ وبهذا الصلوة لتحطفوا كفار الارض مصلين ✱ وبهذا التوحيد لتقبضوا على الارض راهبين ✱ وبهذا العبادة لتعتلوا اقوام الارض ساجدين ✱ ومن اطاع الله يطوع له جنت الارض ايها الغفلون ✱ فلستم بمؤمنين به ولستم له عابدين او مصلين ✱ او موحدين ✱ وما اكثر الناس ولو حرصت بمؤمنين ۝ وما تسئلهم عليه من اجر ان هو الا ذكر للعلمين ۝ وكاين من اية في السموت والارض يمرون عليها وهم عنها معرضون ۝ وما يؤمن اكثرهم بالله الا وهم مشركون ۝ افامنوا ان تاتيهم غاشية من عذاب الله او تاتيهم الساعة بغتة وهم لا يشعرون ۝ قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني و سبحن الله وما انا من المشركين ۝ وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحي اليهم من اهل القرى افلم يسيروا في الارض فينظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم ولدار الاخرة خير للذين اتقوا افلا تعقلون ۝ حتى اذا استايس الرسل وظنوا انهم قد كذبوا جاءهم نصرنا فنجي من نشاء ولا يرد باسنا عن القوم المجرمين ۝ لقد كان في قصصهم عبرة لاولي الالباب ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذي بين يديه وتفصيل كل شيء وهدى ورحمة لقوم يؤمنون ۝ (١٢: ١٠٣-١١١) ✱✱

ولا شك في ان كل واحد من اصول الاسلام اعني التوحيد في العمل ووحدة الامة واطاعة الامير والجهاد بالمال والجهاد بالانفس والهجرة والاستقامة الى السعي ومكارم الاخلاق و

(النقله من حصره) بتحريف كلام الله عن مواضعها وتبديل معاصد القرآن ليجعلوا اسرار الانفسهم وقد ثبت في كتابي تذكرة ان الله وعد من لفظ "جنت" جنت الارض بالاستشهاد على انه جاء في هذا المعنى في القرآن في مواضع ستى صراحة فليرجع القارى الى صفحات ١١٥-١١٦-
نعت الماس للسرحيم الترابي + ✱ اي هذا القرآن بعض سبكم كل ما يجري في العادة يوما فيوما ...

العلم والایمان بالآخرة التی تقدم ذکرها من لوازم الایمان بل شرائطه التی باداء بها
ان تعلق عن الایمان ٥ فمن لزمها استقام فی ایمانه ٥ ومن صرف عنها سقط ایمانه ٥ فقد تروان
اسم قوم تتفکرون ❁ فاما التوحید فی العمل او تعبده تعالی فلا تجعلوا عمله عن کل الاعمال ٥
انما باسد خشیته واتقائه ٥ او باشد حبه وابتغاء وجهه ٥ حمل الله کلاهما علی الایمان وقال
فی خشیته. أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ٥ (۹: ۱۳) ❁ وفی اتقائه. اتَّقُوا اللّٰهَ
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ٥ (۵: ۱۱۲) ❁ وفی حبه وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (۲: ۱۶۵) ٥ فلا یدخلون فی
جوف قلوبهم احدا من العالمین ❁ واما وحدة الامة فجعلها الله علی الایمان بل الزمها علما

وان وحدة الامة وطاعة الامراء من لوازم الایمان

بقوله إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ٥
(۴۹: ۱۰) ❁ وبقوله يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥ (۳: ۱۹۹) ٥ وبقوله فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ
وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۸: ۱) ❁ واما طاعة الامیر فدل علی کونهما من الایمان قوله
تعالی لمعاصری النبی فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۸: ۱) ❁ وقوله
وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ
اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ٥ (۳۳: ۳۶) ❁ بل قوله يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ٥ (۴: ۵۹) ❁ وقوله إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا
كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ
رَحِيمٌ ٥ (۲۴: ۶۲) ❁ واما الجهاد بالمال والجهاد بالانفس والهجرة فجعلها کلها علی

الایمان ویؤید هذا القول قوله إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَ
جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (٤٩: ١٥) ❋ وقوله وَالَّذِينَ آمَنُوا
وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ
كَرِيمٌ (٨: ٧٤) ❋ وقوله آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ
فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولُ

فی ان الجهاد بالمال و الانفس والهجرة من الایمان

يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (٥٧: ٧-٨) ❋ وقوله وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ
الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا (٣٣: ٢٥) ❋ واما الاستقامة فی العمل مع التوکل فی النتائج فحملها
علی الایمان بقوله وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ❋

فی ان الاستقامة فی العمل من الایمان

(٣: ١٣٨) ❋ وبقوله يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (٣: ١٩٩) ❋
وبقوله إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (٨: ٢-٤) ❋ وبقوله تعالی فی بنی اسرائیل قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ
يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ (٥: ٢٣) ❋ وبقوله يَا قَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ (١٠: ٨٤) ❋
واما مکارم الاخلاق اعنی السعی للاعمال للآخرة من دون الاعمال العاجلة التی تؤدی الیکم اجورکم
من فوره وما یبقی لکم من ثواب الله الی یوم القیٰمة الا عذابا فحملها الله علی الایمان فی قول شعیب وَلَا
تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ وَيَا قَوْمِ

فی ان مکارم الاخلاق من الایمان

أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ بَقِيَّتُ اللَّهِ
خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (١١: ٨٤-٨٦) ❋ وفی قوله يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (٢:٢٢٨) ※ وفي قوله الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (٢٤:٢) ※ واما الايمان بالآخرة فمعظم القرآن يشهد على انه من عمل الاعمال العاجلة ليأخذ اجره من فوره ※ ولم يأتوا اجره على الله ※ ولم يرج لقائه تعالى يوم القيمة ※ ولم يرد الا الحيوة الدنيا ※ وقال مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (٤٥:٢٤) ※ وامر

> فوات الايمان بالآخرة من الايمان

نفسه بالسوء ليهلك قومه ※ فلم يؤمن عمده ※ ولم يسلم وجهه له ※ فلذلك قال الله مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝ (١٧:١٨-١٩) ※ ولذلك قال إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝ أُولَئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (١٠:٧-٨) ※ فلا شك ان الايمان بالآخرة فرع من فروع الايمان التي ما كان لها ان تعلق عنه ويشهد على ذلك قوله هُدًى لِلْمُتَّقِينَ (٢:٢) ※ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ (٢:٤) مع قوله اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (٥:١١٢) ※

واما العلم فجعل الله تحصيله على الايمان وقال إِنَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (٤٥:٣) ※ وقال خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ (٢٩:٤٤) ※

> في ان العلم والذي يسد من الايمان لا يوجد لواز به وما العلم الا من اعمال الله ومسائله صححه المطرح۔

وقال وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (١٦:٧٨-٧٩) ※ وما كان للعلم ان يملت عن الايمان ويشهد على ذلك قوله وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝ (٣٥:٢٨) مع قوله اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (٥:١١٢) ※

فلا شكّ فى انّ العلم هو الّذى يحصل من دراسة اشياء الطّبيعة ومطالعة صحيفة الفطرة باستعمال
السّمع والابصار والافئدة * ومن علم اعماله تعالى مشاهدة ومواجهة * ودرس كتاب الله†
الّذى هو بين يديه شاهدًا عليه فهو الّذى قد علم ربّه * وهو الّذى عرفه حقّ معرفته * بل خشيه
حقّ خشيته * فالعلماء هم الّذين يتّقون بالله بالحقّ واولٓئك الّذين يؤمنون به انما ينظرون ※
تقشعرّ من درسه جلودهم ثمّ تلين قُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (٣٩-٢٣) * لانّهم شهدوا اعماله العظيمة
الجليلة باعينهم بل شهدوا ملٓئكته وجنوده الّتى لا يعلم وسعها وعدّتها الّا هو بسمعهم وابصارهم
فلمّا عجزوا اشهدوا انّه هو العزيز الحكيم البارئ الفاطر الجبّار القهّار الّذى لا اله الّا هو وهو على كلّ
شئ قدير ※ فلذلك شَهِدَ اللَّهُ (على نفسه بعظمة اعماله) أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ (تشهد على
قدرته وسعتهم) وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ (يشهدوا على وحدته وعظمته بمشاهدتهم آياته)
لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (٣-١٧) ※ فلا شكّ فى انّ اولى العلم هم الّذين يورثهم الانبياء فى زماننا
هذا * لانّهم يرثون علمهم ونبأهم بعد ختم الانبياء * بل يأتون بالنّبأ العظيم الّذى جاء به الاسلام
من قبل نبذًا منه * ليهدوا اقوامهم قائمين بالقسط الى صراط مستقيم ※ وهم الّذين يعرفون
ربّهم بوساطة قانونه * ويطمعون ان يبتغوا وجهه باتّباع سنّته * ويخافونه ليرجوا ثوابه *
وينهون جماعتهم عن البغى والنّفاق ليتّقوا عذابه * ويسجدون له عملًا ومعنًا ليبتغوا فضله * بل
يصلّون صلوة النّجم والشّجر‡ ليتنظموا جماعتهم * ويجاهدون باموالهم وانفسهم ليهدوا
قومهم * ويهدونهم بعلمهم لعلّهم يفلحون ※ ولذلك قال الله لكم إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ
(اى صحيفة الفطرة) وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ
لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ† هُوَ
الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ (٣٥، ٢٩-٣١) ※ فلا شكّ فى انّ

‡ ولسطر القارئ الى ٩ سطر ٦٣ لنشرح هذه الصّلوة † اى ما احسنت للنّاس من العلوم من صحيفة الفطرة وما اوحيت اليك منه هو يصدّق ما يجرى بين يديه

القرآن هو الفطرة * بل هو الذي نفخ فيه روحه من امره تعالى * ولا شك في ان قانون ذلك الكتاب
هو ما يحصل من دراسة كتاب الله اعني صحيفة الفطرة * ولا شك في ان قانونه يصدق لما يجري في العادة
وما يجري بين يديه يوماً فيوماً * فمن فاز في هذه الدنيا فقد فلح بهذا القانون * ومن هلك هلك
عن بينة (٨:٤٢) منه * فتدبروا ان انتم قوم تتدبرون * ونظراً الى كل ما تقدم من قوله تعالى في
حقيقة العلم القول الفيصل الذي لا شك فيه هو ان علماء الطبيعة هم الذين يؤمنون بتوحيده
تعالى بالحق * بل يؤمنون بكتاب الله الذي عرضه السموات والارض بالحق * بل بالكتاب الذي اوحاه
الله الى نبينا صلعم * فانه قال بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ
اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (٢٩:٤٩) * فما العلم الا فرع من فروع الايمان التي ما كان لها ان تنفك عنه * و
من علم اعمال الله تعالى بجد وسعه وبلغ فيه اشد مبلغه فهو الذي قد آمن به * فلذلك قال الله فيهم
نظراً† الى سجودهم ليلاً ونهاراً لاحكامه وخيفتهم عذابه ورجاءهم رحمته بل قيامهم بالقسط
ليحذروا اهوائهم من عاقبة امرهم في الدنيا والعقبى اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ
الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا
الْاَلْبَابِ (٣٩:٩) * وسمى الله العلماء اُولُوا الْاَلْبَابِ لكونهم متفكرين في خلق سمواته وارضه ليعلموا قانونه
ويدركوا مشيئته * وليفهموا ما يريد الله منهم ومن قومهم * وليتفقوا عليه فيؤمنوا به ويفعلوا ما
يؤمرون * فلذلك قال الله فيهم اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي
الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا
مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ اَنْصَارٍ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا
سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ٥

† اي نظراً الى الرسول الذي بعث الله فيهم فانه قال فلقد بعثنا في كل امة رسولاً (٣٦:١٦) وقال ولكل امة رسول (٤٧:١٠) *

فاستجاب لهم ربهم اني لا اضيع عمل عامل منكم من ذكر او انثى بعضكم من بعض فالذين هاجروا واخرجوا من ديارهم واوذوا في سبيلي وقتلوا وقتلوا لاكفرن عنهم سيئاتهم ولادخلنهم جنت تجري من تحتها الانهر ثوابا من عند الله والله عنده حسن الثواب لا يغرنك تقلب الذين كفروا في البلاد متاع قليل ثم ماويهم جهنم وبئس المهاد لكن الذين اتقوا ربهم لهم جنت تجري من تحتها الانهر خلدين فيها نزلا من عند الله وما عند الله خير للابرار (۳ ۱۸۹-۱۹۷) ※ بلا شك في ان علماء الطبيعة واولي الالباب الذين يتفكرون في خلق السموت والارض هم الذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلى جنوبهم * لانهم يفتشون خلقه ليلا ونهارا ليعرفوا قانونه * ويخوفون قومهم عذابه ليتبعوا سنته * ويؤمنون بالقران علما وعملا ليكفروا عنهم سيئاتهم في الدنيا * و يعملون الاعمال الاخرة ليبدلوا خوفهم امنا * ويهاجرون ويخرجون من ديارهم ويؤذون في سبيله و يقاتلون ويقتلون ليدخلوا جنت الارض خلدين ※ وكل هذا ما نفعل لغربيون النصرانيون في زماننا هذا علما وعملا ؛ لانهم يعلمون قانونه ويعملون الصلحت ويستعملون في جنت الارض بعلمهم بفكرهم * ولا يغرهم تقلبكم في بلادكم البائسة لانهم يعلمون انكم لا تتمتعون فيها الا قليلا ثم تخلون وتخرجون ※ فهل نزل لهم من عند الله على هذه الارض لانهم يخرجونكم من دار الى دار ويستقرون في جنتهم امنين ※ بعلمهم صحيفة الفطرة وبايمانهم بكتاب الله الذي هو بين ايديهم * بل بايمانهم بالقران الذي هو بين ايديكم * ولا شك في انهم هم الابرار الذين امنوا وعملوا الصلحت في هذه الارض في زماننا هذا * ولا شك انهم هم المفلحون ※ ولا تظنوا الله ما كان للنصرانيين الغربيين المعاصرين ان يؤمنوا بقرانكم هذا وان لم يروه او يدرسوه كدرسكم فالله شهد على ايمانهم به وعلمهم في القران في ما يلي الايت التي تقدم ذكرها وقال وان من اهل الكتب لمن يؤمن بالله وما انزل اليكم وما انزل اليهم خشعين لله لا يشترون بايت الله ثمنا قليلا اولئك لهم اجرهم عند ربهم ان الله سريع

٭ مصدر من قوله من عند الله ان الاجر هو احلال ما في جنت الارض كما قال بعد ذلك فما عند الله من الاجر هو خير لهم ٭ اي اجرهم في الدنيا الا انه سريع الحساب +

الحسابات (٢٠٣-١٩٨) ❋ بل يشهد على ايمان علماء اليهود به فى القرون الخالية حين كانوا يأكلون من فوقهم ومن تحت ارجلهم لكونهم مقيمين به وقال وانه لتنزيل رب العلمين ۝ نزل به الروح الامين ۝ على قلبك لتكون من المنذرين ۝ بلسان عربى مبين ۝ وانه لفى زبر الاولين ۝ اولم يكن لهم اية ان يعلمه علموا بنى اسراءيل ۝ (٢٦: ١٩٢، ١٩٧) ❋ بل قال فيكم نظرًا الى فقدان علمكم وعملكم وايمانكم به فى زماننا هذا ولو نزلنه على بعض الاعجمين ۝ فقراه عليهم ما كانوا به مؤمنين ۝ كذلك سلكنه فى قلوب المجرمين ۝ لا يؤمنون به حتى يروا العذاب الاليم ۝ فياتيهم بغتة وهم لا يشعرون ۝ فيقولوا هل نحن منظرون ۝ افبعذابنا يستعجلون ۝ افرءيت ان متعنهم سنين ۝ ثم جاءهم ما كانوا يوعدون ۝ ما اغنى عنهم ما كانوا يمتعون ۝ وما اهلكنا من قرية الا لها منذرون ۝ ذكرى وما كنا ظلمين ۝ (٢٦: ١٩٨-٢٠٩) ❋ فلا شك فى انكم لا تعلمون القران ولا تؤمنون به ايها الاعجميون المجرمون الهالكون وما يغنى عنكم ما انتم تمتعون فى الدنيا عدد سنين ❋ وانه هو آت ما انتم به توعدون ❋ وما انتم بمؤمنين بالقران حتى تروا العذاب الاليم ❋ افبعذاب ربكم تستعجلون ❋ فياتيكم بغتة وانتم لا تشعرون ❋ والمغربيون هم الذين يؤمنون بالقران العظيم ❋ بعلمهم وعملهم فى زماننا هذا ولو كره المسلمون المرتسمون ❋ لانهم هم الذين خاضوا فى السموات والارض شللا حوضًا فى هذا الزمان ❋ واستنبطوا من هذا الكتب الجليل المبين ايات الله البالغة النافعة التى هم بها مستمسكون ❋ فلا شك فى انهم هم المؤمنون ❋ وانه من امن بسموته وارضه التى خلقهما الله بالحق وعمل صالحًا فهو الذى قد امن به بالحق ❋ وهو الذى اشهد على وحدته وقدرته بل راى ملكوت السموت والارض بعينه ❋ وهو الذى امن بقرانه ❋ واسلم وجهه له ❋ وتنظم واصلح فتقوى ❋ واتقى عذابه ❋ واولئك من المتقين المصلحين ❋ ولذلك قال الله لكم وما خلقنا السماء والارض وما بينهما باطلًا ذلك ظن الذين كفروا فويل للذين كفروا من النار ۝ ام نجعل الذين امنوا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (٣٨، ٢٨) ❋ ومن بعد ذلك اشار الى
كتابه ليتدبّره اولوا الالباب الّذين يتفكّرون في خلقه نظرًا الى استنباط قانونه منه ويتّبعوه مطلوبًا
وقال كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (٣٨، ٢٩) ❋ ولذلك حرّض الله
النّاس على مشاهدة خلقه وقال لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ قَلِيْلًا
مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (٤٠، ٥٧-٥٨) ❋ بل لذلك اثنى الله على انبيائه وحمل علمهم وتفكّرهم في خلقه و
استعمالهم اشياء الطّبيعة ومواليدها اسدّ مصرفها على الايمان وقال وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ
عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا
النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝ (٢٧، ١٥-١٦) ❋ فما كان
منطق الطّير هذا الّا ما جهد سليمان عليه السّلام في استعمال الطّيور واستخدامها لاجراء حكمه من بلد
الى بلد * او لابلاغ رسالته حال البأس والجهاد في سبيل الله مثل ما استخدم داود وسليمن الشّجعان
والابطال وغيرها من الّذين كانوا يعودون في غابات الجبال والسّواحل * من البنّاء والغوّاص والعمّال
والصّنّاع * سمّاهم بنواسرائيل الجنّ والشّياطين لغطاسهم ولكونهم صُمّ الايدى في اعمالهم * و
الّذين كانوا يهاجرون الى ملك بني اسرائيل ويأتون من كلّ فجّ عميق ليخدموهم * وليبنوا مصانع لهم *
ويرفعوا مساكنهم ومساجدهم * وليحرّنوا طبقات الجبال لهم * ويسوقوا مراكبهم على البرّ والبحر نظرًا
الى تسخيرهم الرّيح * ويعدّنوا الاحجار والمعادن لهم نظرًا الى تسخيرهم الجبال واقطاع الارض * كما يعبّد كم
او يستخدمكم المغربيّون الآن لطلب النّفع منكم * وليسخّروا ما خلق الله في السّمٰوٰت والارض جميعًا لهم *
ومع هذا يسمّونكم تسمية الغبراء والحمراء بل يقرّنونكم في الاصفاد لبعض هم فتورعوا لهم فلذلك
قال الله فيهم وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ (٢٧، ١٧) ❋ ولذلك اتى

عليهما لتسخيرهم اشياء الطبيعة ، وسعيهم لاجراء الصنعة والتجارة والعلم في ملكهم وقال في داود
وسليمان إذ يحكمان في الحرث إذ نفشت فيه غنم القوم وكنا لحكمهم شاهدين ۝ ففهمناها سليمان ج و
كلا آتينا حكما وعلما ز وسخرنا مع داود الجبال يسبحن والطير ط وكنا فاعلين ۝ وعلمناه صنعة لبوس
لكم لتحصنكم من بأسكم ج فهل أنتم شاكرون ۝ ولسليمان الريح عاصفة تجري بأمره إلى الأرض التي
باركنا فيها ط وكنا بكل شيء عالمين ۝ (٢١، ٧٨-٨١) ※ وقال في تسخير سليمان للبحر واجراء حكمه عليه
فسخرنا له الريح تجري بأمره رخاء حيث أصاب ۝ والشياطين كل بناء وغواص ۝ وآخرين مقرنين
في الأصفاد ۝ هذا عطاؤنا فامنن أو أمسك بغير حساب ۝ وإن له عندنا لزلفى وحسن مآب ۝
(٣٨، ٣٦-٤٠) ※ وسمى الله داود ذا الأيد لكونه عمالا وبناء في ملكه * ولأنه عمر أرضه أشد عمارة *
ومدن المدائن * واشاع العمران في ملكه وسخر الجبال والطير لتقوية قومه وشد ملكه فقال واذكر عبدنا داود
ذا الأيد إنه أواب ۝ إنا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشي والإشراق ۝ والطير محشورة ط كل له أواب ۝ وشددنا
ملكه وآتيناه الحكمة وفصل الخطاب ۝ (٣٨، ١٧-٢٠) * وأثنى عليه أشد ثناء لأنه بلغ أشد مبلغه في صناعة الحديد
وعمل السبغ * وتقدير السرد * وأثنى عليهما كل تثنية وحمدهما لانهما اسالا على الارض عيونا من الحديد والقطر من الجبال
التي سخرها بواسطة الجن والشياطين وحمل كل هذا على الصلاح والإيمان وعبادة الرب وشكره وقدره حق قدره وقال
ولقد آتينا داود منا فضلا ط يا جبال أوبي معه والطير ج وألنا له الحديد ۝ أن اعمل سابغات وقدر
في السرد واعملوا صالحا ط إني بما تعملون بصير ۝ ولسليمان الريح غدوها شهر ورواحها شهر ج
وأسلنا له عين القطر ط ومن الجن من يعمل بين يديه بإذن ربه ط ومن يزغ منهم عن أمرنا نذقه
من عذاب السعير ۝ يعملون له ما يشاء من محاريب وتماثيل وجفان كالجواب وقدور راسيات ط
اعملوا آل داود شكرا ط وقليل من عبادي الشكور ۝ (٣٤، ١٠-١٣) ※ فهذا ما كان لهما
من علم ومن عقل وفكر في مخلوقاته وهذا ما كانوا يعملون ※ ليعملوا صالحا في الدنيا وليكونوا

فی الآخرۃ من الصلحین ✻ فنبئونی بما صلاحکم فی ھذہ الدنیا ایھا الغافلون الجاھلون ✻ و
بما تشترون بحیاتکم فی العقبیٰ ان کنتم صادقین ✻ فالمفلحون ھم الذین آمنوا باللہ علی علمھم*
وعملوا الصلحت بایدیھم وارجلھم بالحق فاولئک ھم المفلحون ✻ وقد قال اللہ لکم فی امم
خلت من قبلکم وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ مِن فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ۝
وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (۴۴: ۳۰-۳۲) ✻ وقد قال اللہ لکم وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَ
مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ قُل لِّلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ
أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ
تُرْجَعُونَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ
عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (۴۵: ۱۳-۱۶) ✻ فما فضلوا الا لانھم تفکروا فی خلق السموات والارض • وسخروا
لانفسھم ما فیھما وما بینھما وما علیھما بشن امۃ • وآمنوا بالذی خلقہ اللہ بالحق وعملوا صالحا
بالقطر والحدید فجزاھم اللہ بما کانوا یکسبون ✻ وانتم لا ترجون ایام اللہ ولا تبتغون فضلا منہ لانکم
لا تؤمنون ولا تصلحون بل تؤمنون بالظن من دون العلم وتؤمنون بما اطلکم الشریعۃ المحرفۃ • و
ظنونکم المھلکۃ المعطلۃ • ومسائلکم الفقھیۃ الواھیۃ • ما انزل اللہ بھا من سلطن وبینۃ • تحسبون
خلقہ عبثا وباطلا • وتتخذون آیاتہ سحرا وھزوا • تمکرون فی نحوکم وبلاغتکم وسحرکم انکم اولو علم*
وتعتدون بالجان والصوفیۃ والاولیاء لتصلحوا بھم • وتتخذون الٰھۃ من الارض لیمکروا فی توحیدکم ✻
فلا واللہ انتم قوم تجھلون ✻ وقد قال اللہ لکم وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْخَاسِرُونَ ۝ (۲۹: ۵۲) ✻ وقد قال أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَ
عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (۴۵: ۲۱-۲۲) ✻ وقد نبھکم اللہ فی صفۃ العلم بقولہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ

۳ ای من کو سمجھ اولی علم *

لك به علم إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا (١٧: ٣٦) افلا تذكرون ※
فما العلم الا ما يحصل من استعمال السمع والبصر والفؤاد، وما العلم الا ما تشهدون بابصاركم وتسمعون بسمعكم
وتجربونه ليلا ونهارا بفؤادكم، والذي لم تشهد عليه سمعكم وبصركم وفؤادكم هو الظن فما تتبعون
الا الظن وان انتم الا تخرصون ※ ان ربك هو اعلم من يضل عن سبيله وهو اعلم بالمهتدين ٥
(١٦: ١١٨) ※ ولله ما في السموت وما في الارض ليجزي الذين اساءوا بما عملوا ويجزي الذين احسنوا بالحسنى
(٥٣: ٣١) افلا تعقلون ※ فالذين اساءوا واحسنوا واصلحوا في هذه الارض ولم يبتغوا الا العلم ولم
يؤمنوا الا بالحق يجزون بالحسنى ويفلحون ※ وانتم لا تصلحون ولا تؤمنون فلا تجزون الا ما تكسبون ※
وقد وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين
من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا يعبدونني
لا يشركون بي شيئا ومن كفر بعد ذلك فاولئك هم الفسقون (٢٤: ٥٥) ※ فلما لا يستخلفكم
الله ولما لا يبدل خوفكم امنا وهم يخلفون ※ وتتبدلون بقوم غيركم مقصرون ※ ولن يخلف الله وعده
(٢٢: ٤٧) ابدا افلا تسمعون ※ فلا شك انكم لا تؤمنون ولا تعملون الصلحت ولا تعبدونه بل
تشركون به واكثركم الفسقون ※ والمعرفيون هم الذين امنوا وعملوا الصلحت في زماننا هذا
فيستخلفهم الله ويستبدلكم من حيث لا تعلمون ※ اكرهوا كل هذا او لا تكرهوه وسبوا فانه او لا تسبوه
لكنكم لهالكون ※ فانك لا تسمع الموتى ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرين ٥ وما انت بهد العمي
عن ضللتهم ان تسمع الا من يؤمن بايتنا فهم مسلمون (٣٠: ٥٢-٥٣) ※ وحرام على قرية
اهلكنها انهم لا يرجعون (٢١: ٩٥) ※

فيا معشر الهالكين! ويا زحمة الميتين المستهلكين! المتعارفين في زماننا هذا بالمسلمين
المؤمنين! ما لكم لا تتبعون الرسول النبي الذي يضع عنكم اصركم والاغلال التي تقيدكم فالذين

آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (٧: ١٥٧) ※ يدعوكم
لما يحييكم بالعلم والعمل وما الإسلام إلا العلم والعمل بل ما أمر به نبي آخر فاتبعوه لعلكم
تهتدون (٧: ١٥٨) ※ ومن قوم عيسى أمة يهدون بالحق وبه يعدلون (٧: ١٥٩) ※ وما لكم لا تؤمنون و
لا تصلحون ※ النصرانيون قد بلغوا أشد مبلغهم في العلم والعمل وما لكم لا تعلمون ولا تعملون ※ لقد
ورثوا الأرض صعيدها وحزنها وبرها وبحرها فصاروا من عباده الصالحين ※ لقد آمنوا بالتوحيد علماً
وعملاً على قولهم إن الله ثالث ثلاثة (٥: ٧٣) ※ ولقد انتهوا عما كانوا يقولون فاستحق الله منهم العذاب
بل صاروا من المحسنين ※ وما لكم لا تخطئون أرضهم بل يخرجونهم من أرضكم وما لكم كيف تحكمون ※
أفأمنتم أن يذروكم في ما بقي من دياركم آمنين وقد قبضوا على أرض مكتكم والبيت المقدس
مهملين ※ أوأمنتم أن يغفر الله لكم ما قد سلف إن الله غني عن العالمين ※ وكم من أمة ذات
قوة أهلك الله من قبل وما بلغتم معشار ما بلغوا فهل تحسون منهم من أحد أو تسمعون لهم ركزا
سائحين ※ فالحق أنكم لا تسعون أو تدعون ※ تبكون في زواياكم كربات الحجال فلما لا تحلون
من أساور من ذهب ولؤلؤا أسكوا على قسمتكم مشتهى قلبكم صاكين ※ وتلك الأيام يداولها
الله بين الناس ليمحص الذين آمنوا ويمحق الكافرين (٣: ١٤١) ※ ليحق الحق ويبطل الباطل
ولو كره المجرمون (٨: ٨) ※ وإن أنتم تكرهون كل هذا فلما لا ترجعون ※ أو تتوبون ※ ولم
تقولون مكراً أنه لغفور رحيم ※ والله إن ربكم ليس لكم بغفور رحيم ※ فإنه قال والذين عملوا
السيئات ثم تابوا من بعدها وآمنوا إن ربك من بعدها لغفور رحيم (٧: ١٥٣) ※ بل قال ثم إن
ربك للذين عملوا السوء بجهالة ثم تابوا من بعد ذلك وأصلحوا إن ربك من بعدها لغفور رحيم
(١٦: ١١٩) ۞ وقال إلا الذين تابوا من بعد ذلك وأصلحوا فإن الله غفور رحيم (٢٤: ٥) وقال إلا من

※ الإشارة إلى قوله تعالى لقد كفر الذين قالوا إن الله ثالث ثلاثة وما من إله إلا إله واحد وإن لم ينتهوا عما يقولون ليمسن الذين كفروا منهم عذاب أليم أفلا
يتوبون إلى الله ويستغفرونه والله غفور رحيم (٥: ٧٣-٧٤) ※ لا شك في النصرانيين في زماننا هذا قد استغفروا الله وقد تابوا إليه لأنهم لا يعتقدون الآن ما لو
السيء بالعمل الآن مثل الجهلاء منهم بأفواههم ولا يصدقونه كما كانوا يصدقونه في القرون الخالية ولا يؤمنون في قلوبهم أنه ابن الله ولذلك قال أسعفهم (الناشر)

تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ (۲۵: ۷۰، ۷۱) ٭ وقال اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ
اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (۲: ۱۶۰) ✻ فما انتم تعملون السیئات بجہالۃ ٭ وما انتم بتائبین الی اللہ ٭
وما تؤمنون ٭ وما تصلحون ٭ وما تعملون الصّٰلحٰت ٭ وما تبدلون بل تکتمون شہادۃ اللہ ٭ فکیف یبدل
اللہ سیاٰتکم حسنٰت ٭ وکیف یکفر عنکم بالکم السوء ٭ او یغفر لکم بظلم وانتم ظالموا انفسکم بعضکم ٭ وعملکم
عمل الکافرین ✻ فانہ قال وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ (۲۰: ۸۲) افلا تعقلون ✻
بل قال نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ (۱۵: ۴۹، ۵۰) ✻ وقال اِعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۵: ۹۸) ✻ وقال وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ
فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۶: ۱۶۶) ✻ فما هو الا انہ یرفع بعضکم علی
بعض بعد ان یبتلاکم فی نعمکم التی اٰتٰکم ٭ فمن یکفر بالنعمہ یظلم نفسہ فانہ یعذبہم ٭ ومن یشکر بنعمائہ
بل یزیدھم فضلاً ورحمۃ ٭ فانہ قال لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (۱۴: ۷) وما ربکم بظلام للعٰلمین ✻ فَمَنْ
تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۵: ۳۹) ✻ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ
لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ (۴: ۱۷) واللہ بصیر
بما تعملون ✻ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ
وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ (۴: ۱۸) ٭ فمن اٰمن واصلح من قریب غیر باغ ولا عاد ٭ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا
اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (۴: ۱۱۰) فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ
عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۲: ۱۷۳) ✻ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (۳۳: ۵) ✻ افلا تستعملون بتوبتکم خاشعین ✻ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ
(۲: ۲۲۵) فان یعلم یتوب اللہ من بعد ذلک علی من یشاء ؕ وهو لطیف لما یشاء (۱۲: ۱۰۰) اِنَّ اللّٰهَ

(التمہ من صفحہ ۹۱) الاعظم لاختلاف علی الاعلان فی تحریم الاحبار الذی [illegible] [illegible] [illegible] الی الاعلام [illegible] من [illegible] بالوھب [illegible]

غَفُورٌ رَّحِيمٌ (٩: ٢٧) ❁ فيا أيها المسلمون المجاهلون المعاصرون! ويا أيها المتساهلون الباغون العادون! الذين يعملون السيئات بالتعمد وما هم بمضطرين ❁ والذين لا يتوبون إلى الله ويستغفرونه وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (٥: ٧٤) ❁ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (٢٤: ٢٢) ❁ ما كان الله أن يتوب عليكم ولستم بتائبين إليه من قبل، فبل تنتظرون ❁ أن تحل عليكم غضبه ومن تحلل عليه غضبه فأولئك هم الظالمون الهالكون ❁ وكيف تزعمون أن يكون الله لكم غفورا رحيما ولستم بعاملين ما يأمركم رب العالمين ❁ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (١٣: ٦) أفلا تعقلون ❁ فوالله ما ربكم لكم بغفور رحيم ❁ إن هو يغفر إلا للمغربيين النصرانيين المؤمنين الذين يداومون في زماننا هذا على جهادهم بالسيف في الأنفس ليكفوا أيدي الأعداء عنهم ❁ والذين يهاجرون من ملك إلى ملك لتقوية قومهم والذين يصبرون في سعيهم صبرا تاما فإنه قال ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (١٦: ١١٠) ❁ وقال إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (٢: ٢١٨) ❁ وما هو بغافر لأحد أو براحم إلا بالذين يداومون على جهادهم بالمال والإيمان بالآخرة والإيمان بالله وعلى توحيدهم عملا ومعنا فإنه قال وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَاتٍ عِندَ اللّٰهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (٩: ٩٩) ❁ وما يغفر إلا للذين لم يتعرفوا ولم يمردوا على النفاق بل داوموا على وحدة الأمة فإنه قال وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝ وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (٩: ١٠١-١٠٢) ❁ وللذين داوموا على اطاعة أميرهم وآمنوا به

(الصفحة من صفحة ٩٢) او يكونه أن الله إلا في الاسعادة والسعيه وانما نعمد اندكار ... الا الله هو ... هذا ...

ماذا اموا في الارض فاولئك الذين يحبهم الله ويغفر لهم ذنوبهم ويؤيد هذا قوله لمعاصري النبي ﷺ
قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا
اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (٣: ٣٠-٣١) ※ والذين يستأذنون اميرهم
لبعض شأنهم واذا كانوا معه على امر جامع لم يذهبوا حتى يستأذنوه وغضوا اصواتهم عنده ولم يرفعوا
اصواتهم فوق صوته فاولئك الذين يغفر الله لهم فانه قال إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (٢٤: ٦٢) ※ وما هو بغفور رحيم الا للذين يجهدون جهدا بليغا في مكارم
الاخلاق ويسعون ان يزكوا انفسهم عن رجز الشيطان فانه قال يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ
الشَّيْطَانِ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ
مَا زَكَىٰ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ
أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (٢٤: ٢١-٢٢) ※ بل يغفر للذين يدرسون صحيفة الفطرة
ويستنبطون منها قانونه وعلمه فيشكرهم ويزيدهم من فضله ورحمته فانه قال وَمِنَ
النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
غَفُورٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ
تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ (٣٥: ٢٨-٣٠) ※
فيا من لا يعلمون ولا يعملون ! ويا من حق عليهم القول انهم لهالكون ! والله ما ربكم لكم بغفور

※ فالمعنى هو انه من يدرس اعمال الله والكتب التي هو يدرس به فيغفر له بل يزيده من فضله كما زاد الله المصريين علما وفضلا وحكما في زمانهم هذا وقد جاء سر ما اعطى الله لهم في الآيات المعلقة على صفحة [illegible] من هذه الاصحاحة وسائر [illegible] في كتاب التذكرة كرة بعد مرة واما قوله تعالى شكور فتفصيل معنى شكر الله انه يعطيهم بعد رحمهم ويوفيهم اجورهم بعد ما [illegible] والله [illegible] صحيفة الفطرة ※

رَّحِيْمٌ ※ اذ هو يعفو الا للذين يتبعون العشرة المبشرة من اصول الاسلام علماً و معاً و من سبهما
فاولئك هم المفلحون ※ و من صرف عنها فهم لا يسمعون ※ لا في الدنيا و لا في الآخرة ايما
تنظرون ※ وان تستغفروا الا نفسكم سبعين مرة اوسوّوا اليه اكثر منه ما هو الكم او كلما اتكم الاستغفار
فلن يغفر الله لكم ذلك بانكم كفرتم بالله ورسوله وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (٩ ٨٠) ※ وان
تعملوا وتعلموا فان الله غفور رحيم ※ يؤتكم اجوركم من فوز والله ذو الفضل العظيم ※ يستخلفكم
في الارض لتأكلوا من فوقكم ومن تحت ارجلكم خلدين ※ وان تولوا فان هذا الا البلاغ المبين ※
وعليكم اسرافكم ان اصبحتم في الارض مذللين ※ وانه قال لكم يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ
رَّحْمَةِ اللهِ اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهُ مِنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ
الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (٣٩ ٥٣-٥٥) ※ وان لم يستحي الله من ان يهلك قوم نوح وابراهيم
صالح ولوط وشعيب وموسى وغيرهم من انبيائه فلما يستحي من ان يهلك امة محمد افلا
تعقلون ※ وقد قال لكم وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ (١٧ ١٧) مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
(الشعراء) ※ وقال اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ (٣٢ ٢٦) ※ وقال اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (٣٦ ٣١) ※
وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (١١ ١١٧) ※ فيا ايها المسلمون! توبوا الى الله
من قبل ان يأتيكم اليقين ※ فالله لا يستحي منكم ومن العلمين ※ وانه هو الذي مار ذو القوة
المتين ※ واعلموا ان كل واحد منكم في الآخرة من المأخوذين ※ يؤاخذكم فرادا فرادى
※ ولو نلومهما اجوركم محوعين ※ لئلا تقولوا لعل الله يعفوا عني او يغادرني فاكون من المفلحين
وَاِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ (٥٦ ١-٣) ※ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ وَتَرَى

✝ الاشارة الى قوله تعالى استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم ذلك بانهم كفروا بالله ورسوله والله لا يهدي القوم الفسقين (٩ ٨٠)

الارض بارزة (۴۷:۱۸) ❁ وعرضوا على ربك صفاً ❁ فقل لنفس ايتها بما كسبت تفعلين فى الدنيا فرداً مفردة ❁ لانه ما كانت الدنيا الا مزرعة للاخرة ❁ ايتها بما كنت تشركين بالله سراً وعلانية ❁ وان عليك ما كنت تفعلينه وعلينا ما نفعله ❁ واهلى نكاء وتعرية ❁ فعليك لترضى قلبك وتحلى سرك ❁ فالان نفعل ما رضينا وترضينه ❁ ادخلى فان لكم نار حامية ❁ لانكم كنتم تستحبون الحيوة الدنيا وتذرون العاقبة ❁ و ما كنتم تفعلون ما امرتكم لتكونوا فى الدنيا فى عيشة راضية ❁ متكئين على سرر متقابلة ❁ فادخلوا نار الله الموقدة ❁ فيها طماً ونصبٌ وتصلية ❁ خالدة بافية ❁ فيا ايتها النفس اهلى جزعاً وفزعاً ❁ وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (۷۱:۱۹) ❁ فانه قال وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا (۴۷:۱۸) ❁ لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فرادا فرادا بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّن نَّجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا (۴۸:۱۸) ❁ فيا اسفاً وعجباً ما لكم تشركون بالله ولا تصلحون ❁ وتقولون ولا تفعلون ❁ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (۳:۶۱) ❁ افعلوا فان الله غفورٌ رحيم ❁ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

وانظر الى كل ما تقدم فى لوازم الايمان وشرائطه القول الفيصل الذى لا يرتاب به هوان **كل** هذه العشرة من اصول الاسلام هى **الايمان** * فمن صرف عنها فى اى زمان ومكان **سقط** ايمانهم بالله بل **كفروا** به اشد كفرا * ومن سعى لها سعياً تاماً ليلاً ونهاراً فهم الذين اسلموا بل امنوا عندهٗ * واولٰئك الذين يغفر الله لهم ويرحمهم فى الدنيا والاخرة من دون العالمين ❁ وما الايمان بان تقولوا امنا بافواهكم بل ان تصدقوا ما فى قلوبكم بالجهد والعمل فى سبيله لو كنتم تعلمون ❁ وما الايمان اصلاً الا ان تفعلوا ما انتم به تؤمرون ❁ فوالله ما امرئ باحلٍ

حتیٰ اسلم وجههٗ له * ولم یصل منه وله حتیٰ اعتصم بامرہٖ وقانونه * ومن اعتصم بمولاہ
ثم استقام فلا شك فی انه کان من الناجین * ووالله ما یعمل احدٌ کل هٰذہ العشرۃ حتیٰ فعله
الّا من اشعر نفسه التوحید * واستعمر الله قلبه من دون سائر الالهة * وشرح صدرہ للعمل
لیشاکل قوله فعله * ومن قدّم لنفسه هٰذہ الاعمال الاخرۃ بردّ جماعته الیٰ معاد ومن اغاروہ
بها فاولٰئك من الصّٰلحین * وما هٰذہ العشرۃ الا قانون مولٰکم الله فی هٰذہ الارض وسنّته *
وسنّة کل امّة مسلمة التی اصلحت ثمّ افلحت فی الدّنیا * بل سنّة اللهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُۚ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِیْلًا (٣٣ ؍ ٦٢) افلا تذکرون * وانّ منکم لمن یؤمن بحکمة هٰذا
القانون علیٰ علمهٖ فیهدی قومه علیٰ بصیرۃ من ربّه * وانّ منکم لمن یعتقد بن القانون مرتسمًا
فیتّبعه اتّباعًا الکبرآئه * وانّ منکم من ینتفع بعمله ومن یُلمّع بعلمه * ومنکم من یطیع بایدٖیه
وارجله ومن یطاع بسمعه وبصرہٖ وفؤادہٖ * ومنکم سابقٌ بالخیرات ومقتصدٌ ومن هو ظالمٌ
لنفسه * فیا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لتمرّوا
من هٰذا القانون، فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍۚ (٥٥ ؍ ٣٣) منه فانّه ما خلق الجنّ والانس
الّا لعبادته ولَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ (٣ ؍ ٨٢) * ارجعوا یا ایها
الثقلین من قبل ان یاتیکم الیقین * وانیبوا الیٰ ربّکم ان اردتم ان تکونوا من المفلحین *
انیبوا الاانّ الله لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (١٣ ؍ ١١) وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَکْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ
لَا یَرْجِعُوْنَ (٢١ ؍ ٩٥) * وذروا الشرکاء الجنّ والهتکم التی تشغلکم عن السّعی والعمل کلّا و قاطبة
ان کنتم مؤمنین * ارجعوا فرادا وارجعوا جمیعًا فانکم الیٰ ربّکم تحشرون * ووالله لا یفلح
احدٌ منکم فی الاخرۃ حتیٰ یفلح قومه فی الدّنیا ومن افلح قومه وَانْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ (٤٢ ؍ ٤١) وشرکه
فاولٰئك من المفلحین * ومن یفعل کلّ هٰذہ العشرۃ وما یلیها من الاوامر ویصدق فی ایمانه بالعمل

فهم الذين يفلحون فى هذه الدنيا يما تنظرون ❁ وهم الذين يدومون فداموا فى الارض عاليين ❁
ومن صرف عنها وكذب فاولئك من الهالكين ❁ فمن امن امن * ومن اسلم وجهه له سلم * واولئك
هم المسلمون المؤمنون حقا صدقا عما قال القائلون وكذب الكاذبون ❁ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ
بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ (٨: ٤٢) وان الله ليس بظلام للعلماء ❁ ولذلك قال الله لكم فى
الامم الهالكة التى خلت من قبلكم فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ
(٢٦: ١٣٩) ❁ فبالايمان الآن تمسوا فى الارض امنين ❁ ليصلحوا بالكم فى الدنيا وليكونوا
فى الاخرة من المامونين ❁ ويوم نحشركم جميعا فيقول لجنتكم واوليائكم الذين قالوا لكم
ان الدين هو دين القتال والقيل * ليضلوكم عن سواء السبيل * يَٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ
(٦: ١٢٩) ليصلحوا بال انفسكم فى الدنيا وحزبهم عبادى فانهم كانوا قوما لا يعقهون ❁ قد استمتعتم
من عبادى الذين لم يعبدونى وكانوا يعبدونكم بحذ ما لم استمتع منهم * ولم ارد منهم من رزق ولم
ارد منهم ان يطعمون ❁ قد استنفعتم منهم كثيرا الا انهم كانوا يريدونكم ولم يريدونى * وكانوا
يعوذون بكم ولم يعوذوا بى * وصاروا مريدين لكم ولم يصيروا مريدى * وكانوا يحبونكم اشد حبا
ولم يحبونى معشار حبهم لكم * فانهم كانوا يفعلون ما امرتم وما كادوا يفعلون ما امرتهم * يقرضونى
قرضا سيئا ويقرضونكم قرضا حسنا * يجعلون لله مما ذرا من الحرث والانعام (٦: ١٣٧) والمال نصيبا
خبيثا ويجعلون لكم نصيبا طيبا * بَلْ يَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ ۙ (١٦: ٥٧) ولكم ما تشتهون ❁
وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (١٦: ٥٨) ❁ وكنتم تخرون اذ يا لكم على الارض
من النعم * وتتخذون بيوتا لكم من الذهب والفضة * وحشا لكم من العسل واللبن * وكنتم تحبون
انفسكم منهم ليعبدكم اشد عبادة ولو كنت غائبا عنهم فى غيبت السماء والارض فلم يعبدونى * وكانوا
ينفقون فى سبيلكم ليعلموا الغيب منكم وكنت اعلم الغيب فلم ينفقوا حبة خردل فى سبيلى * بل

كانوا يعمهون دينكم ليخذلوا ولم يعمهوا دينهم ولو انهم اقاموا دينهم لاكلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم

(٥ ٦٦) * وقال اولياؤهم من الانس ربنا استمتع بعضنا ببعض وبلغنا اجلنا الذي اجلت لنا قال النار

مثواكم خلدين فيها الا ما شاء الله ان ربك حكيم عليم ، وكذلك نولي بعض الظلمين بعضا بما كانوا

يكسبون ، يمعشر الجن والانس الم يأتكم رسل منكم يقصون عليكم ايتي وينذرونكم لقاء يومكم

هذا ، قالوا شهدنا على انفسنا وغرتهم الحيوة الدنيا وشهدوا على انفسهم انهم كانوا كفرين ، ذلك ان

لم يكن ربك مهلك القرى بظلم واهلها غفلون ، ولكل درجت مما عملوا ، وما ربك بغافل عما

يعملون ، وربك الغني ذو الرحمة ان يشأ يذهبكم ويستخلف من بعدكم ما يشاء كما انشأكم من ذرية

قوم اخرين ، ان ما توعدون لات وما انتم بمعجزين ، قل يقوم اعملوا على مكانتكم اني عامل فسوف

تعلمون من تكون له عاقبة الدار انه لا يفلح الظلمون (٦ ١٢٩-١٣٦) * ولقد ذرأنا لجهنم كثيرا

من الجن والانس لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون

بها اولئك كالانعام بل هم اضل اولئك هم الغفلون (٧ ١٧٩) * يوم تقلب وجوههم في النار

يقولون يليتنا اطعنا الله واطعنا الرسولا ، وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وكبراءنا فاضلونا السبيلا ، ربنا اتهم ضعفين

من العذاب والعنهم لعنا كبيرا (٣٣ ٦٦-٦٨) * وقال الذين كفروا ربنا ارنا الذين اضلنا من الجن والانس نجعلهما تحت

اقدامنا ليكونا من الاسفلين (٤١ ٢٩) كما جعلونا اسافل له وضعا في اباءنا ورثنا * يا ايها الغفلون

من الجن والانس لما لا تسمعون هذا القران الذي يهديكم الى الرشد ويهديكم صراطا مستقيما *

ويا كبراء الخلق من الجن واحبار الاسلام لم تستكثرون من الانس افواجا وتجمعون وراء ظهوركم

احزابا * لتقطعوا قومكم وتفرقوا دينكم فريقا فريقا * ولتشركوا بالله فانه قال ولا تكونوا من المشركين

من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا (٣٠ ٣١-٣٢) * لما لا تجمعون الذين يعوذون بكم من الانس على الهدى و

لا تهدونهم طريقا سويا * كبراء الخلق من الامم الاخرى والجنة يهدون اناسهم الى العلم والفضل والحكم

وانتم تصعقونهم لتقتلوهم ومن تحقوا بهم جميعًا ❁ العامة من الناس يؤمنون بكم لتهديهم بعلمكم

وتذاكركم وفطانتكم ❁ وهم لا يزالون يستمسكون بأذيالكم ويظنون بكم ظنونًا ليعلموا في الدنيا بوساطة

النور الذي يسعى في أذهانكم والنار التي تسري في أعصابكم وطيشكم وانتم تستعملون نوركم وناركم

لتصلوهم صليًا مقصيًا ❁ خلق الانس من طين وعجل وحمأ وانتم خلقتم من نار ونور ونار ❁ كانكم

أعلام في رأسها نار لما انتم الهداة بكم ❁ ولكن سلطانكم من السادات والاحبار والرهبان يفسقون عن

أمر ربهم ويجعلون للناس فخوخًا ومصائد لتصلوهم ضلالًا مبينًا ❁ ما للناس اتخذوكم أربابًا من

دون الله وما لكم تشركون بالله وتحشرون الناس على عبادتكم لتجعلوا أحبارًا لأنفسكم ولتجعلوا أسرًا لهم وما

لكم تدعون انكم تملكون لهم ضرًّا أو رشدًا ❁ تدعون ان تجيرونهم من عذاب الله وتعلمون الغيب

لتستكثروا لانفسكم من الخير ولتبتغوا سببًا ❁ أم عندكم خزائن ربكم أم انتم المُصَيْطِرُونَ في الارض

منصبًا ونسبًا ❁ أم لكم سُلَّمٌ (٣٨.٥٢) تستمعون فيه سر آثر ربكم فليأت مستمعكم بسلطان مبين من

العرش هبطًا ❁ وقد بعث الله رسولكم السني الامين الذي لم يكن مثله في الدهر أبدًا ❁ ببيانه أنه

يبلغ رسالته فقط ولا يدعي من دونه شيئًا ❁ وقال قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝ قُلْ

إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۝ قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ ۝ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝

إِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا

يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ۝ قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي

أَمَدًا ۝ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ

وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (٧٢: ٢-٢٨) ❁

فما لكم لا تبلغون رسالات ربكم لا زيادة ولا نقصًا ❁ ولا تخيرون انفسكم منه باتباع سنته معنًى وعملًا

وما لكم تكتمون ما أنزل الله من البينات والهدى من بعد ما بينه للناس في الكتاب (٢: ١٥٩) وتقولون ما كتب الله

علینا القتال والهجرة والجهاد بالمال ٭ وما کتب علینا اطاعة الامر والاستقامة فی الافعال ٭ ووحدة الامة وتوحید فی الاعمال ٭ والایمان بالآخرة ومکارم الاخلاق وعلم السموٰت والارض والجبال ٭ بل ما کتب علی الاخلاف الا العقائد والاقوال ٭ فالذین یکتمون ما انزل الله من الکتٰب ویشترون به ثمنا قلیلا اولٰئک ما یاکلون فی بطونهم الا النار ولا یکلمهم الله یوم القیٰمة ولا یزکیهم (۲: ۱۷۴) و اعد الله لهم عذابا نکرا ٭ وان استطعتم یمعشر الجن ان تنفذوا من اقطار السموٰت والارض لتفروا من قانونه تعالیٰ او تعجزوه هربا لا تعجزونه فرارا وعدوا ٭ ولو لمستم السماء فما قاس تصرا من ملکوته و حکمته لکونکم اولی علم وسیاروطاقة فی زعمکم لوجدتموها ملئت حرسا شدیدا وشهبا (۷۲: ۸) ٭ فلما لا کتب الله علیکم القتال وسائر مخلوقاته من الدآبة والطیور والانعام وغیرها یعملون ویقتلون لیحفظوا انفسهم من اعدآئهم حفظا ٭ والی ای حیوان او نبات نظرتم وجدتموه حافظا لنفسه شوکة ومنقارا او اسنانا وقرنا ٭ وفی ای ثمر او زرع او اصل سطر من تجدونه جاهدا فی سبیله سعیا وعملا ٭ و النجم یجدونه سالکا سبل ربه طوعا وذللا ٭ اونکم صم کل هذه امر من شرکائکم و اولیائکم احد سویٰ ٭ افهم یسجدون لحکمکم ام لاحد سواکم الجبار المهیمن الاعلیٰ ٭ ام لکم شرک فی السموٰت فعولوا انحن تصرف حیث شاء ملکوته الادنیٰ ٭ ام کان لکم علم بالملا الاعلیٰ فهجرتم انحن تصرف سنته فی الارض لیکون للانسان ما یرضیٰ ٭ فتبارک الذی یسجد له کل من خلق ولا یسجد لاحد سواه اصلا ٭ ولما لا کتب الله علیکم التوحید فی العمل من دون ما تمکرونه قولا ولفظا ٭ فالعاملون والحافظون والطائعون هم الذین یؤتون من عند ربهم اجرا حسنا ٭ فی رما ساهذا انما تنظرون الیه نظرا ٭ والقاتلون لا یبالیهم الله نقرا ابدا ٭ وان وجب علیٰ معاصری النبی القتال وشیء لکم فهل تحسبون فی سنة الله بدلا ٭ ام کیف تصعدون من السماء مقاعد المستمع حتی یبدل الله کلمته وقد قال ما یبدل القول لدی (۵۰: ۲۹) ولا ابدل وعدا ٭ وان لم یکن للانبیاء ان یقاتلوا الکفار والاعداء الا للا...

وحال الناس كما تقولون فلما ارسل سليمن الى امرأة سبا كتابا والقى عليها قولا غلظا ❁ الا تعلوا على
وأتوني مسلمين (٢٧: ٣١) تتركون في بيوتكم وجنتكم حظا وامنا ❁ وان لم تنتهوا عن بكم عذابا
بئسا ❁ فيا معشر الجن والانس لم تفترون على الله كذبا وهجرا ❁ ويقولون انما الاعمال للذين حلوا
وان لنا ما نقول نظرا وعقدا ❁ وان كان الاسلام دينكم بافواهكم فلما قال نبيكم للذي سئله ما الاسلام
انما هو السمع والطاعة والجهاد بالسيف والهجرة والايمان بالله سعيا وعملا ❁ ولما لا قال يكفيك ان تعبد
احدا وان لا تشرك به حجرا ❁ وانه كان في عهد النبي من اليهود رجال مثلكم من الجن يستعاذون
برجال من الانس وكانوا يجيرونهم كما يعوذ الناس بكم وتجيرونهم الان * ويبتون الناس بالغيب في زعمهم
كما تفعلون باحزابكم * ويلمسون السماء ليعلموا امر الله او يخبروه بمكرهم وتخريبهم سنة الله * ويزعمون
انهم اتخذوا في السماء مقاعد السمع كما تزعمون الان لتخدعوا الناس * صرفوا الى رسولنا يستمعون القرآن
فلما حضروه قالوا انصتوا فلما قضي ولوا الى قومهم منذرين (٤٦: ٢٩) كلا ❁ قالوا يقومنا انا سمعنا
كتابا انزل من بعد موسى مصدقا لما بين يديه يهدي الى الحق (٤٦: ٣٠) وانا سمعنا قرآنا عجبا يهدي الى
الرشد فامنا به ولن نشرك بربنا احدا (٧٢: ١-٢) ❁ تصدق ما يجري بين يديه في العادة و
ويؤيد ما يجري بين يديكم من سنة الله نظرا وعملا ❁ يقومنا اجيبوا داعي الله وامنوا به يغفر لكم
من ذنوبكم ويجركم من عذاب اليم (٤٦: ٣١) من دون ما تخبركم كذبا ومكرا ❁ ومن لا يجب داعي الله
فليس بمعجز في الارض وليس له من دونه اولياء (٤٦: ٣٢) فبئس ما اتخذتمونا اولياءكم وارباباكم
وبئسما تزعم ان تعجز الله هربا ❁ وانه تعالى جد ربنا ما اتخذ صاحبة ولا ولدا ❁ وانه كان يقول
سفيهنا على الله شططا (٧٢: ٣-٤) ❁ وانا امنا ولكم واحبطنا اعمالكم بالشرك والظلم فلا تقدر
الان ان نبعثكم حيا ❁ بل جعلنا قلوبكم قسية ان لن يبعث الله الى يوم القيمة احدا ❁ ولا يبعثكم
الان بعد موتكم شيء الان لا تنشر كواكبكم احدا اصلا ❁ اولم يروا ان الله الذي خلق السموت و

الارض ولم يعى بخلقهن بقادر على ان يحيى الموتى (٤٦: ٣٣) بلى ان ربنا بعد رعلى كل شئ حدثا ۞ و

انا ظننا ان لن تقول الانس والجن على الله كذبا ۝ وانه كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن

فزادوهم رهقا ۝ وانهم ظنوا كما ظننتم ان لن يبعث الله احدا ۝ (وقالوا) انا لمسنا السماء فوجدنها ملئت

حرسا شديدا وشهبا ۝ وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الان يجد له شهابا رصدا ۝ وانا

لا ندري اشر اريد بمن في الارض ام اراد بهم ربهم رشدا ۝ وانا منا الصلحون ومنا دون ذلك كنا

طرائق قددا ۝ وانا ظننا ان لن نعجز الله في الارض ولن نعجزه هربا ۝ وانا لما سمعنا الهدى امنا به

فمن يؤمن بربه فلا يخاف بخسا ولا رهقا ۝ وانا منا المسلمون ومنا القاسطون فمن اسلم فاولئك

تحروا رشدا ۝ واما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا ۝ وان لو استقاموا على الطريقة لاسقينهم ماء

غدقا ۝ لنفتنهم فيه ومن يعرض عن ذكر ربه يسلكه عذابا صعدا ۝ وان المسجد لله فلا تدعوا مع الله

احدا ۝ وانه لما قام عبد الله يدعوه كادوا يكونون عليه لبدا ۝ (٧٢: ٥-١٩) ۞ فيا معشر الجن

المعاصرين لم تتخذون مساجد الناس لكم ليلا او نهارا اتتمكروا انكم تستمعون على الطريقة وقد قال الله

واقيموا وجوهكم عند كل مسجد وادعوه مخلصين له الدين ۝ (٧: ٢٩) وادعوه خوفا وطمعا (٥٦) ۞

ولما قيضت لكم قرناء وزينوا لكم ما بين ايديكم وما خلفكم من عذاب ربكم جهلا وبلها ۞ فانه قد حق

عليهم القول في امم قد خلت من قبلهم من الجن والانس (٤١: ٢٥) وقد احق عليكم ربكم عذابا نكرا ۞

ولو انكم اقمتم دين الله وسنته لاكلتم ان دوم من بعدكم من فوقكم ومن تحت ارجلكم مل

اعينكم جدلا ۞ فتعلى الله الملك الحق (٢٠: ١١٤) وقولوا لا نشرك بربنا احدا ۞ وقولوا لا نشرك لربنا ابدا ۞ ح

مع الاشارة الى قوله تعالى وقيضنا لهم قرناء فزينوا لهم ما بين ايديهم وما خلفهم وحق عليهم القول في امم قد خلت من قبلهم من الجن والانس انهم كانوا خسرين ۝ (٤١: ٢٥) يعنى جعل الله لهم اولياء في الناس يا بينهم يقولون لهم انهم محسنون فيما يصنعون وقد احسنوا فيما قد سلف فلذلك لا يزالون يضلون الناس عن سبيله حتى يذكر الله كلهم من الجن والانس اى اكابرهم واصاغرهم ، ولا شك في ان كبراء الخلق هم الذين يضلون العامة من الناس والناس لا يزالون يثنون عليهم ليضلوهم فيشهد على قولى ان الله ما عنى بالجن الا اكابر الخلق قوله: حتى اذا جاءتهم رسلنا يتوفونهم قالوا اين ما كنتم تدعون من دون الله قالوا ضلوا عنا وشهدوا على انفسهم انهم كانوا كفرين ۝ قال ادخلوا في امم قد خلت من قبلكم من الجن والانس في النار كلما دخلت امة (اى حزب من الانس) لعنت اختها (اى حزبا من الجن) حتى اذا اداركوا فيها جميعا قالت اخرىهم (اى الانس) لاولىهم (اى الجن) ربنا هؤلاء اضلونا فاتهم عذابا ضعفا من النار قال لكل ضعف ولكن لا تعلمون ۝ وقالت اولىهم (اى حزب الجن) لاخرىهم (اى حزب الانس) فما كان لكم علينا من فضل فذوقوا العذاب بما (الباقي)

في ان العشرة المبشرة من اصول الاسلام تصدر من الاتقاء وما الاتقاء الا اساس هذه الاصول.

ولا شك في ان كل واحد من العشرة المبشرة التي تقدم ذكرها من لوازم الاتقاء من دون الايمان فمن اتبعها علماً وعملاً وسعى لها سعياً بليغاً فاولئك هم المتقون * صدقاً عنا قال فيهما كالذين لا يعلمون * الذين قالوا انه من يتبعهم او يتأثر مثل ما تعتموا او يأثروا وارسلوا الحاهم فاولئك من المتقين * فاما التوحيد في العمل فحمله الله على الاتقاء وقال يٰأيها الناس اعبدوا ربكم الذي خلقكم والذين من قبلكم لعلكم تتقون (٢١:٢) * لانه من يتق ربه اشد خشية فهو الذي يعبده بالحق ومن يعبده بالحق فهو الذي ينقذه من دون العٰلمين * واما وحدة الامة في التوصل من اتقاء الله خاصة ويدل على هذا قوله وان هٰذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون ○ (٥٢:٢٣) * لانه من يتق ربه حق تقته فلا يكادون ان يتنازعوا بينهم من خوف عذابه لانه قال فيهم يٰأيها الذين اٰمنوا اتقوا الله حق تقٰته ولا تموتن الا وانتم مسلمون ○ واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا ○ واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا ○ وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها كذٰلك يبين الله لكم اٰيٰته لعلكم تهتدون ○ (١٠٢-١٠٣:٣) * ولذلك قال انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون ○ (١٠:٤٩) * واما اطاعة الامير وهي التي تصدر ايضاً من اتقاء الله ويشهد عليه قوله فاتقوا الله واصلحوا ذات بينكم واطيعوا الله ورسوله ان كنتم مؤمنين ○ (١:٨) * وقوله للاعراب اذ كان الرسول يأمر عليهم ان الذين يغضون اصواتهم عند رسول الله اولٰئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى لهم مغفرة واجر عظيم ○ (٣:٤٩) * لانه من يتق اميره يتق الله ويخاف عذابه الذي يصدر من عصيان الامير ولذلك قال الله عز وجل يٰأيها الذين اٰمنوا استجيبوا لله وللرسول اذا دعاكم لما يحييكم واعلموا ان الله يحول بين المرء وقلبه وانه اليه تحشرون ○ واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة ○ واعلموا ان الله شديد العقاب ○ (٢٤:٨-٢٥) *

(التعليقة من صفحة ١٠٣) كنتم تكسبون ○ (٣٧-٣٩) ○ ولا رجع العادي الى قوله تعالى (٢١:١٣) و (١٤:٣٧) على ما سلف على صفحات ١٥-١٦ تحت المتن (الباقي)

واما الجهاد بالمال والانفس والهجرة فحملها الله كلها على الاتقاء ويؤيد هذا قوله تعالى يا ايها الذين امنوا قاتلوا الذين يلونكم من الكفار وليجدوا فيكم غلظة ۚ واعلموا ان الله مع المتقين (٩-١٢٣) * وقوله وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة ۚ واعلموا ان الله مع المتقين (٩-٣٦) * وقوله يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا في سبيله لعلكم تفلحون (٥-٣٥) * وقوله لا يستاذنك الذين يؤمنون بالله واليوم الاخر ان يجاهدوا باموالهم وانفسهم ۗ والله عليم بالمتقين (٩-٤٤) * وقوله وسارعوا الى مغفرة من ربكم وجنة عرضها السموات والارض اعدت للمتقين ۝ الذين ينفقون في السراء والضراء والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس ۗ والله يحب المحسنين (٣-١٣٣-١٣٤) * واما الاستقامة في السعي فحملها الله على الاتقاء ويدل عليه قوله تعالى والصابرين في الباساء والضراء وحين الباس ۗ اولئك الذين صدقوا ۖ واولئك هم المتقون (٢-١٧٧) * وقوله فلا تهنوا وتدعوا الى السلم وانتم الاعلون ۖ والله معكم ولن يتركم اعمالكم انما الحيوة الدنيا لعب ولهو ۚ وان تؤمنوا وتتقوا يؤتكم اجوركم ولا يسئلكم اموالكم (٤٧-٣٥-٣٦) * وقوله قال موسى لقومه استعينوا بالله واصبروا ۖ ان الارض لله يورثها من يشاء من عباده ۖ والعاقبة للمتقين (٧-١٢٨) * وقوله يا ايها الذين امنوا اذكروا نعمت الله عليكم اذ هم قوم ان يبسطوا اليكم ايديهم فكف ايديهم عنكم ۖ واتقوا الله ۚ وعلى الله فليتوكل المؤمنون (٥-١١) * واما مكارم الاخلاق فحملها الله معظمها على الاتقاء ويشهد على هذا قوله في التصديق بالعمل والذي جاء بالصدق وصدق به اولئك هم المتقون (٣٩-٣٣) * وقوله في ايفاء العهد بلى من اوفى بعهده واتقى فان الله يحب المتقين (٣-٧٦) * وقوله في ايفاء العهود بالاعداء الا الذين عاهدتم من المشركين ثم لم ينقصوكم شيئا ولم يظاهروا عليكم احدا فاتموا اليهم عهدهم الى مدتهم ۚ ان الله يحب المتقين (٩-٤) * وقوله في التصديق بالعمل يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين (٩-١١٩) * وقوله وليخش

(التتمة من صفحة ١٠٢) من هذه الاسماحة للترجيح المراد

الذين لو تركوا من خلفهم ذرية ضعافا خافوا عليهم فليتقوا الله وليقولوا قولا سديدا (٤: ٩) * وقوله يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا (٣٣: ٧٠) * وقوله في الربوا يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافا مضاعفة واتقوا الله لعلكم تفلحون (٣: ١٢٩) * وقوله في العدل يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى واتقوا الله إن الله خبير بما تعملون (٥: ٨) * وقوله في القصاص فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقين (٢: ١٩٤) * وغيرها من الأقوال التي لم أذكرها مخافة التطويل * وأما **العلم** فحمله الله على **الاتقاء** واستدل عليه بقوله إن في اختلاف الليل والنهار وما خلق الله في السموات والأرض لآيات لقوم يتقون (١٠: ٦) * وقوله وما خلقنا السماء والأرض وما بينهما باطلا ذلك ظن الذين كفروا فويل للذين كفروا من النار أم نجعل الذين آمنوا وعملوا الصالحات كالمفسدين في الأرض أم نجعل المتقين كالفجار (٣٨: ٢٧-٢٨) * لأنه من حسب خلقه باطلا ولم يتعلم منه فقد كفر وفجر * ومن طلب العلم منه فأولئك هم المتقون * ويشهد على هذا قوله إنما يخشى الله من عباده **العلماء** (٣٥: ٢٨) فالعلماء هم الذين يعرفونه حقا وبه يتقون * وأما **الإيمان بالآخرة** فحمله الله على **الاتقاء** بقوله ذلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين الذين **يؤمنون بالغيب** ويقيمون الصلاة ومما رزقناهم ينفقون والذين يؤمنون بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك وبالآخرة هم يوقنون (٢: ٢-٤) * وما **يؤمن** أحد منكم **بالغيب** حتى يتقي ربه **بالغيب** فلذلك قال الله ولقد آتينا موسى وهارون الفرقان وضياء وذكرا للمتقين الذين يخشون ربهم بالغيب وهم من الساعة مشفقون (٢١: ٤٨-٤٩) وغيرها من الأقوال التي لم أذكرها هنا فقد تروا إن أنتم قوم تتفكرون * ولا شك في أن كل هذه الأعمال التي تصدر من **الاتقاء** من لوازم **الإيمان** لأنه قال فاتقوا الله إن كنتم

مُؤْمِنِيْنَ (۵،۰۵) * ومن یتق اللہ حق تقاتہ ویعمل کل ھذہ الاعمال لتصدیقہ لابد لھم من ان

یغلبوا فی ھذہ الدنیا ماداموا فی الارض ولابد لھم من ان ینصرون * ولذلک قال اللہ عزوجل

فیھم وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا ای

بالعمل فَاَخَذْنٰھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (۹۶،۷) * وقال قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃٌ وَاَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ

حِسَابٍ (۱۰،۳۹) * ومن یتق اللہ مثل ھذا فی ھذہ الدنیا لابد لھم من ان یبدل اللہ مکانھم السیئۃ

الحسنۃ ویکفر عنھم سیاٰتھم فی ھذہ الدنیا ویفضلھم علی العلمین * فلذلک قال اللہ فیھم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا وَّیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ

الْعَظِیْمِ (۲۹،۸) * ومن یتق لابد لھم من ان یورثہ اللہ الارض فلذلک قال اللہ فیھم فَاَوْحٰی

اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ لَنُھْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِھِمْ ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ

وَعِیْدِ ۙ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ (۱۴،۱۳-۱۵) * ومن یتق اللہ بعمل ھذہ الاعمال

لابد لھم من ان یصیروا فی ھذہ الدنیا من الفائزین * فلذلک قال اللہ فیھم وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ

یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ۙ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ۭ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ

اَمْرِہٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (۶۵، ۲-۳) * وقال وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا ذٰلِکَ اَمْرُ

اللّٰہِ اَنْزَلَہٗٓ اِلَیْکُمْ ۭ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُعْظِمْ لَہٗٓ اَجْرًا (۶۵، ۴-۵) * ومن یتق اللہ مثل

ھذا لابد لھم من ان یکون لھم فی ھذہ الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ فلذلک قال اللہ فیھم

وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ ۭ قَالُوْا خَیْرًا ۭ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَۃِ

خَیْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَھَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ لَھُمْ فِیْھَا مَا یَشَآءُوْنَ ۭ

کَذٰلِکَ یَجْزِی اللّٰہُ الْمُتَّقِیْنَ (۱۶، ۳۰-۳۱) * وقال وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۶، ۳۲)

ولذلك قال ولمن خاف مقام ربه جنتن (۵۵: ۴۶)* وقال ان المتقين فى جنت وعيون ٭ اخذين ما اتهم ربهم انهم كانوا قبل ذلك محسنين (۵۱: ۱۵-۱۶)* وقال ان المتقين فى جنت ونعيم ٭ فكهين بما اتهم ربهم ووقهم ربهم عذاب الجحيم ٭ كلوا واشربوا هنيئا بما كنتم تعملون ٭ متكين على سرر مصفوفة وزوجنهم بحور عين (۵۲: ۱۷-۲۰)* وقال ان المتقين فى جنت وعيون ٭ ادخلوها بسلم امنين (۱۵: ۴۵-۴۶)* وقال ان المتقين فى مقام امين ٭ فى جنت وعيون ٭ يلبسون من سندس واستبرق متقبلين ٭ كذلك وزوجنهم بحور عين ٭ يدعون فيها بكل فاكهة امنين ٭ لا يذوقون فيها الموت الا الموتة الاولى ووقهم عذاب الجحيم ٭ فضلا من ربك ذلك هو الفوز العظيم (۴۴: ۵۱-۵۷) * وقال فى بالهم فى الآخرة وسيق الذين اتقوا ربهم الى الجنة زمرا حتى اذا جاءوها وفتحت ابوابها وقال لهم خزنتها سلم عليكم طبتم فادخلوها خلدين ٭ وقالوا الحمد لله الذى صدقنا وعده واورثنا الارض (من قبل سنوا) من الجنة حيث نشاء فنعم اجر العملين ٭ وترى الملئكة حافين من حول العرش يسبحون بحمد ربهم وقضى بينهم بالحق وقيل الحمد لله رب العلمين (۳۹: ۷۳-۷۵) * فدبروا يا ايها الفقهاء الجهلون المعاصرون* ما الاتقاء بما زعمتم وما هى بالذى انتم به تهجرون * ان انتم الا تقولون على الله ما لا تعلمون * وما تفرقتم الا من بعد جاءكم العلم بغيا بينكم ان ربك يقضى بينكم يوم القيمة فيما كنتم فيه تختلفون* وقال الرسول يرب ان قومى اتخذوا هذا القران مهجورا (۲۵: ۳۰) افلا تذكرون * وقالوا انما الاتقاء هو عمائم وتسابيح والاقوال والاسماء ولحا واساليب الاستنجاء والالبسة وغسل الجنابة وكلمات الكفر والنوافل وحفظ القران كالببغاء من دون الاعمال ما انزل الله بها من سلطن (۵۳: ۲۳) فسحقا لاصحب الجحيم * افلم يدبروا القول ام جاءهم ما لم يات اباءهم الاولين ٭ ام لم يعرفوا رسولهم فهم له

---

* اى جنت الارض والجنة الآخرة واشار اليه عزوجل فى كل ما يلى هذه الآية (اى الآيات (۵۱: ۱۵-۱۶) و(۵۲: ۱۷-۲۰) و(۱۵: ۴۵-۴۶) و(۴۴: ۵۱-۵۷)
الى جنت الارض لا الى الجنة الآخرة وفى قوله (۳۹: ۷۳-۷۵) الى الجنة الآخرة وجنة الارض واما قوله وزوجنهم بحور عين فى الآيات السابقة على صحيحه

* الاشارة الى قوله تعالى واتينهم بينت من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاءهم العلم بغيا بينهم ان ربك يقضى بينهم يوم القيمة فيما كانوا فيه يختلفون (۴۵: ۱۷) ٭

مُنكِرُونَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ۝ (٢٣: ٦٨-٧٠) ☼ والله ما قال رسولكم لكم ان تحفظوا الفاظ القرآن فى صدوركم كالببغاء او تحملوها مثل الحمار يحمل اسفاراً بل اصر على ان تحفظوا مطالبها ومقاصدها واوامرها ونواهيها ليتبين لكم ما الاتقاء عند الله وما شرائطه ولوازمه مثل ما تقدم ٭ ولتذكروا فى انفسكم ما الايمان ولوازمه وكيفيته وكميته وثوابه واجره فى الدنيا والآخرة كما ذكركم الله بها فى الكتاب ٭ فتجاهدوا فيها حق جهادها وسعيها فتكونوا من المفلحين ☼ فما هى الا انكم فررتم من دين الاعمال والاشكال الى دين الكلمات والاقوال لتيسروا بال انفسكم واصررتم على البغى والعصيان لتفروا من الله واعلموا انتم بمعجزى الله فى هذه الارض هرباً ان انتم الا تخرصون ☼ فذهب الله بنوركم وجعل صدوركم ضيقة و انساكم ما كنتم عليه بل انساكم نفسه واقسى قلوبكم وقلوب ابنائكم فهى كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ (٢: ٧٤) فلتحملوا اوزاركم كاملة يوم القيمة ومن اوزار الذين تضلونهم بغير علم[1] الا ساء ما تزرون ☼ أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (٣٩: ٢٢) ☼ فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ (٦: ١٢٦) ☼ فهل انتم تأتون من هذه ايها الجاهلون ☼ وان لم تفعلوا فانتظروا انى معكم من المنتظرين ☼

ويا ايها **المفتيون** المعاصرون! الذين يتغالى الناس اليهم فيرسلون فتاويهم كالسهام من دار اليهم ليصيبوا بها من يشاءون ☼ والذين يظنون انهم هم المسيطرون فى الارض ليحلوا غضب الله

(البقية من صفحة ١٠٨) (٥٢: ٢) و(٢٤: ٥٣) فما على الله يهدى شاء الا ازواجاً مطهرة حسناء الوجه بيضاء الحلل التى تروح المسلمين من تعب تمكسهم من الارض ٭ ولم يذكر هن عز وجل قط فى اى موضع فى القرآن فى توصيف الجنة الا انه اشار الخص فى توصيف حسنٍ كثرة بعد مرة - منه

[1] الاشارة الى قوله تعالى لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ۝ (١٦: ٢٥)

على الناس برسالتهم لعصيان ۞ أزعمتم أنكم تعلمون كتاب الله وقانونه ولو علمتموه لخررتم على
أذقانكم خاشعين ۞ متصدعين من خشية الله ولكسرتم أقلامكم ومزقتم قراطيسكم كل ممزق
تأسفًا ۞ تعادون بينكم وتعاجزون لتضعفوا قواء أمتكم فتفشلوا وتذهب ريحكم (٨: ٤٦) ما تركتم
على ظهر الأرض من لم يسوّكم إلا اتهمتموه بالكفر والفسق والشرك فهل عندكم من سلطان أنزل الله إليكم
بكم هم أو نأتيا بأنكم إن كنتم صادقين ۞ وإن أخرجتم كل المسلمين من جماعتكم وانفض الناس
من حولكم فمن يسمعكم من بعده إلا أنتم ۞ وأنى تقدرون من بعد ذلك على أن يقول الناس
عليكم لتمسوا في الأرض كابرين ۞ أفتزعمون أنكم مسلمون من دون الناس المسلم من سلم المسلمون
من يده ولسانه عند رسولكم والمؤمنون والمؤمنات يظنون بأنفسهم خيرًا (٢٤: ١٢) عند الله أفلا تذكرون ۞
وقد قال لكم يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب
بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ
(٤٩: ١٢) ۞ وقد قال لكم إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (٤٩: ١٠)
وإن صار الناس مسلمين عندكم بلحاهم وألسنتهم وعمائمهم وصاروا كافرين بتركهم ألسنتكم وعمائمكم أو
مسائلكم التي ابتدعتم في دينكم بغير علم وسلطان فأروني ماذا أنتم تحكمون ۞ تستشهدون من كتبكم
الفقهية وأباطيلكم الشرعية المخترعة التي لا يجوز لأحد أن يثق بها * وتنبذون كتاب الله وراء ظهوركم
لتتخذوه مهجورًا * وتستندون إلى آراء أسلافكم وقياسات كبرائكم وظنون جهلائكم الذين تسمونهم
العلماء لتحرفوا دينكم وتبدلوا كلمات الله * وتحكمون بما جاء من غير الله * منكرين أن القرآن لم يفصل
لكم من آيات الله حق تفصيلها ولم يبين لكم من كلماته حق تبيينها * فما لكم لا تتقون الله قال لكم
وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (٥: ٤٥) ۞ بل قال وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (٥: ٤٧) ۞ وقضى ربكم أنه مَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (٥: ٤٤)

افغیر اللہ تبتغون حکما وھو الذی انزل الیکم الکتب مفصلا (۶ :۱۱۴) والذین اٰتینٰھم اللہ الکتٰب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق (۶: ۱۱۴) فلا تکونن من الممترین ٭ فالحق انکم ما انتم اوتیتم کما انہ ولا انتم تعلمونہ بالنقص ٭ وھو الذی قال لکم وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا ط لا مبدل لکلمتہ وھو السمیع العلیم (۶: ۱۱۵) ٭ وھو الذی بین رسولکم بطرا الی ما انتم تعملون الان وقال وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون ۰ ان ربک ھو اعلم من یضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین (۶: ۱۱۶، ۱۱۷) ٭ وقد قال لہ ونزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شیء وھدی ورحمۃ وبشری للمسلمین (۱۶: ۸۹) ٭ وبعد کفرتم وفسقتم فی فتاوکم انھا المعتتون الجاھلون المعاصرون ٭ وقد ظلمتم انفسکم باتخاذکم ما وجدتم علیہ اباءکم ٭ وبتقلیدکم ماظنوا واخترعوا من الشرع من انفسھم ٭ ولم تؤمنوا بان کلمت ربکم قد تمت القران صدقا وعدلا ٭ حسبھا کتابہ ٭ بل اطعتم اکثر من فی الارض لیضلوا الناس عن سبیل اللہ ٭ واتبعتم الظن من دون العلم الذی جاءکم فی الکتب المبین ٭ افما قال اللہ لرجال منکم الذین لم یؤمنوا بالقران حق ایمانہ اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتب یتلی علیھم ان فی ذلک لرحمۃ وذکری لقوم یؤمنون (۲۹: ۵۱) ٭ فالحق انکم ما استنبطتم من الکتب من ذکر ومن رحمۃ ٭ بل ما امنتم بہ ٭ ولو امنتم بہ وقراتم ایتہ حق قراءتہ لصرتم من المفلحین ٭ فی الدنیا ابدا وفی الاخرۃ ابدا انہ لا یضیع اجر المحسنین ٭ وقد قال لکم الذین اتینٰھم الکتب یتلونہ حق تلاوتہ اولٰئک یؤمنون بہ ومن یکفر بہ فاولٰئک ھم الخسرون (۲: ۱۲۱) ٭ فلا واللہ ما امنتم بالقران حق ایمانہ وما درستموہ حق درسہ وتلاوتہ بل کفرتم فصرتم من الاخسرین ٭ افحسبتم ان الکفر ھو اقوالکم وکلماتکم ٭ ونسیانکم اسالیب الغسل والطھارۃ التی ابدعتم من انفسکم ٭ ونسیانکم مسائل الحیض والنفاس ونسیانکم

الفاظ القرآن واعرابها حسن التکرار * او سجداب السھو فی صلوٰتکم * او توجھکم الی الکعبۃ فی الغائط * او تصبرفکم فی مناھج التعتم والتاذر * او اعتقاداتکم اللفظیۃ * وغیرھا من الاباطیل التی یستھزءبھا الناس والتی لا تعد ولا تحصی * ءانتم تتخذون اللہ ھزوًا ودینہ لھوًا ولعبًا ایھا الجھلون، ⁂ وان کان الکفر مثل ھذہ اودین اللہ مثل ھذا اللغو فاتوا بشہادۃ حُکمکم فی الکتب ان کنتم صدقین ⁂ انما الکفر نسیانکم دین اللہ * وتشعکم اراءکم الشتّی * واسمائکم مذاھبکم المختلفۃ * واتباعکم ظنونکم الواھیۃ * بل اتبانکم بانفسکم بالکبر والجھل لو کنتم تعلمون ⁂ وانما الکفر ھو الاعمال من دون الکلمات و الاقوال * بل ما اسم تکسبون بایدیکم وارجلکم ایھا الغفلون، ⁂ فانہ قال لِکُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ (۲۴ : ۱۱) وَكُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۰(۵۲ : ۲۱) ⁂ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳ : ۳۹) فھل تجرون الا ما انتم تکسبون ⁂ وانما الاعمال بالنیات * فلا یواخذکم اللہ باللغو فی اقوالکم بل یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ (۲ : ۲۲۵) * بل بما کسبت ایدیکم وارجلکم بالتصدیق من قلوبکم باعین عن احکام اللہ وفطرتہ ایھا الجھلون، ⁂ وھو الذی قال وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۰(۶ : ۷۰) ⁂ فغرتکم الحیوۃ الدنیا حین اتخذتم دینکم لعبًا ولھوًا بل کفرتم * لانکم صرفتم عن دین الاعمال والاشکال الی دین الکلمات والاقوال * وقلتم علی اللہ ما لا علمتم * وطفقتم تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۰(۶۱ : ۲) لتیسروا دینکم جامدین ⁂ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۰(۶۱ : ۳) ⁂ فما الکفر بما زعمتم ایھا الزاعمون الجھلون، ⁂ انما ھو اعمالکم واعمال امتکم السیئۃ التی تھدیکم الی الضعف و الخوف * وتکذیبکم ایات اللہ بالعمل * و

تكذ سكم رسوله بجحودكم وقساوة قلوبكم لو كنتم تعلمون ❁ ولو علمتم كتب الله لما هجرتم

مثل هذا بل ما قلتم لمن القى اليكم قولًا لست مؤمنًا (٤: ٩٤) ابدًا ۞ الا من كفر ربه بالعمل ۞ و

عصاه عملًا ومعنًا ۞ ومن لم يعتصم بحبله وصار من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعًا كل حزب

بما لديهم فرحون (٣٠: ٣٢) ❁ وان كنتم على بينة من ربكم فى فتاويكم من الكفر والفسق و

الشرك والفجور او ترسلوها على بصيرة منه فأتوني بشهادة حكمكم ان كنتم صدقين ❁ و

ان لم تفعلوا ولن تفعلوا (٢: ٢٤) فعفوا انتم لكم ما الكفر بما جاء فى القران المبين ❁ اما قال

الله لكم فى الكتب افمن هو قائم على كل نفس بما كسبت (تود ان تؤدى النفس اجرها بما قالت

ولا فعلت) وجعلوا لله شركاء (فى اعمالهم باتخاذهم اربابًا واولياء من دونه عملًا ومعنًا

على قولهم انهم يؤمنون بالله بافواههم) قل سموهم (وبينوا الى ما لهم من شرك فى السموت والارض

فيكونوا اجدرين له) ام تنبئونه بما لا يعلم فى الارض ام (تسعون ان تخدعوا الله) بظاهر من

القول (او تمكروا مكرًا بافواهكم والسنتكم) بل زين للذين كفروا مكرهم وصدوا عن السبيل

ومن يضلل الله فما له من هاد ○ لهم عذاب فى الحيوة الدنيا ولعذاب الاخرة اشق وما لهم

من الله من واق ○ (١٣: ٣٣-٣٤) ❁ قد مكر الذين من قبلهم فلله المكر جميعًا يعلم ما تكسب

كل نفس وسيعلم الكفر لمن عقبى الدار ○ (١٣: ٤٢) ❁ فما الكفر الا ما تصفون بالسنتكم

من الكذب وظاهر من القول فى الله ۞ بل ما تحثون الناس عليه من الكلمات والاقوال ليكونوا

انهم امنوا ولما يدخل الايمان فى قلوبكم (٤٩: ١٤) ايها القائلون الجهلون ❁ وما الكفر الا ان

تقولوا فى الله ما لا تفعلون ❁ فانه لا يؤمن احد عنده الا من صدق ايمانه بالعمل

ولا يؤاخذ احدًا الا بما يكسبون ❁ فانه يعلم ما تسرون وما تعلنون ○ (١٦: ١٩) ❁ وانه امكر

الماكرين ❁ يحول بين المرء وقلبه (٨: ٢٤) ويعلم ما يفعل وما تصنعون ❁ وما الكفر الا

❁ ولن لك ستى الله الذين كذبوا ايمانهم بالعمل الكفر فى قوله لتستقل الطرق ويبين عن صدورهم ○ واعتد للكفرين عذابًا اليمًا ○ (٤: ١٣٢-٨) ○

عبادتكم أولادكم وأموالكم * وسعيكم بسكنكم وساكنكم * واتخاذكم أولياءكم أربابا لكم * واتخاذكم
مساكنكم وخيامكم أصناما لكم * وحبكم للقناطير المقنطرة من الذهب والفضة * لتخلوا قومكم
دار الذلة والمسكنة * وتكفروا من شدة عذابه وتذوقوا عاهة قومكم والآخرة * فإنه قال الله الذي
لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَوَيْلٌ لِلْكٰفِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا أُولٰئِكَ فِي ضَلٰلٍ بَعِيدٍ
(١٤-٢-٣) * وقال مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ
اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ أُولٰئِكَ الَّذِينَ
طَبَعَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ
الْخٰسِرُونَ (١٦-١٠٦-١٠٩) * وقال يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ
أَصْحٰبِ السَّعِيرِ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ

> في أن الكفر هو الإعراض عن التوحيد

وَأَجْرٌ كَبِيرٌ (٣٥-٥-٧) * فالكفر الإعراض عن التوحيد علما ومعنا وعبادتكم الشيطان
في أنفسكم وصلاتكم إياها القاتلون * وما الكفر إلا عدم مداومتكم على التوحيد ليلا ونهارا
واتخاذكم أصناما لكم من أمتعة الحيوة الدنيا يوما فيوما واستعمالكم قلوبكم الشهوات واللذات
كرة بعد مرة * لتشركوا بالله وتشغلوا عن ذكره وأحكامه علما ومعنا فإنه قال وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ
ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ أَنْدَادًا
لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ (٣٩-٨) * وقال وَإِذَا غَشِيَهُمْ
مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ بِآيٰتِنَا
(أي أحكامنا) إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ (٣١-٣٢) * وقال وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ

* وفي موضع آخر جعل الله الإعراض عن التوحيد على الكفر وقال وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُونَ (٢٣-١١٧)

إلا إياه فلما نجاكم إلى البر أعرضتم وكان الإنسان كفورا (١٧: ٦٧) * بل قال في بال المشركين
مثلكم إلى يوم القيامة الذين يقولون الآن لا ندعوا إلا الله بألسنتنا وفي صلواتنا ثم قيل لهم أين ما
كنتم تشركون ۝ من دون الله قالوا ضلوا عنا بل لم نكن ندعوا من قبل شيئا كذلك يضل الله
الكافرين (٤٠: ٧٣-٧٤) * وقال في المشركين الكافرين الذين اتخذوا أحبارهم وأصفياءهم
وأبرارهم أربابا من دونه ليقربوهم إلى الله زلفى في زعمهم وليقطعوا قومهم فرقا فرقا ويصيروا
شيعا متخالفة مختلفة والذين اتخذوا من دونه أولياء لتحلف الأولياء من بينهم ومن الناس مطيعوهم
يقولون لكونهم في زعمهم عابدي الله كذبا ومكرا، ما نعبدهم إلا ليقربونا إلى الله زلفى إن الله يحكم
بينهم في ما هم فيه يختلفون إن الله لا يهدي من هو كاذب كفار (٣٩: ٣) * فما الكفر إلا
اختلافكم بينكم وتظالمكم وشرككم وإعراضكم عن **وحدة الأمة** أيها الغافلون! *

> في أن الكفر هو الإعراض عن وحدة الأمة والجهاد بالمال

وما الكفر إلا بخلكم **بالمال** لتقوية قومكم من اتخاذكم المال وثنا لكم فإنه قال الذين
يبخلون ويأمرون الناس بالبخل ويكتمون ما آتاهم الله من فضله وأعتدنا للكافرين
عذابا مهينا (٤: ٣٧) * بل ما الكفر إلا إنفاقكم أموالكم في سبيل حكامكم الذين
نصبهم الله عليكم ليعذبوكم ويضعفوا قوة أمتكم ويدمروكم فإنه قال إن الذين كفروا ينفقون أموالهم
ليصدوا عن سبيل الله فسينفقونها ثم تكون عليهم حسرة ثم يغلبون ۝ والذين كفروا إلى
جهنم يحشرون ۝ ليميز الله الخبيث من الطيب ويجعل الخبيث بعضه على بعض فيركمه جميعا
فيجعله في جهنم أولئك هم الخاسرون ۝ (٨: ٣٦-٣٧) * وما الكفر إلا إنفاقكم أموالكم في سبيل الله
بالإكراه لتجمعوا خيرا لأنفسكم وشرا لأمتكم فإنه نبه رسولكم وقال وما منعهم أن تقبل منهم
نفقاتهم إلا أنهم كفروا بالله وبرسوله ولا يأتون الصلاة إلا وهم كسالى ولا ينفقون إلا وهم
كارهون ۝ فلا تعجبك أموالهم ولا أولادهم إنما يريد الله ليعذبهم بها في الحياة الدنيا وتزهق أنفسهم

* وفي موضع آخر جعل الله التفرق والاختلاف على الكفر وقال فاختلف الأحزاب من بينهم فويل للذين كفروا من مشهد يوم عظيم (١٩: ٣٧)

وهم كفرون (٩: ٥٤-٥٥) ❁ وقال فى اتخاذهم المال وتألّههم ليشركوا بالله فيستغنوا عن عاقبة يومهم وويل للمشركين الذين لا يؤتون الزكوة وهم بالآخرة هم كفرون (٤١: ٦-٧) ❁ وما الكفر الا اعراضكم عن الجهاد بالمال ايها المفتتنون المعاصرون! ❁ وما الكفر الا فراركم بالاستئذان من امرائكم و اعتذاركم عن طاعته إذا دعاكم لما يحييكم (٨: ٢٤) ❁ واعراضكم عن الاستجابة لخليفة الرسول منكم اذ ذكركم بأيام الله او دعاكم ليوم النفير ❁ فانه قال فى الذين كانوا يستأذنون الرسول فرارا من الموت

وان الكفر هو الاعراض عن اطاعة الامير

ومنهم من يقول ائذن لى ولا تفتنى ألا فى الفتنة سقطوا وان جهنم لمحيطة بالكفرين (٩: ٤٩) ❁ فما الكفر الا عصيانا اميركم واعراضكم عن طاعته لو كنتم تعلمون ❁ ومن لا يهاجر او يهجر كل ما يشغله عن السعى والعمل لتقوية قومه فهو الذى كفر عند الله واولئك هم الكفرون ❁ فانه قال فى منافقى القرون الاولى ودّوا لو تكفرون كما كفروا فتكونون سواء فلا تتخذوا منهم اولياء حتى يهاجروا فى سبيل الله فإن تولوا فخذوهم واقتلوهم حيث وجدتموهم ولا تتخذوا منهم وليا ولا نصيرا (٤: ٨٩) ❁ فما الكفر

وان الكفر هو اعراضكم عن الهجرة والجهاد بالسيف

الا اعراضكم عن الهجرة لمحبة قومكم او مداهنة انفسكم انها للضعفاء العاجزين! ❁ ومن لا يقاتل اعداءه حال استطاعته حين الباس ليكف ايدى الناس عن قومه ومن فر من الموت مثلا او جبنا ❁ واعتذر الى اميره ليتخلف ومن صد الناس عن الجهاد تخويفا وترهيبا فهو الذى كفر عند الله واولئك هم الكفرون ❁ فانه قال لمؤمنى القرون الاولى يايها الذين امنوا لا تكونوا كالذين كفروا وقالوا لاخوانهم اذا ضربوا فى الارض او كانوا غزى لو كانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا ليجعل الله ذلك حسرة فى قلوبهم والله يحيى ويميت والله بما تعملون بصير (٣: ١٥٦) ❁ بل قال لهم وما اصابكم يوم التقى الجمعن فباذن الله وليعلم المؤمنين

❁ ولذلك قال الله عز وجل فى قارون إن قارون كان من قوم موسى فبغى عليهم وءاتينه من الكنوز ما إن مفاتحه لتنوأ بالعصبة أولى القوة إذ قال له قومه لا تفرح إن الله لا يحب الفرحين ○ وابتغ فيما ءاتك الله الدار الآخرة (اى ابتغ بالمال وبسببه لتكون الدار الآخرة لك) ولا تنس نصيبك من الدنيا (اى لا تسرف به على ان تنفق و تستبقى من المال) وأحسن كما أحسن الله إليك ولا تبغ الفساد فى الأرض (اى بمالك) إن الله لا يحب المفسدين (٢٨: ٧٦-٧٧) فحمله على الكفر وما امن بعد ذلك (الباق)

وليعلم الذين نافقوا وقيل لهم تعالوا قاتلوا في سبيل الله او ادفعوا قالوا لو نعلم قتالا لا اتبعناكم هم للكفر يومئذ اقرب منهم للايمان يقولون بافواههم ما ليس في قلوبهم والله اعلم بما يكتمون الذين قالوا لاخوانهم وقعدوا لو اطاعونا ما قتلوا قل فادرءوا عن انفسكم الموت ان كنتم صدقين (٣: ١٦٧-١٦٨) ☆ وقال في بسالتهم يوم خرجوا من ديارهم الى بدر الصغرى الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل فانقلبوا بنعمة من الله وفضل لم يمسسهم سوء واتبعوا رضوان الله والله ذو فضل عظيم انما ذلكم الشيطن يخوف اولياءه فلا تخافوهم وخافون ان كنتم مؤمنين ۰ ولا يحزنك الذين يسارعون في الكفر انهم لن يضروا الله شيئا يريد الله الا يجعل لهم حظا في الاخرة ولهم عذاب عظيم ۰ ان الذين اشتروا الكفر بالايمان لن يضروا الله شيئا ولهم عذاب اليم ۰ (٣: ١٧٣-١٧٦) ☆ وقال في موضع اخر في متخلفي الغزوة الاولى والمنافقين منهم فان رجعك الله الى طائفة منهم فاستاذنوك للخروج فقل لن تخرجوا معي ابدا ولن تقاتلوا معي عدوا انكم رضيتم بالقعود اول مرة فاقعدوا مع الخالفين ۰ ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فسقون ۰ ولا تعجبك اموالهم واولادهم انما يريد الله ان يعذبهم بها في الدنيا وتزهق انفسهم وهم كفرون ۰ (٩: ٨٣-٨٥) ☆ وفي المعذرين منهم وجاء المعذرون من الاعراب ليؤذن لهم وقعد الذين كذبوا الله ورسوله سيصيب الذين كفروا منهم عذاب اليم ۰ (٩: ٩٠) ☆ وفي المعوقين منهم قد يعلم الله المعوقين منكم والقائلين لاخوانهم هلم الينا ولا ياتون البأس الا قليلا ۰ اشحة عليكم فاذا جاء الخوف رايتهم ينظرون اليك تدور اعينهم كالذي يغشى عليه من الموت فاذا ذهب الخوف سلقوكم بالسنة حداد اشحة على الخير اولئك لم يؤمنوا فاحبط الله اعمالهم وكان ذلك على الله يسيرا ۰ (٣٣: ١٨-١٩) ☆ وفي المخلفين المنافقين المعذرين منهم سيقول لك المخلفون من

(البقية من صفحة ١١٦) وبآية لا تغير الكلم حتى (٣٨: ٩٢) اهل تو ۰

الاعراب شغلتنا اموالنا واهلونا فاستغفر لنا. يقولون بالسنتهم ما ليس في قلوبهم قل فمن
يملك لكم من الله شيئا ان اراد بكم ضرا او اراد بكم نفعا بل كان الله بما تعملون خبيرا بل ظننتم
ان لن ينقلب الرسول والمؤمنون الى اهليهم ابدا وزين ذلك في قلوبكم وظننتم ظن السوء وكنتم
قوما بورا. ومن لم يؤمن بالله ورسوله فانا اعتدنا للكفرين سعيرا (۴۸: ۱۱-۱۳) وقال
يعتذرون اليكم اذا رجعتم اليهم قل لا تعتذروا لن نؤمن لكم قد نبانا الله من اخباركم وسيرى
الله عملكم ورسوله ثم تردون الى علم الغيب والشهادة فينبئكم بما كنتم تعملون. سيحلفون بالله لكم
اذا انقلبتم اليهم لتعرضوا عنهم فاعرضوا عنهم انهم رجس وماوىهم جهنم جزاء بما كانوا يكسبون.
يحلفون لكم لترضوا عنهم فان ترضوا عنهم فان الله لا يرضى عن القوم الفسقين. الاعراب اشد
كفرا ونفاقا واجدر الا يعلموا حدود ما انزل الله على رسوله والله عليم حكيم (۹: ۹۴-۹۷) و
ما الكفر الا قتالكم في سبيل حكامكم واعداءكم وطواغيتكم الذين بعث الله عليكم ليعذبكم وتبتغوا
عندهم العزة وتتخذوهم اولياء من دون المسلمين فتقتلوا انفسكم فانه قال الذين امنوا يقاتلون في
سبيل الله والذين كفروا يقاتلون في سبيل الطاغوت فقاتلوا اولياء الشيطن ان كيد
الشيطن كان ضعيفا (۴: ۷۶) ❁ وما الكفر الا اعراضكم عن الجهاد بالسيف وفراركم
من الموت الا انتصرون ❁ ومن لا يقاتل عداته في سبيل الله حق قتاله ويدعوهم
الى السلم حذر الموت فيهن ويحزن ومن يولهم يومئذ دبره الا متحرفا لقتال او
متحيزا الى فئة (۸: ۱۶) فيوهن امره في الدنيا ومن لا يغلب لا ينصر من الله
فهو الذي كفر عند الله واولئك هم الكفرون ❁ فانه قال لمؤمني القرن الاول بل في كل من
ادخل الايمان في قلبه يوم خلق السموت والارض الى يوم القيمة ولو قاتلكم الذين كفروا لولوا
الادبار ثم لا يجدون وليا ولا نصيرا. سنة الله التي قد خلت من قبل ولن تجد لسنة

فان الكفر هو اعراض الجهاد باتباع الائمة وهو الا اعراضكم عن الاستعداد في العمل والتطهر والسن

اللّٰهِ تَبْدِيلًا (۴۸: ۲۳-۲۲) ❁ وقال قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ
وَبِئْسَ الْمِهَادُ (۳: ۱۲) إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُونَ (۲۳: ۱۱۷) ❁ فالحق ان الكفرين هم الذين يعملون في
هٰذه الدنيا اينما تنظرون ❁ من اول يوم خلق السموٰت والارض الى يوم القيمة فالمغلوبون
هم الكفرون ابدًا والمؤمنون لهم المنصورون ابدًا وان جندهم لهم الغٰلبون (۳۷: ۱۷۳) ❁ ولن تجدوا
في سنته تبديلًا ولو حرصتم ايها الجاهلون ❁ تحبون ان تبدل لو بمكركم وقد قال ما يبدل القول
لدي (۵۰: ۲۹) ايها الماكرون ❁ فهذه سنته الان وقد مضت سنة الاولين (۸: ۳۸) ❁
فالكفرون هم الذين يولون الادبار ثم لا ينصرون ❁ يغلبون لكونهم موهنين في امرهم و
مستضعفين في سعيهم بل يائسين من رحمته في جهدهم يخشون الناس ولا يخشون الله وامرهم
حتى حسبته تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ (۵۹: ۱۴) ❁ والمؤمنون
أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ (۵۹: ۱۳) ❁ يرجون من الله ما لا
(۴: ۱۰۴) يرجو الكفرون وان يكن منهم مائة يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۰
(۸: ۶۵) سنة الله في هٰذه الارض ولا يعلمون ❁ لا يستطيعون ان ينتظموا ويظلموا انفسهم
في الاخوة ويعاندون بينهم ويتخاذلون ويتواكلون في تدبير امرهم ويسعون عن عاقبة بالهم
وآخرة سعيهم بل يسكرون عن اجر الاخرة فلذلك يحبط الله اعمالهم ويضل سعيهم في الدنيا و
ويجعلهم من الاخسرين ❁ ولذلك قال الله فيهم الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللّٰهِ أَضَلَّ
أَعْمَالَهُمْ (۴۷: ۱) وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ
(۴۷: ۴-۵) وقال وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللّٰهُ
(من سنته) فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ (۴۷: ۸-۹) وقال في ما يلي هاتين الايتين ليريا كيف يحبط الله
اعمالهم في الدنيا بتدمير حكمهم وسلب قوتهم وملكهم أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ

عاقبة الذين من قبلهم دمر الله عليهم وللكافرين امثالها ○ ذلك بان الله مولى الذين امنوا و
وان الكافرين لا مولى لهم ○ (٤٧: ١٠-١١) * بل قال في ما يلي هاتين الآيتين ليستريبوا ما اجر المؤمنين
في هذه الدنيا وما مآل الكافرين فيها ان الله يدخل الذين امنوا وعملوا الصالحات جنات تجري
من تحتها الانهار والذين كفروا يتمتعون ويأكلون كما تأكل الانعام والنار مثوى لهم (٤٧:
١٢) * فالحق ان الكافرين هم الذين لا يعلمون سنة الله في هذه الارض وهم الذين لا يؤمنون بما
نزل على محمد (٤٧: ٢) فلذلك لا يكفر الله عنهم سيئاتهم ويذرهم يتمتعوا في الارض كالانعام حاسئين *
لا يسعون في الدنيا سعيا بليغا ولا يعملون الصالحات ولا يوحدون انفسهم ولا يبطون جماعتهم بل لا يقدرو
مما كسبوا على شيء ويحسبون انهم يحسنون صنعا غافلين * فلذلك قال الله فيهم مثل الذين
كفروا بربهم اعمالهم كرماد اشتدت به الريح في يوم عاصف لا يقدرون مما كسبوا على شيء
ذلك هو الضلال البعيد ○ (١٤: ١٨) * وقال والذين كفروا اعمالهم كسراب بقيعة يحسبه الظمآن
ماء حتى اذا جاءه لم يجده شيئا ووجد الله عنده فوفاه حسابه والله سريع الحساب او كظلمات
في بحر لجي يغشاه موج من فوقه موج من فوقه سحاب ظلمات بعضها فوق بعض اذا اخرج يده
لم يكد يراها ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور (٢٤: ٣٩-٤٠) افلا تتقون * وهم الذين
يجادلون في آيات الله (اي احكامه) ليجرحوا مقاصدها ويجادلون بالظن ليدحضوا به العلم
وليجعلوا ايسر الا نفسهم ماكرين * فلذلك قال الله فيهم ما يجادل في آيات الله الا الذين كفروا فلا
يغررك تقلبهم في البلاد ○ كذبت قبلهم قوم نوح والاحزاب من بعدهم وهمت كل امة برسولهم
ليأخذوه وجادلوا بالباطل ليدحضوا به الحق فاخذتهم فكيف كان عقاب ○ وكذلك حقت كلمة
ربك على الذين كفروا انهم اصحاب النار ○ (٤٠: ٤-٦) افلا تسمعون * وقال وما نرسل المرسلين الا مبشرين و
منذرين ويجادل الذين كفروا بالباطل ليدحضوا به الحق واتخذوا آياتي وما انذروا هزوا ○ (١٨: ٥٦) افلا تعقلون *

ولذلك قال فى عدم قدرتهم وقلة حيلتهم وتوهم اسرهم فى الدنيا له دعوة الحق والذين يدعون من دونه لا يستجيبون لهم بشىء الا كباسط كفيه الى الماء ليبلغ فاه وما هو ببالغه وما دعاء الكفرين الا فى ضلل (١٣: ١٤) افلا تبصرون ❁ وما الكفر الا عدم استقامتكم فى العمل واعراضكم

فى ان الكفر هو الاعراض عن الاستقامة فى العمل والاعراض عن النظم والنسق

عن النظم والنسق بل تجوزكم من شركائكم وعبادتكم اولادكم واهواءكم وشهواتكم ومن تعبدكم كبراءكم واولياءكم ومن اتخاذكم احباركم و رهبانكم ومن ظلمكم انفسكم من السعى والعمل فى الدنيا لتغلبوا

ايها الفقهاء المتجاهلون المعاصرون! ❁ وما الكفر الا ضلل سعيكم فى الحيوة الدنيا ❊ وحبوط اعمالكم فيها ❊ وسوء بالكم فى الارض ❊ وتمتعكم كانعام على ظهرها ❊ وعدم قدرتكم ❊ وفقدان حكمكم فى هذه ❊ من توهنكم ونقص ايمانكم وسوء اعمالكم وتعبدكم انفسكم وعبادتكم الطاغوت لو كنتم تعلمون ❁ فانه قال افحسب الذين كفروا ان يتخذوا عبادى من دونى اولياء ط انا اعتدنا جهنم للكفرين نزلا ٥ قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا ٥ الذين ضل سعيهم فى الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا ٥ اولئك الذين كفروا بايت ربهم ولقائه فحبطت اعمالهم (اى فى الدنيا) فلا نقيم لهم يوم القيمة وزنا ٥ ذلك جزاؤهم جهنم بما كفروا واتخذوا ايتى ورسلى هزوا ٥ ان الذين امنوا وعملوا الصلحت كانت لهم جنت الفردوس[1] نزلا ٥ خلدين فيها لا يبغون عنها حولا ٥ (١٨: ١٠٢-١٠٨) افلا ترجعون ❁ وقال الذين كفروا وصدوا عن سبيل الله زدنهم عذابا (اى فى الدنيا) فوق العذاب (اى عذاب الاخرة) بما كانوا يفسدون ٥ (١٦: ٨٨) ❁ وقال فى بنى اسرآءيل حين فسدوا وعلوا فى الارض وافقد الله حكمهم فى الدنيا وقضينا الى بنى اسرآءيل فى الكتب لتفسدن فى الارض مرتين ولتعلن علوا كبيرا ٥ فاذا جاء وعد اولهما بعثنا عليكم عبادا لنا اولى باس شديد فجاسوا

[1] اى جنت الارض دا تسوى فيها ما دام السموت والارض +

خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ

اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا

وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ (١٧: ٤-٨) ❁ فلا تفتروا على الله كذبا ولا

تقولوا ان وعد الآخرة يجيء الى يوم القيامة ليسوء وجوه الكفار وسيئوا وجوهكم فانه قد جاء كما اخبر

وقد اساء وجوهكم ولا تقولوا في قلوبكم ان القرآن يهديكم الى الذلة والمسكنة او العمائم والسابغ

لكم كلا انه قال[†] اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ (١٧: ٩) ❁ فيا ايها المفتيون المعاصرون! اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا

تَعْلَمُوْنَ ۝ (١٠: ٦٨) ❁ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا

مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ (١٠: ٦٩-٧٠) ❁ وما هو الا انكم

جحدتم بهذه الآيات وكتمتم شهادتها ٭ وما قدمتم شيئا من السعي والعمل لتجعلوا اسرار لا تفسكم و

ما آمنتم بالكتاب حق ايمانه ٭ بل كفرتم ٭ "فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ

يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ" (٢٩: ٤٧) ❁ افلم يقل ربكم لكم في الكتاب خَلَقَ اللّٰهُ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (٢٩: ٤٤) ❁ اولم تتوجهوا الى قوله

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔـا (١٦: ٧٨) وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا

مَّا تَشْكُرُوْنَ[‡] ۝ (٣٢: ٩) ❁ وقوله لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْۗءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا

تَتَذَكَّرُوْنَ[‡‡] ۝ (٤٠: ٥٧-٥٨) ❁ ثم الى قوله وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝ (٣٨: ٢٧) فلا شك في انه تعالى حرضنا في هذه الآيات

[†] وهذا العون للمؤمنين الذي تقدم ذكرها اضافة [‡] اي لا يستعملونها الا قليلا [‡‡] اي لا يطلبون العلم منها ومن طلب العلم منها فهم الذين آمنوا به وعملوا صالحا ۔

على استعمال سمعنا وابصارنا وافئدتنا الّتي ملكونا به ولنطلب العلم من اعماله من دون الظنّ و

لنؤمن بسمٰوٰته وارضه وما بينهما اشدّ ايمانا ولنؤمن بالحقّ متصرّفين عن الباطل فانّه قال

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (٢٩:٥٢) ❁ وقال الَّذِيْنَ كَفَرُوا

اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ (٤٧:٣) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ (٤٧:٣) وقال اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ (٢٩:٦٧) ❁ فما الكفر الّا اعراضكم عن العلم ايها الجهلون ❁

فى انّ الكفر هو الاعراض عن العلم وعن درس اعمال الله تعالى

لتحلّوا قومكم دار الذلّة والمسكنة بجهلكم ولتنكروا انعم ربّكم ولئلا تعدّوها

حقّ قدرها وشكرها فانّه قال اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ

دَارَ الْبَوَارِ (١٤:٢٨) ❁ وقال يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ

الْكٰفِرُوْنَ (١٦:٨٣) ❁ فمن قدر انعم ربّه حقّ قدرها وطلب العمل منها وخاض فيها

اشدّ خوضا وسلك سبل ربّه لنيل علمها فاولئك هم المؤمنون ❁ واولئك هم المفلحون

فى الدنيا ايّما تنظرون ❁ وما كان الله ان يحبّ الّذين يطردون انعمه بالاستحقار او يكرهون

ما خلق فى السمٰوٰت والارض ايها العقلون! ❁ فلا شكّ فى انّكم فى اسلامكم الضالون ❁ ومن اعرض

عن مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ ولم يسع لها سعيها فاولئك هم الكفرون ❁ فامّا الايفاء بالعهد فقال

فى انّ الكفر هو الاعراض عن مكارم الاخلاق

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ

فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ (٨: ٥٥-٥٦) ❁ وامّا الاسراف فى المال فقال وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (١٧: ٢٦-٢٧) ❁ وغيرها من

الاقوال الّتي لم اذكرها من خوف الطوالة فتدبّروا ان كنتم قوما تتفكّرون ❁ ولا شكّ فى انّه

من لم يؤمن باليوم الآخر عملا او معنا ولم يسع له سعيا بليغا ولم يجتنه بنفسه بل لم يرد الّا الحيوة الدنيا

فقد كفر عند ربّه فانّه قال مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَالَّذِيْنَ

كفروا عمّا أنذروا معرضون (٤٦:٣) ❁ وقال وأقسموا بالله جهد أيمانهم لا يبعث الله من يموت بلى وعدًا عليه حقًّا ولكنّ أكثر الناس لا يعلمون. ليبيّن لهم الذي يختلفون فيه وليعلم الذين كفروا أنّهم كانوا كاذبين (١٦: ٣٩-٤٠) ❁ وقالوا أإذا ضللنا في الأرض أإنّا لفي خلق جديد بل هم بلقاء ربّهم كافرون (٣٢: ١١) ❁ فما الكفر إلا إعراضكم عن الإيمان بالآخرة عملًا ومعنًى لو كنتم تعلمون ❁ ولا تجحدوا من قولكم إنّكم تؤمنون بالآخرة بأفواهكم وألسنتكم وكلما تكلّم الشهادة فالقول ليس بشيء عند الله رب العالمين ❁ ومن الناس من يقول آمنّا بالله وباليوم الآخر وما هم بمؤمنين (٢: ٩) ❁ فاعملوا واجهدوا وارجوا لقاء ربكم واستبقوا لتفوزوا في الدنيا فإنه لا يكاد أن يغفر لكم يوم القيامة حتى تموتوا جاهدين ❁ وإن تشاؤون أن تبتغوا رضاء الله وحبّه فلا تبتغونه أبدًا حتى تعرضوا أنفسكم عليه وتمنّوا الموت في سبيله لتكونوا في الدنيا من الغالبين ❁ فإنه نبّهكم بقوله ولنبلونّكم حتّى نعلم المجاهدين منكم والصابرين ونبلوا أخباركم (٤٧: ٣٢) ورضي أنه يحبّ الذين يقاتلون في سبيله صفًّا كأنّهم بنيان مرصوص (٦١: ٥) أفلا تذكرون ❁ وإن زعمتم أنكم تنصرون أولياء الله بما تمكثون وتسكنون أقوالكم أو باعتكافكم في البيوت والمساجد فرارًا من الموت أو ترون أنكم تعبدون الله وتحبّونه ساء ما تزعمون ❁ وقد كانت اليهود تفرّ من الموت مثلكم على هذا الظنّ بأنفسهم ظنوا كما تظنون فدعاهم ربّهم بقوله يا أيها الذين هادوا إن زعمتم أنكم أولياء لله من دون الناس فتمنّوا الموت إن كنتم صادقين. ولا يتمنّونه أبدًا بما قدّمت أيديهم والله عليم بالظالمين. قل إنّ الموت الذي تفرّون منه فإنّه ملاقيكم ثمّ تردّون إلى عالم الغيب والشهادة فينبّئكم بما كنتم تعملون (٦٢: ٧-٩) ❁ بل عاتبكم وألقى إليكم قولًا غليظًا بقوله أم حسبتم أن تدخلوا الجنة ولمّا

في أن الكفر هو الإعراض عن إيمان بالآخرة

يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ (٣ : ١٤٢-١٤٣) ❁ وبما ان مطلوب لطالب وللّٰه حتى لا حرله انه يعرض نفسه عليه ويتمنى الموت فى سبيله الا انتصرن ❁ وما ولى احدٌ احدًا حتى قسة وعلم انه بصدق قوله بالعمل ومن صدق فاولٓئك من المحبوبين ❁ ولذلك قال ربكم لكم اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (٢٩ : ٢-٣) ❁ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (٢٩ : ٦) ❁ يجاهد ليغلب نفسه على الاعدآء وليكون فى الذين باس الذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ❁ فياكبرآء الخلق من الناس اعملوا وعاملوا واصبروا وصابروا ولا تفروا من الموت ولا تقنطوا ثم اعملوا بايديكم وارجلكم وتحسسوا من تمكينكم من الارض والغلبة والامن الذى سلبكم الله بكفركم وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (١٢ : ٨٧) ❁ ولا تطمئنوا بالكم السوء فى زعمكم انه سيغفر لكم فانه قال اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (١٠ : ٧-٩) ❁ وقال يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (٦٠ : ١٣) ❁ ولا تكفروا بايٰت الله عملًا ولا تكذبوها بل اسجدوا لها بالعمل ولا تقولوا كالكفار فى عهد النبى لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ (بفقهكم واحاديثكم وجهلكم واباطيلكم) لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (٤١ : ٢٦) ❁ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (٢٩ : ٢٣) ❁ والكفار هم الذين اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۝ (٨٤ : ٢١-٢٢)*

*اى لا يسجدون للقران عملا ومعنا ولا يعملون ما امر الله به ۱

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكُمُ ۗ النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (٢٢،٧٢) افلا تسمعون ❁ فيا ايها الذين زعموا ان امنتم اسعد والهدى القرآن واسكنوا عنه فلا مجال لكم ان تفروا منه جادلين ❁ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (٧، ٢٠٣-٢٠٤) ❁ وَلَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (١٧، ٨٨) افلا تؤمنون ❁ ولو انزل الله هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (٥٩، ٢١) افلا تتفكرون ❁ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (٥٩، ١٩) ❁ ولا تقولوا اللذين معكم ومن يستخفكم اتبعوا سبيلنا لتعلموا امنا وانه قال وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ وَمَا هُم بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُم مِّن شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (٢٩، ١٢-١٣) ❁ واهجروا الشرك والكفر هجرا مهجورا عن قلوبكم واعمروا مساجد الله بالتوحيد وصلوا صلوة النجم والشجر وانفقوا ولا تسكنزوا من الخير واتقوا الله فانه قال مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَن يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنفُسِهِم بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ۖ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَن يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ (٩، ١٧-١٨) ❁ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ (٤٧، ١٨) مسلسين ❁ فلا تنظروا باس بكم ولا تنتظروا ولا تربصوا وتفرحوا بما عندكم من العلم لانه اذا جاء كم العذاب فانتم لا تنظرون ❁ فانه قال فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۝ (٤٠: ٨٣-٨٥) * فقولوا الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ (١: ١-٧) *

وان حرفوا الفاظ القرآن اشد حرفا او تحصنوا عنه اشد تحصنا ايها المفتنون المعاصرون فلن تجدوا امه كفرا اعس هذا الكفر بالافعال * او انكارا اغبر هذا الانكار بالاعمال * ولن تجدوا فيه كفرا بالاقوال * او ايمانا بمكر اللسان والكلمات والامال * او اسلاما بالعمائم والالبسة والسربال * الا ان الله من جاء بكلمة سيئة ثم عمل ليشاكل قوله فعله ثم استدام عليه و أَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ (٢: ٨١) * ومن صرف عن ابواب ربه عملا و معنا لاشتغل عنه بما خلاه نطبعا او كرها فقد كفر عند ربه * ولا يكفر احد عند الله حتى يبلغ في اشتغاله مبلغ العبادة * او يوغل في حبه عاكفا له * او يتعدى حدود الحب ليشرك بالله * فلذلك قال الله عز وجل في النصرانية الا فمن الذين كانوا يعبدون المسيح اشد عبادة عملا ومعنا ومع هذا كانوا يقولون بافواههم انه ابن الله كما يقولون الان رواجا وعادة. لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝ لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (٥: ٧٢-٧٣) * فما كان قولهم هذا الا ما كان يحثهم على عبادة المسيح عملا و معنا صرفا عن احكامه تعالى فلذلك ما اختص عز وجل كلهم بالعذاب الا من كفر منهم بالعمل ولذلك سمى قولهم المضاهاة بالافواه وقال: وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَ

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوٰهِهِمْ يُضٰهِـُٔونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ (٩: ٣٠) ومن بعد ذلك قال نظراً الى عبادتهم احبارهم ورهبانهم في العمل وان لم يتّخذوهم اربابه بلسانه وحمل هذا العمل على الشرك بقوله اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (٩: ٣١) * فتدبّروا يا ايها الفقهاء القوّالون! ما الكفر بما ظننتم من الاقوال بل هو ما انتم تفعلون وما انتم تكسبون * وما انتم تقولون بافواهكم لتفرّقوا بين الناس وتخاصموا بينكم فتصيروا شيعاً فرحين بما لديكم من اقوالكم وكلما لكم هو الكفر * لانه من لم يعتصم بحبل الله ولم يصلح بين الناس ولم يرابط بين احزابهم فهو الذي قد كفر عند الله اشدّ كفراً بل اولٰئك الذين كفروا بالله وبرسله وبتوحيده وبكتبه واولٰئك من المعذّبين * فانه من امن بالله وبتوحيده حقّ ايمانه فقد امن بالاتحاد بين الناس * وهو الذي قد امن بالمساواة والمصالحة والمواخاة بينهم * وهو الذي قد امن بانّ الله لا يرضى العبادة الا بالاشتات والافتراق بل يرضى ان يكون الناس امّة واحدة ومن امن بالله حق ايمانه فهو الذي قد امن قولاً وفعلاً بانّ الرسل قد جاؤا من ربّهم بكتاب واحد * بل جاؤا ليصلحوا بين الناس ليرابطوا ويعدلوا ويجمعوا بينهم فيكونوا سواء * ومن امن بالله حقّ ايمانه فهو الذي لا يفرّق بين احد من الرسل بلسانه لانه يجب ان يوحّد بين تابعيهم بل لا يقصد من رسالاتهم شيئاً الا الاصلاح والاتحاد ولذلك سمّى الله الذين يريدون الاشتات بين الناس باقوالهم الواهية الكافرين حقّاً وقال اِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُّفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيدُونَ أَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (٤: ١٥٠-١٥٢) * فان كان القول من كفر عند الله فما هو الّا ان تقولوا النفرّقوا بين الناس * او تقولوا التحازبوا * او تقولوا التفرّقوا وتخاصموا * او تقولوا التسابّوا * ومن يقل منكم مثل هذا لتزييل الاشتات بين الناس فاولٰئك هم الكافرون * وان كان الكفر من

* اطلق الله عز وجل قصداً من هذا القول "من دون الله" و"من دون المسيح ابن مريم" "لا المسيح ابن مريم" اي لم يتخذوا احبارهم ورهبانهم عملاً ومعناً في قلوبهم (الناشر)

قول او كلمة عند الله فما هو الا ان تقولوا بافواهكم انكم لا تؤمنون بكتب من عند الله غير هذا القرآن ۝ او
تقولوا ان الرسل قد جاءوا من عند ربهم برسالات شتى ۝ لا بالكتاب الواحد الذي هو بين ايديكم ۝ او تقولوا
ما كتب الله في الصحف التي جاءوا بها ما كتب الله لنا في القرآن فتفرقوا بين الله ورسله وتريدوا الناس اشتاتا لانه قال
يايها الذين امنوا امنوا بالله ورسوله والكتب الذي نزل على رسوله والكتب الذي انزل من قبل ومن يكفر
بالله وملئكته وكتبه ورسله واليوم الاخر فقد ضل ضللا بعيدا ۝ (٤: ١٣٦) ۞ فما الكفر الا ما يلهيكم عن الاتحاد بل
يفرقكم عن التوحيد بين الناس ايها المتفرقون المتشتتون! فقولوا انما نحن نعبده ولا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا
ولا يتخذ احدنا من رسول ربا لما نعظمه او نكرمه وقولوا انما نحن له مسلمون (٣: ٨٤) ۞ وما الايمان الا ان تكونوا
عيسويين او موسويين او محمديين خاصة بل ان تكونوا حنفاء لله مسلمين له غير مشركين به احدا من العلمين ۞ فقولوا
الحمد لله رب العلمين ۝ الرحمن الرحيم ۝ ملك يوم الدين ۝ اياك نعبد واياك نستعين ۝ اهدنا الصراط المستقيم ۝ صراط
الذين انعمت عليهم ۝ غير المغضوب عليهم ولا الضالين ۝ (١: ١-٧) ۞

وما فهمتم ما الصراط المستقيم ايها الضالون! ۞ بل ما الذي ينعم الله عليكم به ان كنتم به متمسكين ۞
وما الذي تسئلون ربكم ليلا ونهارا في صلواتكم ان يهديكم اليه متغافلين ۞ وما الذي سماه المتقدمون من العلماء
اضيق من الشعر واحد من السيف في زعمهم وزعم الجهلاء منكم انه معبر على حفرة جهنم لتدخلوا الجنة من يجتاز على
ظهورها منكم بعبوركم فرحين ۞ وان ارحم الله لكم الجنة بصومكم ودعائكم وبالتم اجوركم من هذا القبيل فهل تسع لكم
كل الدين ۞ ام تتخذون دينكم لهوا ولعبا ايها اللاعبون! ۞ وما هو الا انكم تتلاعبون بانفسكم بما سواه لهوكم
ايها الغافلون! ۞ تتجاهلون ليخدعوا الله وما يخدعون الا انفسكم وما تشعرون ۞ فما الصراط
المستقيم بما انتم تجهرون ۞ ان هو الا تعبدكم ربكم في العمل ۝ واعراضكم عن الطاغوت والدجال ۝
واستعاركم انفسكم بالتوحيد ۝ وملازمتكم عليه بكرة واصيلا ۝ فانه قال الم اعهد اليكم يبني
ادم ان لا تعبدوا الشيطن انه لكم عدو مبين ۝ وان اعبدوني هذا صرط مستقيم ۝ (٣٦: ٦٠-٦١) ۞

(التتمة من صفحة ١٢٨) يقولون بافواههم ان المسيح ابن الله او انه هو الله بما يوافق قوله عز وجل في آية (٩: ٣) هذا تره

وقال قل انني هدىني ربي الى صراط مستقيم ۚ دينا قيما ملة ابراهيم حنيفا ۚ وما كان من المشركين

قل ان صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين ۚ لا شريك له ۚ وبذلك امرت وانا اول المسلمين ۝ (٦: ١٦٢-١٦٤) ۞ وقال ان ابراهيم كان امة قانتا لله حنيفا ۚ ولم يك من المشركين ۚ شاكرا لانعمه ۚ اجتباه وهداه الى صراط مستقيم ۝ وآتيناه في الدنيا حسنة ۚ وانه في الآخرة لمن الصالحين ۝ (١٦: ١٢٠-١٢٢) ۞ وقال

في ان المداومة على التوحيد هي ما عنى الله بصراط مستقيم

ان الله هو ربي وربكم فاعبدوه ۚ هذا صراط مستقيم ۝ (٤٣: ٦٤) ۞ وقال في اتباعه عملا ومعنا والاعراض عن عبادة الطاغوت واتبعون ۚ هذا صراط مستقيم ۝ ولا يصدنكم الشيطان ۖ انه لكم عدو مبين ۝ (٤٣: ٦١-٦٢) ۞ وما صراط ربكم المستقيم الا مداومتكم على **وحدة الامة**

في ان وحدة الامة هي ما عنى الله بصراط مستقيم

واعراضكم عن الاختلاف والافتراق بينكم في كتاب الله ۝ بل في الكتاب الذي جاء به كل الانبياء ۝ واعراضكم عن كونكم على شفا حفرة من النار ۝ والاعتصام بحبل الله ۝ والاصلاح بين الناس ۝ فانه قال ومن يعتصم بالله فقد هدي الى صراط مستقيم ۝ يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون ۝ واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا ۚ واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا ۚ وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها ۗ كذلك يبين الله لكم آياته لعلكم تهتدون ۝ (٣: ١٠١-١٠٣) ۞ وقال كان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين وانزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه ۚ وما اختلف فيه الا الذين اوتوه من بعد ما جاءتهم البينات بغيا بينهم ۖ فهدى الله الذين آمنوا لما اختلفوا فيه من الحق باذنه ۗ والله يهدي من يشاء الى صراط مستقيم ۝ (٢: ٢١٣) ۞ وما صراط ربكم المستقيم الا اجتماعكم على نقطة واحدة ورجوعكم اليها لتوحدوا انفسكم ولتتخذوا الكم

وجهة ومنها جاء عن ما هي أعداءكم نظر إلى وحدة أمتكم فإنه قال سيقول السفهاء من الناس
ما ولّاهم عن قبلتهم التي كانوا عليها قل لله المشرق والمغرب يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم
(٢: ١٤٢) ✽ وما صراط ربكم المستقيم إلا طاعتكم أميركم بلا عذر
وحجة واتباعه في أي حال وأشكال وعرضكم عليه أموالكم وأنفسكم بل
جهادكم بالسيف مع أعدائكم وجهادكم بالمال والهجرة لتكونوا
أمتكم أشد تثبيتا في الدنيا ولتكونوا فيها وفي الآخرة مع الذين أنعم الله
عليهم ولتكونوا في الدنيا والآخرة من الصالحين ✽ فإنه قال ولو أنا كتبنا
عليهم أن اقتلوا أنفسكم أو اخرجوا من دياركم ما فعلوه إلا قليل منهم ولو أنهم
فعلوا ما يوعظون به لكان خيرا لهم وأشد تثبيتا ۝ وإذا لآتيناهم من لدنا

في أن هذا ومساعي طاعة الأمراء والجهاد بالسيف والجهاد بالمال والهجرة هو أعني الله صراط مستقيم

أجرا عظيما ۝ ولهديناهم صراطا مستقيما ۝ ومن يطع الله والرسول فأولئك مع الذين
أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أولئك رفيقا ۝ ذلك الفضل
من الله وكفى بالله عليما ۝ (٤: ٦٦-٧٠) ✽ وقال في موضع آخر في طاعة الأمير والافتراق بين الناس و
إعراضهم عن التوحيد عملا ومعنا ولما جاء عيسى بالبينات قال قد جئتكم بالحكمة ولأبين لكم
بعض الذي تختلفون فيه فاتقوا الله وأطيعون ۝ إن الله هو ربي وربكم فاعبدوه هذا صراط
مستقيم ۝ فاختلف الأحزاب من بينهم فويل للذين ظلموا من عذاب يوم أليم ۝ (٤٣: ٦٣-٦٥) ✽
وما صراط ربكم المستقيم إلا استقامتكم في السعي والعمل لتفلحوا في الدنيا
وصبركم على مصائبكم بالحق والجهد وتوكلكم على الله في النتائج وجهادكم في
ما أصابكم أشد الجهاد لتكفر وأعز أنفسكم السيئات فإنه قال وما لنا ألا نتوكل على الله

في أن الاستقامة في العمل هو أعني الله صراط مستقيم

وقد هدانا سبلنا ولنصبرن على ما آذيتمونا وعلى الله فليتوكل المتوكلون ۝ (١٤: ١٢) ✽ وقال

✽ أي صراطا المستقيم ✽

والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا، وان الله لمع المحسنين (۲۹:۶۹) ❁ وقال اني توكلت على الله
ربي وربكم، ما من دابة الا هو اخذ بناصيتها، ان ربي على صراط مستقيم (۱۱:۵۶) ❁ وما هو
الا غلظتكم على اعدائكم وحفظكم انفسكم منهم لتميلوا عليهم ميلة واحدة فتقتلوهم اشد تقتيلا
باستقامتكم في السعي والعمل فانه قال وعدكم الله مغانم كثيرة تاخذونها فعجل لكم هذه و
كف ايدي الناس عنكم، ولتكون اية للمؤمنين ويهديكم صراطا مستقيما (۴۸:۲۰) ❁ وقال انا
فتحنا لك فتحا مبينا، ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر ويتم نعمته عليك ويهديك
صراطا مستقيما (۴۸:۱-۲) ❁ وما صراط ربكم المستقيم الا مداومتكم على
مكارم الاخلاق واعراضكم عن الفواحش ما ظهر منها وما بطن واجتنابكم
ما حرم الله عليكم من كبائر الاثم صرفا عما يجهر بها علماؤكم من الذبيحة والمنخنقة
والنطيحة متوغلين في ما انزل الله لتمشوا في مناكب الارض امنين ❁ ولتعقلوا

في ان المداومة على مكارم الاخلاق هي ما عنى الله بصراط مستقيم

سنة الله في الارض وسنة من بقي على ظهرها امنا ولتكونوا في الدنيا ما دمتم غالبين ❁ فانه
عز وجل قال قل تعالوا اتل ما حرم ربكم عليكم الا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا، ولا
تقتلوا اولادكم من املاق، نحن نرزقكم واياهم، ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن،
ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق، ذلكم وصّٰكم به لعلكم تعقلون، ولا تقربوا مال
اليتيم الا بالتي هي احسن حتى يبلغ اشده، واوفوا الكيل والميزان بالقسط، لا نكلف نفسا
الا وسعها، واذا قلتم فاعدلوا ولو كان ذا قربى، وبعهد الله اوفوا، ذلكم وصّٰكم به لعلكم
تذكرون، وان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه، ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله،
ذلكم وصّٰكم به لعلكم تتقون (۶:۱۵۲-۱۵۴) ❁ وما صراط ربكم المستقيم الا دراستكم
اعمال ربكم وتحصيل العلم من صحيفة الله التي عرضها السموت والارض ۰ ودراستكم احوال

في ان تحصيل العلم من مطالعة اعمال الله وآياته هو ماعلى الله صراط مستقيم

الطبيعة واحوال مخلوقاتها السفلية لتعرفوهم ٭ ومن عرفهم فقد عرف نفسه وربه ٭ فانه عز وجل ذكر بانه خلق على ظهر الارض من مخلوقاته الحيوانية ٭ ووحدة نسلها وكونها من ماءٍ واحدٍ ٭ فحرض الانسان على دراسة احوالها ٭ وحمل مطالعتها على استقامة الصراط وقال وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ (اى بتسلسلون من اصل واحد) فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ (مثل الحيتان) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ (اى الطيور) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ (كالانعام والانسان) يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (٢٤ ٤٥) ٭ وبعد ذلك قال لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ (اى التى تبين لكم من ابن خلق كل هذه فتدرسوا احوال مخلوقاته لتعرفوا من انتم انّى خلقتم ومن اين جئتم) وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٢٤ ٤٦) ٭ واشعركم ربكم فى هاتين الآيتين بانه خلق كل شىء حى من ماءٍ واحدٍ واصلهم من اصلٍ واحد ونسلٍ كما قال الحكماء العربيون فى توصيفهم مسئلة الارتقاء وحرضكم على الاعتراف بهذه الحقيقة العجيبة الغريبة لتعرفوا انفسكم ولتعدوا ربكم حق قدره ولتقدروا عظمته وجلاله ووسعة قدرته وحمل كل هذه الدراسة على صراط مستقيم ٭ وما صراط ربكم المستقيم الا طلبكم العلم وتتبعكم ما تشهد به علمه سمعكم وبصركم وفؤادكم من دون الكذب والظن فانه قال فى موضع آخر فى الذين كانوا يتبعون الظن مثلكم فى عهد النبى صلعم ٭ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ٭ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ٭ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ (اى صراطه المستقيم) وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى (٥٣ ١٨-٣٠) ٭ وفى موضع آخر قال للنبى وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اى صراطه المستقيم) اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (من دون العلم) وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

٭ ولترجع القارى الى صفحة ٣٧ من كتابى تذكرة لتشريح ماعنى الله بهاتين الآيتين ؛

أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ (اى صراطه المستقيم) وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ٥ (٦: ١١٧-١١٨) ❁ فما صراطكم المستقيم الا تحصيلكم العلم ٥ وتركم ما يبعد فى العادة ٥ واتحادكم ما يجرى فيها ٥ و اسمساككم سنة الله الجارية ٥ ودراستكم احوال مخلوقاته ٥ ومعرفتكم انفسكم ٥ وعلبتكم على اعدآئكم ٥ وتمكينكم من الارض بوساطة العلم بل تبيينكم حكمة ما انزل الله اليكم من الكتب بواسطة النور الذى يصدر منه ٥ وتصديقكم علم القرآن وحكمته وموعظته على النصارى واليهود وغيرهم من اهل الكتب بالذى يجرى فى العادة بين يديه وعلى رءوس الاشهاد لو كنتم تعلمون ❁ وما كان لكم ان تجادلوا اهل الكتب بجهالتكم التامة المنعقدة التى تسرح فى اذهانكم ايها الجهلون، ❁ وما كان لكم ان تجادلوا ابصر فكروا بحوكم او بشعركم وصناعتكم وبدائعكم او بسبحكم وعمائكم فانهم عن اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ٥ (٢٣: ٣) ❁ وما كان لكم ان تميلوهم الى الاسلام او تدخلوهم فى زمرتكم حتى تعلموا مثل ما يعلمون ❁ وتجهدوا فى سبيل الله مثل ما يجهدون ❁ فانهم يقولون لكم اذا جادلتموهم بجهلكم لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ٥ (٢٨: ٥٥) ❁ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ (٢٨: ٥٥) فالمؤمنون هم الذين إِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ٥ (٢٥: ٧٢) وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ٥ (٢٥: ٦٣) معرضين ❁ يعلمون سنة الله فى الارض بالحق ويعلمون ما يريد الله بهم ويتبعون العلم من دون الظن وانتم لا تعلمون من شئ ولا تعلمون ❁ بل تسخرون وتخرصون ❁ فلذلك يجزى الله الذين احسنوا باحسن ما فى السموات والارض (٥٣: ٣١) وانتم تخذلون ❁ ولذلك قال الله لكم فى اهل الكتب ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (١٦: ١٢٥) (اى بواسطة العلم والحكمة والموعظة من دون الظن) لِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ (اى القرآن) مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (٢٢: ٥٤) ❁ وقال إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ٥ (١٦: ١٢٥) ❁ فما صراطكم

† الا ساره الى صله تعالى وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى (٥٣: ٣١) [illegible]

المستقيم الا تعليمكم حكمة القرآن وتنبيهكم موعظته ايها العقلاء المجادلون: ✿ بل هؤلاء

اخباركم الناس على حقيته وصدقه وعدله وهدايته ونوره وبشارته ورحمته وحكمته وموعظته

وشفاءه بعلمكم وشهادتكم ولا تكذبه بجهلكم لو كنتم تعلمون ✿ فانه يهدي الناس الى السلم

والحفظ والامن لتكونوا في الدنيا من الذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ✿ ولتكونوا في

الآخرة من المكرمين ✿ ولما لا يكفيهم أن نزل الله اليكم كتاباً يبدل خوفهم امناً ابداً ويسرهم

بنعيم مقيم ان يتبعوه بعلمكم بل اكرهتموهم بزهادتكم على ان يدخلوا في دينكم افواجاً ساجدين ✿

فانه قال بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (٢٩: ٤٩)

وبما لا يستشلون للقرآن ان يسموه نوره او حسبوهم بنباءه وعلمه بعلمكم وما لا يستحيون لكم

ان اخرجتموهم من ظلماتهم وهديتموهم بالحق الى صراط مستقيم ✿ فانه قال في كتابكم الذي

انتم تهجرونه الآن قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ

سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٥: ١٥-١٦) ✿

يخرجهم من ظلمات الخوف والحزن الى نور السلم والامن بواسطة التوحيد والايمان لتكونوا

في الدنيا من الغالبين ✿ في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وذلك جزاء المسلمين ✿ وَاللّٰهُ

يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (١٠: ٢٥) ✿ فما صراطكم المستقيم

الا ان تسلكوا سبل السلم في الدنيا ايها الهالكون؛ ✿ وان تمسكوا بما اوحى الله الى رسولكم من قانونه

متقنين ومصلحين ✿ فانه قال فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

(٤٣: ٤٣) ✿ وان تشعروا قلوبكم بالايمان ولوازمه واعماله وبروح من امره تعالى فانه قال لنبيكم

اذ لم يحط علمه بالقانون الذي يجري في العادة؛ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ

تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (٤٢: ٥٢) ✻ وقال إِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (٢٢: ٥٤) ✻ وما
انتم بمعيي الصراط او سالكوه حتى تتقوا الله حق تقاته بل تفعلوا اعمال الاتقاء التي تقدم ذكرها وحتى
تطيعوا امر ربكم بل تعبدوا الله عملاً ومعنًى فانه كان نبيًّا (عيسى) من انبيائكم قال لقومه يقوم فَاتَّقُوا
اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ (٤٣: ٦٣-٦٤) ✻ ولن

وإن الايمان بالآخرة مع السعي والعمل لها هو السعي الى الله بصراط مستقيم

تسلكوا سبيل ربكم او تقيموا صراطه المستقيم ابدًا حتى تؤمنوا بالساعة اشد
ايمانًا وتكونوا شهداء على الناس لها بجهادكم في الله اشد جهدًا وحتى تبينوا لهم
بعلمكم وعملكم إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ (٢٠: ١٥) يكاد يخفيها الله لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ (٢٠: ١٥)
وحتى تكونوا شهادة على اعين الناس برهانًا لهم ودليلاً عليهم وعلمًا عندهم بانكم
لا تسئلونهم على ما تفعلون لهم من اجر وتؤمنون بانكم تؤدون اجوركم يوم القيمة

فانه كان نبيًّا من انبيائكم عيسى قد صار لقومه علمًا ليوم القيمة ودليلاً عليها بشدة اطاعته و
جهاده في الله وخدمة العباد وما بنى عليه ربه اشد بناء وقال وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ
بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ (٤٣: ٦١) ✻ ولن تستطيعوا ان تسلكوا صراط ربكم المستقيم
حتى تحيوا انفسكم وتخرجوا قومكم مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (١٤: ٥) وتذكروهم بِأَيَّامِ اللَّهِ (١٤: ٥) مثل
ما فعل موسى وتمشوا في الناس بنور من ربكم ۝ وتشرح صدوركم للسعي والعمل ۝ وتوسعوا قلوبكم
للجد والجهد لئلا يكون عليكم في دين الله من حرج ۝ مرجين لقاء ربكم الى يوم القيمة ۝ محسنين
انفسكم من ايمانكم بالآخرة ۝ مصلحين عاقبة قومكم جاهدين ✻ فانه قال أَوَمَن كَانَ مَيْتًا
فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذَٰلِكَ زُيِّنَ
لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا ۖ وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا

✻ الاشارة الى قوله تعالى وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ
شَكُورٍ (١٤: ٥) فما كان هذا الاخراج الى النور الا نور العلم والاستخلاف في الارض والتمكين منها بواسطة الجهاد بالسيف فليرجع
القارى الى كتابي تذكرة صفحة ٢٦٢ للتشريح المزيد ✻

بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (٦: ١٢٣-١٢٤) ❁ فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ
يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى
الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۔ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۔ لَهُمْ دَارُ
السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (٦: ١٢٦-١٢٨) ❁ ولن تستطيعوا أن تعرفوا ما الهدى
وما دين الله وما الفطرة الله التى فطر الناس عليها حتى توحدوا أنفسكم ۞ وتصلحوا بين الناس ۞
وتسامحوا بينكم ۞ وترابطوا بين أحزابكم ۞ وتصبروا وتصابروا وتتحدوا ۞ وحتى تتمسكوا بعروة
من أمره تعالى صرفًا عن الظواهر والمناسك لئلا تتنازعوا وتختلفوا بينكم فى الأمر ۞ وحتى توسعوا حدود
الإسلام أشد توسيعًا لتغلبوا فإنه قال لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ
فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۔ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۔ اللّٰهُ
يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (٢٢: ٦٧-٦٩) ❁ وما كان لكم أن تسلكوا
الصراط المستقيم "خاصًا مختصًا الذى سماه ربكم صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ
عَلَيْهِمْ (١: ٧)" فى القرآن حتى تفعلوا مثل ما فعل موسى وهارون بقومهما وتنصروا أنفسكم مثل ما نصراهم
وتنجوا قومكم من فراعينكم مثل ما نجياهم وتكونوا غالبين مثل ما غلبوا فإنه قال وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ
مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۔ وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۔ وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۔ وَآتَيْنَاهُمَا
الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ۔ وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ۔ سَلَامٌ عَلَىٰ
مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۔ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۔ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ (٣٧: ١١٤-١٢٢) ❁ هذا
هو الصراط المستقيم ❁ وهذا هو الهدى ودين الحق الذى أرسل به رسولنا لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (٦١: ٩) ❁ وهذا هو صراط الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (٤: ٦٩) "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (١: ٧)" ❁ و

ان حرمتم الفاظ القرآن اشد حرمانًا لن تجدوا امة الصراط المستقيم عن هذا بل لن تجدوه الا في

هذه الآيات افلا تسمعون * وما الصراط الا ان تعلوا في الدنيا وتسودوا في الارض امس

وما الصراط الا ان تكونوا عالين في الارض وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (٣: ١٣٩) و

لهذه تركعون وتسجدون في صلواتكم ايها الساهون! *

فيا ايها المسلمون الغافلون! ما صراط ربكم المستقيم الا ان تستقيموا الى العشرة المبشرة

من اصول الاسلام لتسودوا في الارض غالبين * وهذا صراط الذين ينعم الله عليهم في زماننا

هذا وهذه صراط غير المغضوب عليهم ولا الضالين (١: ٧) * يعلمهم ابنما تنظرون ؛ و

يمكنهم من الارض ويستخلفهم في مناكبها على رغمكم امنين * وانتم نسيتم صراطكم ايها الناسون

نسيتم ولو تكررونه في صلواتكم مرارًا مهللين * نسيتم ولو استداء الله كتابه به وعرض عليكم

ان الدين هو اسعاء نعمته وانما هو هذا وان تسعوا وجهه لتبتغوا من فضله ورحمته غالبين *

فمن صرف عن هذا الصراط يحلل عليه غضبه وصار من الهالكين * ومن رغب عنه فاولئك

من الضالين ○ ولو كانوا المسلمين المرسمين المعاصرين * وما عنى الله بالنعمة غير هذه

النعمة ايها الغافلون! * وان تحرموا الفاظ القرآن اشد حرمانًا لن تجدوا فيه نعمة في غير هذه

المعاني او نعمة عن نعمة الحيوة الدنيا او ما ترزقون * فلهذه علمكم رسولكم ان تركعوا وتسجدوا

لربكم في صلواتكم متضرعين وخاشعين لتلينوا قلب الله لكم فيزيدكم نعمة ورحمة وفضلًا من فور

فانه قال ولئن شكرتم لأزيدنكم (١٤: ٧) * وقال وادعوه خوفًا وطمعًا ان رحمت الله قريب

من المحسنين (٧: ٥٦) * وقال فاما الذين آمنوا بالله واعتصموا به فسيدخلهم في رحمة

منه وفضل ويهديهم اليه صراطًا مستقيمًا (٤: ١٧٥) افلا تدبرون * فما دعاكم في الصلوة

للصراط المستقيم الا ان يعلكم الله في الدنيا من فور ولهذا تركعون ولهذا تسجدون * لتسلوا

* [illegible] الى الصفحة ٢٢٥ [illegible] من كتابي [illegible] للمصطفى ﷺ والى الصحابة ٢١ ٢٢٣ [illegible] ﷺ [illegible] الى المسلمين والنعمة والرحمة

الحافًا كالعفراء واعتصامًا به ولتخافوا ان لا يهلككم الله بما فعل المبطلون (٧: ١٧٣) ✽ فما هذا
الا انه يذكركم بالروح من امره تعالى يومًا فيومًا ويعرض عليكم ليلًا ونهارًا كل ما جاء في
الكتاب المبين ✽ وما الصراط المستقيم الا انه جمع فيه كل ما كتب عليكم احكم الحاكمين ✽
ولذلك قال الله لنبيه وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (١٥: ٨٧) ✽
لان المثاني تذكركم بالصراط المستقيم والنعمة وتخوفكم بغضب الله والضلال والقرآن يبينكم
بما الصراط المستقيم ✽ وبما النعمة ومن هم المغضوبون عليهم ومن هم الضالون ✽ ويوضح
لكم كيف تسلكوا الصراط وكيف تهتدون ✽ وانه لاحد من السيف واصعب من الشعر لو كنتم
تعلمون ✽ وان ضللتم عنه مقدار عرض شعر لكببتم على وجوهكم في النار انتم والغاوون ✽ وان
نسيتم درسكم باتباعكم جهلاءكم وكبراءكم فمن يذكركم به بعده الا انتم ✽ ءفإذا مات
رسولكم اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا (٣: ١٤٤) افلا ترجعون ✽
وَاِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا (١٤: ٨) فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (٣: ٩٧) ✽ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (٢٦: ٢٢٧) ✽

فايها المسلمون المعاصرون! الا انتم في اسلامكم الضالون ✽ وفي نعمتكم المغضوبون ✽
اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (٢٤: ٢٢) ✽ يغفر لكم ما تقدم من ذنبكم وما تاخر
ويتم نعمته عليكم ويهديكم الى صراط مستقيم ✽ الم تروا انكم تتخطفون عن كل مكان امين ✽
وتسلبون وتعتقلون ✽ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (٩: ٢٥) وانتم غافلون ✽ السارق قد
ذهب بانيت بيوتكم وانتم نائمون ✽ فهل تُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ (٢٦: ١٤٦) ✽ بل هل تحتون
فيكم من نعمة ومن فضل ومن رحمة لترعوا انكم لمنظرون ✽ افلم يهلك الله قبلكم من القرون
وان هلكوا انتم الدائمون ✽ افخلق الله السموت والارض لعبا فتبوا امته لعبين ✽

✽ الاشارة الى قوله تعالى (٢: ٧٨)

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (٢٣: ١١٥) ام كل هذه امر هين هكون لكم
ما تشاءون ❁ وان طلع الشمس عليكم طوعا او كرها كل يوم بامر ربها افلستم مجبورين ❁
وان كان للقمر دنا ومسلكا يتبعه كل ليل فهل نسخ لكم كل الدين ❁ وان نزول النجوم
من بعد صعودها في جو السماء ابدا افلستم بآفلين ❁ وان لم يبدل الماء سيلانا والنار
لهبا والريح جريانا من اول يوم خلقت فهل انتم مستحيون ❁ ومن يسأل محكم في السماء والارض
ان تجدون كل من فيهما له قانتين ❁ مشتغلين بما عليهم مستعينين ❁ مداومين على خلقهم
وخلقهم غير محولين عوائدهم من اول ساعة فلما تزعمون ان انتم تبدلون ❁ وان تجدوا
كل من خلق حنفاء لله فلما لا تركبون ❁ ولا تميلون ولا تركعون ❁ فتبارك الذي يبال لديه
ولا يميل وتبارك الله احسن الخالقين (٢٣: ١٤) ❁ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ
(٧: ٥٤) ❁ وان لا تستطعون ان تكسوا فيها لانفسكم حبة من خردل او من نقير الا من بعد
جهدكم بايديكم وارجلكم فهل تشترون جنتكم بالاقوال والكلمات ايها الجاهلون ❁ أفأحد
من دون الله يأمر عليكم فيها قبل يوم الدين ❁ ام بيد الله عادته يوم القيامة ليجعل لكم ما
تشتهون ❁ ام اتخذتم عند الرحمن من عهد لتزوجنكم بحور عين ❁ وان اعرضتم عن كتاب الله
ما ارسل به خاتم الانبياء وسيد رسله فتعالوا الى البلاغ المبين ❁ ينبئ لكم ما نزل الله
اليكم في القرآن العظيم ❁ لتتدبروا آياته ولعلكم تتفكرون ❁ ويوضح لكم طريقا للدخول في
زمرة الاحياء في الدنيا ولتكونوا في العقبى من المفلحين ❁ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن
يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (١٧: ٨٨) افلا تذكرون ❁ وما انا
من نبي او عالم او من ولي او فقير او كبير ولكن اخبر بي انكم لها الكون ❁ في صبح خامسة او اقرب منه باليقين
الا الذين تابوا وآمنوا واصلحوا واتقوا فعسى الله ان يتوب عليهم ان الله غفور رحيم (٩: ١٠٢) ❁ فاطلق ربي

لسانی وشرح لی صدری کونتانی سماحاتٍ فی القرآن العظیم ۞ فشرعت فی تصنیف کتابی تذکرۃ
لا بقی للناس ما نزل الیہم من العشرۃ المبشرۃ ۞ وغیرہا من حجۃ اللہ البالغۃ النافعۃ ۞ وبینتہ فی عشر
مجلدات متتابعۃ ۞ واسأل انہ بہذہ الافصاحۃ البالغۃ ۞ لا شرح لہم ما عظمۃ صحیفۃ اللہ وما ہمۃ
وما کنت ادری ما الکتاب ولا الایمان فجعلہ ربی نورًا فی صدری لاری قومی طریقہم بہ فانہم قوم
لا یعلمون ۞ فتعالوا الی القرآن العظیم ۞ وتعالوا الی البلاغ المبین ۞ ولا تنظروا الی من قال کل ہذا
بل انظروا الی ما قال فانی انا الظلام الخطاء الاثیم ۞ اظلم لنفسی لیلًا ونہارًا واعبد الاجلین بکرۃ و
اصیلًا لرزقی ۞ ولا اعبد الذی لہ رزقی من لدنہ ۞ واکذب القرآن یومًا فیومًا ۞ ولا استطیع ان ادوم علی
التوحید بل اصنع لنفسی مکرًا بعد مکرٍ ۞ واسارع الی الشرک کرۃً بعد مرۃٍ ۞ فلا تنظروا الیّ بل انظروا الی
ما اقول ولو لا افعل شقاوۃ لعلکم تعقلون ۞ وقولوا ربّ اجعل لنا مفیمہ ومستقیمی الیہ واجعل
قائلہ مفیمہ وادنہا من لدنک انک انت خیر الرازقین ۞ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا
لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۷: ۲۳) ۞ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ
عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا
عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (۲: ۲۸۶) ۞ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا
عَن سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (۱۰: ۸۸) ۞
رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (۱۰: ۸۵-۸۶) ۞ رَبَّنَا اغْفِرْ
لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا (۳: ۱۴۶) وَأَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ
(۲: ۲۵۰) ۞ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا
الضَّالِّينَ (۱: ۵-۷)

ویا ملوک المسلمین ! ویا امراء القوم الظالمین ! الا تطمعون ان یغفر اللہ لکم

والا تتقون (٢٦:١٢٤) ❁ عسیٰ ربکم ان یاتی بامرہ لسد قرکم وابدو قوم یعلمون ❁ المصرون علی السکم
انکرو اوسمرونا وحکما وفضلا ونعمة من لدنه على علم عندکم بل هي فتنة (٣٩:٤٩) ولكن اكثرهم
لا يعلمون ❁ قد قالها الذين من قبلهم فما اغنى عنهم ما كانوا يكسبون (٣٩:٥٠) ❁ فاصابهم سيات
ما كسبوا والذين ظلموا من هؤلاء سيصيبهم سيات ما كسبوا وما هم بمعجزين (٣٩:٥١) ❁ اولم
يعلموا ان الله يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر ان في ذلك لايت لقوم يؤمنون (٣٩:٥٢) ❁ اولم
ثالث سوا في القرآن انه قال ثم جعلنكم خلئف في الارض من بعدهم لننظر كيف تعملون (١٠:١٤) ❁
وقال واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرنها تدميرا
(١٧:١٦) اهلاك كروں ❁ بل قال وكم قصمنا من قرية كانت ظالمة وانشأنا بعدها قوما
اخرين فلما احسوا بأسنا اذا هم منها يركضون لا تركضوا وارجعوا الى ما اترفتم فيه ومسكنكم
لعلكم تسئلون قالوا يويلنا انا كنا ظلمين فما زالت تلك دعوىهم حتى جعلنهم حصيدا خمدين
وما خلقنا السماء والارض وما بينهما لعبين لو اردنا ان نتخذ لهوا لاتخذنه من لدنا ان كنا
فعلين بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق ولكم الويل مما تصفون وله
من في السموت والارض ومن عنده لا يستكبرون عن عبادته ولا يستحسرون يسبحون الليل و
النهار لا يفترون (٢١:١١-١٩) ❁ وقال وهو الذي جعلكم خلئف الارض ورفع بعضكم فوق بعض
درجت ليبلوكم في ما اتكم ان ربك سريع العقاب وانه لغفور رحيم (٦:١٦٦) ❁ وقال
في موضع اخر وقطعنهم في الارض امما منهم الصلحون ومنهم دون ذلك وبلونهم بالحسنت والسيات لعلهم يرجعون
فخلف من بعدهم خلف ورثوا الكتب يأخذون عرض هذا الادنى ويقولون سيغفر لنا وان يأتهم عرض مثله يأخذوه الم
يؤخذ عليهم ميثاق الكتب ان لا يقولوا على الله الا الحق ودرسوا ما فيه والدار الاخرة خير للذين يتقون افلا
تعقلون والذين يمسكون بالكتب واقاموا الصلوة انا لا نضيع اجر المصلحين (٧:١٦٨-١٧٠) ❁

افلم تؤمنوا من بعد ما بينت لكم ههنا بان الاسلام هو التنظم والنسق والجد والجهد
والسعي والعمل والقوة والاتحاد والغلبة والامن والاستغناء من الله ٭
بل هو في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة ٭ وانما هو هذه ○ بل كله هذه ٭
لا شيء من دون ذلك ٭ ولا ما تجربه علماؤكم الجاهلون ✤ وان هو الا ان تؤمنوا بالتوحيد
لتوحدوا انفسكم؛ وتصلوا لتنتظموا امتكم ○ وتصوموا لتصبروا وتصابروا ○ وتحجوا
لترابطوا وتخالطوا ٭ وتنفقوا لتتقووا قومكم وتعاضدوا ابناءكم غالبين ✤ فما لكم
لا تؤمنون بالله موحدين ✤ ولا تصلون منتظمين ✤ ولا تصومون مغلظين ✤
ولا تحجون مخوفين ✤ ولا تؤتون الزكوة فاعلين بل متغالبين ✤ ولا تاخذون
حذركم لتميلوا على اعدائكم ميلة واحدة بازغين ✤ وما لانفسكم لا تهدون قومكم الى الصراط المستقيم ✤
فانكم انتم امراء المؤمنين ✤ وما لكم لا تؤمنون ولا تصلحون ✤ والذين امنوا وعملوا
الصلحت فلهم اجر غير ممنون (۹۵ ۶) ✤ وما لكم لا تواحدون ولا ترابطون ولا تشاورون
بينكم لتقذفوا في قلوب اعدائكم الرعب ولتنتقموا منهم وما لكم كيف تحكمون ✤ وما لكم
ساء ما تصنعون ✤ فالذين امنوا امرهم شورى بينهم (۴۲ ۳۸) واذا اصابهم البغي
هم ينتصرون (۴۲ ۳۹) ✤ وما لكم لا تجدون منكم اميرا اراده الله بسطة في العلم والجسم
(۲ ۲۴۷) ليامر عليكم وليقوم مقام الرسول فيكم بالحق علما وعملا لتعتصموا به ٭ فالذين
اعتصموا باميرهم واطاعوه حق طاعته اولئك هم المفلحون ✤ وما لكم تفرقون دينكم
بينكم فمنكم شافعيون ومنكم حنفيون ومنكم حنبليون ومنكم مالكيون ✤ ووهابيون واهل
الحديث واهل القران وغيرها ما تصنعون ✤ وان صبغتم انتم كل هذه الاصبغة والالوان
لتفرقوا دينكم وتشركوا بالله فلمات شريك من شركائكم ليخلصنا من هذه المصيبة او ياتوا



الحمد للہ العلی العظیم ۔ والصلوٰۃ علی النبی الکریم ۔ وعلی اصحابہ اجمعین ۔ وعلی من سلک صراط المستقیم ۔

دنیا کی سب مسلّم اور مروّج اشیا میں سے سب سے بڑا راز مذہب ہے۔ یہ پوجنا کیا ہے؟ یہ جھکنا کیوں ہے؟ یہ رسمی عقائد اور شرعی مراسم یہ برہمن کے قشقے اور بُت پرست کی مورتیاں، مسلم کی قربانیاں، اور ہندو کے چڑھاوے کیوں ہیں؟ گبر کی شعلہ نواری کیوں ہے؟ عیسائی کا ابن خدا کیا ہے؟ تسبیحوں کے ہار، حج کے مناسک، جاترے، نماز، تپسیا، پُن، دان، خیرات، صدقات، نذر نیاز، لمبی داڑھیاں، متشرع چہرے، تعویذ، اصطباغ، ہون، اشنان، وغیرہ وغیرہ سب مذہبی مراسم متق و رواج کے وہ اسرار جاریہ ہیں کہ انکی لم تک پونہچنا عوام کے نزدیک کچھ ضروری نہیں باایں ہمہ ہر شخص ان کو نہایت عقیدت اور التزام سے کرتا ہے، انکے سچ یا جھوٹ، روا یا ناروا ہونے کے متعلق ایک حرف زبان پر نہیں لاتا۔ جاہل اور عالم، کم فہم اور عاقل سب اس مشق نامعلوم میں حصہ لے رہے ہیں، اور اُن کو حسب توفیق نباہتے رہنا زندگی کا منتہائے اہم سمجھتے ہیں۔ انسان کی تمام داستان فرض و یقین ہیں، نہیں بلکہ اسکی اکثر روئداد سعی و عمل میں مذہب ہی وہ ہمہ گیر اور خاموش

حائل ہے کہ اس کا حیرت انگیز اثر کم و بیش ہر فرد پر نمایاں ہے؛ اور مذہب ہی وہ بحث سے منفک حیطۂ دلیل سے خارج، اور ماورائے حد کی وہ اِرث متواتر ہے کہ ہر شخص اُسے بے چون و چرا قابض رہنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔

تعجب ہی کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آجتک یہ قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کونسا مذہب سچا ہے، کونسا شارع کائنات کے منشا کے عین مطابق ہے، مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے، نہیں بلکہ خود مذہب کیا شئے ہے، اور اس کا مقصود بالذات بعینہ کیا ہے؟ خود خدا کی ہستی اور اُسکے صحیح منشا کے متعلق آجتک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی، منتہائے حیات کا سرِ عظیم بالکل نا تلاش کردہ پڑا ہے، موت کا حجاب کھرا رب در ارب انسانوں کی موت کے باوجود قطعًا نا قابل درک ہی! علم حساب کی صداقتوں پر آج سب انسان متفق ہیں، اسکی کسی ایک شق کے بارے میں شائبہ اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ علم الطبعیات کے حقائق پر سارا جہان متحد ہے، اُن کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اُن سے طلب عمل کر رہا ہے، اُن سے نتائج اخذ کرکے قوت کی راہیں پا رہا ہے! نہیں زمین کی محوری حرکت یا سورج کے اضافی سکون پر بھی سب دنیا بالآخر متفق ہو گئی ہے، سب کے سب عینی شہادت کو فریب نظر سمجھ کر دم بخود ہو گئے ہیں؛ سکون زمین کے متعلق ارسطو کے غلط مذہب کا آج ایک پیرو نظر نہیں آتا، اگلے وقتوں کے سب غلط علمی نظریے نسیًا منسیًا ہو چکے ہیں لیکن ہندو اور بُدھ، گبر برہمن، عیسائی اور مسلمان کے درمیان اختلاف بدستور قائم ہے! مذہب کو ساکنان زمین نے کیوں ایسی شئے فرض کر لیا ہے کہ اسکی سچائی کے مابین یہ بُعد المشرقین قائم ہے؟ صداقت کی جامع الناس کیفیت کیوں ان سب کو کسی مشترک حقیقت پر جمع نہیں کرتی؟ یہ کیوں ہے کہ سب کی نظروں میں اپنا مذہب سچ ہے اور باقی سب غلط ہیں حالانکہ بظاہر سب کے درمیان تضاد قطبین ہے۔ اگر سب اپنی اپنی جگہ سچ ہیں تو اختلاف کیوں ہے، اور جب اختلاف قائم ہے تو **سچائی** کا ادعا کیسا ہے؟

یہ سوالات ایسے ہیں کہ صاحبِ نظر انساں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں! تاہم نسلِ انسانی کی اجتماعی بہتری کے لیئے اُن کے قطعی طور پر حل ہوجانے کی عالم آرا اہمیت اسلیئے ہے کہ روئے زمین کی اکثر خونریزیاں، اُسکے سب سے زیادہ ہولناک جنگ، اسکے بڑے سے بڑے محاربے اور مقاتلے اکثر **اختلافِ مذاہب** کے باعث پیدا ہوئے ہیں۔ ایک قوم نے دوسری قوم کو اکثر اسی وجہ سے کاٹ کھایا ہے کہ اُسکا مذہب جدا تھا، اُسکا اعتقاد الگ تھا، اسکا خدا دوسرا تھا، اسکا پیغامبر اور رہنما اور تھا! اگر فی الحقیقت یہ تمام خونریزیاں اور فساد، یہ خانہ جنگیاں اور مجادلے انسانی رہنماؤں کے ایما اور اُن کے پیغام کے باہمی اختلاف یا بالارادہ تباین کے باعث شروع ہوئے تھے، اور قرنہا قرن تک اسی نمط پر ہوتے رہیں گے تو نسلِ انسانی کا ایک نہ ایک دن لڑمر کر کالعدم ہوجانا، یا ابداً اسی طرح پر لڑتے رہنا **منشائے ایزدی** ہے۔ اِس منشائے غالب کے ہوتے ہوئے اُن میں باہمی اشتراک واتحاد محال ہے، اُن کے لئے امن کی مشترک سطح پیدا کرنا ممتنعات طبعی سے ہے لیکن اگر نوعِ انسانی فی الحقیقت ایک ہی نسل ہے، اسکا اصل و جد ایک ہی، اسکو پیدا کرنے والی محرک طاقت ایک ہے، اگر وہ درحقیقت ایک ہی مطلب کے لیئے پیدا ہوا اور ایک ہی منتہا کی طرف لوٹ رہا ہے تو یہ سب باہمی فساد **غیرفطری** ہے، منشائے طبیعت کے برخلاف ہے، خودکشی اور استہلاک ہے، ظلمِ عظیم اور جہالت کی موت ہے!

میرا یقین ہے کہ دنیا کے مختلف پیغامبر جہاں سے آئے تھے ایک ہی پیغام لائے تھے۔ اُنھوں نے اس کارخانۂ جہان کو ایک ہی چشمِ تحیر سے دیکھا تھا، وہ انساں کی حیران کن مخلوق کو ایک ہی مقامِ بلند سے دیکھ کر تڑپ اُٹھے تھے! حیرت کی بجلیاں، اور علم و خبر کی سنسنیاں اُن کے بدنوں میں ایک ہی راہ سے داخل ہوئی تھیں! وہ اس سوال میں محو تھے کہ یہ سب کچھ **کیا** ہے اور **کیوں** ہے؟ اِس محویت اور عشق کے پردہ شکن اضطراب میں حجاب آرائے حقیقی شے نے چلمن کی آڑ میں جھلک دکھلائی اور کچھ کہکر پھر اوجھل ہوگیا، لیکن جو کہا وہ سب ایک تھا، نوائے ساز ایک تھی! بوسہ بہ پیغام ایک تھا اچھتک ناز ایک تھی!

کلمۂ راز ایک تھا! جبتک یہ محرم اسرار لوگ اِس دنیا میں رہے اس راز کو برملا کہتے رہے، سولی پر چڑھ چڑھ کر اور رسوا ہو ہو کر خلقِ خدا کو آمادۂ عمل کرتے رہے، سب کو ایک نصب العین اور ایک قانون پر متحد کرتے رہے! لیکن جب نا حقیقت شناس اور نا جلوہ آشنا لوگوں نے اِس کام کو سنبھالا تو لوگوں کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پیغامِ خدا غلط سنا کر اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر دیں! آج سطحِ زمین پر خدائے قاہر کا منتقمانہ عذاب اکثر اسی ضد اور بغاوت سے ہی۔ یہ تنگ ظرفی کی چپقلش اور نا بلند بینی کی ضد ہی ہے جس نے دنیا کو اکثر قصاب خانہ بنا رکھا ہے اور اگر چندے یہی حال رہا تو نسل انسانی کا خدا حافظ ہے!

پس مذہب کی ضد فی الحقیقت جہالت اور ناشناسی کی ضد ہے، کم نگہی اور تنگ حوصلگی کی ضد ہے، نسیانِ درس اور انسانیت کی ضد ہے، **علم** اور **نبوت** کی ضد قاطبۃً نہیں! علم جہاں ہوتا ہے اتحاد و اشتراک پیدا کر دیتا ہے، حفظ و امن اور سعی و عمل پیدا کر دیتا ہے، اس کے بالمقابل مخالف کو دم مارنے کی مجال نہیں ہوتی، اِسکے ہوتے ہوئے جدال ناممکن ہے، شقاق متعذر ہے، جمود محال ہے۔ دو مخالف فریق آجتک اس بات پر نہیں لڑے کہ پانی سیال نہیں، آگ ٹھنڈی ہے، یا بوجھل شئے آسمان کی طرف گرتی ہے اسلئے کہ سب کو ان کے متعلق **علم** ہے، سب نے حقیقت کو برأی العین دیکھا ہے، سب انکے اثر کو ہر وقت اور ہر حال مشاہدہ کر رہے ہیں بعینہٖ اسی طرح اگر روئے زمین کے تمام مذاہب علم کی کسوٹی پر پرکھے جائیں، اگر اُن کی اصلیت اور تعلیم بھی علم کے معیار پر آزما کر الم نشرح کر دیجائے اگر اُن پر سے بھی وہ تمام رسمی غلاف جو جہل و نسیان سے لوگوں نے ڈال کر اُن کی حقیقت کو مسخ کر رکھا ہے اُلٹ دیئے جائیں، اور اُس مشترک اساس، اُس حقیقت مجردہ، اور اُس **نفس الامر** کی طرف رجوع کیا جائے جو فی الحقیقت ادیانِ عالم کی سنام اور ان کا صدق بسیط ہے، جسپر ہر جا اور ہر حال عمل ہو رہا ہے، جسکو ہر شخص بچشم خود دیکھ رہا ہے، جسکو علم نبوت نے عیاں کر کے سب کو متفق علیہ کر دیا تھا، تو آج ہی نسل انسانی متحد اور متفق العمل اسیطرح پھر ہو سکتی ہے جیسا کہ ابتدائے آفرینش میں تھی، آج ہی سب مقاتلے پھر بند ہو سکتے ہیں، زمین کی سب بگڑی پھر بن سکتی ہے!

دنیا کے ہر شعبہ تلاش وتحقیق میں علم† کا پردہ کتنا اثر انسانی اعمال وآرا پر اس شدت سے مصلح ہو کہ اس کے بعد کم از کم اُس شق میں افتراق متعذر ہے۔ علم کا منتہائے نظر ہر جگہ ملا ما ہے، خلیج فارق کو حتی الوسع کم کرتا، مشترک سطح پیدا کر کے سب کو مجبورِ یقین کر دیتا ہے! لیکن شرط یہ ہے کہ علم علم ہو، سمع وبصر کی **شہادت** ہو، واہی اعتقاد نہ ہو، "فرضی یقین" نہ ہو، دل کو دھوکا نہ ہو اگر یہ بات کسی جگہ حاصل ہو گئی ہے تو جبر مقاملہ اور جر ثقیل کیطرح سب دنیا اسکے ماننے پر مجبور بلکہ مجبول ہے!

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیغام بنفسہ کیا تھا، وہ **صدق بسیط** اور نفس الامر کیا تھا؟ اسکی نوعیت کیا تھی؟ اسکا **علم** کیا تھا؟ وہ کیا تھا جو بن بن کے بگڑا اور جبتک پیغامبر آتے رہے پھر بنتا رہا؟ اگر انساں کی حسّ مشترک اِس اہم اور دقیق سوال کو لاگ لپیٹ کے بدون کسی بلند مقامِ نظر سے حل کر سکتی ہو تو جواب یہ ہے کہ اُس مالک کون ومکان اور جہاں پناہ بے نشاں نے بے نیازی کی شان میں اِن دل باختہ لوگوں سے اگر کچھ کہا تو یقیناً انسان کی اپنی ہی **بہتری** کے لئے کہا، اُسی کی بہبودی کو پیش نظر رکھکر کہا! یہی ہو گا اور قطعاً ہے کہ اولاد آدم اس کارگاہ جہان کے اندر **کیونکر** رہے؟ اور حیوانوں کے بالمقابل فطرت کی یہ اُمّی اور جاہل مخلوق کیا کرے؟ اور کیسے چلے؟۔ وہ کیا ہے جس سے نسل انسانی کو زندگی اس تگاپوئے دمادم میں **امن** حاصل ہو، حفظ وارتقا حاصل ہو، بقا اور رضا حاصل ہو! یہی اس نبأ عظیم کا لُبِّ لباب تھا جو محکمۂ قضا وقدر کے آستانۂ علیہ سے نبیوں کو ملی، اور یہی سچی **نبوت** ہو، یہی انتہائے علم وخبر ہے، کمال کشف واکتشاف ہو۔ اس علم کے بالمقابل سب ماسوا کا علم ہیچ ہے، سب کمتر معاملوں کی خبر ہیچ ہے، علم حقائق الاشیا صفر ہے، علم مو الید جہان ہیچ ہے! بڑی سے بڑی اور نفع مند خبر جو انسان کو مل سکتی ہو یہ ہے کہ اس زمین وآسماں کی **ملکوت** کیا ہے، حکم قضا وقدر کیونکر ہے، الٰہی فیصلے کس اصول اور قانون کے مطابق ہیں، اُمتیں کیوں فلک الافلاک پر چڑھ جاتی ہیں، قومیں کیوں تحت الثریٰ میں گرتی ہیں، سزا کس معیار کو دیکھکر آتی ہے، جزا کس دستور کو نباہ کر ملتی ہے؟ یہی وہ مہتم بالشان سوال ہیں جو نسل انسانی کیلئے موت و

† اس کتاب میں جہاں جہاں لفظ علم استعمال کیا گیا ہے اس سے میری مراد وہ شے ہو جو واقع الامر ہے اور سمع وبصر کی شہادت [illegible] تعریف سے پہلے دیکھو اصل کتاب [illegible] صفحہ ۸۳ ۔

حیات کے سوال میں - ان کے بالمقابل کسی فرد کی بہبودی کا سوال ہیچ ہے شخصی افراط کی تلاش ہیچ ہے، انفرادی تفریط کا خیال ہیچ ہے - جو بات حتمی اور قطعی ہے یہ ہے کہ زمین کا یہ کارگاہ جلیل کمال عدل و انصاف سے چل رہا ہے، صحت اور توازن سے چل رہا ہے، دھڑتے اور تمکنت سے، قوت اور زور سے چل رہا ہے - اس میں جو بات ہو رہی ہے نقد و نظر سے ہو رہی ہے، انتخاب و انتظام سے ہو رہی ہے، نظم و نسق سے اور غور و خوض سے ہو رہی ہے - اسکا محرک حق و علیٰ وہ مالک سمیع و بصیر ہے جو ہر شئے کو بغور تمام دیکھ رہا ہے، پہنائے زمین کو دیکھ رہا ہے، نسل انسانی کو دیکھ رہا ہے، اُمتوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، افراد کے سعی و عمل کو دیکھ رہا ہے، بد و نیک کو، کہ و مہ کو، شاہ و گدا کو، بالا و پست کو دیکھ رہا ہے! اس منظم اور مضبوط، اس لرزا فگن اور صحیح حکومت کے اندر استبداد کی بو قطعاً نہیں **ظلم** قطعاً نہیں، افراط و تفریط قطعاً نہیں، ثواب کی لا ابالیت اصلاً نہیں! میرا یقین ہے کہ ملکوت جہان کی اسی اہم شق کا علم سب انبیائے کرام کو ملا، اور اسی آئین جزا و سزا کی خبر اُنہوں نے ڈنکے کی چوٹ دی - اُنہوں نے انسان کو اس زمین پر خوش اسلوبی سے رہنے کا ڈھنگ سکھلایا، اُنہوں نے اجتماعی بقا کی راہ دکھلائی، اُنہوں نے اقوام کے مدّ و جزر کے اصول بیان کیے، حکومت خدا کو ظلم سے قطعاً بری ثابت کر کے دنیاوی سزا کی تعیین کی، اُخروی جزا و سزا کی تبیین کی، افراد کے طرز عمل کو ظاہر کیا، اُمتوں کو راہِ راست پر چلا کر صدیوں تک تمکن اور دوام دے گئے، نافرمانوں کو ان آنکھوں سے سزا ملتی ہوئی دکھا گئے! یہی اُن کا لایا ہوا **دین** تھا، اور اسی 'دین' (طرز عمل)[*] پر چلنے کا خدا متمنی تھا - اگر انسان کے اس دنیا میں چلن کا فی الحقیقت کوئی مقرر دستور نہیں، اگر اُس کا اس جہان میں طریق عمل سب اناپ شناپ اور اٹا سٹا ہی ہے، اگر اُسکی نسل کے متعلق شادی و غم، عسر و یسر، سزا و جزا، فنا و دوام کے سب فیصلے کسی صحت اور التزام سے نہیں ہوتے، اگر زمین و آسمان کے اس کارگاہ عظیم میں انسان ہی وہ بدبخت وجود ہے جسکا اس دنیا میں طرز عمل کسی اصول کے ماتحت نہیں، اسکا کوئی 'دین' مقرر نہیں، درانحالیکہ ادنیٰ مخلوق حیوانی اور نباتاتی سب کی سب اپنی اپنی راہ اور مذہب پر لگی ہے، مقررہ

[*] دیکھو اصل کتاب حصہ اول صفحہ ۱۶۱

فرض ادا کر رہی ہے، نہیں، جب سورج کا زمین سے **تیرہ لاکھ** گنا بڑا کرہ بھی اس شان و اُبہت کے باوجود اس صحت اور التزام سے اپنے وقت پر نکلتا ہے، ساکنان زمین کو نور دے رہا ہے، کسی ہیبتال حاکم کے حکم پر مجبور ہے، کسی ہیبت انگیز اور لرزہ خیز قانون کو نباہ رہا ہے، اگر یہ اوروں کے حق میں سب کچھ ہے اور انسان کے حق میں کچھ بھی نہیں تو اس دنیا کے اندر سزا و جزا سب ظلم ہے، شادی و غم ظلم ہے، فنا و بقا ظلم ہے، شان کبریا سے بعید ہے حکومت کی ساکھ کے خلاف ہے، سنّت اللہ اور عادت رب العٰلمین کی نقیض ہے اگر اس کارخانے کی سا انساں کے حق میں یکسر ظلم ہی ہے تو یہ زمین اُسکے رہنے کے لائق قطعاً نہیں اور اگر عالم آرائے زمین و آسمان نے انبیاؑ کو کم از کم یہ طریق عمل، یہ آئین بشر، یہ دین متین، نہیں بتلایا تو درحقیقت کچھ نہیں کہا۔

پس انسان کا اس دنیا میں صحیح طرز عمل ہی فی الحقیقت اس کا دین ہے اور امتوں کی سزا و جزا کا اٹل دستور سمجھ لینا اسکا فرض عین ہے، اسی کا نام **علم الادیان** ہے، اسی دین کی قطعی ضرورت ہر فرد بشر کو ہے، اسی کل کے مختلف اجزا یا وہ تمام و کمال پیغمبران جہان مختلف موقعوں پر لائے اور قرنوں تک لوگوں کو اُس بتائی ہوئی راہ پر چلاتے رہے۔ نیکی اور بدی، سچ اور غلط، راستی اور کجی کا تمام تر احساس نابلد اور حیوان سا انسان میں اسی علم کے باعث پھیلا۔ وہ اجتماعی خوبیاں اور اصلاح عمل جو روز اول سے ہر زندہ قوم کے افراد کی طبیعت ثانیہ بنجاتی ہیں، سب کی سب اسی تعلیم سے ماخوذ اور اسی علم کا جزو قلیل ہیں۔ وہ اصول بقا و دوام جن پر سب مرتقی امتیں آج بدرجۂ اتم عامل ہیں اسی علم جلیل کے بقیۂ آثار ہیں! انبیاؑ کو فطرت کے اس محکمہ کبریٰ کا علم ان کی بے مثال بصیرت کے باعث ملا! اس کارگاہ جہان کو بحیثیت مجموعی اور اجتماعی نظر سے دیکھ کر ملا! کمال غور و انہماک سے ملا! وسیع نظری اور بلند بینی سے ملا! تعلم کے بام بلند، اور تدبر کے **افق اعلیٰ** پر چڑھ کر ملا! زمیں سے کئی منزلیں بلند ہو کر بلکہ **ستاروں** کی رصدگاہوں پر پہنچکر ملا! نہیں، آسمان سے اور آسمان پر بسنے والے **خدا** سے ملا! وحی اور نبوت سے، سحر اور عشق سے، تدلی اور تکلم[†] سے ملا! ہی؟

---

† دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۲-۲۱۔

کی نبوت اُس کے ایسے زمانے میں وہ لرزہ فگن اور سکون برانداز شئے تھی کہ جو گروہ اُن کے حلقہ اثر میں آجاتا تھا اُن کے کہے پر یکسر عامل ہوجاتا، وہ رہنمائے جلیل اپنے گردوں شگاف علم اور پیہم عمل سے، اپنی یقین پیدا انگیز تعلیم اور حوصلہ افزا تدریس سے، اپنی پردہ کشا تبیین و تلقین سے قانون خدا اور اُسکے امن افزا نتائج کو ہر مصاحب کی نظروں میں دو اور دو چار کیطرح عیاں کردیتا، پھر عاملوں کا جم غفیر پروانہ وار اُسکے گرد جمع ہوجاتا، اقل قلیل مدت میں وہ اُمت کامیاب اور فائز المرام ہوجاتی، اور سعی و عمل کے اس دار المحن میں آئندہ نسلوں کو مدتوں عمل کی راہ دکھلاتی! انسانی اُمتیں اس الٰہی درس کو بارہا بھولتی رہیں، بارہا اُن کے عزم میں تزلزل اور علم میں کمی واقع ہوتی رہی۔ کچھ مرور وقت کے باعث، کچھ غلط تبلیغ سے، کچھ ناشناسوں کی کج بینی اور غلط رہنمائی سے، کچھ انسان کے اپنے مکر و تاویل سے، کچھ خوش اعتقادوں کی حُسن نیت سے، کچھ مکاروں کی بدنیتی اور نفس پسندی سے لوگ اُس **عہد** خداوندی کو بار بار بھولتے رہے لیکن انبیائے کرام نے پھر ایک مدت کے بعد اس سبق کی تجدید کی، قانون الٰہی کو دُہرا کر پھر عمل پیدا کیا؛ قرنوں کے جُبن و انحطاط کو مردی اور بامرادی میں بدلتے رہے؛ پہلے سبق میں کچھ اور ملاکر ہدایت کو بیش از بیش مکمل کیا؛ نئے احوال کے باعث نئے اوزار عمل وضع کیئے؛ پُرانی روشوں کو جنسے اصل قانون اور نفس دین پر کچھ اثر نہ پڑتا تھا، بے اثر یا غیر ضروری سمجھکر متروک کردیا؛ نئے اور موثر طریقے اُس اصل اصول کے لیئے اختیار کیئے؛ الغرض جس صورت اور رنگ میں اس تعلیم کا ظہور ہوا، اُنکے ذریعے سے **اصل دین** ہی کی تجدید بلکہ تکمیل ہوتی رہی۔ کوئی مخالف عمل؛ کوئی نیا دین یا جدا مذہب دنیا کے کسی نبی نے حتماً قائم نہیں کیا۔ وہ سب کے سب اُس ایک اصل و اساس ہی کو؛ اُسی حقیقت مفردہ اور صدق بسیط کو، اُس **دین فطرت** اور قانون خدا ہی کو از سر نو عیاں کرتے رہے جو عصیاں کار اور فطرت سے باغی انسانی اُمتیں دمبدم بھولتی رہیں، اور دردناک سزائیں پا پا کر ہلاک ہوتی رہیں۔ الغرض انہوں نے اُسی ناقابل بدل آئین پر اپنے تمام عقائد کی، اعمال و افعال کی، مراسم و شرائع کی تعمیر کی۔ لوگوں نے بعد میں دین فطرت کے ان تمام ظواہر و مناسک جو قانون خدا پر چلنے کے صرف خارجی

وسائل تھے، اساس دین سمجھ لیا، فروعات کو عین شریعت سمجھکر اصل سے غافل ہوگئے، انکی سطحی اور رسمی نباہ پر ہی اپنا سارا زور صرف کرکے نتائج سے بے پروا ہوگئے! اُدھر امتوں نے اپنے رہنماؤں سے ذاتی عقیدت اور نیازمندی ظاہر کرنے اور حسب مطلب احکام کو ضرورت سے زیادہ اہم سمجھنے میں ناروا غلو کیا، ایک پیغمبر کے ظواہر وشعائر سے ہٹ کر دوسرے رہنما کی ملت میں شامل ہونا توہین سمجھا، پھر لوگ انبیاء کی وساطت سے قانون خدا کی تعمیل کرنے، اور اسکو ذریعۂ علم سمجھنے کی بجائے اُن کے پیچھے لگ کر فرقہ بند بن گئے، خدا کو تسلیم کرنے اور "مُسلِم" بننے کی بجائے موسوی، اور گوتمی، عیسائی اور محمدی بن گئے۔ انہی کو سراہنا، اُن کو اپنے اعمال و افعال میں ثت بالینا جزو دین جانا، نفسانیت اور ضد کی اس کشاکش میں اصلیت سرتاپا مسخ ہوگئی! قانون خدا نگاہوں سے اوجھل ہوگیا! مذہب صرف چند بے اثر رسوم اور بے سبب رواجوں کا نام رہ گیا، اسکی لِم کیسر غائب ہوگئی۔ ہندو نے گائے کے احترام میں ناروا توغل کرکے اسکی پرستش شروع کردی، اوصاف خدا کو ظاہری اہمیت دینے کے بہانے سے ہر وصف کا علیحدہ مظہر "دیوتا" کی صورت میں وضع کیا، عیسائی مسیح کو سچ مچ ابن خدا کہنے لگے، مسلمانوں نے داڑھیوں اور تہمدوں، مسواکوں اور ڈھیلوں کو اسلام سمجھ لیا، یہودی تسبیحوں کے پیچھے لگ گئے، بدھ چلہ کشی میں محو ہوگئے، گبر نے نور آتش کو خدا سمجھ لیا! پھر حج، جاترے، نماز، زکوٰۃ، روزے، برت وغیرہ وغیرہ سب کے سب بے مطلب رسوم اور بے نتیجہ شعار ہوگئے، مذہب بے دلیل شئے بن گیا، ذہن اور منطق سے اسکا کچھ واسطہ نہ رہا! خدا کے بنائے ہوئے آئین عمل اور انبیاء کے لائے ہوئے علم نے خدا کے دیئے ہوئے **ذہن** کو قطعًا بے دخل کردیا! آج مذہب اور علم کے مابین اجنبیت، اور اُمم عالم کے مابین سب داخلی اور خارجی فرقہ بندی اکثر اسی نسیان درس اور **غلو فی الدین** کا نتیجہ ہے!

آج دنیا کے نئے اور پرانے سب مذہب جبلۂ دلیل سے اصلاً خارج ہوچکے ہیں، لوگوں نے ان کے بارے میں استدلال کرنا، اُن کی حکمت اور لِم پر غور کرنا، اُن سے نتائج اخذ کرنا، الہامی کتابوں کا بغور تمام

مطالعہ کرکے آتی دلیل کی تہ تک پونہچا اکثر گناہ سمجھ لیا ہے ساکنانِ زمین کا یقین ہو چکا ہے کہ مالکِ زمین و آسمان کے احکام آنکھیں میچکر ماننے کے ہیں، اُن میں کوئی دنیاوی حکمت مضمر نہیں، اُن کا کوئی مستقل مطمح نظر نہیں، کچھ دنیاوی پہلو نہیں، کچھ فوری غرض و مطلب نہیں! اِس طلسمستانِ جہان اور نگارخانہ کائنات کا ہر ذرہ اور گوشہ اُس خلاق عظیم کی حکمت کاملہ اور حجت بالغہ کی روشن دلیل ہے، انسان فطرت کے بحر بیکراں سے ہی کچھ صدف ریزے چن چن کر بادلوں میں اُڑ رہا ہے، زمین پر لکڑی کے گھوڑے اور پانی پر لوہے کے گھر بچھ دوڑا رہا ہے، کہربا کی حیرت انگیز طاقت مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب کو ایک کر رہی ہے، ہزاروں میل پر کہی ہوئی بات چشم زدن میں کان سن لیتا ہے، حرکت، حرارت، نور، مادہ سب اپنی مخفی ممکنات کو عیاں کرکے دنیا کو دم بخود کر رہے ہیں، یہ سب کچھ اس خدائے عظیم کے کیئے ہوئے **کام** سے اخذ ہو رہا ہے مگر اُس کا **کلام** العیاذ باللہ بے معنی ہے نا قابل التفات ہی، بے نتیجہ اور بے مطلب ہے، اُسمیں کچھ علم و حکمت موجود نہیں، کچھ خیر و ثبوت نہیں **مغرب** کے وارثانِ علم بھی آج اپنی تمام تحقیق و تدقیق کو اشیائے فطرت کے خواص اور اجسام کائنات کے حقائق کی تلاش میں وقف کر رہے ہیں، وہ اپنا سب زور اسی میں صرف کر رہے ہیں کہ **ابدان** کا صحیح علم حاصل کریں، اور اسکی وساطت سے ترقی کے بام رفیع پر چڑھیں۔ اُن کا علم آج فلک افلاک کی بلندیوں اور تحت الثریٰ کی گہرائیوں تک ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ فطرت کی صحت اور دقت نے اشیا کی لامتناہی ممکنات اور امن افزا کیفیات پر اُن کو یہ صبر گسل یقین ہے کہ کائنات کے ہر چھوٹے سے ذرے کے اندر اُنکو ایک پہاڑ پوشیدہ ہونے کا امکان نظر آ رہا ہے۔ وہ اِس موشگافی اور دقیقہ آرائی میں عمریں صرف کر رہے ہیں، جانیں فدا کر رہے ہیں، حیرت انگیز اضعافی قوت کی دوربینیں اور خوردبینیں، دقیقہ رس آلات اور میزانیں اس اعجوبہ گاہ فطرت کے ہر ذرے کو بغور تمام پرکھ رہی ہیں، لیکن خدا کے کہے ہوئے **الفاظ** اُن کے نزدیک کچھ لائق التفات نہیں، کچھ قابل تفتیش نہیں، کچھ مجمل اور حامل المعانی نہیں، کچھ دقتِ نظر کے محتاج نہیں، کچھ دوربینی اور خوردبینی امتحان کے اہل نہیں **علم الابدان** سے مغرب کو یہ انتہائی

شعف ہی لیکن **علم الادیان** کی طرف یہ بے توجہی ہے! نسل انسانی کو چند لمحوں کے لیئے قوی تر بنا دینا
اُن کے نزدیک اشد ضروری ہے لیکن جماعتی بقا کے لیئے محکمۂ قضا و قدر کی ٹوہ لگانا کچھ ضروری نہیں! یا
وہ حفظ و آرام کے فوری سامان پیدا کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں لیکن دوام اُمم کے اصول کو نظر انداز کر رہے ہیں،
اشخاص کی انفرادی صحت کا انکو بے حد خیال ہے مگر اقوام کی اجتماعی موت سے کچھ سروکار نہیں، گھر کی آرائش
کا یہ خاص الخاص اہتمام ہے مگر گھر میں دیر تک رہنے کا کچھ فکر نہیں! صدہا امتیں دیکھتے دیکھتے اِس روئے
زمین سے محو ہوگئی ہیں، اُن کے عہد عروج کے حیرت انگیز کارنامے آج صرف افسانوں میں باقی ہیں، ہلاکت
کا حکم خسروی کئی ایک کے بارے میں نافذ ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے، مگر اُن کے اسباب فنا و انحطاط، اُن کے
اِس دنیا میں بُرے طرزِ عمل، انکے بُرے 'دین' اور **غلط 'مذہب'** کا **علم** حاصل کرنا کچھ ضروری نہیں رہا!
المانیہ اپنے بے نظیر علم حقائق الاشیاء، فقید المثال عسکریت، اور محیر العقول قوت ہجوم کے باوجود
حال کے محاربۂ عظمیٰ میں شکست فاش کھا چکا ہے مگر اِس دہشت انگیز آسمانی فیصلے کی لِم کو جاننا، فریقین کے اعمال
کی مسل کا اضافی اور مکمل مطالعہ کرنا، انگریز کی مجموعی صلاحیت اور المانی کی اجتماعی عدم صلاحیت کی تہ تک پہنچنا مغربی
مفتش کی نگاہ میں چنداں ضروری نہیں۔ خود **انگریز** کا اگلا رعب و وقار اسکی اپنی مستعمرات پر چند برسوں
سے اِس تیزی سے مٹ رہا ہے، مشرقی مقبوضات پر اُسکی گرفت اسقدر بے ثبات اور ڈھیلی ہو رہی ہے کہ آسمانی
عجائب نمائیوں اور تماشہ آرائیوں کو دیکھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں، لیکن انگریز کی گمراہی، اُس کی
بے راہ روی اور اُسکے غلط 'مذہب' کا صحیح علم رکھنا یا اُسکی تدریجی عدم صلاحیت کے بوعث کو مدون کرنا کچھ لائق توجہ
نہیں رہا! کیا انسان کے لیئے اِس دنیا کی ہر شئے کو دریافت کرنا، اُن کی داخلی ترکیب و ترتیب کے درپے رہ کر
اُن سے طلب علم کرنا تو ثواب ہے مگر خود اپنے بارے میں اِس بات کا علم رکھنا کہ دنیا کے اِس ناپیدا کنار محیط اور کارزار
جہان کی اِس حیران کن تگا و دو میں وہ صحیح چل رہا ہے یا غلط چل رہا ہے، فنا یا بقا کی طرف جا رہا ہے، اسکی مجموعی روش
بعینہ کیا ہو، تمکن اور امن کیونکر ہو، حفظ و دوام کس طرح حاصل ہو، غالب و فائز المرام کیسے بنے، فی الحقیقت جرم عظیم ہے؟

کیا آج مغربی حکیم صرف اس بات پر مطمئن ہوگیا ہے کہ ڈارون کے اپنے زعم میں فیصلہ کُن قول کے مطابق دنیا میں اسی گروہ کو **بقا** میسر ہے جو **اصلح** ہے، وہی قائم رہا ہے جو معیشت کے پیہم تنازعے میں گوئے سبقت لیجا رہا ہے، اور جب تک مسابقت قائم رکھ سکے بے خوف و خطر ہے، کیا بدیہیات کی اس مدون شق کو مدون کر لینے کے بعد پہلا اور آخری سوال یہ نہیں رہتا کہ **صلاح** فی الحقیقت کیا شئے ہے، وہ کس نامعلوم علت کا نام ہے، اُسکا مکمل اور صحیح مفہوم از روئے قانون طبیعت کیا ہے نہیں بلکہ شُرطہ قضا و قدر کی وہ کتاب تعزیرات کہاں ہے جسمیں اسکی تعریف لکھی رکھی ہے، جسمیں اسکی سب شقیں بالتفصیل درج ہیں، جسمیں اُسکے ہر ممکن کیفِ حال کو اس طرح پر عیاں کر دیا ہے کہ بعد ازاں غلط عمل اور شک کی گنجایش قطعاً نہ رہے؟ اگر اس پیچ در پیچ سوال کا حل حکمائے مغرب کے ایک عام اجلاس میں طے ہونا قرار پائے اور دس بیس یا دس ہزار حکیم بھی اپنے علمی تبحر اور ذاتی تجربات کو ایک مرکز پر جمع کر کے صلاح کی ایک تعریف وضع کر لیں، اور بعد ازاں تاریخ زمین کو سامنے رکھکر دنیا کی سب غیر صالح مخلوق اور فنا شدہ اقوام کے نامہ ہائے اعمال کو اپنی وضع کی ہوئی تعریف سے منطبق ثابت کر دیں، تو بھی انسانی قیاسات اور ظنیات کی اس دلچسپ اور گرما گرم بحث میں آخری اعتراض یہی وارد رہے گا کہ صلاح کی اس مسلمہ تعریف کی اصلی اور حتمی سند کیا ہے، اسکے **کامل** اور **حاوی** ہونے کی کیا شہادت ہے، اسکی آئینی اور سرکاری تصدیق کہاں ہے، اسپر محکمہ قضا و قدر کی مُہر کدھر ہے، اسپر شحنہ حکومت کے کہاں دستخط ہیں؟ یہ کیا مسخرہ پن ہے کہ مجرم یا معمول علیہ رعیت کے افراد کا ایک گروہ خود ہی کتاب تعزیرات کی ایک دفعہ کو لیلے، اور بعد ازاں اپنے چند ایک بھائی بند مجرموں کی روئداد جزا و سزا کو سامنے رکھکر اُس دفعہ کی قانونی مصطلحات کی ایک لگتی ہوئی تعریف وضع کر لے، اور تصدیق شدہ ہدایت سے بے نیاز ہو جائے! ایسی ناقص اور خود ساختہ تعریف منشاے حاکم کو بعینہ کیونکر ادا کر سکتی ہے؟ نہیں، بلکہ حاکم وقت کی غیرت اور قدرت، اُسکے علم و تفضّل، اُسکی مصلحت شناسی اور ہمہ بینی کو مدنظر رکھکر رعیت کا اس تعریف کو حاکم سے

---

* مسئلہ ارتقاء و بقائے اصلح کے بارے میں ایک مفصل بحث اصل کتاب کے تحت المتن صفحہ ۱۱ – ۲۷ میں کی گئی ہے

من وعن قبلوالینا کیونکر ممکن ہے ؟ پس جزاو سزا کے معیار و اسباب کی کامل تعیین حاکم اعلیٰ اور مقنن اوّل ہی کر سکتا ہے۔ یہ اسی کا منصب ہے کہ مصالح حکومت کو پیش نظر رکھکر ایک قانون بنائے، اور پھر اس قانون کی حسن طرح پر مناسب سمجھے تشریح وتبیین کر دے، اسکے نباہنے کیلئے اسالیب عمل مقرر کرے، جو وضع کرے دس پچاس بلکہ سو قدم آگے کو دیکھکر وضع کرے، جو کہ اسمیں رعیت کی دائمی بہبودی مدنظر ہو، چین اور آرام پیش نہاد ہو۔ نابلد اور کوتاہ نظر رعایا کا مقام نہیں کہ ایک لامتناہی وسعت اور ناپیدا کنار علم و خبر کے بالمقابل اپنی محدود نقد و نظر کے سست رفتار گھوڑے دوڑائے، یا حاکم کا صحیح اور مکمل عندیہ محکوم کے وقتی اور مقامی احوال کو دیکھکر اخذ کرے۔ اس طریق استقرا اور استنباط سے جو کچھ اخذ ہوگا اقلاً نامکمل ہوگا، اکثر قیاس و رائے ہوگا، تخمین و گمان ہوگا، اٹکل کے لگ بھگ ہوگا، وہ علم و نبوت کے بلند مقام تک ہرگز نہیں پہونچ سکتا، گو کہ مجوزین نے اپنے زعم میں اسکی اکثر بنا مشاہدے اور تجربے پر رکھی ہو اور سب نتائج حوادث خالیہ یا احوال جاریہ کو دیکھکر ہی مرتب کیوں نہ کیئے ہوں۔

میرا یقین ہے کہ انسان کو وحی کی ضرورت اسکے اسی مفتقر اور محتاج ہونیکے باعث سے ہی، کم ہیں اور کوتاہ نظر ہونیکے سبب سے ہے، تنگ اُفق اور نارسا ہونے کی وجہ سے ہی نہیں، بلکہ علم الابدان کے مبادیات کے بعد انسانی راہ عمل اور دین کے علم جلیل کی ابتدا یہیں سے ہی! کائنات فطرت کی اس ناپیدا کنار فضا میں جہاں جہاں انسان کا بدنی علم پہونچ رہا ہے اسکو بالآخر ماسوا تحیر کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا، وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے مگر آخر کار رہ جاتا ہے، کان لگا لگا کر سنتا ہے مگر ششت پٹا جاتا ہے، وہ سمجھنے کی سعی مالا یطاق کرتا ہی مگر پھر کچھ نہیں سمجھتا کہ وہ خود کیا ہے اور کہاں سے کدھر کو جا رہا ہے! ایسے نگارخانہ چین اور تحیر زار عالم میں جہاں اسکو ابھی اسمار اور ابدان سے پوری واقفیت نہیں ہوئی، جہاں اسکو زمین سے نزدیک ترین سیارے تک کی مخلوق کا حال معلوم نہیں ہوا، جہاں وہ زمین کی مخلوق کا صحیح اندازہ کرنے میں حاوی ہونے کا ادعا نہیں کر سکتا، وہاں اسکا انسانی ہمتوں کے بقا و فنا کی خفیہ مسئل پر حاوی ہوجانا از بس متعذر ہے! اقوام عالم کے بارے میں وہ سب

تدبیر امر جو محکمہ قضاء وقدر اکثر اوقات ہزاروں برس میں کرتا ہے جس کا سب سست گستاد عاصر اور شیکسپیئر انسان کے دس مارسا سے ختما مالاتر ہے، جسکے دریائے حلم و اُبہت میں انسان باوُسکے رساترین ذہن کی ہستی ایک تنکے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، جسکے صحرائے بے پایان کی ہول افزاؤ ریوں میں اسکی بڑی سے بڑی اُڑت پرواز مگس سے زیادہ بلند تر نہیں ہوسکتی، ایسے تدبیر امر کی کنہ وماہیت دریافت کرنیکے لیے انسان کے ظاہری اور باطنی حواس اور یہ اقل قلیل علم از بس عاجز ہیں، اُسکے لیئے کوئی یقینی استقصا بے سود ہے، استقرا عبث ہے، استنباط محال ہے۔ انسان اس دنیا کے اندر اپنی بہتری کے لیئے سب کچھ کرسکتا ہے، اپنے استعمال کے لیئے ہر شئے مسخر کرسکتا ہے، موالید وعناصر کو اپنا مطیع بنا سکتا ہے، آب و آتش پر، تر و بحر پر، بالا و پست پر قابض ہوسکتا ہے، اپنے حواس ظاہری کو اشیائے فطرت کی مدد سے بیحد طاقتور اور دور رس کرسکتا ہے، لیکن اپنی **موت وحیات** کے سوال کو اس تھوڑے سے علم کی مدد سے آپ حل نہیں کرسکتا! اُسکے مکمل قانون کا علم لامحالہ اُس ذرہ نواز اور غریب پرور خدا کی **موہبت کبرٰی** ہی ہوسکتا ہے جس نے اس زمین وآسمان کو پیدا کیا، اُس سے کمتر ذات کی طرف سے اسکا ادعا ہونا محال ہے! جس قوم کو یہ نعمت غیر مترقبہ حاصل ہوگئی ہے، اور جو قوم اُس قانون کو دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت فی الحقیقت سمجھکر اسپر صحیح معنوں میں **عمل پیرا** ہے وہی **صالح** ہے، وہی زور آور اور ناقابل ضرر ہے، وہی دائم اور قائم ہے، اُسی پر زمین وآسمان کے دروازے بلاشبہ بکمال کھلے ہیں اور جب تک اس صحیح عمل سے یک سرمو تفاوت اور تجاوز نہیں ہوتا اس دنیا میں **بیخوف و خطر** ہوکر رہنا اُسی کا حصہ ہے!

مغربی حکما نے **کلام وحی** کو قطعاً اُس نظر سے نہیں دیکھا جیسا کہ اُس کا حق تھا، وہ ادیان عالم کے باہمی اختلاف اور اصولی تضاد کو دیکھکر اس سے یکسر متنفر ہوگئے، وہ اقوام جہان کے اُس کے متعلق مضحکہ خیز عمل کو دیکھکر بیزار ہوگئے، جو دیکھا اُسکے متعلق کشر مسکرا دیا، جو پایا اُس سے فی الجملہ خاموش اعراض کیا! تین خداؤں کا ہونا اور پھر ایک کا ہونا، خدا کے ہاں بیٹے کا پیدا ہونا(!)، اُسکا چند سپاہیوں کے ہاتھ سے **مصلوب** ہونا(!)، کرسیِ عدالت پر متمکن خدا کا

مدوں کو اپنے غیظ و غضب سے بچانے کیلئے کاٹھ کی سولی پر چڑھا دینا، اُسکا مُردہ ہو کر جی اُٹھنا، اُس کا بن باپ کے لیکن ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا، ہندو کا ایک حیوان کو خدا سمجھنا، پتھر کے اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کے آگے ماتھا ٹیکنا، دریاؤں اور اجرام فلکی کو خدا سمجھنا، گبر کا آگ کے سامنے سجدہ کرنا، مُسلم کا خدا کو مُنہ سے ایک ایک جپتے رہنا، کلمے اور لاحول پڑھ پڑھ کر جنت کے حقدار بننا، قرآن کا ایک ایک حرف پڑھکر دس دس نیکیوں کے منتظر رہنا، پیروں کی پرستش، قبروں کی زیارت، پھُونکا پھاکی اور استھانوں کو دین سمجھنا وغیرہ وغیرہ، فی الحقیقت ایسی مضحکہ انگیز، ناکار برآر اور بے دلیل باتیں تھیں کہ ہر سلیم الذہن شخص کو ان سے اعراض کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ انھوں نے فسادِ عقل کے اس تمام گذلستان اعتقاد میں نہ علم دیکھا، نہ سمع و بصر کی شہادت! **علم فطرت** کی حقیقت کنا، نفع مند اور نتیجہ خیز تبیین کے ہوتے ہوئے اُن کو جہالت کی ان قہقہہ خیز کارفرمائیوں میں نہ مُسلم کی **افواہی توحید** پسند آئی نہ جسائی کا **قبیلہ ساز شرک**، وہ اسی دُھن میں لگے رہے کہ اعتقادات کو یکسر خیرباد کہہ کر یقینیات کی طرف اپنی ساری توجہ صرف کر دیں اور مذہب کو اپنے دائرۂ تحقیق سے یکسر خارج کر دیں! یہ دلیل کہ **ایک** خدا کی طرف سے ایک ہی نوعِ انسان کی طرف ایک لاکھ پیغمبر کی وساطت سے بھیجا ہوا پیغام بھی **ایک** ہی ہو سکتا تھا بجائے خود اسقدر کارگر تھی کہ عیسائی اور ہندو اور یہودی اور مُسلمان کی اپنے اپنے مذہب کی سچائی کے متعلق ایک ہزار دلیلیں بھی اُسکے بالمقابل حتماً نہ ٹھیر سکتی تھیں، لیکن انسانی ابداع و اختراع کی اس ظلمت انگیز دروغبافی میں مغربی عالم نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی کہ عمار علم کا فرض نفسِ حقیقت اور **اصل پیغام** کی طرف متوجہ ہونا ہے، عوام کی اُس پیغام کے بارے میں بنائی ہوئی حُجت سے اُسکو چنداں بحث نہیں۔ یہ سوال کہ کیا سب نمایانِ خلق اور اجلّۃ الناس جو اپنی مُدۃ العمر سعی و عمل کے بعد خلقِ خدا کو ایک راہ پر لگا گئے تھے، جو اپنی دُھن کے اسقدر پکّے تھے کہ گردنیں کٹوا گئے مگر اپنی بات کو نہ چھوڑا، کیا یہ سب العیاذ باللہ جھوٹے اور دغاباز جاہل تھے؟ کیا اُن کا تانا بانا سب تانا مکر و فریب کا جال ہی تھا جو لوگوں کو پھانسنے کی غرض سے بچھایا گیا تھا؟ کیا ان سب کو نفس نے اسقدر دھوکا دے رکھا تھا کہ دھوکے میں

جیتے رہے، دھوکے میں کہتے رہے، دھوکے میں قوموں کو فلاح و امن کے فلک الافلاک تک پہنچا گئے، اور دھوکے میں مر گئے؟ یہ سب سوالات بذات خود اس نمط کے تھے کہ ادنیٰ تامل کے بعد مغربی مفتش کو اُنکے لائے ہوئے نفس پیغام کی طرف متوجہ کرنیکے لیئے بس تھے، اور یہی تلاش **وحی** کی سچی ترغیب تھی! کیا **موسیٰ** فی الحقیقت ایک بے علم، بدحواس، ایک دُھنا اور مختل الحواس مجنون تھا جو فرعون کی طاغوتی حکومت کے خلاف برسوں تک علانیہ برسرِ پیکار رہا، جو اپنی بے سروسامانی کے باوجود علی الاعلان اُسکو ہلاکت کا اٹل پیغام سناتا رہا، جس نے ڈنکے کی چوٹ اُسکو اور اُسکی قوم کو عذاب کی دھمکیاں دیں، جو عذاب کو آنکھوں سے آتا ہوا دیکھ کر چل نکلا، اور بنی اسرائیل کے ایک جم غفیر کو خدائے مصر کی سب نہال وانی کے باوجود بے آب و رزق جنگل میں لیجاکر چالیس برس تک ڈیرہ ڈالے رہا، اور بالآخر اُس خشت پز اور ننگے اور سیاہ بدن پر چمڑے کے گندے ہوئے کوڑے کھانے والی قوم کو بادشاہ بنا کر چھوڑا! کیا **عیسیٰ** علیہ السلام دراصل ایک مرنجان و مرنج، ایک سادہ لوح اور خالی الذہن، ایک دُنیا و مافیہا سے نابلد اور بھیڑوں کا چرانے والا گڈریا تھا جسپر قیصر روم نے افترا باندھکر اُسکو سلطنت کا باغی اور واجب القتل قرار دیا تھا، جسکے ساتھ ساتھ محکوم یہودیوں کو خوش کرنیکے بہانے سے حکومت وقت کے خفیہ کارندے لگے رہتے تھے جو اُسکی دن بھر کی کارگذاری روزنامچوں کی صورت میں پہنچاتے تھے، اور جسکی بابت ایک سرکاری کارکن[†] نے بادشاہ وقت کو اطلاع دی تھی کہ "اسکی سنجیدہ آنکھوں میں

[†] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق حال میں ایک نہایت عجیب شہادت دستیاب ہوئی ہے جو اس اولوالعزم نبی کی حیثیت کو صحیح طور پر سمجھنے میں بہت کچھ مددی ہے۔ شہادت ایک لوح مکتوب میں درج ہے جو حضرت کے ایک ہمعصر اور واقعہ صلب کے عینی شاہد نے اپنے سلسلے کے احباب کو مصر میں لکھا، اور جو سکندریہ کے ایک پُرانے مکان میں ملک حبش (ابی سینیا) کی ایک تجارتی شرکت کے رکن کو دوران سیاحت میں ملا۔ محکمہ آثار قدیمہ مصر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ یہ پُرانا مکان سادہ قدیم میں اسیری فرقے کا مسکن تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علما سے طریقت کا ایک معتمد، زاہد اور عامل صیغہ گروہ تھا اسی مکان کے اندر اس فرقے کا الواحی کتب خانہ بھی تھا اور یہ پھر بھی اُسی کتب خانے کا بقیہ ہو ملا، اور بظاہر غیر مشکوک اور اصلی ہے آج یہ لوح جرمنی میں جماعت کی وساطت سے المانیہ (جرمنی) کی ایک علمی انجمن کے قبضے میں ہے اور چونکہ اسکے اندر حضرت عیسیٰ کے صلب پر جان دینے اور تمام عالم کے گناہوں کے کفارہ ہونے کے عیسائی عقائد کی تغلیط ہوتی ہے اسلیے عیسائی پادریوں کی دستبرد سے بچا کر محفوظ ہے۔ مکتوب میں راقم نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونیکے وقت عینی شاہد تھا، حضرت کو یہود کے سامنے پیلاطوس حاکم گلیل کے فرمان کے مطابق صلیب دی گئی لیکن چونکہ یوم سبت کی رات ہونے کی وجہ سے اُن کو سرِ شام چند گھنٹوں کے بعد صلیب سے اُتار دیا گیا اور اُن کی ہڈیاں بھی نہیں توڑی گئیں، اس لیئے وہ مرے نہیں اگرچہ یہود کو اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ مر گئے ہیں اور پہرہ داروں نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی تھی۔ جلاد سپاہیوں کا حضرت عیسیٰ کے بدن میں برچھی چبھونا اور اُس سے خون اور پانی کا نکلنا بھی (جس کا ذکر انجیل میں ہے) اس امر کی تصدیق ہو کہ حضرت دراصل مرے نہیں تھے لیکن یہود کو گمان ہو گیا تھا کہ وہ مر گئے ہیں قرآن حکیم میں اس واقعہ کی حیرت انگیز طور پر تصدیق ہوتی ہے اور سو برس کے بعد اسکا ایک ہمعصر شہادت سے مصدق ہونا صاحب تذکرہ کے لیے قرآن کے الہامی کلام ہونے کی ایک صریح دلیل ہے، وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا (النساء)

(باقی برصفحہ اسدہ)

ایک ہیبت اور خوف نظر آتا ہے ، اسکی آنکھیں آفتاب کی شعاعوں طرح روشن ہیں، ان کا نور ایسا تیز ہے کہ اسکی وجہ سے ممکن نہیں کہ کوئی شخص اُسکے چہرے کو نظر بھر کر دیکھ سکے۔" تحصیل علوم میں یہ شخص سارے شہر یروشلم کیلئے تعجب اور حیرت کا مظہر ہے۔ اُس نے بظاہر کہیں تعلیم نہیں پائی لیکن بے غل و غش تمام علوم جانتا ہے" کیا بدھ علیہ الرحمۃ والسلام جیسا باکمال شخص جسکے رسمی پیروؤں کی تعداد آج دنیا کے سب نئے اور پرانے مذاہب کے ماننے والوں سے بڑھکر ہے اور جسکی نام لیوا اُمت کا جم غفیر اسوقت باشندگان زمین کی نصف تعداد سے کچھ ہی کم ہے ، جس نے کرشن کی بے راہ رو اور گیتا کو بھولی ہوئی اُمت کو صدیوں کے بعد روحانیت کا زلزلہ انگیز سبق دیکر پھر زندہ کر دیا تھا ، فی الحقیقت ایک چلہ کش اور نفس کُش ، ایک خشک مغز اور یبوست آگین زاہد ہی تھا جس نے تخت سلطنت کو لات مار کر باشندگان زمین کو راہ راست پر لانیکے لیئے وہ اندوہناک مشقتیں جھیلیں کہ سطح زمین یکسر کپکپا اُٹھی ، قرنوں تک اس لرزش کا اثر چاردانگ عالم میں باقی رہا اور صدیوں تک

(بقیہ صفحہ ۱۶) راقم مکتوب اس امر پر زور دیتا ہے کہ یوسف حکیم سے جو اسیری درجے کا ایک اعلیٰ رکن تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مناسب علاج سے یوسف کے باغ والی قبر میں اچھا کیا ، وہ تیسرے دن اپنے جسم اور دل سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باوجود انتہائی نقاہت کے اپنے حواریوں سے ملے وغیرہ وغیرہ۔ جو فرشتے سفید لباس میں اس اثناء میں بار بار روئے اُبل؟ قبر کی حفاظت کرتے رہے وہ بھی اسیری فرقے کے حسید طبیب تھے جو ان کی بیمارداری پر متعین کیے گئے تھے۔ راقم کہتا ہے کہ یہ حال اس لیے لکھا گیا ہے کہ وہ اختلاف جو حضرت کی وفات کے متعلق عوام میں پڑگیا ہے اور جس کی وجہ سے طرح طرح کے اوہام باطلہ اور خرق عادت کے طوفان جہلا میں پھیل گئے ہیں دور ہو جائیں ، وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ ، جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔

لیکن اس حکایت سے قطع نظر جسکے جزئیات کا انجیل کے بیان سے حیرت انگیز طور پر تطابق ہے جو مفصل سبق اس مکتوب سے اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اسیری فرقہ جس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک معتقد رکن تھے علم حقائق الاشیاء میں حیرت انگیز طور پر ماہر اور قانون فطرت سے بڑا باخبر گروہ تھا خدمت خلق اسکے عمل کا جزو اعظم تھا روئے زمین کے ہر قریہ میں اسکے کارندے موجود تھے ان کے باقاعدہ اجلاس ہوتے تھے کئی برس کے مسلسل سعی عمل اور علمی مجاہدوں کے بعد ایک شخص کو اسکا رکن اعلیٰ بننا نصیب ہوتا تھا۔ اکثر باعلم لوگ اس حسید اخوت کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے جو پلاطوس اسکی طرف مائل تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب سے ایک دن پہلے صلیب دے دی تھا اور اُن کی نعش کا یوسف کے سپرد کر دینا بھی اسی وجہ سے تھا۔ اگرچہ اس فرقے کا بظاہر ادعا یہی تھا (اور یہ مکتوب بھی اسی پر زور دیتا ہے) کہ حکومت وقت کی سیاسیات میں دخل نہ دے مگر یا وجود اس کے مخبر اور صاحب علم ہونے کی وجہ سے حکومت اس زبردست اخوت سے خائف رہتی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام سے جو فرقہ رہا چنانچہ یہود سے بنا بصلیب یسوع کے درپے تھا ، بھی ہوا یعنی پلاطوس نے حکومت وقت کے ایما سے جاری کیا ، حضرت پر دعویٰ ، مصری علی الملک اور کذاب ہونیکے علاوہ باغیٔ حکومت اور قیصری قوانین و آئین کے دشمن ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔ تصلیب کی اصلی وجہ جتنا یہی تھی محکوم یہودیوں کو جوش کر یا اسقدر ضرری تھا علاوہ ازیں عوام میں مسیح کے دنیاوی بادشاہت قائم کرنیکا انتظار اور چرچا تھا ، بادشاہت در پیش کے مزعوم لگو نہ چہرہ کا مصداق ہے جو ہر صاحب نظر پر عیاں ہے۔ اسی مکتوب میں درج ہے کہ مسیح علیہ السلام نے پہاڑی پر سے مصر کی طرف کوچ کرنے (اور عوام کی نظروں میں فرشتوں کی معیت میں بادلوں میں غائب ہو جانے) سے پہلے حواریوں کے سامنے کہا کہ میرا کام یہ ہے کہ خدا کی بادشاہت زمین پر قائم کروں چنانچہ یہ روحانی بادشاہت کا قیام ہی قیصر روم کو چین سے سونے نہیں دیتا تھا۔ اسی پہاڑی پر حضرت نے اپنے حلقے کے حواریوں کو علوم فطرت کا آخری سبق دیا۔ علم تشخیص امراض ، علم تشخیص خواص معدنیات و نباتات ... ، علم تربیت حیوانات ، علم تریاق و سمیات کے اسرار سکھلائے ، علم معاشرت کے اصول منکشف کیے۔ کئی دن تک تعلیم و تیار ... کر کہا کہ تمام دنیا میں پھیل جاؤ ... ایمان پھیلاؤ ... سبکو ایک اخوت میں جکڑ دو۔ ممکن ہے کہ بعض راہبوں اور بت پرست گروہوں کے لوگ جو اب بھی دنیا میں سب طرف نظر آتے ہیں (مثلاً ... ہندوستان میں) اسی اسیری فرقے کا ایک بقیہ ہوں ... اس امر کی روشن شہادت موجود ہے کہ انبیائے کرام قانون فطرت کے بڑے ماہر اور علم حیوان ... کے بڑے علامہ تھے ، اور یہی بڑا باخبر ہونا ہی نبوت ہے ... اللہ ... (حاشیہ ۳۵)

لوگ اُس سے متاثر ہوتے رہے! نہیں، کیا وہ سالارِ انبیاء اور ختم رسل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام جسکے آسمان شگاف علم و عمل کو دیکھکر رحمت ایزدی کا موسلا دھار مینہ روئے زمین کو ابد الآباد تک تر بہ تر کرتا رہیگا، جسکے قانون بقا و فنا کی تبیین کو پاکر بر و بحر اور شمس و قمر اُس پر سلام بھیجتے رہیں گے، جسکی قوت تغییر و انقلاب کا اندازہ کرکے مس خام کو کُندن بننے کی دائمی آرزو رہیگی، کیا وہ سرورِ عالم فی الحقیقت ایک گنج نشین اور کملی پوش، ایک بے علم اُمی اور نازدوان زاہد، ایک نماز گذار متوکل اور فاقہ کش متقی ہی تھا جسنے ایک اقل قلیل مدت میں عرب کی بے نام و نشان اور جمود زدہ قوم سے علم و عمل کے وہ آتشین فوارے اکناف عالم میں رواں کیے کہ دنیا ہمیشہ تک اُن کے کارناموں کو سن کر سر دُھنا کرے گی! کیا یہ سب کبرائے خلق اور پیشوایانِ زمان العیاذ باللہ چھوٹے تھے؟ کیا انکی دی ہوئی تعلیم میں کوئی شئے فی الحقیقت آموز اور نتیجہ خیز نہ تھی؟ کیا انکی اس دنیا میں مہتم بالشان کامیابی، کروڑ در کروڑ ساکنانِ زمین کی اُن سے صدیوں تک عقیدتمندی، اُنکے لگائے ہوئے پودوں کا اس قدر پھیلاؤ، اُنکی پیدا کی ہوئی تحریک کا اسقدر دوام بذاتِ خود اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ لوگ فطرت کے محکمۂ تدبیر میں قضا و قدر کی بست و کشاد کے مستقل کارندے تھے، وہ ملکوت زمین کے متعلق الٰہی تجویز کے مقرر شدہ کارکن تھے۔ کیا آج ایک یا دس یا دس ہزار بڑے سے بڑے طبعی حکما، اور فلسفیوں کی مجلس بیسیوں برس کے متفقہ سعی و عمل سے ساکنانِ زمین پر وہ قلبی اور اجماعی اثر، وہ ذوقِ یقین، وہ لطفِ اعتقاد، وہ حرکت اور تموج، وہ بات پیدا کرسکتی ہے جو ان رہنمایانِ زمین میں سے کسی ایک فرد نے پیدا کی؟

میرا یقین ہے کہ یہ اولو العزمی اور کامیابی ہی ہر متامل شخص کو اسطرف متوجہ کردیتی ہے کہ ہم سمجھیں کہ وہ کیا پیغام تھا جو یہ بزرگ اعمال اشخاص لائے، کس مضبوط پناہ پشت پر انکی یہ مثال جسارتیں تھیں، وہ کیا دل تھا جسکی گردوں شگاف طاقت انکو بے کسی اور مخالفت میں بے خوف و خطر بولنے اور بے دھڑک عمل کرنے دیتی تھی؟ ان کے ذہنوں میں کیا تجویزیں بس رہی تھیں، کیا علم تھا، کیا کاشفِ غطا یقین تھا، کیا عینی شہادت، اور براہ راست تصدیق تھی، کیا الاٰخر عمل اور صراط مستقیم تھا، وہ کیا تھا جس کی بابت ایک اولو العزم پیغمبر نے کہہ دیا

کہ "میں نے سمجھ لیا اور راز کو پالیا"! اور جسکو پیش نظر رکھکر عرب کا آخری پیغمبر یوں اُٹھا کہ اگر سورج میرے ایک ہاتھ پر رکھدیا جائے اور چاند دوسرے ہاتھ پر تو میں اپنی بات سے باز نہ آؤنگا! نشأ آفرینش سے آجتک جس قدر حکماء گذرے ہیں اُنہوں نے اس رازِ دروں کو بہ تمام و کمال سمجھنے میں کوئی قابلِ ذکر کوشش نہیں کی، اور باوجودیکہ ہر نبی نے کم از کم اپنی مدت حیات میں اس الٰہی سبق کو لوگوں پر دو او دو چار کیطرح روشن کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہوگا لیکن وہ کیفیت اور احوال جو اُنہوں نے ہمعصر اُمتوں کے افراد میں پیدا کیا تھا بجائے خود اسقدر ناممکن البیان رہا کہ بسا اوقات پہلی پشت ہی اُس تخیل کو اگلی پشت تک صحیح و سالم پہنچانے میں حتماً ناکام رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب اصلیت نظروں سے اوجھل ہوگئی تو ناشناس لوگوں نے مذہب کو وہ کچھ بنالیا جو وہ آجکل ہے، بلکہ اسکی اصلیت یہاں تک مسخ کر گئے کہ پرانے خط و خال کا پہچاننا قطعاً محال ہوگیا۔ ویدوں اور گیتا کی صحیح تعلیم کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اسکا صحیح اثر کتنی دیر تک ہندو مت میں برقرار رہا مگر اسلام کے بارے میں جو مذاہب عالم میں سے سب سے نیا مذہب ہے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ عرب کی اُمت اسلام کے الٰہی اور نبوی تخیل پر تیس برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکی! خلفائے راشدینؓ کے بعد جو عروج مسلمانوں کو نصیب ہوا وہ صرف اُس الٰہی درس کو جستہ جستہ یاد رکھنے کا نتیجہ تھا لیکن قرآنی سبق کا ایک اہم حصہ اُسوقت تک ذہنوں سے قطعاً نکل چکا تھا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواری غالب ہے کہ اُسکے الٰہی تخیل کو سرے سے اخذ ہی نہ کر سکے ہوں، اُن کا بہت جلد اپنے نبیؑ کی ناروا تعظیم یا پطرس کا اُسکی ناروا تکفیر میں مشغول ہوجانا ہی اِس واماندگی کی صریح دلیل ہے، مگر پولوس کی استقامت اور عیسائیت کا بعد از وقت فروغ ایک حدتک اِس امر کی تائید کرتا ہے کہ پیغام خدا کا وہ نامکمل درس جسکو عیسٰی علیہ السلام دیتے دیتے اور نتائج کا انتظار کئے بغیر چل بسے تھے، کم از کم پولوس نے صحیح طور پر جذب کر لیا تھا۔ بدھ مذہب کو ہندوستان میں بے انتہا شوکت نصیب ہوئی تھی لیکن آریوں کے اپنے صدیوں کے بھولے ہوئے سبق کو دُہرا لینے اور بدھوں کے دوسری پشت میں ہی اُسکو بھول جانے نے اُس شوکت کو جلد تر تباہ کر دیا، اور بالآخر اس عظیم الشان مت کا اثر بھی ساکنانِ زمین پر فی الجملہ جلد ناپید ہوگیا۔

آج اگرچہ تمام علمی دنیا ان پیشوایانِ مذاہب کی عظمت کی اعتقادی طور پر خاموش قائل ہے لیکن اُنکی تعلیم ان کی عظمت کی ماہیت، اُنکے علم کا صدق بسیط ماہرِ علم جدید کے دائرہ تحقیق و بحث سے اِسقدر خارج ہے کہ وید، گیتا، ژنداوست، تورات، انجیل، قرآن وغیرہ وغیرہ سب مقدس کتابیں محسکۂ علم و تحقیق جدید کی میز پر کھلی ہونے کی بجائے اُسکے عجائب خانے میں بطور ایک تاریخی تبرک کے لپٹی پڑی ہیں، مغربی حکیم اُنکی طرف تاریخی ندرت اور غربت کی نظر سے دیکھتا ہے، اُن کو ایک کونے سے اٹھا کر دیکھتا ہے اور باحتیاط تمام پھر لپیٹ کر رکھدیتا ہے!

اس میں شک نہیں کہ علم کی مذہب کی طرف سے یہ تمام بے رُخی اُسکے دائرہ تدقیق و تحقیق سے خارج ہونیکے عام یقین کی وجہ سے ہے۔ اگرچہ یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نبی کی ہمعصر اُمّت ہر زمانے میں اپنے پیشوا کی دی ہوئی تعلیم کو اسقدر برحق، اسقدر مدلل، اِسقدر رسا، اور بلحاظ نتائج اسقدر نفعمند، روشن اور بیّن یقین کرتی رہی ہے کہ آفتاب کی کرنیں اور مہتاب کی شعاعیں بھی اُسکے بالمقابل وہ نور و ضیا نہیں رکھتی تھیں، اور انسانی سعی و عمل کا دستور بھی روز اول سے یہی رہا ہے کہ کوئی شخص کسی امر کے متعلق دس قدم اُٹھانا گوارا نہیں کرتا جبتک اُس دس قدم اٹھانے کی دلیل شمس و قمر کی طرح سامنے موجود نہو اور نتائج عین الیقین سے نہ دیکھ لیئے جائیں، تاہم مذہب کی حقیقت کو مسخ کرنے والی ناشناس اور نااہل، بے عمل اور جمود زدہ خوالف اُمتوں کا عقیدہ اکثر یہی رہا ہے کہ مذہب کے بتائے ہوئے اصول کسی دلیل کے متحمل نہیں، ان میں استدلال کرنا یا عقل کو دوڑانا شرعاً ناجائز ہے، اُسکی سب باتیں مابعد الطبیعی اور مافوق الدلیل ہیں، اسکے متعلق تدبر کرنا الحاد و کفر ہے، یہی خیال کسی نہ کسی رنگ میں حکمائے مغرب کو بھی تحقیق مذہب سے باز رکھتا رہا ہے اگرچہ اس سے باز رہنے کی وجہ یہ اوپری دلیل اور اعتقادی شان حتماً نہ ہو لیکن ان امور کے علاوہ جو اہم مشکلات اس راہ میں عصر جدید کے وارثین علم کو پیش آتی رہی ہیں، یہ ہیں کہ اُن کے پاس ختماً کوئی ایسی آسمانی کتاب موجود نہ تھی جو انسانی تصرف اور تبدل سے کامل طور پر محفوظ رہی ہو۔ تورات، زبور، انجیل سب کی سب موجودہ حالت میں اپنی اصل زبانوں سے ترجمہ شدہ ہیں حتیٰ کہ اُن کے اصل نسخوں کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں رہا کہ وہ کس زبان میں تھے، اور مطالب کا وہ ناقابل

فساد جو ترجمے اور بالخصوص لفظی ترجموں سے پیدا ہو جاتا ہے منشائے وحی کی صحیح اصلیت تک پونہچنے میں سدِ اسکندری کا حکم رکھتا ہے۔ ایک تو فنِ تحریر بجائے خود کسی شخص کے حقیقی خیالات اور اُن کے صحیح کیف کو ادا کرنے کا از بس ناقص اور ناکمل مظہر ہے اور نبی کی آسمان سے لائی ہوئی وحی بسا اوقات امر و نہی کے صحیح کیف و حال کے ادا کرنے میں اُسی وقت ادھوری رہ گئی ہے جب اُس لرزہ فگن انکشاف کو لوگوں کی عام ہدایت کیلیے معرضِ تحریر میں لایا گیا ہے، لیکن بعد ازیں اگر اصلی مصنف کی وہ نصِ مبین بھی انسانوں کی مدد سے ترجمہ در ترجمہ کر دیجائے تو حقیقت کے جس جزوِ صغیر کا اُس ترجمے میں باقی رہ جانا ممکن ہے، ظاہر ہے۔ اکثر اور صحیفے بھی جنکی بابت انسان کا ادّعا ہے کہ وہ آسمانی تھے اِسی تحوّل و تبدّل میں نسیاً منسیاً ہو گئے، اُن کے مطالب اور مقاصد محرّف ہو چکے ہیں، الفاظ بدل چکے ہیں، کتابت کی غلطیاں، مطالب کی نافہمیاں، ذاتی اغراض و مفاد، زمانے کی دستبرد وغیرہ وغیرہ سب کے سب اُن کی اصلیت کو چھپانے میں مؤید ہوئے ہیں۔ روئے زمین کے آسمانی کتب خانے میں لے دیکر صرف ایک **قرآن** ہے جو سب انسانی تصرف سے محفوظ رہا ہے، اسمیں ایک حرف کے برابر کہیں تبدیلی نہیں ہوئی، الفاظ کی ترتیب میں، آیتوں کے الفاظ میں، سورتوں کی آیتوں میں یہ کتاب بعینہٖ وہی ہے جو پیغمبر آخر الزمان نے دنیا کو دی۔ کوئی تساہل، کوئی کوتاہ نظری، بد دیانتی، یا غرضمندی اِس کو پہلے دن سے نقل کرنے میں نہیں ہوئی، نہیں بلکہ اسکے ایک پُرانے نسخے† کے متعلق جدید انکشاف جو حال میں ہوا ہے اُسنے حکماً اور علماً ثابت کر دیا ہے کہ یہ وہی ہے جو پہلے تھی، وہی ترتیب ہے جو ایک دفعہ مقرر ہو چکی تھی۔ وہی نص ہے، وہی الفاظ ہیں، سینوں کے جوف میں ہے تو وہی ہے، اور کاغذ کے میدان پر ہے تو وہی ہے!

ایسی محفوظ اور مصئون کتاب کے مضامین سے مغربی حکیم اگر چاہتا تو بہت کچھ اخذ کر سکتا تھا، اُسکو کم از کم **ایک** مذہب کی صحیح اساس قرار دے سکتا تھا، ایک مستقل اور قائم مذہب کی اصلیت تک پونہچکر اُسکو روز روشن

† ایک نامعروف الاسم ارمنی عیسائی (منگانا) نے حال میں قرآن عظیم کے ایک پرانے نسخے کے بعض ٹکڑوں کا انکشاف کیا ہے جو بعینہٖ وہی ہیں جو آج کل رائج ہیں۔

کی طرح سچ یا غلط ثابت کرسکتا تھا۔ ایک سے فارغ ہوکر پھر اُنہی اصول پر اَور مذاہب کو لے سکتا تھا، اور اس طرح پر دنیا میں مذہب کے سرِ عظیم کا پول یکسر کھول کر سب کو ایک حقیقت کبریٰ پر متفق العمل یا ایک کذبِ عظیم سے متنفر کرسکتا تھا، جبر ثقیل یا علم حساب کی طرح سب تفرقوں کو مٹا کر دنیا میں ایک عصبیت، ایک مت، ایک اُمت، ایک اخوت قائم کرسکتا تھا، نہیں بلکہ ابدالآباد تک مذہب کے متعلق سب جھگڑے، سب جنگ و جدل، سب خونریزیاں سرے سے محو کر کے دنیا کا باوا آدم بدل سکتا تھا۔ اِس طریقِ عمل سے مذاہبِ عالم کے شرعی رہنماؤں کا تعصب بھی یک بیک بے اثر ہوجاتا، لوگ بے دلیل اور مضحکہ انگیز باتوں کو شدہ شدہ چھوڑ کر حقیقت کی طرف لپک لپک کر پہنچتے، اور علمی نظریات کی طرح اُنکے غلط مذہب کا حامی بالآخر ایک باقی نہ رہتا! سب بلا استثنائے احدے ایک مذہب اور ایک مسلک پر قائم ہوجاتے یا سب **لا مذہب** بن کر **ایک** ہوجاتے! لیکن بدقسمتی سے قرآن مغرب کے لیئے روزِ اوّل سے ممنوعہ درخت کی مانند رہا، عیسائی پادریوں نے جسکو اسکے کارناموں سے خاص طور پر چِڑ تھی، جن کی تبلیغی مساعی بلکہ بسا اوقات سیاسی منصوبوں کو اسنے خاص طور پر روک کر الکشرکو کالعدم کردیا تھا اُسکے کذب و افترا ہونیکے متعلق بے سر و پا افسانے بنا لیئے۔ اُنہوں نے مشہور کردیا کہ "قرآن بُت پرستی کا بڑا مبلغ ہے"! "مہونڈ (یعنی محمد) کو خدا کہتا ہے"! "عرب پیغمبر کے شانے پر ایک کبوتر بیٹھا رہا کرتا تھا جس کے ذریعے سے وہ شعبدہ بازیاں کیا کرتا تھا"! "اسلام نے عورتوں کو عام جائداد قرار دیا ہے، اب ہر شخص انکی عصمت کا وارث ہے"! بعض زیادہ مکار اور ہوشمند اور معاملہ فہم دشمنوں نے اُڑادی کہ "محمد کو صرع کی بیماری تھی جس کو وہ جبرئیل کی وحی قرار دیتا تھا"! "قرآن میں فاش تاریخی اغلاط موجود ہیں"۔ "وہ ایک کتاب ہے جسکا ماخذ تورات اور انجیل ہے"! "اُسکے سب افسانے یہودیوں کی غیر مستند روایات سے لیئے گئے ہیں"! "وہ سراپا بے ربط ہے اور کسی جنون زدہ شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے"! وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب الزامات اس نمط کے تھے کہ انکے بعد کسی ہوشمند شخص کا اس کتاب کیطرف متوجہ ہونا ہی دور از بحث تھا، ان نقائص کے ہوتے ہوئے اسکا خالص المتن ہونا یا تحریفِ لفظی سے محفوظ رہنا بھی کچھ قابلِ توجہ نہ ہوسکتا تھا۔ انگلستان کے ایک مشہور فلسفی (کارلائل) نے بالآخر

اس کذب و افترا پر سے نقاب اُٹھا، ان الزامات کو مسیحی پادریوں کی صریح بد معاشی قرار دے کر عیسائیت کو قرآن اور پیغمبر قرآن کے متعلق غلط نشر و تبلیغ کرنے کی شرم دلائی، عرب کے آخری پیغمبر کو **بطل انبیاء** کا خطاب دے کر اُسکی اولو العزمیوں کو سراہا، اُسکو خدا کیطرف سے سچے نبی ہونے کی سند اپنے زعم میں اپنی طرف سے دی، مگر مذہبی تعصب اور تجرد کا اثر اس علم و شہادت کے زمانے میں بھی انسان کے ہر رگ و پے میں اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ اس فلسفی نے بھی عرب رسولؐ کی بحث کے ضمن میں تمہید کے طور پر یہ کہہ دیا کہ "ہم نے اس پیغمبر کو بطل انبیاء کے طور پر بالخصوص اسلیئے منتخب کیا ہے کہ ہم اسکے حسن و قبیح پر گویا بالمقابل عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ آزادانہ طور پر بحث کر سکیں گے، اور یوں تو ہم میں سے کسی شخص کے عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان بن جانے کا امکان نہیں"! اس اقرار نما انکاری حالت میں ظاہر ہے کہ کسی بڑی سے بڑی مدح سرائی کا کیا اثر ہو سکتا تھا، لوگ اسکو علم ادب کے فکاہات کا ایک منظر سمجھکر خاموش ہو گئے البتہ چند ایک اہم الزامات کی دشمن کی اپنے مُنہ سے تردید ہو گئی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

الغرض یہ وجوہات تھیں جنکی بنا پر قرآن بھی مذہب کے متعلق کسی **فیصلہ کن** علمی تحقیقات کی اساس نہ بن سکا۔ لوگوں نے مذہب کو ایک مابعد الطبیعی اور ناقابل درک شئے قرار دیا تھا، عُلمائے مغرب نے بھی جن کے علم کی بنیاد بیکن کے مشہور عالم **مسئلہ استقرا**† کے بعد سے یکسر مشاہدے اور تجربے پر رہی ہے، اور جو **سمع و بصر** اور **قلب سلیم** کی شہادت کے بدون کسی شئے کو **علم** کا بلند مرتبہ نہیں دیتے، یہی سمجھ لیا کہ مذہب مابعد الطبیعی ہے، فہم سے بالاتر ہے، کسی تخیل زدہ لوگوں کی عالم خیال کے جوش میں بنائی ہوئی شئے ہی، اسلیئے اسکو کسی صورت سے چھیڑ کر جُہلا میں ایک ہنگامۂ عظیم برپا کر دینا روا نہیں۔ جوں جوں علم کا اثر دنیا کے اکناف و اطراف میں وسیع ہوتا جائے گا لوگ خود بخود اسکی بے حقیقت باتوں سے متنفر ہو کر اسکو چھوڑتے جائینگے، اور اس حقیقت کشا اور پردہ در علم کیطرف خود بخود راغب ہونگے جو اس کارگاہ **فطرت** کے مطالعے سے

† مسئلہ استقرا (۱۲۹۲ء) اُن عالمگیر مسئلوں میں سے ہے جس کے نتیجے نے مغرب کو آج ہمارے ملک الاملاک پر پہنچا دیا ہے۔ دیکھو اصل کتاب بحث الہیں صفحہ ۸۳)۔

اخذ ہوتا ہے اور جو صحیح معنوں میں **واقع الامر** ہے۔ مذاہب جاریہ کی اعتقادی اور بے نتیجہ صورت نے انکو اس حقیقت تک ہرگز نہ پہنچنے دیا کہ مذہب فی الحقیقت اس دنیا میں خوش اسلوبی سے رہنے کا طریق عمل تھا جسکو آج مرور مدت اور دستور زمانہ نے اعتقادی رنگ دیکر مسخ کر دیا! وہ نہ سمجھے کہ کلام وحی کو فنا و بقائے اقوام اور **موت وحیات** اُمم کے سوال سے ایک گہرا، طبعی، اور ناقابل حک لگاؤ ہے، اور انبیائے جہان بھی محض اسی غرض کے لیئے مبعوث ہوئے تھے کہ کم بین، ناشناس، اور کوتاہ نظر انسان کو قیاسات اور آرا کی اس ظلمت انگیز رستخیز میں قانون الٰہی سے صحیح طور پر واقف کر کے اُن کو **بقا** کے صراط مستقیم کی طرف لیجائیں۔ وہ اس راز کو حتماً نہیں سمجھے کہ بلا استثنا سب انبیا اپنی اپنی جماعت کو اپنی عین حیات میں قوت اور امن کی راہ پر لگا گئے، انکو قعر عزل و جمود سے نکالکر اوج سعی و امن پر بلا واسطہ مشرف کر گئے۔ یہی اُن کے آنے کی **وحد**† غرض تھی، اور اسی مطلب کے حاصل کرنیکے لیئے انکا بے مثال سعی و عمل تھا۔ **نشاۃ الثانیہ** کے اوائل میں طبعیوں کا سارا زور اسی میں صرف ہوا کہ مسئلہ استقرا کو اساس قرار دیکر حقائق الاشیار کی طرف متوجہ ہوں اور اُن سے صحیح نتائج مستنبط کر کے فطرت کے خزانہ عامرہ کو اپنے استعمال میں لائیں۔ لیکن جب اشیار کے مطالعے سے ظلمتِ شب دور ہوئی، نور کے در زیک بیک کھلتے گئے، انسان کو سقف آسمان کے نیچے اپنی ہستی کا اضافی احساس ہوا، وہ آسمان کی ہولناک دوریوں کو سمجھا، اس نے مقدار زمین کا اندازہ لگایا، جب اُس نے موالید زمین کی تدوین کی، اجناس حیوانات کی تقسیم کی، اقوام خالیہ کے بقیہ آثار کو دیکھا، بے شمار معدوم شدہ حیوانی انواع کا ملاحظہ انگشت بدنداں ہو کر کیا، اپنی کمال بے بسی اور صانع فطرت کی کمال قدرت کا اندازہ کیا، اور اپنی کل گاہ زمین و آسمان کے بارے میں وہ سب فیثاغوسی خیالات صرف غلط ثابت ہوئے، تو پہلا سوال طبعاً یہی پیدا ہوا کہ اس صحنک زمین پر **اجتماعی بقا و فنا** کا راز کیا ہے، وہ کیا قانون ہے جسپر چلکر قوت اور امن ہی راحت

† اس کتاب کا اہم مطمح نظر دراصل اسی امر کو ماہیت تک پہنچانا، اور مذہب عام **نبوت کی صحیح غرض و غایت** کو منکشف کرنا ہے۔ اس دیباچے کے صفحہ ۶۶ الخ پر اس بحث کو چھیڑ دیا گیا ہے اور اسکی قرآنی شہادت ایک حد تک پیش کی ہے لیکن مکمل شہادت اصل کتاب میں ملاحظہ ہوگی۔ اگر انبیائے کرام کے مبعوث ہونے کا یہی مقصد اپنی اپنی اُمتوں کو دانوں سے آگاہ کر کے قوت اور امن کی راہ دکھانا نہیں تھا تو میرے نزدیک دجبل وہ کوئی پیغام نہیں لائے، اور اُن کے پاس فی الحقیقت کوئی علم تھا۔ مذہب کی اعتقادی صورت خواہ کچھ ہی بن جائے لیکن فطرت کے طالب علم کو اس حقیقت کے اعتراف کے سوا چارہ نہیں۔

اور بحث ہی، خلد و دوام ہے، بقا و ارتقا ہے؟ ایک اُمت کیوں اِس روئے زمین سے چشم زدن میں مٹ جاتی ہے؟ دوسری اُسکی جگہ کیوں اور کس استعداد پر لے لیتی ہے؟ یہ کیا رسم مُداولت ہی اکبار عشہ برانگیز قانون ہے جو اِس قوّت اور زور کے ساتھ اِس دنیا میں نافذ ہے۔ اِسکا محل بیڑا کہاں ہے، اِسکا سربمہر راز کیا ہی؟ **معرفت نفس** کی یہ وہ پہلی منزل تھی، جو مغرب کو فطرت کے پیہم مشاہدے اور استقصاء کے بعد ملی، اور اسکے بارے میں آجتک وہ شبانہ روز سعی و تلاش کے باوجود کمال تحیّر میں ہیں۔ انگلستان کے مشہور طبعی ڈاروِن نے اور حکماء کی صحبت میں مُدۃ العمر سعی و جدل کے بعد اِس سوال کے جواب میں **بقائے اصلح**[1] کے عالم انگیز مسئلے کو پیش کیا، اُنھوں نے حیوانی اُمتوں کے مد و جزر کے بارے میں بہت کچھ چھان بین کی، اصلحیت کے چند موٹے موٹے اصول بیان کیئے، قانون موت و حیات کی ایک لگتی ہوئی تعریف وضع کی، مگر جب اِس کا اطلاق **انسانی** اُمتوں پر کیا گیا، تو صلاح کی تعریف میں بیحد واماندگیاں، بے اندازہ مشکلات، ناپیش دیدہ رکاوٹیں پیش آئیں۔ وہی تعریف صلاح جو حیوانی اُمتوں کے بارے میں بادی الرائے میں فیصلہ کن معلوم دیتی تھی، انسانی اقوام کے رُو سے ازبس نامکمل، بیحد نارسا و ناقص بلکہ اکثر اوقات **غلط** نظر آئی۔ انسانی فطرت کا ہمہ تن ادنیٰ حیوانی جبلت پر محمول ہونا ہی بجائے خود ایک مشکوک مسئلہ تھا جسکے تتبع میں مغرب نے ناروا غلو کیا، اِس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کی تمام تہذیب میں بہیمیت، وحشیت، درندہ پن اور نوعی انحطاط کے آثار نمایاں ہونے لگے، بااینہمہ مغرب نے آجتک کلام وحی کیطرف رجوع نہیں کیا، اُنھوں نے **اعمال** خدا کے مطالعے کو چھوڑ کر **الفاظ** خدا کے مطالعے کی طرف توجہ نہیں کی، اُن کا ذہن اسطرف منتقل ہی نہیں ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی بلند اجتماعی نظر سے وہ بات حتماً پالی تھی جس تک اُنکی دوربینیں قطعاً نہیں پہنچ سکتیں۔ اُن کا علم اُنکو نقد و نظر کے اِس **اُفق اعلیٰ** تک لیگیا تھا جہاں آج بھی کسی بڑے سے بڑے وسیع النظر طبعی کا پہنچنا محال ہے! وہ آئے تھے اور اپنے ساتھ زورِ عمل لائے تھے! آسماں شگاف علم لائے تھے! اُمتوں کو آسمان تک اٹھا دینے کے **بیرم** لائے تھے! زمین کو تہ و بالا کر دینے کے **کُدال** لائے تھے! اُنکی وقت نظر میں آسمان

[1] اس مسئلے کی شرح و بسط اصل کتاب کے تحت الحس صفحہ ۱۱ — ۳۷ میں کر دی گئی ہے۔

اُن کی پشت پناہ تھا۔ خلاقِ ارض و سما اُن کی تائید میں تھا! زمین اُنکے علم و عزم کے آگے پانی کی طرح بہ جاتی تھی! بر و بحر اُن کے حوصلوں اور یقین کو دیکھکر سپر ڈال دیتے تھے! جبتک انسانی افراد میں اس طاقت عمل، اس قدوسی علم، اس الٰہی ایمان اور یقین، اس روحانیت، اس لازوال **عزم** کا جز و قلیل موجود نہ رہے، اُمتیں کیونکر اس دنیا میں دوام حاصل کر سکتی ہیں۔ **صلاحیت** یہی ہے کہ انسانی چلن انسانی **فطرت** پر قائم رہے، اسفلی تغیر قبول نہ کر سکے، **بہتر** اور قائم تر فطرت کی طرف رجوع کرے، ادنیٰ جبلت کیطرف راغب نہ ہو، اُمت فی الجملہ **امن** میں ہو، اسکے ہر عضو میں بیداری اور تڑپ برقرار ہو، سب اعضا تناسب میں بڑھے گھٹے نہ ہوں، اسکے کسی شعبے میں نقص پیدا نہ ہو، اگر کوئی قوم کسی ایک حصۂ عمل میں بے اندازہ طور پر بڑھ گئی ہے درانحالیکہ باقی حصے بے نشو و نما پڑے ہیں تو وہ درحقیقت ُصالح نہیں، وہ ایک بیڈول پیدائش ہے مضحکہ خیز بے ہنگم ہے، اعجوبۂ خلقت ہے! ایسی بدشکل اُمت کا اس **متناسب** اور **خوبصورت** دنیا میں کسی مدید مدت تک رہنا محال ہے!

یہی وجہ ہے کہ حکمائے مغرب نے صلاح کی صحیح تعریف وضع کرنے میں بے اندازہ واماندگیاں بلکہ فاش غلطیاں کی ہیں، انہوں نے احوال تاریخ کو یا اپنے سے **ادنیٰ** مخلوق کے فطری عوائد کو ہی علم الدین کا صحیح ماخذ قرار دے کر انسانی اخلاق کی تعمیر اُن احوال و عوائد پر کی، اور محکمۂ قضا و قدر کے فیصلہ جات سمجھنے میں ایک صاحب ارادہ خدا کی مشئیت اور صاحب ارادہ انسان کے اہم ترین عناصر کو بیدخل کر دیا، وہ اس نارو اتخیل میں لگے رہے کہ مدوجزر اقوام کے قانون کی تدوین بھی لامحالہ اُسی انداز پر ہے جیسے جبر ثقیل یا علم حساب کے قواعد مرتب کر دیئے جاتے ہیں، اور جسطرح پر خواص الاشیاء کے معلوم کر لینے سے مرکبات کے خواص کیطرف رہنمائی ہوتی ہے اُسیطرح افراد کے مطالعے سے اقوام، اور عام حیوانی مخلوق کے مطالعے سے خاص انسانی مخلوق کی طبیعت اور فطری میلان کا کامل پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ طرز خیال بجائے خود آج اسقدر کم نفعمند ثابت ہوا ہے کہ جہاں صلاحیت کا صحیح تخیل مغرب کو مادی ترقی کے مدارج اعلیٰ پر چڑھ جانے میں بیش از بیش کامیاب ہوا ہے، وہاں اُسکا غلط مفہوم اسکو اخلاقی

اور بحث ہی، خلد و دوام ہے، بقا و ارتقا ہے؟ ایک اُمت کیوں اِس روئے زمین سے چشم زدن میں مٹ جاتی ہے؟ دوسری اُسکی جگہ کیوں اور کس استعداد پر لے لیتی ہے؟ یہ کیا رسم مُداولت ہو اکیا رعشہ بر انگیز قانون ہے جو اس قوت اور زور کے ساتھ اِس دنیا میں نافذ ہے۔ اِسکا عمل بیڑا کہاں ہے، اِسکا سرِ بُھر راز کیا ہی؟ **معرفت نفس** کی یہ وہ پہلی منزل تھی، جو مغرب کو فطرت کے پیہم مشاہدے اور استقصا کے بعد ملی، اور اسکے بارے میں آجتک وہ شبانہ روز سعی و تلاش کے باوجود کمال تحیّر میں ہیں۔ انگلستان کے مشہور طبعی ڈارون نے اور حکماء کی معیت میں مُدۃ العمر بحث و جدل کے بعد اِس سوال کے جواب میں **بقائے اصلح** کے عالم انگیز مسئلے کو پیش کیا، اُنھوں نے حیوانی اُمتوں کے مد و جزر کے بارے میں بہت کچھ چھان بین کی، اصلحیت کے چند موٹے موٹے اصول بیان کیئے، قانون موت و حیات کی ایک لگتی ہوئی تعریف وضع کی، مگر جب اِس کا اطلاق **انسانی** اُمتوں پر کیا گیا، تو صلاح کی تعریف میں بیحد واماندگیاں، بے اندازہ مشکلات، ناپیش دیدہ رکاوٹیں پیش آئیں۔ وہی تعریف صلاح، جو حیوانی اُمتوں کے بارے میں بادی الرائے میں فیصلہ کن معلوم دیتی تھی، انسانی اقوام کے رُو سے از بس نامکمل، بیحد نارسا و ناقص بلکہ اکثر اوقات **غلط** نظر آئی۔ انسانی فطرت کا ہمہ تن ادنیٰ حیوانی جبلت پر مجبول ہونا بھی بجائے خود ایک مشکوک مسئلہ تھا جسکے تتبع میں مغرب نے ناروا غلو کیا، اِس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کی تمام تہذیب میں بہیمیت، وحشیت، درندہ پن اور نوعی انحطاط کے آثار نمایاں ہونے لگے، با ایں ہمہ مغرب نے آجتک کلامِ وحی کیطرف رجوع نہیں کیا، اُنھوں نے **اعمال** خدا کے مطالعے کو چھوڑ کر **الفاظ** خدا کے مطالعے کی طرف توجہ نہیں کی، اُن کا ذہن اسطرف منتقل ہی نہیں ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی بلند اجتماعی نظر سے وہ بات جتما پالی تھی جس تک اُنکی دوربینیں قطعاً نہیں پونہچ سکتیں۔ اُن کا علم اُنکو نقد و نظر کے اِس **اُفق اعلیٰ** تک لیگیا تھا جہاں آج بھی کسی بڑے سے بڑے وسیع النظر طبعی کا پونہچنا محال ہے! وہ آئے تھے اور اپنے ساتھ زورِ عمل لائے تھے! آسماں شگاف علم لائے تھے! اُمتوں کو آسمان تک اٹھا دینے کے **بیرم** لائے تھے! زمین کو تہ و بالا کر دینے کے **کُدال** لائے تھے! اُنکی دقّت نظر میں آسمان

✣ اس مسئلے کی شرح و بسط اصل کتاب کے تحت البس صفحہ ۱۱ — ۳۷ میں کردی گئی ہے ✣

اُن کی پشت پناہ تھا۔ خلاقِ ارض و سما اُن کی تائید میں تھا! زمین اُنکے علم و عزم کے آگے پانی کی طرح بہ جاتی تھی! بر و بحر اُن کے حوصلوں اور یقین کو دیکھکر سپر ڈال دیتے تھے! جبتک انسانی افراد میں اس طاقتِ عمل، اِس قدوسی علم، اِس آئی ایمان و یقین، اِس روحانیت، اِس لازوال عزم کا جزوِ قلیل موجود نہ رہے اُمتیں کیونکر اس دنیا میں دوام حاصل کر سکتی ہیں۔ صلاحیت یہی ہے کہ انسانی چلن انسانی فطرت پر قائم رہے، سفلی تغیر قبول نہ کر سکے، بہتر اور قائم تر فطرت کی طرف رجوع کرے، ادنیٰ جبلت کیطرف راغب نہو، اُمت فی الجملہ امن میں ہو، اسکے ہر عضو میں بیداری اور تڑپ برقرار ہو، سب اعضا متناسب ہوں، بڑھے گھٹے نہوں، اسکے کسی شعبے میں نقص پیدا نہو، اگر کوئی قوم کسی ایک حصۂ عمل میں بے اندازہ طور پر بڑھ گئی ہو درانحالیکہ باقی حصے بے نشو و نما پڑے ہیں تو وہ درحقیقت "صالح" نہیں، وہ ایک بیڈول پیدائش ہے مضحکہ خیز ہے، بے ہنگم ہے، اعجوبۂ خلقت ہے! ایسی بدشکل اُمت کا اس متناسب اور خوبصورت دنیا میں کسی مدید مدت تک رہنا محال ہے!

یہی وجہ ہے کہ حکمائے مغرب نے صلاح کی صحیح تعریف وضع کرنے میں بے اندازہ واماندگیاں بلکہ فاش غلطیاں کی ہیں، انہوں نے احوالِ تاریخ کو یا اپنے سے ادنیٰ مخلوق کے فطری عوائد کو ہی علم الدین کا صحیح ماخذ قرار دے کر انسانی اخلاق کی تعمیر اُن احوال و عوائد پر کی، اور حکمیہ قضا و قدر کے فیصلہ جات سمجھنے میں ایک صاحبِ ارادہ خدا کی مشیت اور صاحبِ ارادہ انسان کے اہم ترین عناصر کو بیدخل کر دیا، وہ اس نارو اتخیل میں لگے ہیے کہ مدوجزر اقوام کے قانون کی تدوین بھی لامحالہ اُسی انداز پر ہے جسطرح جرِ ثقیل یا علم حساب کے قواعد مرتب کر دیئے جاتے ہیں، اور جسطرح پر خواص الاشیاء کے معلوم کر لینے سے مرکبات کے خواص کیطرف رہنمائی ہوتی ہے اُسیطرح افراد کے مطالعے سے اقوام، اور عام حیوانی مخلوق کے مطالعے سے خاص انسانی مخلوق کی طبیعت اور فطری میلان کا کامل پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ طرزِ خیال بجائے خود آج اسقدر کم نفعمند ثابت ہوا ہے کہ جہاں صلاحیت کا صحیح تخیل نہ رکھ کے مادی ترقی کے مدارجِ اعلیٰ پر چڑھ جانے میں بیش از بیش کامیاب ہوا ہے، وہاں اُسکا غلط مفہوم اسکو اخلاقی

انحطاط کے درکِ اسفل کیطرف نہایت تیزی سے گھسیٹ رہا ہے۔ وہ آج سب کے سب اپنی "مادّیت" پر خوش ہونے کی بجائے اپنے فقدانِ "رُوحانیّت" کا ماتم کر رہے ہیں۔ سیاست کا صحیح علم اگر کہیں انکو ایک گز ابھار رہا ہے تو روحانیت سے کم علمی دوسری جگہ انکو دو گز دبا دیتی ہے۔ وہی تمدن جو اپنی حیرت انگیز قوتِ استنفاع کے باعث دنیا کے ہر گوشے کو آباد اور پر رونق کر رہا ہے، اُن کے اپنے گھروں کو دردناک طور پر اُجاڑ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشیائے فطرت کے بیمثال علم اور ابدانِ عالم کے متعلق صحیح خبر کے باوجود مغرب کا روئے زمین پر دوام ازبس مشتبہ امر ہے! وہ "علم الدین" سے کماحقہٗ بہت کم واقف ہیں، انکو اس دنیا کے اندر صراطِ مستقیم کے ایک اہم حصّے کی کچھ خبر نہیں رہی۔ سیاست اور مادّیت کے ناروا غلو نے نامعلوم طور پر یہ بات اُنکی گھٹی میں ڈال دی ہے کہ اس دنیا کے اندر اصلیت محض جسمانی زور اور مادّی طاقت ہی ہے، یہی کمتر مخلوق کے اخلاق کا جزوِ اعظم ہے، اِسی کے اندر بقائے انواع کا راز ہے![1] وہ اس مادّی زور کو بدرجۂ اتم حاصل کرنیکے لیئے سب ممکن اشیائے فطرت کو کرایہ پر لے رہے ہیں اور اُن کی وساطت سے زور آور بنتے ہیں لیکن افراد کی روحانی صلاحیت اور تہذیبِ نفس کے آسمان شکن زور کی اُن کو کچھ خبر نہیں، وہ اپنی باطنی ملکوتی طاقتوں کو مادّیت کی ہیجان قربان گاہ پر چڑھا رہے ہیں۔ اور بیرحم زمانے کے ہاتھوں جلد مٹ رہے ہیں! اِسی غیر روحانی اور کرایہ پر لیئے ہوئے زور کا اشدّ شدید مبلغ المانیہ کی بے مثال جُندیّت تھی جس کا بیشتر حصہ حال کے محاربۂ عظمیٰ میں تباہ ہوا اور اِسی خواہش کا ادنیٰ مظہر انگریز کی قزاقانہ جُوع الارض اور اُسکا تحکمانہ استیلا ہے جو آج اُسکی اجتماعی بیخ و بنیاد کو کھوکھلا کر رہا ہے!

مغربی اقوام کے بالمقابل مشرقی اقوام میں صلاحیت کا مادّی اور روحانی تخیّل دونوں اصلاً مفقود ہو چکے ہیں اُنکے نزدیک فطرت کا یہ کارگاہِ اعظم اصلاً بیکار اور باطل ہے، اسمیں کچھ شے لائقِ تفتیش نہیں، کچھ سعی و عمل کی اہل نہیں۔ دنیا کو غائر نظر سے دیکھنا اُن کی نظروں میں عبث ہے۔ اس جہان میں خوش اسلوبی اور زور سے رہنا اُنکی نگاہوں میں نقش بر آب پیدا کرنے کی سعی کرنا ہے۔ وہ خدا کی اس عظیم الشان صنعت پر لات مارنا

[1] دیکھو اصل کتاب صفحہ ۱۲-۱۳ و تحت الحس شق سوم و چہارم مسئلہ ارتقا۔

خوشنودیٔ خدا سمجھتے ہیں، اور آخرت کے دوام و بقا کے دل خوش کن تصور میں غرق ہیں! روحانیت اُن کے عالم خیال میں ایک بے ہمہ زندگی ہے جسکا نتیجہ بیکاری اور جمود ہے، فطرت کے عطا کیئے ہوئے اعضا کا اعطال ہے بے نتیجہ مجاہدے اور ہیچکارہ اعمال ہیں، یا کم از کم ایک ناکارآمد زہد و تورع ہے جس کا حلقہ اثر دو قدم تک وسعت نہیں رکھتا! صلاحیت کا وہ مصلح جماعت، مقلب القلوب، اور انقلاب انگیز تخیل جو انبیائے کرام نے کسی زمانے میں رواں کیا تھا۔ آج مشرق میں حرف غلط کی طرح مٹ چکا ہے، اور اس کائنات شرط و جزا اور عمل سعی و عمل میں بیکار بن بن کر دکھ پانا انکا شیوۂ اعتقاد ہو گیا ہے! مذہب و سیاست انکے ہاں ایک دوسرے سے اس قدر الگ ہو چکے ہیں کہ گویا انکے مابین کوئی مابہ الاشتراک قطعاً نہ تھا۔ وہ سیاست جو روحانیت کے زور اثر پر اقوام عالم کو انبیاء کی وساطت سے ملی تھی اقلیم آخرت کیلئے مدفون ہو گئی ہے! گبر و برہمن، بدھ اور مسلم، سب اس سعی نامشکور میں مصروف ہیں کہ دنیا کے نقد کو غیر کے ہاتھ دے دے کر آخرت کے نسیہ کو بزعم خود خرید لیں اور کم از کم اس دنیا کے لیئے مذہب کا ہونا بیکار ثابت کریں۔ الغرض جہاں نقد پسند مغرب صلاحیت کو جسمانی قوت کی پیدا کی ہوئی سیاست کے ماسوا کچھ اور سمجھنا گناہ سمجھتا ہے، اور مذہب کے اجنبی اور ناخوش آیند مہمان کو اُسکے اصلی وطن (ایشیا) میں دھکیل کر، زور کی اکڑ پر اس دنیا میں دوام کی لاطائل سعی کر رہا ہے وہاں مشرق کا نسیہ پسند ابلہ روحانیت کے اصلی مفہوم کو خیرباد کہکر کمزوری اور جمود کی پاکبازی اور بے خبری سے ہی اپنے آپ کو صالح سمجھتا ہے اور اپنے ہاتھوں آپ مٹ رہنے میں بقا کا راز عبث ٹٹول رہا ہے!

میرا یقین ہے کہ سعی و سکون کے یہ دونوں مناظر افراط و تفریط کے مناظر ہیں، فنا و استہلاک کے مناظر ہیں، حفظ و امن کے مناظر نہیں! اس دنیا کی چار دیواری میں رہکر کسی قوم کا سچا مذہب انکے دوام و بقا کا مذہب ہی ہے اور یہی سچی سیاست اور سچی صلاحیت ہے۔ دوام کے لیئے جہاں اشد شدید زور کی قطعی ضرورت ہے وہاں اس زور کو برقرار رکھنے کے لیئے انتہائی تزکیۂ نفس واحد اور آخری وسیلہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کرایہ پر لیئے ہوئے انسانوں یا زر کے منتظر مزدوروں کی ایک جماعت اس دنیا کے اند

چند لمحوں کیلئے زور پیدا کردے، اسمیں سب لازمات غلبہ و استیلاء کے موجود ہوں، اسمیں جو بات ہو لاجواب اور بے مثال نظر آئے، زور آوروں میں اشد زور ہو، کمزوروں میں اشد کمزوری ہو، ایک طرف کمال بہجت و انبساط ہو، دوسری طرف انتہائے عجز ہو، لیکن ایسے زر خرید زور کو دوام قطعًا نہیں ا اسمیں صلاح کی باطنی استقامت نہیں، اسمیں بلور کی انکساری صلاوت موجود ہے، لیکن فولاد کی اندفاعی لچک قطعًا نہیں۔ ایسی بنا کی مثال ایک مکڑی کے جالے کی ہے جسکو باد تُند کا ذرا سا جھونکا کالعدم کردیتا ہے، اور بعد ازاں اُس محل آویزتعمیر کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ یورپ کے تمدن کا جزو اعظم اسی کمزوری اور ناودر بینی پر مبنی ہے۔ اقوام کے اس دنیا میں بقا کیلئے ضروری ہے کہ اسکے افراد کا تخلق حتی الوسع صانع فطرت کے اخلاق سے مماثل ہو، اشرف الخلق انسان سے کسی برتر مخلوق بننے کا تہیہ ہو، نہ یہ کہ سفلی پیدایش سے ارتقا کیا ہوا انسان، پھر اسی ورک اسفل کی طرف لوٹ آئے۔ ایسی تہذیب اپنے پاؤں پر آپ تبر مار رہی ہے گو کہ اپنے زور کے نشے میں وہ فی الحال اسقدر مست ہو کہ اس خودکشی کا کچھ اندازہ نہ کرسکے!

میرا یقین ہے کہ مغرب کو ایک نہ ایک دن اعمال خدا کے مشاہدے کو کچھ مدت کیلئے ملتوی کرکے الفاظ خدا کے مطالعے کی طرف آنا پڑے گا! اُس دن اُنکی سب حیرت اور مذبذب حالت تیقن میں بدل جائے گی، صراط مستقیم کے بارے میں اُنکے سب شکوک رفع ہوجائینگے، اصلاح کا اکثر غلط تخیل درست ہو ہو کر مکمل ہوجائیگا اُنکے علم فطرت سے مستنبط کیئے ہوئے اکثر معاشری اور تہذیبی اصول کی تائید ہزاروں برس پیشتر کے کہے ہوئے الفاظ سے حیرت انگیز طور پر ہوگی! اُن کو انبیاء کے اس دنیا میں **علمی** مقام کا صحیح اندازہ ہوجائے گا، اپنی غلط روی کے متعلق صحیح اور نتیجہ خیز معلومات ملیں گی، صحیح روی کی آگہی اور کارگری سند ملجائے گی، پھر اُن کا فاطر زمین و آسمان سے یہ **تجاہل عارفانہ** بھی نہ رہ سکیگا! "منکر مے بُبکر ہمرنگ مستاں زیستن" کے مصداق نہ رہ سکیں گے! اُس حکیم علی الاطلاق کی حکمت پر کھلا اور بے حجابانہ یقین، اُسکے اعمال پر مشفقانہ نظر، اُس کے الفاظ کی خادمانہ قدر، اُسکی رحمت کی بے محابا تمنائیں اور تقدم کے بڑھے ہوئے حوصلے اس کشت زار عمل کو ہری بھری کردینگے! پھر انسان

بھی ایک دوسرے سے اُلفت سے رہا کرے گا۔ آئے دن کے مقاتلوں کا جہنم اُسکی معاشری بہجت کے بہشت کو کچھ مسغص نہ کرسکے گا۔ اگر مغرب اور مشرق نے فی الحقیقت مذہب کو **علم** کی نظر سے دیکھا، اور علم نے بھی اسکو اپنی آغوشِ لطف و مرحمت میں لیکر، کلام خدا کو از سرِ نو انسان کا مشترک صراطِ مستقیم اُسکا واحد دستور العمل، رب العالمین کا ایک اور اٹل پیغام، اسکا ایک اور ناقابل بدل قانون بلکہ انسان کا ملجائے وحید اور ماوائے فرید ثابت کردیا، اور اگر ساکنانِ زمین نے بھی دانشمندی اور تدبر سے کام لیکر پیغمبرانِ جہان کی ذاتیات پر بحث کرنے کی بجائے خدائے عظیم کے **نفس الامر** کیطرف توجہ کی، سب فروعات اور ظواہر کو بالائے طاق رکھکر اصل قانون کو اپنا شیوۂ عمل بنالیا، تو جہنم کے سب دروازے یک بیک بند ہوجائینگے! اس دنیا میں پُرکار شیطان کا کچھ کام نہیں ہیگا، اور بدقسمت زمین پر اُسکے مستقر† ہونے کی بجائے اُسکو کسی اور آسمانی کُرے کی طرف بھاگنا پڑے گا!

وحی کی صحیح حقیقت اور عظمت بھی آج ہی نسل انسانی پر عیاں ہوسکتی ہے جب کہ اُسکا **علم** اوجِ کمال پر پونہچ رہا ہے، جبب اُسکو **مریخ** سے ہمکلام ہونے کی آرزو ہے، جب اُسکے سمع و بصر کی حکومت بامِ آسمان تک پونہچ چکی ہے، جب اُسکا رسا ذہن اس سحرستان کائنات کو اجماعی نظر سے دیکھ رہا ہے، جب اُمتوں کے فنا و بقا کی مکمل تصویر اُن کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے! جاہل اور کوتاہ نظر اُمتوں نے جو آج سے پہلے ہوگذری ہیں اُس مالکِ سمع و بصر اور علّامہ مطلق خدا کے کلام کو کیا سمجھا ہوگا، اسکے ناپیداکنار علم کی کیا قدر کی ہوگی، اُسکے عاجز نواز احکام کی کیا لِم سوچی ہوگی، درانحالیکہ وہ سمجھتے رہے کہ زمین کا چورس ٹکڑا بیل کے سینگ پر پڑا چکر کھا رہا ہے، اور بیل مچھلی کی کمر پر ٹکا ہے"! وہ کیا سمجھتے ہونگے کہ اس مالک زمین و آسمان نے کیا کہا؟ کس غرض و مطلب کو سوچ کر کہا؟ کس منتہائے جلیل کو پیش نظر رکھکر کہا؟ توحید پر اصرار کیوں ہے؟ شیطان سے احراز کیا ہے؟ ایمان کا کیا مطلب ہے؟ اتّقا سے کیا مقصود ہے؟ تفریق کیوں منع ہے؟ اتحاد کی تشویق کیسی ہے؟ بہشت اور دوزخ کیا ہیں؟ جاتروں کی کیوں تاکید ہے؟ تزکیۂ نفس کی ترغیب کیونکر ہے؟ پُن دان، نکوکاری کا کیا

† ازروئے قرآن شیطان کا مستقر صرف ارض ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ الفاظ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ سے ظاہر ہے۔

مدعاہی وغیرہ وغیرہ؟ آج اس علم و شہادت کے زمانے میں ہی مذہب کے اوامر و نواہی اپنے صحیح اور اصلی رنگ میں ظاہر ہو سکتے ہیں، اُن کے مقاصد کی صحیح تعیین ہو سکتی ہے، اُن سے مستقل نتائج اخذ ہو سکتے ہیں، اُن سے قانون خدا اور امر رب العلمین کا پتہ چل سکتا ہے، نوکر کو آقا کا صحیح عندیہ اور آقا کو نوکر سے سچی رسم و راہ پیدا ہو سکتی ہے، ست ذاتیات اور تعصب، سب غلو فی الدین اور افراط و تفریط قطعًا نابود ہو سکتے ہیں، اس امر کا وثوق کے ساتھ فیصلہ ہو سکتا ہے کہ **پیغام** فی الحقیقت **ایک** ہی تھا، صرف اُسپر عمل کرنیکے مظاہر جُدا جُدا تھے، مقصود بالذات **اصل دین** ہی ہے، قانون فطرت ہی ہے، عبادتِ خدا کو سمجھنا ہی ہے افروعات اور ظواہر اصل مذہب حتمًا نہیں! نہیں بلکہ جو قوم **اصل** کو پکڑے ہوئے ہے وہی اُسکے خزانہ عامرہ سے انعام پا رہی ہے، جس نے روح کو، نفس الامر کو، صدق بسیط کو چھوڑ دیا وہی ہلاک ہو رہی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب اتحاد عالم کا نصب العین بیش از بیش معرض عمل میں آ سکتا ہے، جب ہوشمندانِ زمین کی ایک موتمر علم کی مشعل کو ہاتھ میں لیکر، دنیا کو ایک راہ پر لگا سکتی ہے جب مذہب کا انواہی اور **قولی** شعبہ صرف غلط ہنکر مٹ سکتا ہے، جب اسکا **عملی** اور اتحادی پہلو ذہنوں پر پتھر کی لکیر بن سکتا ہی جب اسکے حزبی اور اختلافی، بغاوتی اور حسدی اثر کے کالعدم ہونے کا امکان ہے، جب آمین بالجہر اور آمین بالخفی کی سی مضحکہ انگیز بحثیں طرفۃ العین میں بند ہو سکتی ہیں، جب سچ اور جھوٹ، روا اور ناروا کا تصفیہ لمحۃ البصر میں ہو سکتا ہے! وحی کی یہی قدر، اُسپر سچا اور بے ریا یقین، اُسپر مسلسل اور نتیجہ خیز عمل، اُسپر کامل اور لاینفک اتحاد درحقیقت **علم** ہی سے ہو سکتا ہی، اور وہی صراط مستقیم صحیح معنوں میں بقا انگیز اور تقدم خیز ہے جسکے مسلّمہ اصول کی تائید براہ راست **وحی** سے ہوئی۔ دنیا کی سب سے آخری کتاب وحی (یعنی قرآن) نے نوع انسان کی موجودہ تفریق کی اصورت بلکہ مذہب کی ماہیت کا فیصلہ یک قلم اس بنا پر کر دیا ہے کہ مناسک اور ظواہر اور شئے ہیں اور امر اور چیز ہے، لِكُلِّ

أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ† (الحج ۶۷)

گویا مناسک کو بنائے نزاع سمجھکر **قانون** رب العلمین میں جھگڑا پیدا کرنا ہی **صراط مستقیم** اور مذہب سے پرے ہٹنا ہی ا

---

† اس آیت مقدسہ کے صحیح مطالب کے متعلق ایک مبسوط بحث اصل کتاب میں صفحہ ۲۲۸-۲۲۴ کے تحت اصل میں کی گئی ہے۔

لیکن عُلمائے جہان کی مندرجہ صدر ہوتمرسے قطع نظر ہوشمند اشخاص اپنی اپنی مطالعہ گاہوں میں بیٹھے ہوئے بطور خود اِس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دنیا کے سب مروجہ آسمانی صحائف کے اندر اُنکی اِس محرف شدہ صورت میں بھی وحدت پیام کی ایک نہر سلسبیل دوڑ رہی ہے، سب کا بین السطور مدعا اور منتہا دہی ہے، مطمح نظر ایک ہے، امر ایک ہے، اگرچہ ظواہر اور مناسک اکثر حالات میں الگ الگ ہیں۔ اگر کہیں کوئی اختلاف اِس امر عظیم پر عمل کرنے میں رُونما ہوا ہے تو وہ صرف نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، منظر تصویر کا اختلاف ہی، رؤیائے قلب کا اختلاف ہرگز نہیں۔ یہی باعث ہے کہ دنیا میں جسقدر پیغامبر آئے اپنے سے پہلے پیغمبروں کی تصدیق کرتے رہے، بُدھ نے کرشنؑ کی تائید کی، موسیٰؑ نے ابراہیمؑ کی تصدیق کی، عیسیٰؑ نے موسوی شریعت کو بنا قرار دیا، محمد صلعم نے سب انبیاء کو بلکہ ہر قوم کے ہادی کو، ہر قریہ کے نذیر کو، ہر اُمت کے رسول کو مانا، حتیٰ کہ سکھ اُمت کے پیشوا نانک علیہ الرحمۃ نے بھی ختم رسلؐ اور باقی سب ایلچیوں کو برابر سمجھا! یہ تصدیق بذات خود اِس امر کی تصدیق ہے کہ یہ سب لوگ آپس میں رازداں تھے، ایک ہی قانون سے واقف تھے، ایک ہی امر مہم سے آشنا تھے، گویا سب سیانے تھے اور ایک ہی مت رکھتے تھے! بلند بینی اور وسیع نظری کے باعث اُن کے ذہن اسقدر رسا اور اُنکی تعلیم اسقدر حقیقت کشا بن گئی تھی کہ ظواہر اور شعائر کا اختلاف اُنکو کچھ اختلاف دکھائی نہ دیتا تھا! اُنکی نگاہیں اُس قانون، اُس نفس الامر، اُس دین فطرت کی طرف لگی تھیں جسپر چلکر ہر جا امن ہے، قوموں اور قبیلوں کا امن ہے، گھروں اور افراد کا امن ہے! مثال کے طور پر عرب کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آسمانی کتاب ابراہیم، موسیٰ، داؤد، عیسیٰ، وغیرہم علیہم السلام سب انبیاء کی اپنے اپنے وقت میں مروجہ نمازوں کو اُسی ایک لفظ "الصلوٰۃ" سے تعبیر کرتی ہے، وہی "الزکوٰۃ" کا لفظ سب کے بارے میں موجود ہے، صوم کے بارے میں وہی "کما کتب علی الذین من قبلکم" لکھا ہے، حج، جہاد، ہجرت، سب اوامر کی توصیف میں جو آج ایک مختص شریعت سے مخصوص ہو کر اُس مذہب کے شعائر بن چکے ہیں، وہی مشترک الفاظ ہیں، سب کے لیئے یکساں ثواب اور برابر کا عذاب متعین ہے، حالانکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اِن سب کے ظواہر الگ الگ تھے، نماز کے وہ رکوع و سجود نہ تھے،

زکوٰۃ کے وہ حصّے بخرے نہ تھے، صوم کیلئے وہ ماہ رمضان نہ تھا وہ اوقات نہ تھے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اس لیے کہ قرآن کو نفس الامر کے بیان کرنے سے غرض ہے، کسی اُمت کی سطحیات سے اسکو کچھ بحث نہیں۔ اسکے نزدیک آج بھی "الصّلوٰۃ" وُہ شئے ہے جو وُہی تکیف دل، وُہ نتیجہ خیز اطاعت، وُہ ضبطِ نفس، وُہ توفیق عمل، وُہ اخوت اور موالات، وہ تعاون اور محافظت پیدا کر دے جو ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام میں مقصود تھی⚘، محمدی نماز کے ظواہر اور ارکان سے اسکو کچھ سروکار نہیں۔ اور جس طرح بھی **نتائج** پیدا ہو جائیں اسکی نظروں میں بارگاہ خدا میں قبول ہیں۔ نہیں بلکہ اگر کسی نماز سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی تو قرآن کی مطلق لغت میں ظواہر کا وہ بے روح پیکر "الصّلوٰۃ" کہلانے کا اہل نہیں۔ انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسلام نے قانون خدا کو بعینہ اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھا، اور اسی لیئے سب نے **ایک** دیکھا، سب نے اصلیت اور حقیقت کو پایا۔ اور اگر آج بھی صحف آسمانی کا مطالعہ اس مقام نظر سے کیا جائے تو پیغام خدا کی حقیقت کو پالینا اور تمام عالم کا ایک نقطۂ توحید پر متفق ہو جانا کچھ متعذر نہیں لیکن اس غرض و مطلب کے لیئے ناخدایانِ ملت کا قانون خدا کے بحر ذخار کو **علم و نبوت** کی عینک سے دیکھنا لازمی ہے، جہالت کی تنگ چشمی اس صراط مستقیم کا کچھ فیصلہ نہیں کر سکتی!

مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اس قانونِ خدا اور امر رب العٰلمین کی حقیقت تک بتمام و کمال پہنچنے کیلئے **قرآن حکیم** سے بہتر، **کامل تر، واضح تر** اور **صحیح تر** آسمانی کتاب اس دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ سب آسمانی صحیفے اپنے اپنے وقت نزول سے آجتک کم و بیش **لفظی تحریف** کا شکار ہو چکے ہیں، ان میں سے اکثر کے الفاظِ وحی روئے زمین سے کلیۃً ناپید ہیں، اکثر میں مرورِ وقت کے باعث ردّ و بدل وارد ہو چکا ہے حتیٰ کہ خود حاملانِ وحی کو اس حقیقت کا اعتراف ہے، لیکن لفظی تحریف کا گناہ عظیم انسان نے کم از کم اس کتاب کے بارے میں حتماً نہیں کیا۔ قرآن حکیم کے **مطالب** اور **مقاصد** میں اگرچہ بے حد **معنوی تحریف** ہو چکی ہے، اُس کا اصلی اور نبوی منشا جہلا اور علما کی متفقہ تاویل کے باعث اکثر خبط ہو گیا ہے، اسکے معانی پر بیجد شرعی اور فقہی غلاف پڑ چکے ہیں، اُسکے کسی ایک

⚘ الصلوٰۃ کی حکمت کے متعلق ایک مسترح بحث اہل کتاب میں صفحہ ۲۴۰ الخ پر آرہی ہے جس سے معلوم ہو جائیگا کہ قرآن حکیم کا مقصود ملائک ہمارے ہی بہاؤ میں ہوا۔

امر مہم کا الٰہی مفہوم صحیح طور پر مسلمانان عالم کے ذہنوں میں باقی نہیں رہا، اُسکے اوامر و نواہی پر اعتقاد آج صرف اقوال اور افواہ تک محدود ہو گیا ہے، اُسکو لوگ جو کچھ مان رہے ہیں مونہوں اور لفظوں، پھونکوں اور استخاروں سے مان رہے ہیں، لیکن اسکے **الفاظ** بعینہ اور باصلہ موجود ہیں۔ انسان کا بڑے سے بڑا فریب بھی اب اُنکو بدل نہیں سکتا ایکی کچھ کتر بیونت نہیں کر سکتا **محقق** کیلئے اِس کتاب کا روئے زمین پر موجود ہونا ایک غیر مترقبہ نعمت اسلیئے ہے کہ صحف آسمانی کے ضائع مطالب میں قرآن حکیم کے الفاظ اور تحقیق شدہ مطالب کی رہنمائی صحیح منشائے خدا کی طرف سچی رہنمائی ہے۔ جہاں اور سب کتب آسمانی اپنی موجودہ حالت میں کسی ایک امر کے بارے میں کوئی حکمی فیصلہ نہیں کر سکتیں، وہاں قرآن اُس امر کے متعلق اپنا **قطعی** اور **آسمانی** فیصلہ دے سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو مشترک باتیں آسمانی صحائف میں اسوقت پائی جاتی ہیں، اور جن کا وجود اِس آخری کتاب سے بھی ثابت ہے، اُن سب کا قرآن صحیح معنوں میں **مصدق** سمجھا جاتا ہے۔ اِس مقام نظر سے اگر کسی مزعومہ آسمانی کتاب کے اکثر مضامین اور قرآن کے مابین کوئی مابہ الاشتراک ثابت ہو گیا ہے تو اُس مزعومہ کتاب کا اُسکے اپنے عہد نزول میں منجانب اللہ ہونا بھی متحقق ہے۔ الغرض مذہب کو علم کے بلند درجے تک پونہچانیکے لیئے یہ گوہر نایاب ازبس بے بہا اور گرانمایہ ہے۔ طالب حقیقت کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ اُن کے پاس کم از کم **ایک** ایسی کتاب موجود ہے جسکو خدا کے ہاں سے براہ راست ہونے کا ادعا ہے، اور جو آپ نامحرف اور بے غل و غش خالص ہے! اسکا کام اب صرف اتنا ہے کہ اسکو علم کی کسوٹی پر بحکم حق پرکھ کر **سونا** ثابت کر دے، یا اگر وہ اس محک پر پوری نہیں اُتر سکتی تو اسکا ناقص عیار ہونا علی الاعلان ثابت کر کے دنیا کو مذہب کے **فریب عظیم** سے یکسر نجات دلوا دے!

یہ وہ خیالات ہیں جنکی بنا پر میں اِس کتاب کو ساکنان زمین کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں مجھے یقین ہو چکا ہے کہ قرآن حکیم اپنی جامعیت اور مانعیت میں، اپنی حجت اور حکمت میں، اپنے علم و خبر میں وہ فقید المثال کتاب ہے کہ اسکا علم انسانی دانست کے ہر ممکن معراج سے بالاتر ہے۔ سب آسمانی کتابیں قانون خدا اور دین فطرت کے صرف بعض یا اکثر حصّوں کو پیش کرتی ہیں مگر یہ نادر الوجود صحیفہ اسکو بہ تمام و کمال پیش کر رہا ہے۔ انسانی معاشرت

اور تمدن، دنیاوی بہجت اور امن، علمی تقدم اور عمران، عملی فوقیت اور اقدام کا کوئی شعبہ نہیں جسکو حاصل اور برقرار
رکھنے کیلئے اسکے اندر مکمل اور سعی خیز اشارات نہ موجود ہوں۔ تہذیب کے ہر مرحلے میں، عمران کی ہر منزل میں، تقدم
کے ہر قدم پر یہ کتاب انسان کیلئے سچی رہنما ہے۔ اسکی انگشتِ زنہار لامحالہ اسی طرف اشارہ کر رہی ہے جسطرف بالآخر
نقصان ہے، اجتماعی ضعف ہے، مجموعی موت ہے! اسکا بیخوف و خطر حکم اسی صراط مستقیم کی طرف ہے جسپر چل کر
امن ہے، خلد و بقا ہے، **نعمت** اور **عزت** ہے! اسکا اہم ترین مطمح نظر اُمتوں کی **اجتماعی حالت**
کی اصلاح ہے، لیکن اسی مجموعی بست و کشاد کے ضمن میں اسنے افراد کی شخصی فلاح کا اٹل دستور العمل بھی پیش
کر دیا ہے۔ اسکو روئے زمین پر بھیجنے والا وہ صاحبِ علم و خبر، وہ مالکِ سمع و بصر، اور وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے
کہ بنی نوع انسان کے انتہائی ارتقا کو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس پہلے دیکھ رہا ہے! صدہا برس کے گذشتہ واقعات
کی سند پیش کر رہا ہے، امن کے لازمات کی طرف اشارہ کر رہا ہے، خوف کے مقامات سے ڈرا رہا ہے۔ الغرض
جو کہہ رہا ہے قوت اور زور سے کہہ رہا ہے، یقین اور وثوق سے کہہ رہا ہے، غنا اور بے نیازی سے کہہ رہا ہے!
اسکا قانون اسقدر مکمل ہے کہ نارسا نظریں اسمیں عیب نکالتی ہیں، اسمیں کجی دیکھتی ہیں، اسکے متعلق شکوک پیدا ہوتے
ہیں مگر علم کی وسعت اور بلند بینی پھر ان شکوک کو مشکوک کر دیتی ہے! ہر شک کے متعلق نئے احوال، نئی معلومات،
نئے مقام نظر آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور مشکک کو بالآخر درماندہ اور سپر انداختہ کر دیتے ہیں! مقام
نساء، تعدد ازدواج، ممانعت خمر، معاشری مساوات وغیرہ وغیرہ چند در چند ایسے مسئلے ہیں جنکے متعلق دنیا تمدن کے
اس مرحلے میں مشکل سے یک رائے و یک زبان ہو سکے گی، اُنپر جبتک انسانی فطرت کا علم ناکمل ہے بحث کا سلسلہ
جاری رہ سکیگا مگر ان مباحثِ دقیقہ کے متعلق قرآن کے قطعی اور حکمی فیصلے وہی ہیں جنپر دنیا کی عام رائے کا اہم ترین
حصہ نامحسوس طور پر متفق ہو رہا ہے! وہ وہی ہیں جو تلخ تجربوں، فطری گناہ کی سزاؤں، پشتینی غفلتوں کے سم آلود
نتیجوں، افراط و تفریط کے مہلک اور قاطع النسل اثرات اور ترقی علم سے اخذ ہو کر دنیا کو نئی راہوں پر لگا رہے ہیں! دنیا
کیسی شش و پنج میں گرفتار ہے، صراط مستقیم کی تلاش میں یہ غلط اور وہ صحیح بار بار کہتی رہے، زینہ سے ہٹ کر عمر کیطرف

اور عمروسے بکر کی طرف راجع ہو مگر قرآنی محاکمے **ناقابلِ بدل** اسلیئے ہیں کہ بالآخر انسانی طبیعت اُنہی کی طرف مائل ہو کر رہے گی۔ اپنی فطرت سے بیخبر انسان اُنہی پر **مجبول** ہے، اُنہی سے ہٹ کر شکست و ریخت ہی، اُسی پر چلکر حفظ و امن ہے! جہاں افسردگی ہے اُسی کے عصیان سے ہے، جہاں بالش ہے اُسی کو مان کر ہے۔ قرآن کا بتایا ہوا اسلام ایک **فطرت** ہے جس پر سب نسلِ انسانی بلا امتیاز رنگ و ملک **مخلوق** ہے۔ اسمیں کوئی تبدل و تحول اصلاً اور طبعاً نہیں ہو سکتا! یہی وہ **صراطِ مستقیم** ہے جسکے سوا کوئی دوسرا خطِ مستقیم بداہتۃً ممکن نہیں البتہ اگر لوگ اسکی تلاش میں ایک راہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر چل رہے ہیں تو اسکی وجہ **کمی علم** ہے جس دن فطرت انسانی کا علم مکمل ہو جائے گا، صراطِ مستقیم سورج کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے زیادہ روشن تر حقیقت ہو جائے گی اسی بنا پر قرآن نے اپنے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم کے بارے میں کہا ہے، فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿الروم ۳۰﴾

قانون خدا کے متعلق قرآن حکیم کے اجمال اور کمی علم کے باعث بسا اوقات اُسکے بدیہی اغلاق کے باوجود اُس کا بیان کردہ آئین اہل نظر کی نگاہوں میں اسقدر بیّن ہے کہ کسی ایسی مختصر کتاب کا اس سے زیادہ ابین اور اکمل ہونا محال ہے! وہ بظاہر ایک از بس مختصر صحیفہ ہے مگر اسکا دعوٰے اپنے متعلق تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہے! اجمال کے لیئے اغلاق لازمی امر ہے مگر اُسکے وحی کرنے والے کا دعوٰے اسکے بارے میں یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ ہی! لوگ اُسکو عیاں کرنے کی سعی میں قرنوں سے تفسیر کے طومار باندھ رہے ہیں مگر اُسکا اپنا ادّعا اَلْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ہی ہے! شرعی علماء اُسکی ایک ایک آیت کو لائق شرح و بیان بتاتے ہیں مگر اُسکا اپنا محاکمہ اَلْکِتٰبَ مُفَصَّلًا اور تَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ ہے! اجمل کے مولوی اُسکی حکمت میں استدلال کرنا گناہ سمجھتے ہیں مگر یہ آپ اَفَلَا تَتَدَبَّرُوْنَ اور لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ کی صلائے عام دے رہا ہے! حدیث کے شیدائی اُسکی کسی ایک آیت کو صحاح ستّہ سے بے نیاز نہیں سمجھتے مگر اُسکا اپنا فیصلہ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اور اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اور فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ اور اسکے ایک بڑے شیدائی (حضرت عمرؓ) کا فیصلہ حسبنا کتاب اللہ ہے! لُغت والے اسکو لغت کا محتاج کہتے ہیں مگر اسکے بڑے سمجھنے والے اور اسپر بڑے عمل کرنیوالے دو سو برس تک اسکو لغت کے

بدون سمجھتے رہے اسلامی دنیا اسکی ادبی خوبیوں اور شنیدہ فصاحت پر سر دھنتی رہی ہے مگر اسکا اپنا اعلان
مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ اور مَآ اٰتُوْا بِكِتٰبٍ اَهْدٰى ہی رہا ہو! اسکے اکثر حامل پچھلی کئی متصل قرنوں سے وہی لوگ رہتے ہیں
جو اعمالِ خدا اور فطرت کے علم سے فی الجملہ نابلد اور تعینیات سے اکثر متنفر رہے مگر اسکا روئے سخن بہرنوع لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ اور لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ہی رہا ہے! اسکے دشمن پکار پکار کر اور دوست دبی آواز سے کہہ رہے ہیں کہ قرآن کے
اندر ربط کا کچھ پتہ نہیں لگتا مگر اسنے اپنی بے ربطی کا الزامی جواب الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ہی دیا ہے!
الغرض عقیدتمند لوگوں کی اسکے متعلق سخن آرائیوں سے صرف نظر کرکے جو یقینی بات قرآن حکیم کے بغور اور
پیہم مطالعے کے بعد اخذ ہوتی ہے یہ ہے کہ وہ فی الحقیقت ایک نہایت عمیق اور **بلیغ** کتاب ہے۔ اسکے اندر انسانی
نسل کی اجتماعی مرفہ الحالی کا پورا اور دائمی سامان موجود ہے، اسمیں کمال **تدبر** اور انتہائی غور و فکر کی پوری
گنجایش ہے، وہ اپنے دائرے کے اندر **مکمل** ہے، قیاسات اور آرا کے سب انسانی مجموعوں سے بے نیاز ہے
وہ آپ صحیح معنوں میں اپنی **تفسیر** ہے، وہ سب انسان کی بنائی ہوئی اور قابل بدل لغات سے مستغنی ہے،
اسکی اپنی اور ناقابل تغیر لغت خود اسکے اندر ہے، اسکا داخلی طریق تسمیہ اسکے اپنے مقرر کیئے ہوئے معہود ذہنی کو ادا
کرنیکے لیئے اسقدر کافی ہے کہ کسی خارجی مدد کی اسکو قطعاً ضرورت نہیں، اسکی سب قانونی مصطلحات اور آئینی متعارفات
خود اسکے ضمن میں اس صحت اور دقت، اس سلامتی اور کمال سے واضح کر دی گئی ہیں کہ اسکے بعد کسی ایک حصے کے
مطالب کی صحیح تعیین میں شک و اشتباہ کا گمان تک نہیں گذر سکتا! اسکے ہر لفظ کے صحیح مطلب اور صاحب القرآن
کے اس لفظ کے متعلق صحیح عندیے میں وہ حیرت انگیز **استقلال** ہے کہ اول سے آخر تک اسکا وہی ایک پیش نہاد ہے
اجماع امت یا تاویل یا انسان کا نفسانی مکر اسکے مقصود کو قطعاً نہیں بدل سکتا۔ اسکی **ایک** آیت کے صرف **ایک** معانی
میں، اسکے متعلق طرز عمل **ایک** ہی، پیش نہاد **ایک** ہے، محاکمہ اور عندیہ ایک ہے، سیاق کلام ایک ہے، سباق ایک
ہے! اسی بنا پر قرآن حکیم **اختلاف** یا حشو کے بدنما انسانی عیب سے قطعاً مبرا ہے! جہاں کہیں اسکی آیتوں کے
اندر تناقص کا گمان یا تکرار و تخالف کا شائبہ نظر آتا ہے وہیں ان کے اصلی مطالب سمجھنے میں کسر رہ گئی ہے، وہیں کوئی

واماندگی ضرور ہے، وہیں کچھ نہ کچھ نقص یقیناً واقع ہوا ہے! نہیں بلکہ بعض اوقات قرآن عمداً دو نظاہر نقیض یا ہم معنی باتوں کو ایک ہی سیاق کلام میں اور ایک ہی بحث کے ضمن میں پاس پاس جمع کر دیتا ہے اور تدبر کے سست قدم رہوار کو مہمیز لگا کر انسان کو اپنے اندر اختلاف یا بے نتیجہ تکرار کے نہ ہونے کا فی البدیہہ ثبوت دیدیتا ہے٭ وہ **مجمل** ہے مگر یہی اجمال اُسکے مطالب کی **صحت** اور **وحدت** کا بالواسطہ ثبوت ہے! وہ ایک **قانونی** کتاب ہے مگر اسکا قانون ہونا ہی اُسکے **واحد** فی المطالب، **یک منتہیٰ** اور **مربوط** ہونے کی قطعی شہادت ہے!

جہاں وہ بادی النظر میں مربوط نہیں ہوتا وہیں اسکے مطالب سمجھنے میں فساد واقع ہوا ہے، کچھ ناروا تاویل واقع ہوئی ہے کہیں لغت نے زیادتی کی ہے، کچھ غلط حدیث کا اثر باقی رہ گیا ہے، کچھ رسم و رواج نے پردے ڈال دیے ہیں، کچھ بے علمی نے فساد پیدا کر دیا ہے، کچھ ظن نے شرارت پیدا کی ہے، کچھ جہالت نے دخل در معقولات دیا ہے ورنہ اُن دو ٹکڑوں کے متصل واقع ہونے میں کوئی نقص نہیں! علم کی کمی اور استدلال کی درمیانی کڑیوں کا انسانی ذہن میں موجود نہ ہونا اسکو بے ربط کر رہا ہے، جب واقعات کا علم ایک حقیقت کا لگاؤ دوسری حقیقت سے معلوم کریگا، مطالب کا سلسلہ خود بخود پیوست ہو جائے گا!

مجھے یقین ہو چکا ہے کہ دنیا کے **ہر رہنمائے جلیل** اور ہر پیشوائے فرید کا کلام ہمیشہ سے بادی النظر میں **غیر مربوط** رہا ہے، جسقدر کوئی شخص اپنے فن میں ماہر ہے، جسقدر اُسکا علم تدبر کے مدارج علیا پر پہونچ چکا ہے جسقدر وہ دنیا کو کسی **نئی** راہ پر چلانے یا کسی **نئے** انکشاف سے دم بخود کر دینے کی صلاحیت اپنے میں پا رہا ہے، اُسیقدر اُسکا دیا ہوا پیغام عوام کی نظروں میں نا مسلسل اور ٹکڑے ٹکڑے ہے، اور اُسیقدر اُسکو اپنے کلام کو مربوط کرنے سے عمداً گریز اور استغنا ہے۔ خیالات کا ہجوم علم کی وسعت، اور وقت کی کمی اسکو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے کلام میں جملوں کو خوش کرنیکے لئے کوئی منطقی ترتیب یا تسلسل پیدا کرے۔ علم کا عظیم الشان سیلاب ایک ناپیدا کنار سمندر کی طرح اُسکے ذہن میں لہریں مارتا ہے، وہ اسکو من وعن ظاہر نہیں کرتا، صرف اُس پہنائے بیکراں کے اندر سر بر آوردہ

٭ بظاہر دو نقیض باتوں کو یکجا جمع کرنے کی مثال ہے وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ... مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ (النساء) جو بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن [illegible] وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا کہدیا ہے۔ بظاہر دو ہم معنی باتوں کی مثال ہے، وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ (قصص)۔

مقامات اور موٹے موٹے جزیروں کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ لوگ اِس طرز بیان سے کسی قدر نامانوس ہوتے ہیں،
اور بادی النظر میں اُنکے **باطنی ربط** کو نہیں دیکھتے، وہ نہیں دیکھ سکتے کہ اِن سب بیانات کی تہ میں ایک ناقابل
الفکاک تعلق ہے، انکے نیچے ایک مشترک اور مضبوط **زمین** ہے، ایک طبعی اور غیر منقطع منطقی تسلسل ہے، پہاڑوں
کی سر بفلک چوٹیاں علحدہ علحدہ نظر آرہی ہیں مگر اُن کے دامن اور وادیاں اُنکی بنیادیں اور مشترک قواعد اُسکے
عمیق علم کے محیط میں **غرق** ہیں۔ وہ خود انکو بے گماں طور پر دیکھ رہا ہے، مگر لوگ اپنی کمنظرفی کے باعث جلد مضطر
ہو جاتے ہیں! **عیسیٰ** علیہ السلام کا پہاڑی پر دیا ہوا **وعظ** آجتک بے ربط نظر آتا ہے، اُسکے اندر فی الجملہ کوئی **منطق**
اور **ترتیب** نظر نہیں آتی، اُسکے سب محاکمے بادی الرائے میں متفرق اور غیر متعلق دکھائی دیتے ہیں، اُن سے کوئی
مستقل نتیجہ قانون خدا کی ماہیت کے بارے میں مترتب نہیں ہوتا، تاہم یہ بات ہر عیسائی اور غیر عیسائی کے نزدیک
مسلم ہے کہ پہاڑی کا وعظ اُس اولوالعزم نبی کا سب سے مشہور، سب سے مکمل اور سب سے زیادہ **نتیجہ خیز** وعظ تھا!
نہیں بلکہ نصاریٰ کا شنیدہ اعتقاد صدیوں سے اُسکے متعلق یہ رہا ہے کہ عیسائیت کی روحانی تعلیم بہ تمام و کمال اِسی
وعظ کے اندر مضمر ہے۔ لوگ آجتک اکثر نہ سمجھ سکے کہ 'دل کے غریب' یعنے کون لوگ ہیں اور 'آسمان کی بادشاہت' کیا
ہے اور کیونکر اُنکی ہے؟ 'حلیم' کون اشخاص ہیں اور 'زمین کی وراثت' کیونکر اُنکو مل رہی ہے؟ 'پاک دل' ہونے سے کیا مراد ہے؟
اور خدا کا دیدار کیونکر اُنہی کا حصہ ہے؟ مسیح نے توراۃ یا پہلے نبیوں کی کتاب کو کیونکر منسوخ ہی نہ کیا، بلکہ مکمل کیا
حالانکہ عیسائی اور یہودی میں آج کوئی بات مشترک نظر نہیں آتی، 'دوسرے گال پر طمانچے' والی تعلیم سے کیا مراد ہے، 'دشمنوں
سے پیار کرنا' کیونکر 'دینِ فطرت' ہو سکتا ہے، 'کل کی فکر نہ کرو کیونکہ کل اپنی چیزوں کی آپ ہی فکر کر لیگا' کس طرح پر
ایک باعمل اور **وارثِ زمین** بنا ہوا شخص کی تعلیم ہو سکتی ہے! وغیرہ وغیرہ۔ جہانتک ایک سطحی نظر سے تمام وعظ
کو دیکھا جائے اُسکے اندر کوئی منطق، کوئی متفق علیہ دلیل، کوئی تسلسل، کوئی صغرے کبرے ثابت نہیں ہوتا۔ بڑے سے
بڑا نتیجہ جو ایک نکتہ رس شخص اس سے نکال سکتا ہے یہ ہے کہ یہ ایک مذہبی اور انفرادی تعلیم ہے جو دنیا کو رہبانیت کی
طرف لیجا رہی ہے ایک دنیا دار شخص کا اس سے چنداں متمتع ہونا از بس متعذر ہے۔ لیکن ابھی **دو برس** نہیں گذرے کہ

اِسی **طمانچے والی** حلیم بنا ہوائی تعلیم کے ایک جزو قلیل کو سرزمین ہند کے ایک مقتدر اور باعمل سیاسی رہنما[†] نے صحیح طور پر لیا، اور اگرچہ اُسکی تمام منطق کو سمجھنے سے وہ فی الجملہ قاصر رہا لیکن اُسپر کما حقہٗ عمل پیدا کرنے کی سعی کی، اور لوگوں کو اُس اٹل روحانیت کی ترغیب اور وراثت زمین کا نصب العین پیش کر کے چند مہینوں کے اندر وہ ماحول پیدا کر دیا کہ **انگریزی** حکومت کے اوسان خطا ہو گئے! لیکن **نبیؐ** کی تعلیم کا یہ **لشکر انگیز ربط**، اور اُسکا **صراط مستقیم** صرف اُسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جسکی نظر بیحد وسیع ہو، تعصب کی تنگ نظری اسکے ربط کو نہیں دیکھ سکتی!

انبیاء کی تبلیغ یک طرف، دنیا کے اور بڑے معلموں کا کلام بھی بسا اوقات سطحی نظروں میں بے ربط معلوم دیتا ہے۔ **بیکن** کی اکثر فلسفیانہ تصانیف اور مضامین میں ایک اغلاق ہے جسکے حل کرنیکے لیئے ذہن کو ناگوار تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ مولانا رومؒ کی مثنوی کے اشعار میں **معنوی** لگاؤ کا معلوم کر لینا آج بھی آسان بات نہیں، وہ سب کے سب نظم موتیوں کی طرح لڑھکتے دکھائی دیتے ہیں اور بہت کم اشخاص مصنف کے صحیح عندیئے کی تشریح کر سکتے ہیں! خود کارلائل جسنے عرب پیغمبرؐ کے لائے ہوئے قرآن کو "پریشان خیالات" کہکر اُسکی تخفیف کرنی چاہی ہے اکثر اوقات اپنی تصنیفات میں اسی عظمت کا مصنوعی رنگ پیدا کرنا چاہتا ہے، اگرچہ وہ آپ کسی بڑے پائے کا معلم نہیں اور دبی زبان سے معترف بھی ہے کہ اسی پریشان خیالات کے مجموعے نے عرب کو تمدن کے فلک الافلاک تک پونہچا دیا تھا! **ارسطو** کے اکثر اقوال مغلق ہیں، بلکہ اُسکے مسلسل مضامین بھی کئی کئی بار پڑھنے کے بعد سمجھ میں آتے ہیں! **غالب** کے دو مصرعوں کے درمیان بعض اوقات ربط ٹھیک طور پر قائم نہیں ہوتا، نیوٹنی استدلال کے دو متصل مراحل میں مبتدی کو اکثر اوقات دشواریاں پیش آتی ہیں۔ الغرض جہاں جہاں کسی **مقتدر** تصنیف میں کوئی اغلاق نظر آرہا ہے، جہاں الفاظ کی بے انتہائی اور مضمون کی بے انتہا کثرت ہے، جہاں منطق پر بلاغت اور **عمق** مطالب نے پردہ ڈال رکھا ہے، جہاں واقعات اور **نتائج** کو اسقدر اہمیت ہے کہ دلیل ایک ثانوی اور تدریجی شئے بن چکی ہے، جہاں علم کا پیدا کیا ہوا استغنا جہل کے متفقہ عجز و احتجاج کی پروا نہیں کرتا، اور سچائی کے

---

† اِس رہنما کا نام موہن داس کرم چند گاندھی ہے (المتولد ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء)

زور پر تسہیل و تشریح سے بے نیاز ہو چکا ہے، وہیں حقیقت کی پردہ نشیں عروس جلوہ گر ہے! وہیں سچا اور لازوال حُسن مستور ہے! انہی بند بدنما اور مغلق دریچوں کی اوٹ میں معنی کی شرمسار معشوقہ حجاب آرا ہے' اصلی اور بے مثال حُسن کو نمائش اور اعلان کی ضرورت ہرگز نہیں ہوتی، اُسکی آب و تاب اور محبوبیت اسی محجوبیت میں ہے، اُسمیں دعوت اور تشہیر نفس کا اوچھا پن قطعًا نہیں ہوتا، اُسکا مستور رہنا ہی نقاد نظروں کے لیئے بلا کی دعوت ہے! بہترین مہیج ہے! پیام وصال ہے! بوسہ بہ پیغام ہے! نہیں بلکہ بسا اوقات نظر انتقاد کی تاریں بھی حجاب بن بنکر اُسکو چھپا لیتی ہیں اور ظاہر ہو جانے کی خفت کو برداشت نہیں کر سکتیں!

قرآن اگر اُس خالق زمین و آسمان کا کلام ہے، اگر وہ اُس مالک شمس و قمر کے عرب پیغمبر کے قلب پر نازل کیئے ہوئے الفاظ ہیں، اگر وہ فی الحقیقت اُس معلم اوّل اور اُس ادب آموز ازل کا ساکنان زمین کو آخری درس ہے تو سلیم کی نظروں میں اسکا غیر مربوط ہونا ہی اسکی بڑی سے بڑی خوبی ہے۔ وہ اگر مربوط ہو سکتا ہے تو اُن فنی ہوں کے اندر جنھوں نے اس کائنات عظیم کے چپے چپے کو دیکھ مارا ہے، جنکو اس صحیفۂ فطرت کے رازِ دروں کا اکثر علم ہو چکا ہے، جنکو علم کی بلند نگاہی اور حقیقت کی وسیع نظری آسمانوں اور ستاروں کے اُفق اعلیٰ پر لے گئی ہے' جو سفلی منطق کے صغرے وکبرے سے بے نیاز ہو کر واقع الامر کی قطعیت تک پوہنچنے کے درپے ہیں، جو شرط و جزا، سبب و اثر، اور علۃ و معلول کے اس عظیم الشان موسیقی ساز میں ایجاب و قبول کی خفیہ سُروں' اور قضا و قدر کی پوشیدہ نواؤں کے محرم ہیں، جنکو اس بظاہر بے ڈیل ڈول، بے مرشد، نامنظم، استبداد سے بھری اور افراط و تفریط سے پُر دنیا کے اندر ایک حیرت انگیز توازن، ایک محیر العقول عدل و تسویہ، ایک بہتر سے بہتر تقویم اور تنظیم نظر آرہی ہے! خدائے زمین و آسمان اپنے کلام میں اس امر کا متحمل ہو نہیں سکتا کہ مبتدیوں کی طرح انسان کو حروف ہجا سکھلائے، پھر حرفوں اور جملوں کو آپس میں جوڑے، پھر جملوں اور فقروں میں ربط دکھلاتا پھرے، اُس کا کمال عاطفت یہی ہے کہ اعلان کر دیا کہ یہ کتاب مکمل ہے، مفصل ہے، گنجینۂ علم و حکمت ہے، انسان سے اسکا مثیل پیدا ہونا محال ہے، آسان ہے، مبین ہے، اختلاف سے مبرا ہے، صاحب علم و فکر قوم

کے لئے ہی، ہدایت اور رحمت ہے، نور و شفا ہے، مربوط ہے، یہ امور بجائے خود اسکی حقیقت کو اظہر من الشمس کر رہے ہیں، اب انسان کا فرض ہے کہ اسمیں یہ خوبیاں دیکھنے کی سعی مالایطاق کرے، علم کی محک پر آزمائے، حکمت کے معیار پر اُتارے، مربوط المطالب بنانے کی سعی کرے، اوّل سے آخر تک واحد المطلب ثابت کر دے، ورنہ اسکو مسترد کر دے! بڑی سے بڑی اور ناقابل انکار دلیل اسکے **مربوط** اور **نتیجہ خیز** ہونے کی یہ ہے کہ دنیا کے ایک انسان نے اُسکو لیا، تیئیس برس کی زہرہ گداز تکلیف کے بعد اُسکی تعلیم کو لوگوں پر اظہر من الشمس کر کے اُسکے ایک ایک حرف، جملے اور فقرے کے اندر وہ ناقابل انشقاق ربط، وہ منطقی تسلسل، وہ شرط و جزا کا قطعی اور **عملی** ماحول پیدا کیا کہ ایک دنیا اسکو دیکھکر انگشت بدنداں رہ گئی! اگر آج علۃ و معلول کا وہ آسمانی پیکر، وہ خدائی برہان کا مجسمہ کُبریٰ، وہ **حجۃ اللہ البالغہ** وہ مشیت ایزدی کا ناقابل بدل مرقع انسان کے **نسیان درس** کے باعث بے دلیل اور بے ربط بن چکا ہی تو اسمیں **آسمانی صحافت** کی ادارت کا کیا گناہ ہے؟

خدا کے کہے ہوئے **الفاظ** اگر عامۃ الناس اور جہلا کی نظروں میں پریشان اور بے ربط رہے ہیں تو خدا کی بنائی ہوئی **فطرت** ابتدائے آفرینش سے آجتک عوام کی نگاہوں میں اس سے کہیں زیادہ بے ربط رہی ہو بعلیم آج بھی خدا کی بنائی ہوئی کثرت چیزوں کے درمیان کوئی ربط نہیں دیکھتا، اسکو اکثر مخلوق بے لم اور بے سبب نظر آرہی ہے اکثر حشو اور بے سلیقہ ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اکثر کے بدون کام نکل سکتا ہے، اکثر کے نہ ہوتے ہوئے انتظام اور آرام بہتر ہو سکتا ہے۔ درخت کی شاخوں میں ایک ناخوش آیند بدنظمی ہے، دریا کی پیچ در پیچ راہوں میں تکلیف دہ کجی ہے، جنگل کے درخت، سمندر کی بے پایاں مخلوق، موسمی حشرات الارض، آسمان پر بکھرے ہوئے تارے اُسکے نزدیک سب زائد ہیں، وہ مچھر سے فی الجملہ ناخوش ہے، مکھی کو دخل در معقولات سمجھتا ہے، بلی کا خوب صورت کبوتر کو نگل جانا اُسکے نزدیک ظلم ہے، مُرغ کا مکوڑے کو بے ٹکا ہضم کر لینا گناہ ہے، مادرزاد اندھا اسکو کپکپا دیتا ہے، یتیم کی زہرہ گداز آہیں، جوان کی ناگہاں موت، چنبل سے گلی ہوئی ٹانگ، نکو کار کی موت آلود گودڑی، زناکار کے سر بفلک محلات میں اُسے اوّل سے آخر تک ایک ناہموار تقسیم، ایک بے مطلب فساد، ایک بے سبب تنظیم،

ایک ناضروری تشدد، ایک ناقابل انکار استبداد نظر آرہا ہے۔ نظم ونسق، مساوات اور عدل، صلاح وفساد، ضرورت اور ایجاد کے مسلمہ اصول کے مطابق بادی النظر میں اُسے اس دنیا کے اندر کوئی سلیقہ کوئی تدبیر، کوئی تجویز نظر نہیں آتی۔ وہ اس دنیا کی طرفہ آرائیوں اور بدنمائیوں کو دیکھکر بسا اوقات اسکے اندر کسی مجوّزاعلیٰ کے وجود سے بھی انکار کر گیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ جو سامنے نظر آرہا ہے حُسنِ اتفاق کا ایک حیران کن اور دلربا منظر یا سُوءِ تدبیر کا ایک مکروہ اور فساد آرا منظر ہے مگر توازن اور ربط اسکے اندر قطعاً نہیں، منطقی دلیل قطعاً نہیں، علتہ و معلول کہیں نہیں، یہی باعث ہو کہ علم وجہل کے مختلف مرحلوں میں انسان کا خیال خدائے واحد کے وجود سے ہٹ کر متفرق خداؤں کیطرف بیشتر گیا ہے۔ جو شئے بذاتِ خود حیران کن تھی بجائے خود خدا بن گئی، کہیں سورج ایک دیوتا تصور ہونے لگا، کہیں کوئی دریا خدا بن گیا، کہیں آگ مظہر الٰہ بن گئی، کہیں بر و بحر میں تقسیم ہوگئی، بیماریاں جنّوں اور بھوتوں سے متعلق ہوگئیں، آفتوں اور آسیبوں کے الگ علم بردار مقرر ہوگئے، جہاں معلول کے ہوتے ہوئے علتہ ناپید تھی وہاں علتہ بنالی گئی، جہاں علتہ موجود تھی معلول فرض کرلیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر جہل کی ذہنی طوائف الملوکی نے انسان کو مدتوں تک یہ توفیق نہ دی کہ وہ ان سب ظواہر فطرت کو اپنے دماغ میں مناسب مقام دیکر انکو سب سے پہلے ایک طبعی ترتیب دے، پھر ان سب کے درمیان ایک علتہ و معلول، ایک شرط و جزا، ایک عدل و توازن قائم کرکے ان سب کو ایک علتہ العلل کے ماتحت لائے اور کائنات فطرت کے اس ہنگامۂ عظیم کو واحد بالذات ثابت کردے۔ اب بھی جہاں جہاں جہالت کی حکومت قائم ہے فطرت کی یہ ظاہری بے ربطی خداؤں کو الگ کر رہی ہے اور اگرچہ خدا کا کلام بآہنگ بلند لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا پکار رہا ہے مگر جبتک جاہل کو اس دنیا کے اندر فساد کی صورت نظر آرہی ہے، جبتک علم کی روشنی مشرق اور مغرب کے، شمال اور جنوب کے، آسمان اور زمین کے درمیان، نہیں بلکہ پانی اور آگ کے درمیان، مکھی اور پھول کے درمیان ایک ناطق اتحاد اور فیصلہ کن تعاون نہیں قائم کرتی، جب تک ظلم وعدل کا سفلی اور تنگ تخیّل آسمانی وسعت سے ہم آغوش ہوکر ناروا کو یکسر روا، غلط کو یکسر صحیح، اور زمین کو آسمان کا ایک جُزو ثابت نہیں کرتا تب تک کائنات فطرت کا مربوط نظر آنا یا اُسکے باعث اول کا ایک

ثابت ہو جانا از بس متعذر ہے! اسی بنا پر قرآن حکیم کا منکرین سے احتجاج ہے: اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۠ ‎۝[1] (الانبیاء)

آج علم کی تیز مشعل کی شعاعوں میں اسی فطرت کا مربوط ہونا، اسکی اشیا کا آپس میں معاون ہونا، اُن کے اندر ایک معنوی لگاؤ، اُسکے قانون میں ایک معنوی سلیقے، اُسکے علل و اسباب کے اندر ایک معنوی وحدت کا ہونا ایک ایک ثابت ہو رہا ہے روز بروز یہ حقیقت کھل رہی ہے کہ زمین و آسمان کی چار دیواری کے اندر کوئی شے بے مطلب نہیں، کچھ حشو نہیں، کوئی باطل اور عبث نہیں، مکھی اور پھول میں ربط ہے، آگ اور پانی میں ربط ہے، سورج اور شکر میں ربط ہے، صوت اور نور میں ربط ہے! کوئلہ اور باجے[2] کی سُر ایک ہیں! بجلی کی سنسناہٹ اور شمع کی روشنی ایک ہیں! انہیں بلکہ بجلی کی کڑک اور چمک ایک شے ہیں! سب کے اندر لگاوٹ کی ایک نہر سلسبیل دوڑ رہی ہے، سب کا ایک مجوز اور ایک حاکم اعلیٰ ہے، ایک تدبیر اور ایک بست و کشاد ہے! آج پانی اور آگ انجن کے نہاں خانے میں دوست بنکر دنیا کو حیران کر رہے ہیں، مچھر سا بے حقیقت حیوان انسان کے سینے خدائی جلاد ثابت ہو رہا ہے، ہیضہ، زہر اور خوردبینی جراثیم توپ و تفنگ سے زیادہ مہیب ثابت ہو چکے ہیں، فطرت کی بظاہر فروتر مقدار ہستیاں عظیم الشان کام میں لگی ہیں، ہر ایک کا اپنا اپنا وظیفہ مقرر ہے، ہر ایک کسی نہ کسی سلسلے کی ایک لاینفک کڑی ہے، ہر ایک کسی نہ کسی رخنے کو مٹا رہا ہے، کسی سوراخ کو، کسی فتور کو، کسی نقص کو دور کر رہا ہے! جب سے اس حیرت انگیز کائنات کے اندر یہ روح فرسا عدل و وزن، یہ حقیقت کشا تعاون، یہ زہرہ گداز ربط و اتحاد ثابت ہو رہا ہے اُسی دن سے خدا کی وحدت فی الحقیقت **ثابت** ہونے لگی ہے، اُسی دن سے معترض و مزن اور لب کشا حالت میں ہے اور منہ کھولے ہوئے ٹکر ٹکر دیکھ رہا ہے: لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ[3] اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ‎۝ (الانبیاء)

قرآن حکیم کے ربط کی حالت بعینہ فطرت کے اسی معنوی ربط کی حالت ہے تنگ اور بے علم نگاہیں اسکو قطعاً نہیں

[1] اس آیت کے مطالعے کیلئے دیکھو اصل کتاب تحت اس صفحہ ۔ گویا خدائی دلیل ہے کہ زمین آسمان کا تعمیر چونکہ ایک رنگ ہو اسلئے اسکا سامنا الاہی ایک ہے ۔ اہل الہی مان جس اور شکست کرا یہ بعد متعدد خداؤں کے ماننے والے کیلئے انکار کی کوئی سبیل نہیں رہی ۔ [2] آج مغربی علم نے ثابت کر دیا ہے کہ کوئلے کی حرارت کی محرک اور باجے کی آواز کی علت ایک ہی ہے جسکو علمی اصطلاح میں انرجی کہتے ہیں [3] یہ آیت اور اس سلسلے کے تشریح کی آیت دونوں سورہ انبیاء میں پاس پاس واقع ہوئی ہیں اہل نظر پر ان دونوں آیتوں کا ربط ابھی تشریح سے جو میں کر رہا ہوں واضح ہو گیا ہوگا اوپر کی آیت میں وحدت کائنات اور وحدت حیات کو توحید کا ثبوت کہا ہے، پچھلی آیت میں فطرت کا نظام، معاون اور مربوط ہونا خدا کے واحد ہونے کی دلیل ہے جن کو ان دونوں باتوں کا مزاج اصل علم ہو چکا ہے وہ آج توحید کو ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ۔

دیکھ سکتیں، اسکو دیکھ کر کھسیانی اور بیزار ہو جاتی ہیں، جاہل نے اُسکے ٹکڑوں کو الگ الگ کر دیا ہے، کم ہیں اُس کے اکثر الفاظ کو حشو اور زوائد سمجھ رہا ہے، مولوی اسکو علی الحساب رواں پڑھ لیتا ہے، حافظ اسکو الگ بڑبڑا لیتا ہے، کوتاہ نظروں نے اُسکے حصّوں کو لیکر الگ الگ بُت کھڑے کر لیئے ہیں، صوفی اُسکے ایک ٹکڑے میں **توغل عظیم** کر رہا ہے، عاکف اُسکے ایک حصّے کو سیاق سے الگ کر کے لا تقربوا الصلوٰۃ کا منظر پیدا کر رہا ہے، نوٗ اندھوں کی مشہور حکایت کیطرح کوئی اِس ہاتھی کو چھت کا ستون کہہ رہا ہے، کوئی پنکھے سے تشبیہہ دے رہا ہے، کوئی دیوار یقین کر رہا ہے! الغرض ہر قرآن کا بھیجنے والا خدا الگ ہے، ہر سورۃ اور آیت کا خدا الگ ہے، ایک حصّہ دوسرے حصّے کے بالمقابل صف آرا ہے، قدم قدم پر اختلاف پیدا ہے، بات بات پر تفرق ظاہر ہے۔ ایک تجویز، ایک لائحہ عمل، ایک تدبیر، ایک منتہائے عمل، ایک ربط و تسلسل، ایک راہ قرآن کی کسی شرح سے ثابت نہیں ہوتا یہی باعث ہے کہ اس کتاب عظیم کے **نامۂ خدا** ہونے سے آج فیصدی ننانوے مسلمان انکاری ہیں، دل میں **انکار** موجود ہے، ذہن **باغی** ہے، اعضا ئ میں زبانی اقرار لاکھ ہو مگر اُسکے کہے پر دس قدم چلنا سچ مچ چلنا گوارا نہیں یہ سب کچھ بے علمی کا ایک دردناک منظر ہے، جہالت کا تہلکہ انگیز جمود ہے مگر اسکی اکسیر **علم** کے ماسوا کچھ نہیں قرآن حکیم نے اپنے مِنْ جَانِبِ اللہ ہونے کی مُسکت دلیل بھی اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ہی دی ہے مگر عدم تدبر اور کمی علم نے اختلاف کثیر اسقدر پیدا کر دیا ہے کہ آج صحیح معنوں میں اُسکے مِنْ جَانِبِ اللہ ہونے پر شک ہے، اُسکے احکام کی قطعیت پر شک ہے، اُنکی نافعیت پر شک ہے، مذکار پر شک ہے، نفس امر پر شک ہے، وہی **لَفَسَدَتَا** والی دلیل جو قرآن حکیم نے آسمان و زمین کو ایک صنّاع عظیم کی صنعت ثابت کرنے میں دی تھی یہاں بھی اپنا الٹا کام کر رہی ہے۔ جب مطالب میں **فساد** ہے، جب ایک آیت دوسری آیت سے علانیہ برسرِ پیکار ہے، جب قرآن کے اندر کہرام مچا ہے، تو قرآن کا بنانے والا کیوں ایک ہو، ہر آیت کا خدا الگ کیوں نہ ہو، فرقہ بندیاں کیوں نہ ہوں، جمود اعضا اور فساد ذہن کیوں نہ ہو، نہیں **باطنی انکار** کیوں نہ ہو! قرآن کو سمجھنے کے لیئے انتہائی تدبّر اور علم کی ضرورت کسی زمانے میں اِسقدر تھی، اسکو تمام و کمال لیکر

اِسکے ہر ٹکڑے پر بحیثیت مجموعی غور و فکر کرنا اسقدر درکار تھا، ہر ایک حصے کو سب سے منطبق اور سب کے ساتھ متوافق کرکے ایک لائحہ عمل اور ایک صراط مستقیم مستنبط کرنا اسقدر اہم تھا کہ خود صاحب القرآن نے سرور کائنات کو تنبیہ کی کہ اُسکے مطالب سمجھنے میں جلد بازی مت کرو، بات کے پورا ہونے سے پہلے اور اُسکے تمام و کمال وحی ہونے سے پیشتر اپنے تخیل کے گھوڑے مت دوڑاؤ، یہ خدائے زمین و آسمان کا کلام ہے! اتنا سستا بات نہیں، علم کا کمال ہی تم کو اسکی انتہائی حکمت پر پہونچائے گا، اسی کو اپنے اندر زیادہ کرو اور اسکی زیادتی کی دعا مانگا کرو؛ وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّقۡضٰۤی اِلَیۡكَ وَحۡیُهٗ ۫ وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا ۔ یہی وجہ تھی کہ تیئیس برس میں جستہ جستہ اُتارا اور رسول عظیم کے قلب پر ایک ایک آیت اسطرح کالنقش فی الحجر کردی کہ اُس تعین کا ہیجان صدیوں تک قائم رہا، مسلمان جو کچھ سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں، اسکو ایک رات کے اندر سو سو بار پڑھ کر مُردوں کو ثواب پہونچاتے رہیں، اسکو جُزدانوں اور غلافوں میں لپیٹ کر کر سے چومتے چاٹتے رہیں، بالائے طاق رکھیں یا آنکھوں پر لگائیں اور کام کے وقت اسکے لیے ویسا قدم نہ چلیں، مگر یہ وہ کلام ہے جسکو اس زمین پر پہنچنے سے پیشتر خدا بھی (معاذاللہ) تیئیس برس تک سوچتا رہا، جسکے سمجھنے کیلئے اُسکا رسول تیئیس برس تک رَبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا کی دعا مانگتا رہا، جس علم کے وارث قرونِ اولٰی میں وہ علما بنے جن کا علم بنی اسرائیل کے انبیاء کے علم کے برابر تھا، جو فطرت کی طرح خوبصورت ہے، بیکران ہے، منتظم ہے، بیمثال ہے، قطعی اور آخری ہے، اور جو آج جہلا کے منہ چڑھ کر وہ پیش پا افتادہ بات بن گئی ہے کہ زمین و آسمان اس ناقدر شناسی کو دیکھکر لرز رہے ہیں؛ وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ کَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلۡنٰهُ تَرۡتِیۡلًا ۔ (الفرقان)

کسی قانون کے شایانِ شان یہی ہے کہ واحد المعانی ہو، متوافق المطالب ہو، اُسکی کسی ایک دفعہ سے ایک اور صرف ایک مطلب نکل سکتا ہو، اُسمیں تاویل اور مکر کی گنجایش قطعاً نہ ہو، اسکو جس صورت اور نظر سے دیکھا جائے اُسی ایک پہلو پر ٹھیک بیٹھ سکے ورنہ وہ قانون قانون نہیں مجسمہ فساد ہے، محشرستان خلاف ہی، کشت زار نزاع ہے قانون میں تاویل کا ممکن ہونا اتحاد عمل کو توڑ دیتا ہے، لوگ اپنی اپنی پسند کے پروانوں کو لیکر مست ہو جاتے ہیں،

لمبی تانکر سو رہتے ہیں یا ایک دوسرے کے خلاف علم نصب کر لیتے ہیں، پھر بعینہ وہ مطلب جو اجرائے قانون
سے پیش نظر ہوتا ہے یکسر خبط ہو جاتا ہے، اور وہ پیکر گویا کسی معنوں میں قانون نہیں رہتا! رعیت کے کسی
فریق نے آجتک **حکومت وقت** کے بنائے ہوئے قانون کی **تاویل** نہیں کی، کوئی انجمن اس غرض
سے منعقد نہیں ہوئی کہ اپنے ملک کی کتاب تعزیرات یا اسکے نظام نامے کی کسی دفعہ کو لیکر اسکے آسان اور حسب پسند
معانی تجویز کرے اور اسطرح پر **بادشاہ وقت** کو اپنا ہم آہنگ کرسکے۔ ایسے ستم ظریف گروہ کی مثال سادہ لوح
کبوتر کی سی ہے جو بلی کو آتے ہوئے دیکھکر آنکھیں میچ لیتا ہے اور چند لمحے آرام کے گذار کر موت کے منہ میں جا پڑتا
ہے! ہر منظم اور مقتدر حکومت کا قانون اصلاً ایک ناقابل تاویل شئے ہے، اسکا صحیح اور واحد عندیہ خود اسی کے
الفاظ کے اندر ہے، اسکی مغلق اور شرح طلب اصطلاحوں کی تشریح وہیں موجود ہے، کسی شخص کے ذاتی قیاس
یا رائے کو اسکی تبیین میں قطعاً کچھ دخل نہیں! گناہ کی نوعیت ہے تو وہیں ہے، فرد جرم ہے تو وہیں ہے، سزا ہے
تو وہیں لکھی ہے۔ مجرم اس سزا سے گریز کرنے یا اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی ایک لاکھ سبیلیں پیدا کرے
لیکن حاکم وقت کے فیصلے پر اُسکی تاویلوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا، کوئی وکیل یا پیروکار اس امر کا مجاز ہو نہیں سکتا کہ
مجرم کو بچانیکے لیئے نفس قانون کے **معانی** بدل دے یا اُسکا مقصود اور پیش نظر اپنے منشا کے مطابق تسلیم کرائے
اگر شہادت اور حالات سے ثابت ہو کہ جرم ہو چکا ہے تو سزا **اٹل** ہے، اسکو آئی ہوئی نہ سمجھنا یا اُسکے بارے میں
عبث امیدیں اور لاطائل مکر کرنا **جہالت** ہے۔ پس قانون خدا کی تبیین و تشریح میں نہ کوئی **اجماع** اُمت
مفید ہو سکتا ہے، نہ ذاتی قیاس و رائے، نہ تاویل سے کام چل سکتا ہے نہ علمائے قانون کے انفرادی یا متفقہ
فتاوے مفید ہیں۔ وہ بذات خود اسقدر محکم اسقدر اٹل، اسقدر ناقابل بدل اور ناممکن التحریف شئے ہونی چاہیئے کہ
فاطر زمین و آسمان بھی اسکو بدلنا نہ چاہے۔ وہ اُسکی مشیت کے عین مطابق اسقدر ہو کہ اسمیں تبدیلی محال ہو، اس قدر
سوچ بچار کے بعد نافذ کیا گیا ہو کہ اُسپر نظر ثانی یا تنسیخ کی ضرورت نہ پیدا ہو! اسقدر مقرر اور متعین شئے ہو کہ اسمیں
گھٹاؤ اور بڑھاؤ کی گنجائش باقی نہ رہی ہو، اسقدر متطابق اور متوافق ہو کہ سب کا سب ایک ہی مقصد اور منتہا کی طرف

جارہا ہو، سب نسلِ انسانی کیلئے ایک ہو، سب کا سب ایک صراطِ مستقیم کیطرف اشارہ کرتا ہو۔ اگر قانون جو
فی الحقیقت قانونِ خدا ہے تو اسمیں اُن خاصیات کا ہونا لازمی امر ہے لیکن اگر وہ تاویل کے تابع ہے، کھینچ تان
قبول کرسکتا ہے، حسبِ مطلب اور حسبِ پسند قانون بن سکتا ہے، کئی ایک صراطِ مستقیم کی طرف اشارہ کر رہا ہے
اس سے کئی مقاصد مستنبط ہو سکتے ہیں، کئی طریقِ عمل وضع ہو سکتے ہیں، اور کئی فرقے بن سکتے ہیں تو اس تبدیل شدہ
صورت کو قانونِ خدا کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔ سچائی اصلاً ایک شے ہے، اسکا مطمحِ نظر اصلاً
اتحاد ہے، وہ لوگوں کو ایک مشترک اساس اور ایک سطحِ عمل پر جمع کرنے کیلئے آتی ہے اور یہی سچا اور دائمی
اجماع ہے۔ اور اگر کسی قوم کی طرف کسی پیغامبر کا لایا ہوا قانون سچ ہے تو فرقہ بندی اسکا منتہائے
کار ہونا محال ہے۔

یہی باعث ہے کہ قرآن حکیم نے اپنی آیات کے اندر ایک اصولی تمیز محکمات اور متشابہات کے الفاظ کہکر
قائم کردی ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ کہکر اسنے گویا یہ کہدیا ہے کہ اسکے ہر کلمے کا واحد، ناقابلِ تاویل اور اٹل مطلب
ہے، لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کہکر اسنے اعلان کردیا ہے کہ جبتک زمین و آسمان موجود ہے یہ قانون قائم اور
دائم، جاری اور ساری رہے گا۔ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ اور الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا اور يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ اور تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
اور تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ کہکر اسنے یہ طے کردیا ہے کہ اس کتاب کو مفصل، آسان اور مکمل ثابت کردینا علم اور صرف
علم کا کام ہے، جوں جوں اعمالِ خدا کا علم اور کائناتِ فطرت کا مشاہدہ وسیع ہوتا جائے گا، جوں جوں کوئی صاحبِ
علم قوم اسکے حقائقِ عالیہ پر غور کرے گی، اسکی تعلیم بیّن[†] اور مشرح ہوتی جائے گی لیکن بایں ہمہ اسکے اندر ارتقائے
علم کے مختلف منازل میں بعض آیات متشابہ المعانی رہیں گی، اُن سے بادی النظر میں مختلف مطالب نکل سکینگے
اور جب تک انسان کا علم ایک خاص سطحِ بلند تک نہ پونہچے گا اسکے صحیح مطالب اور صاحبِ القرآن کے اُن کے
متعلق صحیح عندیے کی تصدیق نہ ہوسکے گی۔ کج بیں اور نفاق پسند لوگ اُن کے بارے میں نکلیں دوڑا
دوڑا کر لوگوں کو آمادۂ خلاف کرتے رہینگے لیکن علم اعمالِ خدا میں راسخ لوگ ان کے متعلق اپنا عندیہ ظاہر

[†] بیّن ایک دوسری جگہ ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ... قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى ... رَبَّنَا... (سورۃ ۲۹)

کرنے سے اُسوقت تک اعراض کرینگے جب تک کہ اُنکو صحیح اور یقینی **علم** حاصل نہ ہوجائے۔ باایں ہمہ اُن کے سچ اور **واحد المعانی** ہونے پر سچا اور غیر متزلزل یقین رکھنا ہر حامل قرآن کا فرض ہے۔ اس یقین کے بعد اُن کے صحیح مقاصد کی تلاش میں لگے رہنا عین **ایمان** ہے، انکو سمجھنے اور انکی وساطت سے نئے راہ عمل دریافت کرنے کی خاطر اپنے علم کو وسیع کرتے رہنا شرط اسلام ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ایک معتدبہ حصہ اِس قانون کا بالکل عیاں ہے اسمیں کسی تشریح، کسی تاویل، کسی التوا، کسی مکروفریب کی قطعاً گنجائش نہیں۔ یہ **محکمات** ہیں، اور یہی **اصل** قانون ہے، اسکے ماسوا جو ہے فرع ہے مگر اہم اور ضروری ہے:

هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ **مُّحْكَمٰتٌ** هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ **الْفِتْنَةِ** وَابْتِغَآءَ **تَاْوِیْلِهٖ** وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی **الْعِلْمِ** یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ (آل عمران ۱)

✤ اے پیغمبر! خداوند صاحب فضل وکرم خدا نے جس نے تمہیں یہ قانون دیا۔ اس میں بعض آیات اپنے مطالب میں محکم ہیں (مُحْكَمٰتٌ) اور یہی قانون خدا کی اصل و اساس ہیں (اُمُّ الْكِتٰبِ)، بعض بادی النظر میں متشابہ المطالب ہیں (اگرچہ خدا کا علم تو اُنکے بارے میں بھی واحد ہے) پس جن لوگوں کے دلوں میں (کمی علم کے باعث) کجی اور کم بینی ہے وہ ماورائے یا اسلاف کہنا کرنے کی غرض سے (ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ) یا کم از کم اصل مقصود کی تلاش میں (ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ) اِن مبہم آیتوں کے پیچھے (اپنے علم میں ترقی کئے بغیر) لگے رہتے ہیں، حالانکہ اللہ کے سوا اُنکے اصلی مقصود اور داؤں میں ہماد (تَاْوِیْلَهٗٓ) کا علم کسی کو نہیں ہوتا۔ البتہ جو لوگ علم میں شری یا سگاہ رکھتے ہیں (وہ جب اِن آیات کے صحیح مقاصد تک نہیں پہنچ سکتے تو) کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا اِن کے سچ ہونے پر پورا یقین ہے، اگرچہ صحیح مطالب معلوم نہیں، یہ سب ہمارے خدا کی طرف سے ہیں (جسکا علم تمام عالم پر حاوی ہے)۔ قرآن حکیم سے وہی شخص مستقل نتائج اخذ کرسکتے ہیں (یَذَّكَّرُ) جو ارباب علم و دانش ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جانفشانی سعی و تلاش کے ہر مرحلے میں بزبان حال پکارتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو راہ دکھلانے کے پیچھے ہمارے دلوں کو قرآن کے متعلق کج بینی کی طرف مائل نہ کر، اپنی سرکار سے ہم کو سچا علم عطا فرما کہ یہی تیری بڑی رحمت ہے، بے شک تو بڑا ہی بخشش کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار تو روز قیامت کو جس کے واقع ہونے میں کوئی بھی شک نہیں سب لوگوں کو اکٹھا کرکے اُن سے اُنکے اختلاف کے متعلق بازپرس کرے گا۔ اس لئے (ہم کو یہی توفیق دے کہ تیری آیات بینات کے متعلق کوئی اختلاف پیدا کرنے کا باعث ہوکر اور مستحق العمل نہ رہیں)، اس میں شک نہیں کہ تو اپنے عدل کے خلاف نہیں کرتا (اور یہ پرسش ضرور کرے گا)۔

مندرجہ صدر ترجمے میں آیات الٰہی تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ (۲ :۲۶) اور تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ (۲۷ :۱) اور تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ (۱۵ :۱) الٓرٰ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ (۴۳ :۲) کو پیش نظر رکھا گیا ہے جس میں قرآن کو کتاب مبین کہا گیا ہے، آیات بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (۲۹ :۲۹) اور كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ (۲۲ :۱۶) سے واضح ہو کہ قرآن صاحب علم لوگوں کے سینوں میں ثبت ہے، اور اسکی آیات آیات صاف ہیں کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (۴۱ :۳) سے ظاہر ہو کہ قرآن صاحب علم کیلئے ہی اور نصیحت ہے، آیات هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ (۴۵ :۲۰) اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا (۴ :۸۲) وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (۱۶ :۴۴) میں تفکیر، تدبر اور تعقل و افراد کی ترغیب دی گئی ہے، آیت كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳۸ :۲۹) میں کہا گیا ہے کہ قرآن تدبر کے لیے ہے اور اولو الالباب ہی اس سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اِن سب آیات الٰہی کو مدنظر رکھکر متذکرہ صدر مطالب کی صحت عیاں ہے ✤

قرآن حکیم کا اپنے بارے میں یہ حیرت انگیز اعلان فی الحقیقت اس امر کی بالواسطہ دلیل ہے کہ وہ سب کا سب واحد المعانی ہے، فاطرِ زمین و آسمان کا عندیہ اسکے ایک ایک حرف اور ایک جملے کے متعلق ایک ہی ہے، لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ہی، یہ فی الحقیقت انسانی علم کی کمی ہے جو اسکے مطالب کو مشکوک یا متعدد کر رہی ہے، ایک سلامت رو امت سے اسکے مطالب کی صحیح حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ کسی ایک زمانے کی متشابہ آیات کو اپنے دائرہ بحث سے یکسر خارج کر دے لیکن اعمالِ خدا اور صحیفۂ کائنات کے علم کو حتی الامکان وسیع کرتی رہے، پھر اگر علم کی وسعت کے باعث نور کے ذرا اسقدر کھل گئے ہیں کہ وہ حقیقت جو الفاظ کے اندر چھپی بیٹھی تھی خود بخود عیاں ہو رہی ہے تو اسی علم و صداقت کے زور پر اُسکو الم نشرح کر دے اور پھر معاً اُسکو محکمات میں داخل کر کے اُس پر عمل پیرا ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر کسی زمانے کے حکماء کا ناقص علمِ فطرت سورج کے عظیم الشان کُرے کو فضائے اثیری میں ساکن متصور کر رہا ہے درآنحالیکہ قرآن حکیم کا اٹل محاکمہ اس امر کے متعلق وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یٰس ۳۸) موجود ہے تو یہ آیت بلاشبہ اُس زمانے کی متشابہات میں سے ہی، اُسکے متعلق کسی قسم کی تاویل کرنا حتماً ناجائز ہے، علمائے فطرت کے تتبع میں یا اُنکے دعاوی کو صحیح مان کر رد و بدل کرنا یا تحریف پیدا کرنا منافی **دیانت** ہی، اسلامی اُمت کا فرض صرف اسقدر ہے کہ اس آیت سے صحیح مطالب کی تشریح سے یکسر اعراض کرے اور سورج کی کسی مستقر کیطرف حرکت کے بارے میں پیہم **مشاہدے** کرے، اُسکے متعلق ناقابلِ انکار **معلومات** فراہم ہوں، اُس منتہٰی کی طرف قرنوں اور صدیوں تک لگی رہے، شبانہ روز تجربے اور معائنے ہوا کریں، اُمت کے مختلف اور **اہل** گروہ اس حقیقت کو سچ کرنیکے درپے ہو جائیں، یا اگر اس تفحص کے ضمن میں اس آیت کے کوئی اور مطالب منکشف ہوں تو اپنی توجہ اُدھر منعطف کر دیں، مگر جبتک سورج کی کسی مستقر کی طرف فضائی حرکت کے متعلق وہی انکشاف نہ کر لیں جسکو بالآخر مغرب کے ایک حکیم **ہرشل**[†] نے تمام عمر کے مسلسل مشاہدے کے بعد کیا، اُمت کے سر سے اس آیت کے بارے میں گراں فرض نہیں ٹل سکتا، اور نہ وہ آیت اُسوقت تک **محکمات** میں داخل ہو سکتی ہے۔ اس مقام نظر سے

[†] زمین کی حرکت، سورج کے اضافی سکون، اور موخر الذکر کی فضائی حرکت کے متعلق ایک تاریخی بحث اصل کتاب صفحہ ۲۱ – ۲۳ تحت الہیئت میں آگے چلکر آرہی ہے۔ وہاں پر تمام نامی اور بالخصوص زمین کی حرکت کے متعلق قرآنی شہادت بھی درج کر دی ہے۔ یہ شہادت اس قدر قطعی اور ناطق ہے کہ اس کے بعد کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔

متشابہات کا کتاب الٰہی کے اندر موجود ہونا انسان کے لئے تحقیق و تلاش کی ایک پیہم راہ عمل ہے، اسکی وجہ سے افراد امت کا ازبہر گروہ مختلف یا فرقہ بند سجانا حتماً مقصود نہیں۔ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ؕ (الجاثیہ) کا الٰہی محاکمہ قرآن پر عمل کرنے والے صاحب ایمان لوگوں کو جب تک زمین و آسمان قائم ہیں روز بروز نئی راہ عمل دکھاتا رہے گا، وہ الٰہی اصطلاح میں صاحب ایمان بننے کی لازوال ترغیب پر آیات خدا کی تلاش میں کائنات فطرت کا ہر گوشہ دیکھتے رہیں گے، بہت ممکن ہے کہ اس آیہ جلیلہ کی کامل تفسیر اور صاحب القرآن کا اسکے بارے میں مکمل عندیہ روز قیامت تک معلوم نہ ہو سکے، اور صحیح معنوں میں یہ آیت ابد الآباد تک متشابہات میں داخل رہے۔ مگر اعمال خدا کی تلاش کو جزو ایمان قرار دیکر سعی و عمل کا ہیجان عظیم برپا کر دینا ہی اس آیہ جلیلہ کا واحد منتہائے نظر ہے، یہی اسکا واحد اور ناقابل بدل مطلب ہے، مقصود وہی ایک ہے، یہ نہیں کہ سوال پیدا کر دیا جائے کہ آسمان و زمین میں آیات خدا کس نوعیت کی ہیں، اور خدا کی مراد بعینہ اسکی کونسی شق سے ہے؟ اور پھر ان سوالات کو بنائے نزاع قرار دیکر دُنیا دس فرقے بنجائیں جو ایک دوسرے کی رائے کو منطقی اور کاغذی اجتہاد سے رد کرتے پھریں، لیکن اس آیہ کریمہ کے اصل مقصود کی طرف ایک قدم جنبش تک نہ ہو!

متلاشیان فطرت کا دستور بھی اکثر اسی انداز پر رہا ہے، علم حقائق الاشیا کے ماہر سمع و بصر اور قلب سلیم کی شہادت پر ایک نظریہ مرتب کرتے ہیں، اسکو اساس قرار دیکر مشاہدات طبیعت کی توجیہیں اخذ کرتے ہیں، توجیہات کی مجموعی شہادت کو اس نظریئے کی صحت کا مزید ثبوت یقین کرتے ہیں، سب کے سب اس پر متفق علیہ ہو کر اسکو علم کے معیار پر آزماتے ہیں، پھر جوں جوں وہ نظریہ عمل کے صحیح معیار پر پورا اترتا ہے، جوں جوں اسکے ذریعے سے نئی مشکلات یا مظاہر کا حل ہوتا ہے وہ بذاتِ خود واقع الامر اور حقیقت بنتا جاتا ہے، ورنہ آلاسب کے سب اسکو مسترد کر کے کسی دوسری غالب حقیقت کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں اور اسپر اپنی تعمیر شروع کر دیتے ہیں۔ علم کی حیرت انگیز ترقی اور حقائق الاشیاء کا محیر العقول انکشاف دنیا میں اسی باہمی تحمل اور تسامح

اسی مشفقہ رد و قبول سے ہوا ہے نہیں بلکہ ایک وقت معین تک کسی **غلط** نظریے پر باالاتفاق قائم رہنے کا نتیجہ بھی اکثر اوقات یہی ہوا ہے کہ اس مشفقہ طرزِ عمل کے باعث نئے راہِ عمل کھل گئے ہیں، غلط راہوں پر ٹھوکریں لگنے سے صحیح راہیں ایسی کشادہ اور حقیقت نما مل گئی ہیں جنکا اس سے پہلے سان گمان تک نہ تھا۔ الغرض علم حقائق الاشیاء کی ترقی میں حکما کا باہمی اتفاق عمل اُن کا سلامتِ روی ہونا ہی نمایاں طور پر معاون رہا ہے، انہوں نے **ضد** اور **ہٹ دھرمی** کی بنا پر اکثر کوئی فرقہ بندی نہیں کی، جہاں جہاں اختلاف رونما ہوا ہے، جزوی اور عارضی طور پر ہوا ہے، کم سے کم مُدت اور بحث مباحثے کے بعد حکمائے فطرت خود بخود ایک **مشترک** حقیقت پر متفق ہو گئے ہیں۔ علم نے اُن کے وقتی اور مقامی اختلافات کو جلد سے جلد مٹا دیا ہے، اور وہ پھر باہم گرم مصافحہ کر کے طبیعت کے اس بحرِ بیکراں کی تلاش میں مصروف ہو گئے ہیں جو فی الحقیقت اُن کا منتہائے نظر ہے۔ قرآن حکیم کے حقائق عالیہ کے ساتھ بھی علمائے دین کا بعینہٖ یہی سلوک ہونا چاہیئے تھا؛ صنّاعِ کون و مکان کے بھیجے ہوئے **الفاظ** بھی اُسی پیمانے پر مغلق اور قابلِ غور، اعتنا و انہماک، حیرت انگیز اور تحقیق طلب، جامع النّاس اور **بیکران** ہونے چاہیئے تھے، جسقدر کہ اسکی بنائی ہوئی فطرت ان آنکھوں کے سامنے نظر آرہی ہے، اُن کے اندر بھی وہی ناپید اکنار تبحر، وہی حقیقت کشا اُفق، وہی بے نیازی کی شان اور استغنا کا سکوت، وہی منفعت بخش ہونے کا اغلاق و اشتباہ، اور عزیز القدر ہونے کا عسرِ حصول ہونا ضروری تھا جو ہر اصلی اور اصولی تحریر کا جزو لاینفک ہے مگر افسوس کہ اسلامی علما، اور متکلمین نے **اتحادِ عمل** کو قطعاً نظر انداز کر دیا، وہ جو کچھ اپنے محدود، وقتی اور مقامی علم سے بن پڑا اس نادر الوجود کتاب کی تشریحیں کر گئے، اعتقادی طور پر اپنی اپنی شرح قطعی اور آخری قرار دیکر لوگوں کو اپنے اپنے پیچھے لگا لیا اور باہمی **ضد** اور **ہٹ دھرمی** سے **فرقہ بند** بنکر کلام خدا کی حقیقت کو نظروں سے نہاں کر دیا۔ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ (آل عمران ۳) وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ (بقرہ ۲) وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ (شوریٰ) وَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ اِنَّ رَبَّكَ

بَعْضُهُمْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ (الجاثیہ ۴۵)۔ اُنہوں نے آجتک کلام خدا کی تفسیر کے کوئی مشترک علمی اصول مقرر نہیں کیے، کوئی مشترک اساس بحث و تنقید کی پیدا نہیں کی، کلام خدا کے عظیم الشان اعجوبہ گاہ کے اندر کوئی صحیح اور مرتقی افقِ نظر قائم نہیں کیا، کوئی ربط اور تسلسل کوئی حتمی دلیل اور حجت واضح نہیں کی یہی باعث ہے کہ قرآن کا صحیح علم اور اُسکی عظیم الشان حکمت آج نظروں سے اکثر نہاں ہو چکی ہے، اُسکا پڑھایا ہوا سب اگلا درس بھی بھولا جا چکا ہے، وہ آپ سب کا سب ایک ناقابل التفات اور بے معنی شئے بن گیا ہے، لوگ آج اس کے الفاظ کو دیکھکر کچھ متعجب نہیں ہوتے، اُسکے احکام کو سُنکر اپنے میں کچھ تحرک نہیں پاتے، اُسکی حکمت کو پاکر کچھ تڑپ نہیں اُٹھتے، وہ مستور حقیقت جسکی مستوریت اور دلربائی بجائے خود ایک عالم کو محو تلاش اور نعل در آتش کرنیکے لیئے ابد الآباد تک کافی تھی، آج بے حس اور بے اثر بن چکی ہے، وہ آیاتِ خدا جنکے مطالب کی جستجو اس کارگاہ جہان کے سازِ امن و راحت پر بجائے خود ایک پیہم مضراب عمل تھی، آج انسان کی ضد اور جہالت، ناقیمت شناسی اور ناقدروانی کے باعث جمود و عصیان، فرقہ بندی اور ضعف کے محور بن چکی ہیں۔ غلط اعتقاد اور ناروا تاویل کا زنگار اُس پر جم کر اُمت کی رہی سہی طاقت کو کھا رہا ہے۔ علمائے دین اور شارحین اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا کر گئے ہیں، ہر شخص اپنے اپنے پروانے کو لیئے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا ہے اور موت کے انتظار میں چراغ سحری کی طرح ٹمٹما کر اپنی زندگی کا سطحی ثبوت دے رہا ہے يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ (بقرہ)

کسی قانون کے شارح کا فرض میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ اسکی سب دفعات کو بحیثیت مجموعی ایک مقصد اور ایک منتہائے اعلیٰ کیطرف جاتا ہوا ثابت کرے، نظام حکومت کو پیش نظر رکھکر دفعات کے صحیح مقاصد کی تبیین کرے، دفعات کے مطالب کی تعیین کر کے نظام حکومت کو واضح کرنے کی سعی کرے، ہر امر و نہی کا منتہائے جید رعیت کا امن حاصل کرنا ثابت کر دے، انکار کے نتائج واضح ہوں، تعمیل کا انعام ظاہر ہو، حکومت کی طاقت کا نقشہ روز روشن کی طرح سامنے ہو، جزا و سزا کا واقع ہونا آنکھوں کے سامنے صاف دکھائی دے، نہیں، بلکہ اوامر و نواہی کی اساسی حکمت عملی کی تہ میں ایک لازوال قسط و عدل، ایک یقین انگیز منطق، ایک برہان قاطع اور

حجّۃ بالغہ، ایک مہیج اعضا علم کا موجود ہونا ثابت کردے، جو اُس قانون پر عمل کرنے والوں میں ایک عالم گیر انگیخت اور اضطراب عمل چار و ناچار پیدا کردے۔ وہ اُس مدلّل اور قائم، اُس طاقتور اور عادل حکومت کے اندر شرط و جزا، علّۃ و معلول اور سبب و اثر کا آپس میں ایک لاینفک تعلق دیکھیں، اور اس شرط و علّۃ کو طوعًا و کرہًا اپنا شعار عمل بنالیں۔ یہ الیقین ہے کہ انبیائے کرام نے قانون الٰہی کو اپنی امتوں پر بعینہ اسی طرح پر واضح کیا، اسی لیے انکا بے مثال عمل تھا، اور یہی ایمان کی پہلی اور آخری منزل ہے! جو تفسیر کلام خدا کو اس طرح پر عیاں نہیں کرسکتی وہ ایک بے روح جسد ہے جسکا ہونا نہ ہونا برابر ہے، اور جو ایمان اس عینی یقین کے مرتبے تک نہیں پہنچا وہ ایک بے روح پیکر ہے جسکا اس دنیا کے اندر بیکار رہنا ظاہر ہے۔ انسان کے کالبد کی چھوٹی سی اوارت کے اندر اُس پر بڑا حکومت کرنے والا عضو ذہن ہے، باقی اعضا کے تمام اعمال و محسوسات کی پہلی اطلاع اسی کو پہنچتی ہے، یہی عضو امیر اُنکی چھان بین کرتا ہے، اُنکو صحیح یا غلط قرار دیتا ہے، اسکو حوصلوں یا مردیوں کی کمک بھیجتا ہے، اور یہی وہ امّارہ عظیم ہے جسکے حکم پر سب اعضا ہلتے اور کام کرتے ہیں۔ جبتک ذہن کسی شئے کو تسلیم نہ کرے، اعضا کا اُس شے کے بارے میں حرکت کرنا، اسکو مجال عمل بنالینا ازبس متعذر ہے پس قانون خدا کی کوئی تشریح جبتک ذہن کو اپنا مؤید اور قلب سلیم کو اپنا حمایتی نہ بنالے کسی شخص کے اندر سعی و عمل کا ہیجان یا ایمان کا عالم انگیز نور پیدا نہیں کرسکتی۔ یہی باعث ہے کہ ظہور اسلام سے لیکر آجتک کلام خدا کی تبیین و تشریح کے متعلق مسلسل سعی کے باوجود اُسکی کوئی تفسیر حتمًا اُس ایمان، اُس لشکر انگیز یقین، اُس زہرہ گداز عمل کا کروڑواں حصہ نہ پیدا کرسکی جو نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تئیس برس کی بالمشافہ تشریح کے بعد پیدا کیا تھا، اور جس کا پھر پیدا ہوجانا عملی نقطۂ نظر سے آج محالات سے شمار ہو رہا ہے نہیں بلکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ قرآن کے ہزار در ہزار شارحین میں سے ایک متنفس بھی اپنے قارئین میں سے کسی ایک کے ذہن کو اِس طرح پر نہ منا سکا کہ وہ عضو رئیس علی الاطلاق باقی سب اعضا کو وقف عمل کم از کم ایک عمر کے لیے کردیتا۔ ہر منتہی کا آخری سوال اُسکے ما لہٗ و ما علیہ کو پڑھ لینے کے بعد بھی مشہور قصے کی طرح یہی رہا کہ زلیخا مرد تھی یا عورت۔ قرآن کی تعلیم کا ماحصل کیا ہے، اسمیں کیا

لکھا ہے، اسمیں اللہ صاحب نے چند الفاظ میں کیا حکم دیا ہے، آہیں وہ تتے کہاں ہے جس نے عرب کی تمام قوم کو چند برسوں کے اندر اندر سرنگف اور پا بر کاب کر دیا تھا، وہ **بات** کدھر ہے جس نے چھوٹوں اور بڑوں کے، جاہل اور عاقل کے، مُدعی اور مطیع کے، غریب اور امیر کے دل میں وہ سکوں سوز آگ لگادی تھی جو قرنوں تک بجھائے بجھی جس نے سیکڑوں برس تک ایک پوری اُمّت کے اعمال وافعال، عادات و اخلاق میں، معاملات اور تعلقات میں وہ مدّ عظیم پیدا کر دیا تھا کہ آج اُس تموّج کو پھر دیکھنے کے لیئے آنکھیں ترس رہی ہیں، آج اگر کوئی طالب حقیقت اسی بجھی ہوئی آگ کو سلگانے کی نیت سے کسی بڑی سے بڑی تفسیر کیطرف رجوع کرتا ہے تو پہلا ورق کھولتے ہی آہیں انسانی باطل آرائی اور غلط گوئی، داستان سرائی اور حقیقت پوشی، آسماں سوالی اور ریسماں جوابی کی وہ حیا سوز بدعنوانیاں دیکھتا ہے کہ اُس قصاب خانہ فہم و عقل کو دیکھکر روح کانپ اٹھتی ہے۔ کہیں اُسکے اندر صرف ونحو کے مستقل مقالے ہیں، کہیں اعراب کے رفع ونصب پر لمبی چوڑی بحثیں ہیں کہیں اسالیب فصاحت پر جرح وقدح ہے، کہیں ظن وقیاس کے ظلمت انگیز مناظرے ہیں، کہیں حدثنا اور قال قال کا بے سُرا راگ ہے، کہیں فرضی اور بنے قصوں کا طومار ہے، کہیں بے ربطیاں میلوں تک ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں! ہر آیت سیاق سے الگ، سباق سے علیحدہ، اندر سے ٹکڑے ٹکڑے، باہر سے بے مطلب اور بے نتیجہ بن گئی ہے! جہاں ربط روز روشن کیطرح عیاں ہے وہاں طفلانہ نمایش ہے، جہاں بے ربطی کی خلیج عظیم اور تدبر اور علم کی ضرورت ہے وہاں آئیں بائیں شائیں ہے نہ اصول مطلب سے بحث ہے، نہ نتائج پر نظر ہے، نہ علم کی تلاش ہے، نہ حکمت کی جستجو ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شارح کو خدائی دلیل کی آسمان تک پونہچانے والی **شاہ راہ** کے ہوتے ہوئے **اطراف راہ** کی اپنی پیدا کی ہوئی اُلجھنوں اور خارستانیوں کے باعث راہ نہیں ملتی، اسکوگھاس کی مانند درختوں کی کثرت کے باعث جنگل نظر نہیں آتا، وہ خاردار جھاڑیوں میں خود گھستا ہے اور قدم قدم پر دامن کو کانٹوں سے چھڑاتے چھڑاتے اپنا پچھلا طے کیا ہوا رستہ بھی بھول جاتا ہے، بالآخر جب مُڑکر دیکھنے سے ہاتھ پلے کچھ نہیں پڑتا تو چار و ناچار مُنہ اُٹھائے ہوئے جدھر بن پڑتا ہے اپنے آپ کو دھکیلتا جاتا ہے کسی مفسر قرآن کی اکثر نظر آجتک اِس بات پر نہیں رہی کہ تفسیر کے

ناظر کا بڑا مدعا الٰہی پیغام کی ماہیت کو سمجھنا ہے، یہی اُسکے اِس ضخیم کتاب کو کھول کر پڑھنے کا واحد مطلب ہے، اِسی غرض مقصد کیلئے اُسنے ایک مجمل، اور مغلق کتاب کو چھوڑ کر اپنے زعم میں ایک سہل اور مفصل کتاب کی طرف رجوع کیا ہے اور بعینہٖ اسی بنا پر، مفسر کے کلامِ خدا کے بارے میں حُسنِ اعتقاد کی تمام طومار نویسیوں اور حاشیہ آرائیوں کے باوجود ناظر کا مدعا وہی ہے کہ قرآن کا **نفس پیغام** کیا ہے، چند الفاظ میں اُسکے اندر کیا لکھا ہے، چند جملوں میں وہ کیا اصول ہیں جن پر عمل چاہیئے، اُنکی الٰہی حکمت کیا ہے، اُنکی دستوری سند کیا ہے، وہ کیوں ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے، کیوں ھُدًی وَّ رَحْمَةً ہے۔ بعینہٖ یہی باتیں ہیں جو ہر تفسیر اور ترجمے میں کالعدم ہیں، اسی مدعا کو دل میں نہاں کر لوگ تفسیریں پڑھتے ہیں اور مایوس ہو ہو کر رہ جاتے ہیں کوئی مستقل اصول، کوئی مختصر گُر، کوئی کارگر بات موجودہ تفاسیر سے اُن کے ہاتھ پلتے نہیں پتی۔ الغرض تفسیر یا ترجمہ بسیم قرآن کا مطالعہ متلاشی **علم** کے لیئے مدت مدید سے وہ بے نتیجہ اور ناموافق ستے رہا ہے کہ ایمان کے شعلے کو آسمان سا کرنے کی بجائے معتقد کی اُس خفیف سی سُلگتی ہوئی چنگاری کو بھی بُجھا دیتا ہے جو ہر مسلمان کے دل میں رسماً یا خلقاً موجود ہے اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک ہوشمند اور حلیم الذہن شخص اِن تشریحوں اور ترجموں کو دیکھکر دینِ اسلام سے یکسر متنفر ہو گیا ہے اور وہ رہی سہی عصبیت جو اُسکے دل میں مسلمان ہونے کے باعث موجزن تھی ہمیشہ کے لیئے ساکن ہوتے ہوتے کالعدم ہو گئی ہے!

ایک مغربی نقاد نے حُسنِ اعتقاد کی اِن ہلاکت انگیز باطل آرائیوں کی ایک دلچسپ اور معنی خیز مثال انگلستان کے ایک مشہور شاعر کے کلام کی بے شمار مروجہ تشریحوں کو پیشِ نظر رکھکر اسطرح پر دی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پاپائے روم الکبیر اے کے مقتدیوں (رومن کیتھولک) کے ہاں دستور ہے کہ اپنے راہبوں اور اولیاؤں کی تصویریں گرجاؤں میں بطور تبرک کے لٹکا دیتے ہیں، پھر لوگ اپنے اعتقاد کے مطابق اُن تصویروں کے نیچے بتیاں اِس نیت سے جلاتے ہیں کہ اُن کی روشنی اُنکے چہروں کو منور کر دے اور وہ اور بھی پُر رونق نظر آئیں۔ جسقدر اعتقاد کی شدت کسی ولی کی نسبت لوگوں کو ہے، اسیقدر شمعیں اُسکے نیچے جلتی ہیں اور اسیقدر عوام کی نگاہوں میں وہ شخص بزرگ شمار ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق چراغ جلاتا ہے، کوئی موم بتی کا صیقل کیا ہوا شمعدان لاکر رکھدیتا ہے تو کوئی روئی کی بتی کا

پرانی وضع کا تیل سے بھرا ہوا دیا نہایت ارادت سے ٹکا دیتا ہے۔ مگر اس تمام عقیدت آرائی کا مجموعی اثر اُس تصویر پر یہ ہوتا ہے کہ بتیوں کا پیچ در پیچ اور چکناہٹ سے بھرا ہوا دھواں اُس ولی کے چہرے کو سیاہ کر دیتا ہے، چہرے کے تمام خط و خال رفتہ رفتہ مسخ ہو جاتے ہیں، تیل کے داغ لگ لگ کر تمام تصویر چیکٹ ہو جاتی ہے اور بالآخر وہ بزرگ منش کسی بھوت کی ڈراونی شکل بنجاتا ہے۔ شاعر کے بارے میں نقاد لکھتا ہے کہ وہ ہزار در ہزار شرحیں جو شکسپیر کے مداحوں نے اُسکی تصنیفات کو روشن کرنے کی غرض سے لکھی ہیں، بجائے خود اسکے منشا کی اصلی تصویر کو سیاہ کر رہی ہیں، خوش اعتقاد مفسروں نے اُسکے کلام کے ایک ایک جملے کے متعلق معانی کے وہ بے سر و پا افسانے بنائے ہیں جو لکھتے وقت شاید مصنف کے وہم و گمان میں نہ تھے۔ ایک شاعر کے بے نفع و ضرر اور بے نتیجہ کلام کے متعلق عقیدتمند لوگوں کا یہ حسن ظن ممکن ہے دنیا کے ایک فرد پر بھی فی الحقیقت کوئی مضر اثر نہ ڈال سکا ہو۔ اسکے دس معتقدوں کا بھی صحیح معنوں میں شارحین کی اس تمام کذب آرائی سے بال تک بیکا نہ ہوا ہو۔ لیکن مالک زمین و آسمان کے کلام کے مطالب میں اسلامی مفسروں کی صدیوں سے رطب و یابس سب، رائے زنیاں اور قیاس رانیاں ایک عالمگیر قوم کی تاریخ نفع و نعام میں وہ ناقابل تلافی نقصان، اُسکے اعمال میں وہ ناپید اشمال شرارتیں، اُسکے اخلاق میں وہ موت انگیز بیماریاں، اور اُسکے سعی و عمل میں وہ ملامت انگیز واماندگیاں پیدا کر گئی ہیں کہ انقلاب کی اس روح فرسا حکایت، اور انسانی اقوال کی اس حسرت انگیز اور عمل بر انداز روئداد کو سنکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں! قرآن حکیم کے صحیح مقاصد کی سب مونہی مورت سرتاپا سیاہ ہو چکی ہے، اسکے اصلی اور حیات پرور حسن کا ایک خط و خال ظاہر نہیں رہا، ایک ایک آیت، جملے اور اصطلاح بلکہ اکثر اوقات الفاظ اور نشانات کے مطالب بگڑ چکے ہیں، تعلیم کے بگڑ چکی ہے، نصب العین بگڑ چکا ہے، نہیں **نیتیں** بگڑ گئی ہیں، **حوصلے** بدل گئے ہیں، **دل** اور **جگر** بدل گئے ہیں! غلط نقد و نظر اور بے محابا تاویل کی پے در پے گھٹا ٹوپ بدلیوں نے معانی پر سیاہ دھوئیں کی کئی ایک تہیں جما دی ہیں، پھر اُن تہوں پر عادت اور تعصب کا سیاہ روغن منجھ منجھ کر اسقدر چکیلا اور پُرانا ہو گیا ہے کہ آج کسی متنفس کو اصلی تصویر کے موجود ہونے کا اعتراف تک نہیں رہا، دنیائے اسلام ایک روح پرور، ولولہ انگیز اور دلربا

صورت کے بدلے ایک میل سے چیکٹ چوکھٹے پر اپنا اعتقاد جما رہی ہے اور حس کی لشکر انگیز ترتیب کے رہوتے ہوئے حرص و گمان کے جمود میں نامرادی اور موت کی طرف آہستہ آہستہ گھسٹ رہی ہے!

کیا تفسیر کے اِن ظلمت انگیز چراغاں کے ہوتے ہوئے میں بھی ی الحقیقت آیندہ اوراق میں ایسی خوش اعتقادی کا ایک اور دُخاں خیز دیا لے آیا ہوں، اور اسطرح پر قرآن کو اور سیاہ کرنے کا مجرم بنا ہوں، اس کا فیصلہ زمانہ آپ کرتا رہے گا، مگر حسن نیّت کے ولولے میں اور شارحین کیطرح غالباً مجھے بھی حق حاصل ہے کہ ظاہر کروں کہ کلام الٰہی کی اس تبیین میں میں نے جان بوجھکر کوئی بددیانتی نہیں کی۔ کوئی تاویل، کوئی مکر و تلبیس، کوئی فراقی قیاس یا رائے جس سے اپنے زعم میں میرا اپنا چھٹکارا ہو سکتا تھا میں نے حتّٰی پیش نہیں کی۔ میں نے صرف علم اور صحیح علم کی برقی مشعل کو قرآن حکیم کے سامنے لاکر رکھدیا ہے، اسکی درون رس حقیقت کشا اور مبترق شعاعیں کلام خدا کے مطالب کی اصلی اور پہلی تہ تک پونہچادی، انسان کے اُسپر اپنے ہاتھوں کیئے ہوئے بدنما رنگ و روغن کے پیچھے حقیقت کی پردہ نشین اچھوتا بے گسل حُسن سے مزیّن اور تجلّی سے بے نیاز عروس کی ایک جھلک دکھلادی ہے، کم از کم یہ درک لگادی ہے کہ الفاظ کے انہی مستعمل، بے قدر و قیمت اور دیدہ آشنا جھروکوں کی آڑ میں انسانی فلاح کی وہ آسماں تاب عفیفہ، اور ضیا پاش عصمت مآب بیٹھی ہے جسکو قرنوں سے کسی جن و انس نے چھوا تک نہ تھا اور جو اس قدسی کلام کے اندر سچی مطلوب ہے! وہی طلب مقصود ہے! اُسی کو پالینے سے قومیں عشق و نیاز کی اِس جاں گداز منزل میں فائز المرام ہو جاتی ہیں، اُسی سے بے نیاز ہو کر عالم اسلام پر ذلّ و مسکنت کے بادل آج چھا رہے ہیں غضب الٰہی کا تنّور جوش مار رہا ہے، انعام ایک بیک چھینے جارہے ہیں، موت سامنے نظر آرہی ہے! اسی و تلاش کے اِسی حوصلہ زا تقدّم میں میں نے جو کہا ہے بیخوف و خطر کہدیا ہے، کسی رسم و رواج کی رعایت، کسی اجماع اُمّت کا فیصلہ، کسی وضعی مسئلے کی پیروی، کسی شاہ و گدا سے ارادت، کوئی کفر کے مُلّائی فتوے، کسی حکومت وقت کا خوف، مقاصد قرآن کے متعلق میری تحقیق پر کچھ اثر نہیں کرسکا، قانون خدا کے متعلق جو بات واقع الامر ہے اُسکو سچ کہدیا ہے، جو جھوٹ ہے اُسکو چھپاکر نہیں رکھا، جو شہادت ہے اسکو من و عن کھول کر رکھ دیا ہے، جو منکر ہے اُس کے

پنجے اُدھیڑ دیئے ہیں۔ اگر کسی بات کے کہہ دینے سے میں اُن کی معنوں میں مسلمان نہیں رہ سکتا تو اسکی کچھ پرواہ نہیں، آپ عامل نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کی صورت کو مسخ کر دینا میرے نزدیک کسی طرح روا نہیں۔ باقی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ میں سب سے **پہلے** قصوروار ہوں، اور کسی نبوت یا ولایت، کسی معصومیت یا اعجاز، کسی کشف یا کرامت، کسی مجددیت یا قیادت، فضیلت یا علم کا ادعا نہیں کرتا۔ میری نگاہ میں قانون خدا کی نسبت میں اپنے اس کے لیئے ادنیٰ سی رعایت مدنظر رکھنا، اور اپنے آپ کو حتی الوسع مومن بنائے رکھنا ناقابل عفو گناہ ہے، ایک امت کے پورے گناہوں کو اپنے اوپر لاد لینا ہے، اسکی ہلاکت کا صریح طور پر مؤید بنکر اپنے آپ کو **جہنم** میں جھونکنا ہے چند عارضی تمتعات کے عوض میں اپنے پیٹ کو **دوزخ** بنانا ہے إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ (بقرہ)، **لعنت** خدا کا مستحق بنتا ہے إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ (بقرہ ۲)۔ خدا سے **بدعہدی** ہے، بدمعاشی اور بے ایمانی ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ (آل عمران ۲)

جو امور میں نے کتاب خدا کو آیات **بینات** ثابت کرنے میں پیش نظر رکھے ہیں یہ ہیں کہ قرآن مکمل کتاب ہے، مربوط ہے، اسمیں کوئی لفظ حشو نہیں، کوئی شاعرانہ زوائد نہیں، اسکی لغت خود اسکے اندر موجود ہے، یہ آپ اپنی تفسیر ہے، اسکو کسی خارجی مدد کی ضرورت نہیں، ابدالآباد تک انسان کے لیئے سچا دستور العمل ہے، اسمیں کوئی بات ایسی نہیں جسپر عمل ضروری نہ رہا ہو، اسمیں کامل تطابق ہے، اسکی ہر آیت کا ایک اور صرف ایک مطلب ہے، تمام قرآن کا منتہائے نظر ایک ہے، اسکا بتایا ہوا صراط مستقیم ایک ہے، اسکی تعلیم عام اور مطلق ہے کسی ایک زمانے

۞ [illegible] البینٰت اور لتبیننّہ اور بیّنوا اور بیّنّٰہ کے الفاظ سے یہی ظاہر ہے کہ قرآن حکیم تمام وکمال روشن حقیقت ہے [illegible]

یا اُمت سے مخصوص نہیں، یہ ایک قانون ہے جسمیں تاویل کی قطعاً گنجائش نہیں، اسکی سب آیات آیات بینات ہیں،
مستقل اور نا قابل انکار حقائق کیطرف لیجارہی ہیں، جہاں تشابہ ہے کمی علم کی وجہ سے ہی، وہیں میری طرف سے جہل کا
علانیہ اقرار ہے، اسکی ہر تکرار میں تشریح ہے کسی نئے علم کا اضافہ ہے، کوئی تو کید مزید ہے، یہ ربّ زمین و
آسمان کیطرف سے انسان کے نام ایک مکتوب ہے، پیام عمل ہے، فرمان خسروی ہے، حکمنامہ خدا ہے، اسلیئے اسکا ایک
ایک حرف قابل انہماک ہے، یہ فطرت کی طرح وسیع ہے اسلیئے اسکے تمام لائحہ عمل پر حاوی ہوجانا، ایک قرن، ایک فرد
یا ایک اُمت کا کام نہیں۔ انہی امور کو پیش نظر رکھکر میں نے قرآن حکیم کے بارے میں اُسکے صحیح ہونے کا بلا واسطہ
علمی ثبوت دیا ہے، پیش از وقت ارادت یا عقیدت کو اس تحقیق و تلاش میں مخل کردینا قطعاً گوارا نہیں کیا، میرا
مقصود تمام آئندہ بحث و تمحیص سے کتاب خدا کی خوبی کو ثابت کرنا ہے مسلمانان عالم کو ایک قطعی اور لفظ سند ایک
مختصر اور حیرت انگیز راہ عمل کیطرف پھر اشارہ کرنا ہے، اس سبق کو پھر یاد دلانا ہی جو کبھی اس طفل کم سواد کو خوب
از بر تھا مگر آج قطعاً بھولا جاچکا ہے، قرآن سے نا آشنا اور فطرت سے باخبر مغرب پر ثابت کردینا ہے کہ اسکی
تمام سیاست و تدبیر، ان کا سب علمی استقصا اور تقدم، اسکی سب قطعی شہادت و بصیرت، اُسکے تمام نظریئے اور
عملیئے قرآن کے ہوشربا علم اور زہرہ گداز انکشاف کے بالمقابل ہیچ ہیں، اپنے علم کی برتری جتلانا، اپنی مسابقت کج
ظاہر کرنا، یا کسی نئے راہ عمل کی داغ بیل لگا کر فرقہ بند بننا قطعاً نہیں۔ میرا منتہا اتحاد اور خالصۃً اتحاد ہے، اسلام
کی ہلاکت انگیز داخلی فرقہ بندی کو حتی الوسع مٹانا ہے، سب کے لئے ایک صراط مستقیم کو صحیح ثابت کردینا ہے،
ہر فرقہ بند اُمت یا فرد کو جہنم کا مکین قرار دیکر سب کو ایک مشترک سطح پر لانا ہے، دُنکا بیسہقہ کا وہی قرن اوّل کا
ماحول پھر پیدا کرنا ہے، اسی اتحاد کو دین اسلام کا رکن رکین، اسکی سب حکمۃ کاملہ کی اساس اول، اُسکی
حجۃ بالغہ کا محور عمل، اُسکی فلاح و نجات کی علۃ اولیٰ ثابت کردینا ہے، اسکے ماسوا کچھ نہیں! شیعہ اور سنی، حنفی
اور شافعی، مقلد اور غیر مقلد، صوفی اور وہابی وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں، یہ سب جہنم کی تیاری ہے
خودکشی اور استہلاک ہے، موت کے ساتھ لہو و لعب ہے، اس زمین و آسمان کی چار دیواری کے اندر اگر کوئی

اسی قانون کسی جگہ نافذ ہے تو وہ خالصتہً **اتحاد** اور خالص **اتحاد** ہے، عملاً اتحاد ہے، طوعاً و کرہاً اتحاد ہے، مدافعانہ بلکہ جارحانہ اتحاد ہے، روز و شب کا اتحاد ہے **اصلاً** اور **فرعاً** اتحاد ہے مکر و فریب ہے یہ کہہ دینا کہ "اصولاً اسلام میں کوئی فرقہ نہیں" اور پھر فرقہ بند ہوکر اجل زدہ اُمّت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اُنکی رہی سہی طاقت کو اور سلب کر دینا، اُن میں اشتاتِ عمل، طوائف الملوکی اور موت کے سامان پیدا کر دینا، اور پھر اپنے پاسب فرقوں کو بھی جنّت کا مکین سمجھنا میرے نزدیک پرلے درجے کی فریب کاری ہے، خدا سے **مکر** ہے، آشوبِ چشم ہے، سودائے سر ہے! اُمّت کے کسی موجودہ یا گذشتہ قائد یا مدعیِ قیادت کو، کسی پیر یا امام کو، کسی بزرگ یا ولی کو، کسی سجّادہ نشین اور مرشد کو، کسی مزار یا خانقاہ کو پیشِ نظر رکھکر اُن کا اتباع کرنا، اُن سے تعبّد ختیا کرنا، عام جماعت سے الگ ہوکر اتحادِ عمل میں رخنہ ڈالنا، میرے نزدیک اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کو پکڑنا ہے، عبادتِ ماسوا ہے، **شرک** ہے، **ظلمِ عظیم** ہے، اِس دنیا میں موت کی تیاری ہے، آگے چلکر جہنّم کی لکڑیاں بننا ہے، اُن بیچاروں کو **دوزخ** کا ایندھن بنانا ہے۔ اسلام کے داخلی اتحاد اور اُسکی ماہیت کے بارے میں میرا یہ فیصلہ اسقدر مضبوط ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی مخالفت یا منطق میرے اِس عزم کو متزلزل نہیں کرسکتی، میں اسلامی جماعت کے اندر سب نظری اور اعتقادی، سب اقوالی اور اعمالی، سب اتباعی اور غیر اتباعی، سب شرعی اور فقہی تفرقے کے برخلاف ہوں، سب کو **علانیہ** مٹانا چاہتا ہوں، سب مطیعوں اور مطاعوں مریدوں اور مرادوں کو خدا کی سرزنش کا قطعی اہل اور عذابِ آخرت کا قطعی مستوجب سمجھتا ہوں لیکن باینہمہ اگر کوئی شخص یا جماعت اس کتاب کے کامل مطالعے کے بعد عقیدۃً یا عملاً مجھ کو اسلام کے کسی نئے فرقے کا رہنما تصور کرے تو وہ میری دانست میں نہ صرف مجھے حسبِ جہنّم بنا رہی ہے بلکہ آگے چلکر جہنّم کی دہکتی ہوئی آگ میں ابدالآباد تک جلتے رہنا اُسیکا حصّہ ہے!

اِسلام میرے نزدیک سب اولیاء و اصفیا سے گذر کر صرف **محمّد** (صلعم) کی پیروی ہے، نہیں اُسکے لائے ہوئے قانون کی پیروی ہے، انبیاء کے لائے ہوئے طریقِ عمل (دین) کی پیروی ہے، قانونِ خدا کی پیروی ہے،

آئینِ رب العلمین کی پیروی ہے، قانون **فطرت** کی پیروی ہے، تورات و انجیل، زبور اور تلمود، صُحُف نوح اور صُحُف ابراہیم، بلکہ وید اور ژند اوست، کے لائے ہوئے **مشترک** قانون کی پیروی ہے، **متفقًا** اور **متحدًا** پیروی ہے، **عملًا** اور **معنًا** پیروی ہے، قولًا اور اعتقادًا پیروی ہرگز نہیں، شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا **الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ** كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ **بَغْيًا** بَيْنَهُمْ (شوریٰ ۲) یہی **اتحاد** عین اسلام بلکہ میری دانست میں **تمام** اسلام ہے، یہی نفاق اور تفرقہ عین شرک ہے! سب خواہشات نفسانی کی پیدا کی ہوئی فرقہ بندی کو مٹا کر ایک راہ عمل (دین) اور مساوات پر آجانا، ایک مشترک قانون کو پکڑ لینا، سب کا ایک **مشترک خدا** کے تابع بنجانا، ہر فرد کا اپنے ذاتی عمل کا ذمہ دار بننا، اور کسی دوسرے شخص یا پیر یا ولی یا بزرگ کے عمل سے بے نیاز ہوجانا، کسی دو فرقوں کے مابین کسی **حجّۃ** کا قائم نہ رہنا، اور ہر دم اِس بات کے درپے رہنا کہ ساکنان زمین کے **بڑے سے بڑے** مجمع میں اتفاق عمل پیدا ہو میری نگاہ میں اسلام ہے: فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ **لِأَعْدِلَ**† بَيْنَكُمُ اللَّهُ **رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ** لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا **حُجَّةَ** بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ **يَجْمَعُ** بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ (شوریٰ ۲) اسی پر میرے تمام اسلام کی بنیاد ہے۔ خدا نے زمین و آسمان کا یہ مذہب سب انبیا کو یکساں ماننے میں، اُن کو ایک مشترک پیغام کا حامل سمجھنے میں اِس قدر فراخ دل اور سیر چشم ہے کہ ہر قرن کے لئے ایک کتاب لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (رعد ۶)، ہر قوم کے لئے ایک ہادی وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد ۱)، ہر اُمت کے لئے ایک رسول‡ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر ۳) نہیں ہر قریہ کے لئے ایک نذیر وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ (شعراء ۱) کا آنا مانتا ہے لیکن سب کو **ایک** قانون کا مبلغ، ایک قانون الٰہی کا ناشر، ایک کتاب کا حامل قرار دے کر وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ (بقرہ ۲) ان کو **فرقہ بند** سمجھنے اور اس طرح پر خدا اور رسل کے درمیان **تفرقہ** ڈالنے کی اِس شدت سے **مخالفت** کرتا ہے کہ تمام قرآن طول و عرض میں اگر کوئی شے **فی الحقیقت کفر** ہے تو

† اسی مجھے حکم ملا ہے کہ تم سب کو برابر کر دوں، تمہارے اور ہمارے بیچ سب برابر کر کے سب کو ایک مشترک سطح پہ لے آؤں ‡ جیسا کہ سورۂ یونس ... وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ میں ہے

یہی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء) پس اس دین متین کا رکن اعظم میرے نزدیک **اتحاد** ہے، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ہے، اور ہے لَا جِدَالَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ہے، لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ہے، لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ہے، اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ہے، تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ[1] ہے، نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ہے، نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ہے، لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ہے، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ[2] ہے، یہیں یہود کے موسیٰ علیہ السلام کو مان کر یہود کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے، نصاریٰ کے مسیح علیہ السلام کو تسلیم کر کے نصاریٰ کو کھینچتا ہے، ہنود کے کرشن علیہ السلام کے مقر ہو کر ہنود کو مرحبا کہتا ہے، گبرو برہمن کو، بدھ اور شدھ کو، افریقہ کے حق پرست اور قطب کے اسکیمو کو، امریکہ کے ہندوئے احمر اور مردم خور وحشی کو، ساکن برّ اور مکین بحر کو اپنی آغوش لطف و مرحبا میں لیکر **اسلامی جماعت** کو اسقدر تنومند، اسقدر غالب، اسقدر عالمگیر اور وسیع، اسقدر **جہانبان** کر دیتا ہے کہ دشمن کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا یارا نہ رہے! میرے نزدیک اصل اسلام یہی ہے، یہی قرآن کا اسلام ہے، یہی قرن اوّل کا اسلام تھا، مگر وا حسرتا کہ نا اہل اور ناشناس لوگوں نے اسکو اسقدر تنگ کر دیا! باہر سے راہ مسدود کر دی، اندر سے ٹکڑے ٹکڑے کر گئے، ہر شخص مدعی تجدید بنکر مٹھی بھر لوگوں کو اپنے پیچھے لگا گیا، خلق خدا کے وسیع دائرے سے نفرت پیدا کر گیا، اشاعت اسلام سرتاپا رک گئی، اُمّت کمزور ہوتی چلی گئی، پھر **اعلون** رہ کر **مومن** بننے کا نصب العین بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، مسلمان دنیا سے یکسر متنفر ہوتے گئے، بعض رُسُل کو مانا بعضوں سے انکار پیدا کر کے خلق خدا سے عداوت اور تنگ چشمی مول لے لی، پھر خدا نے زمین و آسمان نے بھی

---

[1] یہ آیت سورہ آل عمران میں اسطرح پر ہے قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران)

[2] یہ آیت سورہ بقرہ میں اس طرح پر ہے قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (بقرہ ٢)

[3] تمام قرآن کے طول و عرض میں الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا کے الفاظ اور کسی امر کے متعلق جو استعمال نہیں کئے گئے گویا اس سے اسلام میں سب سے بڑا کافر خدا کے نزدیک وہی ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام میں تفریق پیدا کرتا ہے، بعض کو مانتا ہے بعض سے انکار کرتا ہے، اس کو فرقہ مذہب سمجھتا ہے، اور اس طرح اسلام کی اخوت کو وسیع نہیں ہونے دیتا۔

اِس صریح کفر کی پاداش میں عذاب نہیں بھیجا، اور اس اُکنٹ کے آخری وارثین سے ہی بھرکر بدلہ لیا جب اسلام کے پیشِ نظر خارجی اتحاد اسقدر ہے تو بعینہ اسی بنا پر ختم رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلامی جماعت کے اندر کوئی ذراسی تفریق پیدا کرنا بھی میرے نزدیک صحیح معنوں میں کفر ہے، جو مذہبی ہے کفر کا مرتکب ہے، فقہ کی تفریق، شریعت کی تفریق، مسئلہ و مسائل کی تفریق، طریقت اور سلسلوں کی تفریق، پیروں، سجادہ نشینوں اولیاؤں اور خانہ نشینوں کی تفریق، مزار پرستی اور اولیا پرستی کی تفریق سب کفر ہیں، سب انکار خدا ہے سب عبادت طاغوت ہے، سب اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ کو پکڑنا ہے، سب شرک جلی ہے، ترک صریح ہے شرک اکبر ہے، وہ ظلم عظیم ہے جسکی بخشش کی تمنا کوئی آس نہیں، وہ بدی ہے جسکی پاداش جہنم ہے۔ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ مِنَ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ۝ (الروم ۳) قرآن میری نگاہوں میں علم ہے، آیات بیّنات ہے، قانون سدا ہے، راز زمین و آسمان ہے۔ قُلۡ اَنۡزَلَهُ الَّذِىۡ يَعۡلَمُ السِّرَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ (الفرقان) فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ہے، ایسے علم ایسی رستر حقیقت ایسے راز، ایسی فطرت کا منتہا ہر جگہ اتحاد چاہیئے، اسمیں بنی نوع انسان کو اپنے میں جذب کر لینے کی وسعت پائیے نہ یہ کہ خارجی توسیع تو یک طرف خود گھر میں فساد پیدا کر لیا جائے، امت اس علم کو لیکر آپ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے ایسی فرقہ بندی میری دانست میں اسکی سب سے بڑی ناقدر شناسی ہے اِس سے پورا جہل ہے اُنہیں انتہائی بغاوت کا نتیجہ ہے، ناقابل عفو گناہ ہے، جہنم کی تیاری ہے۔ جو قوم علم کے ہوتے ہوئے متحد نہ ہوئی اسکا کسی اور طاقت سے متحد ہو جانا خیال محال ہے وَاٰتَيۡنٰهُمۡ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ‌ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡيًاۢ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ‏ ۝ ثُمَّ جَعَلۡنٰكَ عَلٰى شَرِيۡعَةٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡهَا وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ‏ ۝ (الجاثیہ ۲۵) رسول خدا کی تیئیس کے بعد چونکہ کتاب صد علم نہیں رہی کسی منتفس نے اُسکے کسی حصے کو علم ثابت نہیں کیا، سب کے سب جہالت اور قیاس، ظن اور رائے، اعتقاد اور اقوال کی ظلمتوں میں پڑے ٹامک ٹوئیے مارتے رہے، اِسی لیئے یہ دردناک اختلاف ہے، اِسی لیئے ہلاکت انگیز فرقہ بندیاں ہیں، اِسی لیئے کُلُّ

حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (روم ۳۲) ہی اسی لیے سچا اور اصلی **شرک** ہے۔ جس دن کتاب خدا پھر **علم** ثابت ہو گئی، پھر زمین و آسمان کی ملکوت کا سِرِّ **عظیم** بن گئی، پھر ساکنانِ زمین کی **جبلّت** اور **طینت** قرار پا گئی، پھر یہ یقین ہو گیا کہ اسی کے علم کو مان کر **امن** مل رہا ہے، ہر قوم کو، ہر اُمّت کو، ہر مُلک کو، ہر قبیلے کو اس دُنیائے کسب و عمل کے ہر گوشے میں امن مل رہا ہے، اِن آنکھوں کے سامنے امن مل رہا ہے، انعام مل رہے ہیں، مُلک مل رہے ہیں، دولت اور سلطنتیں قدموں پر نثار کیجا رہی ہیں، رحمتِ الٰہی کا دریا سب طرف موجیں مار رہا ہے جسدن یہ تصدیق ہو گیا کہ اسی کے علم سے ہٹ کر اسلام کو ذِلّت و مسکنت نصیب ہو رہی ہے، شکستوں پہ شکستیں مل رہی ہیں، مُلک بک بیک چھینے جا رہے ہیں، طاعون اور قحط، خون اور پیپ، جوئیں اور چیتھڑے مل رہے ہیں، آگ مل رہی ہے، اُسیدن یہ سب اختلاف مٹ جائے گا، سب فرقہ بدیاں فنا ہو جائیں گی، سب ارضی **خدا** دُم دبا کر بھاگ جائینگے، ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (انعام) کا سماں بندھ جائے گا، سب اولیا و اصفیا، پیر و فقیر عرش سے گر کر فرشِ زمین پر آ جائینگے، طاغوت کی پرستش ماند پڑ جائے گی، جنّ و **انس** میں مساوات ہو جائے گی، سب کا خدا پھر **ایک** بن جائے گا، پھر اُس دن اس علم سے منکر بھی مشکل نظر آئیگا، طوعاً و کرہاً لوگ پھر قرآن کو حسبنا پکار اُٹھیں گے، سب اعتقادی کتابیں جنہوں نے یہ فتنۂ عظیم برپا کر رکھا ہے فی النار و السقر کر دیجائینگی، سب جلکر خاک سیاہ ہو جائیں گی۔ یہ فی الحقیقت کئی خداؤں نے ہی فساد ڈالا ہوا ہے۔ عَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (مومنون) کے مصداق بن رہے ہیں۔ لَفَسَدَتَا کا منظر پیدا ہو رہا ہے، جہالت کا تفرقہ ہے، ورنہ جہاں علم ہے وہاں اتحاد ہے اور وہیں سچی اور اصلی، بے لاگ اور بے ریا **توحید** بھی ہے!

ہاں قرآن کو میں سرتاپا علم ثابت کرنا چاہتا ہوں مگر اسلام میرے نزدیک سرتاپا **عمل** ہے، اس کی **توحید** عمل ہے، اِسکا **ایمان** عمل ہے، اِسکا **اتقا** عمل ہے، اسکی **عبادت** عمل ہے، اِسکا صراطِ **مستقیم** عمل ہے، اسکا شرک **بدکاری** ہے، اسکا کفر **بدنظمی** ہے، اِسکا فسق **بدعملی** ہے، اِس کا عمل اُمّت کا اجتماعی عمل ہے، متحدہ اور متفقہ عمل ہے، ہاتھوں اور پیروں کا عمل ہے، دلوں اور جگروں کا عمل ہے، طاقت اور زور کا

عمل ہے، دُکھ اور تکلیف کا عمل ہے، قولوں اور عقیدوں، کلموں اور تعویذوں، تسبیحوں اور گوشوں کا عمل ہرگز نہیں! جو بات میری دانست میں مسلّم ہے یہ ہے کہ سب انبیائے کرام بلا استثنائے احدے اپنی اپنی اُمّت کو اس زمین پر **امن** دینے آئے تھے، إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ **أَمِينٌ**† کا پیام لائے تھے، منصور اور **غالب** کرنے آئے تھے، **علم** کے ساتھ **حکم** لائے تھے، نہیں **حکم** حاصل کرنے کا **علم** لائے تھے، علم اور حکم کے ساتھ اس دنیا میں حسن اسلوبی سے اور مدت مدید تک رہنے کی **بڑی خبر** لائے تھے اگر نوح علیہ السلام اپنی قوم کیلئے کوئی پیغام لایا تھا تو یہی بڑے امن دینے والے ایلچی (رَسُولٌ أَمِينٌ (الشعراء)) ہونے کا تھا، يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا (نوح) کا تھا، يُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ (نوح) کا تھا، يَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا (نوح) کا تھا! اگر ہود علیہ السلام نے کوئی صلائے عام اس دنیا میں دی تو یہی إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (الشعراء) کی دی، يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا (ھود) کی دی، يَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ (ھود) کی دی، أَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ (اعراف) کی دی، يُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى (ابراہیم) کی دی، بے مزد **امن** اور مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ (الشعراء) کی دی! اگر صالح، لوط، شعیب علیہم السلام اپنی نابکار قوموں کو کچھ سنا گئے تو یہی امن کا پیغام سنا گئے، إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (الشعراء) کہہ کہہ کر چل بسے، یہی پکارا کہ **جنّاتِ زمین پر دوام** ہمارے علم پر عمل کرنے سے ہے، **امن** اسی قانون سے ہے، بقا اور ابقا ہم ہی سے ہے (أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ۝ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ (الشعراء)) ہماری ہی پیروی اور ہماری ہی **اطاعت** سے ہے (فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ (الشعراء))! اگر موسیٰ علیہ السلام نے بے سامان **فرعون** کو کچھ کہا تو یہی امن کا سامان بتلایا، یہی إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (الدخان) کہا، یہی دوام اور **بقا** کی بشارت دی؛ نافرمانی کا نتیجہ بھی یہی ہوا کہ **جنّاتِ زمین** چھن گئے، بادشاہت چلی گئی، بنی اسرائیل وارث ہو گئے، قانونِ خدا پر عامل قوم نے جگہ لے لی، فرعونی ٹکر ٹکر پڑے دیکھتے رہے! كَمْ تَرَكُوا

† اس آیۂ شریفہ کے صحیح مفہوم کے متعلق سارے قرآن سے حرف آخر قطعی ہی ہو اور أَمِينٌ سے مراد امانت دار پیغمبر لکھا ہے کہ انبیائے کرام نے اپنی اپنی قوم کو یہی کہا کہ میں تمہارے واسطے ایک امانت خدا کے ہاں سے لایا ہوں اور اس امانت کو تم تک پہنچانے کے لیے کوئی مزدوری نہیں مانگتا إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الشعراء)، احکام خدا کو جھکے ہوں کر دینے و من گر کر کہا کہ ہی امانت کے لفظ سے تعبیر کیا اور سر اس امانت کو صحیح سلامت پہنچانے کے لیے اجرت مانگنا سو ایک بے معنی بات ہے کسی عاقل کے لیے کہ تمہارے واسطے ایک بہاس کے وہ امانت لایا ہوں اور اس لانے کی کوئی مزدوری نہیں مانگتا؟ اس ترجمہ کا اعتبار کچھ نہیں ہو سکتا اور یہ اس ترکیب سے وابستہ مراد ہو سکتا ہے کہ تمہیں ہو چکا ہو کہ اس کے لفظ سے اتنی مراد امن دینے والے پیغمبر کی ہے اور پیغام یہ ہے کہ اے لوگو! میں تمہیں امن کے لیے آیا ہوں تمہاری فکر اور شکستہ حالت کو قوت سے بدلنے کیلئے آیا ہوں اور اس امر کیلئے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا اس کو مد نظر رکھ کر فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ کا جواب ہو سکتا ہے اگر اس سے انکار کرو گے اور میری اطاعت کرو گے واس ہو اور ایک جگہ مراد امانت کے لحاظ سے کہا ہو أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ۝ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ (الشعراء)، یعنی کیا تم ان حالات میں امن سے چھوڑے جاؤ گے کیونکہ ہمارا عالم ... (باقی)

مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ٥ ([illegible])، خود بنی اسرائیل سے **میثاق ایزدی** بندھا تو یہی بندھا کہ قانون خدا پر چلتے رہو گے تو اجتماعی بدحالیاں سب دور کر دوں گا، جنات زمین کے وارث بن جاؤ گے (لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ (مائدہ)، زمین کی **ابدی سلطنت** تمہارے حصے میں رہے گی، آسمان سے فتح باب ہوا کرے گا، زمین کے دروازے کھل جائیں گے، "اوپر سے کھاؤ گے پاؤں کے نیچے سے رزق آئے گا" (وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ ... لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ (مائدہ)) انہیں موسیٰ علیہ السلام نے بزدل اور غلامی میں پلی ہوئی بنی اسرائیل کو چالیس برس کی آلہی تعلیم کے بعد سینا کے جنگلوں میں اگر کچھ کہا تو یہی کہا کہ ارض مقدس پر جارحانہ حملہ کر دو، اسپر یکدم ہلہ کرو اور پیٹھ نہ پھیرو، داخل ہو جاؤ گے تو غالب آ جاؤ گے (فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ٥ (مائدہ)) ورنہ گھاٹے میں رہو گے (يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ٥ (مائدہ))۔ داؤد اور سلیمان علیہما السلام ازروئے قرآن **نبی** تھے لیکن برسوں تک دھڑلے سے **بادشاہت** کی، ملک کو صنعت اور حرفت سے مالامال کیا، تجارت کو اسقدر فروغ دیا کہ بحیرۂ روم سے انگلستان تک جہازوں کا تانتا بندھ گیا، ہمعصر فونیشی سلطنت کے پایہ تخت صور اور صیدون سے گرانڈیل مزدور (جن) ملک کی ترقی کے لئے بلوائے، پہاڑوں کو تہ و بالا کر کے مسخر کیا (اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۙ (ص))، ہوا پر قابو پایا (فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ۙ (ص))، پرندوں سے کام لیا (وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ (ص))، مقدم الذکر نبی نے معدنیات کی صنعت میں وہ طلسمات کر دکھایا کہ زمین لوہے اور تانبے کی نہریں بہا دیں، (وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۙ (۳۴)، وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ (۳۴))، ہمارے زمین و آسمان نے ان سب باتوں کو **عمل صالح** کہا، (اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ (۳۴)، اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۳۴)) کہا، داؤد علیہ السلام کو "ذَا الْاَيْدِ" کا خطاب دیا، صاحب **دست و قدرت** کہا، "اوّاب" کا لقب دیا، **عبد** کہہ کر پکارا

(بقیہ صفحہ ۶۶) ہو چکی ہے اور دشمن سر پر سوار ہے اسی طرح کی ترغیب ایک اہل [illegible] قوم کیلئے باعث سعی و عمل ہو سکتی ہے علاوہ ازیں "امین" کی [illegible] اصطلاح اور معنوں میں کسی جگہ قرآن میں استعمال ہوئی [illegible] مثلاً اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۙ (دخان) ہیں۔ [illegible]

† قرآن حکیم میں میثاق ایزدی کی تکمیل کا [illegible] کہا گیا ہے لیکن انجیل میں [illegible] اس عہد کی تکمیل کا انعام [illegible] ابدی بادشاہت لکھا ہے (دانی)

(واذکر عبدنا داود ذا الاید انہ اواب (ص)) "شددنا ملکہ" اور "آتینہ الحکمۃ" (ص) کہا، "آتینا حکما وعلما" (الانبیاء)
کہا۔ سلیمان علیہ السلام کو اپنا بہترین بندہ اور "نعم العبد" کہا، "اواب" کے الٰہی لقب سے سرفراز کیا، فرمایا کہ ان کو
ہمارے ہاں بڑا تقرب اور بہترین مقام حاصل ہے (وان لہ عندنا لزلفی وحسن مآب (ص))۔ اس عظیم الشان نبی کی دعا
کا انداز بھی مدۃ العمر یہی رہا کہ بار خدایا! وہ عظیم الشان سلطنت، وہ شوکت اور اُبہت، وہ بے مثال جاہ و جلال مرحمت
فرما کہ کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا یارا نہ رہے (قال رب اغفر لی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی (ص))۔ ملکہ سبا کو گھر بیٹھے
خط لکھا کہ مطیع ہو کر رہو گی تو خیر مناؤ گی ورنہ وہ جرار لشکر لے کر آدھمکوں گا کہ تمہارے اوسان خطا ہو جائینگے،
مقابلے کی تاب ہرگز نہ لا سکو گی اور ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤ گی، (الا تعلوا علی واتونی مسلمین (النمل) ارجع الیھم
فلناتینھم بجنود لا قبل لھم بھا ولنخرجنھم منھا اذلۃ وھم صاغرون (النمل))۔ یہ سب کچھ اس **ابدی سلطنت**
کو محفوظ رکھنے کی تدبیریں تھیں لیکن ارضی تصرف کے یہ والہانہ انداز کچھ داؤد اور سلیمان علیہما السلام سے مخصوص نہ تھے
سب انبیائے کرام بلا استثنائے احدے اسی رنگ میں رنگے آئے اور اسی نمط پر اپنی امتوں کو امن کے معراج
تک پونہچا کر یا اسکا مستقل سامان پیدا کر گئے۔ موسی علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی سے جب **قانون** ملا تو قوم کو اسی اجتماعی
شکست و ریخت، اسی غلامی اور جمود کی ظلمتوں سے قوت اور امن کی روشنیوں کی طرف نکالنے کا تھا، محکومیت
کے اندھیرے کو بادشاہت کے اُجالے میں بدلنے کا تھا، ناعاقبت شناسیوں اور ناانجام بینیوں کی سیاہی کو
طاقت اور دوام کے نور سے اُچک لینے کا تھا، کاہل اور پژمردہ، غافل اور کامچور دلوں کے بجھے ہوئے اور سیاہ
حجروں کو روشن اور منور، محشر انگیز اور زلزلہ خیز میدانوں سے بدل دینے کا تھا (ولقد ارسلنا موسی بآیتنا ان اخرج
قومک من الظلمت الی النور (ابراہیم))۔ اس سکون پذیر اور مائل جمود نسل انسانی کے اندر ایک عالم انگیز حرکت، ایک
لازوال بالش، ایک متواتر سعی و عمل پھر پیدا کرنے کا تھا، انہیں خدا سے آگاہ کر کے پھر وہی "ایام خدا" کو واپس لے آنیکا
تھا، ایک مظلوم اور اجل زدہ قوم کو پھر سرسبز زندہ کر دینے کا تھا، الغرض غلامی کی لعنت اُتار پھینکنے کا تھا، **وراثت**
زمین کا تھا، تیر اور **تلوار** کا تھا، **توپ** اور **تفنگ** کا تھا! (ولقد ارسلنا موسی بآیتنا ان اخرج قومک من

(بقیہ صفحہ ۶۷) (کتاب خروج باب ۷ آیت ۳-۸) بعض جگہ اسکا ... اور ... کی عبرانی والی ... کہا ہے (کتاب یسعیاہ باب ۷ آیت ۳) ، کتاب ... باب آیت ۲۲ (۲۹) (باقی)

الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَذَکِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ (ابراہیم)۔ **وراثت زمین** کا مستقل نصب العین نبوت کے ہر مرحلے میں

ہر نبی کے پیش پیش روزِ اول سے اِسقدر رہا کہ وارث زمین و آسمان تعالیٰ نے **صالحیّت** اور **صلاحیّت** کا صحیح

معیار بھی سب آسمانی کتابوں میں بادشاہت زمین ہی قرار دیا (وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا

عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ (انبیاء)) یہی وہ بڑا پیغام، بڑی بشارت، بڑی خبر تھی جو انبیائے عظام ہر عبادت گذار، ہر گرفتارِ

خدا، ہر ملازم اور پابند قانونِ خدا، ہر منکر ماسوا، قوم کے لئے لائے (اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ (انبیاء))

اِسی بنا پر اگر ابراہیم علیہ السلام کو کوئی تڑپ تھی تو اسی وراثت زمین کی تھی، وارث زمین ہوکر صالح بننے کی تھی (رَبِّ

هَبْ لِیْ **حُکْمًا** وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ (الشعراء))، اِس کارخانہ جہان کی ملکوت کا علم حاصل کرکے اپنی قوم کو بقا کی

راہ پر لیجانے کی تھی (وَکَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ۔ (انعام)) اخلاف میں فخر کرنیر

ہونیکے باعث زندہ رہنے کی تھی (وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ (الشعراء))، اِسی بنا پر مالک زمین و آسمان کی بڑی

سے بڑی آزمایش کے بعد حضرت کو بڑے سے بڑا انعام (اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ **اِمَامًا** (بقرہ)) کا ملا، ان کی اپنی اولاد

کے بارے میں درخواست بھی اِسی نعمت کے دوام کی تھی (قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ (بقرہ))۔

وہ جب تک صاحب **علم و عمل** رہے اِس موہبت کبریٰ کے وارث رہے۔ اُس علّامہ مطلق خدا سے اولو الاید

والابصار کا خطاب حاصل کرتے رہے (وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (صٓ)،

جب علم و عمل نہ رہا، ظالم بن گئے آل ابراہیم کو بھی یہی انعام ملا (اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا۔ (النساء))، اسمٰعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام اور

اُنکے آباو اجداد، بھائی بند اور اولاد سب کو یہی بے مثال فضیلت دی (وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا وَکُلًّا

فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ (انعام))، نوح، صالح، ہود علیہم السلام کی قوموں پر بھی یہی مخالفین کی ہلاکت اور وراثت زمین کی

وحی نازل ہوئی (لَنُهْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ۔ وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ (ابراہیم))، بالآخران کو دریاؤں سے سیراب

اور سرسبز جنّاتِ زمین میں داخل کردیا (وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (ابراہیم))

(بقیہ صفحہ ۶۸) [illegible]

عام اور قطعی محاکمہ دے دیا کہ ایمان اور عمل صالح کا اٹل نتیجہ بادشاہت زمین ہے (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (النساء)) - ابدی سلطنت ہے، خلد رحمت ہے (خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (النساء))، نہیں بلکہ صاف، غیر مشکوک اور ناقابل تاویل الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر قانون حق سے منہ پھیرو گے تو اجتماعی ہلاکت قطعی ہے، وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (ھود) کا عذاب ہے، محکومیت کا جہنم ہے، غلامی کا طوق لعنت ہے، خوف و حزن ہے، عجز اور بے بسی ہے، دنیا خراب اور جو آگے چلکر ملنا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے (فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (ھود))، برخلاف اسکے اگر نبی کے لائے ہوئے قانون کی پیروی کروگے تو اس کا اٹل نتیجہ یہ ہے کہ دشمن عن قریب ہلاک ہوجائے گا، تم خود اُسکی زمین کے وارث بن جاؤ گے استخلاف فی الارض ہونے کا مقام حاصل ہوگا اور بعد ازاں جو کچھ ہے تمہارے اعمال پر منحصر ہے، اگر اسی طرح عمل کرتے رہوگے تو جبتک زمین و آسمان قائم ہیں بادشاہ زمین بنے رہوگے ورنہ اس خوب صورت اور منظم، اس باسلیقہ اور خدا کی اپنی حفاظت میں لی ہوئی زمین سے تمہارا بیک بینی و دوگوش نکال دیا جانا قطعی ہے! (قَالَ عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (اعراف)) - یہ دنیا دار المحن ہے، اِسمیں جو شئے پائدار ہے سعی و عمل ہے محنت اور تکلیف برداری ہے، بے عمل اور جمود زدہ قوم کا یہاں پر اصلاً اور طبعاً گذارہ نہیں!

• الغرض وراثت زمین اور تمکن فی الارض کا اہم نصب العین نشأہ آفرینش سے اسلاف انبیاء کے پیش نظر بلا شرکت غیرے رہا، وہ تمام عمر اسی بات کے درپے رہے کہ اپنی اُمتوں کو اُس لازوال قانون، اُس اٹل آئین عمل، اُس امر رب العلمین، اُس اَلْعِلْم سے آگاہ کرکے عمل پیرا کردیں جس کا نتیجہ اجتماعی بقا ہے۔ دوام فی الارض ہے بادشاہت اور غلبہ ہے۔ یہی اُنکا لایا ہوا دین تھا، اور افراد اُمت کا اسی طرز عمل کو تسلیم کرکے اسپر عمل پیرا ہوجانا انبیاء کے مذہب کو ماننے کے مترادف تھا یہی اُنپر ایمان لانیکے معنی تھے، یہی ایمان کا لازمہ بلکہ بذات خود ایمان تھا۔ اسی بنا پر رسل کا اس دنیا میں مظفر و منصور ہونا لازمہ رسالت تھا، اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ (صٰفّٰت) کا مصداق بننا

(بقیہ صفحہ ۲۶۹) اُصول حقیقت مزاقلیے میں گسقدر فاش غلطی کی ہے کس رحمت اصل کتاب صفحہ ۱۱۵-۱۱۶ پرکی گئی ہے۔

نہ صرف جزوِ دین، یا عینِ ایمان، بلکہ **تمام دین** تھا، اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (صفت) نہ صرف ایمان والوں کی علامت یا مومنوں کا نشان سیما تھا بلکہ غالب بننا تابع نبیؐ اُمتوں کا واحد مطمحِ نظر تھا۔ دشمن قوم کی ہلاکت بھی اسی وجہ سے ہوتی تھی کہ وہ انبیا کے لائے ہوئے قانون پر عمل پیرا نہ ہوتے تھے، رنج اور محنت میں اپنے تن بدن کو ڈالنا پسند نہ کرتے تھے، احکام سے گریز کرتے تھے، یہی اَنکو نہ ماننے کے مترادف تھا، یہی **کفر** تھا یہی تکذیبِ رُسل تھی۔ اور اسی بنا پر نبیؐ کی تابع اُمت منکر گروہ پر غلبہ حاصل کر جاتی تھی۔ قرآن حکیم نے ایمان اور کفر کی اسی عملی کیفیت کو کسی قوم کی صلاحیت یا عدمِ صلاحیت کا صحیح معیار قرار دیکر یہ قطعی لازوال اور اٹل محاکمہ پیش کر دیا کہ صاحبِ ایمان قوم کے کافر قوم سے قتال کا نتیجہ ہر نوع اور بہرحال یہ ہے کہ ایمان والی قوم اِس روئے زمین پر کبھی پیٹھ نہیں پھیرتی، جب پیٹھ پھیرینگے کافر ہی پھیرینگے۔ روزِ ازل سے یہ ایک طے امر ہے، **قانونِ خدا** ہے جو روزِ آفرینش سے برابر چلا آیا ہے اور جبتک زمین و آسمان قائم ہیں برقرار رہیگا۔ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۔ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا** (الفتح)۔ گویا جہاں فتح وظفر کا پرچم لہرا رہا ہے، جہاں ایک قوم کو دوسرے گروہ پر غلبہ حاصل ہے، جہاں ایک طرف عجز اور بےبسی، اور دوسری طرف قوت اور استیلا قائم ہے، وہیں ایک قوم انبیا کے خدا کے ہاں سے لائے ہوئے مشترک قانون کی صحیح معنوں میں **مومن** ہے، اُس قانون کے کسی نہ کسی اہم حصے پر عمل کر رہی ہے، انہیں اس علم و عمل کی وجہ سے ہی کامیاب ہو رہی ہے، وہیں دوسرا گروہ اس قانونِ خدا سے **کفر** کر رہا ہے، اس کا عملاً منکر ہے۔ یا اُس کی کماحقہ تعمیل کرنے میں کسر رہ گئی ہے، یا مخالف فریق اُس پر بہتر اور باحسن وجوہ عمل کر رہا ہے۔ فتح و نصرت کا سلسلہ جبتک قائم ہے، کفر و ایمان کا یہ محاکمہ قطعاً پورا ہوتا رہیگا۔ خدا کے قانون کی پہلی اور آخری دفعہ یہی ہے کہ ایمان بہر نوع فتح و نصرت کے **مترادف** اور کفر بہرحال شکست اور زوال کے **ہم معنی** ہے!

اسلافِ انبیا سے قطع نظر خود **نبی آخر الزمان** علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واحد مطمحِ نظر روئے زمین پر غلبہ حاصل کرنا اور اُمتِ عرب کو بقا و دوام کے معراج پر پہنچانا تھا، یہی اُن کے مبعوث ہونے کی واحد اور صحیح غرض

تھی (هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (صف ۱۰)) نہیں

بلکہ ایسی غالب ہوکر رہنے کے علم کو حاصل کرکے اُس پر عامل ہوجانا عین اسلام اور عین دین بلکہ تمام اسلام اور تمام مذہب

تھا۔ سرورِ کائنات اگر کوئی پیغام بشارت اپنی قوم کے لیے لائے تو یہی يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا (ہود) کا لائے، نَصْرٌ

مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ (صف) کا لائے، لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (نور) کا لائے، لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور)

کا لائے، هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (مائدہ) اور اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (اعراف) کا لائے، قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ (آل عمران) کا لائے

وَقَطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (انفال) کا لائے، اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ اور تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ کے

بعد فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ (انفال) کا لائے، **وارث زمین بناکر خدا کی نظروں میں صالح اور عابد بنانے**

کا لائے (وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ

عٰبِدِيْنَ ۝ (انبیاء))، نہیں بنی نوع انسان کو مُتَمَكِّن فِي الْاَرْض کرکے حفظ و امن دینے آئے، دوام اور بقا دینے آئے

خوف کی ظلمتوں سے نکال کر امن کے نور کی طرف لے آئے (كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (ابراہیم))، دشمنوں سے ناک رگڑوا کر اس نور کو پورا کرنے آئے (وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (صف))، متحد کرکے قوی اور بے خوف و خطر کرنے آئے! اسی نقطہ نظر سے وہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء)

تھے، صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[*] پر تھے، فرستادہ خدا تھے، بشیر اور نذیر تھے۔ اس نیک سیرت نبی نے اگر اپنی قوم

کو کسی فوری عذاب سے ڈرایا تو اسی اجتماعی ہلاکت کے جہنم سے ڈرایا، مجموعی راحت اور دنیوی امن کی شاہ راہ

دکھلا کر شکست و انحطاط کے یوم کبیر سے ڈرایا (يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ (ہود))، غیر قوم کے عرب پر متسلط ہوجانے کے عذاب الیم سے ڈرایا

(اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (توبہ))، محکومیت اور غلامی کے سعیر سے ڈرایا (وَاِنْ تَتَوَلَّوْا

---

[*] صراط مستقیم کے اصلی مفہوم کے متعلق ایک مفصل بحث ... صفحہ ۱۲۹ ... ۱۳۸ ... صفحہ ۲۲۴ ... [illegible] ... صراط مستقیم کے الفاظ ... غالب ... [illegible] ... راہ راست اور صراط مستقیم ہے ... لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ (الفتح) ... اصل کتاب صفحہ ۲۲۳ کو دیکھا جائے۔

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (محمد)، ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (بقرہ) سے ڈرایا، فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ (توبہ) کہکر ڈرایا، اجتماعی زوال کی آسمانی بجلی سے ڈرایا، (كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (احقاف)) اگر کچھ قوم کے پیش نظر کردیا تو یہی دنیاوی حالت کی بہتری کردی (سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (محمد))، اجتماعی زبون حالی کے دور کردینے کا وعدہ کیا (كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (محمد))، جنّاتِ زمین پیش پیش کردیئے، منکروں کی خستہ حالی کا سماں باندھ دیا (إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (محمد)) نہیں أَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ (الاحزاب ۳۳) کا احسان جتلایا، وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ (الاحزاب) اور وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً (الفتح) کا انعام بتایا، الغرض جس رنگ میں آسمانی پیغام دیا اُس کا منتہائے جلیل یہی اجتماعی تمکّن اور وراثت زمین ہی رہا۔ قرونِ اولیٰ کی اسلامی زندگی کے تمام عملی ماحول کو پیش نظر رکھکر دقیقہ رس اور حقیقت شناس شخص کیلئے آج بھی اس امر کا اعتراف کچھ متعذر نہیں کہ عہد رسالت میں اور اُسکے کئی برس بعد تک ہر مسلمان کی زندگی اسی واحد نصب العین کے لیئے **وقف** رہی، ہر فرد اسی 'الاعلون' بن کر رہنے کو عین **اسلام** بلکہ تمام **ایمان** سمجھتا رہا۔ ہر متنفس کا منتہائے عمل، اُسکا اٹھنا اور بیٹھنا، اسکی زندگی اور موت اسی امر کے درپے رہی کہ یا اسلامی اخوت اپنی مساحت کے زور پر خود بخود اسقدر وسیع ہوتی جائے کہ دشمن ایک باقی نہ رہے یا منکر نسیاً منسیاً کردیئے جائیں کہ سب طرف يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ (انفال) کا سماں بندھ کر رہے! چیتھڑے کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں اور رسیوں سے مرمت کیئے ہوئے نیزے اس عہدِ نبوت میں جزو اسلام تھے، سر بکف اور تیغ بہ بر مجاہد ہوکر رہنا سچے مسلمان بننے کی نشانی تھی، زخموں پر پٹیاں باندھنے اور بزدل خاوندوں سے ناراض رہنے والی بیبیاں صحیح معنوں میں مومنات تھیں۔ یہ وہ اسلام اور وہ ایمان تھا جسکے باعث سرورِ کائنات کی وفات کے بعد بارہ برس کے اندر اندر عرب مسلمانوں نے سطح زمین کے **چھتیس ہزار** شہر اور قلعے سر کر لیئے تھے **چار ہزار** ہیکلوں اور بتخانوں کو پیوند زمین کر دیا تھا، صدہا گرجے مسجدوں میں تبدیل کر دیئے

سو برس کے اندر اندر اس اولوالعزم نبی کے اولوالعزم پیرو اندلس کی برفانی چوٹیوں اور فرانس کے سرسبز میدانوں میں
جا دھمکے! افریقہ کے تپتے ہوئے بیابانوں کو چشم زدن میں طے کر کے جنات زمین کی تلاش میں لگ گئے، خدا کی
زمین خدا والوں نے شیطان والوں سے جبراً اور کرہاً چھین لی، کسریٰ کی عظمت کو ملیامیٹ کر دیا، قیصر کے
تخت کی بنیادیں ہلا دیں، فرعون کی کھوپڑی پر گھوڑے دوڑا لئے، ادھر راج مہاراجے رام رام پکار اُٹھے، یورپ
کے بلند نشینوں کو فرش پر گرا دیا! مذہب اسلام بعد میں خواہ کچھ کا کچھ بن گیا ہو، اسکی یہ مرتزل الارض صورت
ناحقیقت شناس لوگوں کی متفقہ تاویل سے یا عوام کے متفقہ مکر کے باعث کچھ کی کچھ بن گئی ہو، سعی و عمل کی
وہ لشکر انگیز اور کارکن ترتیب 'اقوال' اور 'اعتقاد' کی آرام دہ اور ناکارہ صورت میں بدل چکی ہو، مگر قرآن حکیم کے
طالب العلم اور مذہب کی تہ کو پہنچنے والے دقیقہ رس کے لئے، نہیں بلکہ پیام خدا کو ابتدائے آفرینش سے
اخیر دم تک **ایک** یقین کرنے والے حقیقت شناس کے لئے اس واقع الامر سے انکار کرنا محال ہے کہ
خاتم النبیین ﷺ کا لایا ہوا اسلام در اصل وہی **قرن اول** کا اسلام تھا، وہی ابوبکرؓ اور عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ والا اسلام
تھا، خالدؓ اور طارقؒ، مسلمؒ اور ابوعبیدہؓ والا اسلام تھا، غالب بنکر رہنے اور پیچھے نہ پھیرنے والا اسلام تھا،
دوست کو آغوش لطف و مرحبا میں لیکر تنومند کر دینے والا اسلام تھا، دشمن کو مہلت دے کر نیست و نابود کرنے
والا اسلام تھا، سب بنی نوع انسان کو سطح زمین کی متحد، بے روک ٹوک اور بے خوف و خطر **بادشاہت** پر
قائم کر کے نسل انسانی کو باہم **فساد** سے پاک اور **ایک** کر دینے والا اسلام تھا (حَتّٰی لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ
وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ (انفال)، یہیں گبر و برہمن، یہود اور عیسائی، آتش پرست اور گور پرست کے سب ہادیوں اور
پیغمبروں، سب رہنماؤں اور رسولوں کو اسی **الاسلام** کے حامل قرار دے کر، یہی **وارث زمین** اور **متحد**
بنانے والے پیغام کے مبلغ یقین کر کے، اسی 'مذہب' اسی 'جائے ذہاب' اور اسی 'راہ عمل' کے ناشر مانکر سب کے
درمیان **تفرقہ** اور مخالفت مٹا دینے والا اسلام تھا! سب انسانوں کو ایک خدا کے مشترک بندے، ایک
باپ کے ہم مرتبہ بیٹے، ایک نوع اور ایک جنس کے یکساں اور مساوی افراد یقین کر کے ان کے درمیان رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کا

ماحول پیدا کرنے والا اسلام تھا! اس اسلام میں **شدت** تھی (اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (فتح)) اس میں سختی اور **غلظت** تھی (وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (توبہ)) اسمیں دعوت اور اضطراب تھا، انابت اور اعتصاب بھی تھا (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران)) فاتحانہ تجرد اور حاضرانہ تحکّم تھا (لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (آل عمران)) اسمیں حمیت اور **عصبیت** تھی مگر **تعصب** قطعًا نہ تھا، مذہبی اور اعتقادی تجرید ہرگز نہ تھی، یہود سے یہود ہونیکے باعث نفرت نہ تھی، عیسائی سے عیسائی ہونیکے باعث اجتناب تھا، ہنود سے کرشن علیہ السلام کی وجہ سے مخالفت نہ تھی، پارسی سے زرتشت علیہ الرحمتہ کی پرخاش نہ تھی، نہیں اسلام سے محمدؐ مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وجہ سے عتنا نہ تھا (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران)) **دینِ خدا** سے **دینِ محمد** ہونے کے باعث محبت نہ تھی۔ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والسلام کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ نے تلوار ہاتھ میں لیکر ارادتًا یا مصلحتًا لوگوں سے کہا کہ رسولِ خدا مرے نہیں تو حضرت **ابوبکرؓ** نے منبر پر چڑھکر فرمایا کہ "لوگو! اگر رسولِ خدا کی تلاش میں ہو تو وہ تو انتقال کر گئے لیکن **خدا** زندہ ہے اور اسکو موت ہرگز نہیں"۔ یہ سب اسلیے کہ اُس اسلام کو محمدؐ سے بحث نہ تھی، اُسکو اُس جسم اطہر سے غرض نہ تھی جو مٹی میں ملکر مٹی ہو جانیوالا تھا، اُن کو بنی نوع انسان کیطرف خدا کے بھیجے ہوئے **قاصد** کو بُت بنانا مدِنظر نہ تھا، اُنکو **پیغامِ** خدا سے غرض تھی، نامۂ ربّ العٰلمین سے بحث تھی، بنی نوع انسان کیطرف خالق زمین و آسمان کے بھیجے ہوئے **خط** کی بیتابی تھی، مکتوب کو چھوڑ کر نامہ بر کی آؤ بھگت کرنا کچھ مدِنظر نہ تھا! وہ اس بات کے درپے تھے کہ حکمنامۂ خدا کی **تعمیل** ہو، **مشیتِ ایزدی** پوری ہو کر رہے، جو شئے وہ بادشاہوں کا بادشاہ چاہتا ہے اُسکی تکمیل ہو، جو نفس پیغام ہے اُسکی طرف توجہ ہو، یہ دینِ **خدا** کا بھیجا ہوا دین ہے، سب انبیاء کا لایا ہوا دین ہے، محمد (صلعم) کا بنایا ہوا دین ہرگز نہیں! یہود اور نصاریٰ سے تجرد بھی اسی عدم تعمیل کی بنا پر تھا، وہ اس نصب العین کے درپے تھے کہ ربّ زمین و آسمان اپنے سب بندوں کے ساتھ مساوات اور اتحاد چاہتا ہے، نسلِ انسانی کا دوام

بقا چاہتا ہے۔ انسان کو اس زمین پر صحیح معنوں میں اپنا **خلیفہ** بنانا چاہتا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی
تکمیل چاہتا ہے لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (مائدہ) چاہتا ہے، سطح ارض پر **ایک** متحد قومیت کا تسلط
چاہتا ہے (وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (ہود))، مشرق اور مغرب کا، شمال اور جنوب کا، بر و بحر کے مکین کا
آپس میں کامل اتفاقِ عمل چاہتا ہے، فساد سے فی الجملہ نا آشنا ہے، زمین کی متحدہ خلافت کا نصب العین پیش
کرکے سب کا ایک طرزِ عمل، ایک دین، ایک صراطِ مستقیم، **ایک امت** چاہتا ہے، سب انبیا کو اسی پیغام
کا حامل، اسی اہم دستور العمل کا مبلغ، اسی عسیر الحصول آماجگاہ کا مشتاق قرار دیتا ہے، ہر انسان سے یہ بات
منوا کر سب کو **ایک** کر دینا چاہتا ہے، ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ (روم) کے ہلاکت
انگیز منظر کو یک قلم دور کرکے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (ہود) کا امن افزا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے،
اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ (ابراہیم) کے محشر انگیز سے کو حتی الامکان پیدا کرنا نہیں چاہتا! یہی وجہ تھی کہ صدر
اسلام میں ختم رسل کا لایا ہوا دین صرف ایک **جمہوریت** تھا، ایک بنی نوع انسان کا بلا امتیاز رنگ و نسل اور
بلا اختلاف قوم و مذہب بھائی چارہ تھا، ایک زبردست اور عالمگیر اخوت تھا، ایک اٹل اور غالب عصبیت، ایک محرک
اعتصاب شرکت تھا، دوسری قوموں کو ناحق چڑا کر، اُنکے مقدس پیغمبروں کو گالیاں دیکر، اُنکے محرف یا محرف
دین کو برا بھلا کہکر اپنا دشمن بنالینا اُس اسلام کا نصب العین ہرگز نہ تھا! اسی مساعی اور بلند نگاہی نے تمام
اس دین میں مقناطیس کی جاذبیت سی پیدا ہو گئی تھی، یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (نصر) کا سماں ہر طرف نظر آتا تھا،
اسی کے باعث زمین کے ایک بڑے سے بڑے حصے پر امن پیدا ہو گیا تھا، **الٰہی حکومت** مالکِ ارض و سما
کی منشا کے عین مطابق قائم ہو گئی تھی، دوست مال جاسے بھائی کیطرح بغلگیر ہوتے تھے، دشمن موت کے انتظار
میں دم بخود تھے۔ امن اور بادشاہت تھی، اکراہ اور اجبار نہیں تھا دین کو لوگ فرقہ بندی نہ سمجھتے تھے نصرانیوں
اور یہودیوں کے بالمقابل محمدی بننا اکثر نہ جانتے تھے، اُن کے پیش نظر صرف قانون خدا کا عملاً مطیع بننا تھا
مسلم بننا تھا، خدا کے بھیجے ہوئے دستور العمل کو پیہم سعی و عمل سے نباہنا تھا، خدا کے آخری رسول کو **اُسوہ** بناکر

اُن کے پیچھے صف آرا ہو جانا نہ تھا! یہی سچّی اور بے لاگ توحید تھی، یہی توحید فی الرّسالت کے صحیح معنی تھے! (مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا آل عمران)! آج جو قومیں اِس الاسلام اس دینِ محمدؐ، اس مذہب خدا اور راہ مالک المُلک کے عُشرِ عشیر پر بھی صحیح معنوں میں عمل پیرا ہیں، جو وراثت کے زمین کو انسان کا صحیح معنوں میں واحد نصب العین اور یکتا مذہب عمل یقین کر کے اس رہزنی میں دن رات لگی ہیں، جو لاشریک یا وشاہت کو خدائے بے ہمتا کا واحد حکم سمجھکر اس حکم کو فعل میں لانے کی سعی کر رہی ہیں، جو مالک زمین و آسمان کو قوی و عزیز سمجھکر قوّت اور عزّت حاصل کرنیکے درپے ہیں، جو اسکو سمیع اور بصیر اور علیم یقین کر کے تخلقوا با خلاق اللہ کے کسی حصّے پر عامل ہیں، نہیں جو وراثت زمین کو اپنا دین و ایمان، اپنا سچّا مذہب اور مسلک یقین کر کے اور سب دینوں سے مستغنی ہیں، عیسٰوئیت اور موسوئیت، ہندوئیت اور محمّدیت کی سب اعتقادی بُھول بھلیّوں سے بے نیاز ہیں، ایسی جماعت کے اندر ایک اٹل عصبیّت ایک عالم آرا وحدت، ایک دشمن کُش اتحاد پیدا کر کے عاجز کو اور عاجز کر رہی ہیں، اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کی سچّی تصویر ہیں نہیں جو قومیں اُس صنّاع بیمثال کے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے کیڑوں اور مکوڑوں، پرندوں اور حیوانوں کے اعمال و عادات، معمولات اور اخلاق کا صحیح مطالعہ کر کے اُنہی کی طرح اس زمین کے بر و بحر پر، اُسکے بالا و پست اُسکے جبل و سہل پر، اسکے تحت الثّریٰ میں، تحت البحر میں اور جوف آسمان پر ہر ممکن طریقے سے قابض ہونا چاہتی ہیں، اُنہی کیطرح کے ایک قطع کے آشیانے، ایک رنگ کا لباس، ایک طرز رہائش، ایک دستور العمل، ایک شکل و صورت، ایک نصب العین، ایک قاعدہ اور طریقہ، ایک دین، ایک مذہب، اپنے افراد کے اندر قائم اور دائم کر کے ایک اٹل عصبیت اور جہاں شکن زور اپنے اندر پیدا کر رہی ہیں، ہاں جو قومیں اُس دینِ فطرت پر چل رہی ہیں جو ہر صاحب سمع و بصر کو ہر جا اور ہر وقت اِن آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا ہے جو فِطْرَتَ النَّاسَ عَلَيْهَا (روم) کا صحیح مصداق ہے، جو قومیں اس طرح پر اپنے پاجاموں اور پگڑیوں، اپنی داڑھیوں اور مونچھوں کو جزو دین سمجھتی ہیں، اور اس اٹل اعرزور آور اتحاد کو، اس یگانگت اور یک رنگی کو، اس تمکن اور یکتائی کو، اس لاشریک

بادشاہت زمین کو، اِس لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (کہف) کے الٰہی خلاق کو، اس نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ (مریم) کی ربانی صفت کو، اِس لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (مومن) کی کبریائی خاصیت کو اپنا واحد شعار اور ایک مذہب سمجھتی ہیں اور اِسکے سوا کسی انسان کے من گھڑت مذہب، کسی خودساختہ شریعت، کسی لمبی داڑھیوں اور مسواکوں، کسی فی حیلوں اور استنجاؤں، کسی پگڑیوں اور عماموں کو اتحاد کے نصب العین سے علیحدہ کر کے نہیں جانتیں، وہی آج فطرت کے خزانۂ عامرہ سے **انعام** پا رہی ہیں أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (فاتحہ) کی مصداق ہیں، اُنہی پر رحمت ایزدی کا موسلا دھار مینہ لگاتار برس رہا ہے۔ اور جب تک اس **صراط مستقیم** پر ہیں لگاتار برستا رہے گا! خدائے عزوجل نے اسی دینِ فطرت کی ماہیت کو کوتاہ نظر اور نابلد انسان پر واضح کرنے کی غرض سے اعلان کر دیا تھا کہ اگر اس دنیا کے اندر صراطِ مستقیم چاہتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ سب حیوانی اُمتیں اور سفلی مخلوق **تمہاری ہی طرح** کی اُمتیں ہیں جو کچھ وہ کر رہی ہیں وہی **منشائے خدا** ہے، جو کچھ اُنکو سکھلا دیا ہے **میری** ہی مشیت ہے، ہم نے اِس کتاب عظیم کے اندر جو کہنا تھا کہہ دیا ہے اب ذمہ داری اور جواب دہی کا بوجھ تمہاری گردن پر ہے سمع و بصر اور قلب سلیم تمہیں ارزانی ہے، اب جان بوجھ کر گونگے اور بہرے اور اندھے بن جاؤ تو اسکی سزا آپ بھگتا کرو گے۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا **أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ** مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ **صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** (انعام)۔ **مچھر** کا نیش مار کر اپنے آپ کو "اعلون" ثابت کرنا، یا زمین کے ایک بڑے سے بڑے ٹکڑے پر قبضہ کر کے انسان کو مار بھگانا[1] **میری** ہی بنائی ہوئی فطرت ہے، مجھے اُس باایمان وجود کی مثال بیان کرتے ہوئے کچھ شرم نہیں آتی کیونکہ وہ بہر نوع **مومن** ہے، اور اپنی ذرا سی بساط کے مطابق "اعلون" رہنے کی سعی کرتا ہے! خدا کے روزِ اول سے باندھے ہوئے **عہد** کو توڑتا نہیں! (إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَ

[1] سطح زمین کے متعدد حصوں پر سفلی مخلوق نے اس قدر مستحکم قبضہ کر لیا ہے کہ انسان کے لیے ان اطلاع میں آباد ہونا قطعاً محال ہو گیا ہے۔

يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (بقرہ) ، میری سب مخلوق اپنی فطرت اور ہدایت پر روزِ آفرینش سے چل
رہی ہے، یک سر مو ادھر ادھر نہیں ہٹتی (اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ)) ، مگر انسان اپنی جبلت کو بھول بھول کر
اپنے آپ کو دکھ میں ڈال رہا ہے (وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ)) ۔ بارہا پیغمبر اسی
دینِ فطرت کو لائے، مگر اسے اپنی جبلت پر چلتے رہنے کا عزم نہ تھا۔ میں **لاشریک** خدا ہوں، کسی
دوسرے خدا کا اس زمین و آسمان کے اندر ہونا مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا، اگر اس کائنات کے اندر میرے سوا کوئی
اور خدا ہوتا تو یہ زمین و آسمان کبھی کے بگڑ گئے ہوتے (لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء)) ، میں خود اپنی
فوجوں سمیت اس پر چڑھائی کر دیتا اور اس کو پچھاڑ کر رہتا (وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (المومنون)) ، تم بھی اسی طرح اس میری بنائی ہوئی زمین پر **لاشریک** رہو، کسی کو اپنے مقابلے میں
آنے نہ دو، وہ غالب بن کر رہو کہ زمین پر فساد کی کوئی صورت باقی نہ رہے ! یاد رکھو کہ میں خدا ہوں لیکن تم
مظہرِ خدا ہو، اوصافِ الٰہی کا **مجسمہ صغریٰ** ہو، میری طرح سمیع اور بصیر ہو (فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا
بَصِيْرًا (دہر)) ، قلبِ سلیم رکھتے ہو، صاحبِ دست قدرت ہو، مالکِ ارادہ ہو، اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (ص)
بن سکتے ہو، میں نے تمہاری جبلت کے اندر اپنی لازوال اوصاف کا ایک جزو صغیر ڈال رکھا ہے، اپنی روح
تم میں پھونک دی ہے (نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (ص)) ، یہ اسلئے کہ میں تم سے وہی چاہتا ہوں جو میں **خود** ہوں،
وہی کہتا ہوں جو کر رہا ہوں۔ میں خود قوی اور عزیز ہوں، تمہاری بھی قوت اور عزت چاہتا ہوں۔ جبار اور
قہار ہوں تم سے بھی جبر اور قہر چاہتا ہوں۔ رحیم اور رحمٰن ہوں تم سے بھی سماحت اور رواداری کا متمنی ہوں۔
كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (رحمٰن) کا مصداق ہوں تم سے بھی انتہائی سعی و عمل چاہتا ہوں، خلاقِ عظیم ہوں، تم سے بھی
بڑی بڑی ایجادات اور اختراعات کا متوقع ہوں، تم اس زمین پر میرے **قائم مقام** ہو، **خلیفۂ خدا** ہو،
فرشتوں کی مرضی کے برخلاف تم کو یہ مقام رفیع مل چکا ہے (وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ
خَلِيْفَةً۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ

مَا كَانُوا يَكْتُمُونَ (بقرہ)) اسلیئے اُن کے طعنہ آمیز قول کے مطابق اس زمین پر فساد پیدا کرو! میری تیغ تکبیر اعلا میں لگے رہو، تمہیں اسلیئے ممتاز کیا گیا ہے کہ تم میں علم ہے، علم اسمار اور علم حقائق الاشیا، کی کامل استعداد رکھدی گئی ہے، ان بیچارے فرشتوں میں یہ بات اصلاً نہیں، وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۔ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۔ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۚ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ (بقرہ)، یہی علم و عمل تم کو اس دنیا میں سرافراز کرے گا، یہی خلیفہ خدا ہونے کا سچا اہل بنائے گا، یہ سب ملائکہ بھی تمہارے ہی خادم ہیں، تمہارے ہی مطیع بن کر رہیں گے، تمہیں ہی سجدہ کرتے رہیں گے، یہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے تمہارے لئے ہی مسخر کر رکھا ہے (وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ (جاثیہ))، تمہاری ہی اطاعت اور تمہارے ہی استعمال کے لیئے ہے بشرطیکہ تم اُسکے اہل ہو، اگر کہیں کوئی شے تم سے برگشتہ ہو کر رہے گی تو وہ شیطان ہے، اُس پر غالب آنا تمہارا کام ہے، وہی تم سے اکڑ اکڑ کر رہے گا اور مطیع بننا حتی الامکان گوارا نہ کرسکے گا۔ پس اس خلافت خدا کے اہل بنکر دکھاؤ، لاشریک اور قوی بنکر دکھاؤ، عالم اور عامل بنکر دکھاؤ، یہ دنیا دارالمحن ہے، اس میں بے علم اور بے عمل قوم کا طبعًا کچھ گذارہ نہیں!

قانونِ خدا کا یہ وہ حیرت انگیز اور حقیقت کشا علم تھا جسکو تیئیس برس کی جاں گزا اور روح فرسا محنت کے بعد پا کر عرب کی امی اور اُجڈ، بے ہتیار اور بے زر قوم نے روئے زمین کے چھتیس ۳۶ ہزار شہر بارہ برس کے اندر اندر سر کر لیئے تھے، زمین پر حفظ و امن کی ایک غیر منقطع صورت پیدا کر دی تھی! باغ کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں یکدم لہلہا اٹھی تھیں، سرو و سمن وجد میں آگئے تھے، یہی وہ معرفت نفس کی پردہ شکن اور تاک گسل منزل تھی کہ اعمال خدا کے علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان کا طغرائے امتیاز ہو گیا تھا۔ اسکی تلاش میں چین اور روم ایک کر دیئے تھے، مرد اور عورت سب اسی رنگ میں رنگے گئے تھے۔ خدا کی بنائی ہوئی اشیاء سے طلب عمل کرنا، اُن کا علم حاصل کرنا جزو ایمان بن گیا تھا،

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ؕ (جاثیۃ) کی نفعمند صورت قطعًا عیاں ہوگئی تھی! اگر آج بھی اسلام کسی بڑی بڑی پگڑیوں والے مولوی حضرات، یا گز گز بھر لمبی داڑھیوں والے فقیہوں کی کم فہمی کے باعث مسواکوں اور ڈھیلوں، استنجاؤں اور پاجاموں، عماموں اور داڑھیوں کے اندر گھس چکا ہے، اگر اُسکی اشد شدید حکمت اور بلیغ علم حیض و نفاس کے مسئلوں، گردن مروڑی مرغیوں کی تشریحوں، آمین بالجہر اور رفع یدین کی بحثوں پر ختم ہوچکے ہیں، اور ادھر قاہر اور **شدید العقاب** خدا اپنے سب اگلے دیئے ہوئے انعام ایک ایک کرکے غیروں پر بانٹنے میں مصروف ہے تو خودکشی کی اس حسرت انگیز صورت کو پیدا کرنے میں قرآن یا اسلام کا کیا گناہ ہے! **فتح قسطنطنیہ**[†] کے محشر انگیز ایام میں رومی اور یونانی بھی اسی قطع کی مضحکہ انگیز بحثوں میں مصروف تھے اُن کا مابہ النزاع بھی یہی تھا کہ "عشائے ربانی" کے موقع پر عیسیٰ علیہ السلام نے جو کھانا حواریوں کی معیت میں کھایا تھا اُسمیں روٹی **خمیری یا فطیری** تھی! اسی پر آپس میں خون کی ندیاں بہ جاتی تھیں، اسی پر ایک فرقہ دوسرے گروہ کا جانی دشمن بن چکا تھا، دین خدا کی حفاظت میں سب کے سب انہوں کو کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے، خمیری یا فطیری کا مُنہ سے کہہ دینا **ایمان یا کفر** کے ہم معنی بن گیا تھا! ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا، مگر دین خدا سے باخبر مسلمانوں کا قائد اعظم **محمد فاتح** اُدھر اپنی محاصرہ کرنے والی بڑی بڑی توپوں اور قلعہ شکن منجنیقوں کو فرو حصار پر لگانے میں مصروف تھا اور ابن اللہ کی روٹی کے قضیئے کو ازبس غنیمت سمجھکر روز بروز شہر کے نزدیک پہنچتا جاتا تھا! اس مضحکہ انگیز خودکشی کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ دس مہینے کے اندر اندر محمد اللہ اکبر کہتے کہتے شہر میں جا داخل ہوا اور ابن خدا کی روٹی کے شیدائی اس طرح دُم دبا کر بھاگے کہ آج اُس سرزمین میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے اُس نسل کا ایک فرد باقی نہیں ملتا! عہد حاضر کے مسلمان بھی جو مرضی ہو کرتے رہیں مگر خدائے قاہر کے انتقام کی یہی وہ دردناک صورت ہے جو ہر ظالم کا قوم پر ہمیشہ عائد ہوتی رہی ہے اور جبتک خدا کا قانون اس زمین پر جاری ہے یہی ہوتا رہے گا! وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ہود)

[†] سنہ ہجری مطابق ۱۴۵۳ عیسوی میں قسطنطنیہ ترکوں کے قبضے میں آیا۔

پس میری دانست میں اسلام یہی ہے جو اوپر بیان ہوا! وہ وہی ہے جو رسولؐ خدا اپنے ساتھ لائے تھے، جو لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا مصداق تھا، جس نے رسول پاکؐ کی زندگی میں تمام عرب کو ایک نقطۂ وحید پر جمع کر دیا تھا، جس نے اُن کی وفات کے بعد ایک عالم کو پابرکاب کر کے سب کو ایک رنگ، ایک مسلکِ عمل، ایک راہ، ایک فطرت پر عامل کر دیا تھا۔ جبتک مسلمان اس اسلام پر قائم رہے، جبتک وارث زمین اور خلیفہ خدا بننا اُن کا واحد مطمحِ نظر رہا، وہ الٰہی اصطلاح میں مُسلمان بنے رہے۔ مسلمان ہونیکے سب قرانی وعدے، لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (نور) کا وعدہ، سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (محمد) کا وعدہ، سَتُغْلَبُوْنَ (آل عمران) کا وعدہ، هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (مائدہ) کا وعدہ، يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا (نصر) کا وعدہ، سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ (نساء) کا وعدہ، يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (روم) کا وعدہ، لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (حجر) کا وعدہ، لَأَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (مائدہ) کا وعدہ، ایک ایک کر کے پورا ہوتا رہا۔ اُسیوقت تک دین اسلام دینِ خدا رہا، راہ مالک الملک رہا، صراطِ مستقیم رہا۔ اسکے بعد سے جو کچھ اس دین میں سعی و عمل کو کم کرنے کی نیت سے داخل ہوا بدعت ہے، کفرِ محض اور گمراہی ہے، یا غلوٌ فی الدّین ہے یا فریب و ریا ہے، یا آرام طلبی کے ڈھنگ ہیں یا تن آسانی کے شیوے ہیں، یا مکر و تاویل کا جال ہے، یا بدمعاشی اور بے ایمانی ہے۔ اگر مسلمانانِ عالم آج اپنی سب محبوبیت کے ادّعا کے باوجود موت کے گھاٹ اُتر رہے ہیں تو اسکی وجہ یہی صریح بددیانتی ہے، یہی اصلی اور سچا کفر ہے اسلام کا اسلام رہ کر وہی قرنِ اوّل والے نتائج پیدا کرنا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ آگ کا آگ رہ کر کسی وقت نہ جلانا، یا پانی کا پانی ہو کر کبھی نہ بہنا ایک امرِ متعذر ہے۔ مسلمان یا اُنکے عُلما دینِ اسلام کی حقیقت کو تیرہ سو برس تک دیکھنے سے انکاری ہیں، اپنے آبا و اجداد کی گمراہ کن اور موت انگیز پیروی کو پیشِ نظر رکھکر دن کو رات

[illegible] صفحہ ۱۱ کے اخیر اور ۲۰ کے شروع میں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کو رسول خدا صلعم کے بھیجے جانے کی غرض واحد قرار دیا گیا تھا [illegible] صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۶ [illegible] کے حواشی کو دیکھنا چاہیے لیکن سورہ فتح کی دلیل کی اصل سیاق و سباق کلام سے [illegible] قرار دیا ہے [illegible] وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ [illegible] ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور [illegible] کے بھیجے کی غرض قرار دیا گیا ہے [illegible] (۲۸ : ۱) اور (۲۸ : ۲) اور (۲۸ : ۳) [illegible] رسول کو [illegible] (۲۸ : ۵) [illegible] اور (۲۸ : ۶) [illegible] اور (۲۸ : ۸) میں مبشرا اور نذیرا کے الفاظ [illegible] رسول اللہ کے مبعوث ہونے کی غرض [illegible] ہلاکت سے ڈرانا ہی ہے [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبشر اور نذیر ہونے کا ذکر [illegible] صفحہ ۱۸۲ تا ۱۸۵ کے حوالہ جات کے ماسوا قرآن کے طول و عرض میں آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کی اور کوئی غرض و غایت کہیں بیان نہیں کی گئی۔

کہتے پھریں، آنکھیں ہوہوا کر نہ دیکھیں، کانوں سے نہ سنیں، ذہنوں کو استعمال میں نہ لائیں اور مکر کی نیندیں لے لے کر اسلامی اُمّت کو اور رسوا و ذلیل کردیں مگر قرآن کا بتایا ہوا اسلام ہر صاحبِ نظر کی نگاہ میں وہ روشن اور ناقابلِ محو حقیقت ہے کہ دس لاکھ علما کی متفقہ تاویل یا دس ہزار اُمّتوں کا پورا اجماع بھی اُسکے بتائے ہوئے قانون کو بدل نہیں سکتا! جبتک اور جس شدت سے، جس وقت اور جس اُمّت میں وہی قرنِ اول کا اسلام **عملاً** اور **معناً** موجود ہوگا، جو قوم اُس قانونِ خدا کا اتباع اپنے تن بدن کو دُکھ میں ڈال کر کرے گی، ہاتھوں اور پیروں کو محنت اور تکلیف برداری کا خوگر بنا کر اس کشت زار کسب و عمل میں، نہیں اس مزرعۃ الآخرۃ کی چمن خیز سرزمین میں چند دانے سعی و عمل کے بو کر انکی مناسب طور پر آبیاری کرتی رہے گی، اور سر بفلک درخت اُگنے کے والہانہ انتظار میں خوش دل باغبان بنے رہنے کو اپنی زندگی کا وحید مآل سمجھے گی، وہی اُس **جفا طلب** اور **صبر آزما** خدا سے کچھ لیکر رہے گی۔ وہی اسکی صحیح معنوں میں محبوب اور منظورِ نظر، اُسکی مسلم اور عابد بن جائیگی۔ اگر اس دنیا میں غالب بن کر رہنا مسلمانی اور ایمان کی **شرط** ہے اگر خلیفۂ خدا اور مالکِ زمین بننا عین اسلام اور تمام قرآن ہے تو یہ سب کچھ عمل اور صرف عمل سے ہو سکتا ہے، پیہم اور شبانہ روز تکلیف سے ہو سکتا ہے آرام طلبی کے نئے ڈھنگ نکالکر اور قانونِ خدا میں آسانیاں وضع کرکے اس مقام جلیل کے برقرار رہنے کی امید کرنا ہوشمند قوم کا کام نہیں۔ لفظوں اور عقیدوں، کلموں اور قولوں پر اکتفا کرکے شرعی پاجامے اور باعزت پگڑیاں پہن لینا اور اس طرح پر اپنے آپ کو مسلمان بنائے رکھنا **کامچور اور ناکار**ہ اُمّت کا شیوہ ہے۔ اُس واقفِ نہان و آشکارا کو عبث دھوکا دینا ہے۔ خیر الماکرین کے ساتھ مکر کرنا ہے۔ ایک چھوٹے سے چھوٹا آقا بھی اس زبانی جمع خرچ اور لفظی عبادت کی کچھ پرواہ نہیں کرتا، کامچور نوکر کی صرف زبانی آؤ بھگت کو دیکھکر ملازمت سے چشم زدن میں رخصت کر دیتا ہے، پھر آقائے **شمس و قمر** سے اس کام پر اُجرت یا نعمت کی امید رکھنا پوری جہالت ہے اور جو قوم کی اس حقیقت کی معترف بننے سے انکاری ہے یا معترف بننے کے بعد عمل سے گریز کر رہی ہے اُسکی زندگی کے دن اس سطحِ زمین پر قطعاً گنے جا چکے ہیں!

پس میری دانست میں اگر ایک شخص اپنے لفظی اور زبانی عقیدے پر عامل نہیں تو اُسکا عقیدہ خدا کی نظروں میں محض کچھ شئے نہیں، اگرچہ کچھ وہ کہہ رہا ہے۔ اُسکے مطابق عمل نہیں کرتا تو یہ کہنا بھی کچھ نہیں، نہیں بلکہ کہنا اور کہہ کر پھر نہ کرنا سچی **منافقت** ہے، اصلی بدمعاشی ہے، ایمان کی ضد ہی (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۶۱:۲))، **قرآن کا گناہ کبیرہ**† ہے: (کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۶۱:۳))! ایسے شخص کے لیئے ایمان کا دعوے دار بننا حقیقت کا منہ چڑانا ہے، کم از کم خدا کے نزدیک اس قول کی کچھ قیمت نہیں، وہ خدا کو دھوکا دینے کی سعی کر رہا ہے، اور خدا کو دھوکا کیا در اصل اپنے نفس سے مکر کر رہا ہے۔ (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ **یَّقُوْلُ** اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (۲:۸)) - برخلاف اِسکے جو شخص **عمل** کر رہا ہے، کسی حکم خدا پر عامل ہو کر اپنے تن بدن کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، اسکا عقیدہ بھی درست ہی نہیں بلکہ وہی عقیدے کا صحیح معنوں میں مدعی ہے، اُسی کے دل میں عقیدت اور یقین کا ایک لازوال ہیجان موجود ہے، وہی اُس حکم خدا کی نافعیت کا سچا قائل ہے، وہی اُسکے حاکم اعلیٰ ہونے پر سچا ایمان رکھتا ہے، وہی اُسکو صحیح معنوں میں مان رہا ہے، وہی اُسکو دل سے آقا تسلیم کرتا ہے، وہی **مسلم** اور **مومن** ہے۔ کسی نوکر سے **ملازمت** آجتک مُنہ کے کہے سے نہیں ہوئی، زبانی عقیدے یا کسی کلمے کو دُہرا کر ہرگز نہیں ہوئی، وہی صحیح معنوں میں نوکر ہے جو کام کر رہا ہے جو کہا مان رہا ہے، وہی تنخواہ بھی لے رہا ہے، وہی آقا کو آقا مان رہا ہے اور وہی اُسکے حاکم ہونے کا معتقد بھی ہے! چہروں کو غمگین بنا بنا کر اور لمبے سانس بھر بھر کر یہ کہتے رہنا کہ ہم خدا کے قائل ہیں، ہم اُسکو وحدہ لاشریک سمجھتے ہیں، ہم اُسکو ایک مانتے ہیں، ہم اُسکے وجود پر شاہد ہیں، ہم اُسکے ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، ہم مسلمان اور مومن ہیں اور ساتھ ہی اُسکے دیئے ہوئے حکموں پر عمل نہ کرنا، اُنکو پرِ کاہ کے برابر نہ سمجھنا، توفیق نہ ہونے کا شیطانی عذر کہہ کر ٹال دینا اور باوجود اِسکے عقیدہ درست رکھنے کا طاغوتی اصرار کرنا میرے نزدیک پرلے درجے کی فریب کاری ہے، انتہائی ریا ہے، مُلّائی جہالت اور ابلیسی تجاہل ہے! کسی فرد واحد نے آجتک کسی شہر کے حاکم کو **اسطرح** پر نہیں مانا، کوئی تن واحد اُس

† موجودہ عہد کے بے سند مترجموں اور مُلّائی [illegible] قرآن حکیم میں صرف چند مہلک [illegible] ہیں جنکو گناہ کبیرہ کہا گیا ہے ان میں سے ایک یہی [illegible]

مالک نفع وضرر کا اس نہج پر قائل ہیں ہوا، کسی نے اُسکو اس طور پر تسلیم نہیں کیا! اُسکو ماننا، اُسکو تسلیم کرنا، اُسکو حاکم سمجھنا، اُسکا معتقد ہونا ہر جگہ اور ہر شخص کے نزدیک ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ اُسکے احکام کی بہر نوع اور بہر حال تعمیل کی جائے، اُسکے حکم کو مرگ مفاجات سمجھکر چار و ناچار مانا جائے، اُسکے مروج قانون کی حدود سے باہر نہ نکلا جائے شب و روز اور پیہم تعمیل ہو، طوعًا و کرہًا تعمیل ہو، توفیق ہو نہو مگر حکم کے برخلاف کچھ نہ ہونے پائے۔ اور اگر کوئی ستم ظریف حکم عدولیاں کرنیکے بعد بھی حاکم شہر کو یہ سُنا رہا ہے کہ وہ اُسکو کم از کم مُنہ سے مان رہا ہے، وہ اُس کو وحدہ لاشریک کہتا ہے، وہ اُسکے وجود کا زبان سے شاہد ہے، تو حاکم کیلئے اس مسخرے کے دماغ کو درست کرنے کی اس سے بہتر کوئی سبیل نہیں کہ اُسکو پاگل خانے بھیجدیا جائے، یا جو کچھ منوانا ہے بنوک سنگین منوا کر شہر بدر کردیا جائے! زبانی عقیدہ اطاعت اور عمل کے بدون کچھ شئے نہیں، نہ اس سے اس عالم اسباب و علل اور کائنات شرط و جزا کے اندر سلطنتیں مل سکتی ہیں نہ غلبہ قائم رہ سکتا ہے، اور جب عمل موجود ہو اور کسی شخص کے ہاتھ پاؤں آقا کی ملازمت کے پیہم گواہ بنجائیں تو زبانی عقیدہ کی بھول بھلیوں میں پڑنا محض بیکار ہے۔ مسلمانوں کی کاہل و چور اور کم ہمت قوم نے آج اطاعت کی تکلیف دہ صورت کو خیرباد کہکر عقائد کی آرام دہ مکاری پر اپنے دین کا تمام حصر سمجھ لیا ہے۔ اور اس مکر کے اندر ایک نیا مکر یہ پیدا کرلیا ہے کہ نہایت عقیدتمندی سے اس بات کے درپے رہتے ہیں کہ خدا کو خوش کرنیکے لیے "عقائد کو درست کیا جائے" اعمال کے درست ہونے پر بحث قطعًا بند ہوچکی ہے گویا تُلک اسلئے چھینے جارہے ہے کہ اُس حاکم زمین و آسمان کو اس لاڈلی اُمت کے "ملفوظات" پسند نہیں رہے، اور جبتک اقوال کو درست نہ کیا جائے زمین و آسمان کی اس "قول پسند ملکوت" کے اندر خدا کو خوش کرلینا محال ہے و کذالک جعلنا فی کل قریۃ اکابر مجرمیھا لیمکروا فیھا وما یمکرون الا بانفسھم وما یشعرون ۰ (انعام) ٭

میں اس کتاب کو پہیلی یا بوجھارت قطعًا نہیں بنانا چاہتا۔ میرے نزدیک وہ وقت اب گذر چکا ہے کہ اسلام کی اجل رسیدہ اُمت کو پوری دس جلدوں کا انتظار کراکر مذہب اسلام کے سربمہر راز کو آہستہ آہستہ کھولوں یا جبتک مبادیات پر مختتم اور فیصلہ کن بحثیں نہ ہوچکیں اور اُنکو من و عن قبلوانے کے لیئے زمین تیار نہ کرلوں متشابہات

(وہ صوم ہے) ایک فرقہ [illegible] کی کوشش [illegible] ... بالکل باطل [illegible] ... کو یہاں مرقوم [illegible] ہیں ٭

ایک قطعی اور آخری فیصلہ پیش از وقت دینے سے محترز رہوں۔ میرے نزدیک اسلام کی اس پُر آشوب حالت میں مصنف کے اپنی تصنیف کے بارے میں طبعی تحمل کا وقت گذر چکا ہے۔ ایک مارگزیدہ اُمت کیلئے عراق سے تریاق منگولنے کی تجویز کرنا اب لاحاصل ہے۔ یہ تکلفات پُر امن اور فرصت کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج وہ زمانہ ہے کہ مسلمانانِ عالم کیلئے چند لمحوں کے لئے بھی کسی مستقل اور یقین انگیز، کسی نفعمند اور مختصر راہ عمل کیطرف نہ آنا **فوری ہلاکت** کا سامنا کرنا ہے۔ دلیلیں اور بحثیں اصل کتاب کے آیندہ اوراق میں ہوتی رہیں گی۔ میں نے اُن اوراق میں اس بات کا التزام کرلیا ہے کہ کسی امر کے متعلق ایک حرف بے دلیل نہ کہا جائے اور ایک قدم آگے نہ بڑہایا جائے جبتک کہ آلہی حجت کو پیش کرکے پچھلے قدم کو قطعاً مضبوط اور غیر متزلزل نہ کر لیا جائے۔ لیکن دس جلدوں کا انتظار ناظرِ کتاب اور بالخصوص قرآن سے آشنا شخص کیلئے نہایت تکلیف دہ ہے، اور طوالت میں اصل مطلب کا خبط ہو جانا بھی بسا اوقات امر غالب ہے۔ اس امر کو مدنظر رکھکر میں نے **عربی افتتاحیہ** میں جو کچھ کہنا تھا حتی الوسع کہہ دیا ہے۔ مُسلمانانِ عہدِ حاضر کو ایک قطعی اور مختصر راہ عمل کیطرف عام فہم الفاظ میں پھر اشارہ کر دیا ہے، **ایمان** کے لازمات پیش کر دیئے ہیں، **توحید** کا سچا اور اصلی مفہوم بتا دیا ہے، **اتقا** کے اعمال واضح کر دیئے ہیں، **شرک** کی ماہیت کو کھول دیا ہے، **کفر** کی مستور حقیقت کے بخیئے اُدھیڑ دیئے ہیں، **صراطِ مستقیم** کو اظہر من الشمس کر دیا ہے، قانون خدا کا وہ عملی اور ابتدائی، وہ اہم اور اٹل حصہ پیش کر دیا ہے جسپر چلکر ہر قوم کو، ہر اُمت کو، ہر قریے اور محلے کو ہر وقت اور ہر جگہ اس دنیا کے کسب و عمل کے اندر امن مل رہا ہے۔ وہ **دس عظیم الشان اصول**[†] غیر مشکوک اور واضح الفاظ میں پیش کر دیئے ہیں جنکو پاکر اُمت محمدیہ کو چند **لمحوں** کے اندر بادشاہت زمین مل سکتی ہے، جنپر دین اسلام کا **تمام** حصر ہے، جنپر خاتم الانبیاءؐ کے لائے ہوئے قانون کی ساری بنیاد رکھی ہے، نہیں بلکہ جو **ہر بادشاہ قوم کا واحد اور دائم مذہب** ہے اور جبتک زمین و آسمان موجود ہیں یہی طرز عمل رہیگا۔ اس مختصر فاتحہ کتاب کے اندر حتی الامکان آلہی سند بھی دیدی ہے۔ ایک ناقابلِ رد حجت کو قرآن عظیم سے لیکر تاویل کی فریب کاری اور معاندؔ کی بد معاشی کو جڑ سے کھیڑ دیا ہے

[†] دیکھو افتتاحیہ کتاب صفحہ ۵۷ - الخ

برہان خدا کی بے رحم کلہاڑی کو انسان کے اپنی کامچوری اور غفلت سے اگائے ہوئے جنگل پر یہ بیدریغ استعمال کیا ہے کہ ہر صاحب کو اس مہلک اور قاطع نمو، اس بیکار اور ناخوش آیند کاہ و گیاہ کے نیچے اسلام کے خوشنما اور ثمر ور پودے کی شکل پھر نظر آجائے۔ بے خوف و خطر یہ دعوے کر دیا ہے کہ اسلام عمل اور صرف عمل ہے، جو عامل ہے اسکا عقیدہ بھی درست ہے۔ نہیں بلکہ اسکو کسی عقیدے یا زبانی قول کی ضرورت ہی نہیں۔ جو قائل ہے وہ بہر نوع کچھ نہیں، آج کچھ نہیں، کل کچھ نہیں، ابدالآباد تک کچھ نہیں۔ نہیں بلکہ اس دعوے کی الٰہی سند بھی ایک حد تک پیش کر دی ہے۔ قطعی اور نصی، ناقابل تاویل اور نالائق حجود شہادتیں پیش کی ہیں، جو کچھ کھول دیا ہے اس امر کو پیش نظر رکھکر کیا ہے کہ ناظر کتاب کو مذہب اسلام کے متعلق میرا عندیہ پہلے سے واضح ہو جائے، ابتدا سے اُسپر یہ امر روشن ہو جائے کہ میں مذہب کو کیا سمجھ رہا ہوں، کس بات کیطرف جا رہا ہوں، میری دانست میں قرآن کا کیا لائحہ عمل ہے، دین کیا شئے تھا اور کیا کا کیا بن چکا ہے! میں اس کتاب کے سیاق موضوع کے متعلق اُسکے پڑھنے والے کی تڑپ کو پہلے سے دور کر دینا چاہتا ہوں، اُسکو جو کچھ میں نے بالآخر اور بتدریج تمام کہنا ہے اوّل کہہ کر جلد جلد ورق گردانی کے اضطراب کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ قاری کو چند الفاظ کے اندر سب کچھ بتلا کر آیندہ اوراق پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کا خواہاں ہوں۔ الفاظ وحی کے مطالب کے متعلق سب پرانے اور دقیانوسی، سب ناکارہ اور بے نتیجہ خیالات پر بجلی گرا کر قرآن عظیم کو نئے سر سے پھر پڑھوانا چاہتا ہوں! میں چاہتا ہوں کہ اس کتاب جلیل کے ایک ایک لفظ پر غور رہو، اُسکے بارے میں صاحب القرآن ؐ کے واحد اور صحیح عندیے کا کھوج لگایا جائے، تہ کو پہنچکر ایک مستقل راہ عمل پر پہنچا جائے، الٰہی دلیل اور قرآنی سند سے باہستگی تمام پہنچایا جائے، ماسوا کے اقوال کو یکسر نظر انداز کر کے مفہوم خدا کی تلاش کیجائے، لیکن اقلیدس کے مقالوں کی طرح دعاوی کو پہلے بیان کر دیا جائے۔ قرآن سے آشنا شخص یا گروہ کیلئے اس طریق کار میں یک گونہ سہولت ہی، وہ ممکن ہے پہلے ہی انہی نتائج پر پہنچ چکا ہو اور ظاہر کرنے کی فرصت یا ہمت نہ رکھتا ہو۔ مذبذب کیلئے سوچنے کا کھلا موقع ہے، ناآشنا کے لئے ایک چونکا دینے والا انکشاف ہے،

متلاشی حقیقت کیلئے مقصود کا پالینا اور عامل کے لیئے ایک اہم کام کا سررشتہ پیش ہوجاتا ہے ! اس ترکیب سے مسلمانوں کے سامنے صدیوں کا بھولا ہوا قرآن پھر پیش نظر ہوجائے گا ، ایک کامل صحیح یا کامل غلط راہ پیش پیش ہوجائے گی ، وہ اسپر صحیح عمل شروع کرنیکے قابل ہوجائینگے یا کم از کم اسکو فوراً غلط قرار دے کر دس مجلدات کی طباعت کے انتظار میں پریشان قلب ہونیسے بچیں گے !

میرے نزدیک قرآن کی **توحید** یہ ہے کہ **دل کے اندر کسی ماسوا سے تعلق نہ رہے**۔ کسی دنیاوی شئے سے اسقدر اعتنا نہ بڑھے کہ غیر خدا کو خدا پر ترجیح دیجائے ، قلب کے اندر اولاد کا **بُت** نہ ہو ، گھوڑوں اور مکانوں زمینوں اور بیویوں کے بُت نہ ہوں ، باپ اور ماں کی ، اقربا اور اعزا کی محبت کا بُت نہ ہو ، پیر و فقیر اولیاء و اصفیا کی ارادت کے بُت نہ ہوں ، حکام سے غرضمندی کے بُت نہ ہوں ، طمع و حرص کے بُت نہ ہوں ، نفس پسندی کا بُت نہ ہو ، تن آسانی کا بُت نہ ہو ، حُبِ جاہ کا بُت نہ ہو ، الغرض **شیطان** کا کچھ غلبہ نہ ہو ، **کوئی شئے** سوائے خدا کے دل پر **حکمران** نہ رہے ، کسی بُت کے دل آسا اور آرام دہ حکم کو خدا کے سعی طلب اور صبر آزما حکموں پر **کسی وقت** ترجیح نہ دیجائے ۔ یہ **توحید** ہے ، یہی اصل **ایمان** ہے ، یہی سچا **موحد** بناتی ہے ، وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (بقرہ) ۔ جو شخص چوبیس گھنٹے اس توحید کو نباہ رہا ہے ، ہر لمحہ جو کچھ کر رہا ہے خدا کا کام کر رہا ہے ، شیطان کی ملازمت نہیں کرتا ، اُسکی فوری اُجرت اور **نقد** مزدوری کا خیال نہ کرکے خدا کے اخروی اجر کو نہیں اُس حاکم مطلق کے وعدے کیئے ہوئے **نسیے** کو ، اسکے دہ چند اُدھار[1] کو بہتر سمجھکر شیطان کی ابلہ فریب ترغیب پر نہیں چلتا ، وہ اُس چوبیس[24] گھنٹے تک **موحد** ہے ، **مومن** خدا ہے ، منکرِ شیطان ہے ، ملازم احکم الحاکمین ہے ، اللہ کا نوکر ہے ، عبد ہے ، **عابدِ** خدا ہے ! جسوقت اسنے حکم خدا کو چھوڑ کر کوئی **بت** اپنے دل کے اندر پیدا کرلیا ، کسی ماسوا کے حکم کو ترجیح دی ، کوئی تن آسانی کا مکر بنالیا ، کسی فوری نفع کے پیچھے لگ گیا ، اُسیوقت سے اُسکا ایمان **ساقط** ہے ، اُسکی توحید زائل ہے ، وہ مومن نہیں رہا ، مُسلم قطعاً نہیں ، عبد نہیں ، عبادت گذار نہیں ، ملازم خدا نہیں ۔ نہیں ! بلکہ وہ صحیح معنوں میں **مشرک** ہے ، منکر خدا ہے ، **کافر** ربّ العلمین ہے ! یہی میری

[1] مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (انعام) کی طرف اشارہ ہے ۔

نگاہوں میں **سچی عبادت** ہے، یہی لفظ "عبادت" کا الٰہی اور قرآنی، سچا اور اصلی مفہوم ہے۔ مُنہ سے "اللہ اللہ" پکارتے رہنا، زبان سے "احد احد" کہتے رہنا، اور دل کے اندر تین سو ساٹھ بتوں کا ایک صنمکدہ سجائے رکھنا، اور کام کے وقت "توفیق نہ ہونے" کا ابلیسی عذر تھان لینا میرے نزدیک بدمعاشی ہے، پوری بے ایمانی اور انتہائی کفر ہے، مکر عظیم ہے! کسی ملازم نے آجتک اپنے آقا کو ایک ایک کرکے نہیں پکارا! کسی تنگدل سے تنگدل آقا نے اپنے نوکر کو اس بات پر متعین نہیں کیا کہ وہ اسکو روز و شب ایک ایک کہہ کر پکارتا رہے! ایسا حکم از بس مضحکہ انگیز ہے، ایسا عمل از بس ابلہانہ ہے! آقا کی توحید یہی ہے کہ نوکر کسی ہمسائے کا کام نہ کرتا پھرے، کسی دشمن کا ملازم نہ بنے، جس سے امیدوار مزد ہو اُسی کا **حکم مانے**، نہ یہ کہ مُنہ سے تو اُس کا راگ الاپتا پھرے مگر کام غیروں کا کرے اور تنخواہ کے وقت آحاضر ہو۔ نہیں بلکہ جو شخص آقا کے اذن میں ہے، خوش دل مزدور ہے، تندہی سے اُسکے احکام کی تعمیل کررہا ہے، اُسکی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہا ہے، شبانہ روز اطاعت میں مصروف ہے اُسکے لئے آقا کو دمبدم سراہتے رہنا بھی ضروری نہیں، اُسکو ملنے کے بعد سلام کرنا بھی **مخلِ عبادت** ہے، اُسکا ہر وقت کلمہ پڑھتے رہنا بھی ملازمت میں **حارج** ہے، اُسکو ایک ایک کہتے رہنا بھی عبث ہے، مضحکہ انگیز ہے، مسخرہ پن ہے! اُسکے ہاتھ پاؤں کی حرکت، اُسکے گھر کی جھاڑ پونچھ، اُسکا آقا کی اشیا کو درست رکھنا، اُسکی تگ و دو، دوڑ دھوپ وغیرہ وغیرہ سب اس بات کی حتمی **شاہد** ہیں کہ وہ "**ایک**" خواجہ کا ملازم ہے، "اشہد ان لا مولیٰ الا ھو" کا مصداق ہے۔ اس سے بڑھکر اُس آقا کی توحید کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں! ارادت یا عقیدت کے اظہار کے لئے احیاناً نوکر کا سلام کرنا بھی ضروری ہے اُسکے حضور میں حاضر ہوکر نہایت عجز اور محبت سے، اخلاص اور ولولے سے کچھ مُنہ سے کہہ دینا بھی ضروری ہے، یہ بھی صحیح خدمت ہے، محرکِ اعضا ہے، تگ و دو کے حوصلے بڑھاتا ہے، آقا سے ارادت پیدا کرتا ہے، اُسکو اور خوش کرنے کا ایک عجیب و غریب نسخہ ہے، نہیں یہ بھی ایک نقطۂ نظر سے اُس نوکر کی ملازمت اور بندگی، اُسکی غلامی اور عبادت کا ایک جزو **خفیف** ہے ادنیٰ سا مگر بہر نوع **ضروری** حصہ ہے مگر یہ سلام سلام بھی اُسیوقت سجتا ہے جب کہ نوکر اپنے مالک کے پیہم اذن میں ہو

دن رات اُسیکا کام کرتا رہے، اُسی کی خدمت کرتے کرتے گھِستے ہاتھ چند لمحوں کے لیئے "غریب پرور" اور "بندہ نواز" بھی کہہ جائے۔ کامچور اور حرامخور نوکر کے لیئے یہ ہر وقت سلام کرتے رہنا، یہ دمبدم ہاتھ باندھکر کھڑے ہوجانا یا مودّب سرو قد ہوجانا پرلے درجے کی گستاخی اور بدمعاشی ہے، نہیں بلکہ غلام کارکُن ہو یا ناکارہ کوئی آقا اس پیہم سلام کو قطعًا پسند نہیں کرتا اور لبا اوقات کام کو سلام پر چند در چند ترجیح دیتا ہے۔ اُسی شخص کو بہتر سمجھتا ہے جس کا کام اُسکے زبانی جمع خرچ سے کئی گنا زیادہ ہو، جو کرتا رہے اور کم گو ہو۔ مالکِ زمین و آسمان کی **توحید** کا بھی بعینہ یہی انداز ہے، قطعًا یہی رنگ ہے، یہی ابتدا اور یہی انتہا ہے۔ یہ اُسکی ملازمت میں ہاتھ پاؤں کا عمل کرتے رہنا ہی سچی عبادت ہے، یہی اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ (رج ۲۲) کے صحیح معنی ہیں، یہی شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (رج ۲۲) بننا ہے، یہی اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ کا واحد مطلب ہے، یہ اُسکی اطاعت میں دُکھ اٹھانا ہی سچا **دین** ہے، یہی فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (زمر ۳۹) کا سچا مفہوم ہے، یہی جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (رج ۲۲) کے ٹھیک معنی ہیں، نہیں یہ خوشدل مزدور بنے رہنا اور ماتھے پر بل نہ لانا ہی مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (رج ۲۲) کا واحد مقصود ہے، یہی مسلم اور مطیع بننا ہے، یہی اسلام اور ایمان ہے! مُصلّاؤں پر بیٹھکر اللہ اللہ جپتے رہنا، کملیاں اوڑھ کر گوشوں میں اونگھنا اور تکلیف دہ احکام سے تجاہل عارفانہ کر کے اُن کو ٹالتے رہنا، ہاتھوں اور پیروں سے عمل سے گریز کرنا، اور دل کے اندر ایک لاکھ بتوں کی انجمن لگائے رکھنا میرے نزدیک قطعًا کوئی عبادت نہیں، کوئی توحید نہیں، عبادت کا دسواں بلکہ لاکھواں حصہ نہیں، نہیں بلکہ ریاکاری اور مکّاری ہے، شرک اور کفر ہے، خدا کو قطعًا ناپسند ہے، کامچوری کے ڈھنگ میں نفس کو دہوکا دینا ہے: وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (حدید)۔ خدا کو انسان کی وہی حاضری پسند ہے جو کسی نتیجہ خیز **عمل** کے بعد ظہور میں آئی ہو، وہی ابتغاء رضوان اللّٰہ کے تحت میں آسکتی ہے جو کسی کام کر لینے کے بعد واقع ہوئی ہو۔ جو نعمت اور انعام کے حصول کے لیئے ہو، جو شاباش لینے کی تڑپ میں از خود پیدا ہوگئی ہو، ناکارہ اور بے عمل، بھگوڑا اور کاہل الوجود نوکر آقا کے حضور میں کس مُنہ سے جائیگا، وہ کس

۴۰ ابتغاءَ رضوانِ اللّٰہ کی تشریح قرآن حکیم نے ایک دوسری سورۃ پر اس طرح کی ہے، وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (اللیل ۹۲) [illegible] (بقیہ صفحہ ۹۱)

سنگی پر منہ دکھلاتا پھرے گا۔ اگر اُس نے کچھ کام نہیں کیا تو اُسکی حاضری بھی عبث ہے، اسکی رہبانیت بھی لاطائل ہے۔ مالک کی رضا جوئی کے لیے قطعاً نہیں، نہیں بلکہ اُسکو اُس طیش میں لانے کا عمدہ بہانہ ہے! قرآن کی **اَلصَّلٰوۃ** صرف ایک نوکر کا پنجوقتہ **سلام** ہے، ایک کارکن خادم کی اچانک اپنے مالک کے حضور میں حاضری ہے، ایک نعمت کے حصول کی عرضداشت ہو (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (فاتحہ))، کسی ترقی تنخواہ کی غرض معروض ہے، کچھ قربِ شاہ کے باعث حوصلہ افزائی کا سامان ہے، کچھ خدمت کے سوئے ہوئے جذبے کو بھڑکانے کا وسیلہ ہے، کچھ تھکے ہوئے اعضا کو پھر تروتازہ کرنے کا ذریعہ ہے، کچھ آقائے نامدار کے ساتھ اپنی ارادت کو تیز کرنے کا اظہار ہے، یہ سب کچھ ہے مگر **عبادت** قطعاً نہیں۔ خدا کی 'عبادت' فی الحقیقت ان پانچوقتوں کے **بعد** شروع ہوتی ہے، وہ اسوقت ہورہی ہے جب مصلّاؤں سے اُٹھکر لوگ احکامِ خدا کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں، جب ہاتھ اور پاؤں **سعی و عمل** (۱) میں مصروف ہوتے ہیں، جب تن آسانی کے **بُت** کو توڑکر زنگ دور کی جاتی ہے، جب وراثت زمین کے نصب العین کو پیش نظر رکھکر سب اعضا وقفِ عمل ہوجاتے ہیں، جب نفس کے بُت کو زیر کرکے نادار کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے، جب محبت مال کے بُت کی پرواہ نہ کرکے خدا کی راہ میں **جہاد بالمال** (۲) ہوتا ہے، جب حُبِّ اولاد کے بُت سے بے نیاز ہوکر حکم خدا سے سفر ہوتا ہے، جب مکانوں اور باغیچوں کے بتوں سے تعلق توڑکر خدا کے اشارے پر **ہجرت** (۳) ہوا کرتی ہے، جب نفس پسندی کے بُت کو توڑکر **جہاد بالسیف** (۴) کیا جاتا ہے، جان کھچ کھچکر حلق تک پہنچتی ہے اور خدا یاد آجاتا ہے، جب کبر و نخوت کے دیو کو رام کرکے **امیرِ جماعت** کی **اطاعت** (۵) میں سر جھک جاتے ہیں، جب فرقہ پسندی کے طاغوت اور خودرائی کے دجّال کو جہنم میں جھونک کر لوگ متحد ہوجاتے ہیں، توحید کو عملاً مان کر **اُمّت** میں **وحدت** (۶) اور یکسوئی ہوجاتی ہے، تُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ (مائدہ) کا شیطانی وسوسہ اَللّٰہُ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (انفال) کے ربانی عمل سے بدل جاتا ہے، شرک کی پیدا کی ہوئی تفریق **توحید** (۷) کی پیدا کی ہوئی **توحید** سے بدل جاتی ہے! عبادت خدا کا وقت درحقیقت وہ وقت ہے جب اعمال خدا کے **علم** (۸) کی تلاش میں مشرق اور مغرب ایک کردیئے جاتے ہیں، جب خدا کو جاننے اُسکی

(بقیہ صفحہ ۹) [illegible] الارض [illegible]

عظمت اور حکمت کا برای العین اندازہ لگانے، اُسکی معرفت اور شناسائی کے مدارج عُلیا تک پونہچنے کے لیے اُسکی بنائی ہوئی اشیا کی **معرفت** جزو دین بنجاتی ہے، جب **حسن اخلاق**(۹) اور مسامحت عدل اور احسان، ایفائے عہد اور اخوت، رحم اور رافت کی ربانی بزرگیاں ہر متنفس کا عین ایمان اور عین اسلام بنجاتی ہیں، ہاں حاکی عبادت فی الحقیقت اُس وقت ہو رہی ہے جب وہ جزا کے یقین پر اور یوم **آخرت**(۱۰) پر ایمان کے باعث بندۂ خدا اپنے تن کو من کو، دھن کو اُس آقائے نامدار اور اُس مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی خوشنودی اور خدمت میں قربان کردیتا ہے مہینے کے **اخیر** پر تنخواہ ملنے کی امید میں مہینہ بھر جان لڑا دیتا ہے، یہیں اس چار دن کی زندگی کے ختم ہونے پر ابدالآباد تک الجنۃ کے حقدار ہونے کی توقع میں اپنے آپ کو پیہم دُکھ، مسلسل تکلیف اور متواتر سعی و عمل میں مشغول رکھتا ہے عبادت کا سچا اور **صحیح** مفہوم یہ ہے، یہی **توحید** ہے، یہی اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (آل عمران) کے ناقابل انکار معانی ہیں یہی لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا (آل عمران) کا واحد مطلب ہے، ایسی عبادت وقت اور مقام، قوموں اور قعدوں، رکعتوں اور رکنوں سے قطعاً مستغنی ہے، فجر اور ظہر، عصر اور مغرب، عشاء یا اشراق، مسجد یا خانقاہ سے اسکو کچھ واسطہ نہیں یہ ایک پیہم اور مسلسل **عمل** ہے، چند لمحوں تک کھڑا ہونا یا بیٹھ جانا اسکو ادا کرنے کا اسلوب نہیں قرآن کی بتائی ہوئی الصلوٰۃ اگر کسی معنوں میں داخل عبادت ہے تو اسلیئے کہ یہ بھی اور بیسیوں حکموں میں سے خدا کا **ایک حکم** ہے اور بنا بریں اس فرض کا ادا کرنا بھی اور حکموں کی طرح شامل خدمت ہے یا اگر وہ داخل عبادت ہوسکتی ہے تو اسطرح پر جسطرح کہ ایک نجار یا معمار کا اپنے اوزاروں کو چند لمحوں کے لیئے تیز کرلینا دن بھر کی مزدوری میں شامل ہے۔ اگرچہ مستاجر کی اصلی غرض معمار سے مکان تیار کروانے کی ہے اس سے کمتر کچھ نہیں، وہ اسی بات کو پیش نظر رکھکر اوزاروں کو تیز کرنا بھی ملازمت اور مزدوری میں شامل کرلیتا ہے اور اسکو نوکری کا ایک جزو سمجھتا ہے۔ لیکن جو نجار تمام دن ہتیار تیز کرنے میں صرف کردے اور کام کرنے سے گریز کرے، ایک کیل نہ ٹھونکے، ایک تختے کو صاف نہ کرے، ایک شہتیر کو موقع پر نہ لگائے، وہ مستاجر کے نزدیک کامچوری کر رہا ہے بلکہ اس بدمعاشی کی اُجرت مانگنا ہی گستاخی ہے۔

(۱۰) دین اصلی جس پر مکمل بحث اسی کتاب میں ہو چکی ہے۔ دین اسلام کا اصل یہی عنصر مستور ہے، اسی پر ایمان کا دارومدار ہے (دیکھو اشاریہ صفحہ ۹۰ - ۹۶) اس پر مکمل بحث میں قریب آئے گی۔

پس میرے نزدیک اصل عبادت عمل اور صرف عمل ہے۔ نری پنجوقتہ نماز پڑھ لینا قطعاً کوئی عبادت نہیں، آقا کی ملازمت اور عبادت کا پہلا محرک آقا سے تعلق لگائے رکھنا ہے، اور اس تعلق کو مستحکم کرنے کا عمدہ ذریعہ الصلوٰۃ ہے۔ پس اگر کوئی نماز خدا سے لگاؤ پیدا کر کے اُسکی خدمت اور عبادت نہ کرائے، اُس کا ذکر، اس کا کھٹکا، اُسکی یاد، اُس پر پس پردہ یقین، اُس پر **ایمان بالغیب** پیدا کر کے اُسکے دئیے ہوئے حکموں کی تعمیل پیہم نہ کراتی رہے تو وہ ایک بیکار ہتیار ہے، نہیں بلکہ اُس کا **رف** مار کھٹکے اور ڈر کا پیدا ہو جانا ہی **اصل** مقصود ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ† (عنکبوت)۔ نماز بجائے خود مقصود بالذات نہیں۔ الصلوٰۃ صرف اُسوقت ایک موثر اور بکار آمد ہتیار ہے جب اُسکو پنجوقتہ ادا کرنیسے دلوں کے تنگ اور بغض سے بھرے ہوئے حجرے پہنائے زمین و آسمان کیطرح فراخ ہوتے جائیں، جب سب نمازیوں کے دلوں میں محبت اور رافت کی ایک نہر سلسبیل پیہم دوڑتی رہے، جب مسلمانوں کی عالم آرا اُمت میں باہمی **اتحاد** کی مشترک جنبشیں اور **خوفِ خدا** کی مشترک لرزشیں ہر آن پیدا ہوں، جب مساوات اور اخوت کا آسمان شکن زور اُمت کے ہر رگ و پے میں ہر وقت جاری رہے، جب اطاعت امام کو در اصل **اطاعت امیر** کی ایک پیہم یاد دہانی سمجھکر پوری اُمت ایک امیر کے اذن میں سر بکف اور تیغ بر بر پھرتی رہے، جب اس پنجوقتہ اجتماع کو **الٰہی فوج** کی اپنے سپہ سالار کے حضور میں پنجوقتہ **پیشی** سمجھکر ہر مسلمان ہر وقت **سپاہی** بنا رہے، جب تمام جماعت کے متفقہ رکوع و سجود کو **نظم و نسق** کا خدائی سبق اور اطاعت اولوالامر کا جرنیلی حکم سمجھکر ہر مسلمان کی گردنیں رسول خدا کے سچے جانشین اور اُمت محمدیہ کے سچے **قائد اعظم** کے آگے ہر دم جھکی رہیں۔ ہاں الصلوٰۃ صرف اُسیوقت الصلوٰۃ ہے جب اس سے انہاء عن الفحشاء والمنکر ہوتا رہے، جب خدا کے نزدیک انسان کی سب سے بڑی یعنی تفرقہ نفاق کی بدی (المنکر) کا نام و نشان باقی نہ رہے، جب اس پنجوقتہ صحبت کو اتحاد عمل کا ایزدی سبق یقین کر کے عداوۃ اور بغضاء کا طاغوتی بت ہر لحظہ ٹوٹتا رہے، جب خدا کے نزدیک انسان کا سب سے بڑا یعنی تنگی قلب، تھڑ دلی اور بخل کا عیب (الفحشاء) دلوں سے معدوم ہوتا ہے، کوئی شئے، کوئی نماز گذار کسی مسلمان سے دریغ نہ کرے، بڑی سے

---

† ذکر خدا کے اکمل معلوم کی تفہیم و تشریح اصل کتاب صفحہ ۲۳ ۲۲۲ کے تحت [illegible] اور ان آیات کا صحیح مفہوم صفحہ ۹ ۲ پر واضح کر دیا [illegible] کے [illegible] دیکھو اصل کتاب صفحہ ۴۷

بڑی سماحت، بڑے سے بڑا ایثار، بڑی سے بڑی رواداری بھی کسی فرد پر گراں نہ گذرے نہ یہ کہ نماز پڑھ پڑھ کر اور ریا کر کر کے دل اسقدر تنگ، خیالات اسقدر کمینے اور حوصلے اسقدر پست ہو جائیں کہ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (ماعون) کا مصداق بنے! (فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ (ماعون)

قرآن کی الصلوٰۃ ان سب بیماریوں کی قاطع ہے، ان سب مرض اور متعدی، طبعی اور جبلی امراض کیلئے اکسیر اعظم، انسانی اخلاق کی اس دل آویز تعمیر کے لیے بہترین اوزار ہے۔ إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ (معارج)۔ نہیں **جنات زمین کی بادشاہت** حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ ہے (وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنتُم بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (مائدہ)۔ اسکا پیدا کیا ہوا ملکوتی اخلاق، اسکے ذریعے سے پائی ہوئی قوت، اسکی وساطت سے حاصل کیا ہوا غلبہ بلاشبہ **عبادت** ہے، خدا کی **نوکری** ہے، رب العلمین کی **بندگی** ہے، مگر وہ آپ داخل عبادت نہیں۔ **اوزار** کو مزدور کے دن بھر کا کام سمجھنا یا اوزار رکھ کر مستاجر سے اُجرت طلب کرنا حماقت ہے، بیکار اوزار یا کاہل مزدور سے اُجرت کمانے کی امید رکھنا عبث ہے، اور جو قوم نماز کی روزانہ چند اُٹھک بیٹھکیں یا بے روح رکوع وسجود کر کے اپنے آپ کو عابد خدا تصور کر رہی ہے اسکی کم عقلی اور ناخدادانی کا جسقدر ماتم کیا جائے کم ہے!

بعینہ یہی حال میری دانست میں اور اسلامی مناسک کا ہے۔ زکوٰۃ، حج، صوم، کلمہ شہادت سب کا یہی منتہے ہے، یہی غرض وغایت اور یہی پیش نہاد ہے۔ **زکوٰۃ** میرے نزدیک صرف **جہاد بالمال** ہے، **پیہم جہاد** مال ہے، اُمت کی **تقویت** کیلئے جہاد بالمال ہے، قوم کی **بہتری** کے لیئے جہاد مال ہے، کسی اہم غرض

٭ مطالعہ کے لیے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۲۵۲ ٭

ومقصد کے لیئے جہاد و مال ہے، **شبانہ روز** جہاد و مال ہے، **حتی الوسع** جہاد و مال ہے؛ (یسئلونک ماذا ینفقون ۵ قل العفو (بقرہ))، نہیں **کامل** جہاد و مال ہے؛ (ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و **اموالھم** بان لھم الجنۃ (توبہ))، ابوبکرؓ **صدیق** کا **پورا** جہاد و مال ہے، **عمرؓ** کا **آدھا** جہاد و مال ہے، **تصدیق دل** اور **تثبیت نفس** کا پیدا کیا ہوا جہاد و مال ہے، **صدق** قلب اور **رضائے خدا** کا پیدا کیا ہوا صدقہ مال ہے، اُمت کے نوخیز چمن کی محبت اور محنت سے آبیاری کر کے روکش جنان بنا دینے والا جہاد و مال ہے؛ (ومثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فاتت اکلھا ضعفین فان لم یصبھا وابل فطل واللہ بما تعملون بصیر (بقرہ))۔ **خدا** پر **من** و **احسان** رکھ کر دیا ہوا یا بعد میں دل کے اندر دکھ اور **اذیت** محسوس کرنے والا اور پچھتاوے سے دیا ہوا جہاد و مال نہیں؛ (الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (بقرہ))، صرف ماہ رجب کا جہاد و مال نہیں، نرا فقہی اور شرعی چالیسویں حصے والا جہاد و مال نہیں، بھک منگوں اور کاہچوروں کو فروغ دینے والا جہاد و مال نہیں۔ ہاں زکوٰۃ میرے نزدیک **بیت المال** میں جمع ہونیوالا جہاد و مال ہے، منظم اور مرتب جہاد و مال ہے، توپوں اور تلواروں، جہازوں اور طیاروں والا جہاد و مال ہے، مجاہدوں کو سرتاپا لیس رکھنے والا، اُن کو گدیہ گرنہ بنانے والا، اُنکو سوالی بننے سے مستغنی کرنے والا، اُمت کے ہر طبقے سے مسکنت کو دور کر کے مسکین کو تنومند بنانے والا، مسافر کی آؤ بھگت کر کے عالم آرا اخوت پیدا کرنے والا، غلاموں کو آزاد بنانے والا، مقروضوں کو بے عزت نہ کرانے والا، دشمن سے **جہاد بالسیف** کر کے دنیا میں غالب رکھنے والا جہاد بالمال ہے، مشت ناک کی طرح ہواؤں میں بکھیر دینے والا، اور گھر پھونک تماشہ دیکھنے والا جہاد و مال ہرگز نہیں! (انما الصدقات للفقراء والمسٰکین والعٰملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم (توبہ))۔ انفاق مال کے لیے میری نگاہوں میں وقت اور مقدار کی قطعاً کوئی بندش نہیں، وہ بھی اور عبادات کی طرح کی ایک پیہم عمل ہے، تطہیر قلب اور تزکیہ نفس کا

✤ غزوہ عسرہ کے ایام میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا اسباب سب رسولؐ خدا کے ...... برلاکر ڈال دیا اور حضرت عمرؓ نے نصف پیش کر دیا، اُسکی طرف اشارہ ہے۔

بڑا ذریعہ ہے (خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ))، حُبِّ مال کے لم یزل اور لایموت بُت کو توڑتے رہنے کا عمدہ اوزار ہے، جو شخص اسکو حتی الامکان اور ہر آن نباہ رہا ہے وہ فی الحقیقت **توحید** کو نباہ رہا ہے جو اس سے گریز کر رہا ہے وہ دراصل اپنے قلب کے اندر **شرک** کا ناقابل عفو شائبہ پیدا کر رہا ہے، قوم کی بری عاقبت اور بد انجام سے غافل ہے، روزِ آخرت کے نیک اجر سے **منکر** ہے، (يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۔ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (حٰم السجدہ))۔ اُمّت کی اجتماعی شکست اور محکومیت کے روزِ بد سے بے نیاز ہو چکا ہے، اپنے آپ سے دراصل بُخل کرکے اپنی جماعت کو موت کے گھاٹ اُتار رہا ہے، (هٰاَنْتُمْ هٰؤُلَاۤءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۤءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ (محمدؐ))۔ شرعی ماحول اس اسلامی شعار کے گرداگرد کچھ کا کچھ پیدا ہو جائے، لیکن زکوٰۃ بہر نوع مسلمان قوم کی اپنی ہی **بہتری** اور **حفاظت** کے لئے ہے، خدا اس روپے پیسے سے قطعاً بے نیاز ہے۔

حج کا اسلامی شعار میری نگاہوں میں صرف وحدتِ اُمّت اور اتّحاد کا ایک عظیم الشّان مظہر ہے، صرف تمرکز اور اجتماع کا ایک بے مثال پیکر ہے، اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا (بقرہ) کو عمل میں لانے کا صحیح اور کارگر ذریعہ ہے، يَاْتُوْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (حج) کے ولولہ انگیز منظر کو پیدا کرنے کا واحد وسیلہ ہے، مشترک آقا کے مشترک خوف کو اُمّت کی ہر رگ و پے میں جاری کر کے سب کو **ایک** کر دینے کا مؤثر اوزار ہے، (لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ **التَّقْوٰى** مِنْكُمْ (حج))، اس سے کمتر یا زیادہ تر کچھ نہیں۔ خدا کی نظروں میں مشرق اور مغرب سب ایک ہیں (قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (بقرہ))، اسکی نگاہوں میں روئے زمین کی ہر اُمّت کا کوئی نہ کوئی مرکز ہے (وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا (بقرہ))، کوئی نہ کوئی مرجع، اور ایک نہ ایک مآب ضرور ہے، نہیں بلکہ ہر قوم کا اپنے خدا سے تعبّد اور تعلق کا طریقۂ اظہار بھی خود اُسی نے مقرر کیا ہے (لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ (حج))، پس اگر حج سے میری نظروں میں دراصل کچھ مقصود ہے تو یہی لازوال عصبیّت اور ناقابلِ شکست **اتّحاد** ہے، یہی اس وسیع زمین

جن آیات سے ایسے ہیں جو الفاظ اخذ ہوئے ہیں ان کی تمام تشریح ... رسائل کتاب صفحہ ۱۳ ... میں دیکھ لینی چاہئے تاکہ آمدہ مطالب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

غالب اور لاشریک بن کر رہنا ہے، یہی اِس وَادٍ غَیْرِ ذِی زَرْعٍ کو یُجْبٰی اِلَیْہِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیْءٍ (قصص) کا ہر زمانے میں مصداق بنا کر رکھنا ہے، ایک بے آباد اور بے آب سرزمین کو مالکِ من و آسمان کا مقرر کردہ مرکز قرار دیکر پروانہ وار اُسکے گرد یوں رہنا، اور زہرہ گداز سعی و عمل سے اُسکو رشکِ ارم بنا کر یوں رکھنا ہے کہ لنڈن اور پیرس بھی اُسکی شان و اُبہت اسکے جاہ و جلال کے بالمقابل عرقِ شرم میں پڑے ڈوبتے رہیں۔ اگر مسلمانانِ عالم نے اِس خدا کے مقرر کیئے ہوئے مرکز کو آسمان شکن اعصاب کے زور پر یہ کچھ نہیں بنایا تو اُنھوں نے فی الحقیقت حج کے الٰہی مقصود کو نظر انداز کر دیا، وہ "فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ" کی الٰہی بُرہان اور آسمانی منطق تک کچھ نہیں پہنچے، وہ منعم لم یزل کے بہترین اجتماعی انعامات (الخیرٰتِ) کیطرف ہرگز نہیں لپکے۔ اُنھوں نے حرما من رسنا کے لاہوتی فلسفے کو قطعًا نہیں پایا، اُنھوں نے حفظ وطن کی لشکر انگیز تڑپ کچھ پیدا نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ آج وہ **بلد امین** اُن سے چھن کر لنڈن اور پیرس کے مستحق عاملوں کو دیا جا رہا ہے، ایک عالم آرا اُمت کی آبرو، حیا، شرم، غزت، موت، حیات العرض سب کچھ اب **غیر** کے ہاتھ میں ہے۔ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ (محمد) کا الناک منظر پیدا ہو چکا ہے، ایک عصمت مآب خاتون کی **عفت** پر دوسروں کا قبضہ ہے۔ اس نصب العین سے پرے ہٹ کر حج کے فریضے کو علی الحساب ادا کرنا، یا حجرِ اسود کو چومنے کی خاطر چومنا میرے نزدیک فی الحقیقت بُت پرستی ہے، ایک عبث اور بے نتیجہ کام ہے، کروڑ در کروڑ ستاروں کے مالک خدا کو بیت الحرام کا "مکین" سمجھکر پھر اسکی حفاظت نہ کرنا، اُسکو فی الحقیقت بلد امن نہ بنانا، یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (عنکبوت) کے منظر کو پیش نظر رکھکر اُسکو کم از کم اسقدر مامون و مصون نہ بنا دینا جسقدر کہ لندن اور برلن ہے، اور با ایںہمہ عمر کے آخری حصے میں اپنے بلغم سے بھرے ہوئے وجود کو عصا کے سہارے آستانۂ خدا پر پہنچا کر حج کے فرض کو ادا کیا ہوا سمجھنا، میری نگاہوں میں پرِ کاہ کے برابر **عمل** نہیں، **عبادت** قطعًا نہیں، **توحید** قطعًا نہیں! صوم بھی میرے نزدیک صرف ایک جہادِ نفس ہے۔ صرف نفسِ امارہ کے دیو کو تیس دن تک تکلیف دے کر سال بھر کیلئے کمزور کرنا ہے، صرف خواہشات نفسانی کے زور کو کم کر کے زور آور بننا ہے، محض صبر و استقلال ہے، خدا کے

﴿ الخیرات کے صحیح الٰہی مفہوم کے متعلق دیکھو اصل کتاب کا ملخص صفحہ ۱۳۴ تا ۱۴۷

مسترک خوف کو دلمیں جاگزیں کرکے متحد بنے رہنا ہے (کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ) ، لذیذ کھانوں کے بت کو توڑ نا ہے، جوع البقر کے دیو کو رام کرنا ہے، ہاں توحید کیطرف ایک قدم ہے، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ پر **عمل** ہے۔ کوئی آسمانی تقدس، کوئی دم مزن حکمت، کوئی لب کشا راز اسکے ماسوا اس عمل کی تہ میں مخفی نہیں۔ اس دنیائے سعی و عمل اور کائنات شرط و جزا کے اندر ایک قوم کی قوتوں کو برقرار رکھنے، اسکو موحد بنا کر زور آور اور غالب بنانے کا عمدہ ذریعہ اور بہترین اوزار ہے۔ جو قوم ان عظیم الشان اسلامی شعائر کو اس عظیم الشان حکمت کا حامل سمجھکر اسپر عمل کر رہی ہے وہی **اصل دین** اور **قانون خدا** کو پکڑے ہوئے ہے، وہی حقیقت کے راہ راست پر جا رہی ہے، وہی صراط مستقیم پر ہے۔ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ، سب کے سب اگر **ارکان اسلام** ہیں تو فقط انہی معنوں میں ہیں، انہی معنوں میں **قانون خدا** کی عظیم الشان عمارت کو **تھام** رہے ہیں، انہی معنوں میں **دین فطرت** کے قواعد ہیں، **توحید** کے علم بردار اور حبنات زمین حاصل کرنے کے اوزار ہیں۔ اسکے ماسوا ان کی کچھ غرض و غایت خدا کے نزدیک ہرگز نہیں!

پس اصل دین میرے نزدیک **توحید** ہے اور توحید قلوب کے اندر پیہم بت شکنی کرتے رہنا ہے، یہی عبادت خدا ہے، صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ کو رسمًا اور عادتًا یا تعظیمًا ادا کر لینا یا کلمۂ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعًا کوئی عبادت نہیں۔ عبادت میری سمجھ میں اُسکی ہو رہی ہے جسکے لیئے **عمل** ہو رہا ہے، جسکی خاطر تکلیف اُٹھائی جا رہی ہے! اگر ایک شخص کے ہاتھ پاؤں کسی نفسانی غرض کی خاطر حرکت میں آ رہے ہیں، اگر کسی شئے کی لَو اسقدر لگی ہے کہ اُسکے لیئے ہر طرح کی تکلیف گوارا ہے، نیند حرام ہو گئی ہے، شبانہ روز اضطراب ہے، اگر ایک شخص کسی پیر یا ولی کے پیچھے لگا ہے، اُس سے ارادت یا تعبد ہے، اُسکے حکم پر اُٹھتا بیٹھتا ہے، اُسکے اشاروں پر عمل کرتا ہے یا اولاد کی محبت میں مستغرق ہے، دن رات اُنکی خدمت میں مصروف ہے، یا انگریز سے اعتنا کرتا ہے اور اُس سے بیم و رجا کے لوازم پیدا کر لیئے ہیں تو میری دانست میں وہ شخص اُس نفسانی غرض، اُس شئے، اُس پیر، اُس انگریز کی عبادت کر رہا ہے (وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا

* لفظاً معنیً وحدت اُمت کا تکرار اس میں ہے یک اصل کتاب تحت اصل صفحہ ۱۵ ۔ ** صفحہ ۹۴ کی سورۂ مائدہ والی آیات کی طرف اشارہ ہے۔

اَسَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ (بقرہ)، وہ اُنکو خدا کے بالمقابل نِدّ اور **شریک** بنائے ہوئے ہیں۔ زمین پر سر رکھکر اُنکے آگے سجدہ کرنا عبادت کے مقرّر ہونیکے لئے کچھ ضروری نہیں خود اُسکے ہاتھ پاؤں، اُٹھنا بیٹھنا، محنت اور تکلیف اِس امر کے پیہم گواہ ہیں کہ اُس کا معبود و مخدوم وہی ہے: اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ يَّهۡدِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ۝ (جاثیہ)، وہی اُسکا اِلٰہ ہے، وہی حقیقت میں خدا ہے، اِس حالت میں خدائے عزّوجلّ کی پنجوقتہ نماز پڑھ لینا یا حج، صوم، زکوٰۃ کا چھدّا سا اُتار دینا بھی کچھ معنی نہیں رکھتا۔ سجدہ اُسیکا ہے جس کا تعبّد ہو رہا ہے۔ دس یا بیس یا ایک سَو سجدوں کا آسان عمل چند لمحوں کے لیئے کر کے باقی وقت غیروں کی اطاعت میں صرف کر دینا اور بعد ازاں عبودیتِ خدا کا دعوٰے کرنا میری نگاہ میں ازبس مضحکہ انگیز ہے۔ نہیں بلکہ ایسا سجدہ فی نفسہٖ بے معنی ہے، ایسی نماز ہو یا نہ ہو خدا کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی بعینہٖ اسی بنا پر اگر کوئی فرد یا قوم اپنے **اعمال** میں خدا کے احکام پر چل رہی ہے، اُسکے قانون کی عملاً مطیع ہے لیکن رسمًا یا عادتًا یا رواجًا کسی بُت، کسی پتھر، کسی شمس و قمر کے آگے ماتھا ٹیکے ہی ہے تو وہ درحقیقت **خدا کی عابد** ہے اگرچہ اُس کا اِس پتھر کے آگے ماتھا ٹیکنا ایک فعلِ عبث ہے، اور عابدِ خدا قوم کیلئے یہ ظاہری سجدہ بھی فی الحقیقت اُسی خدا کے آگے ہونا چاہیئے لَا تَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَلَا لِلۡقَمَرِ وَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِىۡ خَلَقَهُنَّ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ۝+ (حٰم السجدہ)۔ پتھر کی رسمی پرستش یا خدا کے آگے رسمی سجدے کر لینے سے کسی قوم یا فرد کے عابدِ خدا یا عابدِ ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، اُسکے مشرک یا موحّد بن جانے کا محاکمہ طے نہیں ہو سکتا۔ **عبادت** کا فیصلہ **عمل** اور صرف **عمل** پر ہے۔ اِس بات کو دیکھنا ہے کہ کِس کے احکام کی تعمیل ہو رہی ہے، پھر جسکے حکموں پر عمل ہو رہا ہے، اُسیکی عبادت ہو رہی ہے! اگر خدا معبود ہے تو وہ قوم **موحّد** ہے اگرچہ رسمًا پتھروں کو کیوں نہ پوج رہی ہو، یا قولاً خدا کو تین یا دس یا دس ہزار کہہ رہی ہو۔ اگر ماسوا کی عبادت میں لگی ہے تو وہ قوم **مشرک** اور **کافر** ہے اگرچہ رسمًا اور عادتًا خدا کے آگے سجدوں کے انبار لگا کر مکرر کر رہی ہو۔ اِس دنیائے کسب و عمل کے اندر جو شئے ضائع نہیں ہوتی وہ عمل ہے: اَنِّىۡ لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى ۚ (آل عمران)

+ اس آیت سجدہ کے مطالعہ کے لیے دیکھو اصل کتاب حب الشمس صفحہ ۱۰۱

نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور روزے ریا اور دکھاوے کے اور معناً شیطان کی عبادت کرکے ضائع ہو سکتے ہیں (فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (مریم)) مگر صحیح یا غلط عمل ایک ذرے کے برابر ضائع نہیں ہوتا (فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (زلزال)) **ظاہری قول** اس زمین و آسمان کے اندر بہر نوع کچھ شے نہیں، اور جو قوم صرف ظاہر کو پکڑے ہوئے ہے اور باطن کو اپنے آرام کی خاطر نظر انداز کر رہی ہے وہ درحقیقت خدا سے مکر کر رہی ہے۔ نہیں بلکہ اُسکے **کافر** اور **مشرک** خدا ہونے میں شک شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ (اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ (رعد) وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد))۔

اس عبادت خدا، اس توحید، اس ملازمت رب العٰلمین کا واحد منتہا میری نگاہوں میں بنی نوع انسان کی اپنی ہی بہتری ہے، سب سے پہلے اس دنیا کے اندر بہتری ہے، **قومی** اور **اجتماعی** بہتری ہے، **سیاسی** اور **اقتصادی** بہتری ہے **تمکّن فی الارض** ہے، **جنّات زمین** کی ملکیت ہے، ثابت اور غلبہ ہے، استخلاف فی الارض اور بقا ہے۔ آگے چلکر اُخروی بہتری بھی ہے، الحسنۃ بھی ہے مگر اس دنیا کے اندر اسکے ماسوا یا کمتر حتماً کچھ نہیں! جو قوم شب و روز اس "عبادت خدا" میں مشغول ہے، چوبیس گھنٹے ماسوا کے بتوں کو توڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہے، چوبیس گھنٹے اُس قانون پر چل رہی ہے جو خدا نے بتایا ہے، چوبیس گھنٹے کسی غیر خدا، کسی طاغوت، کسی شیطان، کسی بُت، کسی صنم، کا آرام دہ حکم نہیں مانتی، چوبیس گھنٹے اُن حکموں پر نہیں چلتی جن میں فوری مزہ نقد فائدہ، یک لخت اجر، معاً راحت، لیکن **بالآخر** نقصان اور **آخر ش تکلیف** ہے اور ہر لحظہ ان احکام پر عمل پیرا ہے جن میں فوری **تکلیف** اور بالآخر **راحت** ہے، جن میں گھڑیوں کا رنج اور گھنٹوں کا امن ہے۔

۹۰ ان آیات الٰہیہ کا مطلب اس سے سمجھا جا سکے ۔ [illegible] صفحہ ۱۱۳

وہ توحید پر بلا شبہ عامل ہے، وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (ملہ) پر عمل کر رہی ہے، وہ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ (ھود) پر صحیح معنوں میں چل رہی ہے، عابدِ خدا ہے۔ ایسی قوم کا اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنا اٹل ہے، متمکن فی الارض رہنا اٹل ہے، مستخلف فی الارض ہونا اٹل ہے، ہر مشرک اور آرام پسند، ہر کاہل اور شیطان پرست قوم پر غلبہ پانا اٹل ہے! ایسی قوم کے لیے **اتحادِ امت، اطاعتِ امیر، جہاد بالمال، جہاد بالسیف، ہجرت، ایمان بالآخرۃ، علم، استقلال** وغیرہ وغیرہ سب احکامِ خدا فی الحقیقت توحید کے لوازم ہیں، کسی نہ کسی **بت شکنی** کی تمہید ہیں، اور جو امت ان احکام پر تن دہی سے عمل پیرا ہے اس کا وارثِ زمین بنجانا قطعی ہے۔ اگر نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کسی عبادت کیلئے کہا تو اسی وارثِ زمین بنانے والی عبادت اور انہی معنوں میں تعبدِ خدا کے لیے کہا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرْکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (نوح)، اسی سیاسی تمکن اور اقتصادی نفع دینے والی ملازمت کے لیے کہا: یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْھٰرًا (نوح)۔ اگر ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو کسی عبادت کی طرف متوجہ کیا تو انہی معنوں میں تعبدِ خدا اختیار کرنے کے لیے کہا، اسی رحمتِ ایزدی کے موسلادھار مینہ برسانے والی چاکری کے لیے کہا، اسی نفع مند، اسی نتیجہ خیز، اسی قوت افزا اور غلبہ انداز توحید پر زور دیا، (وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ... یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ۝ (ھود)۔ اگر نبی آخر الزمان نے عرب قوم کو کسی عبادتِ خدا، کسی توحید، کسی اسلوبِ تعبد کیطرف راجع کیا تو مشترک خدا کی اسی مشترک عبودیت کیطرف کیا جس کا نتیجہ **وحدتِ امت** ہے، اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنا ہے؛ اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء)، اسی دنیاوی حالت کو بہتر بنانے والی، فضلِ خدا کو روز افزوں کرنے والی، بقا نصیب کرنے والی اور اجتماعی ہلاکت سے بیخوف و خطر کرنے والی عبادت کی طرف مائل کیا، اسی قوت انگیز

توحید اور لفعمت دچاکری خدا کی طرف اشارہ کیا جس کا نتیجہ تمکن فی الارض اور متاع حسنہ ہے، تسبیحوں اور سجدوں
راہبوں اور گوشہ نشینوں والی عبادت کے لیئے قطعاً نہیں کہا ۔ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنَّنِي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَ
بَشِيرٌ ‎﴿٢﴾‏ وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۖ
وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ (ہود)، اور اگر اس عبادت حدا' کا کوئی دنیوی انعام اور منطقی نتیجہ جتلا دیا
تو یہی اُسکی راہ میں جان کی متاع عزیز قربان کرنے کی **خدمت** کے عوض میں پہنانے زمین کے بر و بحر کی وسیع
بادشاہت پیش کردی ، يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ‎﴿٥٦﴾‏ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ
الْمَوْتِ ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ (عنکبوت)، بلکہ اسی **سعی و عمل** اور **استقلال** کے تسلسل میں اُخروی الجنۃ کا دائمی
امن بھی پیش کردیا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ‎﴿٥٨﴾‏ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ* (عنکبوت)، نہیں بلکہ جب جب سجدہ اور رکوع
بلکہ الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ کا ذکر کیا، عبادت کے استمراری عمل کو ان رسمی اور وقتی افعال سے الگ کردیا،† وَاسْجُدُوا لِلَّهِ
وَاعْبُدُوا (نجم)، وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ
وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ (انبیاء)۔ قرآن کی بتائی ہوئی عبادت' قانون خدا کا وہ پیہم اتباع ، اور توحید کے اصل اصول پر
وہ شبانہ روز مداومت ہے جس کا اٹل نتیجہ وراثت زمین ہے ؛ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ
يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ‎﴿١٠٥﴾‏ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ (انبیاء)، وہ دراصل سب ماخلائے خدا کی عبادت
سے الگ تھلگ ہو کر قانونِ خدا کی تعمیل میں اپنے اندر وہ سپاہیانہ مستعدی ، وہ اتحاد کا آسمان شکن زور ،
وہ یک مشتی کی ماحی عدو عصبیت پیدا کرنا ہے جسکا واحد نتیجہ فلاح دنیوی اور غلبہ ہے ، أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ (مجادلہ)۔ کسی قوم نے آجتک زمین کی بادشاہت نری تسبیحوں یا رسمی نمازوں یا گوشہ نشینیوں کے زور پر
حاصل نہیں کی ، اُسکا خدا اسے بیشتر اسلوب ورزا اوّل سے مقاتلانہ اور مجاہدانہ ہی رہا ہے ، دلوں کی پیہم بت شکنی اور
سعی و عمل پر مسلسل آمادگی ہی بہرحال قوموں کو اس مقام محمود پر ہمیشہ سے پونہچاتی رہی ہے ، جہاں جہاں اور جس قوم میں

---

* صبر اور توکل کے اصلی مفہوم کے لئے دیکھو چوتھی کتاب صفحہ ۱۱۸ و ۱۲۲ و ۱۲۳ و ۱۴۳ و ۱۵۹ و ۱۶۸ وغیرہ ۔ † اس موضوع پر ایک مفصل بحث اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۱۴۰ تا ۱۱۴۱ میں کی گئی ہے ۔

اہرمن کا نقش اثر کمزور اور یزدان کی محرک اعضا حکومت دلوں پر استوار ہو گئی ہے وہیں خلافت زمین کا انعام بارگاہ ایزدی سے بے دھڑک ملتا رہا ہے ! جہاں شیطان نے اپنے قدم جما کر اُمت کے قوائے عاملہ کمزور کردیئے ہیں، افراد کے اعضا میں آرام کا قاطع النّسل چسکہ لگا کر اُنکو محنت سے متنفر کردیا ہے وہیں محکومیت و ربلات کے انگارے پڑے دہک رہے ہیں۔ دنیا کے اِس کارگاہ رنج و محن میں یہی دو بڑی طاقتیں ہیں جو ایک دوسرے پیہم نبرد آزمائی میں مصروف ہیں۔ شیطان کا متمرد اور خدا سے برگشتہ ملک ہر جگہ اپنے طاغوتی مکر و حیل سے انسان کو نقد اجرت کی طمع دے دیکر اپنے دام میں پھنسانا چاہتا ہے، بنی آدم کی ضعیف الخلق پیدایش کو نوری آرام کی مہلک اعضا ترغیب و تحریص پیش کرکے تھپک تھپک کر سُلانے کے درپے ہے، اسکے قلب کے اندر دلفریب بتوں کی ایک بھری محفل لگا کر خدا اور اُسکے محرک اعضا احکام سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے کبھی آگے سے آتا ہے، کبھی پیچھے سے آ سرکتا ہے، کبھی دائیں سے آنکلتا ہے، کبھی بائیں سے آحاضر ہوتا ہے اور سعی و عمل کے صراط مستقیم سے ورغلاتا رہتا ہے، ممنوعہ درخت کی طرف بُلا کر اُسکو حفظ و امن کے "الجنّۃ" سے نکالنا چاہتا ہے : قَالَ فَبِمَآ أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝ (اعراف)۔ یہی وہ لازوال طاغوتی طاقت ہے جو ہر وقت اور ہر لحظہ انسان کے درپے ہے، اُسکو ہر دم اور ہر آن بہکا رہی ہے، لمحے لمحے کے بعد نیا بُت پیدا کر رہی ہے، توڑے ہوئے بتوں کو چشم زدن میں پھر جوڑ دیتی ہے، نئی نئی اور دلفریب مورتیں از سرِ نو پیش کرکے خدا کے بتائے ہوئے صراط مستقیم میں لاینحل مشکلات، لازوال رکاوٹیں، قدم قدم پر ٹھہر جانے اور خدا تک نہ پہنچنے کے سامان پیدا کر دیتی ہے، خدا کی راہ پر چلنے والے اور اُسکی عبادت اختیار کرنے والے شخص کیلئے شیطان کا اس زمین پر موجود ہونا ایک ابتلائے عظیم ہے، بلائے مسلسل ہے، شبانہ روز امتحان ہے! اُسکے لئے اُس کا مطلب اور صبر آزما خدا کو خوش کرنے کی سبیل یہی ہے کہ ہر دم اس مردود خدا کے بنائے ہوئے بتوں کو توڑتا رہے، راہِ خدا میں اس قطّاع طریق کے آراستہ کیئے ہوئے منظروں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے، اسکی ابلہ فریب آرامگاہوں کا کچھ خیال نہ کرے،

اِسکے عملے کے خوفناک فرش بتوں کی پس پردہ چتنکوں کو دھیان میں نہ لائے، (اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔(اعراف))، راہ خدا میں اُسکی یاد دلائی ہوئی تکلیفوں کی کچھ پرواہ نہ کرکے منزل مقصود تک پونہچنے کی سعی کرے، پیہم سعی و عمل کرکے اِس دُنیا کے اندر عزّ و تمکنت سے رہے، خلیفۂ خدا بنے، بادشاہ زمین بنے، نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کا مصداق ہو، تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل کرکے اپنے آپ کو خدا کا مماثل[*] ثابت کرے، مسجود ملائک ہو، مخدوم انام ہو، معبود انعام ہو۔ الغرض اس دربار احکم الحاکمین کی کسی صفِ نعال میں بیٹھنے کے قابل ہو جائے! بندۂ خدا اور عابد رب العٰلمین قوم کا اس زمین پر یہی کام ہے، یہی صراط مستقیم ہے: قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (حجر) جو قوم اس عبادت خدا، اس توحید کے صراط مستقیم، اس تلوار سے تیز اور بال سے سوا باریک "راہ" سے اِدہر اُدہر ہٹی اسکے لیئے اس دنیا میں اجتماعی جہنم ہے، محکومیت کا دوزخ ہے، غلامی کا سعیر ہے اور آگے چلکر ایک ایک کو جہنم ہے۔ (قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (ص)۔ عبد مخلص بن کر رہنا، اپنی تمام ارادت اور عقیدت کو خالصۃً اُسی کے لیئے وقف کرکے اُس کے تکلیف دِہ احکام پر عامل ہوجانا، محنت طلب خدا کو شبانہ روز محنت کرکے خوش رکھنا ہی وہ صراط مستقیم ہے جسکے سوا اس دنیا کے اندر کوئی دوسرا راہ راست موجود نہیں اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (زخرف) وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (زخرف))۔ اُس کارکن اور کار فرما خدا کے لیئے، نہیں اُس شاہد امتحان طلب کے لیئے اُسکے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے اشرف الخلق انسان کی ارادت اور محبت، اُسکی اطاعت اور عبادت کی آزمایش کی اِس سے بہتر کوئی سبیل نہیں کہ ایک **لایموت اور لم یزل طاغوتی طاقت** پیدا کرکے اِس زمین پر عمداً کھلی چھوڑ دے، جو اُسکے دیئے ہوئے احکام سے انسان کو ہر دم برغلاتی رہے، جو اُسکی راہ میں پیہم حائل ہو،

[*] عہد عتیق باب پیدائش میں کہا گیا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنا مماثل پیدا کیا۔

جو لمحے لمحے کے بعد اسکے قدموں کو متزلزل کرتی رہے! ایک مطلوب کے لیے طالب کی محبت کے امتحان کا اس سے بہتر کوئی اسلوب نہیں، جذبۂ دل کی تصدیق کا اس سے صحیح تر کوئی معیار نہیں، کھرا اور کھوٹا پہچاننے کی اس سے بہتر کوئی محک نہیں! صرف ربانی دعووں سے اطاعت اور ارادت، عشق اور ولا کا مقام قطعاً حاصل نہیں ہو سکتا؛ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۔ (عنکبوت)۔ اسکے لیے پیہم جہاد شرط ہے، جان کی پیشکش شرط ہے صبر اور استقلال شرط ہے؛ (وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰھِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ ۔ (محمد)۔ تمنائے موت شرط ہے؛ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ (جمعۃ)! اس صبر آزما اور فتنہ شعار خدا نے اپنی راہ رضا میں تاب گسل اور ابلہ فریب بتوں کا ایک جم غفیر کھڑا کر دیا ہے، اپنے اور انسان کے درمیان ہزار در ہزار حجاب آراستہ کر کے ہر پردے پر ایک عیار اور عشوہ گر حاجب بٹھا دیا ہے، ہر حاجب کو اشارہ کر دیا ہے کہ انسان کو حتی الوسع اس حجاب آرائے حقیقی اور اس منزل مقصود تک پونہچنے نہ دے۔ وحدت اُمت کے حکم کے بالمقابل عداوت اور بغضا کا بت؛ اطاعت امیر بالمقابل خود رائی کا بت؛ جہاد بالسیف کے مقابلے میں نفس پسندی کا بت؛ جہاد بالمال کے مقابلے میں حبّ مال کا بت؛ ترک وطن کے بالمقابل ہجر اولاد کا بت؛ الغرض ہر امر و نہی کے برخلاف ایک نہ ایک زبردست اور لا زوال مخالفت کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ شیطان کو نفس امارہ کے اندر اسقدر متمکن کر دیا ہے کہ قدم قدم پر لغزش کا سامنا ہے، انسان کو سمع و بصر اور قلب سلیم کی امانت عطا فرما کر اسکے لیے اس دنیا میں صحیح طور پر رہنا وہ دشوار کر دیا ہے کہ آسمان و زمین اس امانت کے بوجھ کو دیکھ کر لرز رہے ہیں، تعقّل اور ارادہ ارزانی فرما کر اسکے لیے یہ موت انگیز اُلجھنیں، یہ المناک دشواریاں، یہ گمراہ کن نادوربینیاں، یہ ہلاکت خیز ناانجام شناسیاں پیدا کر دی ہیں کہ ہر قدم پر لڑکھڑاہٹ ہے۔ بے تعقّل اور بے ارادہ سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا کرہ تو روز اول سے اسی صحت اور اطاعت سے اپنے صراط مستقیم پر چل رہا ہے جو اسکے لیے ایک دفعہ

مقرر کر دیا تھا ہر وقت اور بہر کیف لَا الشَّمْسُ يَنۢبَغِي لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ (یٰس) کا مصداق ہے، کروڑ در کروڑ آسمانی اجرام اور سورج سے کروڑ در کروڑ گنا بڑے ستارے بھی اُسی قاعدوں پر چل رہے ہیں جو قسام ازل نے ایک بار متعین کر دیے تھے، سب کے سب کسی بے مثال حاکم کے اٹل حکم پر مجبور نظر آرہے ہیں، اُس ناموس اکبر کی ذمہ داری کے بارِ عظیم کے یہ متحمل ہیں کہ یک سر مو اِدھر اُدھر نہیں ہٹتے۔ یہیں ہزار در ہزار قسم کی ادنیٰ حیوانی اور نباتی مخلوق بھی روزِ آفرینش سے اپنے اپنے مقرر قاعدوں پر چل رہی ہے، اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ) کی صحیح مصداق ہے، عبد مخلص ہے، حُنَفَاءَ لِلّٰهِ ہے، اسی لازوال ہدایت اور صراطِ مستقیم کی بنا پر سطحِ زمین کے ہر حصے میں اجتماعی دوام حاصل کر رہی ہے متمکن فی الارض ہے، مگر فہم و ادراک کی امانتِ عظمیٰ کا قرعۂ فال ابن ظلوم جہول انسان کے نام کچھ ایسے بُرے وقت نکلا ہے کہ اُسکو اپنے دین سے محض بے خبری ہے، اپنے صراطِ مستقیم کا کچھ پتہ نہیں، اپنی عبادت کے انداز کچھ یاد نہیں، اپنا دینِ حنیف کچھ اَزبر نہیں، اپنے راہِ راست پر کچھ قیام نہیں، اپنے قیام و دوام کا کچھ عشق نہیں، اپنا بقا کچھ میسر نہیں۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (احزاب)۔ شیطان نے اس زمین پر اپنا مستقر قائم کر کے اس کمبخت وجود کے لیے ہلاکت کے وہ لامتناہی سامان پیدا کر دیے ہیں کہ روزِ آفرینش سے مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ (بقرہ) کا ایک لامتناہی محشر برپا ہے۔ ایک اُمت اگر خدا کی عبادت میں مصروف ہو کر اُبھر رہی ہے تو دس اُمتیں شیطان کی عبادت میں لگ کر ہلاک ہو رہی ہیں، مُلک سے مُلک الگ، اُمت سے اُمت جُدا، شہروں اور قریوں میں فساد، گھروں اور محلوں میں تفریق، بات بات پر تشتت، الغرض شیطان کی حکومت اکثر جگہ قائم ہے شرک کے خانہ برانداز تفرقوں اور عبادتِ شیطان کے فارق الناس وسوسوں نے بنی نوعِ انسان کے اندر وہ اختلالِ عظیم برپا کر رکھا ہے کہ پوری نوع کی ہلاکت سروں پر منڈلاتی نظر آرہی ہے! اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ (فاطر) کا ہولناک سماں قریب دکھائی دے رہا ہے! سفلی مخلوقات کی ہر نوع کے افراد کے مابین ایک غیر منقطع امن ہے، وہ سب کے سب آپس میں متحد اور متفق العمل ہیں مگر انسان ایک نوع ہو کر

ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر کھا رہے ہیں، ادنیٰ مخلوق کی ہر اُمت کا ایک مذہب، ایک راہِ عمل، ایک مسلک ایک رہنمائے اعظم ہے، مگر یہاں ایک نوع میں ہزار در ہزار اُمتیں، ہر طرف ایک علیحدہ رہنما، ہر جگہ ایک نیا ئب، اور گھر گھر فطیری اور خمیری کا جھگڑا ہے! ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ ۝ (روم) - الغرض یہ سب کچھ **عبادتِ شیطان** کا ظہور ہے، اُس معلم الملکوت کی ادنیٰ کارفرمائی ہے ورنہ بنی آدم درحقیقت **ایک** ہی اُمت ہیں۔ كَانَ النَّاسُ **أُمَّةً وَاحِدَةً** - (بقرہ)، ایک نوع، ایک ماخذ و مصدر، ایک اب و جد، ایک تقویم، ایک خدا اور ایک ہی کارفرما کی رعیت ہیں۔ شیطان کا تعبد اور خدا سے برگشتگی لاکھ ہوتی رہے مگر اُس چارہ فرمائے جہان اور بدیع زمین و آسمان نے بھی انسان کا ڈھانچا تیار کرتے وقت پہلا **معنوی عہد** جو اُسکی جبلت اور طینت سے لیا یہی تھا کہ اس دنیا کے اندر خوش اسلوبی اور زور سے رہنے کا صراطِ مستقیم یہی ہے کہ شیطان سے تعبد قطعاً نہ ہونے پائے، جس کی **مخلوق** ہو، اُسی کے حکموں پر چلنا تمہاری **فطرت** میں داخل کر دیا ہے، اُس بنائے کون و مکان نے یہ بات تمہاری ہیئت اجتماعی کی ہر ممکن حالت تمہاری چال ڈھال، تمہاری سیرت اور چلن، تمہارے اندازِ معاشرت، تمہارے تمدن، تمہاری تکوین میں نہیں بلکہ تمہارے بقا و فنا کے ہر شعبۂ سعی و عمل میں روزِ اوّل سے رکھ دی ہے کہ غیر خدا کی ملازمت سر سے نہ ہو؛ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝ (یٰس) - **توحید** تمہاری مٹی میں **خمیر** کی گئی ہے۔ تمہاری **طینت** اور **جبلت** میں مخمر ہے۔ جس نے تمہیں پہلے دن بنایا تھا اُسنے اپنی ملازمت کے عنصر کو تمہارے ہیولے میں گوندھ دیا تھا، اُسکو بناتے وقت اِسقدر سوچ ضرور تھی کہ یہ سرکشی کا پُتلا اور آگ کا پر کالا، یہ خود رائے اور صاحبِ ارادہ مضغہ گوشت، یہ کبر و ادعا کا نطفۂ منی، یہ انانیت اور شیطنت کا پیکر کبیر، یہ صاحبِ ہست و قدرت، یا اوصافِ خدا کا مجسمۂ صغرٰے زمین پر رہکر اِسقدر شیطنت یا اِسقدر کبریائی نہ کرتا پھرے کہ خدا کی خدائی سے نکل باہر ہو، اُس کے

دائرہ عبودیت کو مستر د کردے ، جس جس رنگ میں روئے زمین پر یہ اپنا اجتماع و استعمار کرتا پھرے گا ، رت
زمین و آسمان کے قانون کی پابندی ، اُسکے حلقۂ عبودیت کے اندر ہو کر رہنا اُسکے ہر کہ و مہ پر ، شاہ ، گدا پر ، مطیع
مطاع پر ، مرید و مراد پر ، کبیر و صغیر پر ، جنّ و انس پر فرض رہیگا ۔ (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ
(ذاریات)) ۔ اگر اِس تعبّد سے نکلکر اُس نے شیطان کی ملازمت اختیار کی ، توحید سے برگشتہ ہو گیا ، زمین و آسمان
کے اِس عالم آرا اصل اُصول سے عملاً بگڑ بیٹھا تو کچھ پرواہ نہیں ، اُسکی جبلّت میں یہ بات پہلے سے ودیعت
رکھدی گئی ہے کہ اِس خصومت کے ہوتے ہوئے اسکی اس زمین پر کچھ دال نہ گل سکیگی شکست اور انتشار کے جہنم
میں پڑا جلتا رہے گا ، فقر افلاس ، واماندگی اور بیچارگی ، محکومیت اور جوتیاں ، چیتھڑے اور جوئیں قحط اور وبائیں ،
ہر آن اُسکے دامنگیر رہا کرینگی ، مَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ (بقرہ) کا منظر ہر وقت پیش پیش ہوگا ، لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ
الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (ہود) کا قول پورا ہو کر رہے گا ، یہاں اجتماعی جہنم اور آگے چلکر ایک ایک غلط کار کو اخروی
جہنم نصیب ہوگا ! موجد زمین و آسمان ہو کر مجھ سے یہ توقع رکھنا کہ میں نے اپنی مملکت کے اندر انسان کو اپنے سے
محض بے تعلق پیدا کیا ہے ، یا اُسکو بھولے سے مختار بنا کر اپنا اختیار کھو دیا ہے محض عبث اور طفل تسلیاں ہیں !
شیطان کا اگر اِس زمین پر غلبہ ہے تو یہ بھی میری مشیئت اور قضا سے ہو رہا ہے ، یہ بھی میرے ہی قانونِ فنا
کی ایک شق ہے ، میری ہی امتحان پسند عادت کا ایک کرشمہ ہے ، میری ہی سعی طلب طبیعت کا تقاضا ہے
تاہم اِس زمین و آسمان کی حدود کے اندر رہکر اگر کوئی قانون بقا و حیات جاری ہے تو وہ خالصۃً میری ہی عبادت
ہے ، توحید اور صرف توحید ہے ! میں آقا ہوں ، موجد اور مصوّر ہوں ، لیکن مومن اور مہیمن بھی میں ہی ہوں ،
اپنی ہی عبادت پر اِس کارخانے کی بنیاد رکھنا میرا حق ہے ، اور میری مخلوق ہو کر میری حدود مملکت سے باہر کہیں کو
مفر نہیں ! يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ
إِلَّا بِسُلْطَانٍ ۔ (رحمٰن) ۔ یہی توحید انسان کا وہ واحد دینِ قیّم ، وہ ایک صراط مستقیم ایک اصل اصول ، ایک اساس کار ،
ایک دین حنیف ، ایک فطرت ہے جس پر سب انسان مجبول بلکہ مجبور ہے ، اس خداداد فطرت میں ردّ و بدل کا امکان

اس آیۂ مبارکہ کی ریسرچ کے لیے دیکھو پارہ ۱۵ ۔ آیت ۲۲ [illegible] المیں صفحہ ۱۱۸

حاشیہ: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (الروم) اس منضبط اور محفوظ کارخانے کی بنا قسط و عدل پر ہے۔ اس میں جو بات ہو رہی ہے **قانون** کے ماتحت ہو رہی ہے جو نعمت، جو انعام، جو امن جہاں کہیں مل رہا ہے میری ہی ابتغائے مرضی اور میری ہی خوشنودی کے باعث مل رہا ہے، ظلم اور استبداد سے قطعاً کچھ نہیں ہوتا، پس جہاں کہیں میری رحمت کا موسلادھار مینہ برس رہا ہے، جہاں يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا کا سماں موجود ہے، جہاں يَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ کا وعدہ پورا ہو رہا ہے، يُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ کے انعام مل رہے ہیں، جہاں لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم ہے، أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا منشور خسروی نافذ ہے، جہاں استخلاف فی الارض کا عطیہ عظمیٰ ہے، وراثت زمین کی موہبت کبریٰ ہے، الغرض جہاں کسی قوم میں قوت اور زور ہے، امن اور قیام ہے موت اور ہلاکت میں بہت کچھ ڈھیل ہے۔ وہیں **توحید** باقی ہے، وہیں صحیح معنوں میں میری **عبادت** ہو رہی ہے، میرے قانون پر سچا **عمل** ہے، میرے آئین کا صحیح **علم** ہے، میری منشا کی سچی **درک** ہے، میری صحیح **معرفت** ہے، وہیں **صراط مستقیم** ہے، وہیں **اسلام** ہے، وہیں **محمد** پر سچا **ایمان** ہے۔ (وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ **بَالَهُمْ** ذَٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ (محمد)، اُسکے لائے ہوئے **قرآن** پر ایمان ہے، انبیاء کی لائی ہوئی **الکتب** پر ایمان ہے، **توراۃ** اور **انجیل** پر ایمان ہے، زبور اور تلمود پر ایمان ہے، وہیں شیطان کی عبادت کم ہے، وہیں **بُت کم** تیج رہے ہیں، شرک کم ہے، کفر کم ہے۔ جہاں کوئی قوم مغضوب علیہ ہو رہی ہے، اُسپر سیہ اور دناک عذاب نازل ہو رہا ہے، اُسکے ملک یک بیک چھینے جا رہے ہیں، اُسپر میرے غیظ و غضب کا تنور جوش مار رہا ہے، وہیں عبادت شیطان جاری ہے، وہیں توحید قطعاً نہیں، وہیں أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا صراط گم ہو چکا ہے، كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ (روم) کے مصداق بن چکے ہیں، وہیں شرک قطعاً ہے، کفر قطعاً ہے، مجھ سے انکار قطعاً ہے، محمد سے انکار قطعاً ہے! **قول** میرے نزدیک

* گویا رسول صلعم پر ایمان کا لازمی حصہ ہے کہ اسکی وہ ساری حالت ابھی ہو جائے ... [illegible] ... السلام پر سچا ایمان یہی ہے کہ ... اسکے لائے ہوئے احکام پر عمل چلیں۔

کچھ شئے نہیں، عقیدے اور رسمیں کچھ شئے نہیں، عیسائی اور موسائی، کرشنوئی اور محمدی بننا کچھ شئے نہیں، یہ بھی ایک **بُت پرستی** ہے، مجکو چھوڑکر میرے بندوں کو پکڑتا ہے، قانون خدا اور امر رب العلمین سے جُدا ہوکر کسی رسمی اور شرعی مذہب کے ظواہر کچھ شئے نہیں، نماز کی رکعتیں قانون سے الگ ہوکر کچھ شئے نہیں، حج کے مناسک کچھ شئے نہیں، جو شئے میرے نزدیک مقبول ہے وہ توحید پر **عمل** ہے، بہر نوع عمل ہی، ہر لحظہ عمل ہی؛ جو عمل کررہا ہے، وہی میرے نزدیک مُسلم ہے، وہی مومن ہے، وہی محمدؐ کا سچا پیرو ہے، وہی بیخوف و خطر ہے، میں نے نوحؑ و ابراہیمؑ کی رسمی اُمتیں ہلاک کرماریں، موسیٰؑ کی اُمت کو رسوائے جہاں کردیا، لوطؑ، شعیبؑ، صالحؑ، ہودؑ، سب کی شرعی امتوں کی بھنگ تک باقی نہیں رکھی، وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۚ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ (مریم)، یہ اس لیئے کہ وہ سب کی سب مجھ سے بگڑ بیٹھی تھیں، مَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (الشعراء) کی مصداق بن چکی تھیں، اب محمدؐ کی اُمت کو ہلاک کرنے میں تجھے کیا شرم ہے یا منہ سے تین خدا کہنے والی لیکن توحید پر عمل کرنے والی اُمت کو زیر و زبر کرنے میں کیا عار ہے۔ مُسلمان اور اسکا انکار کیا! نسل انسانی کا تختہ اُلٹ کر اُس سے بہتر اور قائم تر نسل کو لا بٹھانے میں کیا دیر ہے (قَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ (ابراہیم)۔ میں قاسط اور عادل، بے نیاز اور بے پرواہ خدا ہوں، بادشاہوں کا بڑا بادشاہ ہوں، میرے ہاں وہی قوم بے خوف و خطر ہے جو توحید پر عامل ہے، جو شیطان کی ملازمت کو قبول نہیں کرتی، اُسکے فوری اجر کو، اُسکی نقد تنخواہ کو اشد نہیں مانتی، جسکو میرے نبیے، میرے ادھار، میری یوم آخرت کو دیجانے والی تنخواہ پر اعتماد ہے۔ قولی مسلمان یا شرعی ایمان دار، رسمی یہود یا اِسمی نصاریٰ، گبر و برہمن، وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں، جو جس قدر عمل کررہا ہے، اُسیقدر میرے ہاں سے اُجرت لے رہا ہے، اسیقدر وہ قوم اس دنیا میں بے خوف خطر ہے، اسیقدر غالب اور متمکن فی الارض ہے، إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (البقرہ)۔ میری اُجرت شیطان کی اُجرت کی طرح فوری، عارضی، اور

تباہ کن نہیں وہ جسکو مل رہی ہے اُسیکو اِس زمین پر کبریائی اور جبروت حاصل ہے!

پس اِس کارگاہ کسب و عمل کے اندر اگر کوئی شخص کسی مفید جماعت میں تنہا کو پیش نظر رکھکر کڑیاں جھیل رہا ہے تو وہ ازروئے قرآن خدا کا عابد ہے۔ جو قوم تکلیف اُٹھا کر اپنے آپ کو بہتر بنا رہی ہے وہ فی الحقیقت توحید پر چل رہی ہے۔ جو کاہل اور بے عمل ہے وہ مشرک ہے، منکر خدا ہے، عابد شیطان ہے۔ جو کام کر رہی ہے وہ حلقۂ عبودیّت میں شامل ہے۔ جو کہہ رہی ہے وہ کچھ نہیں۔ جہاں جہاں جو جو کچھ سعی و عمل ہو رہا ہے، خدا کے قانون کو مانکر اور شیطان کو مسترد کر کے ہو رہا ہے۔ توحید کا اصل اصول فی الحقیقت اَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى (نجم) ہی کو تسلیم کرنا ہے۔ یہی خدا کو ماننا اور شیطان سے گریز کرنا ہے، یہی عبادت ہے، یہی توحید ہے، شیطان کی ملازمت کی اصل و بنیاد فوری آرام اور اُخروی تکلیف ہے، خدا کی خدمت کا اصل اُصول فوری تکلیف اور اُخروی آرام ہے۔ نہیں بلکہ جس عمل میں اُخروی آرام نہیں، جس کا انجام نیک نہیں، جس کا پیش نہاد اُمت کی بہتری نہیں، جو آپ نامنظم اور بے سلیقہ ہے، جس سے کچھ قوت حاصل نہیں ہوتی، جو راکھ کے ڈھیر کی مانند پریشان ہو جانے والا ہے وہ بجائے خود کفر ہے، بڑی سے بڑی گمراہی ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (ابرٰہیم)۔ خدا کا منکر، اُسکے قانون کا منکر، اُسکے منظم اور مرتب زمین و آسمان کا منکر، اُسکے شمس و قمر کا منکر، اُسکی رکھی ہوئی میزان† کا منکر فی الحقیقت وہ شخص ہے جو ایک سعی باطل کر رہا ہے، جسکی کوشش اِس دنیا کے اندر کچھ ٹھکانے نہیں لگی، جسکی تگ و دو سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا، جو ایک بے حقیقت اور باطل شے کے درپے ہے۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ (محمد) جو کسی سراب کے پیچھے لگا ہے، پانی سمجھکر لپکتا ہے مگر پانی نہیں پاتا، ظن و وہم کی وادیوں میں سرگرداں ہے اور بے نتیجہ عمل کر کر کے دکھ اٹھا رہا ہے؛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَـيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (النور)۔ عبادت کا خدائی مفہوم خدا کے اِس آخری کلام میں اِس قدر وسیع اور عالم آرا ہے، کفر کا الٰہی اطلاق اِسقدر نامقیّد اور مطلق ہے، توحید کا قرآنی مقصود

† وَالسَّمَاۗءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ (رحمٰن) کی طرف اشارہ ہے +

اِسقدر نفعمند اور نتیجہ خیز، اِسقدر روزمرّہ اور بکار آمد ہے کہ جہاں کہیں اِس دنیا کے اندر کوئی مستقل بہتری کی صورت پیدا ہو رہی ہے، جہاں کچھ کامیابی اور کامرانی کے سامان جمع ہو رہے ہیں، کوئی تکلیف، کوئی تگ و دو، کوئی شیطان سے انکار اِس بنا پر ہو رہا ہے کہ انسان کی ہیئت اجتماعی کی حالت بہتر بنے، کچھ قوت اور زور حاصل ہو، کچھ بادشاہت زمین ملے، عزت اور غلبہ ہو، ارتقا اور بقا نصیب ہو، وہیں عبادت خدا کا شائبہ قطعاً ہے، وہیں ایمان کا شائبہ قطعاً ہے، وہیں توحید کا عمل ضرور ہے، وہیں بُت کم ہیں، شیطان کا کم غلبہ ہے، وہیں ایمان باللہ ہے۔ جہاں نامرادی ہے، وہاں کفر قطعاً ہے، خدا سے انکار قطعاً ہے، شیطان کی عبادت قطعاً ہے (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (عنکبوت۲۹)۔ جہاں کوئی قوم ناکامیاب ہو رہی ہے وہاں خدا سے اعراض ہے، اُسکے قانون سے اعراض ہے، کسی ماسوا کی عبادت ہو رہی ہے، کچھ شیطان سے لگاوٹ ہے، وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۚ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (رعد۱۳) کفر اور توحید کا صحیح معیار اِس دنیا کے اندر یہی ہے کہ موحد اور مومن قوم ہر نوع غالب ہے، بہرحال ترقی کر رہی ہے، اُسکی دولت اور حکومت، عزت اور اقتدار سب کچھ بڑھ رہے ہیں، جماعت کی کثرت ہو رہی ہے، جنّات اور انہار مل رہے ہیں، نئی قوموں پر حکومت مل رہی ہے، الغرض وہ منعم لم یزل اُس سے بحیثیت مجموعی راضی ہے، وہ بھی خدا سے راضی ہیں، اور جبتک عبادت خدا اُنکا وطیرہ رہیگا اِس دنیا کے اندر اُن کا فلاح پاتے رہنا ایک طے شدہ امر ہے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۚ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ)۔ شیطان کی عبادت اور خدا سے اعراض کرنے کا اِس دنیا میں رسوا اور ذلیل ہو کر رہنے سے اسقدر گہرا اور طبعی تعلق ہے کہ کافر قوم کی زندگی ہر نوع چارپایوں اور مویشیوں کی زندگی ہے، بیگار اور باربرداری کی زندگی ہے، محکومیت اور بیچارگی کی زندگی ہے، افلاس اور آہ و بُکائی زندگی ہے، لیکن مومن کے لیئے ہر نوع جنّات زمین ہیں، بادشاہت اور عزت ہے، قوت اور امن ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ

وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (محمد)۔ کافر کا ہر جگہ اور ہر نوع منہ کالا ہے، مومن کو ہر جا اور ہر حال فتح نصیب ہے، نہیں بلکہ فتح و نصرت کی طرف اقدام کرکے اپنے آپ کو غالب کردینا ہی عین ایمان ہے، عین عبادت اور نری توحید ہے۔ اگر زرتشت علیہ الرحمۃ نے یزدان اور اہرمن کو اس دنیا کے اندر دو بڑی طاقتیں مانا تھا، اگر اُسنے لوگوں کو اہرمن کی شکست انگیز طاقت اور یزدان کی خیر آفریں قوت کی طرف متوجہ کرکے رب بے مثال کے بقا و فنا کے اس پر اسرار قانون سے آگاہ کرنا چاہتا تھا تو اس کا پیش نہاد بھی ساکنانِ زمین کو اسی توحید اور تعبد خدا کی طرف بلانا تھا، جن لوگوں نے اسکی تعلیم کو "وحدانیت" کے منافی یا "دو خداؤں کے منوانے والی" سمجھا ہے اُنکی جہالت پر جسقدر ماتم کیا جائے کم ہے! جس قوم نے اس دنیا کے اندر شیطان کی بربادکن قوت کو تسلیم نہیں کیا، جو اُسکو ہر لحظہ "بنا کُھلا دشمن" سمجھکر اُس سے فی الجملہ محترز نہیں رہے انہوں نے فی الحقیقت توحید کی حقیقت کو کچھ نہیں سمجھا!

اگر عہد حاضر کے مسلمان قرآن حکیم کے اِن قطعی اور عام محاکموں کو نظر تعمق سے نہیں دیکھتے، اگر آج انکو "دین خدا کہنے والے" نصرانی کی دنیاوی خوشحالی کا "خوشنودیٔ خدا" اور "عبادت رب" یا توحید اور ایمان پر محمول کرنا ایک آنکھ نہیں بھاتا، اگر وہ آج اپنی ہر مصیبت کو "ابتلاء" اور دوسروں کی ہر راحت کو "بلا" سمجھکر مکر کی نیندیں لے رہے ہیں اور خدائے زمین و آسمان کو اعیاذ باللہ مشرق کا کوئی لاأبالی اور مستبد، کوئی بے اصولا اور بے قانونا نواب سمجھکر اپنی قسمت پر شاکر بیٹھے ہیں تو بیٹھے رہیں مگر انہیں ہو ہو اگر اُن کا اس حقیقت سے انکار کرنا، مالک شمس و قمر اور خالق زمین و آسمان کو "ظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ" سمجھنا، اُسکے دیئے ہوئے انعاموں کو بلا استحقاق اور اُسکی بھیجی ہوئی عقوبت کو بلا وجہ سمجھنا، اسکی مشیئت کو "گہ بہ سلامے برنجند و گہ بہ دشنامے خلعت دہند" کا مصداق یقین کرکے قسمت اور تقدیر کو پیٹتے رہنا فی الحقیقت وہ آشوب چشم اور وہ سودائے سر ہے جسکا علاج موت کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن حکیم کے مطالعے کے بعد کفر اور ایمان، عبادت اور توحید، فتح و شکست کے متعلق میرا یہ فیصلہ اسقدر حکمی اور قطعی ہے کہ روئے زمین کی بڑی سے بڑی مخالفت بھی مجھے اس عزم میں کمزور نہیں کرسکتی، مجھے یقین ہوچکا ہے کہ مذہب اسلام اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنے کا واحد اور سچا طرز عمل ہے، توحید اس مقام محمود پر پہنچنے کا واحد اور مؤثر اور آرہے

اِس سطح زمین پر متمول مند بنکر رہنے کی سچی اور کھری سیاست ہے۔ انسان کے ہر لاٹحہ عمل میں اسطرح شامل اسکے ہر اسلوب کار میں اسطرح داخل، اُسکے قانون مدوجزر کی وہ شرط لاینفک، اُسکے بقا و دوام کی وہ علت اولی، اُسکی بہبودی اور خوشحالی کی وہ محرک اعلی ہے کہ اُسکو انسان کے کسی فعل حسن سے جدا کرنا ناممکن ہے۔ بس بلکہ میری نظروں میں اگر سورج اپنے وقت پر فرچڑھتا ہے تو اسی توحید کے زور پر، اگر چاند کی منزلیں مقرر ہیں اور وہ انکو نباہ رہا ہے تو اسی توحید کے زور پر، اگر نجم و شجر روز آفرینش سے اپنے مقررہ فرائض کو ادا کر رہے ہیں اور یک سر مو ادہر اُدہر نہیں ہٹتے تو اسی عبادت خدا کے زور پر: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۔ (نحل)۔ اگر دابہ اور ملائکہ اپنا اپنا کام کر رہے ہیں تو اسی خوف خدا کے زور پر۔ یہ ہر ایک کا اپنے فرض کو مقررہ وقت پر اور بے رد و بدل ادا کرنا ہی اُنکی صلاۃ ہے، یہی اُنکی تسبیح اور سجدہ ہے، یہی كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (النور) کا صحیح مفہوم ہے، یہی وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل) کا صحیح تفقہ ہے۔ پس جب اس زمین و آسمان کا سارا نظم و نسق اسی توحید کے زور پر ہے تو انسانی اُمتیں بھی جہاں کہیں اُبھر رہی ہیں اسی وحدت کے زور پر اُبھر رہی ہیں۔ جس قوم اور گروہ میں نظم و نسق قائم ہے، جسمیں ہر شخص اپنا مقررہ فرض ادا کر رہا ہے، سب کا معاون اور سب سے متحد ہے، سب کا ایک صراط مستقیم، ایک راہ عمل، ایک قانون، ایک میزان ہے، نہیں جو قوم یا گروہ اس سطح زمین پر اسطرح عمل کر رہا ہے کہ اُس کا عمل اُسکو بہتر اور طاقتور بنا رہا ہے اُسمیں توحید قطعاً موجود ہے، اُسمیں ایمان باللہ موجود ہے، اُسمیں خشیت خدا موجود ہے، اسلام موجود ہے، دسواں یا ہزارواں حصہ موجود ہو مگر ایک شائبہ قطعاً موجود ہے وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۔ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۔ (رحمن)۔ اسلام کے مذہب عمل سے کسی خاص فرقے یا گروہ کی تخصیص نہیں۔ یہی اسلام ابراہیم اور موسیٰ اور لوط اور شعیب و غیرہم علیہم السلام کی ہلاک شدہ اُمتوں سے پے در پے نکلکر قرون اُولی کے عرب و عجم تک پہنچا تھا، ایک سے نکلکر دوسری میں اور دوسری سے تیسری میں ودیعت ہوا تھا، اور اگر یہی اسلام ہم سے نکلکر کسی دوسری اُمت میں چلا گیا ہے تو یہ امر خدا کے نزدیک

کچھ مستبعد نہیں وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیۡنَا وَكِیۡلًا ۙ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَیۡكَ كَبِیۡرًا ۔ (بنی اسرائیل)

پس جو قوم توحید کی اس نعمت اور نتیجہ خیز حکمت کو پیش نظر رکھکر اس دنیا کے اندر پیہم عمل کر رہی ہے؛ جو شیطان کو اپنے اعمال کا پیہم مخرب اور خدا کو افعال انسانی کا پیہم مصلح سمجھکر اُسکے تکلیف دِہ احکام پر عمل کرتے رہنا اپنی زندگی کا واحد منتہائے حیات سمجھتی ہے، جو توحید کو فطرت انسانی کا سب سے لطیف عنصر یقین کرکے حصول نعمت کے اس بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز صراط مستقیم پر بجزم تمام چل رہی ہے، جن کا مرنا اور جینا، اُٹھنا اور بیٹھنا خالصۃً اِسی توحید کو پیش نہاد بناکر ہو رہا ہے، جن کی الصلٰوۃ اور الزکٰوۃ ہیں، جن کے الصوم اور الحج ہیں قانون خدا اور امر رب العلمین کی سچی متابعت ہی، جسکے ہر فعل و عمل میں کسی نہ کسی بت کو توڑنا ہے، کسی طاغوت کو، کسی دلفریب تصویر کو، کسی تاب گسل وثن کو، کسی دل آرام صنم کو دل سے محو کرتے رہنا ہے، ہاں جو اُمتیں ہر آن اور ہر لحظہ اس امر کے درپے ہیں کہ **شرک** کا قاطع حیات شائبہ اُنکے اعمال سے حتی الوسع دور ہوتا ہے، وہی آج اُس لاشریک خدا کے بھرپور خزانوں سے انعام پا رہی ہیں، وہی آج اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ (فاتحہ) کی مصداق ہیں؛ وہی صحیح معنوں میں **صالح** اور عابد ہیں، اُنہی کو آج **وراثت زمین** کا بے مثال انعام مل رہا ہے، اُنہی کو فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً ہے، اُنہی کی **آخرت** بھی بہرحال درست ہی، قُلۡ اِنَّنِیۡ هَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۚ۬ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ۔ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُكِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ لَا شَرِیۡكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ [1] (انعام) اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیۡفًا ؕ وَلَمۡ یَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ ؕ اِجۡتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۙ وَاٰتَیۡنٰهُ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ [2] (نحل)۔ انسانی اعمال میں **شرک** کے جزو قلیل کا آجانا بھی فی الحقیقت وہ **ظلم عظیم** ہے کہ اس سے قومیں چشم زدن میں تباہ ہو جاتی ہیں۔ پوری اُمت کے اعمال چند قرنوں کے اندر خانہ برانداز ہو جاتے ہیں، اعضا میں سستیاں اور ذہنوں میں ویرانیاں میلوں اور صدیوں تک ڈیرہ ڈالے رہتی ہیں،

[1] ان آیات کے مطالب کیلئے (رجوع) اسلم کی تعریف کے لئے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۲۳۱-۲۳۲ وصفحہ ۲۲۲ و ۲۲۶۰ +

دل سخت ہو ہو کر وہ پتھر بنجاتے ہیں کہ پتھر بھی اُنکے سامنے مات ہو جاتا ہے، قلب کی سنگلاخ زمینوں میں نئے موت انگیز بربادیاں، وہ ہلاکت خیز ویرانے، وہ اعضا شکن خرابے پیدا ہو جاتے ہیں کہ سعی و عمل کی بالیدگی نام تک کو باقی نہیں رہتی۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (بقرہ)۔ یہ سب اس لیے کہ شرک **اتحاد اور عمل** دونوں کا صحیح معنوں میں قاطع ہے، دونوں کو قوم کے ہر کہ و مہ سے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ لوگ اپنے اپنے **بُتوں** کو لیکر اُن میں مست ہو رہتے ہیں، کسی کو کسی سے کچھ رسم و راہ باقی نہیں رہتی! کوئی مال میں مست، کوئی اولاد میں مگن، کوئی پیر و اولیا میں مشغول، کسی کا نفس حاکم، کسی کا حاکمِ وقت خدا، کسی کو جاہ سے غرض، الغرض کوئی **مشترک** تعلق، مشترک خوف، مشترک طاقت دلوں کو مشترک حرکت دیکر اُن کو آپس میں متحد نہیں کر سکتی۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (روم) کا سماں سب طرف بندھ جاتا ہے۔ اُمّت کے اندر مُلک مُلک میں، شہر شہر میں، محلّوں اور گھروں میں، قریوں اور مکانوں میں، حتیٰ کہ ایک گھر کے مختلف افراد میں، باپ بیٹوں میں، ماں بیٹیوں میں، ماں جائے بھائیوں میں تفرقہ و تشتّت کا ایک محشر بپا ہو جاتا ہے! وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (روم)۔ پیروین میں تفریق، طریق عمل میں تفریق، مذہب اور مسلک میں تجرّد، افراد و دیار میں تخرّب، قوم کی تمام قوتوں کو بیکار کر دیتے ہیں۔ اپنے اپنے بُتوں میں مشغول رہنے کے باعث ایک عارضی طمانیت اور فرحت تو فرداً فرداً ضرور حاصل ہو رہتی ہے مگر قوم کی بیخ و بنیاد ایک اقل قلیل مدت میں اس **ظلم عظیم** کے باعث اُکھڑ جاتی ہے! وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان)۔ انسانی قلوب کے اندر **توحید** ہی فی الحقیقت وہ **محرّک** اوّل ہے جو افراد کے مابین ایک اصلی اور ناطق، ایک دائم اور قائم اتحاد پیدا کر سکتی ہے۔ یہ نفسانی اہوا و اغراض کے بتوں کو یکسر توڑ کر سب کا ایک **مشترک خدا** کے اذن میں آجانا ہی اتحاد کا صحیح باعث اور توحید کی سچّی تفسیر ہے۔ یہی وہ توحید

اور وہ ایمان باللہ ہے جسکا اٹل نتیجہ اس دنیا میں قوت ہی، زور اور بادشاہت ہے، **امن** اور بقا ہی اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (انعام)، یہی سچی اور اصلی، دائم اور قائم **ہدایت** ہے! روئے زمین کے تمام تر خزانے بھی صرف افراد کے **جسموں** کو چند لمحوں کیلئے جوڑ سکتے ہیں اُن میں ایک ناقص اور عارضی اتحاد عمل پیدا کر سکتے ہیں مگر **دلوں** کا سچا اتحاد توحید اور صرف توحید ہی سے قائم ہوسکتا ہے! دو افراد آپس میں اُسوقت تک صحیح معنوں میں متحد نہیں ہوسکتے جبتک کہ نفسانی اغراض کے سب قلبی بُت پیہم نہ محو ہو رہے ہوں اور دلوں کے اندر **ایک** محرّک اعلیٰ عملاً اور اصالتًا نہ قائم ہوگیا ہو۔ جہاں **سب** بُت ٹوٹ چکے ہیں اور صرف خدا باقی رہ گیا ہے، وہاں وحدت اور مواخات، مساحت اور ملاطفت اٹل ہی، جس قوم کے دلوں کا محرک شیطان نہیں رہا، اُسکا مؤلف خدا یکسر ہے، اور اُسیکا ہر دشمن سے عہدہ برآ ہونا اٹل ہی: وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ† اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (انفال)۔ جہاں **تفرقہ** ہے وہاں طاغوت سے تعبّد قطعًا ہے، **شرک** قطعًا ہے، نہیں بلکہ جو قوم متحد ہے اُسکے افراد کے دلوں میں توحید بلا شُبہ قائم ہے! شیطان کی ملازمت سے عملاً انکار ہی خدا سے تعبّد کا **معنوی اقرار** ہے، اور جس قوم کے افعال روز و شب اس امر کے شاہد ہیں کہ اُس کا شیطان سے کچھ سروکار نہیں رہا، اُسکو خدا کی عابد نہ سمجھنا صرف لفظوں کا ہیر پھیر ہے۔ خدا کی نظروں میں وہ قوم اسکی کڑی آزمایش میں پوری اُتر چکی ہے، شیطان کو عملاً مسترد کر چکی ہے، اُسکے حلقۂ عبودیت میں داخل ہوچکی ہے کیونکہ اُسکے قانون کی معترف ہی، اُسکے حکموں پر عامل ہے، اُس کے سوا کسی کو الٰہ نہیں مانتی! یہی اصلی اور سچی توحید ہے! اس کارگاہ کسب و عمل میں نہ انسانی سعی و عمل خدا کیلئے ہے، نہ مُنہ سے اُس پناہ عالم کے مُقرّب بن کر اُسکی شان میں اضافہ ہوسکتا ہے، یہاں تو جو کچھ ہے انسان کی اپنی بہتری کے لیئے ہی، اگر اُسکے حکموں کی تعمیل ہو رہی ہے تو اپنی ہی بہتری اور خوشحالی کے لئے، اور اگر انکار ہو رہا ہے تو اپنی ہلاکت کے لیئے، اُسکی اپنی ذات کیلئے نہ یہ ہے نہ وہ ہو رہا ہے۔ وَمَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ

† [illegible]

إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۔ (پ۲۱)۔ پس جو آقا اس قدر بے نیاز ہے کہ غلام سے اپنے حکموں کی تعمیل کو بھی غلام کی اپنی ہی بہتری کے لیئے کہہ رہا ہے اور مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ (۱) کا مصداق ہو، اسکو اس امر کی کیا پرواہ ہے کہ منہ سے سفر کرنا بھی کچھ شئے ہے†۔ قَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۔ (ابراہیم)۔

اس کشت زار سعی وعمل کے اندر نہ اعتقادی بت پرستی کو ئی بت پرستی ہے، نہ قولی خدا پرستی کو عبودیت کہہ سکتے ہیں نہ منہ کی بکواس کر لینے سے اسکی شان کم ہوسکتی ہے، نہ زبان سے خدا خدا کرنے سے اسکی عزت بڑھا سکتے ہیں۔ کون ومکان کے اس ناپیدا کنار بحر میں نسل انسانی کی اضافی حیثیت وہی شخص جان سکتا ہے جو اسکے اعمال کا علم رکھتا ہو، اور جو امت اس بےچیزی اور بےحیثیتی کے بعد بھی منہ کے اقوال کو خدا کی کوئی خدمت سمجھ رہی ہے، یا اسپر احسان رکھکر اسکو خوش کر لینے کے زعم میں ہے، وہ درحقیقت اپنے آپ کو بہت بڑا اور اس مالک کبریا وجبروت کو بہت چھوٹا اور تھڑدلا سمجھ رہی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حکومت بھی اس دنیا میں صرف رعیت کے اعمال کو دیکھتی ہے، جو شخص رائج الوقت قانون کی پابندی کر رہا ہے اسکو اپنی رعایا سمجھتی ہے، رعیت کے حقوق، رعیت کی مراعات وانعام، امن وآسایش کے سامان بے نیازی اور استغنا سے دیتی ہے۔ جبتک حکموں کی تعمیل جاری ہے سلطنت کا قانون اسکو نہیں چھیڑتا، حکومت کے متعلق اسکے افواہی عقیدوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ سزا اس دن شروع ہوتی ہے، جب حکم عدولی شروع ہو جب قانون کی حد سے تجاوز عملاً ثابت ہو۔ بعینہٖ اسیطرح بلکہ اس سے بے انت بڑھ چڑھ کر رب زمین وآسمان کا محکمہ قضا وقدر اقوال سے حسب بے نیاز ہو وہ آج اسی قوم کی قوت کو بڑھا رہا ہے جو متحد ہے، اسی کو ملک بخش رہا ہے، اسی پر يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا (ہود) کا محاکمہ عائد ہے۔ نہیں منہ سے خدا پرست اور بےعمل مسلمانوں سے چھین چھین کر دے رہا ہے، مسیح کو ابن اللہ کہنے والی باعمل قوم کو دے رہا ہے، تیس کروڑ دیوتاؤں کے ماننے والوں کو دے رہا ہے جنہوں

† یہاں پر ایک لطیفہ ہے [illegible] قرآن حکیم میں بعض جگہ صرف قول کیلئے کہا گیا ہو مثلاً قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کے الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اللہ کو صرف منہ سے ایک کہو، یا مثلاً إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ (حم السجدہ) یعنی جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا پھر اسپر جمے رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں، یا مثلاً حدیث میں ہو من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ جس نے لا الہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہوگیا [illegible] اس امر کی موید ہیں کہ یہاں پر قال کے معنی صرف منہ سے کہنا نہیں بلکہ اس قول پر عمل کرکے اسکو سچ کر دکھانا مراد ہے [illegible] اس مطلب کیلئے دیکھو اصل کتاب تحت المس صفحہ ۱۲۳–۱۲۶۔

اور کراہوں، نوحوں اور مرثیوں کے باوجود دے رہا ہے، مسجد اقصیٰ کو دے رہا ہے، بلد امین کو دے رہا ہے، بیت الحرام کو دے رہا ہے، روم اور مصر کو، عراق اور عرب کو دے رہا ہے! یہ سب اسلیئے کہ قانون پر عمل فی الاصل انہی ابن اللہ والوں کا ہے، حکموں کی تعمیل انہی مسیح کو خدا کہنے والوں کی ہے، یہی تکلیف بھی اُٹھا رہے ہیں، دلوں کی بُت شکنی وہی کر رہے ہیں، شیطان کی عبودیت سے وہی خارج ہیں! نرے مُنہ سے کہنے والے مسلمان کچھ کام نہیں کرتے، کچھ پابند قانون نہیں، کچھ عابد خدا نہیں۔ اگر اس باریک ہیں اور دقیقہ رس، اُس لَطِيفٌ لِّمَا يَشَآءُ (یوسف) اور خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ (نور) خدا کے احسان و امساک، اُسکی جزا و سزا کی یہ توجیہ صحیح نہیں تو اس دُنیا کے اندر جو کچھ مسلمانوں سے ہو رہا ہے ظلم ہے، جو کچھ نصرانیوں سے ہو رہا ہے استبداد ہے، بے سبب قہر ہے، بلا وجہ جبر ہے! ایسے مستبد، جابر اور العیاذ باللہ ظالم خدا سے کیا دور ہے کہ کل کو سورج کو حکم دے کہ صرف ملک فرنگ پر چڑھا کرے، یا پانی کو کہدے کہ صرف المانیہ میں بہا کرے اور عرب میں جاکر لکڑی کی مانند ٹھوس ہو جائے! اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (یونس) پس اس عظیم الشان اور صحیح، اس منظم اور منسق کارخانے کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے کسی اُصول کے ماتحت ہو رہا ہے، ظلم اور استبداد، جبر اور قہر سے کچھ نہیں ہوتا۔ ظاہری بُت پرست اگر متحد قومیں اُسکی مطلق اصطلاح میں عابد خدا اسلیئے ہیں کہ اُسکے قانون پر عمل کر رہی ہیں، رسمی بُت پرستی کے باوجود متحد ہیں۔ یہ اتحاد بھی اسوجہ سے ہو کہ دیبیوں کے آگے ماتھا ٹیکنا صرف رسمی اور عادتی رہ گیا ہے، صدیوں کے آبائی رواجوں کا بقیہ ہے، ایک فعل عبث ہو، ایک بے نتیجہ بات ہے، افواہی اور مُلّائی کفر ہے، لیکن اس پتھر سے فی الحقیقت کوئی والہانہ تعلق یا اس میں کوئی **تفرقہ انداز توغل** باقی نہیں رہا۔ جو شئے قوم میں فی الحقیقت تفرقہ انگیز ہے، وہ لذّات و اہواء کی **پرستش** ہے، اولاد کو پوجنا ہے، مال کی عبادت ہی، نفسی اغراض کا پیدا کیا ہوا تجنب اور تجرید ہے، وغیرہ وغیرہ ایسی وہ غیر مادّی اور ہوائی بُت ہیں جو بڑے سخت ہیں جنکو توڑنا **بڑا** مشکل ہے، پتھر کے بُتوں کو توڑنا یا اُنسے تعلق منقطع کر لینا کوئی بڑی مردانگی نہیں، وہ صرف محمود غزنویؒ کی توحید ہے، احمد مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توحید قطعاً نہیں! † پتھر کے بُت اُسوقت صحیح معنوں میں ہلاکت انگیز

† حیاتِ محمدؐ کے ۳۶۰ پتھر کے بتوں کو توڑنا اسلام کا واحد منشا اور اسکی خالص توحید تھی تو حسرت ہے کہ اس ۱۳۰۰ برس کا وقفہ [illegible] میں ۔

ہو جاتے ہیں جب اُن سے بھی وہی مال و اولاد والا عشق پیدا ہو گیا ہو، جب اُن کے آگے چند لمحوں تک ماتھا رگڑنے کی بجائے چوبیس گھنٹے کا تعبد ہو اور ہر گھر اور قبیلے کا بُت جُدا ہو لیکن یہ عبودیت جس قوم میں پیدا ہوئی ہے چند مہینوں یا برسوں سے زیادہ طبعًا نہیں رہ سکی۔ ایک اقل قلیل مُدت کے اندر اُن ٹھیروں سے عبودیت مسلمانوں کے آجکل کے خدا سے تعلق کی طرح صرف رسمی اور زبانی رہ گئی ہے اور وہ بُت فی الجملہ بے نفع و ضرر ہو گیا ہے۔ لذّات اور اہوا یا پیر و اولیاء کے اعتقادی نفع و ضرر کے بُتوں کا یہ انداز قطعًا نہیں، وہ جبتک نسل انسانی اور خدا کا بنایا ہوا معلّم الملکوت موجود ہے انسان کے ساتھ لگے رہیں گے، اُسکو اپنی عبادت پر پیہم اکساتے رہیں گے، جوں جوں اُنکی عبادت زیادہ ہوتی رہے گی، اُن سے ولوع زیادہ ہوتا رہے گا، سب تگ و دو اُنکے لیئے وقف ہوتی رہے گی، خدا کے حکموں کیلئے کچھ عمل باقی نہ رہیگا، پھر اعضا سُست پڑ کر اُس قوم کو تباہ کر دینگے! یہی حیوٰۃ دنیا میں استغراق ہے۔ یہی حیوٰۃ دنیا کی وہ متاع قلیل ہے جس سے اجتناب کرتے رہنا ہر عابد خدا قوم کا شیوہ ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران)۔ جس قوم نے ان بتوں کی عبادت کی اُسکی اِس دنیا میں مٹی پلید ہے، وہ اپنے حقیقی دشمن شیطان کی عبادت کر رہا ہے جو ان سے عفو و درگذر کر رہا ہے، ان سے کھچا کھچا پھرتا ہے، ان سے کنارہ کشی اور معذرت کر رہا ہے، ان پر صبح جمیل کا پردہ ڈالکر اُنکی طرف نظریں بھر بھر کر نہیں دیکھتا وہی اُس خدائے بے نیاز سے اجر عظیم کا مستحق ہے؛ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا† فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ، وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (تغابن)۔ جس قوم نے اِن بُتوں میں لگ کر اپنی قوائے عاملہ کو مضمحل کر دیا جو اِن مرادوں کی مرید بن گئی، جسنے مال اور مکان، بیٹوں اور بیٹیوں، گھوڑے اور جورو، پیر اور پیمبر یا غول اور طویلوں کو اپنا معبود بنالیا اُسکی عاقبت قطعًا خراب ہے، اُسکی سب رسّیاں ایک نہ ایک دن کٹ جائینگی، بہتری کا کوئی وسیلہ باقی نہ رہیگا، اسدن مرید سے مراد الگ، مطیع سے مطاع جُدا، اور یاس و حسرت کے سوا کچھ سامنے نہ ہوگا۔

† [illegible]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ† وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (بقرہ)۔ حیوٰۃ دنیا کی عبادت میں جو قوم لگ گئی اُسکی عاقبت بہر نوع خراب ہے، یہی سچی بت پرستی اور سچا شرک ہے، یہی وہ ظلم عظیم ہے جسکی بخشش کی کوئی آس نہیں۔ (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ۝ (النساء)۔ اسی عبادت اور لگاوٹ کا نتیجہ جہنم ہے، دہکتی ہوئی آگ کے انگارے ہیں: اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (یونس)۔

جس قوم نے دنیا کے متاع و اسباب سے نفرت کی، دنیا اُسکے قدموں پر گرتی رہے گی، اسکی زرخرید لونڈی بنی رہے گی، جسنے دنیا سے اعتنا پیدا کیا، اُسکے ہاتھ سے وراثت زمین کا نکل جانا اٹل ہے۔ دنیا سے نفرت دنیا کی نعمت کو اپنے پاس برقرار رکھنے کیلئے ہے، تمکن فی الارض اور استخلاف کیلئے ہے، متحد ہوکر قوی بننے کیلئے ہے، موحد بنکر عابد خدا بننے کے لیئے ہے، عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء) بنکر وارث زمین بننے کیلئے ہے، یہ اسلیئے کہ یہ عجوزہ عشوہ گر کمزور اور سست اعضا خاوند کو مسترد کردیتی ہے، قوی اور مضبوط خاوند کو اپنی لو لگاکر کمزور اور کمزور کو طلاق دیکر پھر نئے خاوند کے درپے ہے، پس جو قوم حتی الوسع اسکی محبت کی مجرم نہ بنی دنیا اور زمین اُسی کی ہے خدا اُسیکا ہے، توحید اُسیکی ہے، آخرت اُسکی ہے، یہاں پر سرسبز جنات اور سربفلک محلات، زُہرہ وش حوریں اُمڈ جگرجوں کی جھڑیں، سونے کے کنگن اور لباس حریر اور آگے چلکر الجنۃ ہے، لیکن جس قوم کو اس دنیا کے اندر خوش اسلوبی سے رہنے کی راہ نہ ملی، جسنے توحید کے اس سربمہر راز کو نہ پایا اُسکی آخرت بھی خراب ہے، اُسکو بالآخر بھی جہنم ہے، جو یہاں پراندھا رہا اور لذات دنیوی میں مستغرق ہوگیا اُسکی آگے چلکر بھی مٹی پلید ہے وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل)۔ خوشنودی خدا اور ابتغائے رضوان اللہ کی نعمت

† یعنی کاش کہ ظالم لوگ عذاب آنے سے پہلے اس بات کا احساس کر لیتے کہ تمام قوت خدا ہی کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے، مسلمان کی عبادت سے بس ـ قی۔

اور صراطِ مستقیم کے حصول کیلئے رہبانیت اور توحید کا یہ وہ فلسفہ عظمیٰ † تھا جسکو قرآن عظیم نے صدر اسلام میں ختم رسل کی وساطت سے پیش کیا، جسکی حقیقت کو پاکر نسل انسانی کا ایک بڑا حصہ چند قرنوں کے اندر نہال ہوگیا۔ جسپر چلکر آسمان و زمین کے دروازے چوپٹ کھل گئے جسکی تعمیل کرکے اوپر سے رزق برسنے لگا، نیچے سے دودھ اور شہد کی نہریں پھوٹ نکلیں، لیکن آج اسی فلسفے کو اس زمانے کے خرقہ پوش صوفیا، اور اپنے زعم میں اولیاء اللہ خانقاہوں کے اندر کملیاں اوڑھ اوڑھ کر، تسبیحوں کے منکوں کو چٹخا چٹخا کر اور اوندھے منہ غوں غوں کرکے، دنیا کی اس نعمت عظمیٰ پر وہ بیدردی سے لات مار رہے ہیں کہ اس منعم لم یزل نے بھی ایک چپہ بھر زمین مسلمانوں کے پاس باقی نہیں رکھی۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ) کا غلط تخیل اسقدر نابکار، اسقدر مجنونانہ، اسقدر مضحکہ انگیز، اسقدر سوقیانہ، نہیں اسقدر آرام دہ اور ریاکارانہ بنالیا ہے کہ اس مالک زمین و آسمان کے "سودائے عشق" میں تلوار ہاتھ میں لیکر دشمن سے خدا کی زمین چھیننے کی بجائے کفنیاں پہن پہن کر حال کھیلتے ہیں، سر کو ہولے سے پٹخا پٹخا کر دیوار و چھت مارتے ہیں، وجد میں آ آکر بےہوش ہو ہو جاتے ہیں۔ بازاری عشق و تغزل کے سب لازمات اس حد تک پیدا کرلیے ہیں کہ خدا اور اُسکے رسول کے ہجر میں حیا سوز غزلیں گائی جاتی ہیں، کمروں اور گیسوؤں، گالوں اور جوبن حتیٰ کہ شب وصال اور شب ہجر والی غزلیں ہیں اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ لشکر انگیز، اور آسمان شکن توحید وہ چالیس ہزار شہروں اور قلعوں کو بارہ برس میں سر کرنے والی توحید علم و نبوت کی سطح سے گرکر ظن و اعتقاد کی تحت الثریٰ تک اسقدر پہنچ چکی ہے۔ خدا کے اولیائے کرام کی شرم و حیا پر یہ پردہ پڑگیا ہے کہ اسکو بازار کی عصمت فروش طوائف کسی واصل باللہ اور رضا برانداز ولی کے مزار پر بیٹھی ہوئیں پان کھا کھا کر گارہی ہیں! ہاں یہ سب کچھ شرک کا ایک بیگیاں منظر ہے، محبت نفس کے کرشمے ہیں، ضعف ایمان کا تہلکہ انگیز ریا ہے، یہ اسلیئے کہ جہاد بالسیف کے جگر نہیں رہے، تمنائے موت کے دل نہیں رہے ‡، متحد بنکر رہنے کی نفس کشیاں نہیں رہیں، خدا پر یقین نہیں رہا، یوم آخرت پر ایمان نہیں رہا، جان پیاری ہوگئی ہے، ایک نصب العین، ایک مطمح نظر، ایک قرآن، ایک اُمت، ایک امیر، ایک رسول، ایک خدا نہیں رہا۔ پس جس قوم کے ہر فعل و عمل میں شرک کا جزو کبیر اسقدر موجود ہو وہ خدا کی

† صفحہ ۹ کی سورہ حدید والی آیت ا ۔ جمال الدین کی طرف اشارہ ہے ۔ ‡ دیکھو صفحہ ۵ سورہ جمعہ والی آیت ۔

دوستی اور ولایت کا دعوے کس منہ سے کرسکتی ہے، اسکو منعم علیہ قوموں کی توحید میں شک کرنے کا
کیا حق ہے، اسکو نصرانی کی عبودیت سے انکار کس برتے پر ہے؟ اسکو اس اسلام کا احسان کس شیخی پر ہے
قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (حجرات ۴۹)۔ نبی آخر الزمان
کی صدر اسلام میں لائی ہوئی توحید فی الحقیقت وہ سکوں سوز اور تاب گسل، وہ لرزہ فگن اور لشکر شکن شئے
تھی، مومن کے لئے اسکا ہر وقت نباہتے رہنا وہ مصدر کسب و عمل بن گیا تھا، اسکا ولوں کے اندر کیف
حال وہ مصلح اعمال اور مزکی افعال شئے تہا کہ چند لمحوں کے لیئے کسی ادنی سے ادنی بت کی محبت کو قلب پر
حکمران کرلینا بھی ایمان کے منافی ہوچکا تہا! انکو ہر لحظہ اور ہر آن اس امر کا خوف تہا کہ ادنی سی عبادت ما سوا
کرکے مشرکوں کے حلقے میں جا داخل ہونگے۔ انکے دن مسلسل تکلیف اور پیہم اطاعت میں گذرتے تھے، راتوںکو
بستر سے پہلو آشنا نہ ہوتے تھے؛ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ
يُنْفِقُونَ ۝ (السجدہ ۳۲)۔ امت کی بہتری اور وراثت زمین کی طمع میں روحیں کھچ کھچکر حلق تک پہنچتی تہیں کلیجے
مونہوں کو آجاتے تھے، آنکھیں پھر پھر کر رہ جاتی تہیں مگر اس رب امتحان طلب کی خوشدلانہ ملازمت ماتہوں پہ
بل نہ آنے دیتی تھی؛ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ
وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ (احزاب ۳۳)۔ منعم لم یزل کے یہ جو شیدل
مزدور اور چاکری خدا کے یہ سچے شہدا† ابدی دم مزن اطاعت اور غیر متزلزل عبادت کو الجنۃ میں داخل
ہونے کا واحد ذریعہ سمجھتے: أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ
الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝ (بقرہ)
مومن کے دنیاوی تمکن کو رضائے خدا کا آخری وسیلہ جانکر دشمن پر غالب آکر رہنا عین ایمان سمجھتے: رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (مجادلہ)۔ قرن اول کے مومن کی توحید کا
سچا کیف کسی طوفان زدہ کشتی کے بیکس مکینوں کا وہ کیف خشوع اور اسکے ڈوبتے ہوئے بے بسوں کا وہ زہرہ گداز

† دیکھو اصل کتاب حب اللہ صفحہ ۱۰۱

خضوع و سجود تھا جنکے ہوتے ہوئے دلوں کے اندر کسی ماسواسے اعتنا کا باقی رہجانا طبعاً ناممکن ہے اسکا شرک
بھی سبکساران ساحل کی تمرّد اور نڈری کی پیدا کی ہوئی وہ بتگری تھی جس کی ایک بھری اور آراستہ محفل شیطان کی
دلوں پر حکومت ہر جگہ قائم کردیتی ہے ؛ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ
اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (عنکبوت ۹) اگر آج یہی
توحید مسلمان کی آرام پسندی اور ہرزہ درائی، کاہچوری اور یاوہ گوئی کے باعث پتھر کے بتوں سے پرہیز کرنیوالی
توحید بن چکی ہے، اگر آج ہر مسلمان نے بلا استثنا نے احدے لَا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا (حج) کی روح فرسا مگر پادشاہ گر توحید
کو لَا تُشْرِكْ بِيْ حَجَرًا کی آرام دہ مگر محکوم کن توحید سے بدل دیا ہے، اگر وہ سب کے سب الٰہی مقاصد اور کلام خدا
کے اندر حیرت انگیز تحریفیں پیدا کر کے اپنے نفس کے لیئے آسانیاں پیدا کررہے ہیں اور خدا کو منہ سے ایک ایک
بکتے رہنا اپنی زندگی کا منتہائے اہم سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں لیکن وہ یادرکھیں کہ خدا بھی وہ خیر الماکرین خدا ہے
کہ آج اُن سے اُنکے مکر کا دردناک بدلہ اُنکی پوری امت سے لے رہا ہے، اُن کے گھروں کو اُجاڑ رہا ہے! اُنکے
مرکزوں کو تباہ کررہا ہے! اُنکی قوتوں اور فضیلتوں کو آہستہ آہستہ سلب کر کے موت کے گھاٹ اُتار رہا ہے!
ہاں یہ سب کچھ اُنسے چھین چھین کر علیٰ رغم الف اُن لوگوں کو دے رہا ہے جنہوں نے باپ، ماں، بیٹا، روح القدس الغرض
خدا کا ایک پورا کُنبہ بنا رکھا ہے، جنہوں نے آجتک ایک کلمہ شہادت نہیں پڑھا، ایک مسجد نہیں دیکھی، ایک
رکعت بھولے سے ادا نہیں کی، ایک روزہ نہیں رکھا، ایک پیسہ زکوٰۃ نہیں نہ دیا، بھولکر مکے اور مدینے یا
نبی آخر الزمانؐ اور قرآن کا نام تک نہیں سُنا! ہاں لیکن خدائے عادل کے ہاں سے تباہی کا فرمان خسری اسی
قوم کے حق میں نافذ ہوتا ہے جو اُسکے ساتھ مکر کررہی ہے جو اُسکے حکموں کو عملاً اور معناً جھٹلا رہی ہے جو منہ سے
اُسکو ایک ایک کہکر عملاً اُسکو دس ہزار ثابت کررہی ہے، عادل اور دقیقہ رس، اللَّطِيْفُ (انعام) اور الْخَبِيْرُ (ملک)
خدا صرف نیتوں اور اعمال قلوب کو دیکھتا ہے؛ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ
بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ (بقرہ)، لوگوں کے لغو اقوال اور بیہودہ اعتقادات کو کچھ نہیں دیکھتا، اُسکی تمامتر توجہ اسی بات پر ہے

صرف ہوتی ہے کہ کام کیا ہو رہا ہے، داڑھیوں اور مسواکوں، ڈھیلوں اور استنجاؤں کی طرف اسکی نگاہ ہرگز

نہیں جاتی (وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۚ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ) (الاعراف)

الغرض اس لفظی اور قولی، اس ہیچکارہ اور ناکار برآر توحید سے قطع نظر قرآن حکیم کی توحید کا سب سے **پہلا**

اور اہم عمل **اتحاد** ہے، **وحدت امت** ہے، تالیف بین **القلوب** ہے، وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ (انفال) ہے۔ جس قوم کے ذہنوں اور دلوں میں، جسکے اعضاء و جوارح میں یہ توحید سرتاپا گھر کر گئی

اُسکے افراد میں **نظم و نسق** کا قائم ہو جانا اٹل ہے۔ جو امت توحید کے اس مشروط بایمان اور **عظیم الشان** راز

کو پا گئی، اس کی دنیوی فلاح قطعی ہے، اُسکا اس دنیا میں **بقا** طے شدہ امر ہے، **استخلاف** طے شدہ امر ہے،

دوام طے شدہ امر ہے، نہیں بلکہ آگے چلکر آخرت کا دوام بھی اُسی کا ہے! جو قوم اس **طرح** پر موحد ہے، جس نے

خود رائی اور نفس پسندی کے **بُت** کو ہر دم توڑ کر اپنے اخلاق و اعمال میں ایک لازوال متانت اور توازن پیدا

کر لیا ہے، اُسکے سب افراد کا **ایک امیر** کے ماتحت ہو جانا اٹل ہے، حکم امیر پر فی الفور لبیک کہہ دینا اُن کی

نظروں میں درحقیقت **خدا** ہی کی اطاعت ہے، "اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" کے آگے گردن تسلیم خم کر دینا دراصل ربِّ بے نیاز

کے ایک اہم ترین اور مشروط بایمان[1] حکم کو نباہنا ہے، قرون اولیٰ کے عرب کی مانند رسول خدا اور امیر المومنین کی

اطاعت اُنکی نظروں میں خدا کی اطاعت ہے، مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء)۔ جس قوم نے توحید کو اس طرح پر

شعار عمل بنا لیا، اُسکے لیئے امیر کے کہے پر دشمن سے **جہاد بالسیف** کرنا صرف ایک بُت شکنی ہے، توحید کی

طرف ایک قدم ہے، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر عمل ہے، جان کے پیارے بُت کو توڑنا ہے، خدا کی دی ہوئی جان کو خدا ہی کی

راہ میں قربان کرنا ہے[2]! جس اُمت نے توحید کو اس طرح پر سمجھ لیا، جس نے اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ) کے عالمگیر فلسفے

کو اپنے اور جماعت کیلئے نفعمند یقین کر کے اسکو عملاً کر دکھایا، اُسکے لیئے **جہاد بالمال** کچھ مشکل نہیں، اُس کیلئے

حسب موقع صدیق اکبر[3] کی طرح اپنا سارا اثاث بیت لاکر امیر جماعت کے قدموں پر ڈالدینا کچھ مشکل نہیں، اُسپر محبوب کو

[1] مشروط بایمان اسلئے کہ سورہ نساء میں ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (النساء) [illegible]

[2] [illegible]

[3] [illegible]

خوش کرنیکے لیئے اپنی محبوب ترین شئے دیدینا کچھ مشکل نہیں، اُسکی نگاہ میں اپنی محبت کی تصدیق کیلئے اس سے بہتر کوئی سند نہیں، لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران)۔ ہاں جس قوم نے توحید کو اسطرح پر یقین کرلیا جس نے ہر بُت شکنی کو خدائے بیمثال کی سچی عبادت سمجھکر اپنے دل کے اندر ایک غیر منقطع اجر کی ڈھارس باندھ لی، اُسکے لیئے اپنی قوم کی بہتری کی خاطر ہجرت وطن کچھ شئے نہیں، ترک اولاد کچھ شئے نہیں، ترک اقربا، ترک متاع، ترک جان و مال کچھ شئے نہیں اُسکی نظروں میں یہ سب فوری تکلیف ایک لازوال و غیر منقطع امن کا پیش خیمہ ہیں، ایک قائم اور دائم حکومت، ایک رحمت خدا کی موسلا دھار بارش کی تمہید ہیں، یُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ (نوح) کا مقدمۃ الجیش ہیں، ایک نقد دیکر اُس صادق الوعد خدا سے دس اُدھار کر لینے کی تیاریاں ہیں، ہاں جو اُمت اس توحید پر اس نہج سے چل رہی ہے، اسکے لیئے اپنی سعی و عمل میں **استقامت** اور نتائج کے رو سے خدا پر **توکل** ناگزیر ہے، اُسکے افراد میں **ایمان بالآخرۃ** کا موجود ہونا قطعی ہے، اُسمیں **علو اخلاق** کی قدوسی بزرگیوں کا قائم رہنا قطعی ہے۔ روزانہ معاملات میں مسامحت، عدل، ایفائے عہد، رحم، نکوکاری، پاکدامنی، حیا، دیانت، وغیرہ وغیرہ الغرض ان سب **مکارم اخلاق** کا موجود رہنا جو سچی خدا ترسی اور خدا شناسی کے باعث قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں اٹل ہے۔ یہی نہیں بلکہ اُس قوم میں زمین و آسمان کی اس ناپیدا کنار تکوین کے گوشے گوشے کا **علم** حاصل کر کے اپنے دوام و بقا کے لیئے قانون خدا اور امر رب العلمین کا پتہ لگاتے رہنا، اُسکی **مشیئت** کی صحیح درک لگانا، اُسکے بالاو پست میں آیات خدا[†] کی تلاش کرنا، سمع و بصر کا صحیح استعمال کر کے اُسکی سچی **معرفت** میں لگے رہنا نہ صرف عین اسلام اور عین ایمان بلکہ عین توحید ہے! جس قوم کے اندر توحید کے یہ سب عظیم الشان اعمال بدرجۂ اتم قائم ہیں، جسکے افراد میں **توحید فی العمل، وحدت امت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، جہاد بالسیف والانفس، ہجرت، استقامۃ فی السعی مع التوکل فی النتائج، علم، مکارم اخلاق، ایمان بالآخرۃ** کے دس عظیم الشان اصول عملاً اور اصالتاً موجود ہیں، اُس کا اس دنیا میں ہمیشہ تک بادشاہ زمین رہنا، جنات زمین میں متمکن رہنا، قائم و دائم رہنا، منصور رہنا، منعم علیہ رہنا، ایک طے شدہ امر ہے! جبتک نے میں

† دیباچہ صفحہ ۱۵ کی سے ۵ پانچ کی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

آسمان قائم ہیں اُس اُمت کو کسیطرف سے کوئی آسیب قطعًا نہیں پونہچ سکتا، اُسکی زندگی اِس دُنیا میں قطعًا بیخوف و خطر ہے اور یوم آخرت کو الجنۃ کی نعمت عظمٰی کا وارث بنکر ابدالآباد تک آرام پانا اُسیکا حصہ ہے ؛ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (زمر)۔

یہ وہ دس عظیم الشان اصول ہیں جنپر میری دانست میں نبی آخر الزمانؐ کے لائے ہوئے اسلام کی تمام بنیاد ہے۔ کلمہ شہادت، صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ سب اسلامی شعائر جو آجکل ارکان اسلام سمجھے جاتے ہیں انہی دس سے ماخوذ اور انہی دس میں شامل ہیں۔ کلمہ شہادت صرف توحید کا ایک رسمی اظہار ہے، صوم صرف جہاد نفس کا ایک ادنیٰ منظر ہے، الصلوٰۃ صرف اطاعت امیر اور وحدت اُمت ہے، الحج صرف وحدت اُمت اور جہاد نفس ہے، الزکوٰۃ صرف جہاد مال ہے۔ یہ سب کے سب مناسک دین اسلام کے صرف ظواہر اور شعائر ہیں لیکن اصل دین اور الامر یہی دس اصول ہیں یہی عشرۂ مبشرہ دین فطرت ہیں، یہی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (روم) ہیں، یہی وہ لائحہ عمل ہے جسپر چلکر ہر قوم آرام پا رہی ہے، متمکن فی الارض ہے، مورث زمین ہے جس سے اجل زدہ قومیں اکثر نا آشنا ہیں، ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (روم)۔ یہی وہ علم ہے جس کے نتائج اِن آنکھوں کے سامنے نظر آرہے ہیں[*]، وہ سمع و بصر کی شہادت ہی جسپر سب دنیا طوعًا و کرہًا متفق ہے، وہ علم جلیل ہے جو سب انبیائے کرامؑ بلا استثنائے احدے آسمان سے لائے، وہ عہد خداوندی ہے جو بنی اسرائیل سے قائم ہوا تھا جو نسیان کار انسان سے بارہا کیا گیا، جو نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسٰیؑ اور عیسٰیؑ اور باقی سب انبیائے عظام لائے، شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ۖ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللّٰهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ (سورٰی)، جو ہر مشرک اور طاغوت پرست قوم پر طبعًا گراں گذر رہا ہے، جسکی طرف ہر موحد اور خدا پرست قوم لپک لپک کر پونہچتی ہے، جو گیتا کا واحد مذہب ہے، کرشنؑ کا واحد پیغام ہے! یہی وہ عشرۂ مبشرہ ہے جسکا ایک جزو قلیل (جہاد بالسیف) محمدؐ کا دائمی مذہب ہے، جسکے ایک حصۂ صغرٰی (استقامۃ فی السعی) پر شہد کی مکھی روز آفرینش سے چل رہی ہے، جسکے اصل اصول (توحید) پر نجم و شجر چلے جارہے ہیں، وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (رحمٰن)، جسکی بیخ و بنیاد (اتحاد) پر بر و بحر قائم ہیں، جسکی اساس مشترک پر دنیا آباد ہے،

[footnote] ودیباچہ صفحہ ۱۳۱ کی سورہ حج کی آیت کی طرف اشارہ ہے ۔ [*] دیباچہ صفحہ ۹۰ کے مضامین کی طرف اشارہ ہے۔

جو باعث تقویم کائنات اور بنیاد تکوین جہان ہیں! جس قوم نے اس **دین حنیف** سے منہ موڑا، جسنے وحدت امت اور اطاعت امیر، قتال بالسیف اور جہاد بالمال، استقامۃ فی السعی اور ترک لذات (ہجرت)، معرفت خدا (علم) اور ایمان بالآخرۃ، مکارم اخلاق اور توحید فی العمل کو اپنا واحد اور دائمی شعار نہیں بنایا، ہاں جس قوم نے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء) کی لاہوتی اور عالم آرا حکمت کو نہ سمجھکر اپنے اندر ایک غیر منقطع امن کی صورت قائم نہیں کی، اسکی اس دنیا میں مٹی پلید ہو، زمین و آسمان کا یہ منظم اور مضبوط، یہ بے بدل اور مضبوط کارخانہ اسکی دھجیاں اڑا کر رہیگا، اور اقل قلیل مدت میں وہ قوم صفحۂ زمین سے حک کر دیجائیگی۔ فاطر زمین و آسمان کی نگاہ میں وہی قوم **ظالم** ہے جس نے اپنے افراد میں تفرقہ ڈالا، **متقی** وہی ہے جو امت واحدہ بنکر رہی، **مومن** وہی ہے جسنے سب کو پچھاڑ دیا، **کافر** وہی ہے جو سب سے پیچھے رہ گئی، **فاسق** وہی ہے جسنے اپنی حفاظت نہ کی، **عابد** وہی ہے جو وارث زمین بنی، **صالح** وہی ہے جو بیخوف و خطر ہوگئی: فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (اعراف)۔ قرآن حکیم کا دستور العمل اول سے آخر تک اسی فتح و شکست، اسی اجتماعی ہلاکت اور بقا کا ایک مکمل اور مفصل، ایک ناقابل بدل اور اٹل مرقع ہے اور جبتک سعی و عمل کا یہ کارگاہ اکبر قائم ہو اس آسمان و زمین کے ہوتے ہوئے یہی قانون نافذ رہیگا۔

قانون خدا کا یہ عشرہ مبشرہ دین اسلام کا جزو لاینفک اسقدر ہے کہ قرآن حکیم کے طول و عرض میں جہاں جہاں اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ کی شرط ہے وہیں ان دس اصولوں میں سے کوئی نہ کوئی اصل قطعاً موجود ہو (افتتاحیہ کتاب صفحہ ۱۰۸)، جہاں **اتقائے خدا** کے الٰہی مفہوم کی تشریح ہے وہیں ان دس میں سے ایک ایک اصل **شرط لاینفک** ہے (افتتاحیہ صفحہ ۱۱۱)، جہاں **صراط مستقیم** کی توضیح کردی ہے وہیں یہ دس بطور **حکم ناطق** کے ہیں (افتتاحیہ صفحہ ۱۲۹، ۱۳۸-۱۳۰، اصل کتاب صفحہ ۲۲۲، ۲۲۳)، جہاں **کفر** کی الٰہی تفسیر ہے وہیں ان دس میں سے کسی ایک سے عملاً اعراض ہو (افتتاحیہ صفحہ ۹۱ تا ۱۲۷)، جہاں **شرک** کا قطعی محاکمہ دیدیا ہے وہیں اس دہ گونہ توحید سے عملی تناقض ہو (افتتاحیہ صفحہ ۶۶ تا ۷۶)، جہاں جہاں آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کی کوئی شق بیان کردی ہو وہیں ان دس کا کچھ نہ کچھ حصہ ہے، جہاں وراثت زمین کی جزا پیش کردی ہے وہیں یہ بطور شرط کے موجود ہیں، جہاں الجنّۃ کی شرط لکھدی ہے وہاں یہ بطور لاینفک جزا کے قائم ہیں، جہاں جہنم کی سزا عائد ہورہی ہے وہاں ان دس سے

دیکھو اصل کتاب تحت النفس صفحہ ۲۵۶ ۔ دیکھو اصل کتاب تحت النفس صفحہ ۲۲۳ ۔ دیکھو اصل کتاب تحت النفس صفحہ ۱۶۴ ۔ دیکھو اصل کتاب تحت النفس صفحہ ۸ ۔

احراز قطعاً[†] ہے۔ الغرض جس قوم کے افراد میں ان عظیم الشان اعمال کا کچھ نہ کچھ شائبہ پیدا ہوگیا ہے اُسمیں دینِ خدا کا ایک شمّہ ضرور ہے، اسلام ضرور ہے، اتقا و ایمان ضرور ہے، صراطِ مستقیم پر قامت ضرور ہے، نہیں بلکہ بطور نتیجے کے زمین کے کسی نہ کسی ٹکڑے کی وراثت ضرور ہے، آگے چلکر الجنّۃ کے کسی نہ کسی درجے کا انعام ضرور ہے! جس اُمت نے اس دینِ فطرت کے اصولوں کو چھوڑ دیا اکثر کو چھوڑ دیا یا سب کو چھوڑ دیا اُسکا ایمان یکسر ساقط ہے، وہ دائرہ اسلام سے یکسر خارج ہے، وراثت زمین سے قطعاً محروم ہے، اُسکی ہلاکت کا فیصلہ حتماً ہو چکا ہے، اُسکی زندگی کے دن سب پورے ہو چکے ہیں۔ پس نبی آخر الزماںؐ کا لایا ہوا ایمان نہ بڑی بڑی پگڑیاں باندھ لینا ہے، نہ اسکا اتقا داڑھیوں کو چھوڑ دینا اور مونچھوں کو کتروانا ہے، نہ دین حیض و نفاس کے مسئلوں کو یاد کرنا یا ڈھیلوں سے استنجا کرنا ہے، نہ کفر مالا بدّ منہ کا کفر ہے، نہ شرک کنز و اصول کا شرک، نہ مذہب تسبیحوں کا ہیر پھیر ہے، نہ دین نیتیں باندھنے کی مشق و کسرت ہے۔ دینِ خدا ان سب سے جُدا، اور سب کا نقیض ایک علیحدہ شئے ہے جسکی ہیئت اس مُلّائی شرح و تسہیل سے اصلاً مختلف ہے!

مغرب آج اس دینِ فطرت کے صرف چار یا پانچ اصولوں پر کما حقہٗ عمل کر رہا ہے اور فطرت کے خزانہ عامرہ سے بہشتِ امن حاصل کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا ایک اصل پر بھی کچھ عمل نہیں رہا اسلیئے جلد مٹ رہے ہیں۔ آج اُنکے کسی گروہ میں نہ توحید باقی رہی ہے نہ اتحاد، نہ طاعت ہے نہ قابل امیر، نہ جہاد بالسیف کے ولولے ہیں نہ ایثار مال، نہ اعمال خدا کا علم ہے نہ استقامت، نہ ایمان بالآخرۃ ہے نہ مکارم اخلاق، نہ خوف عذاب ہے نہ طمع ثواب، نہ شوق اصلاح ہے نہ ذوق ایمان۔ خلافت کا منصب جسکا ایک مُلّائی اور اعتقادی، ایک ناکارہ، آرا و مضحکہ انگیز ڈھانچ قرنوں کے عطل و جمود کے بعد باقی ہے صرف ایک عضوِ معطّل ہے جسکا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ کہیں کہیں کوئی امید کی جھلک نظر آتی ہے مگر یہ صرف اُس چراغ سحری کا ٹمٹمانا ہے۔ کسی طرف سے کوئی درد انگیز کراہ نکل جاتی ہے مگر یہ سب شیوۂ زنان ہے۔ اب جو شئے سامنے نظر آ رہی ہے موت ہے اور موت وہ لازوال حقیقت ہے جس سے کسی متنفّس کو مفر نہیں!

مذہب کی ماہیت اور پیغامِ خدا کی حقیقت کے متعلق یہ وہ ابتدائی اور انتہائی خیالات ہیں جو میں نے اس دیباچے میں

[†] امنوا و عملوا الصٰلحٰت ... [illegible]

تمہیداً پیش کر دیئے ہیں۔ اصل کتاب کو شروع کرتے وقت مجھے اس تحریر یا اسقدر مفصل افتتاحیہ لکھنے کا گمان تک نہ تھا، میرا خیال تھا کہ قانونِ خدا ایکطرف دس مجلدات کے طول طویل مباحث کے بعد بتدریج تمام رہنمائی ہو، کسی شخص یا گروہ کے اعتقادی جذبات کو بیک وقت کم سے کم ٹھیس لگے اور جبتک ساتھ دلیل کے پیہم تقاطر سے دلوں کی زمینیں قطعاً نرم نہ ہو جائیں اور قرآن حکیم کی ایک ایک آیت اور لفظ کے متعلق کئی پہلوؤں سے نقد و نظر کر کے کوئی قطعی اور آخری، ناقابل رد اور ناقابل انکار فیصلہ نہ ہو جائے کلام الٰہی کا تمام لائحہ عمل ظاہر نہ کیا جائے۔ اس امر کو پیش نظر رکھکر میں نے قریباً چھ مجلدات کا مسودہ دو سال کے اندر اندر ختم کر دیا۔ اسمیں یہ التزام کیا کہ تمام کتاب اوّل سے آخر تک کلام الٰہی کے مطالب اور مقاصد کی ایک مسلسل اور مربوط کہانی ہو، اس داستان میں صرف قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے بیمثال عروج کا راز کھولدنیا پیش نظر ہو، عہد حاضر کے مسلمانوں کے انحطاط کی تہ کو پہنچکر اسکی وجوہات کا کھوج لگایا جائے، سب سے پہلے قرآن حکیم کے اپنے متعلق نفس دعاوی کو دیکھا جائے، پھر ان دعاوی کی تصدیق کی تلاش ہو، پھر نفس اسلام کے ہر شعبۂ عمل پر مستقل مباحث ہوں، اُسکے قانون کی کُنہ و ماہیت اور الٰہی اوامر و نواہی کی منطق کیطرف توجہ ہو، اور انہی مباحث کے ضمن میں آیات الٰہی کے صحیح مطالب کی تبیین کر دیجائے۔ آیات الٰہی کی توضیح اس ترتیب سے ہو کہ ہر آیت کے مطالب کا انحصار حتی الوسع پہلے تصدیق شدہ مطالب کی بنا پر ہو، کوئی آیت حتی الامکان ایسی نہ پیش کیجائے جسکی مصطلحات کی تبیین اس سے پیشتر کی آیات میں نہ ہو چکی ہو۔ گویا سب اگلے اور پرانے خیالات کو یک طرف کر کے اور قرآن کے متعلق خالی الذہن ہو کر اسکو از سر نو پڑھا جائے اور جوں جوں آیات الٰہی پیش ہوتی جائیں، مذہب کی ماہیت کا نقشہ خود بخود ذہنوں میں بیٹھتا رہے۔ یہ التزام اصل کتاب کی تمام تحریریں جو متن میں ہیں قائم ہے اور حتی الوسع قائم رہے گا۔ حواشی کتاب میں جو بعد میں فرمائش پر اور نہایت اصرار سے لکھے گئے یہ التزام ہر جگہ قائم نہ رہ سکا اور نہ اسکا رکھ سکنا ممکن تھا۔ لیکن اسلام کی پُر آشوب حالت اور طباعت† کی بےحد مشکلات نے اس تدریج کے خیال کو بدل دیا۔ اور جب دس مجلدات کا بیک وقت پیش کر دینا متعذر نظر آیا تو خیال ہوا کہ تمہید کے طور پر جو کچھ کہنا ہے بیخوف و خطر کہدیا جائے۔ جب ایک شئے حقیقت ہو تو اسکا چھپانا یا اسکو روک روک کر ظاہر کرنا بھی اصل مطلب کو خبط کرنا ہے۔ دلیل کے انتظار میں یا مخالفت کے خوف سے ایک عالم آرا حقیقت کے

† چنانچہ صرف پہلی مجلد کی طباعت میں سرمایہ، زر، محنت کے باوجود دو برس کے قریب وقت صرف ہوا۔

اعلان کو ملتوی کر دینا شیوۂ مردانگی نہیں۔ نہیں بلکہ آفتاب کی دلیل آفتاب کے سوا اور کچھ شئے نہیں، جو شخص صاحب نظر ہے اُسکو کسی طول و طویل تحریر کی بھول بھلیوں میں لیجا کر منوانا عبث ہے، جسکی نگاہ کمزور ہو اُسکو آہستہ آہستہ آفتاب دکھلانے کیلئے سب کے واسطے اندھیرا کر دینا کچھ ضروری نہیں۔ اگرچہ کچھ میں نے کہنا ہو میری نگاہوں میں حقیقت ہو، صدق بسیط اور واقع الامر ہو، زمین و آسمان کا ایک اور اٹل، دائم اور قائم قانون ہے، اگر یہ سب کچھ آج اِن آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اُسکی تصدیق ہے، جو ہو چکا اُسکی ایک ناطق اور فیصلہ کن سند ہو، جو ہو کر رہیگا اسکی مبرہن دلیل ہے تو اس حقیقت کا جسقدر جلد بہانگ دُہل اعلان کر دیا جائے اچھا ہو۔ جسقدر جلد اسکے مخالف یا موافق پیدا ہو جائیں بہتر ہے۔ علم کے اعلان کیلئے کسی لمبی چوڑی دلیل کی ضرورت نہیں، وہ بذات خود ایک مبرہن شئے ہو اور مبرہن کو مبرہن کرنے کی سعی کرنا دراصل اُسکے سچ ہونے میں شکوک پیدا کرنا ہے۔ خود قرآن حکیم جب نازل ہوا علم تھا، ایک روشن اور مبرہن حقیقت تھی لیکن جب آیا بن دلیل آیا، اِس بن دلیل علم اور صدق بسیط نے سعی و عمل کی آگ اسلیئے لگا دی کہ اُس حقیقت کو تسلیم کرنیکے لیئے دلیل کی ضرورت نہ رہی تھی، اُس آفتاب کو آفتاب ثابت کرنیکی حاجت نہ باقی تھی۔ جب قرآن علم نہ رہا اور ظن و اعتقاد کی ادنی سطح پر گر گیا اُسیدن سے دلیلیں شروع ہوئیں، اُسیدن سے لوگوں نے تفسیر و تشریح کے طومار باندھ دیئے ہر کس و ناکس نے اسکو سچ ثابت کرنا اپنا شعار بنا لیا، اسکا نتیجہ یہی ہوا کہ استدلال کے باوجود قرآن پھر علم نہ بن سکا، عقلی منطق کے پائے چوبیں سخت بے تمکین رہی ہے، سعی و عمل پھر پیدا نہ ہو سکا پس اگر آئندہ اوراق کے اندر منطق اور دلیل کا ایک بے پایان دریا عز و تمکنت سے بہ رہا ہو تو اس دیباچے کے اندر اُس دریا کا آبدار موتی اور گوہر غلطاں موجود ہے اگر اُس مفصل کے اندر دلیل اور بُرہان کی متانت قائم ہے تو دیباچے اور افتتاحیے کے مجملوں میں علم کا تحکمانہ استیلا اور حقیقت کا بے نیازانہ انحصار ہے۔ جس سرد مہری یا گرمجوشی سے اِس کتاب کا عالم اسلام میں استقبال ہوگا مجھے اِس سے سروکار نہیں، میں نے اپنی طرف سے علم اور منطق دونوں پیش کر دیئے ہیں، اجمال اور تفصیل دونوں یکجا کر دیئے جس نے اِس اجمال سے کچھ حاصل نہیں کیا اُسکے لیئے دلیل اور تفصیل آگے آ رہی ہے، جسنے تفصیل کو دیکھکر کچھ نہیں سمجھا اُسکے لیئے اجمال حاضر ہے۔ اسلام کی ماہیت کے متعلق جو کچھ میں نے کہا اور کہنا ہو میری نگاہوں میں

حقیقت ہو فی الجملہ اور بحیثیت مجموعی حقیقت ہی۔ پس اس امر کے متعلق کسی حیص بیص میں پڑنا میری نظروں میں عبث ہی میں اسلام کے اندر اسکی اس آفتاب لب بام حالت میں کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا نہیں چاہتا، نہ معترض سے مخالفانہ رویہ اختیار کر کے مجھے اپنا اعلا مقصود ہے، پس مجھے اس تحریر کے مؤید سے اعتنا ہے نہ مخالف سے سروکار، اگر تمام عالم اسلام بیک آواز اسکا مؤید بنکر اسپر عامل ہو گیا تو میں سمجھونگا کہ میرا مقصود حل ہو گیا۔ اور اگر نہیں تو خمیری اور فطیری کی بحث میں پڑ جانا یا ایک گروہ کی آمادگی عمل پر خوش ہو جانا میرے نزدیک لا طائل ہے۔ مسلمانان عالم دین اسلام کی اس تبیین سے پچاس یا سو برس تک اور انکاری ہو لیں، لیکن جبتک شدید العقاب خدا کا منتقمانہ عذاب اسطرح پر نازل نہیں ہوگا کہ موت کے علمبردار خدائی جلاد سینوں پر چڑھ چڑھ کر امت کا گلا گھونٹ رہے ہونگے اور فنا کی لازوال حقیقت عین سامنے آ حاضر ہوگی تب تک اس کتاب کے مقصود کیطرف ہمہ تن رجوع ہو جانے کی امید عبث ہی۔ ابھی تک جو کچھ ہو رہا ہے فاقہ مستی اور بے آبروئی کے نشے ہیں، فتح و شکست کے قمار خانے میں پاک بازی کی اکڑ ہے، ملائی تکبر یا جہالت کا پیدا کیا ہوا استغناء ہے، نسیان درس کی خوش طبعی یا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (المومن) کی فرحت ہی لیکن جسدن موت نے چپکے سے آ سلام دیا اسدن یہ اکڑ سب نکلجائے گی، یہ غفلت کے نشے سب ہرن ہو جائینگے، یہ کبر و منی کے دعوے سب باطل ہو جائینگے فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ۝ وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ (الواقعہ)۔ ہاں اسدن اس تحریر کی طرف پھر رجوع ہوگا، اسکے اوراق کو طاق نسیاں سے اٹھا کر پھر پڑھنا شروع کر دیں گے، اسکی توحید کو پا کر آمنا پکار اٹھیں گے، قرآن کو اٹھا اٹھا کر حسبنا کہدینگے، غیظ و اسف سے انگلیاں کاٹ کاٹ کر رہ جائینگے، فرش سے عرش تک ایک چیخ پکار پیدا ہو جائے گی، آہ لیکن وہ وقت توبہ اور عمل کا نہیں ہوگا، قضا اور اجل کا ہوگا، موت و ہلاکت کا ہوگا، يَا أَيُّهَا الْحَسْرَةُ عَلَى الْعِبَادِ کا ہوگا، هَلْ مِنْ مَزِيدٍ کے نعروں کا ہوگا، جہنم کے سرفلک شعلوں کا ہوگا، آہوں و کراہوں کا ہوگا، اُس اڑے اور آخری وقت میں اس توحید، اس اسلام، اس ایمان کیطرف رجوع کرنا عبث ہے! فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ (المومن)۔



اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ۜ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ (۱۸: ۱-۲)

وَکَمْ اَہْلَکْنَا مِنْ قَرْیَۃٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَہَا ۚ فَتِلْکَ مَسٰکِنُہُمْ لَمْ تُسْکَنْ مِّنْۢ بَعْدِہِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ۭ وَکُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَمَا کَانَ رَبُّکَ مُہْلِکَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْٓ اُمِّہَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا کُنَّا مُہْلِکِی الْقُرٰٓی اِلَّا وَاَہْلُہَا ظٰلِمُوْنَ ۝ (۲۸: ۵۸-۵۹)

مسلمانانِ عالم گذشتہ دو صدیوں سے ایک مسلسل انحطاط کے گرداب میں مبتلا ہیں۔ اس تنزّل کی سُرعت، اور ہبوط کی تیز رفتاری جس قدر خوفناک ہے اُسی قدر وہ عام جمود اور فقدانِ حِسّ درد انگیز ہے جو مسلمانوں کو کامل طمانینت اور سکونِ دل کے ساتھ قطعی ہلاکت' اور یقینی موت کی طرف لیجا رہا ہے۔ ملّت کے ہر فرد میں وہ قوائے ظاہری و باطنی جو تمدّن کی جان، اور عمران کی رُوحِ رواں ہیں مفقود ہو چکے ہیں۔ وہ جذباتِ آہنی جن کی زد بنیادِ اقوام کو کپکپا دیتی ہے نرم پڑ چکے ہیں۔ قوم کا ایک ایک متنفّس انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بیکار ہو گیا ہے۔ حسیّاتِ دینی کا اہم اور مفید تر حصّہ زائل، اور امتیازاتِ دنیوی کی تحصیل میں مسلمانوں کا تعطّل

ضرب المثل ہو گیا۔ ہے قوّت ارادی اور قدرت اقدام عمل تنظیم تامات اور تقسیم کار، قوائے عاملہ کا اتحاد و تمرکز، استقلال اور استمداد باہمی کا دستور العمل، مطاوعت و انقیاد کا جذبہ مشترک، اور سیادت و قیادت کا ملکۂ سلیم، جن کے التزام کے بغیر اقوام کیا افراد بھی چھوٹے سے چھوٹا کام پایۂ تکمیل کو نہیں پونہچا سکتے محض چند مہمل کلمات رہ گئے ہیں جو حقیقت سے بے بہرہ، اور معانی سے ناآشنا ہیں۔ اس حالت میں تعجب نہیں اگر حصولِ مُراد کی ہر کوشش میں مسلمانوں کو بالآخر ناکامی کا سامنا ہوتا ہو، ہر تدبیر جو وہ اپنی بہتری کی اُمید میں عمل میں لائیں نامُرادی سے بدل جاتی ہو، ذہنی انتشار، اور جماعتی تفریق و تشتات کا ہولناک عفریت اُن کی قوّتِ عمل کو بے اثر کر دیتا ہو، اور حرماں نصیبی ان کے کمزور اخلاق پر غلبہ پا کر اُن کے جذبۂ ایمان کو کچل دیتی ہو۔

مَیں ایک مُدّت سے اِس دردناک نظارے کو باکراہِ تمام دیکھ رہا ہوں۔ گذشتہ سو سال کے تاریخی شواہد، اور سیاسی نامۂ اعمال کی روح فرسا سرگذشت نے ثابت کر دیا ہے کہ اُمّت حاضرہ اب اخلاقی تنزل کے اُن انتہائی مدارج تک پونہچ چکی ہے جہاں اُن کا کوئی فعل، کوئی طریق عمل، روئے زمین کے کسی حصّے پر صلاحیت سے تکمیل کو نہیں پونہچتا۔ اگر نظامِ عمل کے عام فقدان کے باوجود بالفرض کسی فرد یا جماعت کو ایک طریق کار کی طرف جانے کی توفیق عطا ہوئی ہے تو پیشتر اِسکے کہ کوئی مفید نتیجہ نکلے، مخالف اثرات اور تشتّت کے ہلاکت آفرین جراثیم نے اُس جماعت کی انتظامی قوّت کو اندر ہی اندر سلب کر دیا ہے! قوم کی جس تحریک کی طرف دیکھو یہی حال ہے۔ گذشتہ قرن کے اندر ترکوں کی سب سے اہم مُلکی تحریک، جو ایک نقطۂ نظر سے منظّم، اور ایک مقتدر وزیر اعظم (مدحت پاشا) کے سیاسی تخیّل کا نتیجہ تھی، دستوری حکومت کے حصول کی سی سالہ تبلیغ اور بالآخر اس کا انعقاد ہے۔ مگر یہ ایک کُھلی حقیقت ہے کہ انجمن اتحاد و ترقی چند لمحوں کے لیئے بھی یورپ کی اس عجیب و غریب صنعت کی 'حسناتِ جاریہ' اور 'برکاتِ لامتناہیہ' سے بہرہ اندوز نہ ہو سکی، اور ترکوں کی سلطنت کے لیئے اِس کا رسمی نفاذ بالآخر اعلانِ شکست ثابت ہوا!

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

ہیولا برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

تاریخ کے صفحات خونیں کو اور اُلٹ دیجئے، یہی رنگ نظر آئے گا۔ سوڈان میں مہدی کا ہولناک خروج، مصر میں محمد عبدہ کی نیم سیاسی تبلیغ، ہندوستان میں ہنگامۂ غدر، جنگ بلقان کا المناک حشر، ایران میں مجلس شوریٰ کا انعقاد وغیرہ وغیرہ، سب کے سب اہم اور ہمہ گیر انقلابات تھے، لیکن اگر بہ امعانِ نظر اُن کے سقوط کے اصلی اسباب کی چھان بین کی جائے تو ہر نامرادی اور فساد کی تہ میں عدم نظامِ عمل اور وسائل کی یاس انگیز کمی، استقلال کا فقدان اور ذہنی طوائف الملوکی، حد و جہد کا تشتت اور غلط اندازۂ کار، آرا کا ہولناک تفرقہ اور قوتوں کا المناک انتشار، ایک ہلاکت آفریں بحران کی صورت میں نظر آئے گا۔ کم و بیش یہی صورت قوم کے ادنےٰ مشاغل کی ہے۔ کوئی ملکی تحریک یا مقامی تجویز، اجتماعی انجمن یا سیاسی مجلس، خیراتی مصرف یا تجارتی شرکت، علمی مشغلہ یا انتظامی سلسلہ، ایسا نہیں جو مسلمانوں کی مختصر پسندانہ کارفرمائی سے ایک اقل قلیل مدت میں کالعدم نہ ہوگیا ہو!

ہیچوں سپند پیشِ تو اے مختصر پسند!

ورنالہ تمام کنم ماجرائے دل

مگر فی الحقیقت جو حوادث دنیائے اسلام پر اس چودھویں صدی کے آغاز میں رونما ہو رہے ہیں اُن کی مثال اسلام کی گذشتہ ہزار سالہ تاریخ کا تاریک سے تاریک صفحہ بھی پیش نہیں کرسکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بالآخر صدیوں کی مزمن بیماری نے مریض کے ہر عضو کو مضمحل، اور ہر جوڑ کو درد آمود کر دیا ہے۔ اعصاب کی پیہم شکست، اور طاقت کے مسلسل زوال نے دفعۃً خوفناک علامات پیدا کر دی ہیں۔ دل، دماغ، اور جگر، سب کے سب مرض کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ سلامتی اور بقا کی چند آخری گھڑیاں ہلاکت اور فنا کے مہیب دیو سے قطعی اور فیصلہ کن مجادلہ کرنے کو ہیں، حیات مستعار کے چند عارضی لمحات عدم کی بیکراں ازلیت اور ابدیت کے محیط میں پیوست ہونے کو ہیں! اگر معیشت

اور جماعت کی یہ اندوہناک کشاکش فی الحقیقت کذب اور یقین، فساد اور امن، باطل اور حق کی آخری آویزش ہے تو فیصلہ اٹل ہے: **فنا** کی لازوال حقیقت کے سامنے کسی باطل اور فاسد ہستی کی کچھ وقعت نہیں، وہ مٹ کر رہے گی، اور تمام کوششیں جو اسکو فروغ دینے کے لیئے اس آخری وقت میں کی جائیں گی بیکار ثابت ہوں گی۔ لیکن اگر اسلام سراپا **حقانیت** ہے، مجسمۂ **صدق** اور سرچشمۂ **حقیقت** ہے، شارع قدرت کی عالمگیر سنتوں میں سے ایک **سنت** ہے، تو فطرت کا عدل اور تسویہ اس امر کا مجاز ہو نہیں سکتا کہ ایک حقیقت کے نفوذ و جبر کے ضمن میں دوسری حقیقت قربان کردی جائے، یا کائناتِ فطرت کی اپنی طاقتیں ہی ایک دوسری کی تخریب و تعدیم پر آمادہ ہوجائیں!

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰ : ۳۰﴾

دین اسلام خدا کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر اُسنے تمام انسانوں کو پیدا کیا، اس سے کسی فرد کو مفر نہیں، اور خدا ساز فطرت میں کسی ردو بدل کا امکان نہیں دنیا کو نباہنے کا یہی صحیح اسلوب عمل اور صراطِ مستقیم ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۳۳ : ۶۲﴾

اور تُو قانونِ خدا میں کوئی ردو بدل ہرگز نہیں پائے گا۔

اس قطعی استدلال کی بنا پر میرا ایمان ہے کہ قانونِ فطرت کی کوئی مضر حقیقت اسلام کو فنا نہیں کرسکتی، مسلمانانِ عالم کا روئے زمین پر بالآخر بطور ایک غالب عنصر کے رہنا ابدی ہے، اور جب تک زمین و آسمان اور کُل کائنات موجود ہے یہ صورت قائم ہو کر رہے گی۔ اگر موجِ حوادث کے تلاطم اور واقعات کی لشکر انگیزی نے بظاہر اس کلیے سے انحراف پیدا کردیا ہے تو وہ استثنائی اور عارضی ہے، اسکی حقیقت سوا اسکے نہیں کہ مخالف

* دین اسلام کے متعلق قرآن کا دعویٰ یہ ہے: فطر النّاس علیھا، یعنی یہ کہ تمام ساکنانِ زمین کو اسی پر مجبول کیا ہے، اور یہی ان کی فطرت ہے، ایک فطرت اور جبلت الٰہیہ ہے کا اعلان ہے حکمو دار وردوچاک کی طرح عیاں کردینا ہر مسلمان کا فرض ہے صرف اس وجہ سے کوئی شخص اسکو مان نہیں سکتا کہ یوں تو اس دعوے کے صحیح مفہوم کو سرسری نظر سے پا لینا بھی از بس مشکل ہے۔ اور اسی لیئے کہا گیا ہے کہ اکثر لوگ اس حقیقت کو کما حقہٗ علم نہیں رکھتے۔ جو ہر نوع یہی حکمت اس کتاب کے طول و عرض میں پیش نظر ہے اگرچہ نتائج اخیر میں جاکر مرتب ہوں گے۔

اثرات کے دباؤ نے ایک غیر مانوس صورت نمایاں کر دی ہے جو ہٹ کر رہے گی! دین اسلام کے عالم آرا تعمیری† فلسفے کا یہی وہ بنیادی پتھر ہے جس نے اُس کے قیام و استحکام کا ذمّہ ابتدائے آفرینش سے لیا، اور جو آج تیرہ سو سال کے مصائب و نوائب ہائلہ کے باوجود اسکی حیات کو قطعی، اور اسکے قانون کو ازلی اور ابدی قرار دیتا ہے۔ صانع قدرت نے اِس اصلیّت کا انکشاف فطرت کے ہر اصول اور ہر طرزِ عمل میں کیا ہے، جب تک صداقت صداقت ہے، اُس کا غلبہ، جہاں کہیں وہ ہو، یا جس پیرایہ میں ظاہر ہو، ناگزیر اور اٹل ہے۔ اگر دنیا میں کذب و ریا، مکر و تلبیس، ظلم و خدع کے لاانتہا فساد انگیز اثرات کے باوجود فطرت کے اصول قائم، اور قانونِ خدا کی حکومت مُسلّط ہے تو اس کا اصلی راز یہی ہے، اگر ہوا و ہوس کی چند روزہ گرم بازاری، اور خواہشاتِ سفلی کی عارضی رَوا روی کے باوجود سطح زمین اب تک بحیثیت مجموعی جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوئی تو اس کا حقیقی باعث یہی ہے۔ باطل اور فاسد ہستی کے تصادم کا ایک مستقل حقیقت پر اثر بعینہٖ مثل اُس پتھر کے نقش کے ہے جو ایک اتھاہ سمندر کی سطح پر پھینکنے سے خفیف تموج تو چند لمحوں کے لیئے پیدا کر دیتا ہے، مگر اپنی ہستی کو ابد الآباد کے لیئے کالعدم کر دیتا ہے!

فروغِ شعلہ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاس ناموسِ وفا کیا

اسلام کا زور و اثر آج اگر اس قلیل مُدّت کے بعد، فی الحقیقت نابود ہو گیا ہے تو دو صورتیں ہیں، کائناتِ قدرت کا مسئلۂ قیام نیز ختم ہے، فطرت کی عظیم الشان تعمیر کا نظم و نسق بھی اپنی بنیاد سے ہٹ چکا ہے، کیفیات کے طلوع و غروب کی عمر بھی پوری ہونے کو ہے، اجسام کا جذب و اتّصال، اجزا کا مزج و خلط، احوال کی مداولت، آثار کا حلول، تراکیب کا قدر و عمل، یہ سب کچھ بھی اپنی اپنی مہلت پا کر رخصت ہو رہے ہیں اور بالآخر معمول فطرت کے اس حیرت انگیز استیلائے اثر کے بعد، زوالِ عالم کی منزل قریب ہے! اور اگر یہ حالت نہیں تو آج خود نفس اسلام، بلکہ مقاصد قرآن کے اندر، حقیقت کی روح قطعًا نہیں رہی، اُسکی قوّتِ تاثیر و نفوذ اپنا ظرف چھوڑ کر کسی دوسرے قالب میں

---

† فلسفہ اسلام کو عالم آرا اور تعمیری دو نوں ثابت کرنا اس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔

منتقل ہوگئی ہے، اُسکا دائرہ علم و عمل مُندرس، اور اُسکی رُوپائے قلب محو ہوگئی۔ ہم اسلام کی عروسِ معنی، جو ایک
نااہل مسلمان کی رفاقت سے بیزار ہوجانیکے بعد **صورت** کے تنگ و تاریک اور **الفاظ** کے مہلک روح حجلوں کے
اندر، اس تغافل، بے اعتنائی، اور بیدردی کا شکار ہوئی ہے کہ آج اسکی ہستی کا اعتراف بھی کسی متنفس کو نہیں رہا!
دنیائے حقیقت نواز کی جنگ آج اس قتیلِ غفلت کی ابھی فاسد اور ناکارہ ہڈیوں سے ہے۔ جن کے ڈھیر کی المناک
سرگذشت، مہلت† کے پردۂ خفا نے قرنہا قرن تک مستور رکھی! زمانے کا باطل رہا مگر بے جسم ہاتھ آج قصابخانۂ روح
عمل کی اسی مذبوحِ حیا نعش کو سپردِ زمین کر رہا ہے جس کے ایام سعید کا عہدِ حیات، مہرِ نیمروز کی کرنوں سے بھی
درخشاں تر حقیقت تھی! آہ! لیکن قالب کا مکین اگرچہ رخصت ہوچکا ہے، اور حقیقت کی منتظر قرار روح بہتر اور
صالح تر جسموں میں حلول کرگئی ہے، مگر زمانے کی عجائب نمائی، بلکہ ربِ لم یزل کے تقاضائے غیرت نے کم از کم
اس مُردہ ڈھانچے کی اس قدر حُرمت تو ضرور برقرار رکھی ہے کہ آج صدہا برس کی موت کے بعد بھی اُس کے اصلی
خط و خال کا نقشہ صاحبِ نظر سے نہاں ہو نہیں سکتا۔ **قرآنِ عظیم** اب بھی جہل و نسیان کی ظلمات کے اندر وہ سطیع
نطیقِ **حکمت** ہے کہ عمیق نظروں میں سیاہی کا تقابل اُسکی سپیدی اور چمک کو اور بھی دوبالا کر رہا ہے! مطالب کی
غلط فہمیوں، اور مقاصد کی دور افتادگیوں کے باعث جس قدر اسکی ہر بات عوام کے نزدیک ناقابلِ التفات اور
بے معنی ہو رہی ہے، اُسی قدر صحیح القلب نقاد کی نظروں میں اسکی عظمت کا رنگ کھلتا جارہا ہے! اسلام کی از سرِ نو
حیات کے دن لامحالہ اُس وقت پھرنے لگیں گے جب کہ بداعمالی، کفر، اور تکذیب کے ہوش ربا جمود، اور عالم گیر
شکست و ریخت کے محیط الکل عجز میں خود مسلمانوں کا کوئی غمزدہ اور دل باختہ بندۂ خدا، قرآنِ حکیم کی طرف پھر
متوجہ ہوگا، اور نافہمی، غلط عملی، سیہ بینی، باطل آرائی اور عدم یقین کے حجاب در حجاب کو اُس کے ماتمی اور
پژمردہ چہرے سے اُلٹ کر، **ایمان** کی اصلیت کو بے نقاب کردے گا۔ اُسی دن حقیقت کی روٹھی ہوئی دلہن پھر

† خلافت عباسیہ کے عہد انحطاط (چوتھی صدی ہجری) یا اسکے کچھ دیر بعد سے آجتک جو زمانہ جمود اس پا عالم آرا جوف کا دنیائے اسلام پر گذر رہا ہے میرے نزدیک 'مہلت' کی ایک مدت ہے جو لامحالہ آخری اور انتہائی عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ اسی زمانے میں اسلام رفتہ رفتہ صرف ایک 'صورت' اور 'رسم' کا نام رہ گیا۔ 'معنی' اور 'روح' دونوں نکلتے گئے،

مٹ جائے گی اور اسلام کے ویران گھر کو یک دم آباد کر دے گی!

اسی بنا پر قرآن کریم کا وہ مبشرانہ اور فیصلہ کن وعدہ جو آیۂ کریمہ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (۳: ۱۳۸) میں ہے، ایک ایسی حقیقت کے ساتھ مشروط ہے جس کا التزام اجتماعی غلبے کے استمرار و تسلسل کے لیئے بمنزلۂ روح ہے۔ ایمان کی جانفزا صداقت، مرگ و زیست کی ہر کشمکش کے قیام کے لئے اکسیر اعظم ہے؛ وہ ہر کامرانی کی کلید، اور ہر کامیابی کی تمہید ہے؛ وہ ٹوٹتے ہوئے دلوں کے لیئے مومیائی اور مرے ہوئے حوصلوں کے لیئے آب حیات ہے؛ اسکی ہر افزایش میں کشاد کار کا راز، اور ہر کاہش میں نامرادی کا بھید ہے؛ وہ فتح کی ہر منزل پر نئی روح، اور شکست کی ہر علامت پر نئی زندگی بخشتی ہے؛ وہ اجماع امّت کا مرکز، نظم و نسق کا محور، اور انتہائی جدّوجہد کی اساس ہے؛ اسکی کشش اتّصال، فاسد اور متفرق طاقتوں کو جمع کر کے قوّت دفاع کو دیوار آہن کی طرح مضبوط کر دیتی ہے؛ اسکا انجذابی اثر، تشتات و انتشار کے اجزا کو سمیٹ کر، اقدام عمل کی توفیق دیتا ہے؛ جس متنفس کو حیات کی جانکاہ مسافرت میں ایسا سچا رہنما نصیب ہو، اُسکے ہر گام پر فتح و نصرت شامل حال ہے؛ اور جس قوم کو تحفظ و بقا کے اندوہناک محادلے میں ایسا جارحانہ اور مدافعانہ حربہ عطا ہوا ہو، اُسکا مخالف اثرات پر تسلط یقینی، اور تغلب اور **تمکن فی الارض** ایک طے شدہ امر ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ○ (۲۴: ۵۵)

تم میں سے جن لوگوں کا ایمان سچے دل سے قائم رہا اور جنہوں نے اسکے علاوہ تن دہی سے اعمال صالحہ بھی کیئے، اُن سے اللہ جل شانہٗ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں قیام عطا فرمائے گا جیسے اُن لوگوں کو قیام عطا فرمایا تھا جو اِن سے پہلے ہو گذرے ہیں؛ وہ اس دین کو جو اس نے انکے لیئے پسند کیا ہے جما کر رہے گا، اور بعد ازاں اُس خوف کو بھی جو انہیں دشمن سے لاحق ہے امن سے بدل دیگا۔ ان کا مسلک عمل یہ ہے کہ میرے غلام بنکر میرے حکموں پر چلتے رہیں (یَعْبُدُونَنِی)، اور طاعت گذاری میں کسی دوسری ہستی کو میرے ہم مقام

ملے اور مرہم پر کمر ہمت نہ ہارو، اور آزردہ خاطر نہ ہو کیونکہ اگر تم ایمان والے ہو تو آخر کار سربلندی تمہاری ہی جیت ہے۔

۔ کریں (لا تشرکون بی شیئًا) اور جنہوں نے اس حکم اور قیام کے بعد اطاعت احکام سے انحراف کیا، اور اپنی بداعمالیوں کے باعث اس نعمتِ عظمٰی کی ناقدری کی (کفر)، تو وہی فاسق ہیں [۱]: (اور وہی اجتماعی ہلاکت کے اہل ہوں گے [۲]) (۲۴ : ۳۵))

شارعِ قدرت کا یہ حتمی میثاق، نہ صرف اسلام بلکہ تمام اقوامِ عالم کی حیات و ممات کا مکمل اور آخری فیصلہ ہے قرآن کریم کی حجت بالغہ، اور شریعت خدا کی حکمت جامعہ و مانعہ، جہد للبقا اور مقاومۃ للنفس کے اس طبعی نتیجے پر تیرہ سو برس پہلے پہنچ چکی ہے، جو فلسفہ دان فارابی، ہیگل اور ڈارون* کے مسئلہ ارتقا و انتخاب طبیعی کی اصطلاح میں بقائے اصلح کے نام سے معروف ہے۔ اس آیہ کریمہ میں دو باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے: اولاً یہ کہ استخلاف فی الارض

---

[۱] آیاتِ ماقبل، (۲۴: ۴۸-۵۴)، وما بعد (۲۴: ۵۶) کے ربط کو پیش نظر رکھ کر، عبادت، شرک، کفر اور فسق کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے قرآن کریم کی لغت میں یہ چاروں اصطلاحیں، اور ان کی مثل اور الفاظ جن کا ذکر آگے آئے گا، اس قدر جامع اور مانع ہیں کہ ان کی صحیح اور ناقابل انکار تشریح کرنا، دراصل قرآن کی تمام حکمت اور لائحہ عمل کو عیاں کر دیا ہے یہاں پر تعبدؔ و نہی سے لیکر فسقون تک جو ترجمہ کیا گیا ہے دراصل اس قدر وقت ہے، مگر اس کا کافی ثبوت کتاب کے آیندہ اوراق میں مل رہیگا قرآن حکیم کا ربط بھی اس قدر ظاہر اور باہر نہیں کہ اس کو کتاب کے محض ابتدائی اوراق میں واضح کیا جا سکے اس کے لیئے بے انتہا غور و فکر اور صحیح علم کی ضرورت ہے۔

[۲] سورۂ احقاف کے اخیر میں ہے فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُونَ٥ (۴۶: ۳۵) "تو کیا ماسوا فاسق قوم کے کوئی اور قوم بھی ہلاک ہو سکتی ہے؟" گویا فاسق قوم کی ہلاکت قطعی ہے۔ اس بنا پر ترجمے میں اس ضروری اصلاح کا سبب ظاہر ہے۔

* مسئلۂ ارتقا، جس کی مجمل تشریح آیندہ موقع پر کر دی جائے گی، منجملہ ان عالم آرا مسائل کے ہے جس کی اختراع و ادراع اور تصدیق کے متعلق چند سر آوردہ ناموں کا انتخاب کر لینا از بس مشکل ہے۔ مختلف قرنوں کے علما نے اس مسئلے پر بحثیں کیں، اور بہر بار متعدد اضافے ہوتے رہے اہل یونان اور روما کے فلاسفر کے زمانہ عروج میں اس کے اعتراف کے آثار پائے جاتے ہیں، مگر ماسوا ہرقلیطس (المتوفی ۴۷۵ قبل مسیح) اور لوقریطس (المتوفی ۵۵ قبل مسیح)، مشہور شاعر کے کوئی پرانا فلسفی اس کے متعلق مفید معلومات بہم نہیں پہنچاتا۔ اہل ہند کی پرانی کتابوں میں کہیں کہیں اس کا مسئلہ کسی قدر پایا جاتا ہے۔ اسلام کے عہدِ عروج میں مختلف حکما نے اس مسئلے کو لیا، اور اس کے متعلق بہت کچھ چھان بین کی۔ اس سلسلے میں، الفارابی (المتوفی ۳۳۹ھ ۹۵۰ء) ابن سینا (المتوفی ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء)، ابن ماجہ (المتوفی ۵۳۳ھ ۱۱۳۸ء)، اور ابن مسکویہ (المتوفی ۴۲۱ھ ۱۰۳۰ء)، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یورپ کے عہدِ ارتقا میں جو نام سب سے زیادہ سر آوردہ ہیں، ہیگل (المتولد ۱۲۰۵ھ ۱۸۳۱ء)، والے (المتولد ۱۲۳۸ھ ۱۸۲۳ء)، ہکسلے (المتوفی ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء)، اور ڈارون (المتوفی ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ء) کے نام ہیں۔ موخر الذکر کی کتاب "اصل الانواع" مطبوعہ ۱۲۷۵ھ ۱۸۵۹ء نے آج اس مسئلے کو پایۂ ثبوت تک اس قدر پہنچا دیا ہے کہ اب اس کی تحقیق و تدوین کا تمام سہرا ڈارون کے سر پر ہے۔ لیکن اس عظیم الشان نظریے کی ارتقائی شق کے دعوے کو اول اول جن علما نے مستقل صورت دی وہ حکمائے اسلام ہی ہیں اس علاوہ ازیں تاریخ العرب کے مقدمے میں بھی ضمناً اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اصل کتاب میں ہم نے ابو نصر الفارابی کا نام تخصیص سے پیش کیا ہے صرف اسلیئے کہ مسئلہ ارتقا کی ابتدائی تدوین و تحقیق میں الفارابی کو بہت بڑا دخل تھا بلکہ اسلیئے کہ اس حکیم اجل کی عالمِ اسلام میں خاص قدر و منزلت ہے وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے بو علی سینا کے اس استادِ معظم کو اسلام کا سب سے بڑا حکیم کہا ہے!

یعنی† بقا و استبقا کے لیے **ایمان** شرط ہے، اور اللہ کا وعدہ اُنہی لوگوں سے کیا گیا ہے جو ایمان رکھتے ہوں۔

ثانیاً یہ کہ ایمانِ کامل کے ہوتے ہوئے **اعمالِ صالحہ** کا اکتساب لازمی امر ہے۔ جس جماعت کے افراد میں

یہ دونوں باتیں موجود ہوں وہی **اصلح** ہے، اُسی کی صیانت اور سلامتی کا ذمہ قانونِ فطرت نے اپنے

---

† قرآنِ کریم میں استخلاف کا لفظ، آیۂ استخلاف سے قطع نظر، چار موقعوں پر آیا ہے جو یہاں پر اس وسیع التاویل لفظ کے مطلب کی صحیح توضیح کے خیال سے لکھ دیے جاتے ہیں۔ پہلا موقع سورۂ انعام میں ہے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم مَّا يَشَاءُ كَمَا أَنشَأَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ (۶: ۱۳۴)

اور اے پیغمبر! جہاں تمہارا پروردگار بڑا رحم والا ہے وہاں بڑا بے پروا بھی ہے، وہ اگر مناسب سمجھے تو تم سب کو دنیا سے اٹھا لے جائے، اور تمہارے بعد جس میں اہلیت دیکھے تمہارا جانشین کر دے، جیسا کہ آخر دوسرے لوگوں کو ہلاک کرکے اُن کی نسل سے تم کو شروع دے ہی چکا ہے۔

(ابقا کے معنی ہم نے مناسب سمجھا کیے ہیں، اس کا ثبوت فلسفۂ عمل کے عنوان یعنی دوسری مجلد میں آئیگا)۔ دوسرا موقع سورۂ اعراف میں ہے

قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (۷: ۱۲۹)

اس پر موسیٰ نے جواب دیا کہ لوگو! اب وہ وقت قریب آلگا ہے کہ تمہارا خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے، اور تم کو ملک میں اُس کا جانشین بنائے پھر دیکھے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔

تیسری جگہ سورۂ ہود میں ہے

فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ (۱۱: ۵۷)

اس پر ہود نے اُن سے کہا کہ اگر تم نے ان احکام سے گریز کیا تو کم از کم میں نے اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا، اور اس نافرمانی کا نتیجہ لامحالہ یہ ہوگا کہ خدائے عظیم تم کو ہلاک کرکے کسی دوسری قوم کو تمہارا جانشین کر دے گا، اور وہ اس قدر صاحبِ قوت ہوں گے کہ تم اُن کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے اور یاد رکھو کہ میرا پروردگار ہر قوم کے اعمال کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔

ایک موقع جس میں استخلاف کا لفظ ذرا مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، سورۂ حدید میں ہے

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ (۵۷: ۷)

لوگو! خدا کو خدا مانو اور رسول کو اُس کا بھیجا ہوا پیغامبر سمجھ کر اُس کے احکام کی تعمیل کرو، اور اُس مال میں جس کا وارث اگلوں کو تباہ کرکے تم کو بنایا ہے۔

(اعلائے خدا میں) صرف کرو کیونکہ جو لوگ احکام کی پیروی کرتے رہے، اور جنہوں نے ایثارِ مال کیا، اُن کو خدا کے ہاں سے اجرِ عظیم ہے۔

(آمنوا کے اِن معانی کی تشریح آگے آئے گی، یہاں اِس سے بحث نہیں۔) ان چاروں مثالوں سے یہ امر واضح ہے کہ استخلاف کے معانی قرآنِ کریم میں ایک قوم کو ہلاک کرکے دوسری کو اُس کا جانشین بنانا ہے، اِس سے زیادہ کچھ نہیں۔ نہ اِس سے مراد بالخصوص وہ مسلمہ خلافت ہے جس کا مرکز آخرکل قسطنطنیہ ہے اگرچہ وہ بھی اِسمیں شامل ہے۔ نہ اس سے مراد خاص کر عرب کا استخلاف ہے، نہ عجم کا، نہ مشرق اور مغرب کا۔ جو قوم ایک کے ہلاک ہوئے پیچھے اُسکے ملک اور دولت کی وارث ہوتی وہی مستخلف ہے خواہ وہ چین کی ہو یا روم کی۔ یہی بقا و استبقا ہے، اور اسی لحاظ سے ہم نے یہ معانی متن میں لکھے ہیں

استخلاف کے اِن معانی کی حتمی تائید قرآنِ عظیم کی دو اور آیتوں سے ہوتی ہے جن کے نفس موضوع کا مقابلہ سورۂ ہود کی متذکرہ صدر آیت (۱۱: ۵۷) سے کرنا چاہیے۔ سورۂ توبہ میں ہے۔ إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۹: ۳۹)

(اگر اے عاقبت ناشناس عرب کے لوگو!) تم اس موقع پر لڑائی کے واسطے بدن سے مستعد نہ ہوئے تو خدا تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہارے سوا کسی دوسری مستعد

اُبھر لیا ہے، قرونِ ماسبقہ کی اقوامِ متمدنہ کی طرح اُسکا غلبہ اور استخلاف قائم رہیگا جب تک ایمان اور صلاحیت عمل اُن میں باقی رہے، اور فسق و کفر کی حد تک نہ پہنچیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(بقیہ تحت الحاشیہ صفحہ ۹) قوم کو تم سے بدل دے گا، اور وہ اس قدر صاحبِ قوت ہوں گے کہ تم اُن کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے، اور یاد رکھو کہ خدا وہ بے پایاں خدا ہے کہ وہ ہر بات کر سکتا ہے"۔ یہاں 'یستبدل' اور 'یستخلف' کا ترادف عیاں ہے۔ سورۂ محمد میں بھی یستبدل انہی معنوں میں ہے وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم (۴۷: ۳۸) "یعنی اگر تم نے ان احکام سے سرتابی کی تو کچھ پرواہ نہیں، خدائے عظیم تمہارے سوا کسی اور قوم کو تم پر لا بٹھائے گا پھر وہ تم جیسے بدعمل نافرمان اور نفس پسند بھی نہ ہوں گے"۔ ان آیاتِ الٰہی سے صاف ظاہر ہے کہ استخلافِ اقوام در اصل ان کا استبدال ہی ہے جو قوم بادشاہت زمین کی اہل نہ رہی، جو قانونِ خدا سے سرتابی کرنے کے باعث ایسی قومیں سلب کرینگی اُس کا روئے زمین پر سے یکسر ہستی و وجود نکالے جانا قطعی ہے۔ جو وارثِ زمین ہے وہی مستخلف ہے وہی بہتر اور صالح تر ہے، وہی قابلِ فخر اور ترقی ہے، اور اسی کا اس دنیا پر باقی رہنا طے شدہ امر ہے۔

خلف کا استعمال استخلاف اور بقا کے معنوں میں کئی جگہ ہوا ہے۔ یہاں ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں۔ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ (۴۳: ۶۰) "اور اگر ہم چاہتے تو تمہی کو فرشتے بنا کر اس زمین میں آباد کر دیتے"۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (۱۰: ۱۴) "پھر ہم نے اُن کے ہلاک ہونے کے پیچھے تم کو زمین میں اُن کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیا سعی و عمل کرتے ہو"۔ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ (۳۴: ۳۹) "اور جو تیار مال بھی تم خرچ کرتے ہو خدا اُسکو بقا نصیب کرتا ہے اور اسکا عوض دیتا ہے"۔ ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ خلف اور استخلف در اصل ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور انہی معنوں میں إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (۲: ۳۰) ہے "یعنی میں زمین میں ایک قائم مقام بنانے والا ہوں"۔

ایک اور بات جو ضمناً اِن آیتوں اور بالخصوص (۷: ۱۲۹)، (۱۱: ۵۷)، (۱۰: ۱۴) سے مترشح ہے، یہ ہے کہ مستخلف فی الارض کا مقام حاصل کرنے، اور اُسکو قائم رکھنے کے لئے 'عمل' کرنا شرط ہے۔ آیۂ استخلاف میں شرط 'عمل صالح' ہے۔ اب یہی بات کہ 'عمل صالح' کیا شئے ہے۔ اس کا جواب اس کتاب کے طول و عرض میں ملے گا۔ اور 'صلاح' کی تعریف از روئے قرآن کرنا آسان کام نہیں۔

تیسری بات جو ان آیات میں غور طلب ہے یہ ہے کہ 'الارض' کا استعمال (۷: ۱۲۹)، (۴۳: ۶۰)، اور (۲: ۳۰) میں مطلق معنوں میں ہوا ہے، اس سے کوئی خاص حصہ زمین مراد نہیں، جیسا کہ آیۂ استخلاف کے 'الارض' کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے، اور وہاں 'الارض' کے معنی زمینِ مکہ لئے ہیں۔ یہ بحث کتاب کے متن میں کی جائے گی، لیکن یہاں اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ 'الارض' کا لفظ مطلق ہے۔ (۷: ۱۲۹) سے کچھ شبہ پڑتا ہے کہ موسیٰ کی مراد خطۂ مصر ہو مگر تاریخ شاہد ہے کہ بنی اسرائیل کو استخلاف سرزمینِ مصر میں ایک مدت مدید کے بعد حاصل ہوا، اس سے پیشتر وہ مُلک شام میں آباد ہو چکے تھے۔ (۱۰: ۱۴) سے بھی خفیف سا شبہ پڑتا ہے لیکن اس سے پہلی آیت (۱۰: ۱۳) کو ملا کر پڑھنے سے یہ شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ سرسری ان آیات کے غائر مطالعے کے بعد یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن میں استخلاف فی الارض کے الفاظ سے اقوامِ عالم کا اس کرۂ زمین پر اجتماعی بقا حاصل کرنا مراد ہے، اس سے کم بیش کچھ نہیں۔ وہ شرعی یا مذہبی حل جو اس اصطلاح کے گرداگرد مرورِ وقت یا کسی تکرار کے باعث پیدا ہو گیا ہے جو لوگوں کا پیدا کردہ ہے، قرآن کریم کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔

ڈارون کا نظریۂ ارتقا،[1] نشاۂ آفرینش سے لیکر ظہور انسان تک، ہر ذی حیات شئے کی انفرادی

۱۰۔ مسئلہ ارتقا کی تخفیف۔ تو ہین جس انداز سے آج مسلمانان عالم اپنی کم علمی اور علم عمل کے باعث کر رہے ہیں، اس سے کم از کم یہ تشریح ہوتا ہے کہ انحطاط پذیر اقوام میں اپنے آبائی کارناموں کی یاد کس شرعت سے محو ہو جاتی ہے۔ صفحہ ۸ کے تحت الحس میں چند ان اسلامی حکماء عظام کا ذکر کیا گیا تھا جنہوں نے اس مسئلے کی تصدیق و تثبیت میں مستقل حصہ لیا، اسکو علم کلام کا اہم حصہ قرار دیا، علم فطرت کی ایک بڑی حد تک توسیع کر کے مسلک ثبوت اسکی تائید میں بہم پہنچائے، اور صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں ارتقا کی توضیح بیان کی۔ لیکن آج چونکہ مغربی حکماء اس طرح گویا یہ ثبوت تک پہنچا دیا ہے، اور اس سے مستقل نتائج اخذ کر کے حقائق کی راہیں ڈھونڈھ رہے ہیں، مسلمان اس سے یکسر بیزار ہو گئے ہیں، اور اسکی تضحیک کر کے اپنی نادانی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ مسئلہ ارتقا و انتخاب طبیعی، آج مغرب کے تمام پیمانۂ علم و تحقیق میں وہ عظیم الشان انکشاف ہے جس کی عظمت اور ماہیت کا صحیح اندازہ لگانا قانون فطرت کے صحیح علم کے بدون از بس مشکل ہے۔ اس مسئلے نے صحیح معنوں میں فطرت کے سر عظیم کو ایک بہت بڑی حد تک آشکارا کر دیا ہے۔ اس نے حیات کے حجاب اکبر کو چاک کر کے انسان کو معرفت نفس کا پہلا اور گراں قدر سبق دیا ہے۔ اس نے انسان کو شناسائی خدا میں مستقل مدد دی ہے۔ اس نے وحدت خدا اور وحدت ماسوا، وحدت مکان اور وحدت مکین کے ثابت کرنے میں اہم حصہ لیا ہے۔ اس نے انسان کا دائرۂ علم و عمل بیحد وسیع کر کے اسکو صحیح معنوں میں خدا کا قائم مقام بنا دیا ہے، بلکہ اسے زوال و بقائے امم کے وہ پنہاں اصول بھی ایک حد تک عیاں کر دیئے ہیں جو الہامی کتابوں، اور بالخصوص قرآن حکیم کے سوا آج تک اور کہیں نہیں ملے۔ جو لوگ اس مسئلے سے اس لیے بیزار ہیں کہ انہیں اس تو خود اختیاری کے باعث تعطل خدا کی شان پائی جاتی ہے، یا اسکی خالقیت میں ایک ناقابل برداشت تعویق ثابت ہوتی ہے، ان کے دلوں میں خدا کی عظمت اور قدرت، ازلیت اور ابدیت کا اندازہ بہت کم ہے۔ قرآن میں مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ (۲۲ ۷۴)، اس امر کی شہادت ہے۔ اکثر لوگ اس خلاق عظیم کا اندازہ انسانی قوتوں اور بشری واماندگیوں کو پیش نظر رکھکر کرتے ہیں، اور اسی لیے سلطنت کی لاانتہا وسعت تک نہیں پہنچ سکتے۔ مختصر الفاظ میں اس مسئلے کا دعوے ہے۔

۱۔ "اس عالم کون و مکان اور پہنائے زمین و آسمان کے اندر آفرینش کے ابتدائی ایام سے لیکر آج تک ایک ارتقائی اور تعمیری، ایک تدریجی اور ترکیبی انقلاب واقع ہو رہا ہے جو تخلیق کا موجب اور بلاواسطہ باعث ہے، حرکت اور حرارت اس تکوین کی علل اولیٰ ہیں۔ علت انتہائی وہ علۃ العلل وجود ہے جس نے سب اشیاء کو اپنی اپنی خلقت عطا کر کے اپنے اپنے کام پر لگا دیا ہے۔"

قرآن حکیم کا محاکمہ اس امر کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کے ان الفاظ سے ظاہر ہے۔

قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۝ (۲۰ ۴۹- ۵۰)

فرعون نے از راہ سوال پوچھا کہ اے موسیٰ! تم دونوں بھائیوں کا پروردگار کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ وہ رب ہے جس نے عالم کائنات کی ہر مخلوق کو اسکی خلقت اور صفت عطا فرما کر اسکا راہ راست دکھلا دیا ہے۔

۲۔ "عالم موجودات کی سب ذی حیات مخلوق، بشمولیت نباتات و حشرات و جیوانات، ایک سلسلۂ تکوین کی مختلف کڑیاں ہیں جنکو بلحاظ انکے اعضائے رئیسہ و غیر رئیسہ کی سہولت اشکال ترکیب کے ایک تدریجی سلسلے میں پیوست کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب تکوین آفرینش کے مختلف مراحل میں ایک معین ترتیب سے ہوئی اور بتدریج ہوئی۔ اس دنیا کا کمال اوج انسان ہے جسکے اعضا کی تقویم سب ادنیٰ جیوانات سے ہر نوع بہتر ہے۔"

---

[1] ایسی نے خدا کی عظمت کا اندازہ مرکز اس طرح نہیں کیا جیسا کہ کرنے کا حق تھا۔

اور اجتماعی جدوجہد کی داستان، حفظ نفس اور ترقی نسل کے متواتر اجتہاد کی سرگذشت ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝ (۹۵: ۴-۵)
(اے ساکنان زمین! اس عالم کائنات کا ہر ذرہ اس بات کا شاہد ہے کہ) ہم نے انسان کو احسن الخلق بنایا اُسکے عناصر بہترین صلاحیت اور استعداد عطا کی پھر اس صلاحیت کے انحطاط کے باعث اسکو (اسی) کمتر سے کمتر مخلوق کی طرف لوٹا لائے (جو کبھی زمانے میں تھا)۔
(ہم نے التین و الزیتون کی شہادت پیش نہیں کی، ان کی تشریح میں اسی بحث دیر ہے مگر ذکر ذلک کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انسان ابتدا اول کے ابتدائی مراحل میں اسفل سافلین تھا۔ اسفل سافلین کی علمی تشریح آگے چلکر ملے گی۔)

علم نے دنیا ایک عظیم الشان امتحان گاہ اور عمل ہے جس میں ہر ذی حیات فرد بطور ایک مجاہد کے ہے سب کے سب اپنے اپنے دائروں کے اندر، ایک لامتناہی کشمکش، اور غیر منقطع مزاحمت میں لگے ہیں قیام بقا کا انحصار اسی جدوجہد پر ہے ہر نفس، نوع، اور فرد، جغرافیائی اور سماعتی حدود کے اندر، اپنی ہمسایہ مخلوق کے بالمقابل صف آرا ہے، فطری اور مقامی موانعات کا مقابلہ کر رہی ہے، ہر نوع قوی تر اجناس سے نبرد آزما ہے دشمن سے عہدہ برآ ہونے کی تجویز میں لگی ہے، کمتر اور کمزور تر مخلوق پر متسلط ہونے کی سعی کر رہی ہے۔ الغرض اپنی بہبودی اور بچاؤ، اپنی تقویت اور دفاع کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے اس مقام نظر سے عالم حیوانات و نباتات کی سب جمعیات باقیہ، قوی تر اجناس انواع کی جارحانہ دستبرد کے باعث، ایک مسلسل خوف کے ماحول میں گھری ہیں جس سے بچ نکلنا، اور جسکو امن سے بدل دینا ہر زندہ مخلوق کا منتہائے وحید ہے۔"

قرآن حکیم کا تمام دستور العمل من وعن اس فردی اور اجتماعی جدوجہد کا مؤید ہے۔ چند مثالیں صفحہ ۱۰ کے تحت المتن میں لفظ اصحاب کی تحت کے ضمن میں گذر چکی ہیں، مگر لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝ (۵۳: ۳۹) کا اصل اُصول قرآن عظیم کے ہر ورق پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ آیۂ استخلاف کا نفس موضوع بھی اسی خوف عدو کو حفظ و امن میں بدل دینے کی معنی خیز داستان ہے؛ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا کا محفوظ مقام کسی قوم کو صرف اُس وقت نصیب ہو سکتا ہے جب وہ مُمکّن فی الارض بن چکے، بے سعی و عمل اسکا حاصل کر لینا قطعاً محال ہے۔

جنس قوی کی جارحانہ دستبرد اور تشدد، اس ابتلا گاہ سعی و عمل میں، وہ بدیہی امر ہے کہ اسکے لئے کسی شے چھان بین کی ضرورت نہیں ادنیٰ مخلوق سے لیکر اشرف الخلق انسان تک ہر نوع اس قاعدے پر عمل پیرا ہے؛ قوی ہر جا اپنی طاقت کا استعمال ضعیف جنس پر کر رہا ہے؛ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل کر اپنا پیٹ پال رہی ہے، کمزور قومیں زور آور قوموں سے ہر دم خوف زدہ ہیں، اور ہر طرف دست درازی کی تفصیل ظاہر ہو رہی ہے سورۂ انفال میں خدائے عظیم نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو اسی خوف عدو کا ماحول یاد دلا کر عیاں کر دیا تھا کہ دشمن پر غالب آکر محفوظ مقام حاصل کر لینا ہی تائید الٰہی ہے

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ (۸: ۲۶)

اور مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم اس زمین میں تھوڑی سی تعداد میں تھے، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے، اور ہر آن اس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر خدائے ذوالجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، اپنی مدد سے تم کو قوی

۵۱ انسان کو کچھ میسر نہیں مگر وہ جو خود اسکی سعی سے ہے۔ ۵۲ مطالب کے لئے دیکھو صفحہ ۔

جو خزینہ حیات کے سقوط، اور جنسِ اصلح کے بقا اور تدریجی ارتقا کی مسلسل روئیداد، طبقات الارض کی

(النتیجہ بحث المتن صفحہ ۱۲) بنایا، اور تمہیں فروغ دے کر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اس لیے کہ تم ان نعماے الٰہی کی دل سے قدر کرو۔
(لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ) (شکر کے ان معانی کا ذکر بعد میں ملیگا، یہاں اس پر بحث نہیں)

لہٰذا مختلف انواع و اجناس کا ظہور اور قیام، خارجی اور مقامی حال و احوال اور باطنی استعداد و صعود کے متفقہ روبہ اثر رہتے ہوا
جو نوعیں احوالِ طبیعت کی خارجی مزاحمت کے بالمقابل پوری نہ اتر سکیں ہٹتی گئیں، جنہوں نے اس کشمکش میں پورا
ستقلال لیکر اپنے آپ کو مستعد ثابت کیا، صعود کرتی گئیں۔ عالمِ حیات کا سب کون و فساد اسی عالم آرا اصول کے ماتحت
ہو رہا ہے۔ حفظِ نفس اس مزاحمت کا محرک اول ہے۔ جس نباتی یا حیوانی نوع کا استخلاف زمین کے کسی حصے پر
قائم ہے وہ صالح ہے جس کا تمکن فی الارض ہٹتا جا رہا ہے وہ غیر صالح ہے جو نوع سب سے ممکن، سب سے زیادہ
مجاہد اور مستعد، سب سے زیادہ تکثر اور ارتقائی اہلیت رکھتی ہے وہی اپنے دائرے کے اندر اصلح ہے، اسی کا انتخاب طبیعی ہے
فطرت خود بخود اسکا انتخاب کر کے اسکے بے خوف و خطر کر دیتی ہے!!

ارتقائی اصول کے قیام و بقاء کے متعلق قرآن حکیم نے بعینہٖ وہی لازوال اصول پیش کیے جو آج مغرب کی تمام علمی تحقیقات اور مادی تقدم کے محور عمل
بن چکے ہیں۔ سورہ اعراف میں ہے -

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ
يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (۷: ۳۴، ۳۵)

اور ہر ایک گروہ کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے، پھر جب اسکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکے ہیں تو اس سے ایک گھڑی پیچھے
رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اس وقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم! ہم نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا
کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پہنچیں، اور ہمارے احکام تم پر واضح کریں، تو جس قوم نے ان احکام
پر عمل کر کے حفظِ نفس کی راہ اختیار کر لی (اتقیٰ)، جو ہلاکت سے دامن بچا کر چلی (اتقیٰ)، اور صالح بن گئی (اصلح) اُسکو اپنی بقا میں کسی قسم کا خوف و خطر نہیں
آگے چلکر ہم اسی مجلد میں ثابت کریں گے کہ اتقا کی بعض اہم شرائط کیا ہیں، اتقا کی مکمل تشریح عمل کے عنوان (جو تیسری مجلد میں آئے گی۔ صلاح کی تعریف
میں ابھی بہت دیر ہے۔ وہ عظیم الشان آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم حیوانات کا قانون فنا و بقا بھی اسی مدار پر ہے جس پر انسانی اُمتیں چل
رہی ہیں بہت بعد میں آئیں گی۔ یہاں پر ہم نے صرف قرآن حکیم کی چند معاون آیات کو پیش کر دیا ہے جن سے کچھ ثابت کرنا ابھی مقصود نہیں۔ لیکن اگر
کہا جائے کہ اس بحث میں ابتدائی حصے میں کوئی نتیجہ جبر اور تامل و کر بات ان آیات سے مستنبط ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ کتاب الٰہی نے کس التزام کے ساتھ
استخلاف فی الارض کی شرط کو جا بجا سعی و عمل، امتحان و ابتلا، تگ و دو قرار دیا ہے جو سلسلۂ ارتقا کی اصلی روح رواں ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں سورہ
انعام کی آخری آیت نہایت قابل لحاظ ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ
وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (۶: ۱۶۶)

اے مسلمانو! وہی اور صرف وہی عظیم الاختیار خدا ہے جس نے تمکو اس زمین میں اپنا نائب اور قائم مقام مقرر کیا ہے (کہ تم اسکی حکومت اور انتظام کو
اپنے ہاتھ میں لو)، اور تم میں سے ایک قوم کو دوسری قوم پر کئی درجے فضیلت اس لئے دی ہے کہ معیشت کی اس مسابقانہ کشمکش میں وہ تمہاری
ان قوتوں اور صلاحیتوں کا امتحان لے جو اُس نے تم کو دیں۔ جانے رہو کہ اگر تم اس ابتلاء میں پورے نہ اُتر سکے، اور دوسروں سے پیچھے رہ گئے،
تو لامحالہ خدا بڑا جلد جلد سزا دینے والا ہے، اور اگر اپنی سعی و عمل کے باعث سبقت لے گئے تو اس میں بھی شک نہیں کہ وہ عیوب پر پردہ ڈالنے والا

مٹی میں دبی ہوئی ہڈیوں کی زبانی ہے۔ اس تمام پیچیدہ مسئلے کی تہ میں یہ بات ظاہر کر دی گئی ہے کہ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳) (مصور) اور شار حسم کرنے والا ہے

۵۔ انسان کی تکوین کمتر مخلوق کے ارتقاء سے ہوئی، مگر اس انقلاب عظیم کی تکمیل میں وہ ہزاروں کروڑ برس لگے، حتیٰ کہ ایک نوع کا انتقال اُس سے اگلی نوع میں بھی ہزارہا برس میں ہوا۔ اس مدت میں زمین بھی لاانتہا جغرافی، طبعی، کیمیائی اور تعمیری انقلابات کا مکین رہی اور اب تک ہے۔ ارتقا کا سلسلہ بند نہیں ہوا، بلکہ جب تک زمین اور آسمان موجود ہے، جاری رہیگا۔ اس نقطہ نظر سے بہت ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد انسان اپنی قوتوں، صلاحیتوں اور علم و عمل میں ارتقا کرتے ہوئے اس سے بھی بہتر مخلوق بن سکے جو اپنی صفات میں شارع کائنات کی ذات سے قریب ہو۔ اس بارے میں آسمان کی تکوین کا سلسلہ انسانی نقطہ نظر سے ایک بے پایاں سلسلہ ہے جو ہزارہا ہزار بلکہ لاکھوں برس سے چل رہا ہے اور ممکن ہے کہ لاکھوں برس تک اسی طرح چلتا رہے۔"

مسئلہ ارتقا کی اس شق کے متعلق قرآن کریم میں وہ حیرت انگیز اور ناقابل انکار شہادت موجود ہے کہ اُس کا تمام و کمال یہاں لکھنا بہت کچھ طول اور وقت چاہتا ہے۔ یہاں پر صرف چند آیات اور اُن کا مربوط ترجمہ لکھ دیا جاتا ہے۔ صحت مطالب کی ناقابل رد دلائل ایک ایک لفظ کے متعلق اپنے اپنے موقع پر کتاب کے متن میں آئیں گی۔ سورہ سجدہ میں ہے

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝ ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ (۳۲: ۴-۹)

لوگو! خدا وہ عظیم و جلیل خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کے اس حیرت انگیز کارخانے کو چھ بڑے بڑے مدید الوقت اور طویل المیعاد دوروں میں پیدا کیا، اور اب تخت سلطنت (العرش) پر جما بیٹھا اس ادارت عظمیٰ کو چلا رہا ہے۔ لوگو! اُسکے سوا تمہارا کوئی کارساز ہے، نہ سفارشی۔ اُسی کی حکومت ہر جا چل رہی ہے، اُسی کا قانون ہر جگہ جاری و ساری ہے، تو کیا تم لوگ اس کارخانہ جہاں اور اس عالم آرا حکومت سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے!

وہ وہ عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک عالم آرا قانون (الامر)، ایک امر مہم (الامر)، ایک جلیل القدر حیطہ یا معاملے (الامر) کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کر دیتا ہے، پھر وہ معاملہ اپنی عظمت اور وسعت کے باعث رفتہ رفتہ اور بالمحسوس طور پر ایک مدت مدید میں (فی یوم) جس کی مقدار انسانی شمار کے لحاظ سے ایک ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ ہو، اُسکی سمت کی طرف (الیہ) صعود کرتا ہے (یعرج)، اور اپنے اٹل زینہ بتدریج کمال کو پہنچ جاتا ہے اگرچہ اسکی عظیم الشان تجویزیں ہزاروں برس میں جا کر مکمل ہوتی ہیں، اسکے قانون کا عالمگیر نفوذ صدیوں میں جا کر محسوس ہوتا ہے، اسکی اٹل مشیت قرنوں کے امتداد کے باوجود پوری ہو رہی ہے) یہ ہے وہ ہزاروں برس کے بعد کے حالات کا علم رکھنے والا (عالم الغیب)، اور آج کے حال احوال کا صحیح پرکھنے والا (والشہادۃ)، غالب القوی (العزیز)، صاحب عفو و درگزر (الرحیم) خدا جسکے رحم و تحمل اور کمال علم و عمل پر یہ کارگاہ اکبر چل رہا ہے!

وہ وہ صانع عظیم ہے جس نے ہر پیدا کردہ شے کو بہتر سے بہتر کر دیا ہے، اور انسان جیسی اشرف الخلق مخلوق کی ابتدا (بدأ) مٹی جیسی حقیر اور کمتر مخلوق سے کی، پھر رفتہ رفتہ اس بنا اول، اس کمتر مخلوق، اور اس خلق قدیم کی نسل کو ہزارہا برس کی تدریج اور تشکیل نوع کے بعد (اعلیٰ حیوانات)

عالم حیوانات کی کشمکش حیات میں جسمانی زور، یا جارحانہ قوت ہی کسی جنس کے قیام کے لیئے کافی نہیں ہو سکتے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۴) مادہ منوی سے، جو ایک عنصر سالمی کا نچوڑ ہے، جاری رکھا۔ پھر نسل کے اس عظیم الشان مرحلے کو طے کرنے کے بعد اس حلیم صدیہ کے اعصاب، ہزار ہا برس کی مزید تجویز و تدبیر کے بعد، بہترین ساخت قائم کیا (ثُمَّ سَوّٰىهُ)، اور پھر احسن الخلق نے تمہیں اُس خدائے عزیز و حکیم نے اپنی نا پید اساس صفات اور اوصاف کا ایک ایک شمہ ڈالا، اسکو اپنی حیات سے تھوڑا سا علم، تھوڑی سی قدرت، تھوڑی سی سمجھ وغیرہ، وغیرہ عطا فرما کر گویا اسی روح اقدس نفوذ کر دی (وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ) اور آج اے اشرف الخلق انسانو! اس نے تم کو ان تمام مرحلوں سے گذار کر وہ عظیم الشان لباس آدمی، اور اوصاف کرما کے وہ عدیم المثال مظاہر عطا کیے ہیں اس کا نام کان ہے، آنکھ ہے، اور ذہن سلیم ہے، جن کے ذریعے سے تم صحیح معنوں میں رب کنز مخلوق کے نقلی کانوں، آنکھوں، اور دلوں سے قطع نظر، سُن سکتے ہو، دیکھ سکتے ہو، اور سمجھ سکتے ہو! افسوس کہ تم ان حیرت انگیز نعمتوں کی بہت ہی کم قدر کرتے ہو، اور ان کو بہت ہی کم صحیح استعمال میں لاتے ہو (قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ)

(الف) ان جلیل الشان آیات کے مطالب تک پہنچنا آسان کام نہیں، مگر قرآن کے طالب العلم کو مندرجہ بالا مطالب کی ابتدائی تصدیق کے لئے سورۂ مومن کی اُس آیت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے جس میں انسان کی پیدائش کو اسقدر عظیم اور مہتم امر قرار دیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا اُس سے مقابلہ کیا ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۴۰ ۵۷) "لوگو اگر تم یہ واقعات پر غور کرو تو لامحالہ اس نتیجے پر پہنچو گے کہ آسمانوں اور زمین کی تکوین کا سلسلہ ہی نوع انسان کے سلسلہ تکوین سے بھی کہیں بڑھ کر ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے" گویا انسان کی تکوین کوئی خالہ کا گھر نہ تھی کہ ایک مٹی کا پتلا سا بنا کر رکھدیا، اور پھر اُنہیں معاذ اللہ کسی متعدد بازیے پھونک مار کر جان پیدا کر دی، جیسا کہ جہلا کا خیال آجکل ہے بلکہ وہ ایک عظیم الشان تدریجی سلسلہ تھا جو ہزارہا سالوں کے بعد اختتام پذیر ہوا! یہی بات قرآن کی حسب ذیل آیت سے ظاہر ہے (۳۲ ۸-۹) نَسْلَهُ اور سَوّٰىهُ اور فِيهِ، میں هُوَ کی غائب ضمیر سے لَكُمْ کی مخاطب ضمیر کی طرف رجوع کرنا بھی اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ هُوَ کی ضمیر انسان کی پہلی خلقتوں کی طرف ہے نہ کہ موجودہ انسان کی طرف۔ علاوہ ازیں انسانی نسل کو ایک مدقطرہ منی سے جاری کرنے کے بعد میں اُسکا تسویہ کرنا قطعاً بے معنی ہے (ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ - ثُمَّ سَوّٰىهُ) ثُمَّ کے لفظ سے بھی جو (۳۲ ، ۷) میں ہے یہ ظاہر ہے کہ خلقت کی ابتدا مٹی سے ہوئی نہ کہ تکمیل۔ آج علم جدید کی حیرت انگیز تحقیق بھی انسان بلکہ تمام حیوانات کو اسی "طِين لازب" سے بنایا ہوا قرار دیتی ہے اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (۳۷ ، ۱۱) "ہم نے انسان کو لیس دار کیچڑ سے پیدا کیا" سورۂ الرحمٰن میں ہے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (۵۵ ، ۱۴) "اُس نے انسان کو ٹھیکری کی مانند بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا" یہ سڑا ہوا لیس دار کیچڑ انسان کی تخلیق کا وہ سامان اوّل ہے جو ہر تالاب اور دلدل، جوہڑ اور گندے پانی کی تہ میں، یا جھیلوں کے کنارے پر، کثرت سے نظر آتا ہے، اور جس کے مرطوب قوام کے اندر یورپ کا دقیقہ رس عالم اپنی خوردبین کے ذریعے سے اُس خالق عظیم کی کروڑ در کروڑ مخلوق ہستیاں چھپی ہوئی دیکھتا ہے۔ یہ سب وجود اسقدر دقیق ہیں کہ ان کی کُل کائنات صرف ایک خلیہ یا حجرہ ہے جسکے اندر حیات کا عالم آرا عکس محفوظ بیٹھا ہے! یورپ کے طبعی فلسفی کا دعویٰ یہ ہی کہ کل ذی حیات مخلوق اِنہی نفس واحدہ کے اجماع اور استعمار سے ہوئی! اور قرنہا قرن میں اپنی ارتقائی استعداد کے باعث ایک مکان سے دوسرے مکان، اور ایک جائے قرار سے دوسری جائے قرار میں منتقل ہو کر اس مقام پر پہنچی جسکا نتیجہ اشرف الخلق انسان ہے! قرآن حکیم نے اس مہتم بالشان حقیقت کو، یورپ کی روح فرسا علمی تحقیق سے کامل بارہ سو برس پہلے، اُن ناقابل تاویل اور بالاتر محمود الفاظ میں ادا کیا ہے جن کی اطلاع پا کر مغرب کے سب حکمائے عظام کا اس کتاب عظیم کے آگے سر جھکا دینا قطعی ہے! سورۂ انعام میں ہے

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ (۶ ۹۹)

لوگو! وہی خلاق عظیم تو ہے جس نے تم جیسے اشرف الخلق وجود کی ابتدا اور انتہا کی نسا۔ اول ایک جوہر منفرد نفس مطلق سے کی (اَنْشَاَكُمْ) پھر اس نفس واحد کو ایک عارضی جائے قرار (فَمُسْتَقَرٌّ) اور ایک مکان استقرار سے دوسری جائے قرار میں بدلا حتی کہ اُسے آخری کامل قرار گاہ مستقل جائے استیداع

بلکہ اسکی حفاظت اور بقا کا اصلی راز صلاحیت ہے، اور استعداد ہے جس نوع حیوانی نے سعی و ابتلاء کے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵) (مستودع) میں لے آتا ہے جس کی تکمیل سیر کا قالب ہے۔ جو وہم ہمارے اعمال کو سمجھتی ہے، اس کا صحیح علم رکھتا ہے اسکو ہم اپنی قدرت کے یہ آثار (الانعام) ان لفظوں میں مفصل بیان کر دیے ہیں۔

(نفس کا لفظ نہایت ہی عجیب ہے جسکے معنی مطلق جان کے ہیں قرآن حکیم میں انسان کی پیدائش کے متعلق ہر جگہ نفس واحدہ کا ذکر ہے پر واحد کا نفس کی بحث اپنے موقع پر دوسری جگہ آئے گی)

قرآن کو کتاب خدا ماننے کے مسئلہ ارتقا کے درست ہونے، یا مسئلہ ارتقا کی عینی اور علمی شہادت پاکر قرآن حکیم کے منجانب اللہ ہونے کی آخک اس سے بہتر اور روشن تر شہادت کہیں موجود نہیں۔

(ب) تعرج کے لفظ سے جو سورۃ سجدہ کی محولہ بالا آیت (۳۲ : ۵) میں ہے، ادبی رو سے یہ ظاہر ہے کہ اس کا فاعل خدا ہونا چاہیئے (یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ)، اور اِلَیْہِ کی ضمیر کا مرجع الامر ہونا چاہیئے مگر مفسرین نے تعرج کا فاعل الامر اور ضمیر کا مرجع خلاف اسلوب کلام خدا کو لیا ہے، اور اس آیت کا عجیب و غریب ترجمہ کر دیا ہے جس کے نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں متذکرہ صدر ترجمے میں اردو کے عام مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے، مگر انصافاً اس اتباع کی ضرورت بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور چونکہ تعرج کے معنی یہاں بتدریج ارتقا کرنے کے ہیں، اسلئے اس لفظ سے معانی اور بھی زیادہ صاف ہو جاتے ہیں

"خداوند عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک امر مہم کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کرتا ہے اور پھر اس امر عظیم کی طرف ایک مدت مدید میں جسکی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہوتی ہے آہستہ آہستہ اور نامحسوس طور پر ارتقا کرتا ہے" گویا اس امر کی تکمیل کہیں ہزار برس میں جا کر ہوتی ہے۔ اس صاف ترجمے سے ارتقا کا وجود اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

(ج) سورۃ سجدہ کی تُدَبِّرُ الْاَمْرَ والی آیت سے یَوْم کی تشریح فیصلہ کن ہے، اور ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش ہماری گنتی کے چھ دنوں میں جن کا وجود بھی اسوقت نہ تھا نہیں ہوئی، بلکہ ہزاروں برس یا کم از کم چھ ہزار برس میں ہوئی لیکن یہ تعیین بھی درست نہیں کیونکہ ایک دوسری آیت میں یوم کی اس تعیین کو اڑا دیا گیا ہے اور کَاَلْفِ سَنَۃٍ کہکر اسکو غیر محدود کر دیا گیا ہے وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ o (۲۲ : ۴۷) "اور یہ لوگ تم سے عذاب کے بارے میں جلدی مچا رہے ہیں، حالانکہ خدا اپنا وعدہ ہرگز خلاف نہیں کرتا اور تمہارے پروردگار کے نزدیک تو ایک دن بھی تمہارے شمار کے ایک ہزار برس کی مانند ہوتا ہے، پھر اسکو کونسی جلدی پڑی ہے"! اور سورۃ معارج میں تو یوم کی مدت پچاس ہزار برس لکھی ہے۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ o (۷۰ : ۴) "ملائکہ اور روح اُس خدائے عظیم کی طرف ایک مدت مدید (یوم) میں ارتقا کرتی ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہے"! الملٰئکۃ اور الروح کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ لیکن ان آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ یوم ایک لامحدود مدت ہے جو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس کی ہو سکتی ہے، اور ارض و سمٰوٰت کی پیدائش بھی لاکھوں برس میں ہوئی۔ ملائکہ اور روح کا پچاس ہزار برس میں عروج کرنا (خواہ ان کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو) ارتقا کی طرف ایک واضح اشارہ ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ سِتَّۃِ اَیَّامٍ کے متذکرہ صدر الفاظ میں لفظ سِتَّۃ (چھ) کی تخصیص کو سمجھنے کے لیئے مزید تشریح درکار ہے جو آئیندہ اوراق (صفحہ ۳۶-۳۷) میں کر دی جائے گی۔

(د) انسان کے اپنی موجودہ حالت سے بہتر مخلوق بننے کے متعلق قرآن عظیم میں ایک خفیف سا اشارہ ہے جو استخلاف کی بحث میں صفحہ ۱ کے تحت المتن میں ہو چکی گذر چکا ہے۔ یہاں پر اسکا اعادہ کیا جاتا ہے وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ o (۴۳ : ۶۰) "اور اگر ہم چاہتے تو تم ہی کو فرشتے بنا کر اس زمین میں تمہارا جانشین کر دیتے"! یہاں مِنْكُمْ کے الفاظ نہایت قابل لحاظ ہیں، لیکن یہ امر کہ آیا ملٰئکہ بھی خود انسان سے بہتر مخلوق ہیں یا نہیں نہایت بحث طلب ہے، اور اسکی تشریح اپنے موقع پر آئے گی۔

اِس عظیم الشان عمل میں موانع فطرت کا مقابلہ تندہی اور استقلال سے کیا، جو مخلوق موت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۶) مسئلہ ارتقا کی بانی شقیں یہ ہیں -

۶۔ نفس واحدہ کے اجماع اور استمرار سے مختلف نوعیں پیدا ہوئیں لیکن ہر نوعی اجتماع نہ صرف پہلے نوعی اجتماع سے بہتر اور صالح تر تھا بلکہ ہر ایک صورت اجماع میں بھی، اسکے اپنے دائرے کے اندر اصلاح اور ارتقا کی تحریک قائم رہی، حتیٰ کہ وہ صنف مدارج اوج کمال کو پہنچ گئی۔ گویا ارتقا ایک شجر ہے جسکی متعدد متفرع شاخیں ہیں، اگرچہ اصل ایک ہی ہے؛ مختلف شاخیں اپنے اپنے خطوں پر پھولی پھلتی گئیں، بلکہ شاخ در شاخ بن گئیں؛ ان پر مختلف پھول لگے، جو اس شجر کی صالح تر انواع ہیں۔ بعض شاخیں اور پتے جھڑتے گئے، جو غیر صالح انواع کی مصداق ہیں۔ اس شجر کی بلند ترین شاخ انسان ہے جسکی کئی ایک فروع ہیں جو بلحاظ اختلاف لون و نسل، اور معیار فہم و ادراک، ایک دوسرے سے قوی تر اصلح تر اور ممیز تر ہیں۔ جس قوم یا نسل کی حکومت، صورتاً اور معناً، اس زمین کے بر و بحر پر قائم ہے وہی آج اصلح ہے، اور اس عظیم الشان درخت کی چوٹی پر متمکن ہو کر اسکا طغرائے امتیاز ہے۔

(الف) کتاب خدا نے شجر کی صورت کو نہایت بلیغ اور پُر معنی الفاظ میں ادا کیا ہے، مگر اُن کی حقیقت نا اہل مسلمانوں کے ہاتھوں مدت ہوئی مسخ ہو چکی ہے۔ سورہ نوح میں ہے وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا (۷۱ - ۱۷) "اور اسے ساکنان زمین، خدائے عظیم نے تم انسانوں کو زمین سے ایک درخت کی طرح اُگایا" گویا جب انسان کی زمین سے درخت کی مانند اُگنے کی ظاہری صورت کوئی نہیں تو ان الفاظ وحی کے لامحالہ کوئی اور عظیم الشان معانی ہیں جن کی تعلیم دینے کے لیئے رب نے متعال نے ایک مستقل آیت بھیجنے کی تکلیف گوارا کی۔ مگر آجکل کے مسلمانوں کو جو کسی عزیز کے مرنے پر ایک رات میں پورے قرآن کو کئی بار دہرا کر مُردے کو ثواب پہنچانے میں مشغول ہیں، قرآن عظیم کے مطالب سے کیا غرض ہے؛ جب ایک ایک حرف کی تلاوت پر لاکھوں نیکیاں خود بخود مل رہی ہیں تو معانی جو کچھ بھی ہوں ہوتے رہیں، اُن سے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے! اسی سورہ میں ایک اور عظیم الشان مضمون ہے جو پوری دو آیتوں میں ادا کیا گیا ہے

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝ (۷۱ - ۱۳ - ۱۴)

اے لوگو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس خدائے عظیم سے عزت اور آبرو کی آس نہیں لگاتے، تم اسکے قانون پر چل کر بہتر بننے کی اُمید نہیں رکھتے، حالانکہ وہی رب متعال اور وہی منعم حقیقی تو ہے جس نے تم کو کئی طریقوں، اور تخلیق کے کئی مرتبوں سے مرتقی کر کے پیدا کیا ہے، ادنیٰ مخلوق سے اعلیٰ مخلوق میں ترقی دیکر، اور ایک جبلت سے دوسری اعلیٰ جبلت میں بدل کر اشرف المخلوق ہونے کا وقار بخشا ہے!

کیا وَقَارًا اور أَطْوَارًا والی آیات کا ربط اس کے سوا کسی اور معانی میں ہو سکتا ہے؟ اور کیا نوح علیہ السلام ایسا اولو العزم نبی اس وقار کی حقیقت معلوم کیئے بغیر اپنی قوم کو خطاب کر رہا تھا؟

(ب) بنی نوع انسان کی سب مخلوق پر فضیلت خدائے علیم کی اس زمین پر ہر شخص کو بہر نوع واضح ہے، اور جو انسانی نسل زمین کے بر و بحر، اور طیبات رزق کی مالک ہے، اُس کا تفضل بھی اظہر من الشمس ہے۔ مگر زمین و آسمان کے مالک کا کلام انسان کی فضیلت تمام عالم کی مخلوق پر نہیں بتاتا، اور اسکی ناپیدا کنار آسمانی فضا میں لامحالہ کسی شریف تر مخلوق کے وجود کی گواہی دے رہا ہے، لیکن اس نکتے کی تصدیق کے لیئے مریخ سے چشمک زنی کی سعی کرنے والے یورپ کو ابھی نہ معلوم کتنی اور صدیاں درکار ہیں! سورۂ بنی اسرائیل میں ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (۱۷ - ۷۰)

اور بیشک ہم نے بنی آدم کو اشرف المخلوق بنا کر بڑی ہی عزت دی اُن کو اس پہناور زمین کے بر و بحر پر قابض کر کے صحیح معنوں میں اس زمین کا حکمران کر دیا،

وحیات کی اِس مجاہدانہ کشمکش میں اپنی ظاہری اور باطنی قوتوں کا مناسب اور بہترین استعمال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷) اعلیٰ سے اعلیٰ جسمانی اعضا رکھنے والی اور جسامت کے اعتبار سے عالم میں بے حد و حساب مخلوق پیدا کی ہے۔ اُن میں سے اکثر مراں کو نسل مٹا ملی

ہے۔ "طبقات الارض کی تہوں میں میلوں کی گہرائی میں دبی ہوئی ہڈیاں صرف اس مخلوق کی یادگار ہیں جو لاکھوں سال

سے پہلے اس زمین پر بس رہی تھی، بلکہ زمین کے اُن طبعی اور جغرافی، مقامی اور تخلیقی انقلابات کی مسلسل وار سرگزشت

ہیں جو لاکھوں سال کی آفرینش سے ہوتے، اور آج ہو رہے ہیں گویا زمین کے تہ در تہ طبقے کتاب فطرت کے مرتب

اوراق، اور اُن کی ہڈیاں وہ ناقابل محو حروف ہیں جن کی وساطت سے ماورائے زمین کا سلسلہ وار پتہ لگ سکتا ہے

نچلے طبقے اعلیٰ طبقوں سے لامحالہ قدیم تر ہیں، اور اُن کے باقیماندہ آثار تکوین کے تدریجی سلسلے کی صحیح سند ہیں

اِن آثار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ شجر ارتقا کی ابتدا سب سے نیچے طبق میں اُن نہایت ابتدائی حیوانات

ہوئی جو محض ایک جوہر یعنی مضغہ گوشت تھے، مگر سطح زمین کے نزدیک کے اعلیٰ طبق میں یہ فرضی ارتقا اُس حد تک

ہوا کہ بڑے بڑے جسیم اور زور آور حیوان (جس کے ڈھانچے آجکل کے بڑے سے بڑے حیوان سے بھی کئی گنا بڑے ہیں)

روئے زمین پر مُدتوں کثرت سے آباد رہے۔ اُن کا بالآخر سطح زمین سے محو ہو جانا، اور بظاہر ضعیف جنسوں کا

لاکھوں سال سے جاری رہنا، اِس امر کی دلیل ہے کہ مزاحمت بقا میں جسمی زور یا جارحانہ قوت ہی کفایت نہیں کرتی

بلکہ صلاحیت بقا اس کے سوا کچھ اور شئے بھی ہے۔ یہ صلاحیت فطرت کی اُن قوتوں کا، جو بقا کی راہ میں حائل ہیں

اور جو ہر مخلوق کے بالمقابل بقدر اُسکی بساط کے سرِ پیکار ہیں، مستعدی سے مقابلہ کرنا ہے۔ اگر چیونٹی کی نسل باوجود

اپنے ضعفِ جسم کے ایک مُدّت مدید سے اِس زمین پر متمکن ہے، درآنحالیکہ وہ عظیم و جلیل 'میمتھ' جو موجودہ ہاتھی سے

کئی گنا بڑا تھا، تباہ ہو چکا ہے، تو اِس کا باعث لامحالہ یہی ہے کہ چیونٹی نے موانع طبیعت کا مقابلہ زیادہ مستعدی اور

کامیابی سے کیا ہے"۔

قرآن کریم کا تمام دستور العمل اِس حیرت انگیز اور گرانبہا حقیقت کا وہ مکمل اور آخری، وہ ناقابل ترمیم اور ناپید اکنار مرقع ہے، جسکے بالمقابل آج

اِس بیسویں صدی کے یورپ کا علم و عمل، اسکے سب معاشرتی اصول اور اجتماعی حکمت، اسکا علمی تفصل اور سیاست مدن، اسکے اطوار سے زیادہ

وقعت نہیں رکھتے۔ یہ صلاحیت کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف کرنا ہی اِس کتاب کا اہم موضوع ہے، اور اِسکی شہادت کتاب کے ورق ورق میں ملے گی خود آیۂ

استخلاف اِس حقیقت کو کرنے کی بصراحت تمام مؤید ہے فی الحال مسئلہ ارتقا کی اِس شق کی تائید میں ریاضی طور پر وہ چند آیتوں کو پیش کیا جاتا ہے لیکن

مجھے خوف ہے کہ کتاب کے اس ابتدائی حصے میں اُنکے صحیح مطالب اخذ کرنے میں غلط فہمی نہ پیدا ہو، اگرچہ فہم مطالب کے لیے اِن کا اعادہ کتاب کے متن میں اپنے موقع

پر کیا جائے گا

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ

وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ (۲۸: ۵-۶)

(اُدھر فرعون اپنی فرعونیت میں مصروف تھا، کمزور اور مظلوم رعیت کے مختلف فرقوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر اپنا اُلّو سیدھا

کر رہا تھا، اور بنی اسرائیل کی سی کس قوم پر تو ظلم ہو رہے تھے (۲۸: ۴)، اِدھر ہم اِس بات کے درپے تھے کہ اُسی لوگوں کو جو

اُسکے مُلک میں نہایت کمزور سمجھے جاتے ہیں، اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیں، اُن کو فرمانروائی کا پابند بنا کر زمین کے سردار بنا دیں"

سلہ سطح زمین کی مختلف تہوں میں مخلوقات قدیمہ کے اِن آثار باقیہ کو طبقات الارض کی علمی اصطلاح میں رکاز کہتے ہیں اِن رکازات کی تفصیل عنقریب آئندہ تحت المتن صفحہ ۲۹ میں ملے گی

کرتی رہی، اور حفظ نفس کے اصل اصول پر چلکر ہر مدِ مقابل سے فی الجملہ عہدہ برآ ہوئی،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸) اور بالآخر اسی سلطنت کا وارث بنا جس کی کشتی پر فرعون اُن سے یوں اک بھول چڑھاتا تھا نہیں بلکہ ہم چاہتے ہے کہ انکو اس زمین میں یکسر متمکن کردیں، اور فرعون بادشاہِ مصر، اور ہامان وزیرِ اعظم، اور اُن کے مغرور گوراشاہی سپاہیوں کو جو یوں ہی پھولے رہا و دیگر اینٹھے اینٹھے پھرا کرتے تھے، ایکدفعہ ہی تباہی اور زوال اُن کی اپنی آنکھوں سے دکھادیں جس کا چور اُنکے دلوں میں بنی اسرائیل کے مظلوم و ستم رسیدوں کو کوڑے مارتے، اور اُن کی عورتوں اور بچّوں کو بے دھڑک قتل کرتے وقت) رہا کرتا تھا (فَاَکادُوا یحْذَرُوْنَ) وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا کَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا کَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ۝ (۷: ۱۳۷)

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے اُنہی لوگوں کو کیا جو لطاہر کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدائے عظیم کا وعدۂ نیک بنی اسرائیل کے حق میں اپنے تکمیل تک ٹھیک پہنچا، کیونکہ اُنہوں نے نہایت عزم اور استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی، اُن کے ظلم وستم کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا، اور موسٰی کی مدافعت کے لیئے نکل کھڑے ہوئے تھے (بِمَا صَبَرُوْا)، پھر ہم نے فرعون کے سب منصوبوں کو تہس نہس کردیا، اُس کی قوم کی سب عظمت خاک میں ملادی۔ اور جو اونچی اونچی عمارتیں وہ بنی اسرائیل کے آدمیوں کو بیگار میں پکڑ پکڑ کر بنواتے تھے، ایک اقل قلیل مدت میں خاک میں ملادیں،

کیا آج فرعون امثال اور جوں آشام یورپ کو اس قانونِ خدا، اس آئینِ موت و فنا، اس تعریفِ عدم صلاح کو پڑھکر کچھ لرزش نہیں ہوگی؟ یا کیا ہیچکارہ اور مظلوم مشرق کو، اِن آیات خدا کی صحیح روح سمجھ کر لینے کے بعد اصلاحِ عمل کی کوئی اور تعریف کردینا باقی ہے،

مسئلہ ارتقا کی آخری شق یہ ہے:

۸ (الف) کرہ فلک کے اس ناپیدا کنار محیط میں، جسکی وسعت قطعاً ناقابلِ مساحت ہے، لاانتہا عظیم و جلیل کُرے ہول انگیز فاصلوں پر ہر طرف پھیلے ہوئے اپنے اپنے مداروں پر چل رہے ہیں۔ مطالعوں کی ناقابل انکار شہادت نے آج یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچا دی ہے کہ ان سب تمام عوالم کی ترکیب اجزا میں وہی مشترک عناصر ہوا اور فلزات، شامل ہیں جو زمین پر موجود ہیں، کوئی نیا عنصر یا فلزی اور ہوائی مرکب اتنک اُن کے کسی حصے میں داخل ثابت نہیں ہوا۔ اس مشاہدے سے لامحالہ ثابت ہے کہ آسمان کے سب دور اور نزدیک کُرے لشمول زمین آفرینش کے عہد ابتدائی مراحل میں ایک مشترک ہیولائے فضائی تھے جسکے مختلف حصے علیحدہ علیحدہ ہوکر (خارق المرکز قوت کے اثر سے) ٹھوس اجسام بن گئے، اور مدارں پر چلنے لگے۔ طبعی نقطہ نظر سے فطرت کی وحدت اس بنا پر ایک آشکارا امر ہے جسکے لئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں،

(ب) اجرام سماوی سے قطع نظر کرکے پھر اگر تمام عالمِ حیات کی طرف نظر دوڑائی جائے تو فطرت کا طالب العلم لامحالہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ماہیتِ حیات کارا رسب روئے زمین پر ایک ہے اسکا کیف و حال سب مخلوق میں اصلاً ایک ہے، اسکے لازمات اور عاجزیات، تاثرات اور محسوسات ایک ہیں۔ پانی اسکا وہ مشترک اور عالمگیر قوام ہے جسکے بغیر اس کا قائم رہنا محال ہے۔ ارتقائے حیات کے مختلف منازل میں یہی وہ شئے ہے جو ہر حال میں موجود ہے اس بنا پر حیات کی روئے زمین پر وحدت بھی ایک بدیہی امر ہے،

---

۸ اس حیرت انگیز صنعت کو سرزمین ہند کے مشہور طبعی فلسفی (جگدیش چندر بوس) نے حال (۱۳۳۴ھ ۱۹۱۵ء) ہی میں پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے۔

وہی قانونِ طبعی کی اصطلاح میں صالح ہے، وہی مستخلف فی الارض اور غالب ہے، وہی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹) (ح) مشاہدہ فلک نے ثابت کر دیا ہے کہ "ہیولائے فضائی" سے کائنات کا سبب ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ مختلف شکلوں میں، بعض مجامع النجوم کے گرداگرد، فضائے اثیری میں پڑا چکر کھا رہا ہے۔ اس بنا پر تخلیق عالم کا سلسلہ بھی ختم نہیں ہوا، بلکہ روز بروز نئے کُرے وجود میں آ رہے ہیں، یا پرانے سیارے سیّاح ہو کر ہیولا سے ٹل بن رہے ہیں۔ الغرض یہ سب تعمیر و شکست ایک بے پایاں سلسلہ ہے جس کا، کوتاہ نظر انسان کے محدود علم کے رو سے اٹل نتیجہ ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ تمام کائنات فطرت ایک ہی، اسکی علۃ العلل ایک ہے، صورتِ اتحاد ایک ہی، نسخہ حیات ایک ہی، راز ممات ایک ہی، نظم و نسق اور مطاعِ بے مثال ایک ہے۔

وحدتِ کائنات کا یہ ہوش رُبا انکشاف مغرب کے حکمائے عظام کو آج اس جانگداز تلاش اور قرنوں کے پیہم مشاہدے کے بعد حاصل ہوا ہے جسکی مثال سطحِ زمین کا کوئی گذشتہ دورِ حتماً پیش نہیں کر سکتا۔ مگر اسی عالم آرا اور حقیقت کشا توحید کا اعلان تیرہ سو برس پہلے اس بیابانی زمین، ریگستانِ عرب کے اُمّی **پیغمبر** (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں اس شد و مد سے ہوا کہ دنیا اُس تسبیح خیز یقین کی مثال پھر پیدا نہ کر سکے گی۔ آج اس توحید کے رسمی نام لیوا اگرچہ اُسی خدائے واحد کے اٹل قانون کے مطابق مٹ رہے ہیں مگر خدا کا نوشتہ اٹل ہے، اور یورپ کے تثلیث سے بیزار، اور قرآن سے ناآشنا طبعی فلسفی تحسین و آفرین کہتے ہوئے جانے کیا کیا معنی خیز سوال کر رہا ہے۔ سورۂ انبیاء میں ہے

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۚ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۚ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (۲۱ ۳)

اے پیغمبر! کیا قانونِ خدا اور خدا کے منکروں نے، انکار کرتے وقت، اس عظیم الشان حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمانوں کے لاانتہا کرّے، نظامِ شمسی، زمین، پیدائش کے ابتدائی مراحل میں، باہم ملے ہوئے تھے (کَانَتَا رَتْقًا) اُن کے مواد کا باہمی انضمام اور اتصال تھا (کَانَتَا رَتْقًا)، ان کا ہیولا ایک تھا (کَانَتَا رَتْقًا)، پھر ہم ہی نے اُس ہیولائے فضائی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس حیرت انگیز سلسلے، اور اس محیر العقول نظم و نسق کے ساتھ آسمان اور زمین کو بنایا (فَفَتَقْنٰهُمَا) اور تمام عالم کے سب بالا و پست میں وحدتِ کائنات و وحدتِ خدا کی عینی اور ناقابلِ انکار، زندہ اور لازوال شہادت قائم کر دی، اور یہی نہیں بلکہ ہم ہی نے ہر ذی حیات شئے کی حیات کا قوام پانی سی عام اور مشترک شئے کو بنا کر کے، تمام عالم کو وحدتِ حیات اور وحدتِ خلّاق کا بدیہی ثبوت دے دیا، تو کیا اب بھی یہ لوگ اس خدائے عظیم کی وحدت، اُسکی لامثالیت، اُسکی لاشریک حکومت، اُس کے عالم آرا تسلط، اُس کی عظیم کاری اور نظم لیسرمدی پر ایمان نہیں لاتے؟

کیا آج سے تیرہ سو چالیس برس پہلے جب کہ زمین خدا کے طول و عرض میں مغرب کی موجودہ علمی تحقیق کا نام و نشان تک نہ تھا جب جہل و وہم کی تیرگی ظلمت سب طرف یکسر چھائی ہوئی تھی، بیابانِ عرب کی سب سے بے علم، مغلوب الوہم اور سب سے ہر قوم کا ایک اُمّی فرد، یتیم، اور مظلوم بشر اپنے ہی مشاہدہ سے، اپنے خداداد علم، اور قلب سلیم کے باعث سب دوربینوں اور خوردبینوں سے بے نیاز ہو کر ملکوت زمین و آسمان کا وہ یکتا اور فرید المدبر عالم بن گیا تھا جس کا اندازہ آج لگاتے ہوئے ہوش پاش پاش ہو جاتے ہیں! اور کیا وہ ان آیات خدا کے قلب پر نازل ہوتے وقت اُس صاحبِ کبریا و جبروت سے، جو اس کائنات جہاں کا باعثِ اول ہے، دو گز بلکہ اس سے بھی قریب تر بیٹھا ہوا گردوں کے اُفق اعلیٰ کا تماشا مجسم خود دیکھ رہا تھا؟ سورۂ نجم میں اللہ العالمین کی طرف سے اس بیتیم مسیحے کو یہی سند ملی ہے جس کی شہادت آج زمین کے اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد مغرب کا ایک ایک حکیم بے اختیار دیگا:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۙ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ۙ عَلَّمَهٗ شَدِيدُ الْقُوٰى ۙ ذُو مِرَّةٍ ۗ فَاسْتَوٰى ۙ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ۗ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ **فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى** ۚ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى ۗ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۚ أَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (۵۳ ۱-۱۲)

مرتقی، متمکن، اور صحیح معنوں میں زور آور ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو آج وہ عظیم الجثہ افیال

(بقیہ تحت البس صفحہ ۲) اے صحک زمین کے بے خبر بسنے والو! اور اے عظمت بدل کے ناقدرواں بندو! بام آسماں کا وہ بلندیوں پر تو چمکنے والا ستارہ جو شکست کے آخری مرحلوں سے گذر کر تم سے بدرجہا زیادہ خاکوں میں وابقا سے باخبر ہو گیا ہے، اس بات کا شاہد ہے (وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى) کہ تمہارا رفیق محمد نہ تو غلط چل رہا ہے، اور نہ کچھ بہک گیا ہے وہ زمین و آسمان کے جو حقائق عالیہ تمہارے سامنے بول رہا ہے، کچھ اپنے وہم اور خواہش نفسانی سے نہیں بولتا بلکہ وہ سب کے سب آسمانی انکشاف ہیں جو اس پر کئے جاتے ہیں، وہ خدائی آواز ہے جو اوج آسماں سے بول رہی ہے۔ اسکو یہ سب علمی اور حکمی معارف شدید القویٰ اور عالم الامر خدا نے خود سکھائے ہیں، اسی علم کے زور تر سے وہ آج اوج کمال پر پہنچکر، افق اعلیٰ پر متمکن ہے (فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى) فلک الافلاک کی بلندیوں پر حکم کر بیٹھا (فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى) ملکوت خدا کا تماشا کر رہا ہے، بلکہ وہ اس سے بھی بلند تر ہو کر استادِ ازل کے عرش تک تو پہنچ گیا ہے (ثُمَّ دَنٰى) اور اس آستانہ کبریا و علم پر جبیں سار کہتے کہتے (فَتَدَلّٰى) بقدر دو کمان بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا ہے۔ پھر جب وہ علم اور عجز، مشاہدہ اور ارادت، ہستی اور سپاس، ذوق اور شوق کے اس مقام سے تک پہنچ چکا، تب کہیں اس ایزد متعال نے اپنے بندے کو یہ بات وحی کی جو تمہارے سامنے ہے (فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى) بے سرو پا حقیقت شناس لوگو! ذہن اور قلب سلیم (فُؤَادُ) نے جو حقیقت حال دیکھی اس میں محمد کو کچھ دھوکا نہیں ہوا، تو کیا تم لوگ قرآن حکیم کے ان برحق نتائج کے متعلق جنکی حقیقت اسے بچشم خود دیکھی ہے، اس سے جھگڑا کرتے ہو (اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى)۔

کیا اس سے بہتر اور قائم تر معراج علم و کمال آج تک کسی بڑے سے بڑے یورپی فلسفی، بڑے سے بڑے حکیم، بڑے سے بڑے طبعی کو حاصل ہوا ہے؟ کیا جہل و وہم، ظن و گمان کے عالم آرا ماحول میں اتنی وسیع نظری، ایسی صاف بینی، اسقدر بلند نگہی، ایسی حقیقت کشائی کا حاصل ہو جانا، العیاذ باللہ، کسی دھوکہ باز بے علم نفس پرست اور جاہ طلب آدمی کا کام ہو سکتا ہے؟ کیا آیۂ رتق (۲۱: ۳۰) آیۂ مستودع (۶: ۹۹) آیۂ نباتات (۱۷: ۱۷)، آیۂ سافلین (۹۵: ۵) وغیرہ وغیرہ کا مضمون آج سے صدیوں پیشتر اس سید کائنات، اس حقیقت شناس اور خداشناس، اس خیر الوریٰ اور اعلم الناس بشر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سوا کسی اور مدعی علم کسی دوسرے معلم حکمت، کسی ارسطاطالیس یا افلاطون زماں کے منہ سے نکلا؟ کیا وہ مغرب کا سب سے بڑا "معلم الحکما" ارسطو (المتوفی ۳۲۱ قبل مسیح) جس کی حکمت اور جس نیں پر آج یورپ بھی اسی ہٹ دھرمی اور تعصب کے باعث اسقدر نازاں ہے، اور جسکی علم فطرت کے متعلق ہولناک غلطیوں کی عجیب و غریب تاویلیں پیش کر کے اس کے جہل پر پردہ ڈالنے کی سعی کر رہا ہے، فیثاغورس (المتوفی ۵۰۰ قبل مسیح) کے دو سو برس پیشتر کے صحیح دعاوی کے باوجود، زمین کو مرکز عالم قرار دینے، اسکو ساکن اور شمس و قمر کو اسکے گرد متحرک ماننے، اور بجائے آسمان کو خالی فرض کرنے کے نجوم کو آسمان کے بلوری کُروں میں نصب کیا ہوا یقین کرنے میں وہ مہلک غلطی، وہ المناک نادانی، وہ مضحکہ انگیز سوقیانہ کلام نہیں کر رہا تھا جسکے زیر اثر یورپ کا بدیکی نظام (۹۳۶ھ ۱۵۳۰ء عیسوی) کے شائع ہونے تک، کامل اٹھارہ سو برس تک یہ ڈی بھٹکتی رہی؟ اور کیا وہ پھر اس فخر موجودات، اس حکیم عرب، اس مکی اور مدنی معلم الناس اور متعلم خدا کا لایا ہوا معجز نما کلام نہ تھا جسنے کاپرنیکس (المتوفی ۹۴۹ھ ۱۵۴۳ء) کے موجودہ مسلم نظام سے کامل نو سو برس پیشتر نااہل مسلماں کی ناقدر دانی اور ناشناسی کے باوجود، زمین کو بلکہ بلا استثنا تمام اجرام سماوی کو متحرک قرار دے کر ارسطو کی شرارت انگیز حکمت کا یکسر قلع قمع کر دیا تھا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (۳۹: ۵)

اور الجسیم الجسد اژدہے جو قرون خالیہ میں روئے زمین پر اس کثرت سے آباد تھے متسلط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱) لوگو! اُس رب ہمیتال نے ہی آسمان کے لا انتہا ستاروں (السّمٰوٰت) اور زمین کے عظیم الشان کرّے کو پیدا کیا،
اور اب روز بروز ان اجرام سماوی کی حیرت انگیز ترتیب اور وقت طلوع و غروب کی تعیین سے رات کی ظلمت آرا چادر کو دن کے روشن جسم پر لپیٹ دیتا ہے
اور پھر رفتہ رفتہ دن کے نورانی حجاب کو رات کے سیاہ جسم پر اوڑھا دیتا ہے۔ اور بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سورج اور چاند جیسے
عظیم و جلیل کرّوں کو اُس نے اپنی مرضی کے تابع، اپنے حکم کا محکوم، اور اپنے اشارے پر مجبور کر رکھا ہے (مُسَخَّرٰتٍ) یہ سب آسمانی کرّے،
یہ شمس و قمر، یہ سماوات، اور زمین سب کے سب (کُلٌّ) ایک وقت مقرر تک حرکت کر رہے ہیں (یَّجْرِیْ) اور مسافت اپنی کو پورا کر رہے
ہیں۔ لوگو! گوش ہوش سے سن رکھو کہ وہ خدائے بے ہمتا بڑا غالب القوی (اَلْعَزِیْزُ) اور بڑا بردہ پوش (اَلْغَفَّارُ) ہے۔

کیا پھر و تمس کی تحقیق کو یکسر توڑنے اور اسلام کے عالم آرا فلسفے کو ارسطاطالیسی نظام سے درجہا بلند اور حقیق تر جتلانے کے لئے اُس نے
اسی یَّجْرِیْ کے قدرے مشکوک لفظ کی ناقابل انکار تشریح، آیۂ رتق (۲۱ ۳) کے معاً بعد کر کے یہ دعوے نہ کیا تھا کہ سماوات اور زمین، اور شمس
اور قمر سب کے سب بلا استثنا اپنے اپنے "فلک" اور اپنے اپنے مدار میں پڑے چل رہے ہیں، اور السّماء سے مراد (السّمٰوٰت) اور فلک کے قرآنی
مفہوم سے قطع نظر، وہ محفوظ اور ناقابل درک، وہ نادست رسیدہ اور بالاتر یافتہ چھت' ہو سکے جس کے پیچھے یہ سب ہنگامہ کائنات ہو رہا ہے، او
جس کے محفوظ ہونے کا آج تمام یورپ قائل ہو چکا ہے

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا
يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا
السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ښ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ
فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (۲۱ ۳-۳۳)

اے پیغمبر! کیا منکرین خدا نے اس حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمان کے لا انتہا کرّے (السّمٰوٰت) اور زمین سب کے سب ابتدائی مراحل میں
ملے ہوئے تھے (کَانَتَا رَتْقًا)، پھر ہم نے ان دونوں کو آپس سے الگ الگ کر دیا، اور سب زندہ اشیا کا تو امام پانی بنا دیا تو کیا یہ لوگ
اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد بھی خدا کی توحید پر ایمان نہ لائیں گے؟ اور ہم ہی نے زمین میں عظیم الشان پہاڑ اپنے اپنے موقع پر ڈال دیئے
کہ زمین (اپنی حرکت میں) انکو لیکر ایک طرف کو نہ جھک جائے (اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ)، اور استحکام کر نقل قائم رہ سکے، اور کشادہ راہیں اُس میں بنا
دیں کہ لوگ راہ پا سکیں۔ اور آسمان (السَّمَاۗء) کو ایک مضبوط اور ناقابل شکست "چھت" بنا دیا، اس کے ہر حصے کو انسان یا دیگر مخلوق کے
دست تصرف سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا (سَقْفًا مَّحْفُوْظًا)۔ خدا کی اس حیرت انگیز مضبوط کاری اور حفاظت پسندی کو دیکھنے
کے باوجود لوگ اس کے حفظ و امان دینے والے احکام سے گریز کرتے ہیں۔ اور لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے رات اور دن کی عظیم
الشان حقیقتوں کو نیست سے ہست کیا، اور شمس و قمر کے عظیم الشان کرّوں کو پیدا کیا۔ یہ سب کرّے، یہ شمس و قمر، یہ سمٰوات اور زمین،
یہ لیل و نہار اپنے اپنے مداروں میں پڑے تیر رہے ہیں!

کیا جبال زمین کے قیام کی یہ حیرت انگیز تشریح موجودہ علم جر ثقیل کے اُس اصولی ضابطے، اور علم التمیعات (اینٹیگرل کیلکولس) کے ہی
اساسی قاعدے کے بالمقابل حرف بحرف پوری نہیں اُترتی، جس کے رُو سے کسی دوّار جسم کے مرکز ثقل کا محور پر واقع ہونا، اس کی یکساں اور ہموار حرکت
کے لئے لازمی ہے، اور جس کے معنی اس محور کا، اُس جسم کا، بلکہ جسم کے اجزا کا ہر دم لڑکھڑاتے رہنا اٹل ہے کیا اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ کے بعد كُلٌّ فِيْ
فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ" کا دعوے خود اس امر کی روشن دلیل نہیں ہے کہ بطلیموسی اور ارسطاطالیسی نظام ایک لغو نظام تھا جس کی تقلید سا کنان زمین نے
صدیوں تک غلط اصول پر کی، اور جب ہر جرم فلکی کا ایک علیحدہ مدار (فلک) ہے تو لامحالہ زمین بھی اپنے مدار پر چل رہی ہے اور یکساں حرکت سے

ہو جاتے اور حضرت انسان کے لیئے گز بھر جگہ میسّر نہ ہوتی۔ چیونٹی سے لیکر ہاتھی اور کنجشک

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲) چل رہی ہے۔ انہیں کیا خبر کہ اس شمسی نظام کے اندر جس کے اہم حصّوں کو آج یورپ یا یہ سوت تک پہنچ کر تلاش حقیقت میں کامیاب ہونے کا سہرا اہم ہی اپنے سر پر رکھا ہے، اور جسکی بعض شقوں پر بادیہ اماں ملا جیل و بحث قریباً تین سو برس تک قائم رہا، کیا خود اس نظام کے اندر سورج کے ساکن فرض کر لینے کی وہ خطرناک غلطی کئی قرنوں تک نہایت التزام کے ساتھ جاری رہی جس کو ہرشل (المتوفی ۱۲۳۸ھ – ۱۸۲۲ء) نے، مدۃ العمر مشاہدے کے بعد ابھی پورے ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے ۱۱۹۷ھ – ۱۷۸۳ء میں اس معرکۃ الآرا الفاظ میں درست کیا۔

"سورج مع اپنے تمام نظام شمسی کے جو ایک دور و دراز مرکز کے گرد چل رہا ہے اور موجودہ اوقات میں اس کی سمت حرکت ایک مجمع النجوم کی طرف ہے جس کا نام الجاثی علیٰ رکبتیہ (ہرکولیس) ہے۔"

آہ! کیا پھر اسی عظیم الشان حقیقت اور محیر العقول صداقت کو محمد (صلعم) کے لائے ہوئے قرآن عظیم نے کامل بارہ سو برس پیشتر "کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ" کے عالم آرا الفاظ کے علاوہ (جس سے لامحالہ سورج کا کسی مرکز کے گرد چلنا ظاہر ہے) انہی شاندار اور ششدر کن الفاظ میں بصراحت تمام بیان نہیں کیا جن کو دہرانے پر قرآن سے بیخبر اور محمد (صلعم) سے ناآشنا ہرشل قطعاً مجبور ہو گیا تھا!

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (۳۶ – ۳۸)

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (۳۶ – ۳۹ – ۴۰)

اور آفتاب ہے کہ اپنے کسی ایک جائے قرار کی طرف برابر چلا جا رہا ہے۔ لوگو! اُس قاہر العزیز اور غالب العلم خدا کا باندھا ہوا اندازہ اس عظیم الشان شعلہ نور کے حق میں یہی ہے (جس سے ادھر اُدھر ہٹنے کی اُس بیچارے میں کچھ طاقت نہیں۔)

اور چاند کی حرکت کی ہم ہی نے منزلیں مقرر کر دی ہیں تو وہ اس اندازے کہ اُس کا روشن حصہ گھٹتے گھٹتے ایسا ٹیڑھا اور پتلا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی سوکھی ہوئی ٹہنی۔ نہ تو سورج بیچارے میں طاقت ہے کہ اپنے سے کمزور چاند کو لپک کر پکڑ لے، نہ رات ہی سے بن پڑتا ہے کہ دن سے پہل کرے اور یہ اجسام سب کے سب (بشمولیت زمین جسکا ذکر (۳۶ – ۳۶) میں ہوا) اپنے اپنے فلک، اور آسمان میں پڑے تیر رہے ہیں۔

ہاں! لیکن اُس عزیز و علیم ہستی کے بالمقابل، جسکے دست قدرت میں سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا کرہ محض بیچارہ ہے، غریب ہرشل کی کیا بساط تھی کہ علم میں سابقت کرتا!

مسئلہ ارتقا کی آخری شق کے تیسرے حصّے (ج) کے متعلق بھی قرآن میں وہ فیصلہ کن شہادت موجود ہے جس سے خدائے عظیم کے متعلق تعطل کا نظریہ، (جس کا فلسفہ داں ابن باجہ معتقد تھا)، محض ساقط ہو جاتا ہے۔ "خَلَقَ" کا لفظ قرآن کریم میں ہر قسم کی مخلوق کی پیدائش کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ جو اسی تحت المتن میں یہ اصطلاح انسان (۴ – ۹۵) صفحہ ۱۲، (۳۷ – ۱۱) صفحہ ۱۵، (۵۵ – ۱۴) صفحہ ۱۵، (۷۱ – ۱۴) صفحہ ۱۷، (۳۲ – ۷) صفحہ ۱۴)، اَلسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۳۲ – ۴) صفحہ ۱۴، (۴۰ – ۵۷) صفحہ ۱۵، (۳۹ – ۵) صفحہ ۲۱)، لَیْلَ وَنَهَارَ، شَمْسَ وَقَمَرَ (۲۱ – ۳۳) صفحہ ۲۲) ملکہ آیہ (۲۰ – ۵۰) صفحہ ۱۱ میں بلا تخصیص ہر شے کی پیدائش کے بارے میں مستعمل ہوئی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے خدا کے ابداء و اعادۂ خلق کے متعلق وہ تمام دعاوی جو قرآن میں جابجا موجود ہیں، کسی ایک قسم کی مخلوق، (مثلاً انسان یا حیوانات یا نباتات) تک ہی محدود نہیں ہو سکتے، بلکہ اُن سے مراد ہر قسم کی مخلوق کا بار بار پیدا کرنا ہے۔ اور جس میں لامحالہ نئے سماوات، نئے ستاروں اور نئے کروں کی پیدائش شامل ہے۔ یہاں پر ایک دو موقعے قابل ذکر ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے

سے لیکر انسان تک جو جو نسلیں اِس وقت تک قائم ہیں اُن میں صلاحیت تحمل کم و بیش باقی

(بقیہ تحت الس صفحہ ۲۳) قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ ﴿۱۰ ۳۴﴾

اے پیغمبر اِن لوگوں سے کہو کہ کیا تمہارے شریکوں اور ٹھیرائے ہوئے خداؤں میں کوئی ایسا بھی ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کرے اور پھر بار بار اسی مخلوق پیدا کرتا رہے ؟ ان کو کہو کہ خدا ہی مخلوق کو نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اسکو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے تو تم کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہو!

سورہ عنکبوت میں یہی اشارہ ذرا واضح تر ہے کیونکہ اعادۂ خلق کے عینی مشاہدے کی ترغیب دی گئی ہے ، اگرچہ اس خلق سے مراد مخلوقِ زمین ہی ہے

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹ ۱۹ ۲﴾

کیا منکرین خدا نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا مخلوق کو کس طرح نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اسکو بار بار پیدا کرتا ہے ، بیشک نہیں کہ یہ سب کام (یعنی ابدا اور اعادہ) خدا پر بہت آسان ہے ۔ ان کو کہو کہ جاؤ زمین کے طول و عرض میں جا کر تماشا کرو کہ خدا نے مخلوق کو کیا ابتدا کیونکر کر دی ہے پھر وہی خدا اِن سب کو نیست کرکے ایک دوسری پیدائش کی ابتدا (یُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ) کرے گا اِس میں شک نہیں کہ خدا ہر شے پر قادر ہے ' (آیہ (۲۹ ۱۹) اِس دنیا میں مخلوق کے اعادے کے متعلق ہے اور (۲۹ ۲) آخرہ کے اعادے کے متعلق)

سورۂ روم میں اعادۂ خلق کے ساتھ ساتھ سموات اور زمین دونوں کا ذکر کرکے نوع مخلوق کو اور بھی عام کر دیا ہے ؛

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۰ ۲۰﴾

لوگو! وہی رب قدیر تو ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کرتا ہے پھر اسکو بار بار پیدا کرتا ہے ، اور یہ سب کچھ اسکے لئے بیحد آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اُسکی اس عظیم الشان طاقت کی دھاک بندھی ہوئی ہے ، اور وہ خدا بڑا غالب القوی اور صاحب حکمت خدا ہے جو ایسا کر سکتا ہے'

آسمانوں میں یہ قوت کی دھاک تبھی بیٹھ سکتی ہے ، جب وہاں بھی تخلیق کا سلسلہ اسی طرح جاری ہو جیسے یہاں پر ہے ۔ لیکن ان شہادتوں سے قطع نظر جن کے مطالب میں مفسرین نے تاویل کی بہت کچھ گنجایش اختیار کرکے اُن کو متشابہ المعانی بنا دیا ہے ، اور جن کے صحیح اور مربوط معانی اپنے اپنے موقع پر کتاب کے متن میں آئینگے ، اور شہادتیں بھی ہیں جن سے لامحالہ ثابت ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کا خلاق عظیم اُن کی پیدایش کے بعد بھی نئے مہمات امور میں مصروف ہے ، اور روز مرہ نئے عظیم الشان کام کر رہا ہے ۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے ؛

يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿۵۵ ۲۹﴾

لوگو! جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے ، اُسی کا محتاج اور سوالی ہے وہ بے کار اور معطل خدا نہیں بلکہ آئے دن کسی نہ کسی عظیم الشان کام میں مصروف ہے!

یَوم کی تشریح پہلے گذر چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ کام بھی نہایت عظیم الشان ہونا چاہیئے ۔ خدا کے بیکار رہنے کے متعلق سورۂ قٓ میں بھی ایک صریحی اشارہ ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ خدا ہر دم نئی تخلیق میں مصروف ہے اور تعطل کا دعوےٰ محض باطل ہے ؛

ہے۔ اگر افریقہ کا قصیر الجسم ہاتھی رفتہ رفتہ کشمکش حیات سے شکست کھا کر معدوم ہو چکا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (۵۰ ۳۸)

اور لوگو! بالتحقیق ہم ہی نے آسمانوں اور زمین کے اس حیرت انگیز کارخانے کو، اور عظیم الشان کُرّے اور بے شمار مخلوقات

ان کے درمیان ہے اُسکو چھ بڑے مدید الوقت دنوں میں پیدا کیا، اور یہ جو دیکھا کام اِس قدر بڑا تھا کہ اسکو دیکھکر عقل ششدر رہ جاتی ہے

اور مدت اس قدر دراز تھی کہ تمہارے وہم و گمان میں نہیں آ سکتی، لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ تھکاوٹ نے ہم کو چھوا تک نہیں، اور ہم

برابر اسی طرح سے کاموں میں مشغول ہیں۔

دوسری آیت خلق کے متعلق سورۂ نحل میں ہے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۶ ۸) "اور وہ خدائے عظیم اُن اشیا کو بھی پیدا کر رہا ہے جن کا تم کو

سرے سے علم ہی نہیں"۔ جس سے کنایۃً بظاہر اُس مخلوق سمٰوات کی طرف معلوم ہوتا ہے جس کا علم حاصل کرنا کوتاہ بین انسان کے لئے ممکن نہیں

بہرحال یہ تمام اشارات اس امر کی مجموعی شہادت ہیں کہ زمین و آسمان کا رب لم یزل تخلیق کائنات کے بعد "تدبیر امر" میں ہی مصروف نہیں جس کا

ذکر آیۂ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (۳۲ ۵) صفحہ ۲۴ میں آ چکا ہے بلکہ ہر قسم کی تخلیق کے نئے مہمات امور میں مشغول ہے اور جن میں نئے آسمانی کُرّوں کی پیدائش

بھی شامل ہے۔ یہی مذہب آج یورپ کے طبعی حکما کا ہے، اور اُس لایزال و لم یزل خدا کے شایانِ شان بھی یہی ہے کہ ہر لحظہ کچھ نہ کچھ کرتا رہے

جو لوگ اسکو آجکل کے کسی عیش پرست حکمران کی مانند سریرِ حکومت پر معطل اور مسند آرا سمجھتے ہیں، انکی شناسائی اُس احکم الحاکمین سے بہت

کم ہے، اور معرفت کی پہلی بلکہ آخری منزل یہی ہے کہ اعمال خدا کا صحیح اور براہ راست علم ہو، اسکی عظمت اور طاقت کا صحیح اندازہ ہو، اُس کے

معمول سے پوری واقفیت، اور عادات کی کما حقہٗ شناخت ہو۔ مگر یہ بحث بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے جسکا یہاں پر چھیڑنا ضروری نہیں

مختصر الفاظ میں ڈارون کے مسئلہ ارتقا کا دعویٰ یہ ہے جسکی شرح و بسط اوپر ہوئی۔ جو قرآنی شہادتیں اِس مسئلے کی تائید میں

پیش ہوئیں، انکی بحث دراصل "علم القرآن" کے متعلق ہے، جو اِس کتاب کا اخیر ترین حصہ ہے۔ اُن کا یہاں پر لکھ دینا کم از کم ایک ایسی کتاب

کے لئے جسکا منتہا علم و یقین کی طرف بالدلیل اور بتدریج رہنمائی کرنا، اور "فرض و اعتقاد" کے عنصر کو بیدخل کر کے قرآن کو سب انسانی علم

سے بالاتر اور عالم آرا حقیقت ثابت کر دینا ہو، بہت کچھ بیش از وقت ہے۔ ہم نے اِس تصنیف کے ابتدائی اوراق میں ان مباحث عالیہ کو

محض اسلئے حاوی ہے کہ کلام الٰہی کے اُن متلاشیوں پر جو اسکی ہر آیت میں ایک مستقل حقیقت کے موجود ہونے کا یقین رکھتے ہیں، مسئلہ ارتقا

کی اہمیت (جو فی الحقیقت انسانی علم کا معراج ہے) ایک حد تک واضح ہو جائے، اور ساتھ ہی اُن علمائے علم فطرت کے ذہنوں میں جو قرآن کو

لاشئے سمجھکر اُس سے بیزار ہو گئے ہیں، اس عجیب و غریب کتاب کی دقتِ مطالب اور عمقِ نظر کا اندازہ ابتدا سے ہو جائے۔ وہ آیندہ اوراق میں

سمجھتے ہیں کہ قرآن کس قدر اس عظیم الشان مسئلے کا مؤید ہے، اسکا دستور العمل کہاں تک اِس حقیقت کبریٰ کے عین مطابق ہے۔ اُس کا تمام

لائحہ عمل کیونکر "حفظ النفس" کے منتہا ئے مقصد کی طرف جا رہا ہے، کس انتہائی شدت سے "اجتماعی سلامتی" کے دریئے، اور "انفرادی

سعی و عمل" کا مؤید ہے۔ نہیں بلکہ جوں جوں انکا علم قرآن کے حقائق عالیہ کے متعلق وسیع ہوتا جائے، وہ آجکل کے رسمی اور لفظی اسلام کو بطرف

کر کے اُس یقین انگیز اسلام کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوں جس نے ایک عالم کے اعمال اور اخلاق میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا، جس نے افراد

کے دلوں میں وہ ہیجانِ عمل، وہ سلیقۂ نظم و نسق، وہ اتحاد اور ارتباط جاری کر دیا تھا جو ابتدائے آفرینش سے آجتک ہر زندہ اور مرتقی قوم کا خاصہ ہے

وہ اِس حیرت انگیز کتاب الٰہی میں بطور خود وہ عظیم الشان اصول مبادیات دیکھیں جن کا اجرا روز اول سے صفحۂ زمین پر ہو رہا ہے جس کی تاریخ بزبان

حال بتا رہی ہے، جن سے قومیں فلک الافلاک پر چڑھ جاتی ہیں یا تحت الثرے میں گر کر ملیا میٹ ہو جاتی ہیں۔ اِس نقطۂ نظر سے یہ تحت المتن جسکی

طوالت کا اندازہ مصنف نے کتاب کی تحریر کے وقت نہیں کیا تھا اور جو بعد میں فرمایش پر لکھا گیا، محض ایک ابتدائی تحریر ہے جس کا محولہ بالا اوراق

کے نفس موضوع سے تعلق ابھی عیاں نہیں ہو سکتا، اور نہ مسئلہ ارتقا کو صحیح فرض کر کے قرآن کی صحت کو ثابت کرنا ہمارا پیش نہاد ہے۔

یا امریکہ کا ہندو یا ریڈ انڈین منقطع النسل ہونے کو ہے تو مسئلہ ارتقا کے رُو سے اُن کی مدافعانہ جدوجہد

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٢٥) کتاب کے متن کا سلسلۂ استدلال بجائے خود ایک مستقل شے ہے جسمیں اس تحریر کو چنداں دخل نہیں، البتہ اگر کتاب جداگانہ علم، اِن مباحث کے ضمن میں مسئلہ ارتقا کو اپنی آغوش میں لیکر اپنے آپ کو یورپ کے اُس علم سے بدرجہا وسیع تر ثابت کر دے جس کے ثابت وہ آج اوجِ کمال پر چڑھ گیا ہے تو منکرین کیلئے یہ امر بجائے خود قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی روشن اور ناقابل انکار دلیل ہے۔

مسئلہ ارتقا کی بحث آیۂ استخلاف کے الفاظ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے شروع ہوئی تھی۔ عمل صالح کی مکمل اور ناقابل انکار تشریح گویا فی الحقیقت قرآن کے تمام دستور العمل کو از سر نو آشکارا کر رہا ہے اور یہ صلاحیت عمل ہی مسئلہ انتخاب طبیعی کی وہ مضبوط اساس ہے جس پر اقوام کے بقا و استخلاف کا سارا دارومدار ہے۔ پس آج اس علم و شہادت کے زمانے میں قرآن کریم کا طبعی تعلق اس مسئلے سے ہے، اگرچہ حکمائے مغرب کو اس کا علم نزول قرآن کے صدیوں بعد حاصل ہوا ہو یا صالحات کے عظیم الشان لفظ کے معانی قرنوں تک گزشتہ نہایت محدود، یا قطعاً محجوب ہو گئے ہوں، اور اپنا اصلی اثر کلیۃً کھو چکے ہوں۔ یہ حقیقت اور بھی واضح تر اس وقت ہو جاتی ہے جب کلام الٰہی کا طالب العلم کامل غور و تعمق کے بعد لامحالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ قرآن کریم درحقیقت اقوام عالم کے فنا و بقائے اصلح کی مکمل داستان ہے جو تاریخ کائنات سے تذکیر و عبرت کے لیے انسان کے حوالے کر دی ہے۔ اور جسکے لائحۂ عمل کو ساتھ اور نسل انسانی روئے زمین پر اپنی مدتِ قیام کو دراز کر رہا ہے۔ سورہ ملک میں مالکِ زمین و آسمان نے اس حقیقت کو بوضاحت تمام بیان کر کے موت و حیات کے سوال کو حسماً طے کر دیا ہے

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ (٦٧ ۔ ٢)

لوگو! وہ وُہ مالک الملک اور صاحبِ اختیار خدا ہے جس نے اجتماعی موت و حیات کے قانون کو رائج کر رکھا ہے تاکہ اس بات کی آزمائش کرے کہ تم میں سے کونسی قومیں حُسنِ عمل کرتی ہیں۔ جتنک صالح ہیں اُن کو بقا نصیب کرے۔ جب غیر صالح بن جائیں اُن کو صفحۂ زمین سے یکسر محو کر دے! اور لوگو! یاد رکھو کہ وہ تاریخ کائنات بڑا زبردست اور بڑا شدید العقاب (العزیز) ہے، اور باقی اقوام کے اجتماعی عیوب پر بڑا پردہ ڈالنے والا بھی ہے (الغفور)۔

آج اس مسئلہ ارتقا کی تائید و تثبیت انسانی علم و یقین کے قریب قریب ہر شعبے نے اس حیرت انگیز طریقے سے کی ہے کہ مغرب کے لیے اسکا منکر ہو جانا قطعاً غیر ممکن ہو گیا ہے۔ سطح زمین کے مواد بعد لامہ کی کامل تدوین و تنظیم نے اس حقیقت کو اور بھی آشکارا کر دیا ہے۔ طبقات الارض کی تمام داستان بزبان حال اسکی مؤید ہے۔ عالمِ افلاک کے پیہم مشاہدے اسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ روئے زمین کے طبعی انقلابات یہی کہہ رہے ہیں۔ اجناس حیوانات کی داستانِ حیات یہی سبق دے رہی ہے۔ اطلال دیار کی روئداد یہی ہے۔ احوال جہان کی سرگذشت بھی اسی قطع کی ہے جسمیں اور بیں تخلیق انسان کا مدرج ثبوت ثابت کر رہا ہے۔ طبعیات، ریاضیات، کیمیا، تشریح الابدان وغیرہ وغیرہ اکثر یقینی علوم اسکی مساعدت میں ہیں۔ خود انسان کی مائل حیوانیت فطرت بزبان حال سے کہہ رہی ہے کہ انسان کسی ادنیٰ مخلوق کا تمثل اور کبر تر خوشنما سلسلہ ہے۔ عام تخیّل کہ بندر ارتقا کرتے کرتے انسان بن گیا جہلا کی ناانصافانہ تشریح ہے، اسکو اس مسئلہ سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ خود بندر کو انسان سے بظاہر ہے۔ تاہم اسمیں شک نہیں کہ اس مسئلے کے بعض گوشے ہیں بھی وقتاً فوقتاً ارتقا ہوتا رہا۔ روئے زمین پر تدریجی انقلابات کا اعتراف رشتِ اول، انسان کو عالماً اُسوقت سے ہے جسکی صحیح تعیین بہت مشکل ہے۔ قدیم ہندو فلسفہ تکوین عالم کے متعلق عجیب و غریب عادی پیش کرتا ہے جن کی مماثلت موجودہ مسئلے سے ایک خفیف سی ہے۔ یونانی حکمائے قدامت مادہ کے نظرئیے کی تشریح کی، مگر کوئی خاص مسئلہ مدون کیا اسلامی حکمائے پہلی، دوسری، تیسری اور آٹھویں شقوں کے متعلق مستقل دعاوی مرتب کیے۔ مگر باقی تمام شقوں کی تدوین اور تحقیق (بلکہ ایک رو سے تمام مسئلے کی تصدیق)، ہمہ تن علم جدید کا کارنمایاں ہے۔ مسئلہ انتخاب طبیعی، (یعنی چوتھی اور ساتویں شق)، کا دعوئے اوّل اوّل ١٢٢٨ھ ١٨١٣ء اور بعد ازاں ١٢٤٦ھ ١٨٣١ء میں یورپ کے دو غیر معروف طبعی فلسفہ دانوں نے کیا، مگر ڈارون اور والیس نے ١٢٧٤ھ ١٨٥٨ء میں اسکو از سر نو

اور صلاحیت کا خاتمہ ہوگیا ہے!

(تتمہ بحث الملتی صفحہ ۲۶) دریافت کرکے پایۂ تحقیق تک پہنچا دیا۔ اُس وقت سے آجتک اِس مسئلے کی روز افزوں شہادت ملتی رہی ہے حتّٰی کہ آج اسکو علم جدید کی بدیہیات میں شامل کرلیا، مغربی حکما کے نزدیک کچھ قابل اعتراض نہیں۔ اصل کتاب میں اسکے متعلق "بطرتہٗ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (دیکھو صفحہ ۱۱) مگر "بطرتہٗ" کا لفظ فی الحقیقت اِس کے شایانِ شان نہیں، اگرچہ قرآن حکیم کی مستقل اور ناقابل بدل حقیقت کے بالمقابل اِس نامکمل اور غیر مستقل مسئلے کو یہی لفظ زیادہ موزوں ہے!

مسئلہ ارتقا کی مولود ما لا چوتھی شق، یعنی مسئلہ انتخاب طبیعی (صفحہ ۱۳) کی صداقت پر جو ناگہاں حملہ حال ہی (یعنی ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء) میں جامعہ کیمبرج (انگلستان) کے دو نامعروف الاسم حکما ڈاکٹر ولِس اور ڈاکٹر یول نے کیا ہے اِس قابل نہیں کہ اسکی باضابطہ تردید یا تشریح اِس کتاب میں کیجا سکے۔ ابھی تک کسی قابل ذکر علمی حلقے نے اِن حکما کے دعوے کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا، اور چند استثنائی اور متشکک النتائج دلائل کی بنا پر انتخاب طبیعی کے اصل اصول کو مشکوک قرار دینا بہت کچھ بیش از وقت بلکہ حتماً نارسا ہے۔ اِن حضرات کا دعویٰ ہے کہ انواع و اجناس حاضرہ کا روئے زمین پر تخلّف "بقائے اصلح" کے قاعدے کے ماتحت رہ کر نہیں ہوا، بلکہ ہر نوع بقدر اپنی قدامتِ ظہور اور مدّتِ قیام کے روئے زمین پر توسیع و تمکن حاصل کرتی رہی حتّٰی کہ کسی ایک باقی یا فنا شدہ نوع کے رقبۂ توسیع کا حال صرف تقسیم کے حسابی قاعدوں کے ذریعے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اِسی نقطۂ نظر سے اِن کے نزدیک جنس کے تعدد انواع کی توسیع بھی روئے زمین پر ہوتی رہی۔ بہت ممکن ہے کہ صلاحیت اور قدامت کے اعداد و شمار کے درمیان کوئی اتفاقی تعلق ظاہر ہوا ہو جس کی وجہ سے حساب لگانے میں ایک گونہ سہولت پیدا ہوگئی ہو، مگر ظاہر ہے کہ فطرت کا یہ کارگاہِ عظیم انسان کے تسلیم کئے ہوئے وضعی قاعدوں کی پابندی سے مطلقاً بے نیاز ہے۔ جب کون و مکان کے ہر شعبہ بقا و حیات کی بنیاد سعی و عمل پر ہے تو سعی و عمل کا قیام ہی عین صلاحیت ہے، اور علیٰ ہذا القیاس صلاحیّت کا وجود ہی عین قیام و بقا ہے۔ پس اس مقامِ نظر سے مدّتِ قیام کی درازی اور صلاحیت دو مترادف اشیا ہیں جن کی اصل ایک ہی ہے۔ یہی قرآن عظیم کا دعویٰ ہے۔ اور یہی مسئلہ ارتقا کا اصل اصول۔ اگر قدامتِ ظہور اور تکثّر و تمکّن فی الارض میں کوئی ظاہری تعلق پیدا ہوگیا ہے تو وہ بھی اسی طبعی ترادف کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے کہ قانون بقا و فنا کے متعلق کوئی نیا انکشاف ہوا ہے جس کا اعتراف پہلے لوگوں سے نہیں ہو سکا۔

† اژدہوں اور افیال کے متعلق اِس اجمال کی تفصیل کے لئے علم طبقات الارض کی مفصلہ ذیل معلومات کا یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے۔

قشر الارض، یعنی کرۂ زمین کے سطحی غلاف کی تفحص اور تلاش کرنے سے فطرت کے طالب العلم پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ سطح زمین کا وہ حصہ جو انسان کے دستِ قدرت میں ہے، اور جہاں تک اسکی کدال کی رسائی پہنچ سکتی ہے، دو قسم کے احجار پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ جو نسبتہً مختصر سا ہے اُن چٹانوں کا ہے جو وقتاً فوقتاً زمین کے بطن سے سیّال حالت میں آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے نکل کر سطح زمین پر جمتی گئیں، اور بعد ازاں اس مہمل مدات کے عظیم الشان تودے بن گئے۔ یہ سب چٹانیں نہایت سخت ہیں، ان کے زمین پر پھیلاؤ کی کوئی ترتیب نہیں، اِن کے اندر کسی قدیم حیوان کے بقیہ آثار کا نشان تک نہیں۔ جہاں جہاں غلاف زمین کا کوئی کمزور حصہ ہے وہاں یہ چٹانیں اسکو پھاڑ کر نمودار ہوگئی ہیں۔ قدامت کے لحاظ سے اِن کی ترکیب میں کچھ کچھ کیمیاوی تغیّر و تبدّل ہوا ہے مگر ماہرِ فن کے لئے اِن احجار منقلہ کی شناخت کچھ مشکل نہیں، اور اگر کوئی شئے مشتبہ نظر آئے تو خوردبین اسکا یکدم فیصلہ کر دیتی ہے۔

دوسری قسم چٹانوں کی وہ ہے جو مطبق یعنی تہ در تہ ہے ایک تہ نہایت سلیقے سے دوسری تہ کے اوپر جمی ہے۔ انکی سطحیں بھی قریب قریب ہموار ہیں۔ ہر ایک تہ کا سنگ اُس کے ذاتی اجزا، انکی ظاہری ساخت، انکی خوردبینی بافت اور کیمیاوی ترکیب دوسری تہ سے جُدا ہے، کوئی نرم ہے

قرآن حکیم نے اِس آیہ کریمہ میں آفرینش کی بقاو فنا ، اور اقوام کے عروج وزوال کا وہ مہتم بالشان کلیہ بیان کر دیا ہے جس کی صرف پہلی شق کی اصلیت کو یورپ کے طبعی فلسفی طبقات الارض کی مسلسل تفتیش و تفحص کے بعد ابھی پہنچے ہیں ۔ غیر ناطق حیوانات میں چونکہ ایمان کی انسانی طریق پر گنجائش نہیں اور عمل مقتضائے طبیعت ہے ، اِس لیئے فطرت کے حال و احوال کا ان کی ضروریاتِ زندگی سے تطابق

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷) کوئی سخت ، کسی کے اجزا نہایت باریک ذرات سے بنے ہیں ، کسی میں چھوٹے چھوٹے ساحل آب کے گھسے ہوئے گول پتھر جُڑ کر چٹاں بن گئے ہیں ، کسی کے سالمات اسقدر نفیس ہیں کہ بمشکل تمام اُن کے انفصال کو تساحت کیا جا سکتا ہے ، وغیرہ وغیرہ ۔ سورۂ فاطر میں اِسی حیرت انگیز اور جلیل الشان چٹانوں کیطرف اشارہ ہے جن کی حقیقت کتنا سرگذشت کم ہیں اور کوتاہ نظر انسان نے ہزاروں برس تک نسلے سے انکا کیا ۔ اور ابھی ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے ، کہ مغرب کے چند طبعی حکما اپنی جان جوکھوں میں ڈالکر اُن سے ہمکلام ہوئے ، اور اُن کی عجب بیتی داستان کو سُن کر ایک عالم کو محو کر دیا ، نہیں ، بلکہ قرآن حکیم کے ایک اہم حصّے پر عمل کر کے دنیا کو معرفت خدا کے فلک الافلاک پر پہنچا گئے !

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ (۳۵ : ۲۷)

اے ساکنانِ زمین ! کیا تم نے اِس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا (اَلَمْ تَرَ کا ترجمہ جو اسی آیہ کریمہ کے شروع میں ہے) کہ پہاڑوں کے اندر عظیم الشان طبقے ہیں جن میں سے کوئی سفید ہے کوئی سُرخ ، اُن کے رنگ جدا جدا ہیں اور بعض اُن میں سے ایسے بھی ہیں جو بھجنگ کالے ہیں ! تم جاؤ ان کو دیکھو کہ وہ کیا داستان سُنا رہے ہیں ، سچ کیا انکشاف کر رہے ہیں ، شرح کیا کہہ رہے ہیں ، خدا کی عظمت اور معرفت کا کیا گراں بہا سبق دے رہے ہیں ، کالے کیا سے ہماری تحقیق کر رہے ہیں !)

اِن طبقوں کی متوازی حدیں ، انکی ہموار سطحیں ، انکی ظاہری ساخت اور جوڑ و بیچ باف ، اِن کے مختلف اور متقابل رنگ بلا محالہ اس نتیجے پر پہنچا دیتے ہیں کہ یہ سب احجار پانی کی تہ میں اور سمندروں کی وساطت سے بنے ۔ سطح زمین کے مختلف نالوں اور دریاؤں کے مکدر اور ذرات آمیز پانی جھیلوں اور سمندروں کے پانی میں ملکر ساکن ہو گئے ۔ وہاں پر آہستہ آہستہ انکی تلچھٹیں (رسوبات) تہوں میں منقسم ہو گئیں اور مرور وقت کے باعث ہزارہا گز موٹی تہیں بن گئیں ایک تہ کے اوپر سطح زمین کے تبدیل احوال کے باعث ، دوسرے رنگ ، ساخت اور قماش کی تہ بیٹھی ۔ تبدیلی موسم طوفان یا ہوا کی اور حرکت انہار کے تخریبی اثرات (تعریہ ہوئی) ، شمس اور طبیعی میاہ ، باران و یخ بستہ کے کیمیاوی اور ارادی اعمال (تعریہ مطری) ، اور تصادم امواج مد و جزر بحر کی پیہم شکست و ریخت (تعریہ بحری) نے اِن طبقات کی تدریجی تعمیر میں مستقل حصّہ لیا ۔ پھر اِن کے اوپر کا پانی زلازل زمین یا اور مقامی انقلابات کے باعث رفتہ رفتہ خشک ہو گیا ، اور یہ طبقے سطح زمین پر نمودار ہو گئے بعد ازاں اوپر کے طبقوں کے کروڑوں من بوجھ اور زمین کی اندرونی حرارت نے قرنوں کے بعد ان رسوبات کو پتھر کی مانند سخت کر دیا ، اور وہ مختلف چٹانیں بن گئیں ۔ آج بھی ہر سمندر اور جھیل ، بلکہ معمولی تالاب کی تہوں میں یہ رسوبی طبقات روز بروز بن رہے ہیں اور ہر صاحب نظر کو اسی تعمیر و شکست کا سبق دے رہے ہیں !

لیکن جو حیرت انگیز امتیاز اِن آبی اور ترسیبی احجار میں نمایاں ہے وہ ان کا حیوانی ہڈیوں اور ڈھانچوں ، اُن کے قدموں کے نشانوں ، اور نباتی پتّوں اور تنوں کے بقیہ آثار (رکازات) سے معمور ہونا ہے ۔ سطح زمین سے کئی کئی ہزار گز ، بلکہ بعض اوقات چار چار میل نیچے تک یہ ہڈیاں کیمیاوی طور پر تبدیل شدہ حالت میں ملتی ہیں ۔ بلند ترین طبقوں میں مرے ہوئے حیوانوں کے سالم ڈھانچے ترکیبی اجزا کے معمولی ردّ و بدل کے بعد پائے جاتے ہیں ۔ اُن کی شکلیں بالکل محفوظ ہیں لیکن اجزا متحجر یا متحدّد بن گئے ہیں ۔ بعض کے اجزا چونے سے بدل گئے ہیں ، بعض لوہا یا تانبا وغیرہ بن چکے ہیں ۔ قرآن حکیم میں عظام کی اسی بدلی ماہیت کی طرف عالمانہ اشارہ کر کے خدا فراموش انسان کو بعث کا عبرت انگیز سبق دیا گیا ہے ،

یا تخالف پذیر ہونا ہی ان کی صلاحیت یا عدم صلاحیت ہے، اور وہی جنس قوی تر یا اصلح ترٹھیرے گی جسکے وسائل دفاع کا توازن (جو فطرت نے اُسکو سپرد کیے ہیں) قدرت کی خارجی اور اٹل طاقتوں کے ساتھ قائم رہے گا۔ مگر مجامع انسانیہ کی حالت جن کے ہر فرد کی ادنٰے سے ادنٰے ضرورت بھی تدبیر و عمل کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی، قطعی مختلف ہے۔ ان کے تحفظ و ارتقا کا مسئلہ بیحد مشکل اور بدرجہا پیچیدہ تر ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۸) وَقَالُوٓا أَءِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَءِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۝ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۚ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ ۖ قُلْ عَسَىٰٓ أَن يَكُونَ قَرِيبًا ۝ (۱۷: ۴۹-۵۱)

اور لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم مرنے کے پیچھے گل سڑ کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا اسی حالت میں ہم کو از سر نو پیدا کر کے اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ اے محمدؐ ان سے کہدو کہ کم عقلو! تم مرنے کے پیچھے پتھر ہو جاؤ، یا لوہا بن جاؤ، یا کوئی اور شے جو تمہارے خیال میں اس سے بھی سخت تر ہو، پھر کہیں گے کہ ایسا ہے تو کون ہم کو دوبارہ پیدا کر سکے گا؟ انہیں کہہ کہ وہی خلاق عظیم جس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا۔ اسپر یہ لوگ تمہارے سامنے انکار کے طور پر سر ہلانے لگیں گے اور کہیں گے کہ اچھا یہ کب ہوگا۔ انہیں کہہ دو کہ عجب نہیں کہ یہ سب کچھ قریب ہی آن لگا ہو!

ایک مدت تک ان آثار باقیہ کے متعلق لوگ یونہی سر ہلایا کیئے؛ انکے وجود کے بارے میں اکثر اغماضی اور تجاہلی شان رہی؛ لوگ انکو دیکھتے مگر ان کے متعلق بحث کرنے سے محترز رہتے؛ کسی نے ان کو فطرت کا کھیل کہا؛ کسی نے خدا کی شان کا ایک نمونہ، تاکہ معترض کو چپ کیا جا سکے۔ عیسائی پادریوں نے جو یورپ کی علمی تحقیقات سے خوف زدہ ہو کر اپنی انجیل کی حفاظت میں حواس باختہ تھے، اور پاپائے روما الکبرے نے جو محافظ دین ہونے کی حیثیت میں علمائے فطرت کو دار و صلیب پر چڑھانے میں مصروف تھا، ان کو نوح علیہ السلام کے طوفان کا بقیہ قرار دیکر اپنی جان چھڑانی چاہی، مگر حقیقت کے بالمقابل باطل کب تک ٹھیر سکتا تھا۔ جب کئی کئی گز لمبے ڈھانچے اور پورے سر، اور پیر، اور دھڑ برآمد ہونے لگے، اور میلوں کی گہرائی تک تمام سطح زمین آباد نظر آئی تو پادری دم دبا کر بھاگے؛ سب مسیحی یورپ دم بخود ہو گیا؛ علمائے فطرت کی جرأت بڑھی۔ اُنہوں نے کامل غور و خوض کے بعد اعلان کر دیا کہ دنیا عہد عتیق کے شمار کے مطابق محض چھ ہزار سال سے ہی آباد نہیں بلکہ تخلیق کا سلسلہ لکھو کہا برس سے جاری ہے؛ یہ ہڈیاں لامحالہ اُن حیوانوں کی ہیں جو روئے زمین پر انسان سے پہلے بس رہے تھے۔ اُن کے ڈھانچے پانی کے سیلاب، ہوا کے جھکڑ یا اور مختلف اسباب کے ذریعے سے سمندروں میں چلے گئے؛ آبی حیوانوں کے ڈھانچے وہیں تہ میں گرتے رہے، بالآخر جب رفتہ رفتہ رسوبات اور ذرات کی تہ اُنپر جمی، دب گئے۔ فطرت نے ان کو نہایت حفاظت سے یادگار کے طور پر محفوظ رکھا، ان کی شکلیں برقرار رکھیں، ان کے کیمیاوی اجزا تقطیر حامض املاح کے باعث بدل گئے مگر شکل نہ بدل سکی۔ انسان کی نوعی تخلیق ان حیوانات کے مدتوں بعد ہوئی اور بتدریج تمام ہوئی۔ اس بنا پر سطح زمین کے لاتعداد رنگا رنگ طبقے فطرت کی عظیم الشان کتاب کے رنگا رنگ "ورق" ہیں؛ یہ رکازات باقیہ ان اوراق پر خدا کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے "حروف" ہیں؛ انسان کو یہ عالم آرا "کتاب" اسلیئے دی گئی ہے کہ اسکو پڑھے اور اُس خلاق عظیم کی عظمت کا اندازہ بچشم خود کرے!

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝ (۶۷: ۱۵)

لوگو! وہ وہ منعم حقیقی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیئے میدان کر دیا ہے کہ تم اسکے اطراف و اکناف میں دل کھولکر پھرو چلو

اور جوں جوں اقوامِ عالم ترقی کی تگ و دَو میں ایک دوسرے پر سبقت لیجا رہی ہیں انفرادی معیشت اور اجتماعی حفاظت کا سوال اور بھی لاینحل ہوتا جا رہا ہے۔ آج معاشرت کی اس حیران کن مسابقت میں تمدن کی لاانتہا ضروریات، اور تہذیب کے اَن گنت لازمات جزوِ زندگی بن گئے ہیں؛ علم کی حیرت انگیز جدت آفرینی اور عمل کی محیّر العقول جولانی نے میدانِ حیات ناقابلِ گذر کر دیا ہے؛ ذرائع کی ناقابلِ یقین توسیع کے باوجود

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۹) عجیب و غریب اعمال کا بچشمِ خود مشاہدہ کرو اور اس کا ررق کھاؤ، ترقی اور آسودگی کے بام بلند پر چڑھو لیکن اِس بات کو یاد رکھو کہ تم سے ایک نہ ایک دن اُسکے حضور میں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

کتابِ فطرت کی اِس حیرت انگیز اہمیت کو پیشِ نظر رکھ کر مغرب کے طبعی حکمائے اہجار زمین کے اُس حصّہ عظیٰ کو جس کی تخلیق سمندر کی وساطت سے ہوئی پانچ بڑے بڑے جلیل القدر اور طویل المدت زمانوں یعنی "القدیمۃ الاولیٰ"۔ "القدیمۃ الاخریٰ" "الحیات الوسطیٰ" "الحدیثۃ القصویٰ" اور "الحدیثۃ الادنیٰ" کے صحور میں منقسم کیا ہے۔ پہلی قسم یعنی **القدیمۃ الأولیٰ** کے طبقوں میں جنکی گہرائی زمین کے بعض حصّوں میں میلوں تک پہنچتی ہے اور جو اور سب طبق کی تہ میں ہیں، کسی ذی حیات مخلوق کا باقی نشان آجتک نہیں ملا اگرچہ ان کی تہوں کے اندر بعض مشکوک سی لکیریں اور سوراخ پائے جاتے ہیں جنسے شبہ پڑتا ہے کہ وہ کسی بے استخوان حشرات الارض کے نشانات قدم ہیں۔ باقی چار حصّے حیرت انگیز ترتیب اور تسلسل کے ساتھ عجیب و غریب حیوانات کے بقیہ آثار (رکازات) سے بھرے ہیں، سطح زمین کا کوئی حصّہ اُن سے خالی نہیں۔ "**القدیمۃ الأخریٰ**" کے طبق میں جس کی تقسیم چند بڑے بڑے حصّوں میں کیگئی ہے، زندگی کے آثار غیر مشکوک طور پر نمایاں ہیں بے استخوان کے عام تعداد کے باعث مخلوق غیر ذی فقری (یعنی ریڑھ کی ہڈی کے بغیر) ہے۔ پہلے حصّے میں (خوردبینی حیوانات سے قطع نظر جنکے نشانات کا باقی رہنا ناممکن ہے) سرطان نما قشری حیوانوں (القشریات) کی ایک تعداد کثیر پائی جاتی ہے جو آج سطح زمین سے قطعاً ناپید ہو چکے ہیں۔ اِسی حصّے میں اسفنج، مفصلی اور دو سِگی حلزوں (گھونگھے) کی ابتدائی نوعیں رونما ہوئی ہیں۔ دوسرا حصّہ اِن "سطرطانی" انواع سے سب سے زیادہ آباد ہے۔ مگر مرجان (مونگے) کی فی الحال ناپید انواع، اسفنج، شوکیۃ القشر لوسی (ریچپدار) حلزون، اور ناموجود "سماجی" حشرات سے پُر ہے۔ تیسرے حصّے میں قشریات "کشمکشِ حیات" کے باعث نہایت قلیل التعداد اور نحیف ہو چکے ہیں، مگر بحر نما آبی حیوان کی ابتدا ہو رہی ہے۔ دریائی حلزون زوروں پر ہیں، ریڑھ کی ہڈی والے (ذی فقری) جانوروں کی نشانات کہیں کہیں نمودار ہے مگر نہایت ابتدائی اعصابی ترکیب کی مچھلیوں کے سوا اور کوئی حیوان اِس جنس کا کہیں نظر نہیں آتا۔ البتہ سرطانی قشریات اعصابی ارتقا کر کے ہزار پائے بن گئے ہیں آبی عقرب، جن کی کوئی قسم آج نہیں ملتی، کہیں کہیں جلوہ گر ہے نمل (چیونٹی) کی ابتدائی انواع، پردار اور بے پر، دونوں پائی جاتی ہیں۔ چوتھا گروہ طبق مچھلیوں کی بے شمار ناپید انواع سے پُر ہے ارضی حیوانات کی اکثر انواع وہی ہیں جو تیسرے حصّے میں تھیں مگر اقسام نسبتہً بہت زیادہ ہو گئی ہیں، مرجان کی کثرت ہے۔ "القدیمۃ الاخریٰ" کے طبقات کا پانچواں حصّہ یعنے زمین کی انقلابی نشو و نما کا وہ یادگار زمانہ ہے جس میں انسان کی آیندہ بہبودی کے عجیب و غریب سامان پیدا ہوئے اِس زمانے میں سطح زمین پر نباتات کا وہ عظیم الشان فروغ ہوا جسکی مثال آجتک پھر پیدا نہ ہو سکی۔ بڑے بڑے سر بفلک درخت جن کے تنے موجودہ درختوں سے کئی کئی گنا بڑے تھے سطح زمین کے سب بالا و پست میں پھیل گئے۔ ہزارہا اقسام کی نئی نباتات کا ظہور ہوا، بالآخر اِسی سرسبز نباتات کے ہزاروں میل تک پھیلے ہوئے خرابے پایاب جھیلوں اور دلدلوں میں جمع ہو کر صدیوں کے بعد معدنی کوئلہ بن گئے اسی پر آج یورپ کی بے مثال ترقی اور تمکن فی الارض کا اکثر حصّہ ہے؛ قرآن حکیم میں اِسی اہم نعمت خدا کا تذکرہ، اور اِسی بے مثال صناعی کا بیان سورۂ یٰسٓ کے اندر ہے (سورۂ فاطر میں "کچھ کالے (غرابیبُ سُودٌ)" چٹانوں کا اشارہ بھی اسی معدنی کوئلے کی طرف ہے جسکا ذکر آیۂ (۲۷، ۳۵) صفحہ ۲۸ میں ہو چکا ہے)؛

ذاتی آسائش مفقود، اور بین الاقوامی امن ممتنع الحصول ہوگیا ہے، عمران وحفظانِ صحت کے التزامات نے آبادی کی المناک کثرت پیدا کر دی ہے، ہلاکت کے شہر شکن سامان اور بربادی کے کوہ پاش وسائل کا مہیّا کرنا ہر متمدن قوم کا منتہائے عمل ہوگیا ہے۔ وہ روٹی کا ٹکڑا جو انسان کو نشاۃ اوّل میں قلیل سی قلیل سعی اور ادنےٰ سی ادنےٰ تدبیر کے باعث مِل رہتا تھا آج انتہائی جدّوجہد کے بغیر میسّر نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝ (۳۶ ۷۹-۸۰)

اے محمدؐ! ان منکرینِ بعث کو جواب دو کہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں کو از سرِ نو زندہ وہی خلّاقِ عظیم کرے گا جس نے اوّل بار انکو نیست سے ہست کیا تھا، اور وہ اپنی پیدا کی ہوئی ہر چیز کے سب کیف و حال، اور اس کی تمام ممکنات سے بخوبی واقف ہے وہ وہ کارساز جلیل اور وہ صانعِ رحیم ہے جس نے تمہارے استعمال کے لیے سرسبز درختوں کے بوسیدہ تنوں سے آگ کے عظیم الشان خزانے پیدا کیے اور آج تم انہی خزانوں کو اپنے مصرف میں لا کر ترقی کے بامِ بلند پر چڑھ رہے ہو!

آج ان گرانبہا خزانوں کے تہ در تہ طبقے ہزارہا گز گہرے، وسطِ یورپ اور امریکہ، وسطِ ایشیا اور مشرقی ہند، روم، عرب اور مصر کی سرزمین میں دبے ہوئے انسانی سعی و عمل کا انتظار کر رہے ہیں۔ معدنیات زمین کے اِسی حصّہ کے طبقے میں پَردار مچھلیاں کثرت سے دبی ہیں۔ گویا مچھلیوں کی نسبتاً ادنیٰ مگر استخوانی مخلوق کے ارتقا سے پرندوں کی بمقابلۃً اعلیٰ مخلوق کے ابتدائی اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ اُن کی اقسام ترقی کرتے کرتے موجودہ مچھلیوں سے الگ بھگ بن چکی ہیں۔ دسیع اور لمبی کھُلی ذُن، کیڑے اور مکوڑے زیادہ طاقتور اور بہتر اعصابی ترکیب کے بنتے جاتے ہیں۔ لیکن جس خاص جنس کا ظہور اس عہدِ ارتقا میں اوّل مرتبہ ہوا وہ پیٹ کے بل چلنے والے دانہ ہیں۔ اُن میں سے ایک نوع کسی منقاردار چھپکلی کی ہے جس کی ایک باقی قسم ابھی تک نیوزیلینڈ کے بعض متعلقہ جزائر میں سسک سسک کر اپنی حیات کے آخری دن گزار رہی ہے!

لیکن طبقاتِ زمین کے اس "درکِ اصل" سے قطع نظر "الحیات الوسطیٰ" کے طبق فی الحقیقت وہ حیران کن طبقے ہیں جن کے اندر اُس خلّاقِ عظیم کی کبریائی سب سے زیادہ واضح طور پر آشکارا ہوتی ہے۔ دریائی اور ساحلی کیکڑے قدیم قشری سرطانوں اور عقربوں سے ارتقا کرتے کرتے موجودہ کیکڑوں کے متشابہ بن گئے ہیں، مچھلیاں مدرجہا بہتر اور صالح تر ہو رہی ہیں، اُن کے پھیپھڑے اور سر کا استخوانی ڈھانچہ اور دندان وغیرہ آجکل کی مچھلیوں کے اعضا سے متشابہ ہو چلے ہیں۔ پیٹ کے بل چلنے والی چھپکلیاں (حزّون) نہایت تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہیں، اُن کی منقاریں رفتہ رفتہ موجودہ خزائن کے دندان دار موہوں سے بدل گئی ہیں، ایک گروہ اِسی جنس کا دریائی مسکن اختیار کر چکا ہے۔ جہاں ہم آجکل کے دریائی دودھ پلانے والے حیوانوں (ذات الثدی یا مرضعات) کا پیش خیمہ بن رہا ہے۔ "الحیات الوسطیٰ" کے اِسی پہلے حصّہ طبق میں خزائن کے فرعی ارتقا کے باعث رضاعی حیوانوں کے مشکوک یا مشتبہ آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ اکثر وہ اعصابی خاصیات اور آلی امتیازات جو اس جنس کے لیے مختص ہیں، بعض اعلیٰ اقسام کے خزائن میں نمودار ہو رہی ہیں۔ دوسرے حصہ طبق میں خزندی جنس کے حیوانات کی یہ حیرت انگیز کثرت اور پرورش ہوئی ہے کہ اُن کے بقیہ آثار کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان پیٹ کے بل چلنے والے جانور جن کے ڈھانچے کئی کئی گز لمبے ہیں اور جن کی رانوں کی قد آدم کے برابر ہڈیاں اور گز گز لمبی دُمیں اُن کو اژدہوں کے مماثل کر دیتی ہیں، اس زمانے میں سطحِ زمین پر معمور دکھائی دیتے ہیں۔ ان ڈھانچوں میں "سُم قدم"، "چنگال قدم"، اور "پنجہ قدم"، تینوں قسم کے خزندے

مشکلات کے مادّیت کے غلبے نے اقوامِ متمدنہ میں روحانیت سے عام انحراف پیدا کر دیا ہے؛ جسمی طاقت اور مادی اقتدار پر ناز، کبریائی کا ادعا اور بہیمی اخلاق سے تخلق طبیعت ثانیہ ہو گئی ہے؛ مکر و دروغ مجامع عالم کا شعار، بلکہ طغرائے امتیاز بن گیا ہے؛ بین الملّی خُلق اور اتحادِ عالم کا نصب العین خواب و خیال ہو چکا ہے؛ طاقتور اقوام کی سبعیّت اور درندگی کی یہ شان ہے کہ ایک دوسرے کی تباہی کے ہولناک سامان روز بروز بڑھ رہے ہیں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۴۱) شامل ہیں گویا پرندوں اور رضاعی حیوانوں کی طرف ارتقا کا میلان ابھی سے ظاہر ہے۔ حجری اژدہوں کے اعضا کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیس بیس گز لمبی چھپکلیاں اپنی پچھلی دو ٹانگوں کے بل سطح زمین پر کودتی پھرتی تھیں، یا عظیم الشان تمساحوں (مگرمچھ) کی طرح یا پایاب ساحلوں اور دریاؤں کے دہانوں پر شکار کی گھات میں پڑی رہتی تھیں۔ امریکہ کے بعض حجری اژدہے جسامت کے لحاظ سے اسقدر عظیم الشان تھے کہ آج سطح زمین کا ہر بڑے سے بڑا جانور اُن کے بالمقابل دیوار کی چھپکلی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ ایک شکاری حجری اژدہا جس کے پاؤں کی ساخت پرندوں کے پنجوں سے بہت مماثل تھی اسقدر قد آور تھا کہ الف لیلہ کا سیمرغ بھی اسکے آگے محض ایک کنجشک نظر آتا ہے؛ اسکی تمام مجدّب کمر ریڑھ کی ہڈیوں کے عین اوپر دو دو گز اونچی گھریلو مرغ کی مانند کلغی تھی، اور مخروطی دُم کے اوپر ڈیڑھ ڈیڑھ گز لمبے اور ہاتھی کی ٹانگ کے برابر موٹے کئی کانٹے تھے؛ اونچائی میں چار انسانوں کے قد کے برابر اور دُم سے لیکر چونچ تک بلا مبالغہ دس گز لمبا تھا۔

يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٥ : ١﴾

وہ ربِ عظیم اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے۔ لوگو! بگوشِ ہوش سن رکھو کہ وہ خدا سب پر قادر ہے۔

"الحیات الوسطیٰ" کے اسی زمانے میں فرعی ارتقا کے باعث اُڑنے والے اژدہوں کی ایک تعداد کثیر نظر آتی ہے۔ اُن کے تمساح (مگرمچھ) کی مانند لمبے لمبے دندان دار منہ اور حمّاش (چمگادڑ) کی مثل جھلّی والے پر اس بات کی شہادت ہیں کہ یہ ہولناک "پرندے" درندوں سے بدرجہا خوفناک تھے۔ معمولی اژدہوں کے پروں کا پھیلاؤ بھی آٹھ آٹھ گز تک پہنچتا تھا۔ دُم سے لیکر چونچ تک ہر ایک کی لمبائی کئی کئی گز تک تھی، اور الف لیلہ کے رُخ کی مانند یہ دہشت انگیز درندے جہاں اُڑتے تھے اپنے پروں کے پھیلاؤ سے زمین پر اندھیرا کر دیتے تھے[1]!

لیکن فرعی ارتقا کی اِن حیرت انگیز عجائب نمائیوں سے قطع نظر جو اصلی ارتقا اس زمانے میں نمودار ہوا وہ پر والے پرندوں کا ظہور ہے؛ اِن طبقات میں مُرغِ ہوا کی صرف ایک قسم محفوظ رہ گئی ہے جو آجکل کے پرندوں سے کچھ کچھ مماثل ہے۔ رضاعی (ذات الثدی) حیوانات کے آثار خال خال نظر آتے ہیں۔ لیکن حجری اور رضاعی اجناس کے سلسلۂ تکوین کی درمیانی کڑیاں صاف طور پر ظاہر ہیں۔ "انڈے دینے والے رضاعی حیوان" جو مرغ اور چارپائے کے بین بین نظر آتے ہیں کثرت سے ہیں۔ تھیلی والے رضاعی حیوانات کی جو حجریوں اور مویشیوں کی درمیانی کڑی ہیں، رونق لگی ہے۔ مقدم الذکر نوع کی دو قسمیں آج بھی آسٹریلیا کے بعض حصوں میں پُرانے وقتوں کی یادگار کے طور پر قائم ہیں۔

ارضی، ہوائی اور دریائی تمساحوں اور اژدہوں کا قیام "الحیات الوسطیٰ" کے تیسرے اور آخری حصے میں بھی بدستور رہا۔ لیکن انکی جسامت اس زمانے میں اور بھی حیران کن ہو گئی۔ ایک ارضی حجری جیسے جسم کی شکل موجودہ اُود بلاؤ سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا پانچ گز کے قریب بلند نظر آتا ہے۔ بعض ہوائی تمساح اُڑتے وقت تین تین گز لمبے حمّاشی پر پھیلا سکتے تھے۔ بعض امریکی دریائی انواع کی لمبائی سر سے لیکر دُم تک پچاس پچاس گز پائی گئی ہے۔ ایک ارضی تمساح کی ہڈیاں اسی زمانہ قدیم کے طبقوں میں سے ابھی (حسبِ سنہ ۱۳۴۱ھ م ۱۹۲۲ء) چھ ماہ نہیں گذرے

[1] ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ م ۱۳۷۷ء) اور مارکوپولو (المتوفی ۷۲۵ھ م ۱۳۲۳ء) نے ایک ہیبت ناک پرندوں کا ذکر اپنے سفرناموں میں کیا ہے

الغرض عقل کی بے اندازہ کارفرمائیوں اور فوق الضرورۃ چارہ جوئیوں نے آج عقدۂ معاش میں وہ صورتِ اشکال پیدا کردی ہے جو فی الحقیقت ناقابلِ تحمل ہے!

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ (۳۳ : ۷۲)

(بقیہ تحت الشمس صفحہ ۳۲) کہ ہند کی سرزمین میں دریائے جہلم کے قریب نکلیں مگر اُس کا ڈھانچا اسقدر وزنی تھا کہ تیس بیس اسکو مشکل اُٹھا کر ایک جگہ پر لے جاسکے۔ الغرض جس حیرت انگیز طریق پر سطح زمین و آسمان کی اِن ہولناک اجسام نے انسان کے زمین پر وارد ہونے سے پیشتر زور پکڑا تھا، اس سے گمان ہوسکتا تھا کہ انسان جیسی بظاہر کمزور، لوزاروں اور بے نوا مخلوق اُن کے ہوتے ہوئے کچھ حفظ و قیام حاصل نہ کرسکے گی، مگر شارع فطرت کو اِن کا روئے زمین پر دیرتک رکھنا منظور نہ تھا، کارخانۂ طبیعت کے اٹل قوانین اُنکے تمکن فی الارض کی مخالفت میں حتما تھے؛ بقاءِ معیشت کے سہیم مجادلے میں اُنکی جسامت، اُنکی قوتِ لایموت کی مقدار، اُن کا ممتنع السیر، کاہل الوجود اور بطی النسل ہونا ہی اُنکے بقا کا مانع تھا؛ وہ سب کے سب ایک اقل قلیل مدت میں صفحۂ زمین سے محو کردئے گئے، اور ما عمل اور صالح تر مخلوق کو اُن کا جانشین کردیا گیا۔ "الحیات الوسطیٰ" کے بلند ترین طبقات جسقدر ان اجسام سے پُر نظر آتے رہیں، اُسیقدر "الحدیدۃ العصوی" کے احجار کا ورک اسفل لئے نسبتاً خالی پایا جاتا ہے۔ مقدم الذکر زمانے کے زیر و بالا سب طبقات میں اُن کے حیرت انگیز ہولناک وجود کثرت کے بعد بلند تر طبق میں اُنکا یک لخت معدوم ہوجانا فطرت کے طالب العلم کے لیئے ایک عبرت آموز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سعی و عمل، تگ و دو، صبر و ابتلا کے اس عظیم الشان معمل میں اُنکی سعی کچھ مشکور نہ ہوئی؛ مبدع کائنات کو جو بداتِ خود ہمہ روز سعی و عمل میں مصروف ہے، اور ہر آن "کُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" کا مصداق ہے، اُن کا جمود، اُن کا ناکارہ پن، اُنکی گرانجانی کچھ پسند نہ آئی، اور ایک دو "یوم" کے اندر اندر اُن کو روئے زمین سے حک کردیا گیا۔ قرآن کریم میں سورۂ قصص کے اندر اُس ربِ عظیم کے اسی بے مثال اختیار کی طرف اشارہ ہے جس کے مطالب کی عظمت کو طبقات زمین کی "کتابِ عظیم" میں بچشمِ خود دیکھکر ہر صاحبِ نظر کا کپکپا جانا یقینی ہے،

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ (۲۸ : ۶۸)

اور اے محمدؐ! تیرا پروردگار زمین و آسمان کے اِس بیکراں محیط میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور پھر پیدا کرنے کے بعد اُس کی سعی و عمل کا امتحان لیکر جو مخلوق چاہتا ہے پسند کرلیتا ہے، اور جسکو نامناسب سمجھتا ہے روئے زمین سے محو کردیتا ہے (یختار) اور جو فرضی معبود اور حاکم اعلیٰ انسانوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیئے ہیں اُنکو تو یہ عظیم الشان اختیار کچھ بھی نہیں! اسے ساکنانِ زمین! وہ خدائے عظیم اُن تمام من گھڑت مطاعوں اور معبودوں سے بدرجہا بلند تر اور ارفع ہے جن کو لوگ اسکے برابر بناتے رہتے ہیں (یشرکون)۔

اور اسپر طرہ یہ کہ اگر اس قیام و ممات، اِس زد و قبول، اِس فنا و بقا اور اِس شکست و فلاح کے اختیار کرنے کی کوئی شرط قرآن کریم پیش کرتا ہے تو وہ بھی مغربی طبعیّوں کی علمی تحقیقات کی تائید میں "عمل صالح" ہی ہے، جو اِس آیۂ کریمہ سے پیشتر کی آیت میں بوضاحت تمام بیان کردی گئی ہے

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ۝ (۲۸ : ۶۷)

پھر جو مخلوق اُسکے قانون کیطرف لوٹ آئی (تاب)، اور جسے ایمان کی اٹل جو تیں اپنے اندر قائم رکھیں (آمن) اور جسے عمل صالح کیئے تو قریب ہے، کہ وہی اِس سیارے کے عمل میں کامیاب ہوگی (توبہ اور ایمان کی تفصیل کے لئے اسی بحث دیکھ ہے مگر یہاں پر ایک عام سی ترجمہ کردیا گیا ہے)

ہم نے فہم و ادراک کی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے پیش کیا کہ شاید وہ اُسے قبول کریں مگر اُنہوں نے بزبانِ حال اس عظیم ذمہ داری کے حامل ہونے سے انکار کیا، اور اسکی اہمیت کو پاکر خوفزدہ ہو گئے۔ بالآخر انسان نے اسکو اُٹھانا قبول کیا مگر وہ درحقیقت بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی جاہل تھا جو یوں ناحق اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا!

عالم الغیب کے حضور میں شاید تمدن کی اسی رست وخیز، اور عمرانِ حاضرہ کی اسی نفسانفسی کی قیامت نما

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۳) ایک اور موقع پر نسل انسانی کو اسی معنوں میں خدا کا محتاج گردانا گیا ہے، ساکنانِ زمین کو قانونِ فطرت اور حکمِ خدا کی کامل متابعت کی ترغیب دی گئی ہے، اور ان سب کو یکسر ہلاک کر کے کسی خلق جدید کے متمکن فی الارض کرنے کی دھمکی اس حیرت انگیز جسارت، صحت اور وثوق سے دی ہے کہ اعمالِ خدا کا علم رکھنے والا انسان بے اختیار لرز جاتا ہے لیکن یہ آیات کبھی اپنے اصلی رنگ میں لامحالہ اُسوقت نظر آئیں گی جب کتاب کے متن (غالباً چھٹی مجلد) میں تمام سورہ کا مربوط ترجمہ کر دیا جائے گا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝ (۳۵: ۱۵-۱۷)

اے ساکنانِ زمین! تم سب کسی حال اور رنگ ڈھنگ میں ہو، ہر نوع اُس خدائے عظیم کے محتاج ہو، اُس کے لطف و کرم کے محتاج ہو، ہدایت اور رہنمائی کے محتاج ہو، قانون پر چلنے کے محتاج ہو۔ اور اُسکی یہ شان ہے کہ وہ تم سب سے مستغنی و بے نیاز ہے اور باوجود اِس بے نیازی کے سزاوارِ حمد ہے وہ اسقدر بے پروا خدا ہے کہ اگر تمہارے اعمال کو دیکھ کر مناسب سمجھے تو تم سب کو تختۂ زمین سے یکسر اُچک لے، اور کسی نئی مخلوق کو تمہاری جگہ لا بسائے، اور جانے رہو کہ یہ خدا کے لیئے کچھ بھی دشوار نہیں (وہ تم سے پہلے بارہا اسی طرح کر چکا ہے، اور پھر کرنے میں اُسکو کوئی تکلیف نہیں ہوتی)

ایک عجیب و غریب مشاہدہ جو یہاں پر "صلاحیت" کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیئے نہایت غور طلب ہے، اور جو "الحیات الوسطیٰ" کے ان عظیم الشان اژدہوں کے متعلق کیا گیا ہے یہ ہے کہ وہ آجکل کے بڑے سے بڑے تمساحوں اور سوسماروں کے بالمقابل نہایت چھوٹے چھوٹے دماغ رکھتے تھے بعض حالات میں، باقی جسم کے تناسب کو پیش نظر رکھکر ان کا سر (جمجمہ) بھی بے اندازہ مختصر تھا، بعض میں گوشت اور اعصاب کی زیادتی کے باعث بظاہر سر کافی بڑا دکھائی دیتا تھا، مگر مجوّفِ دماغ ناقابلِ یقین طور پر تنگ تھا؛ حتیٰ کہ موجودہ مگرمچھ کا دماغ تناسبِ بدن کے لحاظ سے دس گنا بڑا ہے۔ اِن مشاہدات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ دور از کار نہیں کہ کشمکش حیات کی اس شکست فاش میں جو ان حیوانوں کو نصیب ہوئی دماغی قُویٰ کو بھی بہت بڑا دخل تھا۔ کمزور دماغی طاقتوں والے حیوان مقابلۃً حلد مٹ گئے، جن کی قوتِ مدرکہ بڑھتی گئی محفوظ رہے۔ آجکل انسان کی نظروں میں بیوقوفی اور کُند ذہنی کا مجسمہ گدھا ہے مگر اُس کا انسان کے لیئے مفید ہونا خود اسکی نسل کی حفاظت کر رہا ہے۔ اگر وہ بھی مزاحمتِ حیات کے میدان میں اور حیوانوں کے بالمقابل جم کر کھڑا ہو جاتا اور انسان کے سایۂ عاطفت میں پناہ نہ لیتا تو شاید کبھی کا صفحۂ زمین سے نابود ہو گیا ہوتا!

"الجدیدۃ القصویٰ" کے ادنیٰ طبقات زیادہ تر اُن دیرینہ حیوانات کے آثار سے پُر ہیں جو "القدیمۃ الاولیٰ" کے زمانے سے رفتہ رفتہ ارتقا کر کے بہتر بن گئے ہیں۔ حلزون اور اسفنج، حیتان (مچھلیاں)، ہزار پائے، مرجان، کم نما مچھلیاں، قبہ دار حلزون، حشرات الارض، شقائق بحری، خارپشت بحری، وغیرہ وغیرہ نہایت کثرت سے ہیں حرباء (چھپکلیاں)، حرباء (گرگٹ)، ثعبان (اژدہے)، تنین، استقاری، اژدہا، تمساح (مگرمچھ)، خفاش (چمگادڑ) وغیرہ وغیرہ نسبتاً بہت کم ہیں لیکن پرندے غیر مشکوک طور پر نمایاں ہو گئے ہیں ان کے منقار ونما دندان

تصویر درپیش تھی جو انسان کو قبولِ امانت کے وقت ظلوم وجہول ٹھیرایا تھا، مگر تصویر کے اِس تاریک پہلو سے ایک لمحے کے لیئے قطع نظر کرکے جو اہم سوال آج اِس زمانے میں پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ مسئلہ ارتقا کے رو سے وہ **کونسی صلاحیت** ہے، اور قرآن کریم کی لازوال صداقت کے تتبع میں وہ **کیسا ایمان** اور **کیا اعمال صالحہ** ہیں جسنے آج اقوامِ یورپ کو مادی ترقی کے انتہائی منازل پر پونہچاکر "اعلون" بننے، اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۴) گویا ہوائی تمساحوں سے ارتقا ظاہر ہے۔ رضاعی حیوانات کی بعض ناکمل نشانیاں پچھلے حصے کے بعض اعلےٰ طبق میں موجود ہیں مگر ٹھیٹھ رضاعی حیوان اِن طبقوں میں بھی بہت کم ملتا ہے۔

"الحدیدۃ القصویٰ" کے اعلیٰ طبق میں بھی قریب قریب یہی حال ہے، مگر اکثر احساس کا بہتر اور صالح تر ہوجانا میں ارتقا ظاہر ہے۔ لیکن **الجدیدۃ الادنیٰ** کے طبقات وہ سبق آموز اور عبرت انگیز طبقات ہیں جن کی مخلوق کے مطالعے سے سطح زمین کی موجودہ مخلوق کا تدریجی ارتقا ظاہر محسوس ہوجاتا ہے اِن حصص زمین میں حیوانات کے آثار باقیہ نہایت فصاحت اور حفاظت کے ساتھ ملتے ہیں۔ ادنیٰ حیوانات کی ایک بےشمار تعداد ارتقا کی ہوئی ملتی ہے حزاز کی قسم کے حیوانات اکثر نابود ہوگئے ہیں مگر **رضاعی اجناس** کی ایک بہت بڑی تعداد آبی گاؤ، اود بلاؤ اور ویل مچھلی (حوت) کی صورت میں پیدا ہورہی ہے، مچھلیاں آجکل کی ساحلی مچھلیوں سے ترکیب اعضا میں زیادہ مشابہ ہورہی ہیں، مگرمچھ اور سسمار کہیں کہیں نظر آتے ہیں، عقرب، عنکبوت، ہزار پائے وغیرہ وغیرہ ایک حد تک قائم ہیں، حشرات الارض کی سب قسمیں کثرت سے ہیں، پتنگے اور تیتریاں پہلی دفعہ جلوہ گر ہیں، پیٹ کے بل چلنے والے جانوروں کی یادگار مینڈکوں میں رہ گئی ہے، پرندوں نے اپنی چونچوں کے اندر دانت رکھنا قطعًا چھوڑدیا ہے لیکن اُن کی جنس کا داخلی ارتقا حیرت انگیز طریقے پر ہوا ہے۔ اِسی کے زیر اثر سے اُڑنے کی بجائے دوڑنے والے پرندے (یعنی مرغ میدان) جلوہ گر ہیں، نعامہ (شترمرغ) اور اسی جنس کی اور انواع جو آج صرف عرب اور افریقہ تک محدود ہوگئی ہیں نصف کرۂ شمالی، یورپ اور شمالی امریکہ میں بھی پائی جاتی ہیں گویا خط استوا کی طرف کوچ بعد میں شروع ہوا۔ نیوزیلینڈ میں آج صرف ایک قسم نعامہ کی رہ گئی ہے مگر ابھی دو سو برس نہیں گذرے کہ شترمرغ سے بہت بڑے بڑے پرندے جن کی اونچائی چار چار گز تک پونہچتی تھی، اُن اقطاع میں آباد تھے جنکو بالآخر اُس سرزمین کے اصلی باشندوں نے نابود کردیا۔ جزیرۂ مڈغاسکر میں کچھ اوپر سات صدیاں گذریں کہ ایک عظیم الشان مرغ رہا کرتا تھا جسکے قد آدم کے برابر انڈے ابھی تک الف لیلہ کے افسانوں میں بطور یادگار کے رہ گئے ہیں مگر اسکا نشان آج صرف ہڈیوں میں ملتا ہے۔

"الجدیدۃ الادنیٰ" یا "الجدیدۃ الحاضرۃ" کے اعلیٰ طبق کی مخلوق اور موجودہ مخلوق میں بہت کم فرق نظر آتا ہے۔ عجیب عجیب رضاعی حیوانات کی ایک تعداد کثیر سے یہ سب طبقے پُر ہیں۔ اُن کی نو مختلف نوعیں شناخت کی گئی ہیں جن میں ویل مچھلی کی قسم کے مرضعات، آبی گاؤ، سُم دار مویشی، کُترنے والے موش، گوشت خور گربہ، کرم خور خارپشت، چمگادڑ، بغیر دانت کے رضاعی حیوان، اور بوزنہ وش انواع شامل ہیں اُن میں سے ہر ایک نوع اِس زمانے میں بھی پائی جاتی ہے رضاعی اقسام میں عجیب عجیب حیوانات مثلاً میس (گینڈے) ہیں، جن کی بعض قسمیں نہایت خوفناک تھیں جو نابود ہوگئیں۔ ہاتھی کی بعض حیرت انگیز قد آور انواع اسی زمانے میں ظاہر ہوئیں۔ ایک بالوں والا بال دار ہاتھی (میمتھ) جو انسان کا ہمعصر تھا اور موجودہ دو اقسام سے کم از کم دوگنا بڑا تھا، شمالی سائبیریا اور انگلستان میں نہایت کثرت سے ملتا ہے۔ اُسکے دانت سائبیریا میں اِس کثرت سے ملتے ہیں کہ روسی تجارت کی محبوب شئے بن گئے ہیں۔ موجودہ فیل کی بقیہ دو اقسام کا بھی انسان کی دستبرد سے مدت تک محفوظ رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ہاتھی دانت کی تجارت کو موجودہ مقدار میں برقرار رکھنے کے لئے دنیا میں ہر سال ایک لاکھ ہاتھیوں کا

مُستخلف فی الارض، کا مقام حاصل کرنیکا قطعی مستحق قرار دیا ہے، اور مسلمانوں میں وہ کیا ضعفِ ایمان اور کیا غیر صالح اعمال آگئے ہیں جنہوں نے اُنکی ہزار سالہ عظمت کو محو کر کے اُنکو تنزل کا مترادف و رجہانبانی کا نااہل کر دیا ہے؟

پیشتر اسکے کہ یہ عظیم الشان سوال، اس کتاب کے طول و عرض میں[*] ایک مُدلل اور ناقابلِ انکار طریقے پر طے کر دیا جائے، اس امر کا فیصلہ ضروری ہے کہ مفسرین نے جن سہل اور محدود معنوں میں آیۂ استخلاف کو لیا ہے بکس حد تک اُس کی مشروط اور مطلق لغت کے تابع، اور سیاق کلام کے مطابق ہے؛ اولاً اس آیت کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۵) شکار ہوتا ہے اور چونکہ ہتھنی پچیس سال میں صرف ایک بچہ جنتی ہے، اور موجودہ جیوانوں میں سب سے زیادہ بطی النسل ہے، اسلئے چند اور صدیوں کے اندر اس نوع کا تباہ ہو جانا بھی یقینی ہے لیکن "الحدیثۃ الحاضرہ" کے اعلیٰ طبق میں خدا کی جس حیرت انگیز عالم آرا، اور احسن الخلق مخلوق کا ظہور ہوا وہ حضرت انسان ہے۔ ادنیٰ طبقوں میں کچھ مشکوک سی ہڈیاں ملتی ہیں جنکو صناعی جیوانات اور ابتدائی انسان کی درمیانی کڑی کہا جاسکتا ہے مگر قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکا۔ ایک مدت مدید تک حکمائے مغرب اس "درمیانی کڑی" کی تلاش میں سرگردان رہے، اور اب تک ہیں۔ اعلیٰ طبق میں ابتدائی انسان کے ڈھانچے صاف طور پر ادنیٰ جیوانوں سے ارتقا کئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُنکے جسم نسبتاً قوی ہیں مگر دماغ کے حجم سے موجودہ انسان کے مقابل بہت چھوٹے ہیں۔ قدیم غاروں میں اُنکی ہڈیاں نہایت صفائی سے دبی ہوئی نظر آتی ہیں اُنکے ساتھ ساتھ اکثر اوقات پتھر اور لوہے کے بنے ہوئے بھدے اوزار اور برتن بھی دبے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آفرینش کے ابتدائی ایام میں انسان اپنے آپ کو زور آور جیوانوں سے بچانے، اور سردی اور گرمی سے محفوظ رکھنے میں مصروف رہا، اس عرصے مدت مدید تک وہ کوئی معاشری ترقی نہ کرسکا پہاڑوں کی غاریں اور وادیوں کے اوٹ اُسکے مستقل نشیمن تھے حفظِ نفس اُسکا منتہائے وحید تھا۔ بالآخر جب انفرادی وقاع مفید مطلب نہ آیا تو عقل سلیم نے اجتماعی اور معاشری حیات اختیار کرنے پر مجبور کیا، اور آج اُنکی یہ حالت ہے کہ علم و عمل کے بام بلند پر چڑھکر فطرت کی عالم آرا قوتوں کو قابو میں لانے کی سعی کر رہا ہے!

ارتقائے حیات کی مندرجۂ صدر تشریح میں جو بات نہایت قابلِ لحاظ ہے یہ ہے کہ سلسلہ تکوین متعدد و مستقل منازل طے کر کے انسان تک پہنچا۔ "القدیمۃ الاحری" کے پہلے حصے میں زندگی صرف غیر ذیفقری اور مفصلی مخلوق تک محدود رہی۔ دوسرے اور تیسرے حصے میں ان بے استخواں اور مصمت حشرات سے ریڑھ کی ہڈی والے (ذیفقری) بے دست و پا جانور پیدا ہوئے جن کی نشاء اول مچھلی سے ہوئی، چوتھے اور پانچویں حصوں میں مچھلیوں کا اعضائی ارتقا اوجِ کمال کو پہنچا، چھٹے حصے میں پرواز مچھلی کے ساتھ ساتھ پیٹ کے بل چلنے والے دابّہ کا ظہور ہوا۔ "الحیات الوسطیٰ" میں بے دست و پا مچھلی اور دابّہ سے تیرنے والے اور پرندوں کا ارتقا ہوا۔ پھر "الجدیدۃ القصویٰ" کے زمانے میں دو پاؤں والے پرندوں اور حشرات الارض کے ارتقا سے چار ٹانگوں والے ذات الثدی حیوان پیدا ہوئے جو اس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ ان انواع شریعہ کا مقدمۃ الجیش "الحیات الوسطیٰ" کے ادنیٰ طبق میں ہی نمودار ہو گیا تھا مگر رفتہ رفتہ ارتقا احسن الخلق انسان پر آکر مکمل ہوا۔ طبیعی حکما کا اندازہ ہے کہ یہ تمام نوعی اور جسمی تبدیلیاں لاکھوں بلکہ کروڑوں برس میں جاکر واقع ہوئیں اور بتدریج تمام ہوئیں۔ ادنیٰ مخلوق ہی بلند تر طبقوں میں اُسی ایک سلسلہ توالد و تناسل کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً اعلیٰ مخلوق میں منتقل ہوتی رہی کسی نئی نوع یا جنس کا ناگہاں اور بلاواسطہ ظہور مافوق الطبیعی یا خارق عادت اصول پر نہیں ہوا جیسا کہ عوام کا خیال ہے۔ قرآن حکیم نے سورۂ نور میں حیوانات زمیں کی اس وحدتِ اصل و نسل کو، اور جوارح حیوانی کے اس تدریجی اور سلسلہ وار انقلاب کو اُن غیر مشکوک، پر معنی، اور نتیجہ خیز مُبَیِّنَات میں ادا کیا ہے جن کے حقیقت کشا انکشاف کو صحیفہ فطرت میں بچشم خود دیکھکر خدا کی طاقت کا ہر شخص کے دل میں منقش ہو جانا، نہیں بلکہ تخلیق عالم اور سرِ حیات کی اصلیت کے متعلق صراطِ مستقیم کا پتہ لگ جانا یقینی ہے!

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

[*] اس سوال کے متعلق قطعی فیصلہ انشاءاللہ آٹھویں مجلد سے پہلے نہ ہو سکے گا [illegible] سلسلہ [illegible] کا اظہار کرتا ہو کہ یہاں صرف ایک سلسلہ [illegible] [illegible]

خطاب بلاقید وقت عام مسلمانوں کیطرف ہے، مگر معاہدہ لامحالہ اُنکے ایک گروہ ہی سے باندھا گیا ہے اگرچہ وعدے کی توسیع ایمان اور اعمال صالحہ کی موجودگی میں ہر مسلمان تک ہوسکتی ہے۔ اِس بنا پر مسلمانانِ عالم میں سے صرف اُسی گروہ کا استخلاف شرط ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ رکھتا ہو؛ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۲۴: ۵۵)۔ ثانیاً استخلاف فی الارض کا میثاق، جزیرۃ العرب پر تسلط یا سیادتِ حرمین کے معنوں میں کسی فردِ واحد، یا اُسکی نسل، یا زیادہ سے زیادہ عرب قوم کے ساتھ ہوسکتا تھا، سب مسلمانانِ عالم سے ضروری نہ تھا۔ ثالثاً كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ نے معاملہ بالکل صاف کردیا کیونکہ اسلام سے پہلے حرمین پر

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۳۰۶) يَمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۴: ۴۵-۴۶)

اور لوگو! اس خلاقِ عالم کی طاقت کی یہ شان ہے کہ اس نے روئے زمین کے تمام حیوانوں کو ایک ہی نطفے اور ایک ہی سلسلۂ توالد و تناسل کے ذریعے سے (مِنْ مَّاۗءٍ) پیدا کیا، اور آج اس وحدتِ تناسل کا نتیجہ یہ حیرت انگیز ہے (دیکھو) کہ ان حیوانوں میں سے بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو صرف دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں (اور یہ محیرالعقول تباین اور اختلاف اسی ترتیب و تسلسل سے اُس ایک نطفے کی وحدت تولید میں ظاہر ہوا ہے)، لوگو، خدا جو چاہتا ہے جس ذریعے سے مناسب سمجھتا ہے پیدا کردیتا ہے، مگو بس ہوش میں رکھو کہ وہ ہر بات کے کرنے پر قادر ہے اے ساکنانِ زمین، ہم نے تم کم علم اور کوتاہ نظر انسانوں پر حقیقت کشا اور حقائق نما آیات اوجِ آسمان سے اُتاری ہیں تاکہ تمہیں تکوینِ حیات کا راز معلوم ہوجائے، اور یاد رکھو کہ خدائے علیم اُسی کو علم کے صراطِ مستقیم پر لے جاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے۔

کیا آج سطحِ زمین کے طول و عرض میں مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابوں کے اندر تکوینِ حیات کی اس سے بہتر، صحیح تر اور مکمل تر داستان کہیں موجود ہے؟

طبقاتِ زمین کی تعمیر کے یہ پانچوں زمانے جن کا ذکر اوپر ہوا اور جنمیں زمین و آسمان کی پیدایش فی الحقیقت تکمیل کو پہنچی، اور ظہورِ انسان سے لیکر آجتک کا زمانہ حال جسمیں بنی نوعِ انسان کا ارتقا مکمل ہو رہا ہے، مالکِ کون و مکان کی حکیمانہ لغت میں وہ "سِتَّةِ اَيَّامٍ" (آیۂ ۲۳: ۴، صفحہ ۱۴) ہیں جنمیں اُسنے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ یوم کی تشریح کافی طور پر صفحہ۔۔۔ میں کیجا چکی ہے، اور لفظِ ستہ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم زمین و آسمان کی تدریجی اور ارتقائی تعمیر کا بھی مؤید ہے یعنی عہدِ عتیق کا دعوے کہ دنیا صرف چھ ہزار برس سے قائم ہے اور قرآن محض غلط ہے، اگرچہ ستہ ایام کا ذکر اُس الہامی کتاب میں بھی موجود ہے۔ حکمائے مغرب نے زمین کی مدتِ تعمیر کو چھ یا سات ادوار میں اس بنا پر تقسیم کیا ہے کہ اُنکی مخلوق کے مابین ایک صریح تباین اور قطعی مابہ الامتیاز پیدا ہے جسکے باعث طبقے اور زمانے ایک دوسرے سے طبعاً اور خلقاً الگ نظر آتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی حد افتراق اس دنیا کائنات کے پیش نظر ستۃ ایام کے الفاظ میں مضمر ہو مگر یہ بحث کسی آیندہ موقع پر بتفصیل کیجائے گی۔

قصیر الجسم ہاتھی جسکا ذکر اصل کتاب (صفحہ ۲۶) میں ہوا، وسطِ افریقہ کا باشندہ تھا جو کشمکشِ حیات کے باعث در بدر پھر کر چند صدیاں گذریں نابود ہو گیا۔ اُسکی ہڈیاں آج جزیرۂ مالٹا میں ملتی ہیں۔ ایک نوع کی اونچائی گھٹتے گھٹتے ڈیڑھ گز اور دوسری کی صرف ایک گز رہ گئی تھی۔ یہی دنیا کا ہنود نے احمر جو آجکل بڑے زور سے ناقابلِ یقین سرعت سے ناپید ہو رہا ہے، سولہویں صدی کے ختلالِ امریکہ کے بعد یورپی اقوام کی جارحانہ دستبرد اور ستم ایجادیوں کا شکار ہوا۔ قسرِ بنیادی مستعمرین نے اس بیچ کی میں سے زیادہ ترسناک حصہ لیا۔ ایک طرف پر مہلک متعدی بیماریوں کے جراثیم سے آلودہ کمبل، رواداری اور غریب پروری کے بہانے سے انہیں تقسیم کردیئے جس سے اردگرد کی آبادی سال بھر میں آدھی رہ گئی۔ لیکن تمدن کے تبادلہ بقا میں آج وہ اور دوسری غیر صالح قومیں جس تیزی سے محو ہو رہی ہیں اس داستان سے کہیں زیادہ دردناک ہے۔

ﷺ اگرچہ بیس تراجم "منکم" کا حذف تسلیم ہے اور تمام آیت سے کوئی مستقل نتیجہ اخذ نہیں ہوتا ﷺ مطالعہ کے لئے دیکھو صفحہ۔ لیکن "منکم" کے الفاظ بہانے کامل ہیں۔

یا عرب میں استخلاف اِن خاص معنوں میں نہ تھا، اور نہ عرب کے متخاصم قبائل ایمان اور اعمالِ صالحہ کا دعوےٰ کر سکتے تھے۔

درحقیقت اِس آیۂ کریمہ میں، شارعِ فطرت نے مسلمانانِ عالم کے سامنے وہ عظیم الشان دستور العمل پیش کر دیا ہے جو ہر کیفیت میں، اور ہر موقع پر اُن کی انفرادی اور اجتماعی، اعتقادی اور عملی، روحانی اور مادی زندگی میں کامل طور پر کارآمد ہو سکے۔ اِسی نصاب عمل میں افراد کے اخلاق کی صلاحیت، اعمال کی درستی، اعتقادات کی سلامتی، ہمّت کے قیام، قوّت کے توازن، دینی بہبودی، اور دنیاوی مرفہ الحالی کا سامان موجود ہے، اور اِسی ضابطے کے اندر اقوام کے سیاسی غلبے، اقتصادی ترقی، اجتماعی اقتدار، علمی ارتقا، اور تسلّط فی الارض کے جراثیم مخفی ہیں "استخلاف فی الارض" جسکا وعدہ خدائے پاک نے بلا قیدِ وقت مسلمانوں سے کیا محض ایک کمزور اور مرنجان مرنج ملکی تسلط ہی کا دوسرا نام نہیں جو مسلمانوں کو کچھ دیر ہوئی سرزمین عرب پر حاصل تھا، اور اب بھی زمین کے دو ایک ٹکڑوں پر حاصل ہے، بلکہ وہ تمام روئے زمین یا اُسکے بڑے سے بڑے حصّے پر کامل سیاسی اقتدار، اور مکمل اجتماعی اور اقتصادی غلبے کا نام ہے؛ وہ قومی آزادی، عملی بیداری، علمی اور ادبی اِحیا، جمعی عصبیّت، اور اخلاقی عُلو مرتبت کا وہ انتہائی معراج ہے جو صحیح معنوں میں مسلمانانِ عالم کو کئی سو سال تک قرونِ اولیٰ و متوسطہ میں حاصل رہا، اور معانی کی خاص حدود کے اندر یورپ کی بعض اقوام کو اِس وقت حاصل ہے؛ وہ مغرب کی سیاسی اصطلاح میں امن کے زمانے میں اپنی بہتری کی خاطر ہر ملّی اور بین الملی وسیلے کا اختیار، اور ایامِ جنگ میں اپنے بچاؤ کے لیئے ہر جائز اور مناسب حربے کا استعمال ہے؛ حرمین شریفین کی حفاظت، جزیرۃ العرب کی کامل سیاسی آزادی، اور رسمی خلافت کا قیام و استحکام اُسکے کُل کا صِرف ایک جزوِ لاینفک ہے؛ وہ آیۂ استخلاف کے الفاظ میں شارعِ فطرت کی اپنی بنائی ہوئی شریعت، اپنے پسند کیئے ہوئے نظامِ عمل، اور اپنے اختیار

✝ اِن ہتم بالشان دعاوی کا ثبوت آگے چل کر اِس کتاب میں حاصل ہوجائے گا۔

کیے ہوئے مسلک و مذہب کا زمین پر حقیقی تمکن، اور معنوی تسلط ہے: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (۲۴: ۵۵)؁ وہ مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی عروج، قومی اور انفرادی تفوق اور علمی اور ذہنی تقدم کی وہ خوشگوار منزل ہے جہاں ایمان اور عمل صالح کی قوت افزا وساطت سے ہر شکست کا فتح میں، ہر فنا کا بقا میں، اور ہر خوف کا امن میں تبدیل ہوجانا یقینی ہے۔

جس طرح ہر متنفس میں بقائے نسل اور تحفظ ارث کی خواہش ایک طبعی امر ہے اسی طرح پر ابتدائے آفرینش سے آجتک، ہر زندہ قوم کا منتہائے نظر قیام سلطنت اور حفظ نسل رہا ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو لفظ استخلاف سے تعبیر کیا ہے، اور ظاہر کر دیا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی اقوام عالم میں یہ فطری جذبہ موجود تھا۔ شارع دین نے بعینہ اسی قطع کے تخلف کا وعدہ، سابقہ اقوام کی مانند مسلمانوں سے بھی کیا، اور اسی قرینے سے اُس نے جابجا "وراثت زمین" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (۷: ۱۲۸)†

موسیٰ نے اسپر اپنی قوم سے کہا کہ تم ان مشکلات کی حالت میں اللہ سے مدد مانگو اور مستقل مزاج بے رہو زمین تو سب اللہ ہی کی ہے، وہی اپنے بندوں میں سے جسکو مناسب سمجھتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور بالآخر جیت تو انہی کی ہے جو مقام خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔

؁ اور وہ خدائے عظیم اس دین کو جو اس نے مسلمانوں کے لیے پسند فرمایا ہے متمکن کرکے رہے گا، اور اس حالت خوف کو بھی جو آج دشمن سے لاحق ہے، اس سے بدل دے گا۔

† گویا اس آیۂ کریمہ کے رو سے وارث زمین وہی قوم ہستی ہے جس کے افراد میں صبر اور استقلال بدرجۂ اتم موجود ہو۔ اس بنا پر آیۂ استخلاف کو پیش نظر رکھکر عملوا الصّٰلحٰت کی ایک شق صبر ہے۔ استعانت باللہ سے مراد، درگاہ خدا میں حاضری کرنیکے علاوہ احکام خدا سے استعانت بھی ہے لیکن جو ضلٰو کے معانی بھی آج مسخ ہوچکے ہیں "یشاء" کے محولۂ بالا معانی کا ثبوت دیر میں آئے گا۔ "عاقبۃ" کے معنی یہاں پر قیامت کی آخرت کے نہیں اور نہ اس سے معانی مربوط ہوسکتے ہیں بلکہ اس کا صحیح مفہوم کسی قوم کی سعی و عمل کا اس دنیا میں نتیجہ بخیر یا بہتر ہونا ہے۔ انہی معنوں میں "عاقبۃ" کا لفظ آیہ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۴۰: ۸۲) میں، یا "افلم" کی بجائے "اولم" کے ساتھ (۱۲: ۱۰۹)، (۲۲: ۴۶)، (۳۵: ۴۴)، (۳۰: ۹) میں استعمال ہوا ہے جسکے معنے یہ ہیں: "تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں کہ اُن لوگوں کا کیا بُرا انجام ہوا جو ان سے پہلے ہوگذرے ہیں"۔ "متقین" کی تشریح میں ابھی دیر ہے، لیکن ترجمے میں مطالب کی تصریح کر دی ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ
بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ[†] (۷ : ۱۳۷)

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے انہی لوگوں کو کیا جو کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدا کا وعدۂ نیک تو بنی اسرائیل کے حق میں ٹھیک پورا ہوا کیونکہ انہوں نے عزم و استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی۔

اسی ضمن میں ایک اور جگہ بعینہ آیۂ استخلاف کا مضمون ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝
اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝[‡] (۲۱ : ۱۰۵-۱۰۶)

[†] اس آیۂ کریمہ میں صبر کا انجام اور بھی واضح طور پر وراثت زمین ہے۔ گویا صبر کے معنی استقلال اور استقامت سے سب مشکلات کا مقابلہ کرتے رہنا ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا، اور اپنی بربادی کا تماشہ دیکھنا نہیں۔ یہ آیۂ عظمیٰ مسئلۂ ارتقا کی تشریح کے ضمن یعنی صفحہ ۱۹ کے تحت المتن میں آچکی ہے۔ مزید تشریح کے لیے وہاں دیکھنا چاہیے۔

[‡] ان آیات الٰہی میں وارثین زمین کی مکمل تشریح 'عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ' کے الفاظ میں کر دی گئی ہے۔ 'صلاح' کی تعریف از روئے قرآن مجید جامع و مانع ہے علیٰ ہذا القیاس لفظ 'عبادت' کی۔ مگر یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ مسئلۂ ارتقا کے تقاضائے 'صلح' کا مفہوم اس آیۂ کریمہ (۲۱ : ۱۰۵) کے دعوے کے کسقدر عین مطابق ہے۔ 'عبادت' کا لفظ 'عبد' سے مشتق ہے جسکے معنی غلام کے ہیں اور وہی قوم درحقیقت عابد ہے جو خدا کی عملاً غلام ہے جو اسکے قانون اور احکام پر عمل کر رہی ہے ورنہ کوئی رسمی نماز گذار اور باقی احکام سے غافل قوم عابد کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی کیونکہ ملازمت کی شرط اول آقا کے احکام کی تعمیل ہے۔ لیکن 'عبادت' کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آگے چل کر جا بجا آئے گی۔

'صلاح' کی ایک اہم شق ہم نے 'صبر' بتلائی۔ لیکن اگر 'صلح' کے معانی کی ایک جھلک کتاب کے اس ابتدائی حصے میں دیکھنی ہو تو اس آیۂ کریمہ پر غور کرنا ضروری ہے جس میں شارع کائنات نے نوزائیدہ بچے کو 'صالح' کہا ہے :

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ
فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (۷ : ۱۸۹-۱۹۰)

پھر حسب وعدے کے نطفے سے بیوی کا حمل ٹھہر گیا اور وہ رفتہ رفتہ بوجھل ہو گئی تو مرد اور عورت دونوں دلسوز دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار اگر تو ہم کو یہ صحیح الاعضا (صالح) متناسب البدن (صالح) جیتا جاگتا (صالح) خوبصورت (صالح) بچہ دیگا تو ہم بڑے شکرگذار ہونگے پھر جب ان دونوں کو وہ خدائے عظیم صحیح اور سالم، توانا اور تندرست (صالح) بچہ عطا فرماتا ہے تو اس منعم حقیقی کے ساتھ اُسی انعام دی ہوئی چیز کو شریک کرنے لگتے ہیں، اس بچے کی محبت میں اسقدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ خدا کے برابر اسکو کر دیتے ہیں، اُسی کو اپنا بُت بنا لیتے ہیں تو لوگو! خدائے عظیم اُس شے سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے جو یہ لوگ اُس سے شریک کرتے ہیں۔ (پچھلے حصے کا ثبوت بعد میں آئے گا)

ان آیات سے واضح ہو کہ بچے کا صالح ہونا اسکا فی الحقیقت بے نقص اور تندرست، صحیح الاعضا اور سالم الجسم ہونا ہی ہے یہی وہ ماں باپ کے حمل ٹھیرنے کے بعد لگا رہتا ہے۔ ورنہ ماں کے پیٹ سے بچے کا نیک پیدا ہونا بے معنی ہے اور یہ یہاں جو ان کا شریک ہونے کا ذکر ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے صالح قوم وہی ہے جسکا ہر عضو درست ہو، متناسب ہو، بڑھتا گھٹتا ہو، اُسکے ہر حصے میں یکساں بیداری ہو، حیات کا جوہر لطیف اُسکی ہر رگ و پے میں دوڑ رہا ہو وغیرہ وغیرہ۔ جبتک مسلمانان عالم ان معنوں میں صالح رہے وراثت زمین انکے پاس رہی جب صلاح کے معنی محدود ہو گئے تو اس آیت (۲۱ : ۱۰۵) کی یاد تازہ دلانی بھی بے اثر ہو گئی مگر کلام خدا کے صحیح مفہوم میں رد و بدل قطعاً محال ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶ : ۱۱۶) اسکی شہادت ہے۔

اور ہم زبور میں تمام احکام کی تشریح و ذکر کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ بلاشبہ اس میں اطاعت گذار قوم کے لئے ایک بڑا پیغام ہے۔

اور سورۂ زمر کے تفسیر میں :-

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۞† (۳۹ ۷۴)

اور وہ لوگ کہیں گے کہ شکر ہے اُس خدا کا جس نے اپنا یہ وعدہ بھی سچ کر دکھایا، اور اِس سے پیشتر زمین کا وارث بھی ہمیں کو بنایا۔ اب ہم جنت میں جہاں بھی چاہیں رہیں گے ؛ تو دیکھو کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے!

اب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ آیۂ استخلاف میں فاطرِ ارض و سما نے خاص مسلمانانِ عالم کے ساتھ ایک ایسے کامل سیاسی غلبے کا حتمی وعدہ کیا ہے جو محض سرزمین عرب پر قبضے کے متعلق، یا اس کمزور اور برائے نام خلافت کے قیام پر ہی مشتمل نہیں جسکو یورپ کی خون آشام طاقتیں آج ایک لمحے کے لئے چین نہیں لینے دیتیں، بلکہ اُس کا نصب العین دنیا کے عظیم تر حصے پر حقیقی اور قرار واقعی سیاسی اور اجتماعی حکومت ہے۔ اِس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بغیر نہ تو خدائے پاک کا دین کسی معنوں میں اکنافِ عالم میں متمکن ہو سکتا ہے، اور نہ وہ خوف جو آج ہر سمت سے مسلمانانِ عالم پر طاری ہے کسی طرح امن سے بدل سکتا ہے۔

---

† یہاں پر لوگوں نے 'الارض' کے معنے ارض جنت لے لیئے ہیں۔ مگر اس دل خوش کن تاویل کی کوئی سند نہیں۔ اَوْرَثَنَا کا ماضی کا صیغہ اور نَتَبَوَّاُ کا حال کا صیغہ اِس کا شاہد ہے کہ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ کا واقعہ پیشتر کا واقعہ ہے اور جب الْجَنَّة کا ذکر آگے صاف ہو تو خدا کے کلام میں ایک آیت کے اندر یہ بے نتیجہ تکرار پیدا کرنا محض لغو ہے۔

دوسری بات جو غور طلب ہے یہ ہے کہ اِس آیۂ کریمہ میں بھی 'فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ' کہہ کر سعی و عمل پر کس قدر زور دیا گیا ہے گویا عمل وہ چیز ہے جس کا نتیجہ وراثت زمین ہے اور وراثت زمین کا نتیجہ ہی الجنّۃ آخرت میں ہے ۔۔

ایک اور اہم بات جو قابل لحاظ ہے یہ ہے کہ ان سب آیات (یعنی (۷ ۱۲۸)، (۷ ، ۱۳۷)، (۲۱ : ۱۰۵) اور (۳۹ : ۷۴) میں بھی 'الارض' کا لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا ہے کسی خاص حصۂ زمین کی تخصیص اِن میں نہیں جیسا کہ بعض شارحین نے آیۂ استخلاف میں فرض کر لیا ہے

یہ آیت اُسوقت نازل ہوئی تھی جب دینِ الٰہی کے سچے علمبرداروں، اور بے ریا عمالوں کی ایک چھوٹی سی جماعت، کفارِ مکہ کے سلوک سے تنگ آکر مدینے میں پناہ گزین ہوگئی تھی۔ دشمن کے پے در پے حملوں کے باعث خوف و ہراس ہر طرف طاری تھا؛ مجبوری اور بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ ایک لمحے کے لیئے بھی ہتیار بدن سے جدا نہیں ہوسکتے تھے، مَردوں اور یتیموں کی نیم شبی آہیں، اور عورتوں اور بوڑھوں کی صبحگاہی دعائیں آسمانوں کو ٹکرا رہی تھیں۔ مایوسی اور اضطراب کی اِن گھڑیوں میں، خدائے پاک کی غیرت نے جوش زن ہوکر مسلمانوں کو بشارت دی کہ اگر تمہارے ایمان میں یہ استواری، اور اعمال میں یہ صلاحیت ہے تو یقین جانو کہ دُنیا کی کوئی طاقت تم کو مقہور و مغلوب نہیں کرسکتی؛ تم خدائے واحد کے پرستاروں کی ایک عاجز اور حقیر جماعت ہو، مگر یاد رکھو کہ قادرِ مطلق کی جناب میں تمہارے کاموں کی حقیقی وقعت، اور تمہارے ایمان کی سچّی قدر ہے؛ تمہارے سینوں میں صداقت کے موجزن دریا، اور حقانیت کے اُمڈتے ہوئے طوفان ہیں؛ تمہارے دلوں میں خدا کی محبت کا سچا ولولہ، اور رسول کی اطاعت کا سچّا ولولہ ہے؛ تم بے خان و ماں ہو، مگر تمہاری نظروں میں آخرت کی لازوال متاع، اور عقبیٰ کی راحت افزا منزل ہے؛ تم بے سر و سامان ہو، مگر تمہاری اَنتھک کوششیں اور اتحادِ عمل ہی خدا کی دائمی نصرت کا سامان ہیں؛ تم قلیل التعداد ہو، مگر جہاں جاتے ہو استقلال کے فرشتے تمہارے ہمرکاب، اور حوصلوں کے غیبی لشکر تمہاری تائید پر ہوجاتے ہیں: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا۠† (۳۳ ۹)؛ تم ایک ہو، مگر قوتِ ایمان اور صلاحِ عمل کی کثرت سے

ا اے ایمان والو خدا کے اس احسان کو یاد کرو جو اسنے تم پر کیا تھا جب کہ تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے تھے۔ تب ہم نے اُن پر آندھی بھیجی اور اسکے علاوہ ایسے لشکر بھی جو تم کو دکھائی نہ دیتے تھے۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ اللہ تمہارے مردانہ وار اعمال کو غور و دیکھ رہا تھا اور تمہاری تائید و نصرت پر ہمہ وجوہ تلا ہوا تھا۔

† ۵ ہجری میں غزوۂ خندق کے موقع پر اس جلیل القدر آیت کا نزول ہوا۔ آیت کے آخری حصّے "وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا" سے صاف یہ ظاہر ہے کہ صدر اسلام کے مومنوں کا سعی و عمل ہی نصرت خدا کا باعث ہوا تھا نیز یہ کہ شارع کائنات ﷺ کی توجہ سعی و عمل کی طرف کس قدر ہے اور اسکا انعام کیا ہے۔

دنش بنجاتے تم ہو، تمہارا عزم صمیم اور سچا ایثار ہی تمہارے لیئے پیغام بقا ہے۔ دشمن کے ہجوم نے ایک لمحے کے لیئے تم کو مرعوب اور بے بس کر دیا ہے، مگر میرا تم سے وعدہ ہے کہ اگر تم میں یہی خوبیاں رہیں تو تم مصر خانہ کعبہ کے قطعی محافظ، اور سرزمین عرب کے حقیقی وارث بنو گے بلکہ کسریٰ کی دیرینہ عظمت کے اصلی حقدار، اسکندر کی عالم آرا سلطنت کے مسلّم جانشین، بکرماجیت کی بھارت کے سچے سپوت، اور قیصر کے دنیاوی جاہ و ابہت کے بہترین خلف ٹھیرو گے!

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ[*] اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ[‡] خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝ (۱۴: ۱۳-۱۴)

اور منکرین خدا نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال باہر کریں گے یا ہار کر تم پھر ہمارے مذہب میں آملو گے۔ اس پر خدا نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم بدستور اپنی سعی میں لگے رہو ہم یقیناً ان ظالموں کو ہلاک کر دینگے اور ان کے پیچھے تم ہی کو اس سرزمین میں بسائیں گے۔ یہ صلہ اس قوم کا ہے جو میرے مقام و منصب سے ڈر کر میرے احکام کی اطاعت کرتی رہی، اور جسے میرے عذاب سے بچنے کی کوشش کی۔

اِس بحث و تمحیص کے بعد یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ آیہ استخلاف مسلمانوں کے ساتھ وراثت زمین کے متعلق ایک مشروط وعدہ ہے، اجتباری اور بلا قید شرط نہیں۔ جب تک مسلمانانِ عالم ایمان اور اعمال صالحہ کے صحیح مفہوم پر کم و بیش قائم رہے زمین کے ایک عظیم ترحصے کی وراثت اُن کے قبضے میں رہی، دین اسلام کا تمکن مستقل ہوتا گیا، اور یکے بعد دیگرے ہر مخالف طاقت کا خوف امن سے بدل گیا۔

[*] اس موقع پر اَرْضِنَا سے مراد منکرین خدا کا وطن ہے اور اس لحاظ سے (۱۴: ۱۴) میں الارض کے معنے بلاشبہ اسی مخصوص سرزمین کے ہیں۔ مگر آیہ استخلاف یا اور متذکرہ صدر آیات میں جہاں الارض کا لفظ واقع ہے تخصیص اس لیئے نہیں ہو سکتی کہ ان میں کسی خاص وطن کا ذکر نہیں۔

[‡] یہاں صاف ظاہر ہے کہ مَنْ کسی فرد واحد کے لیئے نہیں آیا بلکہ تمام قوم کے لیئے استعمال ہوا ہے۔ اجتماعی حرف موصول کی اس قطع کی مثالیں قرآن حکیم میں آگے چل کر جا بجا ملیں گی۔ ایک مثال مسئلہ ارتقاء کے تحت ملحق صفحہ ۱۳، آیہ (۷: ۳۵) میں گذر چکی ہے فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

قرآن کی اعجاز نما تعلیم نے ایک اقل قلیل مدت میں عرب کے رہزنوں اور مردم کُش وحشیوں کو روحانیت اور ایمان کے حلقۂ اثر میں لاکر، اُنکی کایا پلٹ دی۔ ریگستان کے ان بے مُہار حُدی خوانوں کو، جن کی زندگیاں سالہا سال سے ریت کے چٹیل اور خشک میدانوں میں تشنۂ ال اور آوارۂ مرادگشتی تھیں، خدا کی حبل متین میں جکڑ کر کامرانِ صلاح اور شبک گامِ عمل کر دیا۔ بد اعمالی اور فسق کے یہی آزادہ رَو بندے جن کے ہر فرد کو قتل و غارت پر ناز، اور ہر شخص کو بدکاری کا ادعا تھا، چشم زدن میں طاعت کی لذت اور عشقِ خدا کی خلش سے آشنا ہوکر، عبودیت کے رہ نورد بن گئے اخلاق کی درستی کے ساتھ ساتھ دنیاوی اعمال میں صلاحیت آگئی۔ وہی طاقتِ عمل جو داحس اور بسوس کی خانہ جنگیوں میں قومی تخریب کا باعث ہوا کرتی تھی، قرآن کی حسن تجویز سے اعلائے حق میں صرف ہوئی؛ وہی جوشِ اعتقادی جو لات و منات و ہبل و عزیٰ کی جاہلانہ پرستش سے قبائل عرب کو نصیب تھی، خدائے واحد کی سرفرشانہ عبادت سے بدل گئی۔ بالآخر ایمان کے انہی بے محابا فدائیوں، اور عمل صالح کے انہی نامصلحت اندیش والہوں نے باطل کو دنیا سے یک قلم محو کرکے، اُسکے ہر گوشے میں صداقت کی گونج اور فدویت کی ہیبت پیدا کر دی! کلامِ الٰہی نے منتشر قوتوں کو جمع، کمزور جذبات کو مضبوط، اور نفسانیت کو مغلوب کر دیا۔ وحشیانہ عادات کو مناسب سطح پر لاکر، اقتصاد اور میانہ روی کی ہدایت کی حسیاتِ ملیہ کو متحرک اور وسیع الاثر کرکے عالمگیر اسلامی اخوت کا سبق دیا؛ نیتوں کی راستی اور ارادوں کی درستی کو اعمال کے عواقب پر مقدم کرکے ہیجانِ عمل پیدا کر دیا۔ جائز مراسم اور مفید روایات کو مفید تر پیرائے میں بدلکر پھر رائج کیا۔ الغرض ارادات اور اعتقادات کی

؎ زمانۂ جاہلیت کی دو مشہور خانہ جنگیاں حرب بسوس اور حرب داحس کے نام سے موسوم ہیں۔ اول الذکر لڑائی بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان ۴۹۴ء میں شروع ہوئی اور چالیس برس تک جاری رہی۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ ایک شخص کا اونٹ کھیت میں چلا گیا کھیت والے نے اونٹ کو مار ڈالا، غصے میں آکر اُس کے تھن کاٹ ڈالے، اس پر فریقین میں لڑائی چھڑ گئی۔ پھر رفتہ رفتہ عرب کے سب قبائل اس لڑائی میں شریک ہوگئے، اور ستر ہزار آدمی اس خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھے۔ حرب داحس گھوڑدوڑ میں کسی شخص کے گھوڑا بدکانے پر ۵۶۸ء میں شروع ہوئی اور تریسٹھ برس تک جاری رہی؛ اس لڑائی کا خاتمہ اُس وقت ہوا جب بعض قبیلے حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے مگر قبیلوں کے قبیلے اُس وقت تک کٹ مرے تھے!

کامل صلاحیت کو **ایمان** سے، اور عبادات اور معاملات کی کامل درستی کو **اعمالِ صالحہ** سے تعبیر کر کے شریعت اور سیاست کی بُنیاد ایک پتھر پر رکھدی اور چند برسوں کے اندر اندر عرب کے اِن سب کار اور فاقہ مست گداؤں کو شناسائی خدا کے ساتھ ساتھ بادشاہتِ زمین کی ہر رمز سے آگاہ کر کے عالم ستانی کے لائق اور جہانبانی کا اہل بنا دیا!

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا (۱۷: ۹)

بیشک یہ قرآن اپنے عاملوں کو اُسطرف لیجاتا ہے جو سب سے زیادہ راست اور قیام آفریں ہے اور اُن صاحب ایمان لوگوں کو جو صالح العمل ہیں بشارت دیتا ہے کہ اُنکے لیئے بڑا اجر ہو۔

پس اگر آج تیرہ سو سال کے بعد اسلام کا لہلہاتا ہوا چمن مایوسی اور شکست کی ماتم سرا بن گیا ہے، اگر آج اُسکی ہر روش بربادی کے سپرد، اور اُسکا ہر گوشہ خرابی کا امین بن چکا ہے، اگر اُسکی بد طالعی اور خانہ ویرانی کے افسانے دشمن کے شکر خند اور قہقہے بن رہے ہیں، اگر اسکی بے آبروئی اور فاقہ مستی کا ماجرا شرمندۂ بیان اور رُو کشِ تشہیر نہیں رہا، اگر آج اُسکی ذلت اور مسکنت کی چوٹ جگروں کو فگار اور سینوں کو پاش پاش نہیں کرتی، اگر بے حسی کے موت آفریں زہر نے آج اُسکے ہر فرد کو بے پروائے سعی اور بیگانۂ عمل کر دیا ہے، اگر افلاس کی غیرت اور بے سرمستی کی آن آج اسکو منت کش چارہ گر ہونے نہیں دیتی، اگر اس کی نعش جاں سپار پر آج ایک سچا ماتمی اور نوحہ گر موجود نہیں، نہیں نہیں، اگر اسکے عزاداروں کی آسماں رس فغاں اسکے بخت خوابیدہ کو جگا نہیں سکتی، اگر اسکے یتیموں کے دلفگار آنسو، اور بھک منگوں کی جاں گداز آہیں فرش زمین میں شگاف اور سقفِ آسمان میں سوراخ نہیں کرتیں، اگر اسکے پسماندوں کی محشر انگیز سینہ کوبیاں اللہ میاں کے عرش کو متزلزل نہیں کرتیں، اگر خدائے پاک کی غیرت اور شان عفو، زمیں پاش سجدوں اور فلک شگاف دعاؤں کے باوجود، جوش زن اور متحرک نہیں ہوتی، اگر آج محبوبِ خدا اور حبیب ملت نبیؐ کی **شفاعت** بھی اُمت کے حق میں کارگر ہوتی نظر نہیں آتی، نہیں العیاذ باللہ نہیں! اگر خود اُمت اپنی مجرمانہ غفلت اور ظالمانہ طریقِ عمل،

عداوتِ رسولؐ اور عصیانِ خدا کے باعث رحم کی قطعی غیر مستحق، اور شفاعت کی یقیناً نا اہل ہوگئی ہے۔ اور آسمانی اور زمینی بلائیں آج ہر طرف سے اُسکے اُجڑے ہوئے جھونپڑوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ویران کر رہی ہیں تو اسکی وجہ یہی ہے کہ مسلمان قرآن کے مقاصد سے قطعاً نا آشنا ہوگئے ہیں اور **ایمان** اور **اعمالِ صالحہ** کے اصلی مفہوم سے کوسوں دور جا پڑے ہیں!

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ (۲۵ : ۳۰-۳۲)

اسوقت رسولِ پاک اللہ کی جناب میں بصد حسرت عرض کرینگے کہ آہ! اے میرے پروردگار، میری اُمت نے تیرے اس بھیجے ہوئے قرآن کو لغو سمجھکر چھوڑ دیا! اور بعینہ اسطرح ہم نے ہر نبی کی مخالفت میں احکامِ خدا سے مجرمانہ تغافل کرنے والوں کی ایک جماعت بنا رکھی ہے، مگر اس مایوس کن حالت میں بھی تمہیں راہ سجھانے اور مدد کرنے کو تمہارا پروردگار بس ہے۔ اور آج منکرین ضد احواعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے رسول پر کیوں نہیں نازل کیا گیا اور جستہ جستہ کیوں اُترا، فی الحقیقت مناسب یہی تھا کیونکہ ہم انکو مطمئن کرنے کی بجائے سب سے پہلے اسکی صداقت اور عظمت کو تمہارے دلنشین کرنا اور تمہارے قلبِ سلیم کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ اور اسی غایت کو پیش نظر رکھکر ہم نے اسکو ٹھہر ٹھہر کر اُتارا کہ اسکی ایک ایک آیت کی اہمیت کو تمہارے دل پر کالنقش فی الحجر کر دیں۔

٭ "قوم" کا لفظ قرآن کریم میں مختلف جگہ پر خاص اُس اُمت کے لیئے آیا ہے جس کی ہدایت کے لئے کوئی رسول بھیجا گیا ہو مثلاً آیات (۶ : ۶۶)، (۱۱ : ۳۶)، (۴۳ : ۴۴)، (۴۳ : ۵۷) میں، اور بالخصوص آیہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۱۴ : ۴) میں "اور ہم نے کوئی رسول اپنے ہاں سے نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ ہمارا پیغام اُسی زبان میں لے جاتا ہے جو اسکی قوم کی ہے تاکہ ہمارے منشا کو غیر مشکوک طور پر واضح کر دے" جس سے ظاہر ہے کہ متذکرہ صدر آیت (۲۵ : ۳۰) میں قرآن کو لغو سمجھکر متروک کر دینے کا اشارہ بالخصوص قوم عرب کی طرف ہے۔ اور چونکہ کتاب خدا کے عربی زبان میں ہونے کے باعث، اِس کے مقاصد اور مطالب اہل عرب کو عجم کے بالمقابل، مدرجہا واضح تر ہونے چاہیئے تھے، اسلیئے آج هذا مطالب کی اکثر ذمہ داری اہل عرب کی گردن پر ہے، ۔ باقی دنیائے عجم پر۔ آیندہ اوراق میں چلکر بتایا جائیگا کہ اسلاف صالحین سے قطع نظر جن کے سلیم الذہن طبقے قرآن کے عظیم الشان مطالب سے کما حقہٗ واقف تھے، اور جن کے علم و عمل نے ہی فی الحقیقت اسلام کو تمدن کے فلک الافلاک تک پہنچا دیا تھا، اخلافِ عرب نے کتاب خدا کو تفسیر و ہذیان بنانے میں کسقدر مستقل حصہ لیا، اسکے مطالب میں کیا کیا آمیزشیں کرکے اسکو دنیا کو اس سے بیزار کر دیا۔ آج اس زمانے میں بھی مسلمانانِ عالم کے اکثر مذہبی اور معاشرتی، تمدنی اور اجتماعی معاملات میں اہل عرب کا روایتی اقتدار اس انتہائی حد تک نمایاں ہے کہ اسلام کی موجودہ حالت کی اکثر ذمہ داری بھی اہلِ عرب پر ہی عاید ہوتی ہے۔ اسلام کی داستانِ زوال کے ہر مرحلے میں یہ امر اسقدر روشن ہے کہ تاریخ کے ہر وسیع النظر طالب العلم کا اس تلخ حقیقت سے انکار کرنا قریباً محال ہوگیا ہے۔

آج قرآن کی سچی عظمت دلوں سے محو ہو گئی ہے! اُسکے عالم افروز مطالب اور محیّر العقول معانی کو دلنشین کر دینے والے دس متنفس زندہ نہیں رہے؛ اُسکے حیرت انگیز ربط اور مکمل لائحہ عمل کو عیاں کرنے والا ایک فرد باقی نہیں رہا! اُسکی بُرہان ساطع اور حکمت لامعہ، رسمی ادب اور سطحی تعظیم کے گرد آلود جُزدانوں اور ریشمین غلافوں کے اندر سربلند طاقوں میں چھپی ہے؛ اسکی حجّت قاطعہ، زبان کی عام نافہمی، تراجم کی حسرت آفرین کمی، اور مطالب کی نفرت انگیز تشریحوں کے باعث ہجر و ہذیان بنکر دردناک کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے۔ طہارت کے سقیم عذروں، رموز اوقاف اور اسالیب قرأت کے فوق الضرورۃ خوف آلود فتواؤں نے اِس عظیم الشان کتاب کو اور بھی متروک و مہجور کر دیا ہے۔ اِسکے کھُلے کھُلے احکام کے مطالب، اور سیدھی سادی آیتوں کے معانی بھی لغت، صرف و نحو، علم الانشا، علم المعانی، علم البیان، علم البدیع، علم رسم الخط وغیرہ وغیرہ کے اُن لامتناہی نکات اور مصنوعی رعایات کی شرح و بسط کے نیچے دب گئے ہیں جو عرب زباں دانوں نے محض اپنی زبان کو جِلا دینے کی خاطر ترتیب دیئے تھے قرآن کا صحیح مطالعہ عرب تو در کنار، دنیائے عجم کے نزدیک بھی آج زیادہ تر انہی غیر متعلق علوم و فنون کا شبانہ روز درس و التزام ہے جو اہل عرب نے خود قرآن ہی کو معیار فصاحت و بلاغت مان کر اُسی کے تتبع میں قرنوں[†] بعد اختراع کیئے تھے۔ مسلمانوں کا درد انگیز قحطِ عقل، اور اُن کی مضحکہ خیز کم فہمی آج عرب کی کورانہ تقلید میں مغز کو چھوڑ کر پوست کی محبت میں گرفتار ہے، اور قرآن کی نہایت ادنیٰ، وہمی، اور سطحی فضیلت کو اہل غرض کی

[†] علم نحو کی ابتدا خلیل ابن احمد (المتوفی ۱۷۰ھ ۷۸۶ء) سے ہوئی، اگرچہ ابو الاسود الدوئلی (المتوفی ۶۹ھ ۶۸۸ء) سے تاریخ صحیح پر چند ابتدائی نقاط لکھیں۔ سیبویہ (المتوفی ۱۸۰ھ ۷۹۶ء)، اور کسائی (المتوفی ۱۸۹ھ ۸۰۵ء) نے بعد ازاں اس فن کو مستقل کیا۔ علم صرف عام طور پر کسائی سے منسوب ہے مگر اسکا اصلی موجد ابو عثمان بکر بن محمد مازنی بصری (المتوفی ۲۴۹ھ ۸۶۳ء) ہے۔ علم لغت کی ابتدا ابو عبیدہ (المتوفی ۲۱۰ھ ۸۲۵ء) نے کی۔ علم انشا کا ظہور ابو جعفر منصور عباسی (المتوفی ۱۳۶ھ ۷۵۴ء) کے عہد میں ہوا۔ علم المعانی والبیان پر پہلی کتاب علامہ عبد القادر جرجانی (المتوفی ۴۷۱ھ ۱۰۷۸ء) نے خلیفۃ المقتدی باللہ کے عہد میں لکھی۔ علم بدیع کا موجد ابن المعتز (المتوفی ۲۹۶ھ ۹۰۸ء) ہے جو خلیفۃ المعتز کا بیٹا اور المعتمد باللہ کا بھائی تھا۔ درس و تدریس قرآن کے متعلق باقی فنون کی ابتدا بھی نزول قرآن کے قرنوں بعد ہوئی۔ کتاب الٰہی کا مطالعہ صدر اسلام میں اِن تمام تکلفات سے بے نیاز ہو کر ہوتا رہا۔ لیکن کیا اِن فنون کی عدم موجودگی میں آج کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے عہد کے مسلمان قرآن کے مطالب سے بعد کے مسلمانوں کے بالمقابل کم آشنا تھے، یا اُس کی سوتی تعلیم اور معنوی خوبیوں سے کم واقف تھے؟

اپنی بنائی ہوئی دلیل، اور اپنی پیدا کی ہوئی سند سے ثابت کرنے کی لاطائل سعی کر رہی ہے!

تو سرما دیدۂ بر شعلہ می تازی زخاکستر

بہ بیں حسن خاکستر چو در روشنگراں بینی

آہ! اِس المناک تکلف اور مجرمانہ ظاہر پرستی کا خمیازہ مسلمانوں کو آج اُٹھانا پڑا ہے جبکہ صدیوں کے اِس بے سود اجتہاد، اور تضیع وقت نے اُنہیں اپنی محبوب کتاب کے مہتم بالشان مقاصد سے اسقدر علٰحدہ اور دائمی بہبودی کے حیرت انگیز دستور العمل سے اِسقدر دور کر دیا ہے۔ کاش! جس تصنع اور ظاہر نوازی سے خلیل ابن احمد، ابو الاسود الدؤلی، سیبویہ، کسائی، قطرب اصمعی وغیرہم نے قرآن کو ادب و بلاغت کی صحیح محک مان کر اُسے کئی ایک مستقل علوم ادبیہ کا ماخذ و مصدر قرار دیا تھا اگر رازی، ابن رشد، فارابی، ابن حزم، اشعری وغیرہم علیہم الرحمۃ بھی کتاب الٰہی کے درسوں کو قانونِ فطرت کا صحیح ضابطہ، اور مشیت ایزدی کی صحیح تصویر مان کر اُسی طریقے پر مستقل اور نا قابلِ ردّ علوم الکلام اور علوم الطبیعۃ کی بنیاد ڈالتے، اور قرآن کا تمام ضابطہ عمل عیاں کر دیتے، تو آج اسلام اِس اندوہناک مصیبت میں مبتلا نہ ہوتا۔ برخلاف اسکے علم کلام میں مسلمانوں کی تمام تر سعی نہایت نازک اور خارج از بحث، مابعد الطبیعی اور غیر مفید موضوعوں کے غلط استنباط اور غلط اجتہاد میں صرف ہوئی۔ معارفِ الٰہی، اوصافِ نبوّت، ماہیّتِ وحی، حقیقتِ روح، بحث امامت، جبر و قدر، احوالِ قیامت، عذاب قبر، خلقِ قرآن، وغیرہ وغیرہ، ایسے مسئلے تھے جن سے کسی غائر نظر کے بعد بھی کوئی یقینی فائدہ یا قطعی نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا تھا۔ یونان کے ضعیف اور الفاظ، غیر مستند اور خیال آرا فلسفے نے اِن مباحث کو چھیڑ کر مسلمانوں کے اعتقادات میں دردناک تصادم پیدا کر دیا۔ اہلِ سُنّت اور شیعہ، خوارج، معتزلہ، قرامطہ وغیرہا کے علاوہ جبریہ، قدریہ، مُشبّہ، مرجیہ، باطنی، ناصبی، غالیہ، وغیرہ وغیرہ بیسیوں فرقے اسلام میں پیدا ہو گئے! اجماع امت شک میں تبدیل ہو گیا، قرآن کے مطالب کی تنظیم و تنسیق قطعاً ترک کی گئی، استدلال کا تمام تر رجحان معتقدات اور ظنیات کی طرف ہو گیا، معاملات اور یقینیات کیطرف توجہ نہ رہی

اِن نامراد قضیّوں میں پڑکر مسلمان قرآن کی حقیقت سے اور بھی دور ہو گئے۔ جمہور علمائے دین کی عقادات میں بالغ نظری اور معاملات کی طرف کم نگہی آج ایک بہت بڑی حد تک اِسی مفسدانہ اور شرانگیز فلسفیانہ اجتہاد کا بقیہ ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ۝[*] فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۝ فَذَرْهُمْ فِىْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ۝ (۲۳: ۵۲-۵۴)

او مسلمانو! یاد رکھنا کہ یہ تمہاری اُمّت اپنے اصل اساس کے اعتبار سے ایک ہی گروہ ہے جو میری سرگروگی اور سرداری میں قائم ہے، اور وہ اصل مقام خدا کا خوف ہی پس مجھ ہی سے ڈرتے رہو اور مشترک خوف کے باعث ایک اُمت سے رہے ہو۔ آہ! لیکن خدا کا خوف اُن سے زائل ہوگیا، اور لوگوں نے آپس میں پھوٹ پیدا کر کے اپنا اپنا مسلک جُدا کر لیا۔ اب ہر فرقہ اپنی اپنی بات پر خوش ہے۔ پس ان سب کو غفلت میں پڑا رہنے دو۔ یہاں تک کہ امر الٰہی اُن کے اس گناہ عظیم کی پاداش میں سب کا فیصلہ کر دے!

علم کی صداقت آزما فضا، اور عمل کے فیصلہ کن میدان میں آج اِس **یونانی فلسفے** کی دھجیاں اُڑ چکی ہیں۔ سطحی خوب صورتی، لفظی نزاع، غلط مقدمات، ظنّی استدلال، عقیم نتائج، وغیرہ وغیرہ، کوئی ایسی مد نہیں جسکے رو سے اسکی اصلیت، حسب نسب، اور نامۂ اعمال کی قلعی نہ کھل گئی ہو۔ خود مسیحی یورپ بھی آج اپنے کمال قوت اور عدیم المثال تمکّن کے غرور میں کبھی کبھی اِس پرانی، یا تونی، اور بے وفا معشوقہ کی داستان دل لگی اور افسوس کے طور پر لے بیٹھتا ہے جسکی دلفریب باتوں کی بلائے محبت میں وہ مسلمانوں کی شہ پر دو سو برس تک گرفتارِ وصال اور منتظرِ نتائج رہا۔ مگر مسلمان ہیں کہ ایک ہزار سال سے زیادہ اِس راندۂ عالم اور مضعفِ یقین، اِس تہیدست اور قلاش محض عجوزہ کے تبسم نمالبوں اور عشوہ سنج نگاہوں کے

[*] حاکمِ وقت کا خوف بشرطیکہ سچا خوف ہو رعیت کے افراد کے مابین سچا اتحاد پیدا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی جماعت کسی ایک شخص کے ماتحت رہ کر متحد نہیں ہوئی تو اسکو لامحالہ اُس حاکم کا کچھ خوف نہیں خوف کے ہوتے ہوئے تفرقہ ناممکن ہے اور یہ بات ہر منظم محکمے اور ادارت میں روزمرہ نظر آتی ہے پس تقوے اور اتقا کی ایک اہم قرآنی شق اتحاد اور وحدت اُمّت ہے اور وہی قوم دراصل متقی ہے جو خوف خدا کے باعث متحد بنکر رہے، اِس عالم آرا اصول کی تائید آگے جا کر جا بجا ملے گی یہاں پر اِس سے بحث نہیں۔

گھائل ہیں اور اپنی دینی اور دنیاوی کشائش کی راہ ابتک اس ناپاک فلسفے کے قدموں تلے دیکھ رہے ہیں! کیا خدائے پاک کا تنبیہی اور تادیبی اشارہ جو آیۂ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ[لہ] (۵۶ ۷۹) میں ہے، اور جسکی سطحی تعمیل اور دور از کار تاویل[+] میں مسلمان اِس جوش و خروش سے استعاذوں استغفاروں، اور پے درپے طہارتوں سے کے بغیر قرآن کا

لہ اِس قرآنِ عظیم کو پاک بندوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا۔

+ اِس معنی خیز اور حقیقت نما آیت کا غلط استعمال جسقدر مسلمانانِ عالم نے پے درپے کئی قرنوں سے بالالتزام کیا ہے شاید ہی کسی دوسری ایک آیت الٰہی کا کیا ہو۔ کتابِ خدا کے قدیم نسخوں میں جسقدر اس کا سرورق بزیب عنوان ہونا کہیں تحقیق نہیں، اسیقدر اسلام کے زمانہ انحطاط سے آجتک یہ آیت نہایت استقلال کے ساتھ قریب قریب ہر مجلد کا سرنامہ بنی رہی ہے قرآن کریم کا ہر عالم اور جاہل مولف بلا امتیاز اسکو سرورق پر کہیں نہ کہیں جگہ دیتا رہا ہے، اور اسکی شمولیت کو اپنی تالیف کا جزو لاینفک قرار دیکر اپنے زعم میں دنیا کو خدا کی ایک "سچی" مہتم کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے، اور طرفہ تر یہ کہ اُسکے غلط العام مفہوم کے متعلق اپنے دل میں ذرا سا شک بھی نہیں رکھتا۔ مگر یہ ہر قوم کے زوال کی ہی داستان دراصل اُسکی حسیات کے زوال کی داستان ہے، جب سعی و عمل کا اصلی ہیجان افراد کے قلوب سے رفتہ رفتہ فرو ہوجاتا ہے اور طبیعتیں آرام پسند بن جاتی ہیں تو انسان اپنے دل کی تسکین کے لیئے چند ایسی باتیں اعتقاد کے طور پر لے لیتا ہے جن کے کرنے میں کم سے کم تکلیف ہوتی ہے اور اُن کے کر لینے سے ایک ڈھارس سی بندھی رہتی ہے۔ جبتک مسلمانانِ عالم، کتاب خدا کو کسی جلیل القدر حاکم کا فرمان خسروی یقین کرکے اسکے ایک ایک حرف پر عمل کرنا ناگزیر سمجھتے رہے، اسکی اہمیت اور عالی نسبتی سے خوفزدہ رہ کر لرزتے رہے، اور اسکی تعمیل میں اپنے تن من کو تکلیف میں ڈالتے رہے، قرآن کی تعظیم کا صحیح مفہوم عمل اور صرف عمل ہی رہا۔ لیکن جب سعی و عمل سے گریز کرنا آرام دہ نظر آیا تو لوگوں نے قول خدا کی لفظی اور زبانی تعظیم کو اپنے اعتقاد کا جزو کبیر بنا کر اپنے نفس کو دھوکا دیا، اسی کو حاکم اعلیٰ کا صحیح منشا سمجھنے لگے، اسی کو حکم حاکم کی مرگ مفاجات فرض کر لیا اسی میں اپنا تمام تر اعتنا و انہماک صرف کر دیا پھر نفس فریب کار کی اِس خوشنما بہانہ سازی نے قرآن کی تعظیم زرنگین جزدانوں میں بند رکھنے، یا کبھی کبھی تبرک کے طور پر تلاوت کر لینے پر محدود کر دی، اور جب اس مکروہ کو نباہنا بھی طبیعت پر گراں گذرنے لگا تو اُسکو ہر وقت بالائے طاق رکھنے کا شیوہ اختیار کرکے گویا خدا کو بالائے طاق رکھدیا! آج یہی ابلیس کی بنائی ہوئی منتقیانہ دلیل ہر فرد متنفس کے دل میں موجزن ہے، اور باوجودیکہ انسانی تعلق اور تعبد کا اندازہ ہستہ یہ ہے کہ کسی مشاہرہ دہ حاکم کے مکتوب کو دیکھکر کئی کئی راتوں تک نیند حرام ہوجاتی ہے، اور دل تیاری اور تعمیل میں صرف ہوتے ہیں۔ اور فہم مطلب کے اضطراب میں اُس منشور خسروی کو اٹھا اٹھا کر پڑھا، اور پڑھ پڑھ کر رکھدیا جاتا ہے اور عمل کے سوا کسی دوسری تعظیم کا خیال تک نہیں گذرتا، تاہم مسلمانوں کے نزدیک آجکل تعظیم احکم الحاکمین اور تکریم جل و علےٰ کی بہترین تجویز یہی ہے کہ اُسکے مکتوب کو طاق نسیان پر رکھکر پھر اُس کی خبر نہ لی جائے، اور ہر دم باوضو نہ ہونے کا یا اور شیطانی عذر رکھکر اسکو ٹال دیا جائے۔ آہ! لیکن جسوقت کسی قوم کی نیتیں بگڑ جاتی ہیں، جب تکلیف کی بجائے آرام اُن کا شیوۂ عمل بن جاتا ہے تو کوئی منطقی دلیل، کوئی حس ستترک اُنکو بہتر بنانے کیلئے کارگر نہیں ہوتی، ورنہ خوف خدا کے اُس لشکر انگیز اور کشور کشا زمانے میں جب کہ قرآن کے یہی الفاظ سرور اُمت اور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب پر براہ راست آسمان سے وحی ہورہے تھے، آپ کی چاہیتی اور راز دار بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ کلامِ خدا کو چمڑوں، اور کھجور کی شاخوں اور ہڈیوں پر لکھکر اُسی طرح علی الحساب ایک صندوق میں ڈال دیا جاتا تھا اور وہ صندوق رسول خدا کی چارپائی کے سرہانے پڑا رہتا تھا!

لیکن اِس استدلال سے قطع نظر جن معانی میں آیۂ مُطَهَّرُونَ (۵۶ ۷۹) قرآن کریم کے اندر استعمال ہوئی ہے۔ اُن کا مسلمانوں کی اِس خود ساختہ تاویل سے حتماً کوئی تعلق نہیں۔ سورۂ واقعہ کے ربط کو ظاہر کرنے کا یہ موقع نہیں مگر چند پہلی اور پچھلی آیتوں کے سیاق سے ظاہر ہے کہ نہ

ورس تو درکنار، اُسکے اوراق پر اُنگلی بھی نہیں رکھنے دیتے۔ یہی معنی رکھتا تھا کہ تم اس پاکیزہ کتاب کے خدائی مقولات اور انمول جواہرات کو یونانی فلسفے کے ناپاک سنگِ امتحان پر رگڑ رگڑ کر، اپنی ہی ناقص عیاری اور نااہلی کا ثبوت دو، اور دنیا کو ابدالآباد تک محوِ حیرت اور شرمسار کر دینے والی صداقتوں کے مابین الدفتین خزانوں کو

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٥٠) اِس آیت میں کسی بات سے منع کیا گیا ہے اور نہ اِسکا مقصود ہے بلکہ معترضین کو کتابِ خدا کے مفید عام ہونے اسکے علم کے سب انسانی علم و ہنر سے بالاتر ہونے، اور اسکی تعلیم کے مصدر حق و اِلہامی ہونے کا دعوٰے حیرت انگیز الفاظ میں پیش کیا گیا ہے

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ۝ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۝ فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ۝ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ۝ (٥٦ ٧٥-٨٥)

تو اے راہ گم کردہ غفلت زدو! اور اے احکام خدا کو نکمے ٹالنے والے بہانہ سازو! (الفاظ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۝ (٥٦ ٥١) کا ترجمہ جو اس سے پیشتر آچکے ہیں، اور جہاں سے برابر مُکَذِّبِین قرآن اور ضَالِّين کی طرف خطاب ہو رہا ہے حتّٰی کہ (٥٦ ٩٢) میں بھی ابھی الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ کی طرف عود کیا گیا ہے،) میں تم کو آسمان کی اِس پہنائے بیکراں میں کروڑوں میل پر ستاروں کے مقاماتِ عالیہ کو گواہ ٹھیرا کر کہتا ہوں (فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ) اور گوش ہوش سے سُن لو کہ اگر تم کو علم ہوتا تو سمجھ لیتے کہ اِن آسمانی رصدگاہوں کی شہادت ایک بہت ہی بڑی اور قطعی شہادت ہے کہ یہ قرآنِ عظیم ایک بڑی ہی بلند پایہ (كَرِيمٌ)، بڑی ہی قابل قدر و عزت (كَرِيمٌ)، بے حد لائق عز و حرمت (كَرِيمٌ)، اور فراخ و عام و اہم (كَرِيمٌ) کتاب ہے۔ ہمارے نزدیک اِس کے احکام کی عزت، اِسکے مضامین کی قدر و منزلت، اُن کی اہمیت، ضرورت اور ماھیّت، فی الحقیقت اسقدر ہے کہ گویا کہ سیپیوں میں رکھے ہوئے (مَّكْنُونٍ) انمول موتیوں کی طرح بین الدفتین لپٹی پڑی ہے جسکو چھو بھی سکے ایسا نایاب او دے بہا ہو سکے کہ پاک صاف اور اہل آدمیوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا (لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ) کم ہمو! قدر ناشناس انسانوں کے دلوں میں اس کتابِ عزیز کے احکام کی یہ وقعت کیوں ہو، یہ تو ایرے غیرے مثال کا اُتارا ہوا کلام ہے جو مخلوق زمین و آسمان کا پالنے والا ہے اور سب کو اس و راحت دینا جسکا اولین مقصد ہے (رَبِّ الْعَالَمِينَ) تو کیا تم ایسے قابل قدر، ایسے نعمت بخش اور اسقدر نایاب کلام سے مداہنت اور مسامحت روا رکھو گے (أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ) کیا اِس بے بہا احکام کی تعمیل سے گریز کرنا، ان کو جھوٹ سمجھکر ان سے بے اعتنائی برتنا اپنا روزینہ اور ذریعہ معاش بنالو گے (وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ) تو خیر کچھ پرواہ نہیں شوق سے کرو لیکن اے اہل زدو! اِس فیصلہ پاسروی کو اُس دن کیوں نہ ہٹلاؤ جب کہ اجتماعی شکست و ریخت کے قیامت انگیز صدمے میں تم میں سے ایک ایک فرد کی جان بدن سے کھنچکر حلق میں آ اٹکے گی، اور تم اُسوقت ٹکر ٹکر پڑے دیکھتے ہوگے اور ہرگز کچھ نہ کر سکو گے! پھر اُسدن ہم تم سے بھی زیادہ تمہارے حلق سے قریب تر (أَقْرَبُ إِلَيْهِ) کھڑے تمہارا گلا گھونٹ رہے ہوں گے، اور تم کو خبر تک نہ ہوگی (وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ)۔

اِس مربوط ترجمے سے جس میں ہر آیت کے مطالب کو بعد کی آیت سے سلسلہ وار پیوست کر دیا گیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کے الفاظ احکام الٰہی کی قدر و منزلت کو ساکنانِ زمین کی نگاہ میں عیاں کر دینے کے لئے بطور استعارہ استعمال کئے گئے ہیں۔ کتاب اللہ کو آیہ (٥٦ ٧٧) میں کَرِیْم کا خطاب دیا ہے اور آیہ (٥٦ ٧٨) میں اسکے تکرّم کی تاکید مزید لفظ مَّكْنُونٍ سے کر دی ہے۔ گویا یہ کتاب وہ دُرِّ شہوار اور وہ گوہرِ نایاب ہے کہ موتیوں کی طرح سیپیوں میں لپٹی پڑی ہے۔ یہ کسی شے کو لپیٹے رکھنا ہی انسان کے نزدیک انتہائی تعزز کا معیار رہا ہے، اور بعینہٖ یہی تشبیہ رسول علیٰ نے حوران بہشتی کے متعلق آیہ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝ (٥٦ ٢٣) میں فرمائی ہے، گویا وہ حوریں سیپیوں میں رکھے ہوئے موتیوں کی مانند ہیں۔ حوروں کا فی الواقع لپٹی ہوئی ہونا نہ یہاں مراد ہے اور نہ قرآن کا عرشِ معلّٰی پر آیت زیرِ بحث (٥٦ ٧٨) میں، بلکہ مقصود احکام خدا یا انعام خدا کی قدر و قیمت

چھوڑ کر، کاسۂ گدائی ہاتھ میں لیئے ہوئے، یُونان کی مسخ شدہ حکمت کے دریوزہ گر بنو!

آفتاب اندرون خانہ وما | دربدر میسرویم ذرہ مثال
گنج در آستین ومیگردیم | گرد ہر کوئے بہر یک مثقال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۵۱) کا حتلا ماہے۔ اِسی قدر و قیمت کی مزید تائید لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (۵۶ ۷۹) کے الفاظ سے کردی ہے۔ یعنی وہ لپٹے ہوئے موتی اسقدر قیمتی اور آبدار ہیں کہ میلے ہاتھوں کا اُن کو چھونا بھی منع ہے۔ یہی تخصیص سورہ الرحمٰن میں حوروں کے متعلق کی ہے لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ (۵۵ ۵۶ و ۷۴) یعنی "کسی جن و انس نے ان کو اس سے پہلے چھوا تک نہ ہوگا"

اب رہا یہ سوال کہ کتاب خدا کی قدر و منزلت آیا اسی سطحی تعظیم میں ہے جو کم ہمت مسلمان آج کر رہے ہیں یا اُسکے مشمولہ احکام کی تعمیل کرنا ہی قرآن کریم کی صحیح قدرشناسی اور عزت ہے۔ اس کا جواب آیۂ مُّدْهِنُونَ (۵۶ ۸۱) اور آیۂ تُكَذِّبُونَ (۵۶ ۸۲) میں ہے ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم سے مداہنت، یہی ہے کہ مکر اور حیلہ بازی سے کام لیکر اسکے احکام کی آرام دہ تاویلیں کردیجائیں، ان کی تعمیل سے گریز کیا جائے اور سطحی آؤ بھگت کرکے العیاذ باللہ خدا کو دھوکا دیا جائے۔ یہی کفر کے صحیح معنی ہیں اور یہی تکذیب آیات الٰہی ہے جیساکہ دوسری مجلد میں واضح کردیا جائے گا۔ خدا کی سطروں میں مکذب، وہی شخص ہے جو اُسکے کہے پر عمل نہیں کرتا خواہ وہ اُسکے قول و کلام کا منہ سے رسمی اقرار کرے یا کرے۔ اِسی معنوں میں رسول خدا صلعم کے زمانے میں اکثر اہل عرب مکذب تھے۔ منہ سے مقر ہو جانا اور عملاً تکذیب کرنا اعتقاداً بلکہ فی الحقیقت ہزار اولو الامر کے نزدیک وہ عمل عبث ہے جس کی کچھ اُجرت نہیں۔

تعجب ہے کہ احکام الٰہی کو عملاً ماننے کی اس حیرت انگیز تحریص و ترغیب کے باوجود آیۂ مُطَهَّرُونَ کے معانی یہ لیے جاتے ہیں کہ خدا نے اس کتاب کو ہاتھ منہ دھوئے بغیر چھونے سے منع فرمایا ہے، اور صرف رسمی تعظیم مقصود ہے۔ ایک سلیم الذہن شخص کے نزدیک یہ تشریح نہایت لغو اور مضحکہ انگیز ہے یہ خدا کی شان سے قطعاً بعید ہے کہ ایسے فرمانِ خسروی کی ایسی ناقص اور بے معنی تعظیم کرنے کا حکم دے جو آج کسی معمولی سے معمولی حاکم کو بھی قطعاً گوارا نہیں، اور جسکا نتیجہ اسکی تبلیغ و اشاعت کو بجز محدود اور نامسلمان ملکوں میں قطعاً مسدود کردیا ہو مگر اس تمام استدلال سے قطع نظر، کیا آج غیور مسلمانوں اور بالخصوص سات کروڑ ہندستانی مسلموں کے لئے یہ ڈوب مرنے کا مقام نہیں کہ آیۂ مُطَهَّرُونَ کی اس تاویل کو بالاتفاق تسلیم کرتے ہوئے بھی اُن کی فاقہ مستی اور بے نوائی، اُنکی بے حسی اور لاابالیت اِس حد تک پہنچ چکی ہے کہ قرآن کریم کی اکثر اشاعت اور طباعت کا مدار نا پاک ہندؤوں کی وساطت سے ہو رہی ہے۔ اُن کا اِس کتاب کو چھونا تو درکنار، عین سرورق پر آیۂ مُطَهَّرُونَ کے ساتھ ساتھ اُسکے نام ناچے جاتے ہیں، اور کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کیا اندھیر ہو رہا ہے!

میرا مقصود اِس تمام بحث و تمحیص سے حتماً یہ نہیں کہ کلام الٰہی کی ظاہری تعظیم نہ کی جائے یا کم کردیجائے بلکہ یہ کہ صحیح قدرشناسی صرف اس کے احکام کی تعمیل میں ہے اور بس۔ جو شخص قولِ خدا پر عمل کرنے کی نیت سے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال رہا ہے وہی اُسکے قول کی تعظیم کر رہا ہے، وہی اُسکو مان رہا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اکثر اوقات یقین و عمل کے ساتھ ساتھ ایک ظاہری ادب بھی خود بخود پیدا ہو جاتا ہے مگر ایسا اختیاری لحاظ کسی وجہ سے قابل اعتراض نہیں جس بات پر اعتراض ہے یہ ہے کہ کتاب خدا کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں ریا و مکر کی تعظیم نہ ہو، جمود و فریب کی عزت نہ ہو، آرام دہ تکلف نہ ہو، تسکین دہ بہادث نہ ہو، دل سے انکار اور منہ سے اقرار نہ ہو، نفس کو دھوکہ نہ ہو، شیطان کی ساعدت نہ ہو، خدا سے گریز نہ ہو! اگر یہ ہے اور ساتھ ہی جنت کی لَو بھی لگی ہے تو مسلمان وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (۳ ۵۴) کے مضمون کو یاد رکھیں اور سمجھ لیں کہ اس جوش اعتقادی کا کیا انجام ہو سکتا ہے!

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ملہ اور پھر اُن لوگوں نے مکر کیا تو اُدھر خدا بھی چال چل رہا تھا اور اللہ مکاروں کے بالمقابل بہترین چال چلنے والا ہے۔

مغربی حکمت کے اِن شیدائیوں نے آہ ! اِس تیرہ سو برس کے اندر قرآن کی مقدس مجلدات کو درس کے ہر موقع پر آنکھوں سے لگاتے اور بار بار چومتے وقت ایک مرتبہ بھی اُسکے اُن دعاوی پر غور نہیں کیا جنکو وہ ہر نئے موضوع کے عنوان میں، ہر تحقیق بحث کے ضمن میں، اور ہر تازہ اکتشاف کے تفسیر میں پکار پکار کر کہ رہا ہے۔ آہ ! قرآن حقیقت کے اِن گمراہ متلاشیوں کو سوفسطائی فلسفے سے ہٹا کر حق و یقین کے راہ راست پر ہی لا رہا تھا جب اُس نے کہا تھا کہ اسکی آیات حکمت کے کامل اُستاد، اور غالب البرہان خدا کے اپنے ہاں سے اُتری ہیں ؛ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ (۳۹ ۱)؛ اُس بے مثال ہستی کا روئے سخن حکمت کے اِنہی نامراد ہرجائیوں کی طرف تھا جب اُس نے قرآن کو حکمت کی بے بدل اور جامع و مانع کتاب قرار دے کر اسکی قسم کھائی تھی۔ یٰس ۝ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝ (۳۶ ۱-۴)؛ وہ ربّ عزیز و حکیم، فی الحقیقت، انسان کو اسکی اپنی ایجاد کی ہوئی ہر حجّت اور حکمت سے عملاً بے نیاز کر رہا تھا، جب اُس نے اپنی بھیجی ہوئی بُرہان، اور اپنے بنائے ہوئے قانون کو "کتاب حکیم" کا جامع اور مانع لقب دیا تھا ؛ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ (۱۰ ۱)؛ شارع زمین و آسمان کی مراد حکمت کے اِنہی نادان اور کم علم فلسفیوں کو صراط مستقیم پر لانے کی تھی جب اُس نے جتلا دیا تھا کہ تمہارا اُمّی نبیؐ تو قرآن کے مہتم بالشان حقائق

۵۱ سورۂ زمر کے علاوہ جس کا حوالہ متن میں دیا گیا، یہی آیت دو اور جگہ زیب عنوان ہے جن کا حوالہ یہاں دیا جاتا ہے تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ (۴۵ ۲)، تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ (۴۶ ۲)، سورۂ مومنوں میں العزیز العلیم ہے تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ (۴۰ ۲) ترجمہ اِن کا یوں ہے یہ تحریری پیغام (الکتاب) بارگاہ جلّ و علیٰ کی طرف سے تمام عالم کے نام ہے جو بڑا غالب القوٰی (بڑا صاحب علم (۴۰ : ۲))، اور بڑا صاحب حکمت ہے۔

۵۲ قرآن حکیم اِس بات کا شاہد ہے کہ بیشک تم خدائے عظیم کے پیغامبروں میں سے ہو، اور اِسی صراط مستقیم پر چل رہے ہو جو مقصود حد لہ ہے۔

۵۳ یہی آیت سورۂ لقمان کے زیب عنوان بھی ہے تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ (۳۱ ۲) ترجمہ یوں ہے۔ یہ احکام آلٰہی (آیات) اُس قانون جلیل سے ماخوذ ہیں جو ایک محتمہ حکمت کتاب ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۵۲) 'مواقع النجوم' کی قسم کا صحیح مفہوم، اسکی عظمت کی تشریح، اور حلقوم تک پہنچنے والی موت کی صحیح کیفیت کا ذکر کسی موقع پر کر دیا جائے گا مجولۂ بالا ترجمے میں مطالب بہت کچھ عیاں کر دیئے ہیں، اور ظاہر ہے کہ مواقع النجوم کی شہادت لامحالہ اُس افق اعلیٰ کی شہادت ہے جو انسان کو کمال علم کے باعث حاصل ہو جاتی ہے اور جو عرش کے پیغمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حتماً حاصل ہو گئی تھی۔ اِس کیف نبوّت کا ذکر مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۲۱ میں ہو چکا ہے۔

حکیم و علیم خدا کے ہاں سے براہِ راست سیکھ کر آتا ہے: وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ[۱] (۲۷: ۶) اور اُسکی آیات پڑھکر دنیا کو حکمت اور طہارتِ نفس سکھلاتا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ[۲] (۳: ۱۶۴) اور بآموزانش[۳]

---

[۱] اور اے محمدؐ! اس میں شک نہیں کہ تم قرآن کی عظیم الشان حکمتوں کو حکیم و علیم خدا کے پاس سے سیکھ کر آتے ہو

[۲] لوگو! اس خدائے عظیم نے ایمان والوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ اس بے علم اور اُجڈ ان پڑھ اور اصحابِ اہل عرب میں (فیہم ۔ دیکھو ۲، ۱۶۴) اُن ہی میں کا، [illegible] ایک رسول بھیجا جو آج فرستادہ خدا ہونے کے باعث اس قدر صاحب علم ہو گیا ہے کہ اُن پر خدا کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے (یَتْلُوا عَلَیْہِمْ آیَاتِہِ)، اُن کو آلائش گناہ سے پاک صاف کر رہا ہے اُن کو قانون الٰہی (الکتاب) کا علم دے رہا ہے، خدائے علیم و حکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

قریب قریب یہی مضمون (یُزَکِّیہِمْ) اور (یُعَلِّمُہُمُ) کی ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ چار اور موقعوں پر آیا ہے۔ سورۂ جمعہ میں ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۶۲: ۲)

لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے عرب کے ان پڑھ اُجڈ لوگوں کی ہدایت کیلئے اُن ہی میں کا ایک اُمّی اور پہلے آسمانی صحیفوں سے ناآشنا شخص اپنا قاصد بنا کر بھیجا، وہ شخص آج فرستادۂ خدا ہونے کے باعث ہی اسقدر صاحب علم ہو گیا ہے کہ اہل عرب پر خدائے عظیم کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے، اُنکے دلوں کو اپنی زندگی کے پاکیزہ نمونے اور زورِ عمل سے آلائش عصیان و جمود سے پاک کر رہا ہے (یُزَکِّیہِمْ)، اُنکو قانون الٰہی کا علم دے رہا ہے، خدائے حکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (۲: ۱۵۱)

اے ساکنانِ عرب! یہ احسانات جو اوپر شمار ہوئے اسی قطع کے ہیں جیسا وہ عظیم الشان احسان کہ ہم نے تم کو راہ راست پر لانے کیلئے تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ہمارے احکام تم پر واضح کرتا ہے، تمہارے نفس کو گناہ کی آلائش سے پاک کرتا ہے، تمکو قانون الٰہی کا علم دے رہا ہے عزیز و حکیم خدا کی حکمت سکھلا رہا ہے، اور المختصر یہ کہ تمکو ان عظیم الشان حقائق فطرت کا علم دے رہا ہے جن کا اس سے پہلے تمہیں کچھ علم نہ تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا بھی یہی انداز تھا

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۲: ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار! تو اِن بے علم اور اُجڈ اہل عرب میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیج، جو تیرے احکام اِن پر اچھی طرح واضح کر دے، انکو تیرے قانون جلیل کا علم دے، تیری جلیل القدر حکمت کا درس دے، اور انکی اصلاح کرے (یُزَکِّیہِمْ) اسمیں شک نہیں کہ تو ہی غالب القدرت اور صاحب حکمت خدا ہے

سورۂ نساء میں ہے:

وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (۴: ۱۱۳)

اور اے محمدؐ! اس خدائے ذوالجلال کا تم پر بڑا ہی فضل ہوا جو اس نے اپنی کمال عاطفت سے یہ کتاب عظیم تم پر اُتاری اور یہ کتاب کیا ہے، فصل محتمہ حکمت ہی، جسکے ذریعے سے خدائے علیم و حکیم نے تم کو وہ حقائق عالیہ سکھلائے ہیں جن کا تم کو اس سے پیشتر علم نہ تھا۔

نے یونانی فلسفے کے اِن خوشہ چینوں کو قرآن ہی کیطرف بُلایا تھا جب اسکی سچی اور بے عیب حکمت کو بشریت کے ہر نقص سے بری، اور انسانی صناعت کے ہر سُقم سے پاک ٹھیرایا تھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ (۱۸ ۱)، اور صاف فرمادیا تھا کہ ساکنانِ عالم کو محیطِ ظلمت سے پہنائے نور میں نکالنے والی یہی کتاب ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ (۱۴ ۱)! آہ! مغربی منطق کے ان ذلّہ برداروں نے قرآن میں یونانی فلسفے کے ذریعے سے اجتہاد کرتے وقت نہ سمجھا کہ قرآن کی قطعیت اور کفایت کی یہی دلیل بس ہے کہ وہ ایک کامل باعلم اور کامل باخبر ذات کی طرف سے ہے: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ ۙ (۱۱ ۱)، اور اس بنا پر اسکے معارف و حقائق میں کسی ناقص، غیر قائم اور عارضی شئے کو دخیل کرنا خدا اور حکمتِ خدا کو العیاذ باللہ ناقص سمجھنا ہے!

---

۵۱ تمام تعریف اور شکر خدا ہی کو سزاوار ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا اور اس میں کسی قسم کی کجی نہ رکھی۔
قرآن حکیم کی حکمت میں کجی نہ ہونے اور اسکی صداقتوں کے ازلی اور ابدی ہونے کے متعلق دو اور اشارے ہیں جو اس جگہ لکھ [illegible] جاتے ہیں۔ سورۂ زمر کی آیت (۳۹ ۲۷) سے قرآن کی جامعیت اور عالمیت کا دعوےٰ بھی نکلتا ہے،

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۚ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹ ۲۷-۲۸)

اور لوگو! ہم نے تمہارے سمجھانے اور تمہیں صحیح طریق عمل بتلانے کیلیے اس قرآن کے اندر ہر قسم کی مثال بیکر سارا دستور العمل واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نتائج اخذ کریں، اور بعد ازاں اُنپر عمل کریں۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے، اسکی حکمت عالیہ میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی اور اسکا منتہائے نظر یہ ہے کہ تمام عالم کے لوگ اس بے مثال حکمت پر عمل کر کے عذابِ الٰہی سے بچیں۔

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ۝ (۴۱ ۴۲)
باطل کو اس کتابِ عظیم سے مقابلہ کرنے کی تاب نہیں، نہ اسکو پیچھے سے وار کرنے کی جرأت ہے۔ جھوٹ نہ اسکے سامنے سے آسکتا ہے (مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ)، نہ پیچھے سے (مِنْ خَلْفِهٖ)۔ نہ آج اسکو کوئی انسانی حکمت جھٹلا سکتی ہے، نہ آج کے بعد اسکو کہیں سے گزند پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ حقیقتِ عظمیٰ اس حکیم اجل، اُس استادِ ازل کی اُتاری ہوئی ہے جس کی حمد تمامیں ایک عالم رطب اللسان ہے۔

۵۲ یہ قرآن ایک بڑے پایے کی کتاب ہے۔ اس کو ہم نے تم پر اس غرض سے اتارا کہ تم لوگوں کو حکمِ خدا کی اطاعت پر آمادہ کرکے جہل کے اندھیرے سے علم کی روشنی میں لاؤ اور انکو عزیز و حمید خدا کی طرف لے جاؤ۔

۵۳ یہ قرآن وہ بے بدل کتاب ہے کہ اسکے احکام دلائل و براہین سے بخوبی ثابت اور مستحکم کیئے گئے ہیں اور پھر حکیم و خبیر خدا کے اپنے ہاں سے اُن کی مکمل شرح و بسط کی گئی ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶ : ۸۹﴾

اور اے پیغمبر! ہم نے تم پر یہ کتاب اس پائے کی نازل کی ہے کہ اس میں ہر ممکن شئے کے متعلق (جس کا واسطہ انسان سے پڑتا ہے) تفصیلی بیان موجود ہے، اور تسلیم کرنے والی قوم کے لیئے یہ کتاب تو سرتاسر ہدایت ہی، رحمت ہے، اور اسکی سلامتی اور حفظ و امن کی بشارت ہی!

ان حیرت انگیز دعاوی کے بعد مسلمانوں اور قرآن کو "تسلیم کرنے والوں" کا فرض تھا کہ وہ اپنی دینی اور دنیاوی دونوں زندگیوں کے اصولی قواعد اور بنیادی ضوابط کی تلاش میں انسانی حکمت کے ہر مسلک خیال، اور قیاس ورائے کے ہر نظری مذہب سے حتماً بے نیاز ہو جاتے؛ وہ اللہ کا حاوی علم، اور خدا کا محیط فلسفہ موجود ہوتے ہوئے کسی افلاطون یا ارسطو کی حکمت کے محتاج نہ بنتے؛ وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو خوش اسلوبی سے سلجھانے کیلئے تمامتر رجوع اسی کتاب کی طرف کرتے؛ وہ دین اور دنیا کے ہر مسئلے اور ہر طرز عمل کے متعلق سب بشارت اور رحمت، سب نور اور ہدایت، سب علم اور خبر اسی کتاب سے لیتے؛ وہ قرآن ہی کو اعتقادی اور عملی مناظرات کی حقیقی سنام، اور کلام الٰہی کو ہی روحانی اور مادی مجاہدات کی مضبوط اساس مانتے؛ وہ کتابِ خدا کو نہ صرف ذاتی فلاح کا بے مثال ذریعہ اور روحانی تقرب کا واحد وسیلہ سمجھتے، بلکہ معاشری عمران کا سنگِ بنیاد، اجتماعی استحکام کا مرکز ثقل، اور قومی تقدم کا محورِ عمل یقین کرتے؛ وہ اقوام کی ترقی کے اسباب، انحطاط کے وجوہات، بادشاہت اور تسلط فی الارض کے طریقے، حصول قوت کے ماخذ، علوم و فنون کے مصادر، فطرت کے قوانین✝، الغرض اُن سب نکات کے کھوج جن پر انسانی زندگی کا تمام حصر ہے، اسی قرآن سے لیتے اور انپر عمل پیدا کرتے۔ منزلِ لم یزل اور منعم حقیقی نے قرآن ہی کو مسلمانانِ عالم کا کامل ضابطۂ عمل اور مکمل آئینِ مذہب قرار دے کر کہا تھا کہ آج میں نے اسلام کو تمہارے لیئے پسند فرما کر دین و دنیا کی تمام نعمتیں تم کو بخش دی ہیں!

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا✝ ﴿۵ : ۳﴾

آج ہم تمہارے دین کے تمام دستور العمل کو تمہارے لیئے مکمل کر چکے، ہم نے اپنی تمام نعمت تم پر پوری کر دی اور

✝ مسئلہ ارتقاء کے تحت المتن (صفحہ ۱۱ – ۳۷) میں اس عظیم انسانی حقیقت کو واضح کرنے کی ایک حد تک سعی کی گئی ہے ✝ سنہ ۱۰ ہجری کے سال ماہ ذی الحجہ میں حجۃ الوداع کے خطبے کے موقع پر یہ آیۃ علیہ السلام نازل ہوئی

اسلام کو تمہارے لیے بطور آئینِ عمل پسند فرمایا۔

کلامِ الٰہی کی اس مہتم بالشان اور معرکۃ الآراء حیثیت کو پہچاننے کے لیے نہائت سیدھے سادے اجتہاد کی ضرورت تھی۔ شارع اسلام نے قرآن کو ایک روشن اور بیّن حقیقت قرار دیا تھا: تِلْكَ آيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ٥ [۵۱] (۲۶ : ۲)، مگر ساتھ ہی سورۂ قمر میں یہ امر بار بار یاد دلا دیا تھا کہ اسکے اوامر و نواہی، مواعظ و حِکَم، طریقِ توجیہ اور طرزِ استدلال سے پورے طور پر مستفید ہونیکے لیئے ذکر و فکر، صحیح استنباطِ نتائج، اور عمل کی قطعی ضرورت ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ [۵۲] (۵۴ : ۱۷)۔ صاحبِ قرآن اور فاطرِ زمین و آسمان [۵۳] نے قرآن کو ہدایت کا سرچشمہ، رحمتِ الٰہی کا مبدء، اور بشارت کا مصدر قرار دیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اُسکے حقائقِ عالیہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لیئے کامل یقین، کامل ایمان، انتہائے استقلال، اور کمال بصیرت کی ضرورت ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ [۵۴] (۷ : ۲۰۳)

۵۱ "یہ آیات اس کتابِ جلیل کا ایک حصہ ہیں جو واضح ہے، اور جسکے مقاصد صاف صاف بیان کر دیئے گئے ہیں"۔ یہی آیت سورۂ شعراء کے علاوہ سورۂ یوسف اور سورۂ قصص کے زیبِ عنوان بھی ہے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ٥ (۱۲ : ۱)، (۲۸ : ۲)۔ سورۂ حجر کے شروع میں "قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ (۱۵ : ۱)۔ "یہ آیاتِ الٰہی اس الکتٰب کی ہیں جو قانون خدا ہے، اور اس قرآن کی جو ہر طرح پر واضح اور روشن ہے"۔ سورۂ نمل میں "کِتَابٍ مُّبِيْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ٥ (۲۷ : ۱)۔ "یہ آیاتِ الٰہی قرآن کریم کی ہیں اور اس کتاب کی جو واضح اور روشن ہے"۔ سورۂ زخرف (۴۳ : ۲) اور سورۂ دخان، (۴۴ : ۲) میں صرف وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ٥ ہے جس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے "قرآن کریم جو ایک روشن اور فصیح فی البیان کتاب ہے اس بات کا شاہد ہے"۔

ان آیات کا صحیح مفہوم ترجمے میں ادا کرنا از بس مشکل ہے یہاں پر ایک عام ترجمہ کر دیا گیا ہے جس سے مقصود قرآن کو واضح کتاب ثابت کرنا ہے لیکن یہ امر کہ "کِتَابٍ مُّبِيْنٍ"، "الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ"، "الکتٰب" اور "کِتَاب" کے الفاظ کا صحیح مقصود کیا ہے علٰحدہ بحث ہے جو دوسری صحبت میں کی جائے گی۔ "الکتٰب" اور "کتاب" کے الفاظ اس سے پیشتر بھی چند آیتوں میں آ چکے ہیں، اور اس موضوع کی مستقل اور فیصلہ کن بحث سے پیشتر بھی آئینگے لیکن ان کے اصلی مفہوم کو اُسی بحث پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

۵۲ اور فی الحقیقت ہم نے قرآن کو تو لوگوں کے پند نصیحت کی خاطر آسان طور پر بیان کر دیا ہے پس کوئی ہے جو اس سے سچی نصیحت پکڑ کر اس کے احکام پر عمل کرے!

سورۂ دخان کے اخیر میں ہے: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ٥ (۴۴ : ۵۸)، "ہم نے اس قرآن عظیم کو تمہاری زبان میں محض اسلیئے آسان کر دیا ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ اس سے نصیحت اخذ کریں"۔ "یَسَّرْنٰہُ" کا اشارہ ایک اور جگہ بھی آیا ہے۔ (۱۹ : ۹۷)، مگر وہ آیت آگے چلکر متن کتاب میں آئے گی۔ آیۂ "مُّدَّكِرٍ" قرآن کریم میں سورۂ قمر میں تین جگہ آئی ہے یعنی (۵۴ : ۱۷)، (۵۴ : ۲۲)، (۵۴ : ۳۲)۔

۵۳ تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تو اسی پر عمل کرتا ہوں جو میرے پروردگار سے مجھ پر وحی کی ہے۔ یہ قرآن تو فی الحقیقت تمہاری سوجھ سمجھ کی باتیں ہیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور اس میں اگر ہدایت اور رحمت ہے تو اس قوم کے لیئے جو اسکی حقیقت پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اس میں تدبر کرے (لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ[۵۱] ٥ (۴۵: ۲۰) استادِ علم نزیل اور حلالِ مشکلات تھے نے قرآن کو آسان اور مبین، کہنے کے باوجود مجسمۂ بصائر اور پیکرِ حکمت فرمایا تھا مگر ساتھ ہی یہ معنی خیز تشریح کردی تھی کہ اس کی آیات کی صحیح اور مکمل تفصیل صاحبِ علم قوم کے سوا کسی کو ودیعت نہیں، کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ[۵۲] ٥ (۴۱: ۳)، وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ† هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ[۵۳] ٥ (۷: ۵۲) ہادیِ دین اور ماحیِ اختلاف خدا نے قرآن کو تضاد کے بدنما اور بشری عیب سے قطعاً بلند تر ٹھیرایا تھا مگر اس بات کو بوجہ احسن واضح کر دیا تھا کہ اگر انسان کو اسکی آیات بینات میں کسی جگہ اختلاف کا شائبہ نظر آتا ہے، یا نقص و ضعف کا گمان گذرتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کے ظاہر اور باطن، سیاقِ بحث اور سباقِ کلام یا محلِ وقوع اور شانِ نزول پر غائر نظر نہیں ڈالی گئی، جسقدر اسکے مطالب میں تدبر اور صحیح استدلال کیا جائے گا اُسکا اختلاف مٹتا جائے گا۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ٥ (۴: ۸۲)

تو کیا یہ لوگ قرآن کے مقاصد و مطالب پر غور نہیں کرتے اور نہیں دیکھتے کہ وہ سب آپس میں متحد اور متفق ہیں

کیا ان کو اتنا بھی شعور نہیں کہ سمجھیں کہ اگر یہ کسی غیر خدا کا بنایا ہوا قانون ہوتا تو لامحالہ اس میں بے حد اختلاف پاتے۔

---

[۵۱] یہ قرآن تو تمام عالم کے لئے بصیرت اور تدبر کی باتیں ہیں۔ ہدایت اور رحمت اسی قوم کو حاصل ہو جو اسکی سچائی اور منجانب اللہ ہونے پر بالاستقلال یقین رکھکر اسمیں تدبر کرے (لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ)۔

[۵۲] یہ قرآن عظیم ایک کتاب ہے جس کی آیات جلیلہ کے عظیم الشان مطالب کو ایک عربی متن کی صورت میں (قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا) اس قوم کے لئے مشرح اور مفصل کر دیا گیا ہے جو علم رکھتی ہو (لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ)۔

[۵۳] اور حقیقت حال یہ ہے کہ ہم ان نادان اور اجڈ اہل عرب کے پاس وہ بے مثل کتاب لائے ہیں جس کی تشریح و تفصیل ہم نے علم سے کر دی ہے جو صاحب علم قوم اس قانون جلیل کے حقائق عالیہ کی صحت پر بالالتزام ایمان رکھکر اس میں تدبر کرتی ہے اُس کے لئے تو یہ کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہے (لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)۔

---

† علم کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف "علم" کے عنوان کے تحت تیسری مجلد میں آئے گی۔ وہاں پر بصراحت تمام واضح کر دیا جائے گا کہ کتاب خدا کی مراد علم سے بعینہ کیا ہے اور اس کے موجودہ مفہوم میں کس قدر حیرت انگیز تحریف ہوئی ہے۔ اس آیہ کریمہ (۴۱: ۳) سے صرف نوع یہ نکلا ہے کہ قرآن صرف صاحب علم قوم کے لئے اترا ہے اور اس بنا پر اسکے حقائق عالیہ کو وہی قوم کماحقہٗ سمجھ سکتی ہے جو علم رکھتی ہو۔ مسئلہ ارتقاء کے تحت اُمتیں میں اس علم کی ایک جھلک دکھلادی گئی ہے اور ایک دو اور مباحث آگے چلکر اسی مجلد میں آئیں گے مگر علم کی تعریف تسلیم کئے بغیر کتاب خدا کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا از بس مشکل ہے۔

وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۱۶ ۴۴)

اور اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نصیحت اسلیے اتاری ہے کہ تم لوگوں پر اچھی طرح عیاں کر دو کہ اُن پر کیا احکام اُترے ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ خود سوچیں اور تدبر کر کے نئے مطالب دریافت کریں، اور تطابق پیدا کریں۔

كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ۝ † (۳۸ ۲۹)

اے پیغمبر! یہ قرآن عظیم بڑی برکت اور رونق پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ اسکو ہم نے تیری طرف محض اسلیے اُتارا ہے کہ لوگ اسکی آیات پر کامل تدبر کریں، اور صاحب عقل و فراست لوگ اس سے صحیح نتائج اخذ کر کے عبرت حاصل کریں۔

یہی خالص تدبّر، ذکر و فکر، ایمان و یقین، علم و بصیرت، صحیح استدلال اور تطابق ایسے آئینی اُصول تھے جن کی بنا پر کلام الٰہی کے حجۃ بالغہ ہونے پر ایک سچّا اور ناقابلِ رد اجتہاد قائم ہوسکتا تھا۔ قرآن کے حیرت انگیز سربستہ رازوں، اور سربمہر حکمتوں کے لیئے کسی خارجی فلسفے کی ضرورت نہ

† اُولُوا الْاَلْبَاب' کی قرآنی تعریف "عمل" کے عنوان میں آئے گی لیکن ان تینوں (۱۴: ۸۲) (۱۶ ۴۴) (۳۸ ۲۹)' اور قفل کی نصار' والی (۷ ۴۳)' (۴۵: ۲) آیات کو پیش نظر رکھکر اُس مہلک تخیل کا یکسر قلع قمع ہوجاتا ہے جسکے رو سے مسلمانان عالم کی ایک کثیر تعداد نے قرآن میں تدبر کر کے اس کے مطالب کو دریافت کرنا گناہ سمجھ لیا ہے۔ آج اِس عام انحطاط کے زمانے میں عام رائے یہی ہے کہ قرآن کسی تدبر کا متحمل نہیں، اس کے حقائق عالیہ کا ذہن سے کچھ تعلق نہیں، اس کے مطالب میں فہم کو دخل کرنا گناہ ہے، اسکی تشریح میں عقل کو کام میں لانا بدعت ہے' وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جو لوگ "علم اسرار الدین" کے مستند وجود سے واقف ہیں جس کی رسمی بنیاد قرنِ اوّل میں حضرت عمرؓ نے رکھی' اور جنھوں نے اس تنقیح و استقصا کا مزا چکھا ہے جو خود رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت میں اور اصحاب صُفّہ کے مابین سالہا سال تک ہوتی رہی، اور جس کو بلا استثناء صحابۂ کرام نے ایمان و یقین کی حیثیت اوّل قرار دے کر قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کے مطالب کی تعبیر میں مہینوں اور برسوں تک تدبر کرنا عین ایمان سمجھا تھا، اُن کے نزدیک اس زہر آلود تخیل کی کچھ وقعت نہیں۔ اگر مالک زمین و آسمان اور ستائیدۂ فہم و ادراک کا کلام انسان کی بڑی سے بڑی تنقید، ہر ممکن آزمائش، اور سخت سے سخت معیار کا متحمل نہیں تو وہ ذی شعور انسان کے لیئے وجوباً قابل قبول نہیں کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں بھی صاحب نظر کے لیئے کئی مثالیں پیش ہوچکی ہیں لیکن آگے چلکر ہر ورق اِس امر کا آشکارا ثبوت ہوگا کہ قرآنِ حکیم کی آیات کس قدر محکم، کس قدر صحیح، کس قدر مطابق، اور کس قدر عمیق و بلیغ ہیں۔ کوتاہ نظر انسان کا علم اُن کے علم کے بالمقابل کس قدر ہیچ ہے۔ خدائے متعال کی طرف سے انسان کو صلائے عام ہے کہ اُن کو بغور تمام پرکھے، الٹ پلٹ کر دیکھے، بار بار دیکھے، مگر اُنکے ایک حرف کے متعلق کوئی کجی، کوئی کم علمی، کسی نادانی کا دریافت کرنا قطعاً محال ہے۔ اِس کتاب میں کلام الٰہی کے تمام مطالب اِسی تطابق کے اصل اصول کو پیش نظر رکھکر واضح کئے گئے ہیں، اور جو یگانگت اور صحت اِس کیسے اِن مطالب میں قائم ہوئی ہے ہر صاحب نظر کے سامنے ہے۔ خود اسی آیات الٰہی یعنی آیہ متین (۲۶ ۲) و آیہ مُذکر (۵۴ ۱۷)' اور آیات نصائر (۷ ۲۰۳)' (۴۵ ۲) کے مطالب میں بظاہر کچھ اختلاف سا نظر آتا تھا مگر اونیٰ سے تامل نے اسکو آیہ یعلمون (۴۱ ۳) کی وساطت سے رفع کر دیا ہے۔

(دیکھو صفحہ ۵۷-۵۸)

تھی۔ ربِّ علیم و حکیم نے اہلِ اسلام کی رہ نمائی اور حسنِ رہبری کے لیے، قرآن کے بے مثال عجائب خانے کے اندر، سعی و عمل کے ہزاروں کرشمے، خوشحالی اور امن کے صدہا طلسم، قوت و اقتدار کے لاانتہا دفینے، اور علم و حکمت کے بیسیوں اساسی اصول اسکے مختلف طاقچوں اور گوشوں، دیواروں اور محرابوں کے سپرد کر دیے تھے مگر آہ! اُن کی ظاہری شکلیں بھی آج اعتقاداتِ باطلہ، غلط مطالب، اور غلط اجتہاد کے خس و خاشاک کی تہ میں محو ہو چکی ہیں! مسلمانوں کا موجودہ فلسفہ آج اس محیرالعقل عجائب خانے کے انمول موتیوں کو سپردِ خاک کر کے، عمارت کی چوکھٹوں اور دہلیزوں، طاقوں اور محرابوں، روشندانوں اور کھڑکیوں، چھتوں اور نالیوں کی ثناخوانی میں مصروف ہے، اور کم فہمی اور بدذوقی کی غیظ آفرین بے توجہی سے اِن پاکیزہ جواہرات پر فصاحت کا جاروب پھیر کر، شاعرانہ واہ واہ یا جزدانی تعظیم کے جمادِ چند سے ہی اُن کی قدر و قیمت کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے! آج قرآن کی کُل کائنات میں مسلمانوں کا مبلغ اجتہاد اور اُنکی اہم داستانِ حکمت، قیامت کے بے سند قصّوں، قبر کے مظنون عذابوں، روح کی مفروض قسموں، اخلاقی امراض کی آفتوں، کفر کے بے دلیل اور مضحکہ انگیز فتواؤں، نشست و برخاست کے موضوعی آداب، توبہ و استغفار کے بناوٹی اسالیب، اور طہارت و استنجا کے وضعی طریقوں کی ندامت انگیز تشریح ہے! کیا یونانی فلسفے کی المناک خیال آفرینی، اور مسلمانوں کے درد انگیز فقدانِ علم و فکر کا نتیجہ نہیں ہُوا کہ آج ظن و وہم کے اِن ہوائی قلعوں کی تعمیر میں اسلام وہ سب کچھ کھو بیٹھا ہے جو صرف چند برس تک مسلمانوں کو قرآن کے ادنیٰ اور ابتدائی عمل کے انعام میں ملا تھا۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ[1] ۞ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۞ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۞ (۴۳: ۲-۵)

[1] الکتٰب المبین کے معانی کے متعلق، جیسا کہ صفحہ ۵۰ کے تحت المتن میں ظاہر کیا گیا ہے، ابھی کچھ بحث کرنا قبل از وقت ہے لیکن اِن آیات یعنی (۴۳: ۲-۳) اور (۱۲: ۱-۲) سے کم از کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (۴۳: ۲) میں کسی روشن اور بیّن کتاب کی شہادت پیش کی گئی ہے اور جعلنٰہ (۴۳: ۳)

لوگو! کتاب مبین اس امر کی شاہد ہے کہ ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں محض اسلیئے کر دیا ہے کہ تم اُسکے دستور العمل کو آسانی سمجھ لو۔ اور یہی قرآن جسکو تمہارے سمجھنے کی خاطر عربی لباس پہنایا گیا ہے اُس اُمّ الکتٰب کا ایک حصہ ہے جو ہمارے ذہن میں ہے اور جو ایک مقتدر اور مخزن حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اس وجہ سے کہ تم لوگ اِس کتاب کے حقیقی مقاصد سمجھنے میں حد سے بڑھے جاتے ہو اور ہمارے مطلب کو نہیں پاتے ہم اِس کتاب کے مطالب کو تم سے سرتاسر اِسطرح اُچک لیں کہ تم خاک بھی نہ سمجھ سکو؟

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۱۲ ۱-۲)

اے ساکنانِ زمین! یہ آیات الٰہی اس جلیل القدر کتاب سے ماخوذ ہیں جو روشن اور واضح ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے اس کتاب مبین کو اپنے ہاں سے عربی زبان کا لباس پہنا کر عربی اللسان قرآن اس لیئے بنایا ہے کہ تم لوگ اِس کے اسرار عالیہ کو سمجھکر عقلمند بن جاؤ۔

قرآن کے مقاصد اور اسلامی فلسفۂ اخلاق پر یونانی حکمت کے اِس مُہلک اثر کے علاوہ اور بھی فساد آفرین اثرات پڑے جن کا تعلّق خود اہلِ عرب کی جبلّت اور طینت سے تھا۔ عرب ظہورِ اسلام سے پہلے یونانیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۰) اور اَنْزَلْنٰهُ (۱۲ ۲) کی ضمیر ہُوَ کا مرجع بھی اسی "کتٰب مبین" کی طرف ہے۔ گویا خدا نے ہمیں تمثال نے کسی کتاب مبین کو شاہ بنا کر یہ کہا ہے کہ ہم نے اُس کتاب مبین کو عربی زبان کا لباس پہنا کر عربی قرآن اسلیئے بنا دیا ہے کہ تم عقلمند بن جاؤ۔ ان آیاتِ الٰہی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیئے بیحد غور و خوض درکار ہے لیکن صفحہ ۴۹ کے تحت المتن سے جو علم طبقات الارض کے متعلق ہے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ "الکتاب المبین" دراصل صحیفۂ فطرت ہی ہے اور اسکو مبین اسلیئے کہا گیا ہے کہ ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ اگر اس مفہوم کو تسلیم کر لیا جائے تو آیات (۱۲ ۲-۱) کے معانی صاف ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں

'لوگو! صحیفۂ کائنات جو تمہاری نظروں کے سامنے روشن اور عیاں ہے اس امر کی گواہی دے رہا ہے (وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ) کہ ہم نے اس کارگاہ اکبر کے تمام پوشیدہ قانون کا ترجمہ سہل الفہم اور عربی اللسان قرآن میں اسلیئے کر دیا ہے (جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا) کہ تم اسکے رازوں کو سمجھکر ہوشمند بن جاؤ (لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ)۔ (گویا اسلام دین فطرت ہے اور قرآن کریم صحیفۂ فطرت کے قانون کا ٹائپ کیا ہے۔)

حکمائے مغرب نے بھی جریدۂ فطرت کو کتاب سے تشبیہ دی ہے اور اسکا نام الگ کتاب کے معرفت خدا کے نکات اور معلومات عالیہ سے پُر ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور دراصل یہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو خدائے عظیم نے جو اپنے ہاتھوں سے مرتب کی ہے اعمال خدا کے اسرار و حقائق کے متعلق اِس سے روشن تر کتاب کا ملنا قطعاً غیر ممکن ہے بشرطیکہ اسکا صحیح مطالعہ ہو سکے لیکن اسکا صحیح مطالعہ کرنا آسان کام نہیں۔

آگے چلکر "الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" کے اِن معانی کی حیرت انگیز شہادت قرآن کریم کی مختلف آیات سے ملیگی یہاں صرف مطالب کو قابل فہم بنانے کی غرض سے پیش از وقت متنبہ کر دیا گیا ہے رہا اِس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچانا کہ قرآن کا قانونِ عمل کسقدر صحیفۂ فطرت کے قانون کا ہُو بہُو عکس ہے اور کیونکر فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰ ۳۰) کا مصداق ہے اسکی شہادت اصل کتاب میں جا بجا ملے گی۔ البتہ نفس مطلب کی تائید اُن تمام آیات سے جو صفحہ ۵۷ پر "تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" کے تحت المتن میں بیان ہوئیں بصراحت تمام ہوتی ہے جہاں "الْكِتٰبِ" اور "قُرْءٰن"

کی طرح اوہام پرستی اور خیال آرائی میں ماہر تھے۔ اُن کے مذاہب اور ادیان میں، اُنکی عبادات اور معاملات میں، اُنکی رسموں اور رواجوں میں تخیّل اور توہم کا عظیم تر حصّہ شامل تھا۔ اُن میں غیب دانی اور کہانت کا بکثرت رواج تھا۔ زود اعتقادی کی یہ حد تھی کہ عورتیں[1] بھی نبوت کا دعوٰے کر کے قبائل سے بیعت کرالیا کرتی تھیں۔ قیافہ شناسی، تفاؤل و تشاؤم، تنجیم و تسخیر، میسر، ازلام، سیمیا، وغیرہ وغیرہ ایسے اعتقادات واہیہ تھے جن پر صدیوں سے نہایت ایماندارانہ عمل چلا آتا تھا۔ ظنّ و قیاس سے واقعات کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۱) مُّبِیْنٍ (۵: ۱۵) اور القرآن، اور کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (۲۷: ۱) کے درمیان ظاہری شناخت قائم کر کے کتاب فطرت اور کتاب خدا کو ایک سمجھنے کا پرمعنی اشارہ کیا گیا ہے لیکن اسی مطلب کی ایک اور آیت بھی غور طلب ہے جس میں خود قرآن ہی کو کتاب مبین کا لقب دیا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (۵: ۱۵)۔ لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے یہ قرآن کیا آیا گویا نور اترا ہے اور کتاب مبین اتری ہے" گویا قرآن اور کتاب مبین (یعنی صحیفۂ فطرت) ایک ہی شئے ہیں لیکن ان معانی کی مزید شہادت اصل کتاب میں اپنے موقع پر ملے گی۔

الکتٰب المبین کے اِن معانی کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ "اُمّ الکتٰب" کیا شئے ہے لیکن ادنیٰ سے تامّل کے بعد یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ اگر الکتٰب المبین "صحیفۂ فطرت کا وہ حصّہ ہے جہاں تک انسان کے حواس ظاہری پہونچ سکتے ہیں تو "امّ الکتٰب" لامحالہ تمام کائنات ہی جس کا ایک عظیم تر حصّہ انسان کے دست قدرت اور علم سے قطعاً باہر ہے اور جس کا کامل علم لامحالہ اُس ذات باری کو ہے جس نے اسکو اپنے ہاتھوں سے بنایا اسی لئے اسکو "لَدَیْنَا" کہا گیا ہے اور چونکہ صحیفۂ کائنات ہی تمام علم و حکمت کا مخزن ہے اسلیئے اسکو "لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ" کا خطاب دیا گیا ہے عوام کی زبان میں "اُمّ الکتٰب" کو مفسرین نے "لوح محفوظ" کہا ہے لیکن اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو یہ صحیفۂ کائنات ہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو لاکھوں اور کروڑوں برس سے محفوظ ہے اسی کے اندر خدا کا علم، اسکا قانون، اسکی حکمت چھپی پڑی ہے وہ اس کے علاوہ کوئی بڑی لمبی چوڑی مجلد نہیں جو خلا کی رہاں میں ساتویں آسمان پر عرش خدا کے کنارے پر رکھی ہے اور جس کی لمبائی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے"۔ اِس نکتے کو پیش نظر رکھکر آیہ (۴۳: ۴) کے مطالب صاف ہوجاتے ہیں: "اور یہ قرآن عظیم اس صحیفۂ کائنات کے عالم آرا قانون کا ایک جز ہے (وَاِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ) جو ہمارے پاس پڑا ہے (لَدَیْنَا) اور جو ایک بڑے پائے کا قانون (لَعَلِیٌّ) ہے اور حکمت سے پر ہے (حَكِیْمٌ)" جب دین اسلام کے رُو سے خدائے عزوجل کے وجود کو انسان کی شکل و صورت سے قطعاً کوئی مماثلت نہیں تو خدا کی بنائی ہوئی اُمّ الکتٰب بھی کاغذ کی بنی ہوئی انسانی کتابوں سے اصلاً مختلف ہونی چاہیئے۔

[1] زمانہ جاہلیت کے اہل عرب کے نزدیک کہانت اور نبوت میں بہت کم فرق تھا سب وہ لوگ جو آیندہ یا گذشتہ واقعات پر اطلاع رکھنے کا دعوٰے کرتے تھے کاہن کہلاتے تھے۔ جو اس کے علاوہ شعبدہ بازی اور عجائبات دکھلانے کا ادعا کرتے نبی کہے جاتے تھے چنانچہ ان شرائط کو بزعم خود پورا کرنے والے افراد ہر قبیلے اور قریے میں موجود تھے امی، جہیمہ ابرش اسود عنسی، ابن ابی سرح، مسیلمہ، عیزہ وغیرہ چند مشہور کاہنوں اور نبیوں کے نام ہیں۔ ایک مشہور عورت سجاح بنت حارث نے جو قبیلہ تمیم کی شاخ بنی یربوع سے تھی رسولؐ خدا کے زمانے میں نبوت کا دعوٰے کیا مگر مسیلمہ کے بالمقابل ایک مدت تک اسکا زور نہ چل سکا۔ رسولؐ خدا کی وفات کے بعد پھر اسی عورت نے جزیرہ بنی تغلب میں نبوت کا دعوٰے کیا اور بنی تمیم کو اپنا حمایتی بناکر اسلام کے لئے ایک مستقل خطرے کی صورت پیدا کردی اسلام سے پہلے بھی ایسی کاہنہ عورتیں عرب میں ظاہر ہوئیں اور خلق خدا کو اپنے تابع کرلینے میں چند لمحوں تک کامیاب ہوتی رہیں۔ تفاؤل اور تشاؤم کا رواج بھی اہل عرب میں اسلام سے پہلے انتہائی حد تک پہونچ چکا تھا عرب کے اِن اعتقادات واہیہ کا بقیہ ابھی تک عالم اسلام کے اندر استخاروں اور پیشگوئیوں کے شرعی تقدس میں رُونما ہے۔

پیش بینی، اور غیر متعلق واقعات کو ذات پر محمول کر لینا اُن کے خمیر میں داخل ہو گیا تھا۔ من گھڑت روایات اور آبائی مزخرفات کا ایک عظیم الشان طومار اُن کا علم ادب بلکہ اخلاقی ضابطہ بن گیا تھا۔ فصاحت اور شعر گوئی کا یہ عشق و ولولہ تھا کہ عین میدان جنگ میں، سفر و حضر میں، خطابات اور مناظرات بلکہ عالم خواب† میں، رجز و سجع بے تامّل کہہ دیتے۔ ظہور اسلام سے پیشتر بیسیوں برس تک، فصاحت کے یہ جنونی امرأ القیس، زہیر، لبید بن ربیعہ وغیرہم کے مُعلّقات السبع کے سامنے فی الحقیقت ماتھا رگڑتے رہے، اور مُجمّہرات اور منتقیات السبع‡ کے مصنفوں کو اپنے تخیّل اور فصاحت حتّٰی کہ اعمال و اعتقادات کا سچا رہنما مانتے رہے۔ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تمام مراسم شنیعہ کو جہنّم کا شعلہ اور غضب الٰہی کی آگ دکھا کر یک قلم معدوم کر دیا۔ تمام مذاہب و ادیان ملیامیٹ ہو گئے؛ توہّم پرستی قطعاً جڑ سے اُکھڑ گئی؛ کہانت اور نبوّت کے متعلق سب فوق الفطرۃ عقائد اور دعاوی قرآن کے ایک ادنیٰ اشارے سے باطل ہوتے گئے؛ اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ[1] (۷: ۱۸۴)؛ نجوم پرستی اور سحر کے تمام شعبدے بیکار ہو گئے؛ قرآن کی روشن اور نمایاں حقیقت کے سامنے کذب و دروغ سب فنا ہو گیا؛ وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ

[1] کیا ان لوگوں نے اس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ اُن کے پیشوا (یعنی رسولِ خدا) کے اندر کوئی جنّ تو ہے نہیں، وہ کوئی پاگل تو ہیں نہیں کہ اُن کی بیہودہ اور اَن ہونی فرمائشیں قبول کرتے پھریں وہ تو صرف کُھلم کُھلا اور صاف طور پر عذاب خدا سے ڈرانے والے ہیں اور بس۔

† عالم خواب میں شعر کہنے کے متعلق اہل عرب کی بعض روایتیں مشہور ہیں جن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔

‡ مُعلّقات کے سات قصائد مشہور ہیں۔ ان کے مصنف امرأ القیس، زہیر ابن ابی سلمٰی، حارث بن حلزہ، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، طرفہ بن العبد، اور عنترہ بن شداد ہیں۔ "مجمہرات" بھی سات قصیدے تھے جو نسبتاً کم مشہور ہیں۔ نابغہ ذبیانی، عبید بن الابرص، عدی بن زید، بشر بن کازم، امیہ بن ابی الصلت، خداش بن زہیر، نمر بن تولب العکلی، ان قصائد کے مالک تھے۔ "منتقیات" تیسرے طبقے کے قصائد ہیں۔ جن کے مصنف مسیّب بن علس، مرقش بن حریر، مرقش الاصغر، عروہ بن الورد، دریدبن صمہ، مہلہل بن ربیعہ، اور عثمان بن سوید تھے۔ یہ سب شعرا اکثر زمانہ جاہلیہ ہی کے تھے۔ معلقات کے سات قصائد خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکتے رہتے تھے۔ لوگ اُن کو آکر دیکھتے اور اُن کے سامنے سجدہ کرتے۔ تذکرۃ الحکم فی طبقات الامم میں معلقات پرستی کی مدت ڈیڑھ سو برس لکھی ہے مگر امرأ القیس کے عہد حیات (۵۴۳ء) اور ابتدائے اسلام کے زمانے (۶۲۱ء) کو پیش نظر رکھ کر اس مدت عبادت میں بہت کچھ مبالغہ معلوم ہوتا ہے علاوہ ازیں بعض جدید محققین نے ان قصائد کے دیوار کعبہ پر آویزاں ہونے سے بھی یکسر انکار کیا ہے۔ اور "معلقات" کے تسمیے کو حماد الراویہ سے منسوب کیا ہے۔ بہر نوع واقعات کچھ ہی ہوں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان قصائد کی عرب میں خاص عزت تھی اور کوئی شے ان کے بالمقابل قدر و قیمت میں ٹھیر نہ سکتی تھی۔

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (۱۷: ۸۱)، فصاحت کے طاقتور اور فساد انگیز طلسم کو توڑنے کے لیئے کلامِ الٰہی نے اپنے بے ارادہ زورِ کلام سے ہی خاموش مگر ترکی بہ ترکی جواب دیکر عرب کو ہمیشہ کے لیئے دم بخود کردیا، معلقات کی پرستش از خود ماند پڑگئی، عرب کی طاقت گویائی گویا اچک لی گئی مگر ساتھ ہی عرب کے اس مالیخولیائی وصف کی علانیہ تکذیب و توہین کے ارادہ سے، اور کتاب الٰہی کی حیثیت کو شعر و فصاحت سے بے انتہا بلند تر جتلانے کیلئے، شارع اسلامؐ نے شاعروں کو اللہ کے رستے سے بھٹکے ہوئے، وہم و گمان کی وادیوں میں سرگردان، جھوٹے اور مفتری قرار دیا۔

وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ (۲۶: ۲۲۴-۲۲۶)

اور جیسا کہ عرب خیال کرتے ہیں رسولِ خدا شاعر بھی نہیں۔ شاعر تو خود گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ لوگ ہی انکے پیچھے لگتے ہیں۔ کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ وہ عالم وہم و خیال کے ہر میدان میں پڑے بھٹکتے ہیں اور اکثر اپنے بارے میں فخر کے طور پر وہ کچھ کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ[†] وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۳۶: ۶۹-۷۰)

اور ہم نے رسول خدا کو کچھ شاعری تو نہیں سکھائی اور نہ شاعری انکی شان ہی کے لائق ہے یہ قرآن تو نری نصیحت ہی نصیحت ہے، ہاں البتہ واضح کتاب ہے اور اسکے مبین ہونے سے مقصود یہ ہے کہ باحس اور بیدار لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائے اور ساتھ ہی منکروں پر ہمارے عذاب کی دھمکیاں برحق ثابت ہوں۔

---

[1] اور اس سے کہدو کہ اب حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہو گیا۔ اور فی الحقیقت اُس نے تو ایک نہ ایک دن مٹنا ہی تھا۔

[†] اس آیت میں اور اور کئی موقعوں پر جس کی تفصیل آگے آئے گی مخالفین نے قرآن کو شعر کہا ہے۔ حالانکہ قرآن موجودہ معانی میں شعر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ موزوں نہیں، بلکہ تمام کا تمام مقفّٰے بھی نہیں حقیقت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب ہر اُس شئے کو جس میں لطافت بیان ہو، ایجاز و اختصار ہو یا جسکی عبارت مقفّٰے ہو، بلا لحاظ وزن شعر کہا کرتے تھے۔ فصاحت کا معیار بھی اُن کے نزدیک یہ تھا کہ عمدہ مضمون کے ساتھ ساتھ الفاظ خوش اسلوبی سے پیوست کیئے گئے ہوں، ان میں ترنم ہو، مطالب سادہ اور دلچسپ ہوں، ان میں غیر ضروری عمق نہ ہو لیکن وزن کا ہونا یا نہ ہونا ضروری نہ تھا۔ اسی بنا پر اہل عرب سجع، رجز، خطبات، مناظرات اور قصائد سب کو شعر میں داخل سمجھتے تھے اور چونکہ اس قطع کے شعر کا عروج عظم ہیئت سے ہی ہے کہ انسان کے سفلی اور سطحی جذبات یا صرف سماعی محسوسات کو برانگیخت کرتا ہے، اور باطنی تربیت اس مدنظر نہیں ہوتی اس لیئے قرآن کو اپنے متعلق ایسی فصاحت کے معترف سے بیں چڑ تھی اسی نقطۂ نظر سے قرآن نے جابجا شعر ہونے سے انکار کیا ہے اور اسی لحاظ سے وہ فصیح

اِن اعتقادی خرابیوں سے قطع نظر، عرب کا سب سے نمایاں اور مہلک عیب اُن کا باہمی انتشار اور **نفاق** بھی تھا۔ سب قبیلے ایک دوسرے کے خلاف آمادۂ جدال رہا کرتے تھے، بغض وحسد اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، سب کی سب کچھ رسم وراہ نہ رہی تھی، اُن کی ذاتی اور پشتینی عداوتیں تھیں، حریفانہ کاوشیں اور خاندانی رنجشیں تھیں، حسب ونسب کے فخریہ جھگڑے، اور بداعمالی کے اِدّعائی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۴) نہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود اس صریح اور پے درپے انکار کے آج مسلمان عالم قرآن کو انہی معنوں میں فصیح مانتے ہیں جن سے اُسکو عمدًا احتراز ہے۔ قرآن کے تمام طول وعرض میں اُسکی فصاحت کے متعلق ایک حرف کہیں موجود نہیں[۵۱] نہیں بلکہ فصاحت کا لفظ بھی بسوا قول موسیٰ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي (۲۸ ۳۴) کے جو حضرت ہارونؑ کے متعلق استعمال ہوا ہے کہیں سطر بھر آیا! آئندہ اوراق میں اس امر کے متعلق توضیح کردی جائے گی۔ لیکن قرآن کے فصیح فی البیان ہونے کا مہلک اور ترسناک تخیل مسلمانوں کی ہر رگ وپے میں اسقدر سرایت کرچکا ہے کہ اس کتاب عظیم کی اور کوئی خوبی اُن کے وہم وگمان میں بھی نہیں آتی اگر فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ[۵۲] (۲ ۲۳) کی صلائے عام جو خدائے قرآن حکیم کے متعلق جا بجا دی ہے، فی الحقیقت اسکی فصاحت، اسکی شاعرانیت، اسکے صنائع اور بدائع کی خوبیوں کے متعلق ہے، اور اس کتاب جلیل کی عالم آرا حکمت، اُسکے بے پایاں علم، اسکی حیرت انگیز صداقت اور بے نظیر ہدایت سے اس دعوے کو چنداں واسطہ نہیں، تو آج ابو القاسم حریری کے مقامات کا ایک ایک ورق، یا امرؤ القیس ابن حجر کے قصائد کا ایک ایک بیت ان انسانی کمزوریوں اور تکلفات، ایں ہمہ ساختہ تصنعات اور دعویات سے اسقدر پُر ہے کہ قرآن کی عبارت اُن کے بالمقابل حتمًا نہیں ٹھہر سکتی۔ اگر فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ[۵۳] (۱۱ ۱۳) سے صاحب القرآن کی مراد فی الحقیقت یہی تھی کہ برجستہ الفاظ اور چُست بندشوں، یا قوافی اور استعاروں کی مناسبت میں اسکا ادبی مقابلہ کیا جائے، اور دین اسلام کو کسی اہل زبان امت کے لغو شاعروں کا اکھاڑہ بنا کر خدائے زمین وآسمان سے ذوق سلیم کی داد (العیاذ باللہ) دلوائی جائے، تو آج مسیلمہ کذاب کا افترا کیا ہوا قرآن بھی جس کی چیدہ پریشان آیتیں کہیں کہیں ملتی ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے قرآن سے کسی اسلوب میں کم نظر نہیں آتا، کیونکہ اُس مفتری علی اللہ کی سحر بیانی نے بھی آخر انہی عرب قبائل کی ایک تعداد کثیر کو عین صدر اسلام میں برسوں تک مسحور کر رکھا تھا جو حسب اعتقاد مسلمانوں کے قول کے مطابق اس سے پیشتر قرآن کی ادبی خوبیوں پر مرمٹے تھے! قرآن اگر آج زمین کے طول وعرض میں پھیل کر سارے عالم کے لیے مشعل نور ہدایت بن گیا ہے، اور مسیلمہ کا تمام قافلہ لُٹ کر بے یدر میں بن چکا ہے، تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی زبان علم ادب کے اُن رسمی قواعد کے رو سے بہتر ہے جن کو خود انسان ہی نے وضع کیا، نہ اس لیے کہ مالک زمین وآسمان اور بادشاہ ارض وسماء نے بادشاہ ہو کر بھی پیغمبر انسان کے اسالیب بیان کا بہترین تتبع کیا ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ تصنیف جلیل کلام ملوک میں وہ **مَلِکُ الکلام** ہے جس کی حکمت اور حقانیت جس کا علمِ فصل، اور ہدایت سب انسانی تصانیف سے حتمًا بالاتر ہے! یہ ناپیداکنار علم کا بحرِ بیکراں ہی وہ بات کی فضیلت تھی جسکے آگے مغرور سے مغرور گردنیں جھک گئی تھیں، جس کے سامنے بادشاہوں نے گردن خم کردی تھی، عرب اور عجم سب دم بخود ہو گئے تھے، عمر (رضی اللہ عنہ) سا اَموڑ اور بہت گیر دشمن مطیع ہوگیا تھا، ابو سفیان نے بالآخر توبہ کرلی تھی، اور آج بھی اگر قرآن عظیم سے دل میں باغی اور منکر مسلمان اسکے آگے از سر نو گردن اطاعت خم کر سکیں گے تو اسکی شاعرانہ حیثیت کو دیکھ کر نہیں، بلکہ لامحالہ اسکے علم ہی کے قائل ہو کر ہونگے! سورۂ ہود میں ہے (باقی)

---

۵۱ وہ (یعنی ہارونؑ) مجھ سے زیادہ اپنے کلام میں فصیح ہے ۵۲ تو اس قرآن جیسی ایک سورۃ تو کہیں سے لے آؤ۔ ۵۳ تو اسی طرح کی دس گھڑت والی سورتیں تم بھی بنا لاؤ۔

اعلان تھے، ذاتیات پر بے اندازہ فخر و طعن تھا۔ اس بنا پر اُن کے درمیان ادنیٰ سی بات پر نارِ حرب مشتعل ہو جاتی تھی۔ پھر ان خانہ زاد لڑائیوں میں قبیلوں کے قبیلے اپنی بسالت اور تہوّر، اپنے شرف اور تفاخر، اپنے زور و عمل کے جوہر دکھانے کے لیئے شوقیہ مل جاتے تھے۔ پھر خود نمائی اور نفس پسندی کی آن اکثر اوقات اس حد تک نمایاں ہو جاتی تھی کہ برسوں کے مقاتلے اور انتہائی کشت و خون کے باوجود مصالحت کا نام زبان پر لانا بے غیرتی میں داخل تھا۔ ہادیٔ اسلام نے اس ہلاکت انگیز معاشرت کو حکومت خدا اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۵) اَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (۱۱ ۱۳-۱۴)

کیا قرآن کے منکر کہتے ہیں کہ محمدؐ اسکو اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے انہیں کہدو کہ ہاں تم بھی ایسی ہی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ، اور اگر تم اس الزام میں سچے ہو تو خدا کو چھوڑ کر تمام دنیا جہاں کے لوگوں کو، جہاں تک تمہاری طاقت ہے، مدد کے لیئے بلا لو کہ تمہاری بنائی ہوئی سورتیں مقابلے میں پوری اتر سکیں۔ پھر اگر لوگ اس پر بھی تمہاری اس دعوت کو قبول نہ کریں تو جانے رہو کہ یہ قرآن عظیم اس خدا نے زمین و آسمان کے علم کو اپنے ساتھ لیکر اتارا ہے (اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ) اس صانع کائنات کی ناپیدا کنار حکمت کا امین ہے اور وہ وہ علیم بے مثال ہے جسکے مثل کوئی دوسرا خدا نہیں (وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) تو کیا تم اس ناممکن الحصول فضیلت کو پیش نظر رکھکر اسکے کتاب خدا تسلیم کرنیکے لیئے تیار ہو؟

خدائے زمین و آسمان معاذ اللہ کوئی شاعر نہ تھا کہ لوگوں کو ادبی مقابلے کے لیئے بلاتا، اس کی شئ اور کارگزاری یہی ہے کہ انسان کا علم اُسکے بالمقابل محض ہیچ ہے، یہی وہ شے ہے جو شاگرد کو اُستاد کے سامنے، محکوم کو حاکم کے حضور میں، جاہل کو عالم کے روبرو، مستعیت کو مصنف کے آگے خاموش کرا دیتی ہے، اسی کے ہوتے ہوئے کسی کو دم مارنے کا یارا نہیں ہوتا! اگر بعثت رسولؐ کے زمانے میں تمام کا تمام عرب فصاحت کا شیدا تھا، اگر عرب کو اپنی شاعری کے بالمقابل تمام دنیا گنگ نظر آتی تھی، تو بھی خدا پر اسکا کچھ اثر نہیں پڑتا اور نہ اس موقع کو غنیمت جانکر (العیاذ باللہ) خدا اپنی فصاحت کو ظاہر کرنے کا اشتیاق رکھتا تھا۔ اُس پاک ذات نے اگر قرآن کو عربی زبان میں اتارا تھا تو محض اسلیئے کہ عرب کی گمراہ قوم قانون خدا کو سمجھ جائے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۱۲ ۲) تاکہ مشاکو اجد کر سکے اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۴۳ ۳) اُن کا کوئی عذر باقی نہ رہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۱۴ ۴) اُن کی بہانہ سازیاں معدوم ہو جائیں اُنکو اس تشریح و تبیین کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے، اُن کے لیئے باعث تذکیر و اعتبار ہو، فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (۴۴ ۵۸) مقصد راس بشارت ہو، فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (۱۹ ۹۷) اس سے زیادہ قطعاً اور قاطعۃً کچھ نہیں اگر مسلمانانِ عالم اس پر بھی کسی مضحکہ انگیز وہم میں گرفتار ہیں اور قرآن کو کسی عربی ہزل گو یا ہندی تُک بند کا مجموعۂ کلامات سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں اس سے کلام الٰہی کی عظمت اور صداقت میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں آتا۔

اس میں شک نہیں کہ ہر وہ کتاب جس کا منشا علم و یقین کی طرف رہنمائی کرنا ہو، جو صدق نیت اور خلوص دل سے لکھی گئی ہو، جو سر تا پا راستی

۵۱ مطالب کے لیئے دیکھو متن صفحہ ۶۱-۶ ۵۲ دیکھو متن صفحہ ۶۱ ۔ ۵۳ دیکھو تحت المتن صفحہ ۴۶ ۔ ۵۴ دیکھو تحت المتن صفحہ ۵۷ ۵۵ اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر محض اس لیئے آسان کر دیا ہے کہ تم اس کے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والی قوم کو خوشخبری کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور نفاق پرور قوم کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔

خوفِ احکم الحاکمین کے حلقۂ اثر میں لاکر کالعدم کردیا سب فرقہ بندیاں اور نفاق آرائیاں جڑ سے اکھاڑ دیں، صدیوں کے دشمن دوست کردیئے، سینوں کی کدورتیں نکال پھینکی ہیں، دلوں سے کینے یکسر اُچک لیئے، اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَۃٌ (۴۹ : ۱۰) کا لشکر انگیز فرمان بارگاہِ خداوندی کے ہاں سے دکھلاکر چند برسوں کے اندر اندر محکوم اور شکست زدہ اہل عرب کو فرماں فرمائے عالمیان اور بادشاہ وقت بنادیا!

یہ سب کچھ اسلام اور قرآن کا ناقابل انکار معجزہ تھا مگر عرب کی جبلّت اور طینت کو کون بدل سکتا تھا؟ وہ عادتیں اور خاصیتیں جو اُن کی فطرت میں ہزار در ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں اُنسے رخصت ہوکر اپنا نقش پا نہ چھوڑتیں؟ وہ مِلّی اوصاف جو قرنوں اور صدیوں پہلے اُنکی مٹی میں خمیر ہوچکے تھے، اُن کے طبعی میلانِ کار کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے؟ قرآن کی قاطع الظن اور متحد الاعمال تعلیم کی فدایانہ تعمیل میں عرب اپنی ظاہری عبادات اور مرسومات کو بدل سکتے تھے، اپنی آبائی روایات اور اعتقادات کو بادی النظر میں چھوڑ سکتے تھے، اپنے داخلی مناقشات اور قبائلی تنازعات کو علی رؤس الاشہاد محو کرسکتے تھے، بلاغت اور فصاحت کے ذاتی اِدّعا کو بھی طوعاً و کرہاً خیرباد کہہ سکتے تھے، مگر طبائع کے باطنی رُجحان اور اصلی طریق تخیّل کو ہرگز نہ بدل سکتے تھے۔ اُنکا مسلک وہم و خیال یونان کی قدیم وہمی روایات سے ہزارہا سال قدیم تر تھا۔ اُنکی قبائلی زندگی کی بُنیاد روزِ آفرینش سے اِسی انداز پر چلی آتی تھی۔ وہ اِسی وہمی اور اعتقادی ماحول کے بگڑے ہوئے طفلاک، اور اِسی فرقہ آرائی اور انتشار کے کُہنہ مشق استاد تھے۔ اِس بنا پر اُن میں کسی حقیقت کشا علمی صداقت یا عافیت انگیز

ملہ ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۹۶) اور حقیقت پرستی ہو، جس میں واقع الامر کی تائید اور صراطِ مستقیم کی تاکید ہو، جس کا منتہائے نظر انسان کو اس کا راہ راست دکھانا اور اجتماعی ہلاکت سے حتی الوسع بچانا ہو، ہر ایسی کتاب خود بخود اپنے زورِ بیاں کے باعث، اپنی صداقت اور عمقِ نظر کی وجہ سے بلیغ بلکہ بسا اوقات فصیح بھی بن جاتی ہے، لیکن اس بلاغت اور فصاحت کا شاعرانہ تکلف اور آورد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اِسی معنوں میں قرآن حکیم بھی بلیغ ہے جیساکہ آگے چلکر جا بجا واضح ہوگا۔

بہرنوع محولہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کے متعلق شاعرانہ فصاحت کا دعوٰے سرتاپا اہل عرب یا مسلمانانِ عالم ہی کی ایجاد ہے۔ صاحب القرآن کو اِس سے کوئی تعلق نہیں۔

معاشری آئین کا معناً اور اصالتہً رائج ہوجانا ازبس متعذّر تھا۔ اسی قطعے کی ایک متفرق اور راندۂ پسند نوح کی قوم، اِن سے صدہا برس پیشتر، اپنے ضعف ایمان اور طغیان کے باعث غضب الٰہی کے تنور میں دردانگیز طور پر غرق ہوچکی تھی؛ (سورۂ ہود ۱۱: ۲۵-۴۹)؛ اسی جزیرۃ العرب کے ایک حصّے میں عاد و ثمود کی احکامِ الٰہی سے متذبذب اور آیاتِ خدا کی مکذب قومیں بالآخر اللہ کے عذاب غلیظ اور صیحہ سے دوچار ہوئی تھیں (سورۂ ہود ۱۱: ۵۰-۶۰)؛ اسی دیار کے بسنے والے اصحاب مدین، صدیوں پیشتر کم وزنی اور شرک کرتے کرتے غضب الٰہی کی چیخ کے شکار ہوگئے تھے (سورۂ ہود ۱۱: ۸۴-۹۵)؛ اور وہ دراصل اسی مٹی میں رہنے والے وہم زدہ لوگ، اور قریب قریب اسی آب و ہوا میں پلے ہوئے فرقۂ بند آدمی تھے جنھوں نے وادیٔ سینا میں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت بیضا کو ہاتھ میں لیکر، اُنکی غیبت میں اپنی پُرانی عادت کے مطابق اللہ سے انکار، اور بچھڑے کی پرستش شروع کردی تھی (سورۂ اعراف ۷: ۱۴۸-۱۵۲)؛ نہیں بلکہ وہ ابھی عرب کے ہم اصل (سامی) اور قریب النسل (عبرانی)، ہم مشرب اور ہمسائگت میں رہنے والے بھائی بند تھے جنھوں نے حکومت، فارغ البالی، زرخیز زمینوں، معتدل آب و ہوا، چشموں اور نہروں اور انواع و اقسام کے طیبات رزق کی بے قدری کرکے بالآخر ذلّت و مسکنت کی وہی پُرانی طرزِ معیشت کو پسند کرلیا تھا؛

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ (۲: ۶۱)

اور اے بنی اسرائیل! کیا تمھیں وہ وقت یاد ہے جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ! اب تو ہم ایک ہی قسم کے ان اچھے اچھے کھانوں اور اس سرزمین کے شکار وغیرہ سے تنگ آگئے ہیں تو آپ ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ شیریں درخت علاج اور شیر (من و سلویٰ) کی بجائے ہمارے لیئے زمین سے جو چیزیں اُگتی ہیں، یعنی ترکاری اور ککڑی، گیہوں اور مسور اور پیاز، پیدا کرے۔ موسیٰ نے کہا کیا تم فضیلت اور حریت کے اس مقام رفیع کو چھوڑ محکومیت اور افلاس کی ادنیٰ معاشرت کو پسند کرتے ہو؟ اچھا، یہاں سے کسی متمدن شہر کو چل پڑو جہاں کی حاکم قوم تم کو

فلاحت اور زراعت میں لگا دے گی، اور تم کو وہی کچھ مل رہے گا جو مانگتے ہو۔ یہاں پر ذلت اور محتاجی لیس دی گئی اور وہ خدا کے قاہر کے غضب میں آ گئے، یہ سب اس لیئے کہ انہوں نے خدا کے ستودہ کہے والے احکام سے غفلت برتنی شروع کر دی تھی، اور رسُل کو ناحق قتل کیا تھا، اور پھر اس لئے کہ اپنے امیر جماعت کی نافرمانی کی تھی اور کاہلی، کام چوری، اور ناقدرشناسی میں حد سے زیادہ تجاوز کیا تھا۔

صدر اسلام کے اہل عرب نے بلاشبہ صاحبؐ شریعت کی زندگی میں ہی کلام الٰہی کے آگے سربسجود ہو کر اپنا سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا؛ وہ سارے کے سارے ایک اقل قلیل مدت میں ماسوی اللہ کے قطعی منکر، اور خدا اور رسول کے قطعی مطیع ہو گئے تھے؛ قرآن اُن کا واحد منتہائے عمل، اور کتاب خدا اُنکی ایک جمع لا ؕگاہ نظر بن گئی تھی؛ اُسکے محض ابتدائی اصول پر بے دھڑک اور بلا تامل عمل کرنیکے شکرانے میں منعم لم یزل نے دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت، اور زمین کی وسیع تر وراثت اُن کو سپرد کر دی تھی؛ وہی نہروں والے جنات جنکا وعدہ، بادی النظر میں خدا نے آخرت میں کیا تھا، قرآن کے مبادیات اور ایمان کے حرف اوّل پر بیجا با عمل کے عوض میں اُن کو اس دنیا میں ہی مل گئے تھے؛ اُن کے مشعلستان ایمان و دل، اور محشرستان عمل جگر، اُن کو چند برسوں[*] میں ہی سمندروں کے پار، عراق عرب کے میدانوں، افریقہ کی تپتی ہوئی ریتیوں، اور اُندلس کی خوشگوار چوٹیوں پر لے گئے! یہ سب کچھ اہل عرب کی بے نظیر خوبیوں کا ایک منظر تھا مگر جب زمین کی بادشاہت مل گئی، اور امن کے لازمات حاصل ہو گئے تو سلطنت کے تمکن و استقرار کیلئے قرآن میں استدلال اور اجتہاد ناگزیر ہو گیا، عرب کی مختصر سیاسیات میں توسیع اٹل نظر آئی؛ تب اسلام کے یہ جاں باز

---

[*] ایک مورخ نے تخمینہ لگایا ہے کہ رسول خدا کی وفات (سالہ سنہ ۱۱ھ ۶۳۲ء) کے بعد بارہ برس کی مدت میں (گویا فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت کے اختتام (سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء) تک) مسلمانوں نے چھتیس ہزار شہر اور قلعے اپنے قبضے میں کر لیئے تھے۔ چار ہزار بتخانوں اور ہیکلوں کو اپنے تصرف میں لا کر مسجدوں میں تبدیل کیا۔ گویا اسلامی افواج کی اوسط رفتار تقدم مسلسل بارہ برس تک یہی کہ ایک دن میں نو شہر یا قلعے سر کر لیتے تھے؛ جو آج کسی قاہر یورپی فوج کے لیئے از بس متعذر ہے۔ خود المانیہ، اپنی بایں ہمہ امتثال محمدیت کے باوجود، حال (یعنی سنہ ۱۳۳۳ھ سنہ ۱۹۱۴ء) کے محاربہ عظمٰی میں اس رفتار کے عُشر عشیر تک بھی نہ پہنچ سکی۔ اور یوں تو دول یورپ کے برخلاف جارحانہ تقدم چند مہینوں تک قائم رکھنا بھی اسکے لیئے بالآخر پیام موت بنکر رہا۔ حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا۔ ہجرت کے ایک سو برس بعد تک مسلمان بڑی دنیا کے تینوں براعظموں میں پھیل گئے؛ ایشیا میں دریائے اٹک کی حدود اُنکے ایک طرف، اور یورپ میں فرانس کے جنوبی اور وسطی میدان دوسری طرف سے، افریقہ کا تمام شمالی علاقہ بھی اُنہی کے دست قدرت میں تھا، گویا ماسوا روما الکبریٰ کی سلطنت کے قریب قریب سب ہی دنیا پر اُن کا تسلط ایک صدی کے اندر اندر ہو گیا تھا۔

فدائی جو اپنے تمدن کی تمام اگلی روایات اور کلیات کو خدا کی راہ میں متروک کر چکے تھے، اسکے وقیق مطالب کی طرف متوجہ ہونے لگے؛ کچھ عرصہ قرآن کی جمع و ترتیب میں صرف ہو چکا تھا، کچھ اور تصریف کتابت میں خرچ ہوا؛ نقاط اور حرکات ایجاد کی گئیں*، مگر اعراب کے استعمال سے معانی کی نوعیت کے متعلق ایک علیحدہ اور انوکھا اجتہاد قائم ہونا شروع ہوا؛ عرب اپنی وہمی نفاق آرا، اور مجادلانہ طبیعت سے مجبور ہو کر اس جد و جہد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے؛ تلفظ کی زیروں اور زبروں اور اختلاف معانی پر تراکیب الفاظ اور تغیرات عوامل پر مستقل مناظرات ہونے لگے؛ کوفے اور بصرے میں نحویوں کے دو مقتدر اور متخالف گروہ قائم ہو گئے۔ اِن فساد آفرین مجاہدوں میں، تلاش سند کے بہانے سے عرب قبائل کی مختلف لغات اور جاہلیۃ کا سارا علم ادب مدوّن ہو گیا؛ راویوں کی مختلف جماعتیں جاہلی اور مخضرمی شعرا کے رطب و یابس سب ابیات اور قبائل کی جھوٹی سچی سب روایتیں پیش کرنے لگیں۔ اُدھر عرب کی ارباب ذوق، نازک اور ظنی طبیعتیں قرأت کے سطحی اختلافات کی بھی متحمل نہ ہو سکیں؛ علما کا ایک پُر مغز گروہ اختلاف قرأت، رموز او قاف، اور ترتیل قرآن کی طرف لگ گیا۔ فصاحت و بلاغت کی ان مُہلک یا وہ دانیوں میں عرب جو اپنا بیشتر اعتقاد قرآن کی بے مثال فصاحت ہی پر رکھتے تھے، اور جو اپنی قادر الکلامی اور سخن شناسی کے کبھی منکر نہ ہوئے تھے، اِسی ناگوار اجتہاد کو اسلام کی بہترین خدمت سمجھنے لگے۔ شعر و سخن کی اِن دلدادہ طبائع، اور وہم و وسوسہ کی اِن مجبور فطرتوں میں کلام خدا کی محبت نے استدلال کی

* قرآن کی مختلف سورتوں کی آیتوں کی داخلی ترتیب خود صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی میں کر دی تھی، مگر ایک مدت تک یہ سورتیں علی الحساب اہل عرب کے سینوں کے اندر محفوظ رہیں اور کتابت قرآن کا سوال پیدا نہ ہو سکا؛ غزوہ یمامہ کے بعد جب حضرت عمرؓ نے خلیفہ اول کی توجہ جمع قرآن کی طرف لائی تو صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ کی وساطت سے قرآن کو جمع کیا لیکن اس وقت سورتوں کی باہمی ترتیب کا خیال غالباً نہیں کیا گیا۔ خلیفۂ ثالثؓ (المتوفی ۳۵ھ ۶۵۵ء) کے عہد میں سورتوں کی مستقل ترتیب عمل میں آئی جو آج تک قائم ہے۔ پہلے پہل قرآن کی کتابت شاید حمیری خط میں تھی۔ پھر اس کے بعد کچھ تصرف کر کے کوفی خط کو لے لیا۔ بعد ازاں زیر، زبر، پیش، حزم، وغیرہ وغیرہ حرکات اور نقاط ایجاد کیے گئے اور اس خط کو اور بھی ترقی ہوئی۔ پھر دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جب مسلمانوں نے اندلس اور افریقہ کو فتح کر لیا اور آخر مصور نے ۱۴۵ھ ۷۶۲ء میں بغداد پر قبضہ کر کے اُس کو علوم عربیہ کا مرکز بنایا تو خط بغدادی کی ابتدا ہوئی جو آج بعض اہم تبدیلیوں کے بعد ہر جگہ جاری ہے۔

بجائے الفاظ بینی اور ظاہر نوازی، اور اجتہاد کی جگہ خیال آرائی اور بلند پروازی از خود پیدا کر دی؛ فصاحت پرستی صحیح معنوں میں از سرِ نو شروع ہو گئی! قرآن ہی سے ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی گئی کہ انسانوں اور جنوں کا متفق گروہ بھی اسکی ایک سورت جیسی فصیح و بلیغ "تصنیف" پیدا کرنے سے متعذر ہے؛† وَمَا

---

† سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ (۱۷ : ۸۸)

اے محمدؐ! ہم علی الاعلان کہہ دو کہ اگر اس جہان کے سب جن و انس بھی اس بات پر مجتمع ہو جائیں کہ اس قرآن عظیم کی مانند ایک دوسرا قرآن بنا لیں تو ہرگز اس جیسا نہ لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر تلے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں۔ (جن کی تشریح اپنے موقع پر آئے گی یہاں اس سے بحث نہیں)

یہاں ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی فصاحت یا عبارت آرائی کے متعلق ایک حرف نہیں کہا گیا۔ کیونکہ اگر مقابلہ فصاحت ہی میں تھا تو تمام دنیا کے جن و انس کو دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی، صرف قادر الکلام اہل عرب ہی کو بلایا ہوتا جن کا مقابلہ کچھ معنی بھی رکھ سکتا تھا پس جب دعوت عام ہے تو موازنہ بھی لامحالہ کسی ایسی خوبی کا ہے جسکے متعلق ہر شخص حتی المقدور کچھ نہ کچھ دعوے کر سکتا ہے اور وہ خوبی علم، حکمت یا ہدایت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی۔ اس امر کا تصفیہ کہ محولہ بالا آیت (۱۷ : ۸۸) میں مِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ کے الفاظ سے ٹھیک کن معنوں میں مثیل قرآن کے ممکن نہ ہونے کا دعوےٰ کیا گیا ہے، سورۂ انفال کی ایک اور آیت سے بھی ہوتا ہے جو اس لحاظ سے از بس معنی خیز ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (۸ : ۳۱)

اور ان نابکار اہل عرب کے انکار کی یہ شان ہے کہ جب ہماری آیتیں انکو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو فوراً اٹھتے ہیں کہ ہاں ہاں ہم نے محمدؐ کے قرآن اور اسکے دعوئے پیغمبری کی حقیقت کو خوب سمجھا (قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا)، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ہی یا اسی قسم کی باتیں بنا لیں (لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا)، اس میں رکھا ہی کیا ہے، یہ تو وہی ڈھکوسلے ہیں جو اگلے لوگ ہم کو ہمیشہ سے سناتے چلے آئے ہیں۔

یہاں ظاہر ہے کہ مِثْلَ هٰذَا کا اشارہ قرآن حکیم کے نفس موضوع اور مشمولہ حکمت اور ہدایت ہی کی طرف ہے جس کی منکرین عرب نے اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کہہ کر تضحیک کرنی چاہی ہے۔ اگر ادبی اور لفظی خوبیوں کی طرف اشارہ ہوتا تو اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کے الفاظ بے موقع اور بے معنی تھے کیونکہ اساطیر کے لفظ سے غیر فصاحت کے معنی قطعاً نہیں نکلتے اور نہ اوّلین سے مراد پرانے ادباء اور فصحا کی جماعت ہو سکتی ہے۔ انہی معنوں میں مِثْل کا لفظ سورۂ طور کے اندر واقع ہوا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ○ (۵۲ : ۳۳-۳۴)

تو کیا لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لایا ہے۔ یہ ان کام چوروں کے لنگ عذر اور کٹ حجتیاں ہیں، اصل بات یہ ہے (بَلْ) کہ وہ سرے سے ایمان لانے کی نیت ہی نہیں رکھتے (لَا يُؤْمِنُوْنَ) (کیونکہ ایمان لانے کے ساتھ ہی قرآن پر عمل کرنا انپر واجب ہو جاتا ہے) اور ویسے اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی تو لے آویں۔

یہاں بھی صاف طور پر قرآن کا مثل شعر و فصاحت میں طلب نہیں کیا گیا بلکہ مقصود اسکے مضامین کو قدر و قیمت میں برتر ثابت کرنا ہے۔ اسکے شعر ہونے سے انکار تو آیتیں پہلے اسی سورۃ میں ہو چکا ہے اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ○ (۵۲ : ۳۰) یعنی کیا لوگ رسول خدا کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ تو محض ایک شاعر ہے جس نے اپنے زور تخیل کے باعث چند جوشیلے مرید پیدا کر لیے ہیں۔ اسکی واہ واہ تبھی تک ہے جب تک وہ زندہ ہے، اور ہم تو اس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اسکو آ دبوچے اور اسکی ساری ترانیاں خاک میں مل جائیں۔"

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ[1] ○ (۶۹ ۴۱-۴۳)

متن و عبارت کی خوبیاں، اور نطق کی گہرائیاں پیش نظر ہو گئیں؛ فصاحت کے عاشقوں کی ایک جماعت بلاغت کو مستقل فن بنانے میں مصروف ہو گئی؛ قرأت اور ترتیل کے موضوعہ اُصول کی بنا پر ادنیٰ سی ماندگی کے عوض میں، عرب و عجم سب کے لئے، اللہ کی سرکار سے دردناک سزائیں مقرر ہوئیں۔ آہ! لیکن ان مجاز پرستانِ دین کو اس اعتنا و اہتمام کے باوجود یہ کہنے کی توفیق ہرگز عطا نہ ہوئی کہ قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھنے کی حقیقی غایت خدا کے نزدیک صرف اس قدر ہے کہ اُسکی ایک ایک آیت کے مطالب عوام کے دلوں پر کالنقش فی الحجر ہو جاویں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ[2] وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ○ (۲۵: ۳۲)

اور منکرین دین جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے کیوں نازل نہیں ہوا تو انہیں کہہ دو کہ فی الحقیقت یہی مناسب تھا کیونکہ ہم اس کے مطالب تمہارے قلب پر دل نشین کر کے تمہیں مطمئن کرنا چاہتے تھے اور اسی وجہ سے ہم نے اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُتارا۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ○ (۱۷: ۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیئے اُتارا کہ تم وقتاً فوقتاً مہلت کے ساتھ اُسے لوگوں کو پڑھکر سناؤ اور اسکے مطالب دلنشین کر دو، اور اسی مصلحت سے ہم نے اُسے رفتہ رفتہ اتارا۔

---

[1] اور یہ قرآن کسی شاعر کا کلام تو ہے نہیں، افسوس کہ تم اسکی حقانیت پر بہت کم ایمان رکھتے ہو جو اسے قول شاعر قرار دیتے ہو۔ یہ کسی کاہن کے ڈھکوسلے ہیں افسوس تم اس سے بہت کم نصیحت پکڑتے ہو جو اسے ایسا سمجھتے ہو۔ یہ تو پروردگار عالم کی طرف سے اُترا ہوا کلام ہے۔

✝ یہ تیسرا موقع ہے کہ قرآن کے شعر ہونے سے صراحت تمام انکار کیا گیا ہے۔ ایک موقع ابھی ابھی صفحہ ۱ پر اور ایک صفحہ ۳۴۶ پر گذر چکا ہے۔

[2] یہ آیہ جلیلہ صفحہ ۳۴۶ پر پہلے بھی آچکی ہے مگر اُس جگہ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ کے مطالب کی تشریح نہیں کی گئی تھی۔ سورۂ ہود کے اخیر میں ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (۱۱: ۱۲۰)

اور یہ سب جو کچھ ہم تمکو اپنے گذشتہ پیغامبروں کے حال بیان کرتے ہیں، (اُنکی کامیابیوں اور دشمن کی ناکامیوں کی اطلاع دیتے ہیں) اس سے غرض و مطلب یہی ہے کہ ہم تمہارے دل کو مضبوط کر دیں، تمہارے عزم کو مصمم کر دیں (مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ) قانون خدا کی اہمیت کو واضح کر کے تمہارے دل کو اُسکی صداقت کے بارے میں مطمئن کر دیں (مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ) اور نہیں شک نہیں کہ تمہیں اس موضوع کے اندر ایک عظیم الشان حقیقت (اَلْحَقُّ) منکشف کر دی گئی ہو (جو تمہارے آیندہ طرز عمل کیلئے مفید ہوگی) اور علاوہ ازیں ایمان والوں کے لیے بھی اس سورت میں نصیحت اور عبرت ہو۔

حقیقت کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں مگر یہ امر ظاہر ہے کہ نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ کے معنی دل کو مطمئن کرنے کے ہیں۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ (۷۳، ۴)

اور قرآں کو خوب سوچ سمجھ کر پڑھا کرو۔

ظاہر پرستی کے ان لاانتہا اور شبانہ روز مشاغل کے باعث قرآن کے مطالب میں حقیقی تدبر محال تھا۔ اسلام کی دماغی قوت کا بہترین حصّہ اس دردناک طور پر ضائع اور منتشر ہوتا گیا۔ قرآن کی درس و تدریس تمام عالم اسلام میں انہی اصول پر ہونے لگی۔ اس اثنا میں جمع و تدوین احادیث کے نئے نظریے نے اجتہاد کا رُخ ایک اور ہی طرف بدل دیا۔ سینکڑوں محافظین دین تسلسل و تواتر کے ناممکن اور غیر یقینی اجتہاد میں مصروف ہوگئے۔ راویانِ احادیث کے حسب نسب اور نامہ ہائے اعمال کی ایک نہایت وضعی مگر پُر از کار تحقیق شروع ہوگئی۔ احادیث کی صحت کا معیار اہلِ عرب نے پھر اُسی عقیدتمندی اور غلبۂ وہم کی بنا پر، کتاب الٰہی سے تطبیق یا کم از کم عدم تضاد کی بجائے، رُواۃ کے ذاتی اعتبار کو قرار دیا۔ دینی اور خدائی معاملات میں اس نارِوا ارادت کا اظہار، اور نسیان کار انسان سے یہ عقیدتمندانہ سلوک عرب کی ظاہر پرستی اور ناحقیقت شناسی کی ایک اور دلیل تھی جسکا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ قسم قسم کی احادیث، موقع اور مطلب کے نباہنے کے لیے معتبرین کے نام پر موضوع ہونے لگیں حتّٰی کہ ان کی چھان بین محال ہوگئی، اور بے حد قیمتی وقت صرف ہوا کلام الٰہی کے مطالب میں براہ راست اجتہاد اُسیقدر کم ہوتا گیا، اور ضمناً مسلمان ایک حسرت انگیز طریقے پر، قرآن کے ناقص اور غیر مکمّل، مغلق اور غیر مشرّح ہونے کے خاموش قائل ہوگئے*!

درحقیقت اِس تمام سطحی جدوجہد کے بروئے کار نہ آنے کی اصلی وجہ اہلِ عرب کا طریق تخیّل تھا۔ عرب کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں اُن کا واسطہ تخیّل کی دو ہی شقوں سے پڑتا رہا۔ شاعرانہ شق کی بنا پر انہوں نے قرآن کے ظاہری محاسن کو دیکھنا شروع کیا اور بالآخر اسکو کمال پر پونہچا دیا، عجیب و غریب رسمی علوم ایجاد کرکے اسکے صنائع اور بدائع کی مکمّل تدوین کی، نصّ قرآن کو ایک زیر و زبر کے اختلاف سے پاک کرکے

* احادیث کے معیارِ صحت کی حقیقت اور متعلقہ معاملات کے بارے میں ایک مبسوط بحث عنقریب تیسری مجلد میں آئے گی۔

ابد الآباد تک انسانی تصرف سے محفوظ کر دیا۔ اوہامی شوق کی بنا پر عرب نے قرآن کے باطن میں بھی استدلال شروع کر دیا تھا مگر چونکہ طبائع میں غیب کی باتوں سے الفت تھی، اور کہانت، وسواس، ظن، اور ضربیت کے عناصر غالب تھے اِس لیئے کتاب الٰہی کو کھولتے ہی اُن کا خیال ماہیت خدا، حقیقتِ نبوت کیفیتِ وحی، ملائک و جنات، موت و مابعد الموت، بہشت و دوزخ وغیرہ وغیرہ، کی طرف معًا منتقل ہو گیا۔ یہ سب موضوعات لامحالہ اس نمط کے تھے کہ اُن کے متعلق تخیل کی بلند پروازی بدرجہ اتم ہو سکتی تھی ظن و تخمین کے ان معاملات پر عرب اور عجم نے دل کھول کر بحثیں کیں، جاہلیہ عقائد کے اکثر لازمات کو اسلامی لباس پہنا کر ان اتھاہ مضامین میں خلط بحث کر دیا۔ مگر چونکہ ازمنہ جاہلیہ کے عقائد، یونانیوں کے علم الاصنام کی غیر مانند، مدوّن بھی نہ ہوئے تھے، خود قبائل میں پہلے سے ہی ان ظنیات کے متعلق بے انتہا تفرقہ موجود تہا، اور اُن کی صحت کی تائید یا تردید بھی قرآن سے نہ ہو سکتی تھی، اسلیئے اس نوع خیال کا لازمی نتیجہ **فرقہ بندی ہوئی**، عرب نے اِس حادثہ عظمیٰ سے بہت پہلے مسئلہ امامت کے متعلق ایک غیر اسلامی اور جاہلی عقیدے کی بنا پر تفرقہ ڈال کر، اسلام کو دو ناقابل وصال گروہوں میں تقسیم کر دیا تہا، مگر اب ظنی اجتہاد سے اِلٰہیات کی سطحی موشگافیاں کر کے، ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن کے بارے میں بھی عقائد و آرا کا دردناک اشتات پیدا کر دیا؛ کَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ۚ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔـلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۙ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ [1] (۱۵، ۹۰-۹۳)۔ جامع المتفرقین خدا نے، جو مسلمانوں کی ایمانی اور عملی دونوں

[1] یہ قرآن تو گویا ہم نے کسی اور قوم پر نہیں اتارا کہ وہ سارے کو من عن مانکر اسکے مطالب میں تطابق قائم کریں، بلکہ دراصل اس تفرقہ آرا قوم کی طرف اتارا ہے جو حسب خاطر اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لینے والے ہیں۔ لیے اپنے حصے کو علیحدہ کر کے تفریق پیدا کرتے ہیں۔ پس تیرے پروردگار کی قسم کہ ہم ان سے اُن کے ان بداعمال کی ضرور باز پرس کرینگے!

* قرآن کو عِضِیْن (ٹکڑے ٹکڑے) کرنیکے معانی یہی ہیں کہ اُسکے کسی ایک حصے کو لیکر اپنے مطلب کے معنی پیدا کر لیا، اسی پر اپنی کل توجہ صرف کر دیا، اور باقی حصوں کو نظرانداز کر کے فرقہ بنا لیا، حتیٰ کہ آج ہر اسلامی فرقے کا شیوہ عمل بن گیا ہے گویا فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ (۲۳، ۵۳) کا مصداق ہیں جسکی تشریح صفحہ ۹۴ پر گذر چکی ہے۔ یہ طریق تحلیل ظاہر ہے کہ کسقدر مہلک ہے جبتک کسی تصنیف کا تمام لائحہ عمل پیش نظر ہو، اُسکے کسی ایک حصے کے ٹھیک معانی انسان جیسے ہو سکتا ہو، مسلمانان عالم نے کتاب اللہ کو اسی نقطہ نظر سے دیکھکر اپنے اپنے فرقے بنا لیئے ہیں اسی لیئے آج انہیں دردناک پرسش ہو رہی ہے۔ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔـلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۙ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۱۵، ۹۲، ۹۳) ضمناً ان آیات الٰہی سے یہ بھی تشریح ہے کہ قرآن حکیم فی نفسہ تمام کا تمام مربوط ہے، اور یہ انسان ہی ہے جو آیات کے حسب مطلب معانی بیان کر کے اُنکو بے ربط کر رہا ہے، لیکن یہ حقیقت آسوف اطہر من الشمس ہو گی جب تذکرہ ہر ایک سورت کو اس کتاب میں مربوط المعانی ثابت کر دیا جائے گا۔

زندگیوں کو چٹان کی طرح مضبوط دیکھنا چاہتا تھا، لامحالہ ظنّ کے اسی ناہموار نتائج کو پیش نظر رکھکر، اسکی بعض قسموں کو قطعی طور پر گناہ قرار دیا تھا، مگر قرآن کریم کے ان عظیم الشان مقاصد تک پہنچنے کے لیئے تابعین عرب کو اسکی آیات میں حقیقی تامل اور تدبر کی ضرورت تھی!

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (۴۹ ۱۲)

اے ایمان والو اکثر قسم کے ظنّ سے بچتے رہا کرو، کیونکہ بعض ظنّ و خل گناہ ہیں۔

اسلام کی ارضی سلطنت کے استمرار و تمکن کے لیئے یہ فساد آفرین مباحث کس طرح مفید ہو سکتے تھے قرآن کے متعلق ان لفظی تنازعات اور سطحی کج بحثیوں میں ہی مسلمانوں کی زندگی کے کم و بیش دو سو برس صرف ہو گئے۔ اس اثنا میں حفاظت قرآن کے مفید اور بے مثال عمل کے ماسوا عرب تخیل کا ایک دیگر یہی نتیجہ ہوا کہ کلام الٰہی کی درس و تدریس کے ضمن میں عوام کے سامنے جاہلیۃ کا سارا علم ادب، اُن کی طرز معاشرت، اُن کی روایاتِ واہیہ، اُن کے اوہامِ باطلہ، اور اُن کا دیرینہ اخلاق مدون ہو کر التزام کے ساتھ پیش نظر ہو گیا۔ ان بے سود تصریحات اور ناگوار انکشافات کے سم آلود اثر کے باعث، اسلام کی تعلیمِ اعتقاد میں صدہا غیر متعلق اور مفروضہ باتیں از خود دخیل ہو گئیں۔ قرآن کا سب سے بڑا معجزہ اسکی جید عبارت اور حسن بیان میں منتقل ہو گیا! اسکی تلاوت عرب سخن فہمی اور زباں نوازی کی بہترین داستان بن گئی۔ پھر فصاحت اور نغز گوئی ہر خاص و عام کا مستقل بلکہ مستند شغل ہو گیا۔ عرب و عجم قیل و قال میں، تحریر و تقریر میں، زباندانی کا اہتمام ذوق و شوق سے کرنے لگے۔ اُدھر قرآن کی فرضی تائید پر جنات اور ملائکہ کے متعلق عقائد کی تدوین ہونے لگی۔ بہشت اور دوزخ کے مختلف مقامات اور مدارج وضع کیئے گئے۔ عذاب قبر کی تشریحوں کے متعلق کلام الٰہی سے دور از کار استناد کیا گیا۔ ماہیتِ خدا، حقیقتِ نبوت، کیفیتِ وحی وغیرہ کے مختلف نظریوں کے باعث، قرآن، رسول، بلکہ خدا کے متعلق بھی طرح طرح کے توہمات و شکوک عوام میں پھیل گئے۔ قرآن کی اکثر آیات میں عجیب و غریب تاویلیں ہونے لگیں۔ بدعت کا عام اجرا ہو گیا۔

پھر قیاس کے اِن بے نتیجہ مجادلات، آرا کی اس عام کشاکش، اور الفاظ وحی کے جاذبی اثر کے باعث عوام کے غیر مطمئن اور تشنۂ نتائج دل کہانت کے جاہلی عقائد کی طرف از خود مائل ہو گئے۔ قرآن کا مطالعہ محض رسم و تبرک کے طور پر رواج پاتا گیا۔ کلام الٰہی کے الفاظ میں غیبی برکت اور طبی تاثیر مانی جانے لگی۔ تمام پرستی اور زیارت قبور کی جاہلی علامات نمایاں ہونے لگیں، فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ[1] (۹، ۷۰)۔ پھر آئندہ احوال اور خانگی معاملات، حتّٰی کہ ملّی اور بین الملّی مناقشات کی پیش بینی کی غرض سے کلام خدا سے تفاؤل کیا جانے لگا! احادیث نبویؐ اور حروف مقطّعات قرآنیہ سے زوال و بقائے قوم، مدّتِ قیامِ عالم، اور بقائے اسلام کی تشریحیں نکالی گئیں! سحر و طلسمات کا وجود قرآن سے غلط مستنبط کر کے، اور حلول جنّات وغیرہ وغیرہ جاہلی عقیدوں کا منفی ثبوت✝ غیر متعلق اور دور از کار آیات سے از سر نو نکالکر عجیب و غریب فریب سے اُن کی قرآنی تحریم و تردید کی نوعیت بدل دی! انہی مراسم جاہلیہ اور عقائد واہیہ کی تجدید کے سلسلے میں مُسلمانوں کو نجوم کے مفروضہ اعمال سے بھی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ آثار کواکب جاہلیہ عقائد کی تائید، ایک نہایت شرم انگیز طریقے سے کلام خدا کی وساطت سے کی جانے لگی۔ بعض فرقِ صوفیا نے بھی تنجیم کے ان متعدی اور ہلاکت انگیز اثرات میں پابگل ہو کر، طبائع کوکبی اور اُرواح فلکی، کو مظاہر اسمائے الٰہی فرض کیا، اور مکر و دروغ کے خجالت آفرین ڈھکوسلے اُسرار الحروف کے نام سے وضع کیئے! تیسری صدی کے اخیر میں زیدیہ اور رافضیہ فرقوں نے امام جعفر صادق علیہ الرحمۃ کی تقلید کے بہانے سے کلامِ الٰہی کو قطعاً ناقابلِ فہم قرار دے کر، اسکے اسرار و رموز کا حلّ جفر اور رمل سے مناسب

---

[1] تو اللہ ان پر ظلم نہیں کرتا تھا بلکہ وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے تھے۔

✝ اس منفی ثبوت کی ایک مثال صفحہ ۹۳ آیہ (۷۔ ۱۸۴) میں گذر چکی ہے۔ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ سے بعض خوش اعتقادوں نے یہ مستنبط کیا ہے کہ اگرچہ رسولِ خدا میں (معاذ اللہ) جن نہیں گھسا تھا مگر عام لوگوں کے بدنوں میں جنّات کے گھس جانے کی قرآن تائید کرتا ہے! جن کی حقیقت کے متعلق مکمل بحث غالباً چوتھی مجلد سے پہلے نہ ہو سکے گی۔ مگر جستہ جستہ اشارات درمیانی مجلدات میں بھی آئیں گے۔

جاننا! اِن اوہام کی گرفت بالآخر اسقدر وسیع ہو گئی کہ عین اُسوقت جبکہ اسلامی عظمت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا، اور اللہ کی بخششوں کے خزانے مسلمانوں کو ہر طرف سے مالا مال کر رہے تھے، اسلام کا مقتدر امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، ہارون الرشید، قرآن اور اسلام کو بالائے طاق رکھکر، فلکیات کے مطالعے میں بذات خود اس نیت سے مستغرق تھا کہ آثار نجوم سے اطلاع پا کر بقائے سلطنت کی بشارت اور نزولِ حوادث کے حالات معلوم کرے!

إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ ۝ أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَن كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ† ۝ (۴۳ ۳-۵)

ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں اسلئے کر دیا تھا کہ تم اسکے عظیم الشان مطالب کو پا کر عقلمند بن جاؤ، اور یہی قرآن ہمارے ہاں ام الکتٰب میں درج ہے جو ایک بڑی بلند نظر اور پُر از حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اس وجہ سے کہ تم اس کتاب عظیم کی اصلی غرض و غایت سے دور ہوتے جاتے ہو ہم اس کو تم سے یکسر کیوں نہ اُچک لیں؟

کیا اِن اعمال کے بعد انسان کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں، کفر اور ضلالت، جہل اور ابلہی، مکر اور سیہ کاری کی اس سے بہتر اور روشن تر مثال پیدا ہو سکتی ہے جیسی کہ سلف راشدین علیہم الرحمۃ کے ان ناخلف عرب و عجم نے ظہور اسلام کے پانچ سو سال بعد تک، قرآن کے مطالب پر غور کرنے، اور اللہ کی بخشی ہوئی سلطنت کو محفوظ و مستحکم کرنیکے بہانے سے دنیا کے سامنے پیش کی؟ کیا خود ابلیس، اپنی شبانہ روز مصروف کاری، شیطانی اغوا، اور طاغوتی مکر و حیل کے باوجود، اپنے سارے نامۂ اعمال میں، اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کے دلوں پر ایک ہی وقت میں اُس کامل حکومت کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے جو ہم کے

† یہ آیات صفحہ ۶ پر گذر چکی ہیں مگر "مُسرِفین" کی تشریح اُس موقع پر چھوڑ دی گئی تھی۔ "مسخ حقیقت" کے عنوان میں اس قرآنی اصطلاح اور اکثر ایسے الفاظ کی مکمل تشریح آئے گی اور ظاہر کر دیا جائے گا کہ یہ اصطلاح قرآن حکیم میں کس وسیع اور مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہے۔ یہاں ہر صاحبِ نظر بطور خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہی معنی جو ہم نے اصل کتاب میں کیے ہیں، مطالب کو مربوط کر سکتے ہیں۔ اِن کا بعد کی آیتوں سے ربط بھی ظاہر ہے۔ "الذِّکر" کا لفظ قرآن کے معنوں میں جابجا مستعمل ہوا ہے مثلاً آیہ (۱۶ ۴۴) میں جو صفحہ ۵۹ پر آئی ہے۔ ان آیات میں خطاب تمام تر اہل عرب کی طرف ہے۔

ہلاکت انگیز عفریت، اور جہل کے موت افزا دیو نے عرب کی بے علم و ہنر قوم کو کامل طور پر مسحور کر کے قائم کی؟ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (۲ : ۲۶)[1] کیا اسلام کی ازلی صداقت اور قرآن حکیم کی ابدی حقانیت کی آڑ میں، مکر و دروغ کا یہ علانیہ جواز، ماسوی اللہ کی یہ آشکارا عبادت، اوثان جاہلیہ کی یہ فاش عبودیت، فی الحقیقت بنی اسرائیل کی پرستش عجل سے بہت بڑھکر جہالت، خودکشی، اور ظلم نہ تھا جس سے اہل عرب نے آج اس آخری دم تک توبہ نہیں کی؟ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۲ : ۵۴)[2] کیا قرآنی آیات کو بازو پر باندھ کر شفا کی امیدیں رکھنا، اسکے اوراق سے فالیں نکالکر نتائج کا چشم براہ رہنا، کلام الٰہی کے حروف کو طلسماتی فسون سمجھکر فوری اثر کا منتظر رہنا، حادثات زمانہ کو اللہ کے آسمانی کروں پر محمول کر کے غیب جاننے کی سعی کرنا، اور اس طرح پر خدا کے وجود کا بالجبر امتحان لینا، در اصل بنی اسرائیل کی خدا کے آشکارا دیدار کی خواہش، اور ان کے مشروط ایمان کے مترادف نہ تھا جسکی سزا میں بالآخر ان پر بجلی گری تھی؟ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (۲ : ۵۵)[3] نہیں، کیا پھر انہی عرب پر شدید العقاب خدا نے بنی اسرائیل کی مانند، انکے منہ ترین اعمال اور فسق و ظلم کی پاداش میں جلد ترعین ان کی سلطنت کے قلب میں ہلاکو کی بجلی نہ گرائی، اور ان کی شش صد سالہ عظمت کو تاتاریوں کے طوفان جراد سے چند دنوں کے اندر خرد برد نہ کیا؟ کیا یہی عرب آٹھ سو سال تک اندلس کے روح پرور

---

[1] بہتوں کو اسی سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت کرتا ہے لیکن گمراہ انہی کو کرتا ہے جو در حقیقت فاسق ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل کیونکر صفحہ ۔ سطر ۱۲)

[2] اور لوگو! کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے بھائیو! در حقیقت تم نے بچھڑے کی پرستش اختیار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے پس اپنے خدا کی طرف پھر آؤ، اسکی جناب میں توبہ کرو، یا اگر یہ نہیں کرتے تو اپنے آپ کو ہلاک کرو، غرق ہو جاؤ، اور مر جاؤ (فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ کا فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ†) خدا کی نگاہ میں تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ یا توبہ کرو یا مر جاؤ۔ پھر ان لوگوں نے توبہ کی تو خدا نے بھی ان کی توبہ قبول کر لی، ان پر عطا کی ہوئی نعمتیں بحال رکھیں، اُن سے کچھ مواخذہ نہ کیا، اور وہ خدا ئے عظیم بازآجانے والوں کے حق میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا، اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

[3] اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم تمہیں ہرگز فرستادۂ خدا یقین نہ کریں گے جب تک ہم خدا کو آشکارا نہ دیکھ لیں پھر تم کو بجلی نے آدبوچا اور تم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

---

† گویا فَتُوْبُوْۤا اور فَاقْتُلُوْۤا میں واؤ سے مقصود اختیار عطا ہے۔ فَتُوْبُوْۤا کے بعد اور فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ سے پہلے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا کے الفاظ مقدر ہیں۔

چشموں، سایہ دار بادلوں، دلفریب گھاٹیوں، پُرفضا وادیوں، اور حیات افزا جنّتوں میں رہ کر اللہ کی نافرمانی کے عوض میں، عبادت طاغوت کی سزا میں، ممنوعہ درخت کے پاس نہ جانے کے بدلے میں، غیب پر سے نقاب اُلٹنے کی جزا میں، اللہ کے آشکارا دیدار کی خواہش کی سرزنش میں، بالآخر اسکے زبردست ہاتھ سے بیک بینی و دوگوش اس بے آبروئی اور دُرگت سے نہیں نکالے گئے کہ آج اس داستان کو دُہراتے ہوئے پسینہ آجاتا ہے؟ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ † وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ (۲ ۵۷)[1] کیا آج آٹھ سو برس کی بے مثال حکومت اور جاہ و جلال کے بعد اُس سرزمین میں، اُن کا ایک متنفس اور ایک نوحہ گر بھی باقی رہا ہے جو اُنکی خاموش مزاروں پر سرنگوں ہو کر چار آنسو ہی بہا دیا کرے!

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ † وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ (۱۹ ۹۷-۹۸)

---

[1] اور ہم نے تمہیں ایسے قطعات زمین پر آباد کیا جہاں ابر ہم پر سایہ کئے رہتا تھا۔ اور تم کو شیریں درخت طلح اور عمدہ اقسام کے بٹیر کھانے کو دیئے، اور اجازت دی کہ جو کچھ عمدہ رزق ہم نے تم کو دیا ہے شوق سے کھاؤ۔ لیکن تم نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی تو ان لوگوں نے ہم پر کچھ ظلم نہیں کیا، وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے رہے۔

---

† یہ لغوی تشریح ہے جو جتلانے والی ہے کہ بنی اسرائیل جہاں جاتے بادل کا چھتر اُنکے سر پر رہتا تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جزیرہ نما سینا کے جن شمال مشرقی حصص میں بنی اسرائیل فتح کنعان سے پیشتر رہے وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ عین قادیش کا نام گرد و نواح جہاں چند لاکھ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام چالیس برس تک ڈیرہ ڈالے رہے ایک نہایت خوشگوار ملک تھا، آب و ہوا میدانی علاقوں سے نسبتاً بھی خنک ہے، موسمی بارش، چشمے اور دریا جابجا نظر آتے ہیں۔ درخت طلح جس کی شیرینی کو قرآن اور تورات نے مَنّ سے تعبیر کیا ہے بکثرت ملتا ہے۔ پرندوں کی بھی بہتات ہے۔ مصر اور سینا کے تپتے ہوئے بیابانوں سے نکلکر بنی اسرائیل کا ان علاقوں میں آباد ہونا اُنکے لیے نعمت غیر مترقبہ تھا قرآن نے اسی حقیقت کو "ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ" کے خوب صورت الفاظ میں ادا کیا ہے اور اگر قرآن فصیح و بلیغ ہے تو درحقیقت انہی معنوں میں کہ اسکا تمام اسلوب بیان نہایت مختصر اور مؤثر ہے، اور اس سے بہتر ادا وہم و گمان میں نہیں آسکتا۔

بنی اسرائیل کی تاریخ بیان کرنے کا موقع نہیں یہ موضوع تاریخ القرآن کا ہے جو اس کتاب کا آخری حصہ ہے اسی لیے لُکّے طلح کی تشریح کو اس موقع کیلئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

† مُتَّقِينَ کے بالمقابل تُنذِرَ اور مُتَّقِينَ کے بالمقابل قَوْمًا لُّدًّا کے الفاظ آئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ خدا کی نظروں میں مُتَّقِی قوم وہ اصل وہی جو آپس میں جھگڑے پیدا نہ کرے اور متحد رہے۔ تقاکے ان معانی کا ثبوت جابجا آگے چلکر آئیگا۔ تقوےٰ کی رائج الوقت تشریح یعنی پرہیزگاری نہ معنی اور نہ تیجہ ہے۔ اور قرآن حکیم میں اسکی کوئی سند موجود نہیں۔ اقوام کے بارے میں اسکا اطلاق اور بھی بے معنی ہے۔ جس کتاب میں ہم نے تقویٰ کے اعلیٰ معنی کر دیئے ہیں۔ لیکن اتقا کے ان معانی کی ایک جھلک صحیح و سہ کی آیہ (۲۳ ۵۲) میں صاف نظر آتی ہے جہاں مقام خدا کا ڈر اس بات پر منتج کر دیا گیا ہے کہ انسان اُمت واحدہ بنکر رہے۔ وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝ (۲۳ ۵۲) کسی آقا (رب) کا سچا ڈر یہی ہے کہ اُسکے غلام آپس میں نہ لڑیں اور نہ کوئی غیور عالم باہمی جدال کو گوارا کر سکتا ہے۔

اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر محض اس لیئے آسان کر دیا ہے کہ تم اسکے
ذریعے سے خدا سے ڈرنے والوں کو خوشحالی کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور اکھڑ قوم کو عذابِ خدا سے
ڈراؤ۔ اور ہم ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں کیا اب تم اُن میں سے کسی کو بھی دیکھ رہے ہو
یا اس کی بھنک تک بھی سُنتے ہو!

آج یہی اللہ سے نڈر اور جھگڑالو قوم جس نے دین کی ہر جزوی بات میں پھوٹ، اور ہر فرع و اصل میں تفرقہ ڈال کر خدائے پاک کے محبوب مذہب کو نہایت بیدردی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا جس کے شدید کفر و نفاق کی روئداد، رسولِ خدا کے عین حیات میں ہی قرآن کے قریب قریب ہر ورق پر روزِ روشن کی طرح ثبت ہے: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ؀[۱] (۹۷،۹) جس کے مکر و فریب، جھوٹی قسموں، لنگ عذروں اور منافقانہ دوستیوں سے تنگ آکر علیم و حکیم خدا نے اُن کے عظیم ترحصّے کو قرآنی ہدایت، اور حدودِ خدا پہچاننے کا قطعی نااہل قرار دیا تھا جس کی کج بحثیوں، بیہودہ سوالوں، اور لغو فرمائشوں کا جواب دیتے دیتے اللہ کا محبوب نبیؐ اپنی جان کو ہلاک کر رہا تھا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ؀ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ؀[۲] (۲۶ ۳-۴)، جسکے باہمی جنگ و جدل کی سرگذشت، اور آپس کے فتنہ و فساد کی داستان بعثتِ نبیؐ کے بعد بھی، تاریخِ عالم کا سُرخ تر اور خونیں تر ورق ہے! آہ یہی قوم کسریٰ، اور دارا کے سر بفلک ایوانوں میں شکار کھیل کر، بابل اور نینوا، مصر اور کارتھیج کے مٹے ہوئے نشانوں پر گھوڑے دوڑا کر، نمرود اور فرعون کی مغرور کھوپڑیوں کو لگد کوب کر کے، بالآخر اپنے ظلم کی سزا میں، ذلّ و مسکنت کے اُنہی خراب آباد صحراؤں میں، ندامت انگیز قناعت کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری دن بسر کر رہی ہے جو اس کے

---

[۱] یہ جنگلی اور بادیہ نشین لوگ ازروئے کفر و نفاق بڑے سخت ہیں اور درحقیقت اس لائق ہیں کہ کتابِ خدا کے احکام کی حدود نہ جانیں، اور خدا تو ان کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے اور بڑا صاحبِ حکمت ہے جو انہی کے ذریعے سے اسلام کا بول بالا کر رہا ہے!

[۲] اے پیغمبر! تم تو ان کے پیچھے اپنی جان بھی ہلاک کر دوگے کہ یہ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ اگر ہم مناسب سمجھیں تو اسی وقت ان لوگوں پر آسمان سے دردناک عذاب بھیجیں حتّٰی کہ ان کی گردنیں اسکے آگے جھک کر رہ جائیں۔

اصلی ساکن تھے، مگر اللہ کا المناک انتقام افسوس! آج بھی کم ہوتا نظر نہیں آتا، اور یورپ کی حرص سلطنت، جوع الارض، اور حریت کش اقتدار سے انہیں اور بھی ذلیل و پامال کرنا چاہتا ہے!

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ○† (۲۸ ۵۹)

اور اے پیغمبر! یہ تمہارے خدا کا دستور نہیں کہ وہ کسی بستی کو ہلاک کرے جبتک اُسکے اہم اور مرجع خلق حصے میں اپنا پیغامبر نہ بھیج لے جو واضح طور پر ہمارے احکام لوگوں کو سنا دے، اور اسپر بھی ہم بستیوں کو تباہ نہیں کرتے جبتک اُس کے رہنے والے مقررہ حدود سے تجاوز کرکے ہماری اصطلاح میں ظالم نہ ٹھہریں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ○† وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (۶ ۴۷-۴۸)

اے پیغمبر! اِن سے کہدو کہ کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر عذاب خدا تم پر ناگہاں یا آشکارا آئے تو سوائے ظالم قوم کے کوئی اور بھی ہلاک ہوگا اور پیغمبروں کو تو ہم اسی لیئے بھیجتے ہیں کہ خوش حالی اور عذاب کی دونوں صورتیں پیش کردیں۔ پھر اسکے بعد جو قوم ایمان لے آئی، اور جنھوں نے اپنی حالت کی اصلاح کرلی، اُن کی زندگی بے خوف و خطر ہے!

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ○† (۴۶ ۳۵)

† ظلم اور فسق کی قرآنی اصطلاحیں منجملہ اُن جامع و مانع مصطلحات کے ہیں جن کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ اسی قسم کے چند اور الفاظ (مثلاً ایمان، صلاح، شرک، کفر، اتقا، وغیرہ) اس سے پیشتر گذر چکے ہیں مگر اُن کا صحیح مفہوم بھی معرض التوا میں ڈالدیا تھا۔ سردست جو مقصود ان آیات کے پیش کردینے سے ہے یہ ہے کہ قرآن کے رو سے جو قوم صفحۂ عالم سے نابود ہو رہی ہے، جسکا سیاسی اور اجتماعی اقتدار گھٹ رہا ہے، جو ہلاکت کے قعر عمیق کیطرف بڑھ رہی ہے، وہ شارع کائنات کی نظروں میں بلالحاظ مذہب و ملت ظالم اور فاسق ہے۔ اجتماعی ہلاکت کا متعارف مفہوم یہی ہے کہ اُس قوم کا سیاسی اقتدار سطح زمین پر سے محو ہو جائے۔ ورنہ کسی قوم کے تمام افراد کا لغوی معنوں میں ہلاک ہو جانا شرط نہیں اور نہ تاریخ اسکی کوئی مثال پیش کرسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اجتماعی ہلاکت کا لازمی نتیجہ اکثر اوقات یہی ہوا ہے کہ اُس امت کے افراد بھی روے زمین پر سے محو ہوگئے ہیں حتّٰی کہ اُن کا ایک فرد بھی باقی نہیں رہا، جیسا کہ صفحہ ۹۰ کی آیہ (۱۹ ۹۸) سے ظاہر ہے مگر یہ ایک تدریجی عمل ہے جو سلسلۂ قوت کے صدیوں یا قرنوں بعد تک ہوتا رہتا ہے۔ مسئلہ بعائے اصلح کو پیش نظر رکھکر آیہ (۶ ۴۸) میں "فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ اسی دو آیات سے (۶ ۴۷-۴۸) ضمناً یہ بھی ظاہر ہے کہ پیغمبران خدا کی بشارت اور تخویف کی نوعیت کسی قوم کی اجتماعی سلامتی یا اجتماعی ہلاکت ہی ہے اُن کی رسالت کا منشا یہی ہوتا ہے کہ اقوام کو حفظ و بقا کے رستے پر لیجائیں یا نافرمانی کی صورت میں ہلاکت کا اٹل پیام سنائیں۔ یہ نکتہ نہایت قابل لحاظ ہے کیونکہ اسکی طرف اشارہ حاصل کتاب میں آئیگا بعینہ یہی بات آیات (۱۹ ۹۷-۹۸) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۹۰ کے متن میں آچکی ہیں۔

اے لوگو! یہ ایک اہم پیغام تھا جو ہم نے تم کو پونچا دیا! تو کیا اسکے بعد، فاسق قوم کے سوا اور بھی کوئی اور قوم بھی ہلاک ہوسکتی ہے؟ (یعنی وہی ہلاک ہوتی ہے جو ہماری اصطلاح میں "فاسق" ہو)۔

عرب تخیل اور اسلامی فلسفے کی اس مختصر حکایت کے بعد کیا کوئی صاحب نظر ایک لمحے کے لیئے بھی اس طرزِ عمل کا ممنون، اور اس فلسفۂ خیال کا شرمندۂ احسان ہوسکتا ہے؟ کیا جنّوں کے حالات کرید کرید کر بیان کرنا، اُن کے حسب نسب، ذرّیت حتّٰی کہ حکمت اور علم و ادب[†] کی تشریحیں کرنا، ملائکہ کو فرضی گروہوں میں تقسیم کرکے اُن کے بے سند و عجیب و غریب فرائض مقرر کرنا، آسمان و زمین کے رہا پر کبھی اور پُل باندھنا، بہشت کی نہروں درختوں اور مقاموں، دوزخ کے طبقوں پُلوں اینڈھنوں حتّٰی کہ کلید برداروں اور محافظوں کے نام وضع کرکے، خلقِ خدا میں تذبذب بیقین پیدا کرنا ہی عرب کے نزدیک وہ حیرت انگیز علم لدُنّی تھا جسے احمد مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حکیم و خبیر خدا کے ہاں سے لایا تھا؟ اِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ۞ (۵۳ ۲۳)[1] کیا رعد، صراط، صاعقہ، سدرۃ المنتہیٰ، کوثر، تسنیم، طوبیٰ، علیّون، وغیرہ وغیرہ، سیدھے سادے اور مُمثّل الفاظ[‡] کی تشریح میں عرب مفسرین کا آسمانوں اور بادلوں، ہواؤں اور عرش معلّٰی، خلد بریں اور مساکن ارواح کی سیریں کرانا اور دین متین کو یکسر افسانہ بنا دینا ہی قرآن کے مطالب میں وہ حقیقی تدبّر و تفکّر تھا جس کی خدائے پاک نے

---

[1] یہ تو نرے اُنہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آبا و اجداد نے اپنی طرف سے رکھ لیئے ہیں، خدا نے تو اِن ناموں کی کوئی سند اُتاری نہیں۔ یہ لوگ تو محض ظن پر چلتے ہیں یا جو کچھ دل چاہتا ہے گھڑ لیتے ہیں، حالانکہ ان کو اپنے پروردگار کے ہاں سے کامل ہدایت مل چکی ہے۔

[†] ابو السّری سہل بن ابی غالب خزرجی جو خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں مقبول شاعر رہا اس بات کا مدعی تھا کہ اُسکو ایک جن نے دودھ پلا کر پالا تھا۔ اُس نے اپنے دعوے کی تصدیق میں ایک کتاب جنّوں کی نسب اور حکمت اور اشعار وغیرہ کے بیان میں لکھی اور خلیفہ وقت کو خوش کرنے کیلیے اعلان کیا کہ اُسنے جنوں کی مخلوق سے ابن ہارون الرشید کے حق میں بیعت لی ہے۔ یہ کتاب ایک مدت تک مقبول عوام رہی چند اشعار آج بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

[‡] ان الفاظ کی تشریح حتی الوسع اپنے اپنے موقع پر آئے گی۔ اہل عرب نے اِنکے متعلق سے سرو پا افسانے بنا لیئے ہیں جن کی کوئی سند نہیں۔ دین اسلام اغیار کی نظروں میں آج انہی توجیہوں کے باعث تمسخر کا سامان بن رہا ہے۔ "صاعقہ" کا حقیقی مفہوم ہم نے صفحہ ۔ پر ظاہر کرنیکی سعی کی ہے عرب نے "صاعقہ" کو شہاب ثاقب سے گرے ہوئے لوہے کی تلوار مان کر سمجھ لیا ہے جسکو "حق تعالیٰ" کا فرشتہ اپنے ہاتھ میں لیکر مارتا ہے

تاکید کی تھی؟ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (١٧ ٣٦)؎

ـلـه اور جس بات کا تم کو یقینی علم نہیں اس کے پیچھے نہ ہو لیا کرو۔ کیونکہ کان، آنکھ اور قلب سلیم سے اس امر کی پرسش ہوگی کہ انکل پچو بات کا تتبع کیوں کیا گیا۔ (علم وہی ہے جو سمع و بصر اور قلب سلیم (عقل) سے براہِ راست حاصل ہو)

؎ اس عظیم الشان آیت میں علم کی ایک نہایت حکیمانہ تعریف کر دی گئی ہے، اور فیصلہ کر دیا ہے کہ شارع کائنات کی نظروں میں علم وہ شئے ہے جو براہِ راست سمع اور بصر اور فؤاد کے ذریعے سے حاصل ہو، گویا جس کی تصدیق کان، آنکھ، اور ذہن سلیم کر لیں وہ علم ہے۔ جو اس کے ماسوا ہے وہ ظن ہے، اور علم کے یقینی مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ "فؤاد" کا عام مفہوم عربی زبان میں "قلب" ہے۔ مگر عرب کے نزدیک "قلب" ایک وسیع اصطلاح ہے جس کا اطلاق انسان کے اُن اعضائے تشریحیہ پر ہوتا ہے جو انسان کی فہم و ادراک کے متعلق ہیں۔ اس قول کی تصدیق میں دو مثالیں صفحہ ٢٠ کی آیت (٢٥ ٣٣) اور اسی صفحہ کے تحت الحاشیہ کی آیت (١١ ١٢) میں گذر چکی ہیں اور باقی تصریحات اپنے اپنے موقع پر آئینگی۔ لیکن سورۂ حج کی اس آیت سے قلب کا مفہوم قطعاً عیاں ہے؛ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ (٢٢ ٤٦) یعنی کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ ان کے "دل" ہوتے جن سے تعقل کر سکتے، یا کان ہوتے کہ نگوش ہوش سن سکتے اور صدائے دردناک سرائوں سے عبرت پکڑتے۔ کیونکہ در اصل آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں لیکن "دل" جو سینوں کے اندر ہوتے ہیں اندھے ہو جایا کرتے ہیں"۔ گویا عرب کی اصطلاح میں "دل" ہی فہم و ادراک کا منبع ہے اور اسی کے ذریعے سے سب تعقل ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے "فؤاد" کا اردو صحیح ترجمہ "قلب سلیم" ہے جس میں لامحالہ ذہن بھی داخل ہے۔ اور چونکہ جب تک کسی شئے کو ذہن تسلیم نہ کرلے، دل کے لیئے اسکا تسلیم کرنا غیر ممکن ہے اسلیئے "ذہن سلیم" ہی "فؤاد" کا صحیح مفہوم ہو سکتا ہے۔ اسی "فؤاد" میں باقی حواس ثلثہ (یعنی لامسہ، ذائقہ اور شامہ) بھی شامل ہیں کیونکہ ان کے محسوسات کی اطلاع بھی سامعہ اور باصرہ کی مانند، ذہن ہی کو ملتی ہے۔ علم کی یہ حیرت انگیز تعریف اسقدر جامع اور مانع ہے کہ آج مغرب کی تمام حکمت اور عمل کی بنیاد، بلکہ اُن کی تمام تلاش، تفحص کا معیارِ تصدیق یہی سمع و بصر اور قلب سلیم کی شہادت ہے۔ علم کے عظیم الشان قصر کی تعمیر انکے ہاتھوں آج انہی ارکان ثلاثہ کے رو برو ہو رہی ہے۔ اُن کی نظروں میں کوئی بات واقع الامر نہیں، کوئی شئے حقیقت کہلانے جانے کی اہل نہیں جب تک کان نے بار بار اسکے واقع الامر ہونے کی گواہی نہ دی ہو، آنکھ سے ہر مرتبہ اسکو اچھی طرح دیکھ بھال نہ لیا ہو، دل نے بلا عذر اُسکی معقولیت کو نہ مانا ہو۔ یہی اُن کے نزدیک "علم" ہے اور جو اسکے سوا ہے "ظن" ہے اور اسلیئے قابل التفات نہیں۔ اسی سچے معیار کو پیش نہاد بنا کر انہوں نے اُن تمام انسانی منکشفات کو "علم" کے نام سے موسوم کیا ہے جن کی بنیاد براہ راست تجربے اور مشاہدے پر ہے۔ علم طبعیات، علم ہیئت، علم جر ثقیل، علم حرارت، علم تشریح الابدان، علم جغرافیہ، علم طب، وغیرہ وغیرہ انکے نزدیک صحیح معنوں میں علم ہیں۔ فلسفہ، قانون، ادب، صرف نحو، بلاغت، عروض وغیرہ وغیرہ جن کی اساس قیاس، رائے، یا وضعی جلاح پر ہے، "علم" کے بلند مقام تک نہیں پہنچ سکتے، اور نہ سمع و بصر اور قلب سلیم کو ان سے کچھ تعلق ہے۔ بیکن (المتوفی ١٠٣٥ھ مطابق ١٦٢٦ء) کے مشہور اور عالم انگیز مسئلہ استقراء (١٠٢٩ھ مطابق ١٦٢٠ء) کی تمام بنیاد علم کی اسی جامع اور مانع تعریف پر ہے۔ اور یہی وہ مسئلہ تھا جس نے مغرب کو ازمنہ مظلمہ کی جہالت سے نکالکر ایک اقل قلیل مدت میں "نشأة الثانیه" کی حیرت انگیز علمی ترقیوں کیطرف رہنمائی کی تھی۔

علم کے صحیح اور ناقابل انکار قرآنی مفہوم کے متعلق اصل کتاب میں ایک طولانی طویل بحث بعد میں آئے گی، مگر کتاب کے اس ابتدائی حصے میں سورۂ بنی اسرائیل کی اس جلیل القدر آیت کے متعلق یہ سرسری توضیح اسلیئے بھی ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں اس نہی مُہتم یعنی آیہ وَلَا تَقْفُ (١٧ ٣٦) کو بانی حکمت کا ایک مستقل جُز قرار دیا گیا ہے، جو بعد کی آیہ، ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ (١٧ ٣٩)، یعنی "یہ احکام ہیں جو تمہارے پروردگار نے اپنی حکمت کاملہ سے اُدھر کے تم پر بھی کر دیئے ہیں" سے ظاہر ہے۔ اس حکمت عظمٰی کے متعلق ایک پرمعنی بحث عنقریب سرسری محل میں آئے گی لیکن ہر صاحب نظر قرآن حکیم کی اس آیۂ کریمہ یعنی (١٧ ٣٦) کے صحیح مطالب کو پاکر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ آج جن اقوام عالم نے "علم" اور صحیح علم کو اپنا سہارا

کیا تعویذوں اور گنڈوں، رمل اور جفر، تفاؤل اور حساب جمل سے آیندہ واقعات اور اسرار غیب کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۸۳) بنایا ہے، جنہوں نے قرآن کے اِس اہم حکم کی تعمیل میں اپنے آپ کو لغو اور بے سند، اٹکل پچو اور بے تکی باتوں کا شکار بنا کر قوم کی ذہنی اور عملی قوتوں کو تباہ نہیں کیا، وہ آج ترقی کے فلک الافلاک پر کس طرح چڑھ رہے ہیں، اور دوسری قوموں کے بالمقابل کس قدر طاقتور بن چکے ہیں۔

لیکن ان باتوں سے قطع نظر، خاص مسلمانانِ عالم نے جس حیرت انگیز خوش اعتقادی سے پچھلی چند صدیوں سے عالم عقبیٰ کی خیالی تصویر اپنے ذہنوں میں جمانے کی بے طرح سعی کی ہے، جو بے سند قصے بہشت اور دوزخ کی حکایت کے متعلق اپنے شاعرانہ تخیل کے ماتحت گھڑ لئے ہیں، جو عجیب و غریب خیالی سماں ان کی فرضی کیفیت کے بارے میں بلا شہادت باندھ لیا ہے (مَّآ أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۔ ۵۳ ۲۳) صفحہ ۸۲) بجائے خود اُن کے ضعف یقین کی دلیل ہے۔ دنیائے آخرت کی صحیح ماہیت کے متعلق بحث کرنے کا یہ موقع نہیں، مگر باوجود اُس تمثیلی کیفیت کے جو قرآن نے انسانوں ہی کی زبان میں اُس سانحہ عظمیٰ کے بارے میں جا بجا بیان کی ہے جس کا واقع ہونا اٹل ہے، اور باوجود اس مثالی کیفیت حال کے جو جنت کی بے مثال آسائش اور دوزخ کی بے مثال تکلیف کے متعلق بار بار ظاہر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو سرورِ کائنات کے اُس مشہور قول کی بھی کچھ وقعت پیش نظر نہیں جس میں بہشت اور دوزخ کی بابت فیصلہ کر دیا ہے کہ "لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَىٰ قَلْبِ بَشَرٍ" یعنی "اسکو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا، اور نہ اسکا خیال ہی کسی بشر کے قلب پر گذرا ہے"۔ جب حال یہ ہے کہ سمع اور بصر اور فؤاد ان کی صحیح کیفیت تک نہیں پہنچ سکتے، اور اُن کا علم حاصل کرنا اُن کے واقع ہونے سے پیشتر محال ہے تو حیرت ہے کہ مسلمان "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ" کے محاکمے کے باوجود کیوں ان کے پیچھے پڑے ہیں اور فرضی قصے بنا بنا کر اپنے دین کو غیروں کی نظر میں مضحکہ انگیز بنا رہے ہیں۔ عالم عقبیٰ کے بارے میں جو تعلیم اسلام نے دی ہے فقط یہ ہے کہ وہ ہے، اُسکا واقع ہونا یقینی ہے اور بس

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ (۵۶ ۱-۳)

اے لوگو! ذرا غور کرو کہ جب وہ کپکپا دینے والا سانحہ واقع ہوگا، اور قیامت جس کے ہونے میں ذرا شک و شبہ بھی نہیں تمہارے سروں پر آموجود ہوگی تو تمہارا کیا ہی خستہ حال ہوگا۔ اُس دن تمہارے اعمال کی حقیقت صاف کھل جائیگی، بہتیروں کو ابد الآباد تک ذلیل کر دے گی اور بہتیروں کے درجے ہمیشہ کے لئے بلند کر جائے گی۔

اس حادثہ کبریٰ کے واقع ہونے کا ناقابل انکار ثبوت کتاب کے متن میں اپنے موقع پر آئیگا رہی یہ بات کہ وہ کب ہوگا، کہاں اور کیونکر ہوگا، جزا کیا ہوگی، سزا کس طرح ہوگی، کیا کیفیت حال ہوگا، کیا منظر پیش ہوگا، یہ سب امور انسان کے احاطہ علم سے باہر ہیں کیونکہ سمع و بصر اور فؤاد کے حیز درک میں آنیکا امکان نہیں رکھتے۔ اسی بنا پر اُنکے بارے میں بحث کرنا بھی عبث ہے اور نہ قرون اولیٰ میں ان کی کسی ایک شق کے متعلق بحث کرنے کی اجازت تھی۔ سورۂ اعراف میں ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ (۷ ۱۸۷)

اے پیغمبر! لوگ تمہیں قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ آخر اس سانحہ عظمیٰ کا عمل ہیڑا بھی کہیں ہے، کوئی شناخت کرنے کی علامت یا نشان بھی ہے۔ ان کو کہہ دو کہ اُسکا علم تو صرف میرے خدا ہی کے پاس ہے۔

جو بات نتیجہ خیز ہے یہ ہے کہ اُس السَّاعَة کے واقع ہونے پر کامل اور علمی یقین ہو، اسکی اہمیت اور صداقت کو پا کر دل میں کپکپاں پیدا ہوں۔ دار الجزا کی امید میں سعی و عمل دہ چند ہوتا جائے، شوق کا جوش بڑھے، خوف کا تکلیف ظاہر ہو۔ یہ کہ بادیہ انعام کے فرضی قصے گھڑ لئے جائیں اُنکو ڈھیر اُدھر اکر بے اثر، اور سعی و عمل کو کالعدم کر دیا جائے۔ انعام میں قوت تشویق اور سزا میں طاقت تخویف تبھی تک ہے جب تک اُنکی صحیح کیفیت معلوم نہیں اور ساتھ ہی اُنکے بہترین یا بدترین ہونے میں کلام نہیں۔ یہی انداز اس موضوع کے متعلق تمام قرآن عظیم کا ہے مگر افسوس کہ آجکل کے مسلمانوں نے اِس راز کو اکثر نہیں سمجھا۔

ٹوہ لگانا، اور اس مکر و حیل سے آیاتِ خدا کو کوڑیوں کے مول بیچنا ہی قرآن حکیم کی وہ محیّر العقول حکمت آموزی تھی جس کا دعویٰ حکیمِ حقیقی نے بار بار کیا تھا؟ کیا صرف و نحو، علومِ لغت اور فنونِ بلاغت کو اسلامی دینیات کا جزلاینفک قرار دے کر سبع اسابیع، حماستین اور مقاماتِ حریری کے صنائع اور بدائع کا مطالعہ کرنا ہی فی الحقیقت "قَوْمٌ يُؤْمِنُونَ" و "قَوْمٌ يُوقِنُونَ" کے لیئے وہ "هُدًى وَبُشْرَىٰ" اور "هُدًى وَرَحْمَةٌ" تھی جس کا قرآن میں ملنے کا وعدہ کیا گیا تھا؟ فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ۝ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ۝ (۵۲: ۲۹-۳۱)، کیا قرآن کے پُرحکمت اور پُرمغز قصّوں، تشبیہوں اور مثلوں، سورتوں اور آیتوں کی فرضی اور بے سند تاویلیں بنا کر، اللہ کی پاک اور بے عیب کتاب کو سحر اور کہانت، خوارق اور عجائبات کا جامع قرار دینا، انبیا کو عجیب و غریب کرامات کا عامل قرار دے کر ان کو تماشہ گر اور حقّہ باز سمجھنا ہی اُس تذکیر و اعتبار، اُس تفکر و تدبّر کے مترادف تھا جس کی تلقین کلامِ الٰہی نے کی تھی؟ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۷: ۱۷۶)،

سلہ تو اے پیمبر! تم اپنی نصیحت کیئے جاؤ کیونکہ تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے نہ تو فال گیر (کاہن) ہو اور نہ سودائی (مجنون)۔ کیا لوگوں نے تمہاری نسبت یہ مشہور کر رکھا ہے کہ محمّد تو محض ایک شاعر ہے جس نے اپنے زورِ تخیّل اور شعر و سحر سے ہی چند افراد کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے اس کی پیروی اور اس کی دھمکیاں تبھی تک ہیں جب تک وہ زندہ ہے۔ اور ہم تو اس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اسکو آ دبوچے اور اس کی سب لن ترانیوں کو ختم کر دے۔ تم ان سے کہدو کہ بہت اچھا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں پھر معلوم ہو جائے گا کہ کس کی دھمکیاں محض یاوہ گوئیاں تھیں، اور کس کی ہدایت صرف نقش بر آب تھی۔

سلہ پس تم ان کو یہ باتیں بیان کر دو تاکہ ان پر غور کر کے مستقل نصیحت اخذ کریں۔

٭ صفحہ ۴۳-۴۴ کے تحت الحاشیہ سے ظاہر ہے کہ علم لغت آج کی اصطلاح میں در حقیقت علم نہیں علیٰ ہذا القیاس صرف و نحو یا بلاغت کے فنون اسی لحاظ سے علوم کو واہی میں گھیر رہا ہے۔

٭ متاخرین عرب نے اپنے علم ادب میں سے ہر طبقہ شعرا کے سات اعلیٰ پائے کے قصیدوں کو معلّقات کے انداز پر منتخب کر کے سات حصوں میں منقسم کیا ہے اور اس مجموعے کا نام سبع اسابیع رکھا ہے ان سات حصوں کے نام یہ ہیں معلّقات، مجمهرات، منتقیات، مذہبات، مراثی، مشوبات، ملحمات۔ پہلے تین مجموعوں کی تفصیل صفحہ ۶۳ کے تحت الحاشیہ میں گذر چکی ہے۔ باقی شعرا کے نام یہ ہیں: مذہبات (حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ، مالک بن عجلان، قیس بن خطیم، احیحہ بن جلاح، قیس بن اسلت، عمرو بن امرء القیس)، مراثی (ابو ذویب ہذلی، محمد بن کعب، اعشیٰ باہلی، علقمۃ الطموس، ابو زبید طائی، مالک بن ریب تمیمی، متمم بن نویرہ) مشوبات (کعب بن زہیر، نابغہ جعدہ، قطامی، حطیئہ، تمیم بن مقبل، شماخ، عمرو بن احمر) ملحمات (فرزدق، جریر، اخطل، عبید راعی، ذوالرمۃ، کمیت بن زید، طرماح)۔

٭ صفحہ ۵۷-۵۰ کے متن کی آیات (۷: ۲۰۳) اور (۷: ۵۲) اور (۱۲: ۱۱۱) کی طرف اشارہ ہے جو آگے آ رہی ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ؁ (۱۲ ۱۱۱)۔ اگر صاحب القرآن عزّ اسمہٗ کی حقیقی غرض و غایت اسی فلسفے اور اسی حکمت سے تھی، اگر کتاب خدا میں بصیرت اور تدبر کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا، اگر غور و فکر اسی نمط پر اسکے حقائق کو بیّن کر سکتا تھا، وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ؁ (۱۶ ۴۴)، اگر یہ عالم افروز اور مبین کتاب دنیائے اسلام کو اسی طور پر ظلمت سے نور میں نکال سکتی تھی، نہیں، اگر آیۂ استخلاف کے وعدے کے مطابق یہی ایمان اور یہی اعمال صالحہ ہونے چاہیئے تھے جو عرب اور عجم نے صدیوں اور قرنوں تک ملکر کیئے تو آج کیوں قرآن حکیم کے یہی سچے مترجم، کیوں کتاب مبین کے یہی اصلی مفسر، یہی پکے مومن اور صالح العمل اہل عرب؂، ایک قلیل سے قلیل زمانے میں، شدید العقاب خدا کے عذاب مہین کے اس دردناک طریقے پر شکار ہو چکے ہیں کہ خدا کی گز بھر زمین بھی صحیح معنوں میں ان کی وراثت میں نہیں رہی؟

؁ بلاشبہ دانا آدمیوں کیلئے اِن لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہے اور یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ جو کچھ اُنکے سامنے ہے اسکی تصدیق ہے اور فی الحقیقت یہ تو تمام آئین جہاں کی تفصیل ہے اور اُس قوم کیلئے جو ایمان داری سے اسکے احکام پر عمل پیرا ہے ہدایت اور رحمت ہے۔ ؁ اور ہم نے یہ کتاب نصیحت تم پر اسلیئے اتاری ہے کہ تم اسکے حقائق عالیہ کو اُن پر اچھی طرح عیاں کرو، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ بطور خود اسمیں تفکر کریں اور نئے حقائق دریافت کریں۔

؂ اِس آیت کے صحیح مفہوم، اور بالخصوص تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ کے معانی کے متعلق ایک مستقل باب باندھا گیا ہے جو غالباً پانچویں جلد میں آئیگا، ایک اور مستقل بحث اسی ضمن میں عنقریب آنیوالی ہے اسلیئے بنا بریں اس آیۂ کریمہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہمنے "الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ" کا ایک لفظی ترجمہ کرکے مطالب کو نظرانداز کر دیا ہے۔
؂ اِس جگہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کا مجرم خاصتہً اہل عرب کو کیوں قرار دیا ہے حالانکہ عباسیہ سلطنت میں علما، ادبا، متکلمین اور مفسرین اکثر عجمی الاصل تھے اور قرآنی مطالب کی نشر و تبلیغ بھی عجمیوں کی وساطت سے ہوئی چنانچہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں اس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔ یہ اعتراض بظاہر وزن دار معلوم ہوتا ہے مگر ادنیٰ تامل کے بعد اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عجمی حکما و فضلا نے قرون عباسیہ میں معارف قرآن اور باقی علوم و فنون کی تبلیغ جو کچھ کی سب کی سب عرب روایات اور عرب اثر، عرب تخیل اور عرب حکومت کے ماتحت رہکر کی۔ دینیات کے متعلق تمام علوم کا مرجع و منتہا قرآن تھا اور وہ عربی میں تھا، احادیث کی روایت عربی زبان میں تھی، بحث مباحثے، اسناد اور حوالہ جات سب عربی میں تھے، تصانیف کی زبان عربی تھی، انکے اکثر موضوع بھی تاریخ عرب، حیات اور اخلاق عرب، اعتقادات اور روایات پر یکسر مبنی تھے، یہیں بلکہ عجم مصنفین نے قول و خیال کے اعتبار سے اپنے آپکو عرب میں مدغم کر دینے کی سعی اس حد تک کی تھی کہ صرف تصنیف کو دیکھکر مصنف کی اصل نسل کا پتہ لگانا آج بہت مشکل ہے۔ اس مقام پر یہ کہنا کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کی ذمہ داری عرب پر ہی ہے حقیقت کے اعتبار سے غلط نہیں۔ آج ہند کی سرزمین میں انگلستان کی شستہ، تمدنی اور اخلاقی روایات کی اکثر نشر و تبلیغ متصرع ہندو لوگوں کے ہاتھ سے ہو رہی ہے، حالانکہ انگریز جو اس جماعت میں حصہ لیتے ہیں قلیل التعداد ہیں، لیکن با این ہمہ یہ کہنا کسقدر نادرست ہے کہ ہندوستان کے اخلاقی افلاس اور مادی انحطاط کے مجرم ہندوستانی ہیں، اگر یہ نہیں حاکم قوم کی حکومت ہی اس بات کی در تسلیل ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے کیونکہ ایسا ملکہ انہی کے کہنے سے ہو رہا ہے، آلۂ کار خواہ کوئی بھی ہو۔ اس نقطۂ خیال سے دین متین کو بیخ و بنیاد سے ہلا دینے کے مجرم اہل عرب ہی ہیں اور اسی لیئے سزا بھی انہی کو جلد تر ملی۔ لیکن اس موضوع پر ایک ابتدائی بحث صفحہ ۶۹ کے تحت المتن میں بھی ہو چکی ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○
إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ○ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ (۲۱: ۱۰۵-۱۰۷)

اور ہم زبور میں تمام ضروری تفصیل کے بعد یہ بات قطعی طور پر واضح کر چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ درحقیقت اس میں اطاعت گذار قوم کے لیے ایک اہم پیغام ہے۔ اور اے محمدؐ! ہم نے تم کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے تاکہ انہیں قیام و بقا کے سب نشیب† فراز سے مطلع کرو۔

وَمَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ○
فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ† الدُّنْيَا ○ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم
مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ○
وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ
أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى† ○ (۵۳: ۲۸-۳۱)

---

† صفحہ ۸۱ کی آیات (۶: ۴۸-۴۹) کے تحت المتن میں پیغمبران خدا کی مبشر و منذر کی نوعیت واضح کر دی تھی (۶: ۴۸) میں ہے وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ علی ہذا القیاس یہاں پر وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ہے۔ اس نقطہ نظر سے پیغمبر خدا کے رحمۃ للعالمین ہونے کی کیفیت بھی واضح ہے یعنی جبکہ دنیا کو اجتماعی ہلاکت کی راہ سے ہٹا کر حفظ و بقا کی راہ پر چلانا ہی وہ پیغام رحمت اور بشارت تھی جو وہ لائے تھے۔ اس بنا پر ہم نے یہ توجیہ ترجمے میں داخل کر دی ہے۔ پیغام رسول کو رحمۃ للعالمین ثابت کرنے میں یہی وجہ ہے۔ تمام کتاب اسکی شہادت دیں ہے۔

‡ ان آیاتِ الٰہی کے مطالب اور علم و ظن کے صحیح مفہوم کے متعلق صفحہ ۴۳، ۴۴ کا تحت المتن پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یہاں پر دو ایک اہم باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے اولاً یہ کہ علم کے مقابل ظن اس دنیا میں کچھ کارآمد نہیں ہو سکتا۔ (وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا) یہ حقیقت اسقدر جلیل القدر ہے کہ مسلمانانِ عالم نے چند صدیوں سے اس پر کافی غور نہیں کیا، اور ظنیات میں پڑ کر قوم کی عملی قوتوں کو بیکار کر رہے ہیں ثانیاً یہ کہ علم کا تبع کرنا، یا بالفاظ دیگر اپنی تمام معلومات کی بنا تجربے اور مشاہدے پر قائم کرنا درحقیقت سبیل خدا پر چلنا ہے اور یہی ہدایت کی ایک اہم شق ہے (ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ) ثالثاً یہ کہ تمام انسانی مساعی میں یقینیات کو پیش نظر رکھنا اور علم کو رہنما بنانا گویا حسن عمل کرنا ہے۔ اسی حسن عمل کا نتیجہ زمین و آسمان کے بہترین انعام ہیں جو مسلمانوں کو کئی قرنوں تک بالالتزام ملتے رہے۔ اور آج محمدؐ عربی رحمۃ للعالمین کے خدا نے ان سے چھین کر ان اقوام کے سپرد کر دیئے ہیں جن کا سعی و عمل ان کو علم کے راہ راست پر لیجا رہا ہے۔

ضمناً ان آیات الٰہی میں صلاح عمل کی ایک اہم شق صاف ہو گئی جس کو آج اس چودھویں صدی کے مسلمان قطعاً بھول گئے ہیں۔

※ حیاۃ دنیا کی صحیح تعریف عمل کے عنوان میں آئے گی۔ یہاں ہم نے ایک لگتے ہوئے معنے کر دیئے ہیں مگر اس کی قرآنی سند سورہ آل عمران کی اس آیت سے ظاہر ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ
وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (۳: ۱۳)

لوگو! دنیا کے اس دار الامتحان میں انسان کی نفسانی خواہشوں کو مثلاً بیبیوں اور اولاد سے محبت کرنا، سونے چاندی کے ڈھیر کے ڈھیر جمع کرنا، اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتوں سے دل بستگی رکھنا، بھلا کر کے دکھلایا گیا ہے۔ لوگو یہی حیاتِ دنیا کی متاع ہے جس کا قیام چند روزہ ہے اور خدا کے نزدیک انسان کی بہترین جائے بازگشت یوں انسان نے اندازہ محنت سے الگ تھلگ ہو کر اس کے احکام کی طرف رجوع ہونا ہی ہے۔ (وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ)۔

ان کو اس کے متعلق کچھ علم تو ہے نہیں۔ وہ تو نرے ظن اور اٹکل پر چلتے ہیں، اور ظن یقین کے بالمقابل کچھ بکار آمد نہیں ہو سکتا۔ پس اے پیغمبر! جو شخص ہمارے حقیقت نما قرآن (ذکر نما) سے روگردانی کرے اور دنیاوی شغل و اشغال میں مگن رہنے کے سوا اسکو کسی اور بات سے غرض و مطلب نہ ہو، تم اُس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ ان کا مبلغ علم یہی کچھ ہے جو وہ ظاہر کر رہے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے دکھائے ہوئے راہ راست سے بھٹک گئے ہیں، اور وہ ان کو بھی اچھی طرح سمجھتا ہے جو راہ ہدایت پر قائم ہیں۔ اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ تو اللہ ہی کا ہے تاکہ اس میں سے بہترین شئے حسن عمل کرنے والوں کو، اور بدترین عذاب بُرے عمل کرنے والوں کو دے۔ (یہاں ذکر نما سے مراد خدا کی یاد قطعاً نہیں بلکہ کتاب خدا ہے

والا مطالب مراد ہیں جیسے ہم کو کہ پہلے اور بعد کی آیتوں میں علم کا ذکر ہے اور قرآن کا حسرۃ علم ہونا ثابت ہے (دیکھو صفحہ ۶۴-۶۷) ذکر کے معنی قرآن کئی جگہ آیا ہے (دیکھو (۲۱:۲۴) و (۱۵:۹) صفحہ ۸۹ و ۹۲ میں)

کیا کلام الٰہی کے یہ ظاہر پرست اور وہم زدہ شارحین اسکی آیات میں استدلال کرتے وقت اس حقیقت کو بھول گئے تھے کہ اسلام کی دنیا میں آنے کی تنہا غرض ساکنانِ عالم کو خدا کی عبودیّت اور قانون احکم الحاکمین کی اطاعت کی طرف منتقل کرنا ہے، اور اس بنا پر اسکی تشریحوں میں زمانہ جاہلیّت کے ان ختّاسی وساوس اور ظنّی واہیات کو بہر دخیل کر دینا اسلامی تعلیم کے سراسر منافی، اور کتابِ خدا کی صریح توہین ہے؟ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ۝ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ۝ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ۝[1] (۲۳: ۶۶-۷۰) کیا قرآن حکیم کو اہلِ عرب کی سخن فہمی، ظاہر آرائی، اور باطل طرازی کی شرم انگیز داستان بناتے وقت انھوں نے یہ خیال نہ کیا کہ جب خود قرآن شعر و فصاحت کا مدّعی ہی نہیں بلکہ منکر ہے: بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ[†] فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۝[2] (۲۱: ۵)، اور اور اہلِ کتاب بھی اپنی آسمانی

[1] میری آیتیں تم پر واضح کیجاتی تھیں مگر تم ازروئے غرور قرآن کو قصّے کہانیاں اور بیہودہ سمجھ کر اپنے گذشتہ اعتقادات کی طرف حجت تمسخری کر جاتے تھے۔ تو کیا ان لوگوں نے سرے سے ہمارے اس قول عظیم پر غور ہی نہیں کیا، یا کیا انکے پاس کوئی طرفہ شئے آئی تھی جو ان کے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی؟ کیا یہ لوگ اپنے رسول کی راستبازی، حق پرستی اور یقین گوئی سے واقف تھے کہ اب اسکی ان خصائص سے منکر ہیں؟ کیا اب آیات خدا کو یوں تمسخر کر، اور قصّے کہانیاں سمجھ کر گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ مجنون ہے! وہ تو دنیا کے پاس جو کچھ لایا ہے، حق لایا ہے لیکن افسوس کہ ان میں سے اکثر حق بات ہی سے متنفر ہیں۔

[2] اس عرب نے تو قرآن کو سحر کہنے پر بھی بس کیا بلکہ لگے کہنے کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں جو رسول نے ادھر اُدھر سے اکٹھے کر لیے ہیں، بلکہ اس نے یہ جھوٹی جھوٹی باتیں اپنے دل سے بنائی ہیں، بلکہ درحقیقت وہ تو ایک شاعر ہے جو قافیہ بندی اور خیال آرائی میں ماہر ہو! اگر وہ فرستادہ خدا ہے تو ہمارے پاس اگلے نبیوں کی سی کوئی نشانی لاوے۔

[†] موزوں معلوم ہے کہ قرآن سے اصل حسب سحر ہونے سے انکار کیا ہے، پہلے ہم صفحہ ۶۴، ۷۱، ۲۰۲ پر گذر چکے ہیں۔

کتابوں کے بارے میں جو اُسی خدائے وحدہ کی طرف سے ہیں، اور لامحالہ اُسی کا کلام ہیں، فصاحت کا اِدّعا حتماً پیش نہیں کرتے، جب خود اہلِ اسلام خدا کے تورات کو "مُستبین" کہنے کے باوجود، اُسکے فصیح ہونے کا گمان تک نہیں کرتے وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ۝[۱] (۳۷ ۱۱۷)، جب خود خدائے عظیم کا آسمانی کتابوں کے بارے میں دعوےٰ اُن کی بے مثال **ہدایت** میں ہے: قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ[۲] (۲۸ ۴۹)، تو قرآن کے سطحی محاسن کو اس اعتنا و اہتمام سے دیکھنا اور باطن کو یکسر نظر انداز کر دینا، اُس کی

۱؎ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو مشرح اور بلیغ فی البیان کتاب دی۔

۲؎ اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر قرآن اور تورات دونوں کتابیں جھوٹی ہیں اور تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم بھی خدا کے ہاں سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے ہدایت میں بہتر ہو۔ پھر میں بھی اسکی پیروی کرنے کو تیار ہوں۔

* تورات کے متعلق جو دعاوی قرآن کریم نے کیے ہیں مفصلہ ذیل حوالوں سے ظاہر ہیں۔

سورہ مائدہ میں ہے: إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ (۵ ۴۴)۔ "ہم ہی نے تورات کو اتارا، اسمیں ہدایت اور نور ہے"۔ سورۂ انعام میں ہے: قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ (۶ ۹۲) "ان سے پوچھو کہ یہ کتاب کس نے اتاری تھی جسکو موسیٰ لایا تھا اور جو سارے عالم کے لیے نور اور ہدایت تھی"۔ اِسی سورۃ میں تورات کے متعلق ہے۔ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً (۶ ۱۵۵)۔ "تمام خوبیوں پر مشتمل ہے اور تمام اشیاء کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے" اگر ان خوبیوں میں ادنیٰ بلاغت اور شاعرانہ فصاحت بھی شامل ہے تو مسلمان کیوں آج اسکو فصیح و بلیغ نہیں کہتے۔ سورۂ اعراف میں الواح موسیٰ کے بارے میں ہے وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ۝ (۷ ۱۵۴)۔ "اور ان الواح کے متن میں ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی" سورۂ بنی اسرائیل میں علیٰ ہذا القیاس، وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ (۱۷ ۲) "یعنی ہم نے کتاب موسیٰ کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنا دیا" سورۂ قصص میں اسی تورات کے بارے میں بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ (۲۸ ۴۳) آیا ہے۔ "یعنی تمام عالم کے لیے بصیرت اور تدبر کی باتیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں"۔ سورۂ سجدہ میں پھر وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ (۳۲ ۲۳) آیا ہے۔ سورۂ مومن میں هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (۴۰ ۵۴) فرمایا ہے، یعنی "دانا اور صاحب عقل لوگوں کے لیے ہدایت اور عبرت ہے"۔ سورۂ احقاف میں امام کا عزیز القدر لقب بھی اسی کتاب کے بارے میں آیا ہے وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً (۴۶ ۱۲)۔ سورۂ انبیاء میں ضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (۲۱ ۴۸) "یعنی ڈرنے والوں کیلئے نور اور عبرت ہے"۔

انجیل کا تعارف رب زمین و آسمان نے اِن الفاظ میں کرایا ہے۔

سورۂ آل عمران میں ہے: وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ (۳ ۳)۔ "یعنی اسی نے تورات اور انجیل کی الہامی کتابیں بھیجیں جو قرآن سے پیشتر سارے انسانوں کے لیے ہدایت تھیں"۔ سورۂ مائدہ میں ہے وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ (۵ ۴۶) "یعنی اس میں نور اور ہدایت ہے"۔ اور اسی آیت میں وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (۵ ۴۶) کے الفاظ ہیں یعنی "خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے"۔

قرآن کے متعلق بعض دعاوی اس سے پیشتر اصل کتاب میں آچکے ہیں مگر تقابل کے خیال سے تمام آیات کو یہاں پر جمع کر دیا جاتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے: هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (۳ ۱۳۷)۔ "یعنی یہ قرآن سارے انسانوں کے لیے ان کے دستور العمل کی تشریح ہے اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور عبرت ہے"۔ سورۂ انعام میں ہے۔ أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا (۶ ۱۱۵)۔ "یعنی اسی خدا نے پاک سے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری جسکے بعد کسی تشریح کی گنجائش نہیں ہے"۔ اسی سورۃ میں کچھ آگے چلکر ہے وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ (۶ ۱۵۶)

قدر و قیمت کو بے انتہا کم کرنا اور اسکی حقانیت سے انکار کرنا ہے؟ کیا قرآن میں فلسفیانہ اور فقیہانہ، لغوی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۸۹)، یعنی "اور یہ بھی ایک کتاب ہے جسکو ہم ہی نے اُتارا۔ یہ بھی بڑی برکت پیدا کرنے والی شئے ہے پس اسکے قدم بقدم چلو"۔ اسی آیت سے ورا آگے ہے فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ (۶ ۱۵۸)۔ یعنی "تو اب لوگو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل آچکی ہے جو تمہارے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورہ اعراف میں ہے۔ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۷ ۵۲)۔ "اور ہم اُن کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جسکی تفصیل ہم نے اپنے علم سے کر دی ہے۔ جو قوم اس پر عمل پیرا ہو اس کے حق میں ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورہ یونس میں اسی کتاب کو هُدًى اور رَحْمَةٌ کے سوا مَوْعِظَةٌ اور شِفَآءٌ کہا گیا ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (۱۰ ۵۷) یعنی "اے سا کنان زمین! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے آخری دستور العمل (مَوْعِظَةٌ) پہنچ چکا ہے، وہ در اصل تمہاری بد باطنیوں اور نفسانی امراض کی شفا ہے اور جو قوم اسکی صداقت پر ایمان لاکر اسکے احکام پر عمل پیرا ہے اُنکے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورہ ہود میں کتاب خدا کی صداقت، موعظت اور عبرت پر زور دیا گیا ہے، وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (۱۱ ۱۲۰) صفحہ ۷۲ کے تحت المتن میں اس کا ترجمہ گزر چکا ہے۔ سورہ یوسف میں اسی قرآن عظیم کو تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (۱۲ ۱۱۱) کہا گیا ہے جسکی تشریح صفحہ ۸۶ کے تحت المتن میں گزر چکی ہے۔ سورہ رعد میں اسکو قانون خدا کی قطعی سند (حُكْمًا) منشائے احکم الحاکمین کی آخری شہادت (حُكْمًا)، اور الْعِلْمِ کا خطاب دیا گیا ہے، وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ○ (۱۳ ۳۷) یعنی "اور اسیطرح ہم نے اس قرآن عظیم کو عربی زبان میں منشائے ایزدی کی سند بنا کر اتارا ہے اور اگر اے محمدؐ! تو نے اس علم کے ہوتے ہوئے لوگوں کی خواہشات کا تتبع کیا تو یاد رکھنا کہ خدا کی گرفت سے بچانے والا تیرا کوئی حمایتی نہ ہوگا"۔ سورہ نحل میں پھر وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (۱۶ ۶۴) کے الفاظ آئے ہیں اسی سورۂ شریفہ میں قرآن کو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (۱۶ ۸۹) فرمایا ہے جس کے معانی صفحہ ۵۶ کے متن میں گزر چکے ہیں ذرا آگے بڑھ کر پھر اسی کے متعلق هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (۱۶ ۱۰۲) ہے سورہ انبیاء میں ہے وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۚ (۲۱ ۵۰)۔ "یہ بہت برکت پیدا کرنے والی کتاب ہے جسکو ہم نے اُتارا"۔ سورہ نمل میں دو جگہ بوضاحت تمام یہی مضمون ہے هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (۲۷ ۲)، وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (۲۷ ۷۷)۔ سورہ عنکبوت میں کتاب خدا کو ایمان والوں کے لئے رحمت اور عبرت فرمایا ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (۲۹ ۵۱)۔ سورہ لقمان میں هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ○ (۳۱ ۳) ہے، یعنی "حسن عمل کرنے والوں کے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ هُدًى وَّشِفَآءٌ کے الفاظ سورہ حٰم السجدہ میں پھر آتے ہیں؛ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ○ (۴۱ ۴۴)، یعنی "اے پیغمبر کہہ دو کہ قرآن عظیم ان لوگوں کے لیے جو اسکو کتاب خدا تسلیم کر کے اسپر عمل پیرا ہیں ہدایت اور شفا ہے"۔ اور سورہ جاثیہ میں تو قرآن کو تمام عالم کے لیئے بصیرت اور تدبر کا مخزن کہکر عمل پیرا قوم کے لیئے ہدایت کا لازوال مصدر اور رحمت خدا کا بے مثال ذریعہ قرار دیا گیا ہے هٰذَا بَصَآىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ (۴۵ ۲۰)۔ اور سورہ احقاف میں اسکو حسن عمل کرنے والی جماعتوں کے لیئے قیام و بقا کی بشارت بتا کر ایک عالم کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے وَّبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ○ (۴۶ ۱۲)۔ یعنی "حسن عمل کرنے والی قوم کیلئے قیام و بقا کی بشارت ہے"۔ الٰہی بشارت کی نوعیت کیلئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۵۹۔

یہ تمام آیات قرآنی جو قرآن کے طول و عرض میں مختلف مواقع پر آئی ہیں اور جن کے حیرت انگیز تطابق اور توافق کو دیکھکر کتاب خدا کا طالب العلم اس کے استقلال کا از خود قائل ہو جاتا ہے، اس امر کی صریح شہادت ہیں کہ خدا کی نظروں میں تورات، انجیل اور قرآن کی مشترک خوبی اُن کی بے مثال ہدایت میں ہے یہی اُن کا جوہر علم ہے۔ کسی ادبی یا لغوی، سطحی یا رسمی تفوق کا ان آیات میں ذکر تک نہیں جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اُن کے نفس موضوع پر ہے، ہدایت اور نور پر ہے، رحمت اور بشارت پر ہے، عبرت و موعظت پر ہے، برکت اور شفا پر ہے، علم اور بصیرت پر ہے، حکمت اور امامت، تفصیل اور جامعیت پر ہے، استقلال اور کمال پر ہے۔ اسکے ماسوا کسی دوسری شئے پر نہیں۔ اور جب تورات و انجیل کو قریب قریب انہی اوصاف کے ساتھ موصوف

اور منطقی اجتہاد کرتے وقت انہوں نے اِس امر پر غور نہیں کیا کہ اسلام ایک کامل مذہبِ عمل اور کلام الٰہی ایک کامل کتاب شریعت ہے، اور اِس لحاظ سے اِسکے نکات کو حل کرنے یا تکمیل درس کیلئے کسی ناقص فلسفہ، کسی جاہلی نقل و روایت، کسی مصنوعی لغت[†]، حتیٰ کہ کسی یقینی اور غیر یقینی حدیث کی بھی

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۹۰) کیا ہے جو قرآن حکیم کے حق میں آئے ہیں اور تمام عالم کو صلائے عام دیدی کہ توراۃ اور قرآن سے بہتر کتاب تو لے آؤ؛ قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا (۲۸ ۴۹)، تو قرآن کی فصاحت کا وہ مخصوص ادعا جو عرب نے صرف اپنی زبان کی برتری جتلانے کے لئے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے اُس وقت تک محض باطل اور بے معنی ہے جبتک کہ توراۃ کی عجمی زبان (یعنی عبرانی) کو بھی اسیقدر فصیح نہ مان لیا جائے لیکن مغرور عرب کو گنگ عجم کے ساتھ یہ ناقابل برداشت رقابت اور شرکت کب گوارا ہو سکتی ہے۔ اور جب یہ منظور نہیں تو اِس مہلک تخیل کی عزنہا قرآن تک نشر و اشاعت کرکے باقی دنیائے اسلام کو کیوں دھوکہ دے رکھا ہے کہ قرآن کی سب سے بڑی فضیلت اسکی شاعرانہ بلاغت ہی ہے، اسی پر ایک دنیا مرمٹی تھی، اسی کے جوش اعتقاد میں عرب سرنگوں ہو گیا تھا، عمر جیسا شاعری سے بیزار انسان دم بخود ہو کر اسلام لے آتا تھا، ایک ایک آیت کی فصاحت پر سب عرب و عجم سر دُھنتے تھے، اُندلس کی چوٹیاں فرش جبیں ہو گئی تھیں، کسریٰ کا تخت ہل گیا تھا۔ اگر حال یہی تھا تو قرآن آج بھی موجود ہے۔ اسمیں ایک حرف کے برابر تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ آج اسکی بلاغت کو دیکھکر اہل عرب کے کانوں پر جوں تک کیوں نہیں رینگتی۔ آج وہ کیوں اپنے حمیّت کے جوش میں مکے اور مدینے کو، قرآن اور اسلام کو غیر کے ہاتھوں بیچ رہے ہیں اور ٹس سے مس تک نہیں ہوتے!

قرآن کی کل کائنات میں سے بڑھکر اگر کوئی آیت ہو جس کی بنا پر اسکی شاعرانہ فصاحت کا دعوےٰ چند لمحوں کیلئے کھڑا ہو سکتا ہے تو وہ ذیل کے الفاظ ہیں جنکو بزور فکر جستہ حال کر لینا نسبتاً آسان ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ (۱۶ ۱۰۳)، "اور ہم خوب جانتے ہیں کہ کٹ حجتی لوگ افواہیں اڑاتے پھرتے ہیں کہ محمدؐ کو یہ قرآن عظیم ایک چلتا پرزہ انسان سکھلا جاتا ہے، تعجب اُحمقیت ہے کہ جس شخص کیطرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں اُسکی زبان تو عجمی ہو، اور یہ قرآن شستہ اور سلیس عربی زبان ہو"۔ یہاں زیادہ سے زیادہ نتیجہ جو ایک سلیم العقل شخص نکال سکتا ہے یہ ہے کہ قرآن کی زبان اسقدر صاف ستھری ہے کہ اگر کوئی عجمی یا غیر عرب شخص اسکی نقل نہیں کر سکتا اِس سے زیادہ نتیجہ نکالنا حتماً نا روا ہے۔ نہیں بلکہ اس آیت سے صاف اِس امر کا امکان باقی رہتا ہے کہ کوئی عرب اہل زبان قرآن کی عبارت کی نقل اُسی سلاست سے کر سکے۔ اگرچہ عجمی کے حیز امکان سے یہ بات قطعاً خارج ہے کہ ایسی سلیس عبارت کا مثیل پیدا کر لینا عجمی کی استطاعت سے باہر ہو تو اسکو ایک عربی الاصل شخص کی استطاعت سے بھی باہر سمجھنا بیجا اور غلط ہے۔ اگر یہی بات تھی تو عجمی اور عربی میں تفریق کرنیکی کیا ضرورت تھی، صرف کہہ دیا ہوتا کہ وہ تو محض ایک انسان ہے اور یہ قرآن ایسی شستہ زبان ہے کہ ابن آدم سے اسکا مثیل پیدا ہونا محال ہے۔ میرے خیال میں یہ آیت بجائے خود اِس امر کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کی بے مثال فضیلت کم از کم اسکی عبارت آرائی اور لفظی فصاحت نہیں۔

[†] علم لغت پر پہلی کتاب جیسا کہ صفحہ ۴۷ کے تحت المتن میں ظاہر کر دیا گیا ہے تیسری صدی ہجری کے اوائل میں تیار ہوئی۔ یہ خصوصیت صرف عربی زبان تک محدود نہیں بلکہ ہر زبان کا یہی رویہ رہا ہے کہ اسکی لغت صدیوں اور قرنوں بعد میں مدوّن ہوتی رہی ہے۔ جب جب کسی زبان کو روئے زمین پر استقلال حاصل ہوتا گیا، لوگوں نے اُسکے الفاظ کو لیکر رائج الوقت معانی کو مرتب کر دیا۔ اور اُس خاص زمانے کو مدنظر رکھکر ایک لغت تیار کر لی۔ لیکن کسی زبان کے معانی الفاظ کی تاریخ بجائے خود ایک انقلابی داستان ہے اور حیات قومی کے ارتقا، بقا و فنا سے اُسکا ایک نہایت گہرا تعلق ہے۔ لوگ زمانے کی چلن کے مطابق الفاظ کو لیکر اُسکے حسب مطلب معانی وضع کر لیتے ہیں، پھر جوں جوں محسوسات اور اعمال میں تغیر ہوتا جاتا ہے، معانی بدلتے جاتے ہیں اِس مقام نظر سے کسی زمانے کی بنائی ہوئی لغت صرف اُسی زمانے کے مروجہ معانی کی سند ہو سکتی ہے، ماقبل اور مابعد کے مطالب میں اسکو چنداں حَکَم نہیں ٹھیرایا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ ہر زبان میں الفاظ کی ایک تعداد کثیر ہر زمانے میں موجود رہتی ہے جن کے مفہوم کی اصلیت بگڑ بگڑ کر زائل ہو چکی ہے کچھ نامکمل تشریح سے، کچھ غلط رواج سے، کچھ عادت کے الحادی اثر سے، کچھ صورت کے معنوی فساد سے الفاظ کا صحیح اور اساسی مفہوم محرف

ضرورت نہیں. أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ (۵ : ۵۰) کیا وہ اس قانون جلیل کو

۵۰ تو کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا حکم (یعنی قانون) چاہتے ہیں لیکن اس قوم کے لئے جسکو قرآن کی حقانیت پر کامل یقین ہو اللہ سے بہتر حکم (قانون) کس کا ہو۔

(بقیہ تحت الہامش صفحہ ۹۱) ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بسا اوقات مرور وقت کے باعث اسکا اعتراف کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ ہر زبان میں اس قسم کے الفاظ کی صدہا مثالیں موجود ہیں جنکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ لیکن خاص قرآن کی لغت کے اندر جو معنوی انقلاب امتداد عہد کے باعث وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے مسلمانوں کی حیات کے ہبوط کی بہترین مثال ہے۔ ایمان، شرک، عبادت، کفر، صلاح، تقویٰ، ہدایت، ظلم، فسق وغیرہ وغیرہ بیسیوں الفاظ قرآن میں موجود ہیں جنکے مطالب جزئیۃً یا کلیۃً مسخ ہو چکے ہیں اُن کا اصلی کیف دل ختم ہو گیا ہے۔ ایمان آج کسی رسمی کلموں کو دُہرا لینے کا نام بنا ہوا ہے عبادت دو چار رسمی سجدوں تک محدود ہو گئی ہے اصلاح کے کوئی مستقل معانی نہیں رہے، تقویٰ پرہیزگاری کی بے معنی اصطلاح کے مرادف بن گیا ہے ہدایت کا صحیح مفہوم ذہنوں سے قطعاً نکل چکا ہے وغیرہ وغیرہ کوئی انسان کی بنائی ہوئی لغت ان آلہی اصطلاحات کے صحیح مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن حکیم نے اول مرتبہ ان الفاظ کو زبان عرب سے لیا اور ہر لفظ کے متعلق ایک مستقل مفہوم مدنظر رکھکر اسکی لغت وضع کی اور اس مفہوم کی تعلیم رسول خدا نے بنفس نفیس میں براہ راست کرا کر ایک خاص ماحول پیدا کیا۔ جوں جوں اس ماحول کا اثر ناپید ہوتا گیا معانی بدلتے گئے۔ مگر ان الفاظ کا الٰہی اور صحیح مفہوم اب تک قرآن کے اندر موجود ہے بشرطیکہ انسان اُسکے دریافت کرنے کی سعی گوارا کر سکے۔ اسی معانی میں کتاب خدا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۶ : ۸۹) اور تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲ : ۱۱۱)، اور فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ (۷ : ۵۲)، اور الْكِتَابَ مُفَصَّلًا† (۶ : ۱۱۵) ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے وہ سب تعبیر پذیر اور موضوعی لغات سے بے نیاز ہے۔ اس حقیقت کے ناقابل انکار ثبوت کتاب کی آیندہ مجلدات میں پیش کر دیا جائیگا۔ یہاں پر مدعا صرف اس دعوے کی تعیین ہے یہ معانی کے لحاظ سے سب انسانی لغات سے بے نیاز ہونا، اور اپنے دائرے کے اندر ایک محکم اور مبسوط، مفصل اور مکمل، مشترح اور ناتعبیر پذیر کتاب ہونا ہی قرآن کے انسانی تصرف سے محفوظ ہونے کی دلیل ہے اور اسی لیئے اسکی شان میں کہا ہے

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (۱۵ : ۹)

لوگو! ہم ہی نے اس قرآن عظیم کو تم پر اتارا اور ہم ہی باوجود تمہاری سب جدت پسندی اور تعبیر آرائی کے اس کے ظاہر اور باطن کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اسکے مطالب کو روئے زمین پر سے نابود ہونے سے محفوظ رکھیں گے۔

لوگ قرآن کے متعلق جو تشریح چاہیں بنالیں، اس کی آیات کو توڑ مروڑ کر جو مطلب جی چاہیں نکال لیں، تاویل کے انبار کے انبار لگا دیں یا تکرار کے طومار بکھیر دیں مگر اس کے صحیح اور واحد معانی جو قرآن کے اندر موجود اور محفوظ ہیں ایک ایک لفظ کی مکمل اور مفصل شرح اسی اوراق کے اندر ہے۔ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی اور ایک جز دوسرے جز کی نمایاں تائید اور کامل تفسیر کر رہا ہے۔ اس کو کسی فلسفے کی ضرورت ہے نہ حکمت کی، لغت اور نہ حدیث کی۔ وقت، حالت، موقع، زمانہ، مصلحت وغیرہ وغیرہ کا اسکے مطالب پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اسکے کلمات صدق اور عدل پر ختم ہو چکے ہیں وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ‡ (۶ : ۱۱۶)، انسان کے معانی کو، ان کے الٰہی مقاصد کو کوئی خارجی طاقت بدل نہیں سکتی کیونکہ خدا خود اس کا محافظ ہے۔ اسی نے اسکو اسقدر مفصل اور مکمل کر دیا ہے کہ اب اس کے الفاظ کے علاوہ مطالب بھی ابدالآباد تک محفوظ ہیں۔ انسان کا یارا نہیں کہ مکر و تاویل سے یا قیاس و رائے سے ان میں تبدیلی پیدا کر کے خدا کو اپنا ہم آہنگ کر سکے!

اللہ اللہ! کتاب خدا کے جامع اور مکمل ہونے پر ایک وقت وہ کاشف غطا یقین تھا کہ روئے زمین کا ہادی اعظم اور سالار اعظم وفات سے چار دن پہلے بیہوشی کے عالم میں قلم دوات اور کاغذ طلب فرماتا ہے کہ ایک تحریر لکھ دے جسکے بعد اُمت گمراہ نہ ہونے پائے لیکن عرب کی اُس بہترین اُمت کا وہ اولوالعزم اُمتی عمرؓ اس فرمایش کو سنکر ذرا نہیں گھبراتا اور اطمینان قلب کے ساتھ کہدیتا ہے کہ ختم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درد کی شدت ہے جس کی وجہ سے بے ربط باتیں کر رہے ہیں حسبنا کتاب خدا تو ہمارے لیئے ابدالآباد تک کافی ہے، اب انہیں کچھ تنے بڑھانے کی نہیں رہی!

† ان آیات کے مطالب اور سلسلے کیلئے دیکھو ہامش بیت صفحہ ۵ و صفحہ ۸۶ و صفحہ ۵۸ و صفحہ ۹۳ - ‡ دیکھو صفحہ ۹۳ آیہ (۶ : ۱۱۶)

منجانب اللہ اور مکمل یقین کرتے ہوئے اِس نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے تھے کہ اسلام کے حقیقی محافظ قرآن نے قرآن کی آیاتِ بیّنات میں مسلمانوں کی حالتِ ضعف کا اُن کے عہدِ قوت کا، اُن کے وقت جنگ کا اُن کے خوف و حُزن کا، ان کے دَورِ امن کا، ان کے انفرادی مقام اور اجتماعی حیثیات کا، الغرض ان کی دائمی بہبودی کا کامل دستور العمل جمع کر دیا ہے؟ کیا امن اور تہذیب، اجتماعی تقدم اور علم، تغلب اور تمکن، قضا اور قانون کا لائحہ عمل ڈھونڈتے وقت وہ اُن قطعی اور عام احکام کو پیش نظر نہیں رکھتے تھے جو مسلمانوں کو ہر ممکن حالت میں صراطِ مستقیم دکھانے کیلئے کافی تھے، اور جن میں شارعِ اسلامؐ نے صاف صاف فرما دیا تھا کہ اللہ کا طریقہ معلوم کرنے کے لیئے کلام الٰہی کی حکمت اور موعظت یکسر کافی ہے، بلکہ دینی اور دنیاوی سب معاملات کی بہترین حَکَم خدائے عظیم کی یہی مفصّل اور جامع و مانع کتاب ہے!

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝† (۶ ۱۱۵-۱۱۸)

† ان آیاتِ الٰہی کے مطالب کی تشریح کا ایک حصّہ صفحہ ۹۲ کے تحت الحتی میں گزر چکا ہے۔ یہاں پر ایک دو باتیں جو نہایت قابل غور ہیں بیان کر دیجاتی ہیں۔ اولاً "تعلمون" (۶ ۱۱۵) اور "السمیع العلیم" (۶ ۱۱۶) اور "ان یتبعون الا الظن" (۶ ۱۱۷) اور "اعلم من یضل عن سبیلہ" (۶ ۱۱۸) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہاں پر قرآن حکیم کی فضیلت "علم" بتلائی گئی ہے اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ جو لوگ فی الحقیقت اس کتاب عظیم کا "علم" رکھتے ہیں انکو یقین ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب اُس "السمیع" اور "العلیم" یعنی بڑے سمع رکھنے والے اور بڑے علم والے کے ہاں سے اُتری ہے (۶ ۱۱۵) میں قرآن کے مفصّل اور مصدرِ علم ہونے کا دعویٰ ہے تو (۶ ۱۱۶) میں اسکے مکمل اور قابل بدل صادق اور عادل ہونے کا ادعا ہے۔ (۶ ۱۱۷) میں کہا گیا ہے کہ اس کتاب کا بتایا ہوا دستور العمل ہی "سبیل خدا" ہے اسلیے کہ "صحیح علم" پر مبنی ہے اور جو شئے اِس علم کے مخالف یا ماسوا ہے "ظن" ہے۔ گمراہی یہی ہے کہ اِس لائحہ عمل سے پرے ہٹا جائے اور اِس علم کو نظر انداز کر دیا جائے۔ "ہدایت" یہ ہے کہ اِس خزینہ علم کو مستقل دستور العمل بنا لیا جائے۔

اِن نکات کو پیش نظر رکھکر (۶ ۱۱۷) اور (۶ ۱۱۸) کے مطالب کا تطابق صفحہ ۸۷ کے متن کی آیات (۵۳ ۲۸) اور (۵۳، ۳۰) سے ظاہر ہے اور تسلسل کے معانی عیاں ہو جاتے ہیں۔ گویا "سبیل خدا" وہ ہے جو "علم" سے حاصل ہو اور چونکہ "علم" سمع و بصر اور حواس سے حاصل ہوتا ہے اس لیے جو شئے مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو وہ سبیل خدا ہے۔ "السمیع العلیم" خدا کا بھیجا ہوا کلام بھی علیٰ ہذا القیاس "علم" ہے۔ اور اسپر چلنا ہی سبیل خدا پر چلنا ہے۔

تو کیا یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں (یعنی رسولؐ) ماسوا خدا کے کوئی اور حَکَم تلاش کروں، اور تمہارے معاملات کا قرآن کے ماسوا کسی اور کتاب کے مطابق فیصلہ کیا کروں، حالانکہ اُس خدا نے تمہاری طرف مشرح اور مبسوط کتاب بھیجی جس میں ہر طرح کی تفصیل موجود ہے اور جن لوگوں کے لیئے درحقیقت ہم نے یہ کتاب بھیجی ہے وہ تو خوب جانتے ہیں کہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہے، اور حقائق عالیہ سے پُر ہے۔ تو اے پیغمبر! ان کے لغو اعتراضات کو سُن کر اس کتاب کے مفصل اور کامل ہونے میں کہیں شک نہ کرنا۔ تمہارے پروردگار کے سب کلمات اس کتاب میں صدق و عدل پر ختم ہو گئے ہیں، اب کچھ بات کہنے کے لائق نہیں رہی، اور نہ اس کے کلمات کے صدق و عدل کو کوئی خارجی طاقت ہی بدل سکتی ہے، اور وہ خدائے عظیم انسانی ضروریات کو بڑا سمجھنے والا اور آئندہ احوال کا بڑا علم رکھنے والا ہے۔ اور اے پیغمبر! اگر تو اس کتاب خدا کو چھوڑ کر اکثر اُن کی جو زمین میں بستے ہیں، پیروی کرے گا تو وہ تم کو خدا کے راہ راست سے بھٹکا دیں گے۔ یہ لوگ تو محض ظنیات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں، علم و یقین کا اں میں نام تک نہیں۔ تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے دکھائے ہوئے رستے سے بھٹکتا ہے اور کون صراط مستقیم پر ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ† ۝ (۲۹: ۵۰-۵۲)

† ان آیات الٰہی میں معترضین کی اس فرمایش کو کہ رسول خدا پر نشانیاں (یعنی معجزے) اُترنے چاہیئے تھے، مسترد کر دیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ معجزے خدا کے پاس ہیں، اور رسولؐ تو تم کو اجتماعی ہلاکت سے ڈرانے کیلئے آئے ہیں تماشہ دکھلانے کے لیئے نہیں آئے۔ آگے چلکر فرمایا ہے کہ یہ قرآن عظیم بذات خود ایک آیت الٰہی (معجزہ) ہے کیونکہ لوگوں کے پاس اجتماعی بقا اور اس کی بشارت (رَحْمَةً) لیکر آیا ہے اور اسکے ذریعے سے مستقل عبرت (ذِكْرٰى) حاصل ہوتی ہے کیا یہ معجزہ کم ہے کہ تمہارے پاس ایک شخص ایسی جلیل القدر ذات کا کلام لائے جو آسمان و زمین کا کامل علم رکھتا ہو! (يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) گویا یہاں پر بھی قرآن کی فضیلت 'علم' بتلائی گئی ہے اور اسی لحاظ سے اسکو تمام معجزوں سے برتر قرار دیا گیا ہے۔ جو لوگ قرآن کو معجزہ اسلیے قرار دیتے ہیں کہ اسکی شاعری اور فصاحت بے مثال ہے ان کے لیے یہ آیات از بس قابل غور ہیں۔ یہ نکتہ اور بھی واضح اسوقت ہو جاتا ہے جب ان آیات سے پیشتر کی آیت یعنی بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (۲۹: ۴۹) کو پیش نظر رکھا جائے۔ جہاں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ یہ قرآن عظیم صاحب علم لوگوں کے سینوں میں روشن اور ناقابل انکار آیات (احکام) کا مجموعہ ہے۔

ان آیات کا آخری حصہ یعنی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲۹: ۵۲) بھی نہایت قابل غور ہے یہاں پر معجزات پر ایک نہایت لطیف اور عمیق جرح کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ معجزات کو دیکھ کر کسی کو رسول خدا ماننا فی الحقیقت ایک ناپائیدار اور غیر قائم ظنی اور وہمی باتوں پر ایمان لانا ہے۔ اسمیں کلام نہیں کہ بڑے سے بڑے معجزے کا اثر بھی مقامی اور وقتی ہی ہوتا ہے اور کچھ مدت کے بعد زائل اور باطل ہو جاتا ہے۔ یہاں

اور یہ جو عرب لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس شخص پر اپنے پروردگار کیطرف سے عجیب و غریب نشانیاں کیوں نہیں اُتریں تو اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ معجزے تو خدا ہی کے پاس، اور اُسی کے دست قدرت میں ہیں، اور میں تو صرف ایک علی الاعلان خدا سے ڈرانے والا اور احکام کو کھلے طور پر بیان کر دینے والا ہوں۔ کیا ان لوگوں کے لیئے یہ بات کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اُتاری جو اُنپر واضح کردیجاتی ہے، اور جس میں اُس قوم کے لیئے جو اسکے حقائق عالیہ پر ایمان رکھتی ہو رحمت اور نصیحت ہو۔ ان سے کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ بس ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب باتوں کا علم رکھتا ہے، اور جو لوگ ظنی اور وہمی، باطل اور غیر یقینی باتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور خدا کے نافرمان ہیں وہی بالآخر گھاٹے میں رہیں گے۔

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ †وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○ (۱۶:۱۲۵)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۴) معجزات کی ماہیت سے بحث کرنے کا مقام نہیں اور نہ اُن کے وجود سے انکار کرنا اس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔ یہ بحث انشاءاللہ تیسری مجلد میں نہایت شرح و بسط سے کیجائے گی اور بتایا جائے گا کہ قرآن عظیم کسقدر اکرم ارحم ہے؟ عہد رسول میں معجزوں کو غیر ضروری گردانتا ہے اور اپنی صداقت کا تمام تر ادعا اپنے علم اور حکمت کو قرار دیتا ہے۔ مگر سر دست یہ ظاہر ہے کہ خدا کو جو رسول اور عوام کے درمیان گواہ ٹھیرایا گیا ہے (قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا) اس سے مقصود یہی ہے کہ یہ کتاب جو اُن کے سامنے ہے معدنِ علم ہے اور اس ذات پاک کی اتاری ہوئی ہے جو آسمانوں اور زمین کا علم رکھتا ہے چنانچہ دوسری جگہ ہے قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (۲۵:۶) یعنی اُسے پیغمبر اعلان کر دو کہ اس کتاب کو اس پاک ذات اور عالی تبار خدا نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید کا علم رکھتا ہے۔ گویا کہا گیا ہے کہ اس کتاب کو بطور خود جانچ تول کر دیکھ لو اگر اس میں وہ علم اور حکمت موجود ہے جو تم کسی خدا کی بنائی ہوئی کتاب میں ہونے کے متوقع ہو تو اسکو مان لو، ورنہ رد کر دو۔ یہی میری صداقت کی دلیل ہے۔ میں معجزوں سے اپنے آپ کو منوانا نہیں چاہتا اور جو لوگ صرف معجزوں کے ذریعے سے کسی کی سچائی کو آزمانا چاہتے ہیں اور نفس پیغام کو نہیں دیکھتے، یا جو سرے سے خدا کے منکر ہیں اُنہی کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ ہر کس و ناکس کچھ نہ کچھ خرق عادت باتیں دکھلا سکتا ہے یا ادعا کر سکتا ہے کہ یہ بجلی میری وجہ سے گری، یہ قحط میری بددعا سے پڑا وغیرہ وغیرہ۔

آج چونکہ مسلمانانِ عالم نے قرآن کو اس نظر سے دیکھنا چھوڑ دیا ہے اور علم و مشاہدے کو چھوڑ کر باطل اور بے حقیقت باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں اسی وجہ سے وہ گھاٹے میں ہیں (أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○) اور اسوقت تک رہیں گے جبتک حقیقت کو اپنا رہنما نہ بنائیں گے۔

† کلام خدا کو بار بار 'الحکمۃ' کہا گیا ہے جیسا کہ صفحہ ۸۴ کے تحت المتن کی آیات (۲:۲۳۱)، (۲:۱۵۱)، (۲:۱۲۹) اور (۴:۱۱۳) سے ظاہر ہے۔ قرآن کے لیئے 'مَوْعِظَةٌ' کا لقب بھی بار بار آیا ہے جیسا کہ صفحہ ۹۰ کے تحت المتن کی آیات (۳:۱۳۸)، (۱۰:۵۷) اور (۱۱:۱۲۰) سے ظاہر ہے۔ پس ما پر آیت کے مطالب صاف ہیں یعنی لوگوں کو اس قرآن ہی کے دستور العمل کی طرف بلاؤ کیونکہ خزینہ علم و حکمت ہونیکے باعث سبیل رب یہی ہے۔ ماقبل کی آیات (۱۶:۱۱۵–۱۱۸) سے بھی مطلب کا تطابق ہی ظاہر ہو جن لوگوں نے اس آیہ شریفہ کے یہ معانی سمجھے ہیں کہ عوام کو حکمت (یعنی دانشمندی) سے، اور اچھی اچھی نصیحتیں کر کے اسکے پروردگار کی طرف بلایا کرو، وہ ایک سطحی، لایعنی اور غیر متعین بات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور اصلیت تک پہنچنے کی سعی نہیں کرتے۔ اس کا مقصود صرف 'جَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ' کے الفاظ سے پورا ہو سکتا تھا پھر تکرار کی ضرورت کیا تھی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مصدر علم و یقین ہے پس اسی کو معیار قرار دیکر سبیل خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ یہ علم و یقین کیطرف رہنمائی کرنا ہی سبیل خدا پر چلانا ہے۔ دیکھو

تحت المتن † صفحہ ۸۰ و ۹۳۔

اے پیغمبر! اپنے پروردگار کے راہِ راست کی طرف لوگوں کو اس قرآن ہی کے ذریعے سے بلایا کرو، کیونکہ یہی حکمت کاملہ اور موعظہ حسنہ ہے۔ اور اگر ان کے ساتھ اس کے متعلق کوئی بحث چھڑ جائے تو نہایت بہتر طور پر اور نرمی سے کرو۔ پھر اس کے بعد جو اُسکے دکھائے ہوئے راہِ راست سے بھٹک گیا، اور جو ہدایت پا گیا اُن سے خدا ہی بہتر واقف ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ† ○ (۵ : ۴۵)

اور جو لوگ ہر اہم معاملے میں کلام اللہ کو حَکَم نہیں ٹھیراتے وہی ظالم ہیں۔ (اور ہلاکت کے مستوجب دیکھو صفحہ ۸۱۔ آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷-۴۵))

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ† ○ (۵ : ۴۷)

اور جو لوگ ہر دور رس معاملے میں قرآن سے اخذ نتائج نہیں کرتے وہی فاسق ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل (۴۶ : ۳۵) دیکھو صفحہ ۸۱۔ اور تحت المتن صفحہ ۸)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ† ○ (۵ : ۴۴)

اور جو لوگ ہر معاملے کے متعلق کتاب خدا کو حَکَم نہیں ٹھیراتے وہی منکر خدا ہیں۔ اور اجتماعی ہلاکت کے اہل

آج قانونِ اُمم کی یہ مفصّل کتاب، یہ سنتِ خدا کا ناممکن التبدل مرقع، یہ الٰہی محکمۂ قضاء و قدر، یہ علمی معجزات کا سحرستان جلال‡ انسان کی قرنہا قرن کی باطل آرائی، طرفہ اندیشی، اور عجائب نوازی کے بعد

---

† ان تینوں آیتوں میں 'کفر'، 'ظلم'، اور 'فسق' کے الفاظ ایک ہی موضوع کے متعلق استعمال کیے گئے ہیں۔ قرآن کی لغت میں یہ تینوں اصطلاحیں اسقدر جامع اور لرزہ انگیز ہیں کہ کسی قوم پر اِن کا صادق اطلاق اسکو انتہائی سزا کا مستوجب یکسر قرار دیتا ہے۔ صفحہ ۸۱ کے متن میں کتاب خدا کا محاکمہ ظالم اور فاسق اقوام کے بارے میں بیان کر دیا گیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ایسی قوموں کی ہلاکت روئے زمین پر یقینی ہے، دیکھو آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷)، (۴۶ : ۳۵) یہی بات آیات لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ (۱۴ : ۱۳-۱۴) سے بھی ظاہر ہے جو صفحہ ۴۳ کے متن میں آ چکی ہیں۔ کافر قوم کے متعلق یہی محاکمہ قرآن میں جابجا موجود ہے۔ سورۂ مومن میں ہے فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (۴۰ : ۲۲) "یعنی پھر انہوں نے کفر کیا تو خدا نے بھی اُن کو دھر پکڑا اور یکسر ہلاک کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خدا بڑا طاقتور اور شدید العقاب ہے" گویا کفر اور اجتماعی ہلاکت آپس میں توام ہیں۔

سورۂ سبا میں سیل عرم کی ہلاکت کے بعد ہے ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ○ (۳۴ : ۱۷) "یہ بھی سزا جو ہم نے اُن کو کفر کی پاداش میں دی، اور کیا سوائے کافر قوموں کے ہم کسی اور کو بھی ایسا بدلہ دیتے ہیں"۔ یعنی نہیں دیتے۔ گویا ظاہر ہے کہ کافر قوم کی ہلاکت بھی روئے زمین پر یقینی ہے۔ اس قطعی شہادت کی بنا پر ہم نے مندرجۂ متن آیات کے ترجموں میں "ہلاکت کے اہل" کے الفاظ زیادہ کر دیے ہیں۔ رہا یہ امر کہ 'ظالم'، 'فاسق'، اور 'کافر' کی کیا تعریف ہے، یہ بحث نہایت طول طویل ہے اور آئندہ مجلدات میں تشریح اس عظیم الشان راز کو کھول دیا جائے گا۔ کتاب اللہ کو حَکَم ٹھیرانے کے معنی یہی ہیں کہ تمام اعمال میں قانونِ خدا کی عملی متابعت ہو جو آجکل کے عام نہاد مسلمانوں میں قطعاً نہیں ہے

‡ وادیوں کے درمیان گھرے ہوئے۔ اِن چاروں الفاظ میں بالترتیب آیہ (۶ : ۱۱۵) صفحہ ۹۳ (مُفَصَّلًا)، آیہ (۶ : ۱۱۶) صفحہ ۹۳ (لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ)، آیات (۵ : ۴۴، ۴۵، ۴۷) صفحہ ۹۶۔ اور آیات (۲۹ : ۵-۵۲) صفحہ ۹۴ کی طرف اشارہ ہے

طاقِ نسیان ورِیا کا وہ ناقابلِ فہم اور ناکار بر آرد فتر بن چکا ہے کہ اُس کے بارے میں امّتِ حاضرہ کی غلط رَوی کو دیکھکر عقل کانپ اُٹھتی ہے۔ اُسکی تعلیم و تعظیم کے اکثر مدّعی آج کشور کشائی اور جہانبانی، قوت اور امن، تمکّن اور تغلّب کے سب اگلے اور شکر انگیز ارمانوں کو پاؤں سے ٹھکرا کر خوف و مسکنت، ذُلّ و اِمساک، اور عجز و خمول کے عبرت انگیز ماحول میں، حُجروں کے اندر بیٹھے، کبر مولویت میں مگن ہیں۔ اُسکی رَواں تلاوت کو دارِ آخرت کی طلسمی کلید سمجھتے ہیں، اُسکو اکثر تجارت اور چیستاں بنائے بیٹھے ہیں، کہیں اُسکو پڑیوں میں لپیٹ کر بیچا جا رہا ہے، کہیں اُسکے تعویذ بنکر گلے کا ہار ہو رہے ہیں، کہیں اُسکی خوب خوانی پیٹ کا ایندھن بن رہی ہے، کہیں خوش اعتقاد اسکو گھول گھول کر پی رہے ہیں، کہیں ستم ظریف پھونکیں مار مار کر اڑا رہے ہیں، کہیں اُسکے اوراق میں کسی اسمِ اعظم کی تلاش ہے، کہیں اسکو رٹ رٹ کر بے اثر کیا جا رہا ہے، کہیں اُس سے مُردے کو ثواب پہونچ رہا ہے، کہیں خدا کو دادِ سخن مل رہی ہے، کہیں تحسین ناشناس اور جاہل کی واہ واہ ہے، نہ غرض و مطلب سے بحث ہے نہ مقصود سے سروکار ہے، نہ تعمیل پیشِ نظر ہے۔ اس کتابِ جلیل سے لے دیکر اگر کچھ اخذ ہو رہا ہی تو یہی استخارے اور فالنامے[†] ہیں، تمائم اور ٹوٹکے ہیں، فسونی اور سحری اعمال ہیں، اور اگر کوئی طبقہ ان مُہلک اثرات سے

[†] ایک استخارہ نامہ اسی قطع کا حال ہی میں میری نظر سے گذرا ہے جسکو طابع اور ناشر نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی غرض سے علامہ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ (المتوفی سنہ ۶۳۸ھ سنہ ۱۲۴۰ء) اندلس کے مشہور صوفی اور محدّث، اور صاحبِ الفتوحات المکّیۃ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس طومار نویس متکلم کے بارے میں، جس نے اپنی عمر میں ۲۸۹ کتابیں لکھیں، اور جو ظاہر پرفرقے کا رکن رکین شمار کیا جاتا تھا، وثوق سے معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں تک یہ مختصر رسالہ اُسکے قلم سے نکلا ہی، مگر جرمن مستشرق بروکلمین نے اسکی ایک سو پچاس موجودہ تصانیف کی جو فہرست دی ہے، اُسمیں اسکا کہیں مذکور نہیں۔ تاہم اسکی بعض تصانیف کے مذاق کو پاکر جنمیں سے اکثر جفر اور رمل اور اعتقاداتِ باطنیہ پر ہیں، عجب معلوم نہیں ہوتا کہ یہ استخارہ نامہ بھی اسی عجب ایجاد شخص کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو۔ لیکن مصنف کی ذات سے قطع نظر، جس مکروفریب سے طابع صاحب نے اس رسالے کو عوام کی نظروں میں عجیب و غریب ثابت کرنے کی سعی کی ہے، جس دیدہ دلیری سے اسکی طلسمی جداول کو قرآن کا زندہ معجزہ بتایا ہے، اور جو ادّعا مصنّف کی اسرار دانی خدا اور رسالے کی حقانیت کے بارے میں کیا ہے، اُسکا پول کھول دینا لازمی ہے۔ مصنّف نے اس رسالے میں ۲۳ جدولیں تیار کی ہیں۔ ہر ایک جدول میں ۱۰ خانے شرقاً غرباً اور ۱۰ خانے شمالاً جنوباً کھینچے ہیں۔ پھر قرآن کی پانچ حسبِ حال آیتوں کے ٹکڑے لیکر (یعنی وہ ٹکڑے جن سے سائل کے مطلوبہ سوال کے جواب کا ہاں یا نا، سعد یا نحس، مخالف یا موافق ہونے کا اندازہ ہو سکے) ہر جدول کے ۱۰۰ خانے اس انداز سے پُر کر دیئے ہیں کہ ہر ٹکڑے کا ایک ایک حرف علی الترتیب چار متصل خانے چھوڑ کر پانچویں خانے میں سما جائے۔ مثال کے طور پر پہلی آیت کے حرف خانہ نمبرا، ۶، ۱۱، ۱۶ وغیرہ میں، دوسری آیت کے حروف خانہ نمبر

نسبتہً محفوظ ہے تو اسمیں مقاصدِ قرآن کے بارے میں ہولناک افتراق ہے۔ ذہنی ویرانیاں اور غوغائے قیامت ہے، سطحی حیص بیص اور لفظی تنازعے ہیں، تفریقِ آراء ہے، انتشارِ نظر ہے، تشتتِ عمل ہے! ایسا تختۂ مشقِ اختلافِ قرآن، ایسا مجموعۂ شعر و سخن قرآن، ایسا سحری اور طلسماتی جدول، ایسا کاہنی جنترِ عمل، اُمّت کے افراد میں کیا امتثالِ امر اور کیا اتحادِ کار پیدا کر سکتا ہے۔ اُنکی نظروں میں یہ اختلاف شکست ہی قرآن کی اثر ہدایت ہے، بشارت اور رحمت ہے، نور و شفا ہے! عرب کی جاہلی عادتوں اور وہمی عقیدوں کا پُرانا خمیر مسلمانوں کی اعتقادی زندگی میں اس تیزی سے سرایت کر چکا ہے کہ اب اُن کے طرزِ تخیل سے اِس اثر کو دور کرنا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا ہے۔ آج دینِ متین کے باقی علم بردار اہلِ عجم بھی عرب کی اِن روایات کے اعلاء اور آیاتِ خدا کی تکذیب کے جرم میں تیرہ سو برس کی خواب آور مہلت کے بعد رفتہ رفتہ اُسی موت و فنا کے گھاٹ اُتر چکے ہیں جس پر اُن کے پیشوا اہلِ عرب کئی سو برس پہلے اُترے تھے!

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝ (۷، ۱۸۲-۱۸۳)

لوگو! سُن رکھو کہ جس قوم نے ہماری آیات کی تکذیب کی، جنکے انکو حقیقت کے بلند مرتبے سے گرا کر جھوٹ بنا دکھایا ہم انکو نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ ہلاکت کیطرف گھسیٹ لیجائینگے اور کچھ مدت تک انکو ڈھیل دینگے کہ خوب نیند کر لیں کیونکہ میرا داؤ بیشک بڑا پکا داؤ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۷) ۲، ۷، ۱۲، ۱۷ وغیرہ میں، تیسری آیت جاء سمر ۳، ۸، ۱۳، ۱۸ میں علیٰ ہذا القیاس باقی دو آیتیں بھی باقی حالتوں میں اسی ترتیب سے بھری گئی ہیں۔ پھر اس جدول کو خوش اعتقاد سائل کے سامنے رکھکر حکم دیا گیا ہو کہ وہ آنکھیں میچ کر اسکے کسی خانے پر انگلی رکھے، اور اُس حرف سے شروع کر آگے اور پیچھے کے چار خانوں کو علی التواتر چھوڑ کر ہر حرف لکھتا جائے، یہ صاف ظاہر ہے کہ اُن پانچ آیتوں میں سے کسی ایک آیت کے ہو گئے۔ اس لایعنی عمل کو دیکھکر بیوقوف شخص حیران رہجاتا ہو کہ یہ کیا کرامت ہے جس حرف پر انگلی رکھتے ہیں ایک قرآنی آیت بنجاتی ہے اور ہمارے سوال کا جواب خود بخود دیدیتی ہے استخارہ نامہ میں کل ۳۳ جدولیں موجود ہیں مگر طابع صاحب پر واضح رہے کہ تئیس کیا ایسی تئیس ہزار طلسمی جدولیں ضخیم زندوں میں تیار ہو سکتی ہیں اور یہ صرف قرآن کی آیتوں سے بلکہ کوک شاستر کے ہر اشلوک سے بھی۔ رہا مصنف کی اسرار دانی اور تقرب کا عقیدہ، سو اسکی نسبت اسیقدر کہدینا کافی ہو کہ جس شخص نے اپنی عمر کے ۷۵ برس میں بالاوسط ہر برس چار کتابیں لکھی ہوں اُسکے رد و نویس قلم سے بعض اوقات ایسی لایعنی تصنیف کا نکل جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔

✤ یہاں ترجمے میں ہم نے "تکذیبِ آیات" کے صحیح مفہوم کی ایک ادنیٰ صورت پیش کر دی ہے اور اشارہ کر دیا ہے کہ کسی حقیقت پر جھوٹ کا لباس اوڑھا دینا بھی تکذیب ہی ہے۔ اس تکذیب کا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اُس حقیقت کے متعلق تذبذب بلکہ یقین و ایمان پیدا ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اسکی تعمیل متعذر ہو جاتی ہے۔ یہ عقدہ اصل میں ہی صحیح معنوں میں تکذیب ہے جیسا کہ کچھ دیر بعد جل کر ظاہر ہو گا۔

مگر یونانی فلسفے اور عرب تخیل کے ان تمام ضعفِ ایمان، اور مخرّبِ عمل اثرات کے علاوہ دنیائے اسلام کو دائرہ عبودیت اور حلقۂ صلاحیت* سے حقیقی اور معنوی طور پر خارج کرنے، اور آج وراثتِ زمین سے یکسر محروم کر دینے کا سب سے بڑا باعث وہ طریقِ اجتہاد تھا جو صاحبِ شریعت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وفات کے کچھ دیر بعد ہی اسلام میں شروع ہو گیا تھا۔ اِس سمتِ تخیل نے جس سرد مہری، ناآشنائی اور بے دردی سے اسلام کے آباد آشیان کو بے رونق کیا، جس رعونت اور استغنا سے اسکی خانہ براندازی کی، جو نقصانِ عظیم رفتہ رفتہ اور نامحسوس طور پر مسلمانانِ عالم کی علمی اور تمدنی، ذہنی اور اقتصادی زندگی کو پہنچایا، تاریخِ عالم میں تخیل کی حیرت انگیز انقلاب آفرینی کی واحد مثال ہے! مگر اس اہم موضوع کے مطالب دلنشین کرنے کیلئے ایک مستقل اور طول وطویل بحث† کی ضرورت ہے جو قرونِ اولیٰ

---

* صفحہ ۷۰ کی آیات (۲۱ ۵ ۱۰۷ ۱) کی طرف اشارہ ہے۔

† یہ بحث اسقدر طول وطویل ہے کہ غالباً آئندہ تین یا چار مجلدات سے پیشتر ختم نہ ہو سکے گی۔ اسمیں بتدریج تمام اُس مہلک اور جمود انگیز تخیل کی تکذیب کر دی گئی ہے جسکے باعث اسلام آج محض اعتقادی اور نظری، لفظی اور رسمی شئے کا نام بن گیا ہے، اسمیں عمل سے اسکا خاتمہ کچھ واسطہ نہیں رہا۔ سب اعتقادات اور معاملات عالمِ قول وخیال میں منتقل ہو گئے ہیں یا اُن کے مقاصد واغراض قطعاً بدل چکے ہیں اور فعل وعمل کے لائق کوئی شئے نہیں رہی۔ یہ معرکۃ الآرا بحث دراصل آیۂ استخلاف (۲۴ ۵۵) صفحہ) کے الفاظ 'اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' کی تشریح ہی ہے اور اسی ضمن میں کلامِ الٰہی کے ایک معتدبہ حصّے کے مطالب بھی عیاں ہو گئے ہیں صفحہ ۳ ۲ کے اُس عبرت آموز سوال کا جواب کہ آج تیرہ سو برس کے مسلمانانِ عالم کیوں وراثتِ زمین سے محروم کر دیے گئے، اور مغرب کی بیدار قومیں کیوں انکی مستخلف بن چکی ہیں، یہ اسی اثنا میں مطرداً بیان کیا گیا۔ جہاں جہاں موقع ملا ہے جواب کی مختلف شقیں ظاہر ہوتی گئی ہیں حتی کہ عنوانِ عمل کے اخیر میں (جو غالباً پانچویں مجلد ہوگی) اس جواب کو ختم کر دیا ہے۔ اس مجلد میں باقی بحث صرف لفظ 'ایمان' اور اسکے تکیف پر ہے پھر اسکی اہم شرائط کو پیش نظر رکھکر ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کا واحد منتہائے نظر کیا تھا اسکا تمام دستور العمل کس مستقل نصب العین کے درپے تھا وہ مطمحِ نظر کیونکر حاصل ہوا تھا اور آج کیوں نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے وغیرہ۔ مجلد کا آخری حصّہ 'عبادات' کی اساسی حکمتِ عملی پر مشتمل ہے۔ اسلام کے موجودہ ماحول میں یہی وہ اہم اوامر ہیں جو دینِ اسلام کے ارکان خیال کیئے جاتے ہیں اور انہی پر 'اعمالِ صالحہ' کے الفاظ کا اکثر اطلاق آجکل ہوتا ہے۔ اِس بنا پر کتاب کے ابتدائی حصوں میں 'عبادات' کے صحیح مفہوم کو واضح کر دینا انسب معلوم ہوتا ہے۔

کتاب کا مستقل حصّہ دراصل اسی عنوان سے شروع ہوتا ہے جو آیندہ اوراق میں قائم کیا گیا ہے، مقدمۂ کتاب میں صرف اُن دعاوی کو پیش کیا گیا تھا جو قرآنِ حکیم نے اپنے بارے میں کیئے۔ قرآن کی تعلیم یا تحریر وتدبیر سے اُس حصّے کو چنداں سروکار نہ تھا۔ آیندہ اوراق میں قریباً پانچ جلدوں کے اندر کتابِ الٰہی کی مفصّل تعلیم پیش کر دیجائے گی، اور ثابت ہو جائے گا کہ تاسیسِ جماعت کے متعلق قرآن کی تحریر وتدبیر کس قدر حکمت کاملہ سے پُر ہے' اور کس صحت واستقلال سے اُن دعاوی کی تائید کرتی ہے جو اس حیرت انگیز کتاب نے اپنے بارے میں علی الاعلان کیئے۔ اِس مجلد میں بالخصوص 'عبادات' کی حکمت اور تاسیسِ جماعت کے چند اساسی اصول پر بحث کی جائے گی جیسا کہ گذر چکا ہے باقی اصولوں اور بالخصوص 'معاملات' اور 'عملیات' پر

کی اعتقادی اور سیاسی زندگی، اور قرآن حکیم کے اجتماعی دستور العمل کے متعلق ہے :۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۹) بحث بعد کی چار جلدوں میں ہو گی۔ انہی مجلدات میں ضمناً "معتقدات" کی حقیقت کا انکشاف کر دیا جائیگا۔ تین یا چار جلدیں علم القرآن (معلومات) تاریخ القرآن (ماجریات) اور طریق عمل کے متعلق ہو نگی جو اس کتاب کا آخری حصہ ہے۔

"معاملات" کی بحث کے ضمن میں اسلام کی موجودہ فرقہ آرائیت کا پول کھول دیا جائے گا۔ اور ثابت کر دیا جائے گا کہ ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن کے ہوتے ہوئے صراط مستقیم بھی صرف ایک ہی ہے۔ سب فرقہ بندی اور تشیع، رہبانیت اور غلط تخیل زہد، غلو فی الدین اور ملائی افراط و تفریط وغیرہ وغیرہ کتاب الٰہی کے منشا کے نقیض اکثر عیاں کر دیجائے گی۔ دین اسلام کے وجود پر سے عارضی اور اکتسابی غلاف الٹ کر اسکو صحیح معنوں میں "فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" (۳۰: ۳۰) (صفحہ ۴۴) کا مصداق ثابت کر دیا جائیگا! یہ حقیقت کہ دین از سر نو منکشف کر دیجائے گی کہ اسلام وہ راہ عمل، وہ مذہب سعی و کار، اور وہ فطرۃ کاملہ ہے جس پر سطح زمین کا ہر فرد بشر بلا لحاظ ملک و ملت مجبول بلکہ مجبور ہے[1]۔ اسی پر چلکر سرتاسر امن ہے، دنیوی اور اجتماعی امن ہے، فردی اور شخصی امن ہے، اُخروی اور دائمی امن ہے، اس سے ذرا ہٹ کر ضعف و شکست ہے، قوموں اور امتوں کی شکست ہے، قبیلوں اور گھروں کا انتشار ہے۔ الغرض دین الٰہی کو امت مرحومہ کے مختلف گروہوں اور بھیڑوں کے اعتقادی رنگ سے یکسر آزاد کر کے صدائے واحد کی وحدت انگیز یکرنگی میں رنگ دیا جائے گا۔ اس مبارک موضوع کی بحث بحیثیت سے مفید نتائج برآمد کرنے کیلیے اس امر کا عمداً احتیال رکھا گیا ہے کہ کتاب ہذا کے طالب العلم کے اُن ذاتی جذبات کو جو وہ کسی فرقے سے متعلق ہونے کی حیثیت میں کسی عقیدے یا تعصب یا طریق عمل کے متعلق اس کتاب کے کامل مطالعے سے پیشتر رکھتا ہو حتی الوسع کم سے کم ٹھیس لگے؛ حقیقت کی طرف بتدریج اور بالدلیل رہنمائی ہو، جو بات کہی جائے اسکی سند موجود ہو، محض عقلی جذبات کو بھڑکا کر راہ راست پر لانے کی بے سود سعی نہ کی جائے۔ اس مدعا کو پیش نظر رکھکر کتاب کی طوالت کا باعث ظاہر ہے میرا مقصود ایک فرقے کو سراہنا، یا دوسرے کی توہین کرنا نہیں بلکہ حتی الامکان اسلام کے سب رسمی ماننے والوں کو ایک مشترک اور صحیح راہ کی طرف انگشت نمائی کرنا ہے اگرچہ کچھ میں نے لکھا ہے حقیقت ہی تو وہ میں خود بخود اس طرف مائل ہو گا، اسکے لئے کسی ترغیب یا جبری تشویق کی ضرورت نہیں۔

قارئین کتاب سے صرف اسقدر استدعا ہے کہ آئندہ مجلدات کے ربط اور تسلسل کو ہاتھ سے جانے دیں کیونکہ ہر دعوے کی بنا پیشتر کے ثابت کیئے ہوئے دعوے پر ہے اور کتاب کے سب آئندہ مباحث ایک سلسلے کی مختلف اور مرتب کڑیاں ہیں اور ایک ہی نتیجے کی طرف استدلال سے جا رہی ہیں اگر تمام کتاب کے سب گذشتہ مطالب درس و تدریس کے کسی مرحلے میں پیش نظر نہ رہے تو قرآن حکیم سے کوئی مدلل نتیجہ اخذ کرنا محال ہو جائے گا اس تصنیف کا سب سے اہم حصہ آخری مجلدات ہیں جنمیں قرآن حکیم کی تمام تعلیم سے کامل تفتیش۔ تلاش کے بعد مستقل نتائج اخذ کیئے گئے ہیں بہر حال روئے زمین کی امتوں کے تحفظ و بقا کیلئے ایک اٹل طریق عمل مستنبط کر کے مسلمانان عالم کو انکی حیات و موت کا آخری پیغام دیدیا گیا ہے!

[1] فطرت لامحالہ وہ شے ہے جس سے کسی فرد متنفس کو کسی حال میں مفر نہیں اگر دین اسلام "فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" ہے جیسا کہ صفحہ ۴۴ پر دعوےٰ کیا گیا ہے تو وہ بھی بلا شبہ وہ شے ہے جسکی تعمیل پر سطح زمین کا ہر شخص اسی طرح مجبور ہے جس طرح کہ اپنی کسی امر فطرت پر، اور جسکے برخلاف چلنے کی فوری سزا بھی اسی طرح ملنی چاہیئے جس طرح کسی امر فطرت سے باغی شخص کو اس دنیا میں ملتی ہے۔ ایک شخص اگر کھانا نہیں کھاتا یا کئی دن متواتر نہیں سوتا تو اُسکا جلد مرجانا لازمی امر ہے، اس نے کہ کھانا اور سونا اس کی فطرت میں داخل ہیں، اور فطرت سے باغی ہونے کی انتہائی سزا ہلاکت ہے پس اس مقام سے فطرت سے دین اسلام بھی وہ طریق عمل ہے جس پر چل کر اس دنیا میں ہر جا امن مل رہا ہے جیسا کہ آئندہ اوراق میں چلکر واضح ہو گا۔ وہ کسی رسمی کلمۂ شہادت کا نام لینا نہیں جیسا کہ اکثر مسلمان سمجھے بیٹھے ہیں۔

مقدمہ ختم ہُوا

تکیفِ ایمان و منتہائے اسلام

وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (۳: ۱۳۸)

اور تم ہی سب سے برتر ہو اگر ایمان والے ہو

متذکرہ صدر صحبت کے اُس حصّے سے جو تبلیغ دین اور اعلان نبوّت کے متعلق ہے، یہ امر واضح ہے کہ داعیٔ اسلام کی بعثت ائتلاف ملل کے حق میں ایک بے نظیر رحمت تھی۔ اعلائے کلمۃ الحق نے اعتقادات کے علاوہ، عرب کی ہیئت اجتماعی میں ایک ناقابل یقین انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ نعرۂ توحید نے، اور اللہ کے برگزیدہ رسولؐ کے خُلق عظیم نے اہل عرب کے سینوں کو چاک کر کے اُنکے دلوں کو چیر چیر کر، عداوتیں اور کینے نکال لیئے تھے! پیغمبرؐ برحق کی بے لوث ریا، اور وقفِ عمل زندگی نے بخل و حسد کے تنگ و تاریک قلوب میں ایمان کا نور، اور اعمال صالحہ کی وسعت دیدی تھی! خدائے واحد کی ہستی پر محمّد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ناقابل انکار شہادت نے ہر متنفّس کو اللہ کی حمایت میں آمادہ عمل کر دیا تھا! خدا کی حقیقت، اُسکی رحمتوں کے دریا، اُسکی حکمت اور علم کے سمندر، اُسکی لاانتہا بخششیں، اُسکی قدرت کاملہ، ساتھ ہی اسکے عذاب کے طوفان، اُسکے زلزلے، اسکی تہس نہس کر دینے

---

۱ صحبت حاضرہ کے مطالب خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ آئندہ مباحث، بلکہ ایک رو سے کتاب جلیل کی حکمت کو کماحقہ سمجھنے کا اکثر دار و مدار اسی صحبت پر ہے۔ تیرہ سو برس کے انقلاب تخیل کے بعد ایمان کی حقیقت کو از سر نو پالینا، یا دل پر اس کا صحیح کیف و حال پیدا کر کے پیکر ایمان اور شاہد خدا بن جانا آسان کام نہیں۔ مگر اس فقدانِ حال اور صورت اشکال کے باوجود قرآن حکیم کے اندر ایمان کی صحیح تصویر اور منتہائے اسلام کی ناقابل انکار دلیل موجود ہے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھکر جہاں جہاں اس صحبت کے اندر آیات الٰہی میں ایمان کا لفظ آیا ہے اُسے جلی حروف میں لکھا ہے کہ اس ناقابل تشریح اصطلاح کی صحیح ماہیت سمجھنے میں آسانی ہو۔ اسکی اہم قرآنی شرائط اور لوازم واضح ہوں اور پیر رفتہ رفتہ انسان کے ذہن میں اسکا تکیف بیٹھتا جائے۔ اہم یہ امر کہ کلام خدا کا طالب العلم بطور خود اس حقیقت کے انکشاف کا قائل ہو کہ سعی و عمل ایمان کا جزو لاینفک کس انتہائی حد تک ہے۔ منتہائے اسلام کی حقیقت صحیحہ اور واضح عیاں ہو گی۔

والی چیخیں، اسکی بجلیاں، آنکھوں کے سامنے صاف نظر آگئی تھیں! اُس رب لم یزل کو جسکی عجیب شخصیت وہم کے محیط سے باہر، اور امکان کے نقص سے بری ہے، احمدِ مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی حیرت انگیز شناسائی نے ہر شخص کے روبرو عیاں کر دیا تھا! مومنوں کے کانوں میں اسکی صدائیں بلا آگئی تھیں! انکی آنکھیں، اُنکے دل، اُنکے ہاتھ، اُس لامکان ذات کو اپنے گھروں کے اندر، میدانوں اور حجروں میں، سجدوں اور دعاؤں میں آشکارا محسوس کر رہے تھے! وہی آسمان و زمین، وہی چاند اور ستارے، وہی زرع و نخیل، جو عرب کی ہموار اور غیر دلچسپ سرزمین میں ہر دم اُن کے پیشِ نظر رہتے تھے، اِس جویائے حق نبیؐ کی دیدۂ عبرت نگاہ کے باعث **معرفتِ خدا** کے بیکراں دفتر اور حقانیت کے بے پایاں مظاہر بن گئے تھے!

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا ۗ أَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ‎(۲۷ ۹)

لوگو! ذرا اسپر تو غور کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا؟ آسمان سے تم لوگوں کے لیے پانی کس نے برسایا؟ پھر اُسی پانی کے ذریعے سے ہرے خوشنما باغ لگائے! لوگو! کیا تم میں طاقت ہے کہ اُنکے درختوں کو اُگا سکو؟ اور کیا پھر اِس حقیقت کے عیاں ہو جانے کے بعد سوا خدا کے کوئی اور قابلِ اطاعت، اور لائقِ عبودیت رہجاتا ہے! آہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں کہ ناحق دوسری طرف جھکے ہوئے ہیں!

پھولوں کی پنکھڑیوں میں، پرندوں کے پروں اور درختوں کے خوشوں میں صناعِ بے مثال کا ہاتھ کام کرتا ہوا صاف نظر دلا دیا تھا!

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ‎(۱۶، ۷۹)

کیا لوگوں نے پرندوں کے حال پر نظر نہیں کی جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں، اُن کو اُڑتے وقت کون سنبھال رہا ہے اور کون سنبھلنے کی طاقت دے رہا ہے؟ جن لوگوں میں ایمان موجود ہے انکے لیے اس حقیقت میں بھی غور و فکر کی کئی علامتیں ہیں۔

فطرت کے بدیع الخلق ظواہر اور محیر العقول صنائع کی طرف، کلامِ الٰہی کی انتھک ترغیب و تحریص نے عرب کی طبائع پر گہرا اور ناقابلِ انفکاک اثر پیدا کر دیا تھا!

؏ اس کا حاشیہ اگلے صفحے پر دیکھو۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ † (۶: ۹۹)

وہی قادر مطلق تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم ہی نے اُس پانی کے ذریعے سے ہر قسم کی چیز کی بوٹیاں نکالیں، پھر اُن بوٹیوں سے ہم ہی نے ہری ہری ٹہنیاں نکالیں اُن سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گابھے میں گچھوں کے گچھے ہوتے جو مارے بوجھ کے جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار۔ ظاہر شکل و شباہت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، مگر مزے اور تاثیر میں جدا جدا ہیں۔ تم اُسکے پھل کی طرف غور سے دیکھو جب پھل رہا ہو اور پکنے پر آتا ہو۔ بے شک جن میں ایمان ہے اُن کے لیے اِس مشاہدے میں عجیب عجیب نشانیاں خدا کی قدرت کی موجود ہیں۔

صدیوں کے باطل عقیدوں، خوف انگیز وسوسوں، اور مذبذب قلوب واہموں کے بعد حقیقت کے اس دلنشین انکشاف، اور خدا ہونے کے اس قطعی ثبوت نے بالآخر عرب کے دلوں میں ایمان کا آسمان تاب نور، اور یقین کا عالم افروز شعلہ پیدا کر دیا۔ صداقت کا روح پرور اثر اُنکے بدنوں اور طبیعتوں، دلوں اور ذہنوں میں اسقدر جاری و ساری ہو گیا تھا کہ بمجرد اللہ کا ذکر آنے پر اُن کے دل کپکپا جاتے تھے! ‡

† ضمناً اِن آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ اعمالِ خدا کا مشاہدہ، انہیں استقصاء اور تفکر، خدا کی عطا کی ہوئی بصر کا استعمال (اُنْظُرُوْٓا (۶: ۹۹)، اُنْظُرُوْا (۶: ۱۱)) اور کارگاہ فطرت سے طلبِ علم (دیکھو صفحہ ۴۰۳) ایمان کے اہم لوازمات میں سے ہیں، ان کے بغیر ایمان ناقص اور معرفتِ خدا محال ہے۔ اس بحث کو یہاں پر طول دینا ضروری نہیں مگر مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ آج وہ قَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ کے صحیح مصداق ہیں یا مغربی قومیں جنھوں نے فطرت کا پتا پتا دیکھ مارا ہے!

‡ سورۂ انفال میں ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ (۸: ۲)

لوگو! ایمان والے تو وہی بندے ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو آجاتی ہے تو اُنکے دل ہل جاتے ہیں، اور جب اُسکے احکام (اٰیٰتُهٗ) اُن پر واضح کر دیے جاتے ہیں تو اُنکی تعمیل کا یقین (اِیْمَانًا) اور بھی بڑھتا ہے، اور وہ وہ لوگ ہیں جو حتی الوسع سعی و عمل کے بعد نتائج کے بارے میں اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں (یَتَوَكَّلُوْنَ) (توکل کے اِن معانی کی توضیح آگے چلکر آئے گی)۔

یہ ایمان والوں کی لرزش کوئی مصنوعی لرزش نہیں جو آجکل لوگ زبردستی پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں، اور باوجود مشق کے صحیح معنوں میں پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ فی الحقیقت خدا کی عظمت، ہیبت، اور طاقت کا ہول انگیز نقش ہے جو اسکے اعمال کے براہ راست مشاہدے اور اس کارگاہ فطرت کی براہ راست بصیرت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ کیفیتِ قلب ہے جو آج اُن قوموں کو حاصل ہے جو قانون خدا سے ہر دم خوفزدہ رہ کر سعی و عمل میں مصروف ہیں، جو حکم حاکم کو مرگ مفاجات کے برابر سمجھ کر طوعاً و کرہاً اُسکی تعمیل میں لگی ہیں، جو قانون فطرت کے ایک ایک حرف کو غور سے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ لرزش ہمہ تن حاکم کے مقتدر ہونے کی لرزش ہے، اُسکے قانون کو اٹل ماننے کی لرزش ہے، اُسکی سزا کے شدید ہونے کی لرزش ہے، اُسکے حکم کے اَنمٹ اور حاکم کے بے پرواہ ہونے کی لرزش ہے۔ اسی لرزش کا اٹل نتیجہ عمل ہے، احساس فرض ہے، تگ و دو ہے، تکلیف و محن ہے، یہ کوئی دوستی کے ماہی مار دیہاڑ، یا عشق کی لطف آمیز جھلکیاں نہیں جو مسلمانوں نے رسول اور خدا سے پیدا کر لی ہیں اور جسکا نتیجہ نادانی خدا کے سوا کچھ نہیں۔

دلوں نے اللہ سے وہ سچا لگاؤ پیدا کر لیا تھا کہ اُٹھتے بیٹھتے ایک دنیاوی حاکم کی طرح اُسکے حضور میں سراپا ادب رہکر
اُسکی رحمتوں اور بندہ نوازیوں کے چشم براہ، اور اُسکے قہر سے خوف زدہ رہتے۔ حضوریٔ قلب کی حیات افزا روح نے
اور قرب رسول کے جرأت آموز اثر نے اُن کو اللہ کی رضا میں مصیبت سے قطعی بے خوف، اور جان سے
قطعی بے نیاز کر دیا تھا۔ اُن کے فلک شگاف حوصلے اور کوہ فگن جرأتیں، اُس احکم الحاکمین کی خوشنودی
اور حمایت میں ہر وقت پابہ رکاب رہتیں! وہ ایک اہل الغرض اور مشاہرہ دار نوکر کی طرح، اُس آنکھوں
سے اوجھل اور جلیل القدر ذات کی خوشنودی کی خاطر، اُسکے ادنیٰ اشاروں اور حکموں پر چونک چونک اُٹھتے،
اور دوڑ دوڑ کرتے! وہ اللہ کے رعب و وقار اور اُسکے جاہ و جلال کے آگے ہر انسانی منزلت کو بیقدر و
قیمت، اور دنیاوی رعب داب کو ہیچ سمجھتے! وہ اپنے سچے مخدوم، اور مقتدر منعم کا بول بالا کرنے کے لیے، وہ اپنی
جانوں کو ہتیلیوں پر رکھکر قیصر و کسریٰ کے دربار میں، اپنے خرقہ پوش اور اُمّی پیغمبر کا تنبیہی پروانہ
بے دھڑک لیجاتے! وہ اپنے حقیقی آقا کا آوازہ بلند کرنے کی غرض سے جان، مال، اور تعلقات دنیوی
کے انقطاع[†] سے ایک لمحے کے لیئے دریغ نہ کرتے! وہ ایک مزدور خوشدل کی طرح اللہ کے اس نیک بندے
کی حمایت میں تلواروں سے کٹ، اور تیروں سے چھن جاتے مگر ہمّت نہ ہارتے! وہ اُس کالی کملی والے
رسول کی جانفروشانہ اطاعت میں موت کی آرزوئیں، اور قتل کی منّتیں مانتے! وہ اللہ کی کبریائی اور جبروت
کے بالمقابل ہر سرکش کا غرور توڑنے کے لیئے پہاڑ سے لڑجاتے اور آسمان سے ہاتھا پائی کرتے! اُن کی
مودبانہ خدمت اور فدایانہ عبودیت خدائے ذوالجلال کے وجود، اُسکی عالم آرا حکومت، اُسکی عالی مقامی

[†] سورۂ مجادلہ میں ہے

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ
اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ (۲۲ : ۵۸)

اے مخاطب، جو لوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں، اور روز آخرت کی جزا و سزا پر یقین رکھتے ہیں، اُن کو تو تم ہرگز نہ دیکھوگے
کہ خدا اور اسکے رسول کے مخالفوں اور نافرمان سرداروں کے ساتھ میل جول رکھیں گو وہ انکے باپ یا انکے بیٹے یا انکے بھائی بند یا اسی طرح ہی کیوں نہ ہوں۔
یہی وہ لوگ ہیں جنکے دلوں کے اندر خدا نے ایمان کا گھر نقش کر دیا ہے اور جنکو اسی ایمان کی طاقت اور ہمت کا ایک حصہ عطا فرما کر انکی مدد کی ہے (ترجمہ)۔

اُسکی استقامت عہد، اُسکی سطوت وجبروت، اُسکے جبر و قہر کی وہ زندہ اور زبردست **شہادت** تھی جو ہر منکر کو قائل کر دیتی! اُن کی سراپا سعی اور رہینِ عمل زندگی اللہ کی غلامی کو بہترین غلامی، اور اُسکی چاکری کو معیاری تر چاکری بنانے کی وہ بانگِ دُہل اور وہ صیتِ ناقوس تھی جسنے اقل قلیل مُدت میں ایک سیہ کار اور بے حس عالم کو اللہ کی عبودیت پر متفق العمل کر دیا تھا!

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط (۲ ۱۴۳)

اور اس تسلیم کی خو اور اللہ کے رنگ میں رنگے جانیکے باعث (دیکھو آیہ (۲ ۱۳۸)) ہم نے تم سب کا ایک مرکز (یعنی قبلہ) قرار دیکر تم عرب کو روئے زمین کی اُمتوں کا مرجع و مرکز بھی بنا دیا ہے تاکہ تم اپنے حسنِ عمل سے تمام دنیا کے سامنے خدا کے وجود کی گواہی دو، اور رسولِ خدا تمہیں اللہ کی گواہی دیتے رہیں!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۵ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ (۲۲ ۷۷-۷۸)

---

* 'کَذٰلِکَ' کا ربط پہلے مضمون کے تسلسل سے ظاہر ہوتا ہے جو آیہ (۲: ۱۲۲) سے شروع ہوا ہے۔ اس ربط کو ثابت کرنے کا یہ موقع نہیں مگر سورہ بقرہ کے ربط کا اظہار غالبًا پانچویں مجلد سے پہلے نہ ہو سکیگا۔

* "شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" ہونے کے یہی معانی ہیں کہ لوگوں کو تمہارے اعمال و افعال سے، تمہاری تگ و دو اور تکلیف برداری سے، تمہاری خدمت گذاری اور ملازمت سے خدا کے خدا اور حاکمِ اعلیٰ ہونے کی سچی گواہی ملجائے، وہ بچشم خود دیکھ لیں کہ تم کسی ایسی جلیل القدر ہستی کے ملازم اور پابند ہو جو گو نظروں سے اوجھل ہے مگر اُسکے ہونے اور مقتدر ہونے میں گمان نہیں یہی سعی و عمل آج کسی دنیاوی حاکم کی ملازمت اور اُسکے موجود ہونے کی صریح ملکہ عینی شہادت ہے، خواہ وہ حاکم ہر دم لوگوں کی نظروں سے چھپا رہے اور عوام نے اسکو ایک لمحے کے لیئے بھی بچشم خود دیکھا ہو۔ جبتک ایک ملازم کسی آقا کے حکموں کی تعمیل میں مصروف ہے، اسکی خاطر اپنی جان کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، اور کسی دوسرے کے ہاں سے امیدوار مزد نہیں ہوتا، تب تک اس آقا کے ہونے کی عینی گواہی موجود ہے کیونکہ کوئی متنفس اپنے آپ کو بلا مزد رنج و محن میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ 'شہادت' یہ نہیں کہ مُنہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، یا کوئی اور ایسا کلمہ پڑھ لیا جائے جیسا کہ آجکل کے مسلمان سمجھ بیٹھے ہیں! جبتک ملازمت اور عبادت عملًا نہ ہو، گواہی یعنی شہادت جسکا تعلق لامحالہ مشاہدے سے ہے، قائم نہیں ہو سکتی۔ رہی یہ بات کہ عمل کی نوعیت کیا ہو اسکی تشریح آگے چلکر خود کتاب خدا کریگی۔ اس امر کا ثبوت کہ شہادت خدا ہی کی ہے آیہ (۴ ۱۳۵) صفحہ ۲۰۲ کے الفاظ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ سے ملتا ہے۔

* 'عبادت' کے قرآنی معانی آج صدیوں کے انقلاب تخیل کے بعد قطعًا مسخ ہو چکے ہیں۔ عامۃ الناس نے بلا استثنا اسکے معانی 'نماز پڑھنا'

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! اپنے خدا کے حضور میں عملاً جھکتے رہو، (ارْكَعُوا)، اُس کے سب احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دو، (وَاسْجُدُوا)، اس کے سچے غلام بنے رہو، (وَاعْبُدُوا)، اور بھلے اور پسندیدۂ خدا کاموں میں لگے رہو تاکہ تم بالآخر کامیاب ہو جاؤ اور اپنی مراد کو پہنچو۔ اور اعلائے خدا میں کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تم ہی کو اس مطلب کے لیئے دنیا جہان کی امتوں سے انتخاب فرمایا ہے، اور تم ہی وہ لوگ ہو جن پر (تمہارے اپنے زعم میں) خدا نے اعمال و فرائض کے متعلق کچھ نارواسختی نہیں کی یہی دستور العمل تمہارے باپ ابراہیم کا تھا، اور اس ضبط کی عملی غلامی، اور تسلیم کے نصاب عمل کو مدِ نظر رکھکر ہی اُس نے اس سے پہلے بھی تم جیسے حکم بردار اور کارکن آدمیوں کا نام 'مسلم' رکھا تھا، اور اب بھی تمہیں اُسی نام سے پکارتا ہے۔ اور یہ سب اس لیئے کہ رسول تو خدا کے آقائے نامدار ہونے کی تمہیں گواہی دیتے رہیں، اور تم تمام جہان کے سامنے اپنے اعمال کے ذریعے سے خدا کے وجود کی زندہ شہادت بنو! پس ان سب باتوں کو مدِ نظر رکھکر نماز پر قائم رہو، ہماری بارگاہ عالیہ میں پنجوقتہ حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دو، اور ہمارے وجود کو دنیا پر ثابت کر دینے کی خاطر قربانی مال (الزَّكٰوة) بھی کیا کرو۔ اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو! وہی تمہارا آقا ہے، پر کیا ہی اچھا آقا، اور کیا ہی اچھا مددگار ہے!

قبولیت اثر، اور محسوسات قلب کے تہیج و احیا کا یہ وہ عہد سعید اور وہ نکوکار زمانہ تھا جب کہ خدا کو خدا تسلیم کر لینا، اہلِ عرب کی نگاہوں میں آفتاب کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے بھی عیاں تر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۵) لے لیئے ہیں، اور ہر شخص چند بار ماتھے کو زمین پر رگڑ کر یا غسل و مسح اپنے آپ کو 'عابد' قرار دیتا ہے۔ تاریخ میں فقہائے علما، فقہا، جہلا سب کا غالب خیال عبادت سے نماز یا تسبیح گردانی ہی ہے، اور اگر کوئی شخص ذرا زیادہ وسیع النظری سے کام لیتا ہے تو باقی ارکان اسلام کو بھی داخلِ عبادت کر دیتا ہے یا حد سے حد علی الحساب اور احسانا کہہ دیتا ہے کہ "خدا کے لیئے اُٹھنا اور بیٹھنا بھی شامل عبادت ہے"۔ یہی نہیں بلکہ قریب قریب ہر مذہب کی لغت میں یہ اصطلاح صرف دعا یا نماز تک محدود ہو گئی ہے۔ پرانی الہامی کتابوں کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اُن کے الفاظ کے استقلال کی کوئی سند موجود نہیں اور ترجموں میں الہامی الفاظ کی صورت، روح، اور مطالب سب مگڑ چکے ہیں مگر قرآن حکیم کے اندر 'عبادت' کا اصلی اور صحیح مفہوم اب تک موجود ہے بشرطیکہ اسکی آیات میں صحیح تدبر کیا جائے۔ ان آیات الٰہی میں جو زیرِ بحث ہیں، 'ارْكَعُوا' اور 'اسْجُدُوا' اور 'اعْبُدُوا' کے تین الفاظ آتے ہیں اور اگر، جیسا کہ کم از کم مجھے یقین ہو چکا ہے، خدائے زمین و آسماں کا کلام ہر قسم کے حشو و زواید، بے نتیجہ تکرار، یا شاعرانہ فصاحت سے قطعاً مبرا ہے اور اس کا ایک جملہ، ایک لفظ اور ایک حرف بھی اَدَل بدل، پس و پیش، یا حذف نہیں کیا جا سکتا، تو اس نتیجے پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ 'ارْكَعُوا' اور 'اسْجُدُوا' اور 'اعْبُدُوا' کے الفاظ کے تین مختلف اور مستقل معانی ہیں جو شارع قرآن کے ذہن میں اسوقت تھے جب یہ آیت وحی کی گئی۔ اُن کو نماز کا رکوع و سجود سمجھکر قریب المطالب یا مترادف المعانی قرار دینا، یا زور بلاغت کا تکرار فرض کر لینا کلام خدا کی توہین ہے۔ کتاب خدا کے اس ابتدائی حصے میں اس حقیقت کبریٰ پر

واسطۂ عمل بن گیا تھا! تعبّد کی یہ شانِ اضطراری (وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ)[1] اور اعتصامِ خدا کا یہ الحافی رنگ تھا

[1] دیکھو (۲۲ : ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۶) جس پر زور نہیں دیا جاسکتا کیونکہ کلام الٰہی کے الفاظ کے استقلالِ مطالب اور وحدتِ معانی کی مثالیں کثرت سے پیش نہیں ہوئیں، لیکن آگے چلکر جوں جوں اور شہادتیں ملتی جائیں گی یہ نکتہ عیاں ہوتا جائیگا۔ "مسیح حقیقت" کے عنوان میں اس بات کا کافی ثبوت دے دیا جائے گا کہ نصِ قرآن کے رُو سے "سجدہ" اور "عبادت" ایک کیفیتِ دل کی دو مختلف حالتیں ہیں اور اسی لیے بالالتزام علیحدہ علیحدہ بیان کی گئی ہیں۔ "سجود" کے معانی بھی قرآن کریم میں ہاتھ ٹیک کر گر پڑنے یا سر جھکا دینے کے نہیں، بلکہ اس سے مقصود کیفِ اطاعت اور صرف اطاعت ہی، اگرچہ ہاتھ ٹیک کر گرنا اُس کا ایک جُز ہو سکتا ہے۔ مطیع شخص ممکن ہے ایسی اطاعت کے جوش میں ہاتھ بھی ٹیک کر گر پڑے مگر ہر ایسی ہاتھ ٹیک کر گر پڑنے والا لازماً مطیع نہیں ہوتا۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے: وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (۵۵: ۶) "اور ستارے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں"۔ یعنی احکامِ خدا کی اطاعت میں مصروف ہیں۔ ظاہری سجدہ مراد نہیں اور نہ ہو رہا ہے۔ سورۂ نحل میں ہے: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ (۱۶: ۴۹) "اور جو کچھ آسمان و زمین میں چلنے والی شے ہے خدا کے آگے سجدہ کر رہی ہے"۔ یعنی اسکے قانون کی مطیع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس (۱۳: ۱۵) اور (۲۲: ۱۸) میں یہی مضمون ہے۔ سورۂ آل عمران میں اہلِ کتاب کے متعلق کہا ہے: يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (۳: ۱۱۳) "یعنی رات کے اوقات میں احکامِ خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں"۔ حالانکہ زمین پر ہاتھ ٹیک کر گرنا اُن کا طریق نہ تھا اور آج بھی نہیں۔ سورۂ اعراف کے اخیر میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ (۷: ۲۰۶)۔ یہاں "عبادت" اور "تسبیح" اور "سجدے" کا وہی لغوی تکرار ہے، اور لفظوں میں تفریق کر دی ہے مگر ظاہر ہے کہ اُنکے یہ معانی نہیں ہو سکتے جو آجکل لوگوں نے ان الفاظ سے لیئے ہیں کیونکہ مذکور اُن کا ہے جو اس روئے زمین پر نہیں ہیں اور عالمِ ارواح میں بس رہے ہیں۔ سورۂ نجم میں ہے: فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا (۵۳: ۶۲) یہاں بھی "سجدہ" اور "عبادت" کو لفظوں میں الگ کر دیا ہے اگرچہ کیفیت ہی اطاعت ہی کی ہے۔ "سجدے" کا لفظ کلامِ الٰہی میں صرف دو جگہ ظاہری ہاتھ ٹیک کر گر پڑنے کے معنوں میں آیا ہے۔ ایک سورۂ نمل میں ملکہ سبا کے متعلق: وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۲۷: ۲۴) "یعنی وہ اور اسکی قوم خدا کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے تھے"۔ اور دوسری سورۂ حٰم السجدہ میں: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۴۱: ۳۷) مگر ان دونوں موقعوں پر صرف ایک واقع الامر کا اظہار ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں یعنی لوگ سورج کے آگے ہاتھ ٹیک کر گرتے تھے یا یہ عمل جو تم کرتے ہو نہ کیا کرو۔ آیۃ (۴۱: ۳۷) سے "تَسْجُدُوْا" اور "تَعْبُدُوْنَ" کا الفاظ میں الگ ہونا بھی ظاہر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ "اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے غلام ہو (اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) اگر اسی کے احکام کی تعمیل کر رہے ہو (اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) اگر اسی کے مطیع اور اسی کے حلقہ بگوش ہو (اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) تو اس ظاہری سجدے کو بھی جو شمس و قمر کے آگے کرتے ہو، چھوڑ دو، کہ یہ بھی کیفِ عبودیت کے منافی ہے۔ یہ رسم بھی خدا ہی کے آگے ادا کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے"۔ گویا خدائے عزوجل کے نزدیک ملازمت ایک آقا کی اختیار کرنا اور سلام سلام دوسرے کو کرنا ایک لایعنی سی بات ہے۔ اگرچہ ایک شخص کے ظاہرا سورج کو سجدہ کرنے اور درپردہ عابدِ خدا ہونے کے استثنائی امکان کو یہاں پرستش ہی نہیں کیا گیا بلکہ اسکو اشارۃً تسلیم کیا گیا ہے۔

"رکوع" کا لفظ بھی جسکے معانی اصطلاحاً آج نماز میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھکر جھکنے کے ہیں، قرآن میں ان معنوں میں نہیں آیا۔ اس کا قرآنی مقصود بھی اطاعت اور تعمیلِ احکامِ الٰہی ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ (۵: ۵۵) یعنی "اے ایمان والو تمہارا دوست اور مددگار تو خدا ہی ہے (جو تمہیں قوت افزا احکام دے رہا ہے) اور اسکا رسول (جو تمہیں راہِ راست پر لیے جا رہا ہے)، اور باقی ایمان والے (جو عملاً ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں)، اور یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پر قائم رہتے ہیں، اور قربانی مال کرتے ہیں، اور قانونِ خدا کے آگے عملاً سرِ تسلیم خم کرتے ہیں (وَهُمْ رٰكِعُوْنَ)"۔ یہ آخری الفاظ قافیے کی ضرورت کے لیے (معاذ اللہ)

(وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ)† کہ ربّ العرش کی مقتدر حکومت دلوں کی زمینوں، عزائم کے رہگذروں، اور اعمال کی شاہراہوں پر یکسر قائم ہوگئی تھی! سب عمل اُسی کے لیئے وقف تھے، سب جدّ و جہد اُسی کی خاطر

† وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ کے یہی معانی ہیں کہ ہم واسعد کا پیدا کیا ہوا سے علی تعلق عدل سے قائم کرو یعنی جس طرح کسی دنیاوی آقا سے عز صمد دی اعتصام پیدا کر دیتی ہے اُسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اس احکم الحاکمین سے اعتصام پیدا کرو اِسی کیف عبودیت کو مِن کتاب ہمِ الحانی رنگ کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱) میں ترجمانے ، اور یہ ایک بیہودہ تکرار ہے جو الصَّلٰوۃ کے بعد کر دی ہے اور جس میں رکوع لامحالہ شامل ہے بلکہ ذَاکِعُوْنَ کے اصلی معنی بھی اطاعت احکام خدا ہی ہے یا کم از کم کلام الٰہی کی اصطلاح میں یہ تھے۔ رکوع بمعنی رکن نماز بعد میں لوگوں نے وضع کر لیا اور اس روعوام اس قدر ہوا کہ اصلی معانی مسخ ہوگئے۔ اب **انسانی لُغت اُس حقیقت کو منکشف کرنے سے عاجز ہے** جیسا کہ ہم نے صفحہ ۹۱-۹۲ کے تحت المتن میں دعویٰ کیا ہے یہ بات وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّكٰوۃَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (۲: ۴۳) سے ظاہر ہے یعنی الصَّلٰوۃ پر قائم رہو اور الزَّکٰوۃ کو دیا کرو (اور سب سے اہم یہ امر کہ) قانون خدا کو تسلیم کرنے والوں کے ساتھ تم بھی سرِ تسلیم خم کرو۔ سورۂ مرسلٰت میں اور زیادہ وضاحت کے ساتھ ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ (۷۷: ۴۸-۴۹) "اور یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ قانون خدا کے آگے جھک جاؤ تو اسکی تعمیل کرنے سے کتراتے ہیں۔ تو لوگو! اُس دن اِن جھٹلانے والوں کے حال پر افسوس ہے"۔ گویا **رکوع "تسلیم" نہ کرنا تکذیب پیغام رسل ہے۔**

اِن تمام آیاتِ الٰہی سے جو قرآن سے جستہ جستہ لے لی گئی ہیں، ثابت ہو کہ قرآن کی لُغت میں رکوع، سجود، عبادت، تسبیح وغیرہ وغیرہ اطاعت خدا کے قلبی تکیف کے مختلف مراحل اور مظاہر ہیں جسکا نتیجہ احکام الٰہی کی تعمیل ہی ہے، اِس سے کمتر کچھ نہیں، کوئی شخص صرف نماز کی رکعتوں کو رسماً ادا کر کے یا تسبیح کے منکوں کو پھیر کر عبدِ خدا نہیں بن سکتا، اگرچہ جو شخص **فی الحقیقت** اطاعت گذار ہے اُس کے لیئے اِن عبادات کو کیفیتِ دل اور رقت قلب کے ساتھ ادا کرنا اُسی طرح طبعی ہے جس طرح کہ ایک غلام کا آقا کی شبانہ روز خدمت کے ساتھ ساتھ سلام کرنا، یا احیاناً اُسکی حمد و ستائش کرنا بھی ایک لازمی عمل ہے۔ پس یہ **احکام خدا کی شبانہ روز تعمیل کرنا ہی سچی عبادت ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے کسی کی عبادت کرنا فی الحقیقت اُس کی ملازمت اور تعبّد اختیار کرنا ہی ہے** اسکے ماسوا کچھ نہیں، عبادت کے یہ معانی کلام الٰہی کے قریب قریب ہر ورق پر ثبت ہیں اور اصل کتاب میں اسکی بیسیوں مثالیں آگے چلکر ملینگی۔ سرِ دست دو تین مثالیں اور پیش کر دی جاتی ہیں جس سے یہ حقیقت اور بھی عیاں ہو جاتی ہے سورۂ انبیاء میں ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوۃِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ (۲۱: ۷۳)

اور لوگو! ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو لوگوں کا سردار و پیشوا بنایا، وہ ان کی رہنمائی ہمارے قانون (بِاَمْرِنَا) سے کرتے رہے، اور ہم نے اُن کی طرف نیک اور مفید جماعت کاموں (الْخَيْرٰتِ) کے کرنے کی وحی بھیجی، اُن کو حکم دیا کہ الصَّلٰوۃ پر قائم رہیں، الزَّکٰوۃ کو دیتے رہیں اور وہ لوگ نماز گذار یا صدقہ زکوٰۃ ہی دیتے تھے بلکہ جہاں تک ہے ہمارے اطاعت گذار بندے اور غلام سے رہے (وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝) (باقی)

ع ۵ اکثر شارحین کلام الٰہی نے "اِرْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" کے الفاظ سے با جماعت نماز کا حکم مستنبط کیا ہے اور اس لحاظ سے رکوع کے معنی اسلامی نماز کے معارف رکن کے لیے ہیں۔ نماز کے با جماعت ادا کرنیکے وجوب لزوم سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا جیسا کہ آگے چلکر صفحہ ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۲۵ پر واضح کر دیا جائیگا۔ لیکن اِن الفاظ کو با جماعت نماز ادا کرنے کی سند گردانا قطعاً نا روا ہے کیونکہ "رکوع" کا لفظ رکن نماز کے معنوں میں قرآن میں کہیں نہیں آیا چنانچہ حضرت مریمؑ کے بارے میں یہ آیت اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے: يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (۳: ۴۳) یعنی اے مریم! تم اپنے پروردگار کی کامل حکمبرداری کرتی رہو اُسکے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو (وَاسْجُدِيْ) اور قانون خدا کو تسلیم کرنیوالوں کے ساتھ تم بھی کامل طور پر تسلیم بجا لاؤ۔ حضرت مریمؑ کو یہاں پر نماز با جماعت ادا کرنیکا حکم نہیں دیا گیا، اور نہ اسلامی رکوع یہودیوں یا عیسائیوں کا جزوِ نماز کبھی ہوا ہے اسی طرح عورتوں کے لئے نماز با جماعت ادا کرنا اسلام میں بھی فرض نہیں اگرچہ رسول خدا کی امامت میں مستورات کا مردوں کے پیچھے صف بنا کر نماز ادا کرنا مذکور ہے اس آیت شریف سے صریح ظاہر ہو کہ قنوت اور سجود اور رکوع سے مراد احکام خدا کی تعمیل اور کیف اطاعت کا پیدا کرنا ہی ہے اسکے ماسوا کچھ نہیں

اور اسی کی راہ میں تھی، (وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ[1])، سب طاعت و تسلیم اُسی کی **گواہی** کے لیئے تھی، (لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ[2])، داعیِ اسلامؐ کی جاذب القلوب صحبت اور حقیقت کشا شہادت (لِيَكُونَ

[1] دیکھو (۲۲ : ۷۸) صفحہ ۵ ۱ [2] دیکھو (۲ : ۱۴۳) صفحہ ۵ ۱۔

بقیہ تحت المتن صفحہ ۸ ۱) یہاں پر بھی 'عبادت' اور 'الصلوٰۃ' اور 'الزکوٰۃ' کا لفظی تفرق ظاہر ہے۔ گویا عبادت وہ شے ہے جو نماز اور زکوٰۃ سے علحدہ بلکہ بڑھکر ہے اور یہ وہ عملی ملازمت، وہ امتثال امر، اور وہ مستقل نوکری چاکری ہے جسکے لیے کسی وقت یا عدت کی تعیین نہیں۔ ایک اور جگہ موسیٰ علیہ السلام کے مکالمے میں 'عبادت' اور 'الصلوٰۃ' کے فرق کو اور بھی نمایاں کر دیا ہے (إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝ (۲۰ : ۱۴) یعنی اُسے موسیٰ! اسمیں شک نہیں کہ میں ہی مالک زمین آسمان ہوں میرے سوا کوئی حاکم اعلیٰ نہیں، تو تم میری ہی عبادت اور ملازمت اختیار کرو، اور میری یاد، اور عاجزانہ خوف دل میں رکھنے کے لیے (لِذِكْرِي) الصلوٰۃ پر قائم رہو یعنی اچھا ہے میرے حضور میں حاضر بھی ہوا کرو" گویا عبادت ایک **غائبانہ تعمیل احکام** ہے اور 'الصلوٰۃ' اس عاجزانہ خدمت کے جذبے کو متحرک رکھنے کے لیے ملتا، سلام **اور حاضری** ہے۔ لیکن سورہ مومن میں 'عبادت' کا قرآنی مفہوم اِس سے بھی عیاں تر ہے

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۝ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ۝ (۲۳ : ۴۵ - ۴۷)

پھر ہم نے موسیٰ اور ہارونؑ اُسکے بھائی کو اپنے احکام (بِآيَاتِنَا) اور اُنکے صاحب اقتدار ہونے کی روشن شہادت (سُلْطَانٍ مُّبِينٍ) اسی طرف سے دیکر فرعون اور اُسکے حاشیہ نشینوں کی طرف بھیجا وہ لوگ اُنکو دیکھکر اکڑ گئے، اور درحقیقت وہ تھے بھی سرکش اور مغرور لوگ جو تیخی میں آکر کہنے لگے کہ کیا ہم اِن ایسے جیسے دو آدمیوں کو اپنا پیشوا مان لیں حالانکہ انکی حیثیت یہ ہے کہ انکی قوم ساری کی ساری ہماری غلام ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہماری چاکری اور خدمتگاری میں دن رات لگی ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہمہ تن ہمارے رضا جو ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہماری محتاج اور دست نگر ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہماری نظروں میں خوار و ذلیل ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہمارے آگے ہاتھ جوڑتی اور پاؤں پڑتی ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہمارے دست شفقت کی آرزو مند ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، ہماری دی ہوئی روٹیوں پر گذارہ کرتی ہے (لَنَا عَابِدُونَ)، وغیرہ وغیرہ۔

گویا از روئے قرآن 'عابد' وہ شخص ہے جسکی حیثیت کدائی بعینہ وہ ہو جو حرج سے بیشتر بنی اسرائیل کی فرعون کے ماتحت رہ کر تھی یا جو آجکل **مشرقی اقوام کی یورپ کے دست تطلم سے آجکل** ہے۔ بنی اسرائیل کے مظلوم فرعون کے محلات کی تعمیر کے ضمن میں ہزاروں من پتھر لدے ہوئے چھکڑوں میں ہانکے جاتے تھے، اُمرا کی تفریحی گاڑیاں میلوں تک ہانپ ہانپ کر کھینچتے تھے، اُن کی بیگمات کو پالکیوں میں اٹھائے پھرتے تھے، اُن کے سروں پر چھتریاں لگائے دم بخود چلے جاتے تھے، اُن کی سواریوں کے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، پر اووں میں شاہ رود حشت سادی اور جنگلوں میں بھوکے رہکر اُن کا آبائی پیشہ تھا، چمڑے کے گندھے ہوئے کوڑے اُن کے بدنوں کو لہولہان کر دیتے تھے، وہ اُن کی ضربت سے سڑکوں اور چوراہوں پر بے ہوش و حواس گر پڑتے، لیکن بادشاہت کے رعب جلال کے آگے اُف تک نہ کر سکتے تھے اُن کے چیتھڑوں سے پیوند لگے ہوئے تہبند اور مشقت کے سیاہ کیئے ہوئے بدن، فرعون کی **عبادت** اور طاغوت کی غلامی، تحکم شاہ اور تعبد گدا، تعلی لشکر اور **قہر خدا** کی وہ عبرت انگیز شہادتیں تھیں جو ہر صاحب نظر کو کیکپا دیتی تھیں۔ وہ اس تعبد میں صدیوں کی عادت اور رواج کے باعث اسقدر محو و منہمک رہتے تھے کہ اس مغرور قوم کی خدمت میں دن رات لگے رہنا اُنکی نظروں میں عین سعادت تھا۔ فرعون مصر اُن کو بُلا بُلا کر کچھ اپنے آگے ماتھا نہیں رگڑوا تا تھا[1]۔ اور نہ مُنہ سے یہ سمجھا تھا کہ آپ کو خدا کہا کرتا تھا بلکہ یہی تعلق اور تعبد وہ حربی عبادت تھی جو ہزار رسمی سجدوں اور زبانی دعووں سے بڑھکر تھی۔ اِسی کے ضمن میں حسب موقع ماتھے بھی رگڑے جایا کرتے تھے۔ منتیں اور خوشامدیں بھی ہوا کرتی تھیں، جسمیں فرق نہیں سمجھا جاتا تھا، آرام کی پروا نہ رہتی تھی، جان کو جوکھوں میں ڈالکر آقاؤں کو خوش کیا جاتا تھا یہی طرزِ عمل بعینہ آج ہر مشرقی قوم کا

[1] لَنَا عَابِدُونَ کی جمع متکلم کی ضمیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل صرف فرعون کے عابد نہ تھے بلکہ تمام مصری قوم کی خدمت میں لگے رہنے کے سبب گویا سربجا ہاں سجدہ کرنا ...

الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ [۵۱] نے عالمِ ارواح کے شاہد لم یزل[۵۲] پر سے نقاب اُلٹ کر، خدا اور بندوں کے درمیان آقائی اور غلامی، حاکمی اور محکومی، حُسن و عشق کے انداز پیدا کر دیئے تھے! (هُوَ مَوْلٰكُمْ)

۵۱ دیکھو (۲۲ ۷۸) صفحہ ۵ ۱۔ ۵۲ ایضاً صفحہ ۵ ۱۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۹) شیوۂ عبادت ہے، اور جس فرد یا قوم کے طریقِ عمل میں خدائے زمین و آسمان کے بارے میں یہی شیوۂ عبادت اور یہی اندازِ عشق ظاہر ہو وہ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ "(۲۲ ۷۷) صفحہ ۵ ۱) کے الفاظ کا صحیح مصداق ہو سکتی ہے عبادت کے اسی اندازِ عمل کو پیشِ نظر رکھکر اصل کتاب کی زیرِ بحث آیت (یعنی ۲۲ ۷۷) کے بعد وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ " کے الفاظ آتے ہیں یعنی "اس ربِّ زمین و آسمان کی خدمت اور اعلا میں وہ کوششیں، وہ وہ حکم برداریاں، وہ وہ ایثار اور تکلیفیں اُٹھاؤ جو اتنے بڑے آقا کے شایانِ شان ہوں" عبادت کا یہی مفہوم آیہ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۵ (۲۶ ۲۲) میں بھی صاحبِ نظر پر عیاں ہے۔

اب سوال صرف یہ رہجاتا ہے کہ اگر عبادت یہ ہے تو رکوع و سجود یعنی ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (۲۲ ۷۷) کے الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے اسکی تشریح بھی بنی اسرائیل کی عبادت کی محولہ بالا تفصیل میں ضمناً ہو گئی ہے مگر ذرا زیادہ وضاحت یہ ہے کہ چونکہ امید اور احتیاج، شوقِ انعام اور خوفِ سزا ہی وہ چیزیں ہیں جو ہر عبادت کی محرک اوّل ہیں اسی کے ہوتے اطاعت و سجود پیدا ہو جاتی ہے، اور اطاعت کے ساتھ ساتھ رکوع و سجود کا پیدا ہونا بھی لازمی امر ہے جب تک کسی منعم کے انعام کی امید لگی ہے یا اسکی سزا کا خوف باقی ہے اُسکے آگے جھکتے رہنا، اُس کے پاؤں پڑنا، اسکی خوشامد اور اطاعت کرنا قطعی ہے۔ یہی رکوع و سجود کا سچا کیف حال ہے۔ اور اسی نقطۂ نظر سے رکوع و سجود اسلامی نماز کا جزوِ لاینفک بھی ہے بیم و امید کا وجود "عبادت" یعنی تعلق اور ملازمت از خود پیدا کر دیتا ہے اور اسی عبادت کا ایک ادنیٰ جُز رکوع و سجود ہے۔ لیکن نماز میں رسماً ہاتھ باندھ لینا یا گھٹنوں کے بل گر پڑنا عبادت یا رکوع۔ جب تک خوف و رجا کا قلبی تعلق اصالتاً موجود نہ ہو اور گردنیں رسماً نہیں بلکہ عملاً ملکہ صرف خدا کے آگے جھکیں۔ اسی کیفیت کو پیشِ نظر رکھکر سورۂ انبیا میں ہے وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۰ (۲۱ ۹۰) یعنی وہ لوگ ہمیں بیم و رجا سے بلایا کرتے تھے اور اسی لیئے ہماری درگاہ میں عاجزی کرتے تھے"۔ قرونِ اولیٰ کے عرب کی یہی کیفیتِ دل ہم نے اصل کتاب میں ظاہر کی ہے (دیکھو صفحہ ۴ ۱) اور یہی ایمان کا جزوِ لاینفک ہے جو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے ظاہر ہے۔ کتاب کے عربی دیباچے میں ہم نے لفظ "عبادت" سے جا بجا اسکا یہی کلی مفہوم مراد لیا ہے۔

"عبادت خدا" کے صحیح معانی آج یہانتک مسخ ہو چکے ہیں کہ دنیا کا کوئی ایک مذہب بھی اس کے اصلی یا ابتدائی مفہوم پر عمل کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ نہیں بلکہ جسقدر کوئی مذہب قدیم تر ہے اسیقدر اسکی "عبادت" ایک لفظی اور رسمی، بے نتیجہ اور بے معنی شے بن گئی ہے حتیٰ کہ اکثی "نماز" کے بقیہ آثار بھی مرورِ مدت کے باعث قطعاً بے حقیقت اور مضحکہ خیز بن گئے ہیں۔ وحشی اقوام میں جنکے مذہبی محسوسات متمدن اقوام کے معتقدات باقیہ سے بہت قدیم تر ہیں "نماز" یا "عبادت" کا کوئی مستقل تخیّل ہی باقی نہیں رہا۔ افریقہ اور آسٹریلیا کی بعض وحشی قومیں بظاہر اس کلیے سے مستثنیٰ نظر آتی ہیں مگر اُن میں بھی "نماز" کا تخیل کسی مٹی کے بُت کے گرد اکڑوں ناچنے یا آوازِ بلند نام پکارنے تک محدود ہے اگرچہ خدمتِ جن (عبادت) کے خیال سے قبروں کے اندر آگ جلانا اور پانی، میوے، اور ہتھیاروں کے چڑھاوے چڑھانا بھی کہیں کہیں مروّج ہے۔ ہندوؤں میں "عبادتِ خدا" کسی دیوی کی مورتی پر پھول چڑھانے یا جوراک اور مال کی قربانیاں کرنیکے مترادف ہے۔ "نماز" کا تخیّل اُنکے ہاں بگڑتے بگڑتے صرف اشنان کرنے، قشقہ لگانے، ماتھا ٹیکنے، ہاتھ جوڑنے اور مندروں کے اندر گھنٹے بجانے تک رہ گیا ہے۔ بدھ مذہب میں اسکی "عبادت" اور "صلوٰۃ" کے تخیّل میں آج کوئی مابہ الامتیاز قائم نہیں رہا اور جو خود کسی زمانے میں آریہ مت کی اصلاح کے لیئے آیا تھا، اسی انقلاب کا شکار ہو چکا ہے۔ اُسکی "نماز" آج صرف ایک چرخ کے گھمانے پر ختم ہے اسقدر چکر چرخ کو دیئے جاتے ہیں اُسیقدر زیادہ موثر یا بہتر نماز ہو جاتی ہے حتیٰ کہ بڑے بڑے ہیکلوں میں اس چرخِ عظیم کو گھمانے کے لیئے آبی کلیں اور پن چکیاں استعمال ہوتی ہیں! خود عرب اور اہالیٔ مکہ کا قدیم

دلوں میں ارادت کے اُسی کارکن جوش کی خوش آیند خلش، اور سینوں میں تعلق کے اُسی غرضمند شوق کی دل آویز لگن رہا کرتی تھی۔ مومنوں کے توجّہ طلب اور رشک آشنا قلوب میں، شاہدِ معنیٰ کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۰) اہم اسی مذہب خدائے ذوالجلال کی عملی عبودیت اور اس کے احکام کی سر فروشانہ اطاعت سے ہٹتے ہٹتے اسقدر لغو اور بے معنی شے بن گیا تھا کہ خانہ کعبہ کی نماز صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہو گئی تھی۔ سورۂ انفال میں وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ (۸ ۳۵) کا اشارہ اسی لایعنی نماز کی طرف ہے اور تصریحاً تمام کہہ دیا ہے کہ نماز کی اس اہمی کیفیت کو مسخ کر دینا کفر، اور ہلاکت کے مترادف تھا۔ یہود و نصاریٰ کے مذہبی حلقوں میں عبادت اور نماز اصالتاً اور عملاً ایک ہی شے سمجھی جاتی ہیں، اور زیادہ تر گیت گانے، ارغنوں بجانے، یا صدر سے صدر وعظ سننے اور تسبیح پھیرنے یا توراۃ و انجیل کے ترجموں کی رواں تلاوت کرنے پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ عبادت' یعنی خدمتِ خدا کا اظہار ہیکلوں اور کلیساؤں میں خوشبودار چیزیں جلا جلا کر، شمعوں کو قربانگاہ کے گرد اگرد روشن کر کے، یا اسقفوں کی مقرر کردہ رسوم کو بصحت تمام ادا کر کے کر دیا جاتا ہے۔ اسلام کے اندر اگرچہ نماز کی ظاہری شکل و صورت میں اسکے جدید ترین مذہب ہونے کے باعث (فرقہ بند لوگوں کے جزوی اختلاف سے قطع نظر) قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی مگر اسکے مقاصد و اغراض اسقدر نسیاً منسیاً ہو چکے ہیں کہ 'الصَّلوٰۃ' اب صرف ایک رسمی اٹھک بیٹھک کا نام رہ گیا ہے جو ہر نماز گذار نہایت صحت اور التزام سے ادا کر دیتا ہے اور اسیکو 'خدمت خدا' کا جزوِ اعظم شمار کرتا ہے۔ گویا جہاں خدمت نفس اور عبادت حکام، تعلق اولاد اور تعدد مال و جاہ میں دن رات ایک کر دیئے جاتے ہیں وہاں خدمت خدا کے لیئے یہی دو ایک سجدے کر دینا کار عظیم اور بار گراں' بن چکا ہے۔ بیم و رجا کا کیف دلوں سے محو ہو کر خدا پر احسان و امتنان کی صورت پیدا کر گیا ہے اصلی حاکموں اور نفسانی بتوں کی عملی عبادت درگاہِ خدا میں خشوع کو حتماً بیدخل کر چکی ہے اور اسی لیئے یہ نیچو قتہ بیگار طبعاً بُری معلوم ہو رہی ہے لیکن جب جوت کے مستحق، اور رجا کے سزاوار اصلی خدا' بن چکے ہوں تو رب زمین و آسمان سے استعانت کی ضرورت کیوں باقی رہے اور سچا خشوع و خضوع کیونکر پیدا ہو! سورۂ بقرہ میں ہے

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ (۲ ۴۵)

اور لوگو! اپنی مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیئے استقلال سے طلب اعانت کیا کرو اور ساتھ ساتھ نماز میں کھڑے ہو کر خدا کے حضور میں بھی گڑگڑایا کرو کہ اصلی حلال مشکلات اور مسبب الاسباب وہی ہے اور یہ نماز تو ان لوگوں کے سوا جن کا تمام تعلق ہم سے وابستہ ہو چکا ہے (الخٰشِعِیْنَ) جن کا سب بیم و رجا ہم ہی سے ہے (الخٰشِعِیْنَ' دیکھو آیہ (۲۱ ۹۰) جو اوپر گذر چکی ہے) جو ہم ہی کو مسجود اور ہم ہی کو مدعو قرار دیتے ہیں اور اسی لئے ہمارے ہی آگے عاجزیاں کرتے ہیں (الخٰشِعِیْنَ)، باقی سب کے لیے ایک بیگار ہی بیگار ہے'

اسلامی مذہبی حلقوں میں نماز اب صرف الفاظ کو صحت اور خوش الحانی سے دُہرانے کا نام رہ گیا ہے، مطالب سے کوئی غرض یا بحث باقی نہیں رہی۔ مقتدی امام کی ساری توجہ اسی میں ہے کہ قرأت درست ہو، صفیں سیدھی ہوں، ارکان صحیح طور پر ادا ہوں، قرآن کا کوئی ٹکڑا حسب حال یا نا حسب حال ہر موقعے میں چلا دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ مقتدی کا اکثر اہتمام بھی انہی سطحی باتوں میں صرف ہوتا ہے۔ اسی لیئے نماز کے ادا کرنے میں ایک تکلف اور آورد پیدا ہو گئی ہے جو اسکی اصلی غایت بلکہ صورت کو بھی آہستہ آہستہ مسخ کر رہی ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ آیندہ ہزار دو ہزار برس بلکہ اس سے بھی کم مدت میں اسلامی نماز اہل چین کے چرچ کی مانند مضحکہ انگیز بن جائے۔ اور جس طرح آج کسی سے قرآن اور درود پڑھوا کر یا بالوساطت روزہ رکھوا کر ثواب حاصل کرنا مرسوم ہو گیا ہے اسی طرح رفتہ رفتہ نماز کو ادا کرنے والے پیشہ ور اصحاب بھی مقرر ہو جائیں جو اجر کے خیال سے اسکو کسی تحقیقی ترکیب سے جلد جلد ادا کرنے کی کوئی آسان سبیل نکال لیں۔ ابھی موسیقی عنصر اور تطریبی اسلوب نماز میں اسقدر نمایاں ہو چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ دنیاوی حاکم کے روبرو جا کر دم خشک ہو جاتا ہے، ملاقات سے پہلے ہونٹوں پر پپڑیاں جم جاتی ہیں، دل میں کپکپیاں اور چہروں پر زردی چھا جاتی ہے، اور فرط رعب کے مارے منہ سے الفاظ تک نہیں نکلتے، وہاں مالک زمین و آسمان

نگاہوں کی غلط اندازیاں، اور لبِ جاں بخش کے تبسم کی غیر نوازیاں غلجانِ عظیم پیدا کر دیتی تھیں!
وہ خدا کی دامن درازی کے بالمقابل اپنے دستِ نارسا کو دیکھ کر اور بھی سعی و عمل کرتے اور انتخابِ خدا کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۱) اور خالقِ شمس و قمر کے حضور میں جا کر ترنم پیدا ہو جاتا ہے۔ پروا تک نہیں رہتی کہ کس کی جناب میں کھڑے ہیں، کیا مانگ رہے ہیں، کیوں مانگ رہے ہیں، کیوں گھٹنوں کے بل گر رہے ہیں، کیوں سجدے کر رہے ہیں، کیوں ٹھوڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ پیشِ امام کا سارا زور اسمیں صرف ہوتا ہے کہ ساز بلند سے بلند آواز میں ادا ہو، مقتدی سن کے سب اس کے ترنم کو سن سکیں اور سجدے سے بے اختیار واہ واہ کرتے نکل جائیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ایک الٰہی ارشاد ہی جو بتائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ آجکل کی ترنم والی نمازیں قرونِ اولیٰ کی نمازیں نہیں تھیں

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ (۱۷: ۱۱)

اے محمدؐ! اِن مجازیوں کو کہہ دو کہ خدا کو "اللہ" کہہ کر گڑگڑاؤ، یا "رحمٰن" کہہ کر ملتجی ہو، جس نام سے بھی پکاروگے تو اُسکے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں (مقصود صرف کشفِ دل ہے، باطنی خوف ہے، اسکی جناب میں سچی عاجزی ہے، دل کو ہلا دینے والا خشوع و خضوع ہے، اور پھر اس خشوع و خضوع کے بعد باقی اوقات میں کیفِ اطاعت ہے)۔ اسکے لئے نام کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ نام لے لے کر پکارنے سے تمہارے حالِ دل کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ ہاں البتہ اپنی نماز میں اتنا ظاہری ادب ضرور ملحوظ رکھو کہ اسکو چلّا چلّا کر مت پڑھو اور بالکل چپکے ہو کر پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ ان دونوں کے بیچ بیچ ایک متوسط طریقہ اختیار کر لو (جانے رہو کہ تم کس کے حضور میں کھڑے ہو، اور وہ کتنا بڑا بادشاہ ہے۔ یہ ظاہری ادب بھی کیفِ دل پیدا کرنے کے لئے از بس ضروری ہے۔ اگرچہ خدا سب باتوں سے بے نیاز ہے)

نماز کے موجودہ رنگ سے صرفِ نظر کر کے پھر اگر دوسری مرسوم عبادات کی کُنہ و ماہیت کی طرف نظر دوڑائی جائے تو لامحالہ کہنا پڑتا ہے کہ انکی غرض و غایت میں بھی مرورِ مدت کے باعث بے انتہا تصرف ہو چکا ہے۔ صوم، زکوٰۃ، حج وغیرہ وغیرہ سب کے سب معنًا بدل چکے ہیں۔ تسبیح کا تخیل مسلمانوں نے قطعًا نصرانیوں اور یہودی راہبوں سے لیا ہے۔ اگرچہ تسبیح ہندوؤں اور بدھ کے معتقدوں میں بھی مدتِ مدید سے جاری ہے۔ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام عمر میں تسبیح کا استعمال کلیتہً نہیں کیا اور اگرچہ عبادتِ خدا کا یہ مضحکہ انگیز ہتھیار آپ نے ضرور کہیں نہ کہیں دیکھا ہو گا مگر اسکے استعمال کے متعلق آپ کے ارشاد کا ایک حرف کہیں موجود نہیں۔ اسوۂ حسنہ پر چلنے والے مسلمانوں نے آج زہد و اتقا کا تمام ساز و سامان اسی چار گرہ دھاگے کے اندر دیکھ لیا ہے، اور اس خدائے عظیم کے کپکپا دینے والے اسماء کو دُہرا دُہرا کر بے نتیجہ اور بے اثر کر دینا اس قدر آسان سمجھ لیا ہے کہ ہر کس و ناکس اسکو ہاتھ میں رکھ کر مسلمان ہونے کی سند حاصل کر لیتا ہے اگرچہ در پردہ وہ قوم کی بیخ کنی کے منصوبے سوچ سوچ کر اُمت کو تباہی کے کنارے پر لگا رہا ہو۔ مگر یہ نازک موضوع اس قابل نہیں کہ کتاب کے ابتدائی حصے میں اسکے مالہٗ و ما علیہ پر مدلل بحث کی جا سکے۔

محولہ بالا بحث و تمحیص سے کم از کم یہ ظاہر ہے کہ اسلام میں عبادت کے معانی احکامِ خدا کی پیہم تعمیل کرنا ہی ہے کوئی انسان کی بنائی ہوئی لغت اسکے صحیح مفہوم کو حتماً ادا نہیں کر سکتی۔ اور جسطرح کسی آقا کی ملازمت میں وقت کی تخصیص نہیں ہوتی اسیطرح عبادت بھی وقت سے حتماً بے نیاز ہے۔ "الصلٰوۃ" صرف ایک پنجوقتہ حاضری اور سلام سلام ہے جو ہر وفادار اور حکمبردار، مُسلم اور مطیع غلام کے لیئے روزانہ خدمت کے بعد ضروری ہے لیکن بجائے خود عبادت نہیں۔ اسی لیے قرآن میں بارہا "صلٰوۃ" کے لفظ کو عبادت سے علیحدہ کر کے کہا گیا ہے۔ اور اسی عہد کا اقرار نماز میں ہاتھ باندھ کر ہوتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ (۱: ۴) یعنی "اے خدا! ہم تیرے ہی غلام بنیں گے اور تجھ ہی سے مشکلات میں مدد مانگیں گے" ورنہ "نَعْبُدُ" کے معانی "ہم تیری ہی نماز پڑھتے ہیں" لے لینا بے معنی ہے کیونکہ نماز تو اسی کی پڑھی جا رہی ہے پھر اسکا اقرار لغو ہے۔ خدا کی "خدمت" صرف یہی ہے کہ اسکے بتائے ہوئے احکام عملاً مانے جائیں اس سے زیادہ یا کم کچھ نہیں۔ آگے چل کر اصل کتاب میں بتایا جائیگا کہ یہ فرماں برداری بھی انسان کے اپنے ہی نفع کے لیئے ہے، خدا اس خدمت سے قطعاً بے نیاز ہے گویا یہ خدمت بھی عجب خدمت ہے جو غلام کی اپنی ہی بہتری کے لیئے ہے۔ (باقی)

حق ادا کرنے میں کچھ کسر اٹھا نہ رکھتے (ھُوَ اجْتَبٰىكُمْ)، تسلیم اُن کا واحد شیوۂ عمل، اور اطاعت ان کا اہم طریقِ کار تھا، (ھُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ)، بڑی سے بڑی مصیبت، اور مشکل سے مشکل خدمت اُن کے چہروں پر ملال اور ماتھوں پر بل نہ آنے دیتی (وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ)، مجسم بے مثال کے یہ خوشدل مزدور، اور ملتِ ابراہیم کے یہ سچے پیرو، اپنی بہتری اور فلاح کی خاطر پسندیدۂ خدا کاموں کیطرف لپک لپک کر پہنچتے اور ایک عالم کو محو و سرشار کر دیتے (وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)۔ خدائے بے نیاز کی جناب میں اُنکے رکوع و سجود کسی غمزدہ اور بے نوا انسان کی نگاہ عاطفت کی پیہم دُعا، اور بے محابا کرم کے سوال بن بن کر ظاہر ہوتے تھے نمازوں اور دعاؤں میں اُنکے قیام اور قعدے ہول جاہ اور رعب جلال کی مضطربانہ حرکات، اور عجز و بے بسی کے ترحم انگیز اور اضطراری اعمال بن گئے تھے۔ بارگاہ خدا میں اُنکا دست بستہ

۱۵ دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۔ ۱۶ ایضاً صفحہ ۱۵۔ ۱۷ ایضاً صفحہ ۱۵۔ ۱۸ دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۵۔

(تتمہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) عبادت کا اصلی اور صحیح مفہوم سنسکرت کے مشہور لفظ سیوا (خدمت)، اور انگریزی کی کلیسائی اصطلاح سروس (ملازمت) سے ظاہر ہے اگرچہ آج کوئی شخص انکو ان معانی میں نہیں لیتا۔

مذکورہ صدر بحث و تحقیق سے بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ ارْكَعُوْا، اور اسْجُدُوْا، اور اعْبُدُوْا، کے الفاظ قرآن حکیم میں اپنے اصلی معانی استعمال ہوئے ہیں، ان سے مقصود خدا کی ملازمت یعنی انہی معنوں میں اختیار کرنا ہے جن معنوں میں کسی دنیاوی حاکم کا تعبد اختیار کیا جاتا ہے، یہی سلام سلام اور یہی تمام ملازمت کا صرف ایک جزو ضعیف ہے۔ اس چاکری کا حصہ عظمیٰ عمل ہے، اطاعت احکام خدا ہے، تسلیم و انقیاد ہے، جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ہے۔ اسکے سوا جو کچھ نہیں جو عظیم غلاف عبادت کے صحیح مفہوم پر انسان کی سہل پسندی اور کاہلی کے تحت پڑ گیا ہے جو لوگوں نے ڈالا ہے، قرآن کے محفوظ اور ناقابلِ بدل کلام کو اس سے کچھ سروکار نہیں عبادت کے معانی خود کلام کے اندر موجود معنوں میں کوئی لغت انکو ادل بدل نہیں سکتی قرآن میں جہاں عبادت کا لفظ واقع ہوا ہے اسکی آن غرض و غایت یہی ہے جیسا کہ آئندہ اوراق میں ظاہر ہوگا۔

۔ اگرچہ شارحین قرآن نے عام طور پر اس جزو مطلب فقرے کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ خدا نے مسلمانوں پر دین کے بارے میں کوئی تنگی روا نہیں رکھی اور اپنے سست مطلب معانی پیدا کر کے مسلمانوں کیلئے (اور سب سے پہلے اپنے نفس کیلئے) سعی و عمل سے گریز کرنے کی ایک عمدہ سبیل نکال لی ہے لیکن اگر ذرا تامل سے کام لیا جائے تو ان الفاظ کے یہ معانی ہرگز نہیں ہو سکتے جو انہی آیات (یعنی ۲۲: ۷۷ - ۷۸) اور اس سے آگے چلکر پیش کر دیا ہے ۔ اسکی ظاہر ہے کہ ایمان کی شرط خدا کی راہ میں سخت سے سخت مصائب کا سامنا کرنا ہی ہے جیسا وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (۲۲: ۷۸) سے ظاہر ہے پھر خدا کیونکر کہہ سکتا ہے کہ ہمارے لئے دین اسلام میں ہم نے کوئی ذرا سی تنگی بھی نہیں رکھی حالانکہ ایمان کی شرط وحید یہی ہے کہ انکی راہ میں جان تک سے دریغ نہ کرو، دراصل تمام خطاب اہل عرب کیطرف ہے جو رسول کے رشتے میں اپنی انتہائی سعی و عمل سے شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ بن چکے تھے، اور انہی کا یہ لوگو کی بات خدا نے فرمایا کہ تم ہی صحیح معنوں میں مُسلم ہو، تم ہی خدا کو درحقیقت خدا تسلیم کرتے ہو، تم ہی ابراہیم کے سچے پیرو ہو، تم ہی میری منتخب امت ہو، اور تم ہی خدا کے وہ سچے غلام ہو کہ خدا کا مشکل سے مشکل اور صبر آزما سے صبر آزما حکم تم کو تنگ نہیں کرتا، تم ہی وہ مستقل مزاج اور تکلیف بردار، وہ اولوالعزم اور جفاکش لوگ ہو کہ خدا کی کوئی خدمت بھی تمہارے ماتھوں پر شکن نہیں پڑنے دیتی اَعۡلَیۡکُمۡ ہم اور ان آیات میں جہاں جہاں لفظ کُمۡ ہے اس سب پر مقدم ہے ۔ وہ سب خطاب صرف عروں لوگوں کے مسلمانوں کیطرف ہے یا ان کیطرف جو ان جیسے کارکن ہیں۔ انہی کے لئے خدا نِعۡمَ الۡمَوۡلٰی اور نِعۡمَ النَّصِیۡرُ بھی ہے نہ آجکل کے برائے نام مسلمانوں کا جن کو وہ ہلاک سزائیں دے رہا ہے۔

قیام کسی نیاز مندول کے طبعی اضطراب کی سکوت افزا دھڑک، اورغضمند انسان کی بے تابیٔ دل کی ادب آموز دبک بن بن کر ظاہر ہوتا تھا (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا[۵۱])۔ اُن کا ایمان اُنکے اعمال کا صحیح عکس، اور اُن کے سجدے اُنکی **اطاعت** کی صحیح تصویر تھے! خداوندِ عالم کی یہی وہ سچّی عبادت اور وہ ناقابلِ انکار شہادت تھی جسنے ایک اقل قلیل مدت میں اہل عرب کو روئے زمین کی اُمتوں کا مرکز بنا دیا تھا! (۲۰۔ ۱۴۳[۵۲])۔ عشق و عمل کے اِسی نقطۂ وحید سے خدائے واحد کی محبّت کے آتش افشاں فوّارے، اور نورِ ایمان کے آسمان سیر شعلے پھُوٹ پھُوٹ کر اکناف عالم میں پھیل گئے تھے! یہی وہ برگزیدہ اور منتخب اُمّت تھی جسکے دعوئے محبّت کو آزمانیکے لیئے شاہد امتحان طلب[۵۳] نے قوم کے ہر فرد پر **جہاد بالسیف** فرض کر کے مُدعی ایمان کی جان کو عشقِ خدا کے بیباکانہ جُرم کا خونبہا تجویز کیا تھا، اور پھر وہ اس نعم المولےٰ اور مُنعم لم یزل کی حیرت انگیز حیلہ جوئی اور حکمت آمیز بہانہ طلبی تھی جو اس سرفروشانہ تہوّر کے انعام میں مومنوں کو ہر موقع پر عطا فرما کر چند برسوں کے اندر ہی اندر روئے زمین کے بڑے سے بڑے حصے کی بادشاہت بخش دی تھی! (فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ[۵۴])

به تمنائے تو ترکِ دو جہاں کردہ ولی

مہربانیٔ تو ہم درخورِ آں می بایست

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (۸۔ ۷۴)

[۵۱] دیکھو (۲۲، ۷۷) صفحہ ۱ [۵۲] دیکھو صفحہ ۱- [۵۳] دیکھو (۲۲، ۷۸) صفحہ ۵ ا-

† الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کی شرائط جو اس آیۂ شریفہ میں بیان کی گئی ہیں نہایت غور طلب ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مقابلہ ہجرت اور جہاد اور نصرت باہمی کی شرائط پیش کرنیسے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کا منہ سے اقرار کرلینا محض کچھ نہیں جبتک کہ اُس بابی اقرار کی تصدیق عمل سے نہ ہو۔ چنانچہ سورۂ عنکبوت کے شروع میں یہی تاکید ہے (بلکہ یہی بات آیہ (۲۹ ۱۵) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۱۵ کے متن میں ہے)

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (۲۹ ۲)

کیا لوگوں نے اپنے دل میں یہ سمجھ رکھا ہے کہ زبان سے صرف اتنا کہنے پر چھوٹ جائینگے کہ ایمان لے آئے اور ان کا امتحان نہ لیا جائیگا حالانکہ انکو اس بات کا خوب علم ہے کہ ہم نے ان لوگوں کی آزمایش بھی اپنے عمل کی بھی جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں تو یاد رکھو کہ خدا ان لوگوں کو ضرور معلوم کرکے رہیگا جو اپنے یقین کی بذریعہ عمل تصدیق کرنے والے ہیں (الَّذِيْنَ صَدَقُوْا) اور ان کا بھی پول کھول دیگا جو منہ سے تو اقرار کرتے ہیں اور دل سے جھٹلاتے ہیں (الْكٰذِبِيْنَ)۔ صَدَقُوْا کیلئے دیکھو حاشیہ ۱۱۷

اور جن لوگوں نے خدا کو مولا مان کر اسکا آوازہ بلند کرنے کی خاطر ہجرت وطن اختیار کی، اور اُس کی راہ میں دشمنوں سے لڑے، اور جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو پناہ دی، اور حصول مقصد میں اُن کی حتی الامکان مدد کی، تو یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں۔ اِن کے لئے میرے ہاں سے اُنکی تقصیروں اور گذشتہ واماندگیوں پر پردہ پوشی ہے، اور علاوہ ازیں بالآخر عزت و آبرو کی روزی۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ (۴۹ ۱۵)

سچے ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو فی الحقیقت اپنا آقا سمجھا (آمَنُوا بِاللَّهِ)، اور رسول کو صدق دل سے اُسکا بھیجا ہوا پیغام بر جانا، اور پھر اسکے بعد خدا کی آقائی اور رسول کی صداقت میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کیا۔ اور اِس قلبی ایمان کی تائید میں اپنے جان و مال سے خدا کا بول بالا کرنے کی خاطر دشمنوں سے لڑے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے یقین کی بذریعہ عمل تصدیق کرنے والے، اور اپنے ایمان کو سچ کر دکھانے والے ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (۹ ۲۰-۲۲)

٭ 'جنّت' کا ترجمہ ہم نے باغات اور سرسبز زمینیں کر دیا ہے۔ یہاں اِس بحث کو طول دینا مناسب نہیں۔ قرآن حکیم میں 'جنّت' اور 'الجنّۃ' دو مختلف اصطلاحیں ہیں جنکا مفہوم بھی لامحالہ مختلف ہونا چاہئیے۔ 'جنّت' اور 'الجنّۃ' میں فرق، اور اوّل الذکر کا قرآنی مفہوم دوسری مجلد میں عیاں کر دیا جائیگا اگرچہ 'الجنّۃ' کی حقیقت پر بحث چوتھی مجلد سے پہلے مکمل نہ ہو سکے گی۔ یہاں صرف اسقدر لکھ دینا کافی ہے کہ قرآن کریم میں 'جنّت' کا لفظ کئی موقعوں پر بصراحت تمام زمینی باغات کے لئے استعمال ہوا ہے مثلاً سورۂ رعد میں ہے وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ (۱۳ ۴) 'اور زمین میں پاس پاس کئی قطعے ہوتے ہیں اور انگور کے باغات اور کھیتی اور کھجور کے درخت'۔ سورۂ قٓ میں ہے وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ (۵۰ ۹) "اور ہم نے ہی آسمان سے برکت دینے والا مینہ اتارا پھر اُسکے ذریعے سے باغ اُگائے اور کھیتی کا اناج"۔ سورۂ مومنون میں پھر اسی مینہ مبارک کے بارے میں ہے فَأَنشَأْنَا لَكُم بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ (۲۳ ۱۹) یعنی "ہم نے اِس پانی کے ذریعے سے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغ اُگائے"۔ سورۂ یٰس میں علیٰ ہذا القیاس یہی مضمون ہے وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ (۳۶ ۳۴) "اور ہم نے اِس زمین میں کھجور اور انگور کے باغات پیدا کئے اور اُس میں پانی کے چشمے بہائے"۔ سورۂ انعام میں ہے وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ (۶ ۱۴۲) "اور وہی قادر مطلق تو ہے جس نے باغ پیدا کئے جن میں سے بعض کی بیلیں منڈھے چڑھتی ہیں اور بعض سطح زمین پر پھیلتی رہتی ہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی"۔ اسی سورۃ میں ہے وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ (۶ ۱۰۰) "اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات"۔

اِن مثالوں کے علاوہ جن سے 'جنّت' کا زمینی باغات ہونا اظہر من الشمس ہے قرآن میں ایک اور طرح کی مثالیں موجود ہیں جیسے 'جنّت' کا

جو لوگ خدا کے جدا ہونے پر ایمان لے آئے، اور جنہوں نے اللہ کی حمایت میں اپنے دیس چھوڑے اور اپنے مال وجان سے اسکی لڑائیاں لڑیں، اُن کا اللہ کے ہاں سب سے بڑا درجہ ہے! اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں بھی فائز المرام ہوں گے۔ انکا پروردگار اُنہیں اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور نیز اُن باغوں (جنت) اور سرسبز زمینوں کی حکومت کی جن میں انکو دائمی نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہونگی وہ انہیں سدا سدا رہیں گے۔ اے لوگو! بیشک ایسے لوگوں کیلئے خدا کے پاس اجر عظیم ہے

الغرض اِلٰہ العالمین کی نگاہ میں ایمان اور محبت خدا کا صحیح معیار انسان کا اُسکی راہ میں مصائب کا پیہم مقابلہ کرنا، اور دشمن کے بالمقابل جان و مال پر کھیل جانا ہی تھا۔ ترک اقربا، ترک اولاد، ترک خان ومان، ترک وطن، ایثار مال، ایثار نفس، ایثار جان ہی وہ انتہائی پیشکش تھے جو ربّ بے نیاز نے ایمان کی متاع بے بہا کے بدلے بطور قیمت مقرر کردیئے تھے۔ (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا) انہی کی موجودگی میں محبت خدا

سلہ دیکھو (۸: ۷۴) صفحہ ۱۱۴۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۵) مطلب بادشاہت زمین ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ الشعراء میں فرعون کو بادشاہت مصر سے محروم کرنیکے متعلق ہے فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ (۲۶: ۵۷-۵۹) یعنی پھر ہم نے فرعون کی قوم کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا، اُن کی عظمت یوں خاک میں ملادی اور بالآخر بنی اسرائیل کو ان نعمہائے الٰہی کا وارث بنایا" سورۃ دخان میں پھر اسی فرعونیوں کی بابت ہے كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۙ (۴۴: ۲۵-۲۸) یعنی ان لوگوں کو کتنے ہی عالیشان باغات اور نہریں اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑنے پڑے اور کیسی کیسی آرام دہ نعمتوں کو خیرباد کہنا پڑا جن میں مزے اُڑایا کرتے تھے۔ ہاں ان اہلوں کی سزا یہی ہونی تھی اور ہم نے یہ بدلہ لیا کہ ان تمام ساز و سامان کا دوسروں کو وارث بنا دیا۔ سورہ شعراء میں موت و شکست کو دعوت دینے والی قوم ثمود کے بارے میں ہے: اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۙ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ (۲۶: ۱۴۶-۱۴۸) "تو کیا تم لوگ اس زعم باطل میں ہو کہ ان باغات اور نہروں میں سے روک ٹوک امن و امان سے چھوڑ دیئے جاؤ گے"۔ اسی سورۃ میں قوم عاد کی طرف خطاب ہے، وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۚ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۚ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۚ (۲۶: ۱۳۲-۱۳۴) "اور لوگو! اس احکم الحاکمین کی سزا سے بچو اور اس سے خوف کھاؤ جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جو تم کو خوب معلوم ہیں۔ تم کو مال مویشی اور اولاد کی کثرت سے مدد دی، باغوں اور نہروں کا تم کو حکمران کیا وغیرہ وغیرہ"

تعجب ہے کہ ان حیرت انگیز شہادتوں کے باوجود شارحین قرآن اور عام مسلمانوں نے جنّت کے معانی آخرت کے جنّت کے لیلئے ہیں اور بادشاہت زمین کے نصب العین کو جو اسلام اس دنیا پر لایا تھا آنکھوں سے یکسر اوجھل کیا ہی مگر مسلمانوں کی نیت بدل جانے سے کلام الٰہی کے معانی نہیں بدل سکے، وہ وہی ہیں جو قادر مطلق کے علم میں اُس وقت تھے جس وقت قرآن حکیم وحی کیا گیا تھا، امت کے اتفاق اور مفسرین کے اجماع کا اُس پر ہرگز کچھ اثر نہیں۔ اگر یہ بحث حسنہ کتاب کے متن میں آگے چلکر آئے گی آیات زیر بحث (دیکھی ۱۹: ۲۰-۲۲) صفحہ ۱۱۵) میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کے الفاظ بظاہر جنّت کے ان معانی کے مخالف نظر آتے ہیں مگر جب مومن کی دنیا اور دین دونوں درست ہیں (جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا) اور آخر میں انعام و مادی نعمتوں کے تسلسل ہی میں ہو تو خٰلِدِيْنَ اور اَبَدًا کے الفاظ صرف موافق بلکہ بہانت موزوں ہیں ورنہ مطالب کے مبہم ہوجانیکا امکان ہے۔

کی وہ عملی تثبیت، یقینِ ربّ کا وہ عملی ثبوت، اور عبودیت کی وہ ناقابلِ انکار تصدیق ہوتی تھی جس سے
بڑھکر کم نوا اور فرومایہ انسان کے پاس کوئی تصدیق نہیں، کوئی ثبوت ممکن نہیں، (اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ)
یہی وہ قربانیاں تھیں جو اس حاکمِ اعلیٰ کی ملازمت میں کر دینا سچی ارادت، سچے تعبّد اور سچے ایمان کی قطعی دلیل
تھا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۞ (۲: ۱۶۵) یہی عبادت کا صحیح مفہوم، بلکہ رکوع و سجود کی صحیح منطق تھی۔ خدا
کی بندگی یہی تھی کہ کسی کمتر اور کہتر خواجہ کی غلامی نہ ہو، اُسکی محبت کے بالمقابل کسی شئے کو ترجیح نہ ہو، وطن کا
غم نہ ہو، اولاد کی عبادت نہ ہو، مال کی غلامی نہ ہو، نفس کا تعبّد اور جان کی پروا نہو، نماز میں سچی شان
اطاعت، اور اعمال میں رنگ سجود کا ظہور ہو۔ یہی شدّتِ محبت اور غلبہ عشق قرنِ اول کا اصل ایمان تھا، اور
یہی ہر دنیاوی حاکم کی عبادت کا صحیح پیش نہاد آج بھی ہے۔ اِسی سبیلِ خدا، اور ایمان کے صلے میں مغفرت
تھی، رزقِ کریم تھا (۸: ۴) رحمت کی نوید امن اور رضائے ربّ العرش کی بشارت تھی، جنّت تھے قائم
اور دائم نعمتیں تھیں، اجرِ عظیم تھا، فوزِ جلیل تھا، (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۞)۔ خدائے بے نیاز کی خدائی پر
سچا ایمان، اور رضائے احکم الحاکمین کا سچا عشق آجکل کے لفظی اور نظری، سطحی اور ناکارہ ایمان کی غیر ممتند
کسی بے روح و بے حقیقت "اقرار باللسان" یا کسی بے نتیجہ اور غیر مرئی "تصدیق بالقلب" سے ہی کسطرح روبرہ
ہو سکتا تھا، اِس سے عہدہ برآ ہو سکے کیلئے سعی و عمل کی مستقل خلش، رنج و محن کی صبر گسل ابتلا، تکلیف و مصائب
کی پیہم برداشت، اور ظلال سیوف کی عمل پرور آزمائش لازم تھی! وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ

ملہ دیکھو (۴۹: ۱۵) صفحہ ۱۱۵ ۵۲ اور جن لوگوں نے خدا کو حاکمِ اعلیٰ مان لیا اُن کی محبت اور ارادت خدا سے بہت شدید ہے۔ اور سب سے واضح بات
ہے (گویا ایمان کی سے شرط یہ ہے کہ سب سے گہرا تعلق خدا سے ہو۔ سب سے زیادہ ملازمت اُسیکی ہو، اُسی کے حکموں کی اطاعت ہو وغیرہ وغیرہ) ۵۳ دیکھو (۹: ۲۰) صفحہ ۱۱۵

٭ 'صادق' کا لفظ بالالتزام قرآن کریم میں اُس شخص کے لئے استعمال ہوا ہے جو اپنے قول و ایمان کو فعل و عمل سے سچ کر دکھائے آجکل 'صادق' کے
معانی میں کچھ تحریف واقع ہو چکی ہے، اور معمولی سچ بولنے والے کو بھی صادق ہی کہتے ہیں 'صدیق' مبالغے کا صیغہ ہے اور یہ لقب حضرت ابوبکرؓ کو لامحالہ
اِسی بنا پر ملا تھا کہ وہ اپنے قول کو عمل سے سچ کر دکھاتے تھے 'صدقہ' کی اصطلاح کا قربانی مال کے معنوں میں ہونا بھی یہی وجہ ہے کہ مال کا ایثار عطی کے
معاون اور مؤید ہونے کی تصدیق ہے مصدّق' بمعنی 'صادق' بھی قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے 'صادق' یا 'مصدّق' کی ضد 'کاذب' یا 'مکذّب'
ہے جس کا ذکر صفحہ ۱۱۴ کے تحت المتن میں آیۃ (۴۹: ۳) کے اندر آچکا ہے اور وقتاً فوقتاً آگے چل کر آئے گا اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ کے معانی صفحہ
۱۱۵ پر ہم نے اِسی بنا پر کیئے ہیں۔

مِنکُم وَالصّٰبِرِینَ وَنَبلُوَا اَخبَارَکُم ۝ (۴۷: ۳۱)۔ رب زمین و آسمان کی عبادت کا ادعا کسی رسمی اور دو رکعتی
نماز یا پنجوقتہ رکوع و سجود کی مقابلۃً آسان، بے اثر اور بے ضرر مشق کر لینے سے ہی کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا تھا
اسکی صادقانہ تکمیل کے لیئے ہر آن اور ہر وقت اطاعت کا رنگ لازمی تھا تسلیم کے اعمال، اور نعبُد کی شان چاہیئے تھی،
ماسوا کا جحود لابدی تھا، نفس پر کامل تحکم اور غیر پر کامل قدرت ناگزیر تھی۔ گویا سب کا انکار اور ایک کا اقرار،
سب سے سرکشی اور ایک کی ماتحتی ضروری تھی! عالم آرائے کون و مکان اور وجہ طراز زمین و آسمان کی عبودیت فقط
بے ریا محبت اور وہ بے لاگ خدمت تھی جسمیں غیر سے تعلق اور ماسوا کی اطاعت کو حتماً دخل نہ تھا۔ اسی عالم آرا
اصول پر تکوین عالم کی اساس قائم تھی، اسی پر کون و فساد کا سب انحصار تھا، اسی پر چل کر رزق کریم تھا،
اسی سے ہٹ کر عذاب الیم تھا۔ وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِیَعبُدُونِ ۝ مَآ اُرِیدُ مِنہُم مِّن رِّزقٍ وَّمَآ اُرِیدُ اَن
یُّطعِمُونِ ۝ (۵۱: ۵۶-۵۷)۔ اس تمام ہنگامہ کائنات کی وجہ بنا یہی تھی کہ زمین و آسمان کی سب کہ وہ مخلوق،

سلہ اور اے مسلمانو! ہم تمہارے ایمان کو ضرور آزماکر رہیں گے، یہاں تک کہ تم میں سے جو لوگ ہماری حمایت میں دشمنوں سے لڑنے والے اور مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں اُن کو ہم اچھی طرح معلوم کر لیں اور تاکہ تمہاری اصلی اور اندرونی حالت کو جانچ لیں۔ سلہ اور اے لوگو! ہم نے اس کائنات فطرت کے جن و انس کو صرف اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ماسوا سے قطع نظر کر کے ہمارے ہی چاکر، اور ہمارے ہی حکمبردار رہیں ہم اُنسے کچھ روزی کے تو خواہاں نہیں ہیں اور نہ اسکے کہ ہم کو کھلائیں پلائیں۔

✝ یہاں عیاں ہے کہ 'صابر' کے معنی ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھے رہنے کے نہیں جیسا کہ عافیت پسند اُمت نے لے لیئے ہیں، بلکہ مصائب اور حوادث کا استقلال اور عزم سے مقابلہ کر کے اُن پر فتح پانا ہے۔

✝✝ یہاں ظاہر ہے کہ 'عبادت' کے معانی وہ نہیں ہو سکتے جو لوگوں نے بنا لیئے ہیں۔ خدائے زمین و آسمان معاذاللہ اس بات کا محتاج نہیں کہ لوگ اسکی نمازیں پڑھتے اور خوشامد کرتے رہیں بلکہ مقصود تعمیل احکام ہی ہے۔ یہی دنیا کا ہر حاکم اپنی رعیت سے چاہتا ہے، اگرچہ زمین و آسمان کا مالک اس صورت احتیاج سے بھی بے نیاز ہے۔ اور جیسا آگے چلکر ثابت ہوگا، انسان سے تعمیل احکام کی آرزو رکھنا کچھ خواہش اختیار کے باعث نہیں بلکہ انسان کی اپنی ہی بہتری کیلئے ہے۔ اس نقطۂ نظر سے آیہ 'وما خلقت' سے مقصود یہی ہے کہ "ہم نے دنیا کے جن و انس کو پیدا ہی نہیں کیا مگر اس جبلت پر کہ وہ ہمارے احکام کی تعمیل میں لگے رہیں" یعنی انکی فطرت اور طینت میں یہ بات پہلے سے رکھدی ہے کہ ہمارے احکام (یعنی قانون فطرت) کی تعمیل کے بدون انکی اس دنیا میں دال نہیں گل سکتی۔ گویا جب جن و انس اطاعت سے منحرف ہونگے سزا انکو لامحالہ ملکر رہیگی۔ اور تکوین عالم کا اصل اصول ہی اطاعت قانون خدا (یعنی 'عبادت') ہے یہ اصول ہر صاحب نظر کیلئے اسقدر اظہر من الشمس ہے کہ اسکو اور عیاں کرنیکی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ اسی پر عملدرآمد ہو رہا ہے چھوٹے یا بڑے کسی امر میں جو وقت انسان قانون خدا کی متابعت یا مخالفت کی، سیوقت یا بدیر وہ اسکو اُسکا نفع یا نقصان ملجاتا ہے حتی کہ ایک بات صورت سے کم سبد کر لیکا مزا اُسکو اگلے دن ہی درد سر یا اور مرض کی صورت میں مل رہتا ہے۔
اس حقیقت کی آیت (۵۱: ۵۶) کی مکمل تشریح و تصدیق آئندہ مجلدات میں ہوگی جبکہ قانون خدا اور آئین فطرت کو عیاں کر دیا جائیگا، اور جب ہر ساکن زمین کو اس قانون سے مفر اور اس 'عبادت' سے گریز کرنے کی کوئی سبیل نظر نہ آئے گی۔ یہاں پر مقصود صرف 'عبادت' کے معانی کی توضیح ہے۔

(رباعی)

سب جنّ والنس اُس شارعِ کائنات ہی کے تابع فرمان ہو کر رہے، اُسی کے حلقۂ عبودیّت میں داخل ہو، اُنہی کے سکھائے یا بتائے ہوئے قانون پر چلے، گویا اُسی کی عبادت میں لگی رہے۔ وہ خدائے عظیم و جلیل انسان کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے فعل کو ہر آن اپنی ہی مرضی، اور اپنے ہی قانون کے مطابق دیکھنا چاہتا تھا۔ اُسکی غفور ذات رحم و مغفرت کی ناپیداکنار وسعت کے باوجود، انسان کی ہر صغیرہ و کبیرہ خطا کو معاف کر سکتی تھی مگر اپنی اطاعت، اپنی محبت، اور اپنی عبادت میں شرکتِ غیر کو قطعاً ناقابلِ عفو جرم قرار دیتی تھی إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا[51] (۴ ۱۱۶) صاحبِ ایمان بشر کے ہاں سے یہ دلبرِ اصحاں پسند فرہاد کی سی تمکینِ قلب کا خواہشمند اور

[51] بیشک اللہ اس بات سے چشم پوشی ہرگز نہیں کر سکتا کہ اسکے مقام و منصب میں کسی دوسرے کو شریکِ طاعت اور شریکِ محبت کیا جائے۔ اسکے ماسوا جو تقصیر بھی انسان کرے اُسکو اگر مناسب سمجھے تو مغفرت ادا کر سکتا ہے، اور جس شخص نے اپنی محبت میں غیر اللہ کو شریک کیا وہ فی الحقیقت اپنی بہتری کی راہ راست سے بہت دور بھٹک گیا۔ (یَّشَآءُ کے معنی ہم نے مناسب سمجھنا کئے ہیں۔ اسکا ثبوت تیسری مجلد میں فلسفہ عمل کے عنوان میں آئے گا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اس آیۂ شریفہ میں 'جن' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے 'جن' کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں ہو سکتی، اسکے لئے ابھی بہت دیر ہے مگر 'خلقت' کے لفظ سے اسقدر ضرور ثابت ہے کہ 'جن' خدا کی پیدا کی ہوئی ایک مخلوق ہے، اور ان سے مافوق فطرت کی فعل کا متوقع ہونا اسیقدر ہے جسقدر انسانوں سے۔ ہم مزید غور کر کے شاید اس نتیجے پر بھی پہنچ سکیں کہ 'جن' بھی 'انس' کی طرح ایک سرکش خدا مخلوق ہے جس کی بغاوت کو دور کرنے کیلئے خدا نے 'عبادت' کا تریاق تجویز کیا ہے۔

'یغفر' کے معانی دراصل پردہ پوشی کرنے کے ہیں اسی سے بمعنی بخشش کے ہیں۔ لوگوں نے مجازاً 'بخشش' کے لئے ہیں اور فرض کر لیا ہے کہ یہ تمام بخشش قیامت کے دن ہوگی اس سے پہلے نہیں ہو سکتی اور علی ہذا القیاس سزا بھی شرک کرنے والوں کو اُسی دن ہوگی مگر اس فرضی داستان کی کوئی سند نہیں۔ 'یغفر' کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اسلئے کوئی وجہ نہیں کہ بخشش اور سزا، یا انعام اور عذاب کسی شخص یا قوم کو یوم آخرت سے پہلے نہ مل سکیں۔ بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ جب گناہ اسقدر ناقابل معافی ہے تو سزا میں کیوں اسی ڈھیل دے دی جائے کہ لاکھوں برس کا فرق پڑ جائے اور ہر شخص کو خواہ مخواہ شرک کرنے پر جرأت ہو۔ دراصل یہ تمام مارا ماری بے بنیاد اور 'شرک' کے صحیح معانی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ اور جب آج مسلمانوں کے بنائے ہوئے اصطلاحی مشرکوں کو اسی دنیا میں سزا کی بجائے پے در پے انعام مل رہے ہیں تو اُنکے لئے روز قیامت کے متعلق دل خوش کن داستان گھڑ لینا بھی از بس ضروری ہو چکا ہے گویا اُنکے نزدیک خدا کی حکومت (العیاذ باللہ) اس دنیا پر قائم نہیں ہے اور وہ اگرچہ مشرکین سے سخت ناراض ہے مگر اُنکو سزا دینا اُسکے بس کی بات نہیں۔ اگلی مجلدات میں رفتہ رفتہ ہم اس تخیل کو غلط ثابت کرینگے، اور بتائینگے کہ مشرک کو کیونکر سزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے وہ خدائے عظیم کسقدر سریع الحساب اور شدید العقاب ہے اور شرک کا بدلہ کس شدت سے، کس بے نیازی، کس سختی اور سرعت سے لیتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب تو دنیاوی عذاب سے کہیں بڑھ کر ہے وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ[52] (۱۳ ۳۴)۔

'شرک' کی تعریف از روئے قرآن بے حد جامع مانع ہے جیسا کہ پیشتر کہا گیا ہے یہاں پر اسکی صرف ایک شق کی سرسری تصریح کر دی گئی ہے یعنی یہ کہ کسی شے کو محبت اور اطاعت میں خدا کے ہم پلّہ اور برابر کر دیا جائے۔ مسلمانانِ عالم کو غور کرنا چاہیئے کہ آیۂ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[53] (۲ ۱۶۵)

[52] اور آخرت کی سزا تو دنیاوی سزا سے سخت تر ہے [53] ترجمے کے لئے دیکھو صفحہ ۱۱۶

بستون کی جوئے تیسیر کے سے تاب گسل اور صبر پاش اعمال کا اُمیدوار تھا! اسکی نظر میں ایمان وہ کیفیت قلب تھی جسکا اٹل نتیجہ سعی و عمل تھا! وہ ہجرت اور جہاد کی آڑ میں ایمان کے دعویداروں سے نقد جان کا طالب تھا! اور انہی سرفروشانِ حکم الٰہ کو عشق خدا کے سچے "شہید"، رب العزّۃ کی حکومت کے سچے گواہ، اور رزق کریم کے قطعی اہل قرار دیتا تھا۔

إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ† وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ○ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ○ وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ○ (۳: ۱۳۹-۱۴۲)

اگر تمہیں اس لڑائی میں شکست کا زخم لگا ہو تو اس سے پہلے فریق مخالف کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ فتح و شکست کے دن تو ہم بقدر مناسب کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر پھیرتے ہی رہتے ہیں، اور یہ اسواسطے بھی کہ ہم جان لیں کہ خدا پر سچا ایمان رکھنے والا کون ہے، اور نیز اسلیئے کہ اللہ تم میں سے اپنے سچے گواہوں کو منتخب کرے ورنہ وہ کچے ایمان والوں کو تو محبت ہی نہیں کرتا۔ اللہ اس طریق عمل سے ایمان والوں کو اپنے متعلق شک شبہ کی میل کچیل سے نکھار دینا چاہتا ہے، اور پھر اپنے اصلی محبت پیدا کرکے منکرین کے زور کو توڑ دیا، اور تمہاری جماعت میں سے سائبۂ شک کفر کو دور کر دینا چاہتا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ (خدا کو منہ سے خدا کہکر) جنت میں جا داخل ہوگے حالانکہ ابھی تک تو اللہ نے اُن لوگوں کو جانچا ہی نہیں جو تم میں سے اسکی حمایت میں ثابت قدم ہوکر لڑنیوالے، اور مصیبتوں کو برداشت کرنیوالے ہیں اور تم تو موت کے آنے سے پہلے ہی (میری محبت کے جوش میں) مرنے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے تو آج تم نے اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اور پھر ہاتھ دھر کر بیٹھے انتظار کر رہے ہو!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۹) کی تعریف ایمان کو پیش نظر رکھکر وہ ہر روز کسقدر اس شرک کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی بخشش کی قطعًا کوئی اُمید نہیں، سورۂ نساء میں بھی اسی قطع کی ایک آیت ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ○ (۴: ۴۸)

لوگو! گوش ہوش سے سنو [illegible] جیتے جی یہ بات کبھی ہرگز نہیں کرے گا کہ اُسکے سوا کسی دوسری شئے کی اطاعت کی جائے یا اس سے محبت رکھی جائے ہاں اسکے سوا اگر کوئی اور گناہ ہو تو جسکو چاہے معاف کر سکتا ہے اور لوگو! جس شخص نے خدا کیساتھ ماسوا کو برابر کر دیا تو اُس نے اپنے پیچھے ایک گناہ عظیم باندھ لیا!

† "تلک الایام نداولہا بین الناس" کے صدائی الفاظ نے قوم کی مرثیہ خوانی کی مجالس اور مسلمانوں کی عام گفتگو کے ضمن میں اس بیدردی سے [illegible]

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن
بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲) مگر سے استعمال ہوتے ہیں کہ عالباً کوئی دوسرے الفاظ ہوتے ہوں گے۔ ہر مسلمان اپنی بے ہمتی، اپنی کاہلی، اپنی ناکاریوں کو معلم الملکوت کی آنکھ میں جیسا کہ قرآن حکیم کے اس سیاق و سباق سے علیحدہ کیئے ہوئے ٹکڑے کو جا و بے جا استعمال کر رہا ہے اور اپنی اسی ناکامی اپنی شکست و ریخت، اپنی موت لیسندی کا سارا الزام بے دھڑک خدا پر تھوپ دیتا ہے اور اس صریح افترا کے بعد رب زمین و آسمان کے غیظ و غضب سے قطعاً نہیں ڈرتا حالانکہ ان آیات الٰہی (یعنی ۱۲ ۱۳۹ - ۱۴۲) کے استدلال سے ظاہر ہے کہ مذاولت ایام کا قطعی باعث سعی و عمل کی کمی ہی ہے اور لوگوں کے اپنے ہی کرتوت سے ہے۔ خدا نے بیار صرف اقوام کی سعی و عمل کا امتحان لیتا ہے اور بے لاگ رعایت جس کی سعی زیادہ ہو اسی کو کامیاب کر دیتا ہے۔ قرآن میں جا بجا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ (۱۰ ۴۴) کا مضمون اس امر کی ماہد میں ہے یعنی خدا سا کہاں رہیں پر کسی حالت میں قطعاً ظلم نہیں کرتا لیکن یہ لوگ ہی ہیں جو اپنی جانوں پر آپ ظلم روا رکھتے ہیں۔

ان آیات الٰہی سے پہلے کی آیت ہی وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (۳ ۱۳۸) جس سے ظاہر ہے کہ ایمان والی وہی قوم ہے جو 'اعلوْن' سکرہے جنگ اُحد میں جس کا ذکر ان آیات میں ہو رہا ہے مسلمان پہلے جنگ بدر کی نسبت خاصی تعداد میں تھے، دشمن کی تعداد کچھ ایسی زیادہ نہ تھی جیسی کہ مستا غزوہ بدر میں تھی اس غزوے میں باوجود یکہ ایک مسلمان کے بالمقابل تین اہل مکہ لڑ رہے تھے مگر فتح مسلمانوں ہی کو نصیب ہوئی تھی، لیکن اُحد کے موقع پر بعض مسلمانوں نے ہمت ہار دی۔ ایک جماعت نے جس کو خود رسولؐ خدا نے ایک مقام پر متعین کیا تھا اپنی جگہ سے ہل کر مال غنیمت کے لالچ میں آکر اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ اہل مکہ اسی موقعے پر پل پڑے اور دفعتاً لشکر میں بھاگڑ مچ گئی۔ پیغمبر خدا چند رفیقوں کے ساتھ میں تنہا رہ گئے اور زخمی ہوئے فرق مبارک پر چوٹ آئی، دانت ٹوٹ گیا، سب طرف مشہور ہو گیا کہ شہید ہو گئے، وغیرہ وغیرہ خدا نے علیم فرماتا ہے کہ وہ تم ہی تمہی مسلمان تھے جنہوں نے بدر میں ایک جرار لشکر کو شکست فاش دی تھی اور اب یہ بے ہمتی دکھلائی کہ اپنے سپہ سالار کو چھوڑ کر چلتے ہو تم بددل ہو اور غم نہ کھاؤ اگر تم میں ایمان فی الواقع موجود ہے تو فتح خود بخود تمہارے قدم آن کر چومے گی ہماری ذرہ پروری اور بے بیاری تو ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ جو قوم جس قدر سعی و عمل کرتی ہے اسی اجر ہم سے لا محالہ لیتی ہے کسی کی بے جا رعایت کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ اور اسی لیئے اگر آج فتح اس قوم کے شامل حال ہے تو کل دوسرے کی قدم بوسی کر رہی ہے (وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ)۔ ہمارا مقصود اس جنگ اُحد سے صرف اس بات کا دریافت کرنا (اور دریافت کرنا بھی کیا، صرف تمہیں ہی جتا دینا) تھا کہ تم میں سے حقیقی ایمان والے کون ہیں؟ کس کا ایمان ناقص ہے، کون ہمارے وجود کے سچے گواہ ہیں، کون ہمارے حاکم اعلیٰ ہونے کی آخری دم تک شہادت دیتے رہے، ہم کو آخری وقت تک آقا مان کر ہماری خدمت میں لگے رہے، (وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ) اور بھگوڑوں اور کچے ایمان والوں کو تو خدا پسند ہی نہیں کرتا کیونکہ وہ تھوڑی سی تن آسانی کی خاطر اپنی قوم پر ظلم کر رہے ہیں، اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں (وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝)۔ خدا صرف اتنا چاہتا تھا کہ سچے ایمان والوں کو چھانٹ کر الگ کر دے (وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا) اور منکروں اور دل میں خدا کو نہ ماننے والے منافقوں یعنی کافروں کو الگ کر دکھلائے، انکو بالآخر نیست و نابود کر دے (وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ) باقی عبارت بالکل صاف ہی۔ الجنۃ اتنی آسانی سے نہیں ملتا جتنا تم سمجھے بیٹھے ہو، وہ تو صرف سعی و عمل کرنے والوں (جَاهَدُوا مِنكُمْ) اور استقلال والوں (الصَّابِرِينَ) کو ہی ملتا ہے تم تو اس جنگ اُحد سے پہلے موت کی تمنّیں کیا کرتے تھے، شیخی میں آکر کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کی عبادت میں جان تک دینے کیلئے تیار ہیں تو اُحد کے دن کیا موت آگئی تھی کہ موت تمہارے سامنے تھی اور اس سے جی چرا کر بھاگے بھاگے پھرتے تھے!

ان آیات الٰہی میں ضمناً **ایمان** کی تشریح ہو گئی کہ اس کا اصل نتیجہ فتح قوم ہے۔ **شہداء** کے معنی معلوم ہو گئے **ظالمین** کا پتہ لگ گیا کہ کچے ایمان والے لوگ ظالم ہیں۔ دراصل اسی لیئے ہلاکت اور شکست کے اہل ہیں، سورۂ آیات (۲ ۹۹ ، ۴۷) 'کفر' کی ایک حد تک شرح صاف ہو گئی کہ میدان جنگ میں

ما مطالب کے لے دیکھو صفحہ،

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ† ۝ (۳: ۱۹۴)

پھر پروردگار عالم نے انکی دعا قبول کرلی اور فرمایا کہ ہم تم میں سے کسی کام کرنیوالے کے کام کو ضائع نہیں ہونے دیتے مرد ہو یا عورت ہماری نظروں میں سب برابر ہیں۔ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو۔ تو جن لوگوں نے ہماری خاطر ہجرت وطن کی، اور ہماری ہی وجہ سے اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور ستائے گئے، اور دشمنوں سے لڑے، اور مارے گئے، ہم انکی سب اجتماعی بدحالیوں، عام بربادیوں اور واماندگیوں (سَیِّاٰتِھِمْ) کو انسے دور کردینگے، اور انکو ایسے عمدہ باغوں میں لیجا داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی یہ اللہ کے ہاں سے انکے اعمال کا بدلہ ہوگا اور اچھا بدلہ تو اللہ ہی کے ہاں ہے۔

آہ! لیکن اس مالک الملک اور پروردگار عالم خدا کو، جسکی طاقت اور حکومت، جسکی عزّت اور عظمت صحیفۂ فطرت کے ہر ذرّے میں نمایاں ہے، جس کی بے نیازی کی شان صفحۂ عالم پر روز روشن کی طرح ثبت ہے، ایک ذلیل، بے حیثیت، اور حقیر انسان کی پیہم عبادت، سچی محبت اور لاشریک طاعت کی کیا حاجت تھی؟ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۵۹: ۲۳-۲۴)[1] وہ جانوں کا خالق، دنیا کے امن و آسایش کا کفیل (الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ)، موجد اور مصوّر خدا، جسکی تسبیح و تقدیس میں اُس کے

---

[1] وہ اللہ ایسا پاک ذات ہے کہ اُسکے سوا کوئی آقا ہونے کے لائق نہیں، بادشاہ جہان ہے، پاک ہے، تمام عیوب سے منزّا ہے، امن دینے والا نگہبان ہے، زبردست اور بڑا دباؤ والا ہے، صاحب عظمت ہے جن جن کو یہ لوگ اُس کی عظمت میں شریک کرتے ہیں وہ ان سے بالاتر ہے۔ وہی ہر شئے کا خالق، بلکہ موجد اور مصوّر ہے، اُسکے بڑے بڑے اوصاف ہیں (الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى) جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اُسکے احکام کی تعمیل میں سرگرم ہے (يُسَبِّحُ)، اور وہ بڑا عالم اور حکمت والا ہے۔

(دیکھیے بحث امن صفحہ ۱۲۱) خدا کی لڑائیاں آخری دم تک استقلال سے نہ لڑنا "کفر" اور انکار خدا ہے۔ "صابر" کے مطالب صاف ہوگئے کہ وہ صرف استقلال ہی ہے "جہاد" کی حقیقت کھل گئی کہ وہ صرف قتال بالسیف ہی ہے۔ جو لوگ جہاد کے معنی تسبیحوں پر درود پڑھنے کے لیتے ہیں انکے لیے یہ آیات از بس عبرت انگیز ہیں اور بالآخر یہ کہ "تمنائے موت" کے معنی سمجھ میں آگئے کہ اس سے مراد لڑائی میں کٹ مرنا ہے کہ یہی سب سے بڑی عبادت کسی آقائے نامدار کی ہوسکتی ہے یہی ہر بادشاہ اپنے سپاہی سے چاہتا ہے اور اس کے عوض میں تمغے اور انعام، جاگیریں اور زمینیں تقسیم کردیتا ہے۔ "تمنائے موت" کا ذکر تیسری جلد میں عنقریب آئیگا۔

† اس آیۂ کریمہ میں "لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کے الفاظ تشریح طلب ہیں۔ لیکن ان کی تشریح صفحہ ۱۳۱ کے تحت بحث جنت کے عنوان میں آئے گی۔

اپنے قول کے مطابق آسمان وزمین ہروقت مصروف رہتے ہیں، اس ذرۂ مقدار انسان سے اپنی محبت کے ولولے میں، تحمل آلام، نقص امن، اور خرج مال وجان کا کیوں طالب تھا؟ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ† ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ‡ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝[۵۱] (۲: ۱۵۵-۱۵۷)

[۵۱] اور ایمان والو! اس میں شک نہیں کہ ہم تمکو ذرا اچھی طرح (بِشَيْءٍ) دشمن کا خوف دلا دلا کر، میدان جنگ میں بھوکوں مار مار کر، مال اور جانوں میں کمی کر کرکے پیداوار کا قحط ڈالکر (الثَّمَرٰتِ) نتائج کو خلاف امید کر کرکے (نَقْصٍ مِّنَ ... الثَّمَرٰتِ) آزماکر رہیں گے اور تمہارے ایمان کی قدر وقیمت، اور سعی وعمل کی حد کا اندازہ لگائیں گے، لیکن اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان ہوتے تو تم بھی ان آزمائشوں میں پورے اتر کر رہوگے اور اپنے سعی وعمل کو ہرگز کم نہ ہونے دوگے اور اے محمد! مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنے والوں کو ہماری خوشنودی اور کامیابی کی بشارت دیدو (وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی اجتماعی مصیبت آپڑتی ہے تو معاً بول اٹھتے ہیں کہ ہم تو فی الحقیقت خدا ہی کے اطاعت گذار ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ)، اسی کے بتائے ہوئے حکموں پر چلیں گے (وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) اسی کی طرف اپنا تمامتر رجوع کردینگے (وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ)، اور اپنے سعی وعمل سے خدا کو پھر خوش کرلیں گے (یہ مصیبت جو ہمیں پہنچی ہے لامحالہ ہماری سعی میں کسر کے باعث ہی ہے۔ (دیکھو قرآن کریم وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (۴: ۷۹)) اور سعی وعمل کو دوبالا کردینا ہی خدا کی طرف رجوع کرنا ہے) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اپنے پروردگار کے بیشمار افضال ہیں، تحسین وآفرین کے نعرے (صَلَوٰتٌ) ہیں، رحمت اور عنایت ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو مصائب کے دور کرنیکے متعلق صحیح راہ عمل مل چکی ہے (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ)۔

† یہاں الصّٰبِرِيْنَ کا لفظ پھر آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صابر وہی لوگ ہیں جو ہر اجتماعی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں، اسکے دور کرنے کے لیئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔ نہ وہ جو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی بربادی کا تماشہ کرتے اور ٹس سے مس تک نہیں ہوتے۔ کبھی کبھار آہیں نکالکر یا عورتوں کی طرح آنسو بہاکر اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں کہ صابر ہیں!

‡ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے الفاظ مسلمان جہاں جس حیرت انگیز نادانی، جہالت اور ناسمجھی سے نہ معلوم کتنی قرنوں سے کسی عزیز کی موت یا ادنیٰ سی ادنیٰ خانگی اذیت پر استعمال کرتے آئے ہیں، اور اپنی محض زبانی عبادت کے صلے میں اپنے آپ کو رحمت خدا کا مستقل حقدار گنتے ہیں، اس سے کم ازکم یہ مترشح ہوتا ہے کہ کلام الٰہی کا صحیح علم کسقدر جلد رسم ورواج کی لکیریں پڑ کر بے اثر ہوگیا تھا، اور آیات خدا کے مطالب یقینیہ کے بلند مرتبے سے گر کر ظن واعتقاد کی ادنیٰ سطح پر کس سرعت سے پہنچ گئے تھے۔ اوپر کی عبارت میں ہم نے ان آیات (یعنی (۲: ۱۵۵-۱۵۷)) کا مربوط اور مسلسل ترجمہ کردیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان میں نہ کسی خانگی مصیبت کا ذکر ہے اور نہ یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جب تمہارا کوئی رشتہ دار مرجائے تو اِنَّا لِلّٰهِ کے الفاظ منہ سے بڑبڑاؤ، پھر جب کہہ لوگے تو خدا کی طرف سے تم پر "صَلَوٰتٌ" اتریں گی، رحمت رب نازل ہوگی، اور تم ان الفاظ کے دہراتے ہی "مُهْتَدُوْنَ" یعنی ہدایت پانے والوں میں سے بن جاؤگے (۲: ۱۵۷) یہ سب تشریح نہایت لچر اور شرمناک ہے کوئی ذہن سلیم اسکو ایک لمحے کے لیئے بھی قبول کرنے پر تیار نہیں۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر صرف اجتماعی مصائب کا ذکر ہے۔ جسکی تائید جمع کے صیغے سے ہوتی ہے جو ان آیات میں برابر چلا جارہا ہے۔ مُصِيْبَةٌ جس کا ذکر آیۃ (۲: ۱۵۶) میں ہوا ہے لامحالہ وہ خوف کا ماحول ہے جو ہر شکست زدہ امت پر ہر آن حاوی رہتا ہے (بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ)، وہ فقر وافلاس ہے جو محکومیت اور ضعف کی حالت میں غلام قوموں کا پیچھا نہیں چھوڑتا (وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ)، وہ قلت تعداد ہے جو دشمن کی اکثریت، اہمیت اور ہجوم کے بالمقابل عجز وبیچارگی پیدا کردیتی ہے (وَالْاَنْفُسِ)، وہ قہر خدا ہی جس سے

وہ کیوں ہجرتِ وطن اور قتال بالسیف کو ہی ایمان کا صحیح معیار قرار دے کر مہاجرین و انصار کو سچے مومنوں کی فہرست میں شمار کرتا تھا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۳) اُسمیں قحط اور وبا، فاقوں اور بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں جس کے باعث دنیاوی انعام سب اُچک لیئے جاتے ہیں (وَالنَّهَاب)، دشمن ہر وقت تاک میں لگا رہتا ہے، اور کمزور کی کمزوری کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے گویا یہاں پر بعینہٖ اُس قطع کی مصیبت کے بعد ابتلا کا ذکر ہے جو اَعْلَوْنَ نہ رہنے کے باعث قوموں پر طاری ہو جاتی ہے اور جس کا مصداق آج تمام عالمِ اسلام ہے۔ قرآن حکیم نے اس قلتِ تعداد اور ضعفِ قوت، اس خوفِ عدو اور بیمِ موت کی تصریح ایک دوسرے موقع پر بھی کی ہے جس میں بوضاحت تمام جتلا دیا ہے کہ کسی قوم کا آزاد ہونا اور دنیوی نعمتوں اور طیّبات رزق سے متمتع ہونا ہی نصرتِ الٰہی ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ (۸ ۲۶)

اور مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم دنیا میں تعداد میں تھوڑے سے تھے، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے، اور ہر آن اس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر خدا نے وہ الحلال سے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، اپنی مدد سے تم کو قوی بنا دیا، اور تمہیں پیسنے کو عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اس لئے کہ تم قوت اور اس نعمائے الٰہی اور تائیدِ خدا کی دل سے قدر کرو، اور اُسکے تعجب انگیز احکام پر بدستور عمل کرتے رہو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ)۔ (شکر کے اِن معانی کی تصریح کے لئے دیکھو صفحہ ۱۳۸)

یہ آیت مسئلہ ارتقائی بحث کے ضمن میں صفحہ ۱۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آیات اِنَّا لِلّٰهِ (یعنی (۲ ۱۵۵–۱۵۷)) میں خوف بھی يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ کا خوف ہے، اور نَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ، یہی قَلِیل اور مُستَضعَف فی الارض ہونا ہے، اور یہی وہ مصائب کثیرہ ہیں جن کا ابتلا مقصود ہے۔ کسی عزیز کا مر جانا نَقْصٍ مِّنَ الْأَنفُسِ نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں بحث ہو کہ جہاں کسی شخص کی طبعی یا ناگہانی موت پر اِنَّا لِلّٰهِ کا غیر متعلق فقرہ نہایت التزام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے وہاں خوف اور بھوک اور نقصانِ مال کے موقع پر یہ دعا نہیں بولا جاتا! یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہو کہ اخلافِ مسلمین نے کلمۂ استرجاع کو قطعاً غلط سمجھا ہے اور اسکے خدائی مفہوم سے یکسر الگ ہو گئے ہیں۔

لیکن اس استدلال سے قطع نظر ایک اور صورت نظر بھی ہے جو اس دعوے کی یکسر تغلیط کر دیتی ہے کہ کسی مسلمان کی طبعی یا ناگہانی موت ہی مُصِیبَة ہو جس پر اِنَّا لِلّٰهِ کہنے کی ضرورت یا اجازت ازروئے قرآن ثابت ہو۔ مُصِیبَة کا لفظ کلامِ الٰہی کے اندر بالالتزام اس خدائی انتقام یا اجتماعی سزا کے معنوں میں آیا ہے جو قومیں یا افراد اپنی غفلت یا نافرمانی کے باعث اپنے ہاتھوں مول لے لیتے ہیں۔ انفرادی اموات اس حد میں داخل نہیں کیونکہ نیک و بد سبھی ایک نہ ایک دن مرتا ہے اور ہر شخص کا مرنا ازروئے سزا یا انتقام واقع نہیں ہوتا۔ اگرچہ ایک ملک میں عام وبا کا پھیل جانا یا طوفان سے بستیوں کا ہلاک ہو جانا مُصِیبَة میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ نکتہ اس حیرت انگیز صحت اور تطابق کے ساتھ قرآن حکیم میں جا بجا بیان ہوا ہے کہ مُصِیبَة کے الحال مسخ شدہ معانی کی صحیح تصویر پیش کرنے کی غرض سے اس شہادت کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے۔

سورۂ آل عمران میں غزوۂ اُحد کے متعلق ہے:

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا (۳ ۱۶۴–۱۶۶)

مسلمانو! تم بھی عجیب لوگ ہو کہ جب تم پر جنگ اُحد میں شکست کی مصیبت آ پڑی، حالانکہ تم ہی جنگ بدر میں دشمنوں پر اس سے دگنی مصیبت ڈال چکے تھے، تو تمہارے چھکے چھوٹ گئے اور بے دل ہو کر لگے کہنے کہ ہیں! یہ آفت کہاں سے آگئی۔ اے محمدؐ! ان سے کہہ دے کہ یہ مصیبت آئی تو تمہارے اپنے کیے سے آئی، اپنی نامردی اور کم دلی سے آئی، اور خدا تو اسقدر باحوصلہ اور بے نیاز ہے کہ اسے بندوں کے کسی گروہ سے جا رعایت نہیں کرتا! اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ

ؔ۱ مطالب کے لیے دیکھو صفحہ ۱۱۴–۱۱۵۔

نصرُوا اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۸ – ۷۴) ؛ وہ کیا سمجھکر اور کیا مد نظر رکھکر اپنی راہ میں قتل ہو جانے والوں کو زندہ اور لقب حیات کہا کرتا تھا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۴) سَيِّئَ فِيْهَا) اور اس پر بھی قادر ہے کہ تمہارے اعمال کو دیکھکر تمہیں شکست دے۔ اور یاد رکھو کہ جس دن معرکہ اُحد میں دو لشکر بھڑ گئے اور تم کو شکست کی مصیبت پہنچی تو یہ بھی خدا ہی کے حکم سے ہوا ؛ غرض یہ تھی کہ خدا ایمان والوں کو الگ معلوم کرلے اور ظاہری مسلمان بننے والوں ، لیکن دل میں نفاق رکھنے والوں کو الگ پہچان لے

یہاں پر ظاہر ہے کہ قرآنی اصطلاح میں مُصِيْبَةٌ وہ شئے ہے جو اپنے ہی کرتوت سے آتی ہے اور بطور سزا کے ہو۔ سورہ نساء میں ہے فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا (۴ – ۶۲)، یعنی تو پھر ان منافقوں کی کیسی بُری حالت ہوگی جب ان ہی کے اپنے کرتوت کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت نازل ہو تو تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے دوڑے آئیں کہ بخدا ہماری غرض تو یہی تھی کہ میل ملاپ اور اتحاد پیدا ہو“۔ اسی سورۃ میں ایسی منافقین کے متعلق ہے وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ○ (۴ – ۷۲) یعنی ”مسلمانو! تم میں ضرور ایسے لوگ بھی ہیں جو ارادہ کر بیٹھے ہیں کہ ہم ضرور کسی نہ کسی طرح جہاد سے پیچھے ہٹتے ہیں گے ، پھر اگر لڑائی میں تم پر شکست کی مصیبت آپڑی ہے تو دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ خدا نے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا جو میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں موجود نہ تھا“ یہاں پر مصیبت صاف اجتماعی مصیبت ہے۔ سورۂ توبہ میں پیغمبر اسلام اور منافقوں کے ذکر میں ہے اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ○ (۹ – ۵۰) یعنی اے محمد اکرمؐ کو جنگ میں فائدہ پہنچتا ہے یا غلبہ حاصل ہو رہتا ہے تو ان لوگوں کو بُرا لگتا ہے، اور اگر تم پر شکست کی مصیبت آ نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی سے ٹھیک ٹھاک کر لیا تھا، اور تمہارے پاس سے اٹھکر واپس جاتے ہیں تو ان کی باچھیں کھلی ہوتی ہیں“ یہاں بھی مصیبت صاف لڑائی میں شکست کھانے کی مصیبت ہے، انفرادی مصیبت سے بحث نہیں۔ سورۂ قصص میں پھر مصیبت کو اپنے اعمال کی سزا کہا گیا ہے۔ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۲۸ – ۴۷)، یعنی اور یہ اتمام حجت اس لئے ہے کہ مبادا ان پر انکے اپنے ہی کرتوتوں کے بدلے میں مصیبت نازل ہو، ’ سورۂ شوریٰ میں مصیبت کے مفہوم کو یہ کہکر قطعاً عیاں کر دیا ہے کہ اقوام عالم پر کوئی مصیبت نہیں آتی مگر یہ کہ انکے اپنے ہی کرتوت سے ہو اگرچہ خدا اکثر واماندگیوں پر گرفت نہیں کرتا وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ط (۴۲ – ۳۰) سورۂ حدید میں اجتماعی مصیبت کے باعث نزول کو یہ کہکر اور بھی واضح کر دیا ہے کہ دنیا کی سب مصیبتیں نہایت سوچ بچار کے بعد نازل ہوتی ہیں

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ○ (۵۷ – ۲۲-۲۳)

اے لوگو! جو مصیبتیں روئے زمین پر نازل ہوتی ہیں، یا جو تمہارے اپنے ہاتھوں تم پر آتی ہیں سب کی سب پیشتر اسکے کہ ہم انکو پیدا کریں ایک مسل میں درج ہوتی ہیں (جو علم الٰہی ہے) (اس کے اندر اس مصیبت کے مالہٗ اور ما علیہ پر پوری بحث ہوتی ہے، اسکے سب وجوہ کامل طور پر بیان ہوتے ہیں، واقعات اور حالات سلسلہ وار مفصل ہوتے ہیں) اور پھر کامل غور و خوض کے بعد اس مصیبت کے اجرا کا فیصلہ کیا جاتا ہے (اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا)، اور لوگو! اس بادشاہ کون و مکاں کی حکومت اس قدر منظم، اس قدر قوی، اس قدر دقیقہ رس اور عادل ہے کہ یہ سب بظاہر ناممکن باتیں خدا کے لئے بیحد آسان ہیں۔ اور اے با عاقبت اندیش انسانو! تمہاری جزا و سزا میں یہ عظیم الشان اہتمام اس لئے مد نظر رکھا گیا ہے کہ تم لوگ جو شئے تمہارے ہاتھ سے چلی گئی ہے اسکو اپنی ہی بداعمالی کا نتیجہ سمجھو، نہ کہ خدا کی معطلوں کو اتفاقاً استبدادی اور بے اصول سمجھکر اپنی قسمت پر پشیماں نہ ہوتے پھرو (تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ)، یا جو انعام تمکو دیا گیا ہے اسکو بلا سبب اور بے وجہ سمجھکر اکڑتے اکڑتے پھرو اور سعی و عمل سے غافل ہو جاؤ، اور جانتے رہو کہ خدا اترانے والے کا پچھوڑ اور شیخی مارنے کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ (خدا کے سعی و عمل کے پسند کرنے کے متعلق اب تک اس کتاب میں اتنی شہادتیں مل چکی ہیں کہ ان آیات الٰہی کا اسکے سوا کوئی اور مفہوم ہو نہیں سکتا۔ (باقی)

بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝ (۲ ۱۵۴)، وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۝

(۳ ۱۶۸)؛ وہ کس حکمت عملی کی بنا پر انکو مغفرت عامہ کے بے تحاشا انعام، اور جنت کی دلفریب نہروں کے

سلہ اور لوگو! جو شخص خدا کی راہ میں اور اُسکا اعلا کرتے کرتے قتل ہو گیا، اسکو مرا ہوا نہ کہو، وہ فی الحقیقت زندہ ہے، وہ ابدالآباد تک اپنا نام چھوڑ گیا، اپنے کارنامے چھوڑ گیا، وہ ہر وقت دوسروں کو شجاعت کی ترغیب دے رہا ہے، حوصلے بڑھا رہا ہے لیکن تم نہیں سمجھتے کہ وہ کیونکر زندہ ہے

سلہ اور لوگو! جو شخص راہ خدا میں قتل کئے گئے اُن کو مُردہ شمار نہ کرو، وہ تو فی الحقیقت زندہ ہیں اور خدا کے پاس بیٹھے ہوئے اُسکی نعمتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۵) ان آیات سے ظاہر ہے کہ مصیبت یہاں پر بھی وہ اجتماعی سزا ہے جو خدا قوموں کو اُن کی مجموعی بداعمالیوں کے باعث نہایت غور و خوض کے بعد دیتا ہے۔ انفرادی اور خانگی مصائب اسمیں شامل نہیں اور نہ کسی عزیز کی موت اس قانون کے ماتحت ہو سکتی ہے قوموں کی پستیبی علتیں اور کامچوریاں ایک اقل قلیل مدت کے اندر خدا کے وبال کو دعوت دیتی ہیں، پھر جب انکی بدکاریوں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو پورے تامل کے بعد خدا کا اٹل حکم نافذ ہو جاتا ہے جیسا کہ سورۂ تغابن میں ہے۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ (۶۴ ۱۱) اور جس کا فروں کے اجتماعی عذاب ہی کا ذکر ہوا ہے۔ تمام قرآن کے طول و عرض میں صرف ایک جگہ (یعنی سورۂ مائدہ میں) مصیبت کا لفظ انفرادی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر وہاں پر موت کے لفظ سے اسکی تصریح کر کے مذکورہ صدر کلیہ کو برقرار رکھا ہے اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ (۵ ۱۰۶) یعنی اگر سفر میں ہو اور تمپر موت کی مصیبت آپڑے تو وصیت کرتے وقت کوئی دو غیر مسلم گواہ بھی پیدا کر لو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

الغرض مُصِیبَۃ کی قرآنی اصطلاح کے متعلق اس تمام استدلال سے ظاہر ہے کہ اصل کتاب کی آیاتِ زیر بحث میں خدائے عظیم نے اس امر کی تلقین نہیں کی کہ جب تمپر کسی ہمسائے کا خوف طاری ہو، یا غریب اور نادار ہو جاؤ، یا کوئی عزیز مسلمان مر جائے، یا تمہاری تجارت کا جہاز ڈوب جائے تو فوراً اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا طلسمی منتر دُہرا دو بلکہ یہ کہا ہے کہ اے مسلمانو! اسمیں شک نہیں کہ ہم وقتاً فوقتاً تم کو تمہاری مجموعی بداعمالیوں اور غفلتوں کے باعث محکومیت، الفقر و افلاس، بیچارگی، اور شکست و ہزیمت کی مصیبتوں میں ڈالتے رہیں گے، لیکن اگر تم سچے معنوں میں مسلمان ہوئے تو تم اپنی آبائی غفلتوں، اور ذاتی واماندگیوں کو خیرباد کہکر صبر و استقلال سے ان مصائب کا مقابلہ کرو گے، اور ایسے سزا پیسے یہ آسمانی بلائیں ٹال کر رہو گے۔ اور صحیح معنوں میں مستقل مزاج اور صابر لوگ تو وہی ہوتے ہیں جو مصیبت کو سر پر سوار دیکھکر قانون خدا کیطرف از سر نو رجوع کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں (قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) اور جان لیتے ہیں کہ یہ مصیبت ہمارے اپنے ہی کرتوت کی وجہ سے ہے اور خدا سے منحرف ہونے کا نتیجہ ہے۔ ہر سزا یافتہ مجرم یا عتاب زدہ ملازم اپنے آقا کو خوش کرنیکے لئے آئے دن بعینہ اسی قطع کا رجوع اختیار کرتا ہے، وہ سزا کے بعد پھر اپنے ناراض حاکم کے حکموں کی تعمیل شروع کر دیتا ہے، اُسکے قانون کی طرف لوٹ آتا ہے، اپنی بداعمالیوں اور غفلتوں سے تائب ہو کر اُسکی صحیح معنوں میں ملازمت اختیار کر لیتا ہے نہ یہ کہ زبان سے کوئی منتر دُہراتا پھرے، اور آقا اُس کی اس خوش الحانی پر فریفتہ ہو کر اُس کو معاف کرے بلکہ شاباش بھی دے، قَالَ کا لفظ قرآن حکیم میں ایسے موقعوں پر محض منہ سے کہنے کے معنوں میں نہیں آتا بلکہ اپنے قول کو عمل سے ثابت کرنا مراد ہوتا ہے سورۂ حم السجدہ میں ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ (۴۱ ۳۰) یعنی جن لوگوں نے خدا کو اپنا رب کہہ دیا، پھر استقامت سے اس قول پر جمے رہے اُن پر فرشتے اُترتے ہیں" یہاں محض منہ سے کہنا ہرگز مراد نہیں بلکہ جن لوگوں نے از روئے عمل خدا کو اپنا حاکم اور رازق مان لیا، اُن کا ذکر ہے۔

تشریح سیّئۃ و حسنۃ

مُصِیبَۃ کی قرآنی اصطلاح کے معانی آج قریب قریب منقح ہو چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی انسانی لغت اب اُسکے خدائی مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن مجید خود اپنے معانی کا محافظ ہے اور اپنی لفظ لفظ سے سب انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ ایک اور قرآنی اصطلاح جو قریب قریب

دائمی وعدے دے دیا کرتا تھا؟ وہ کیوں اپنی سرمہ گیں آنکھ کی الفت سے بھری ہوئی نظر میں
اُن غازیانِ ملّت، اور فدائیانِ دین پر ہی ڈالتا تھا جو اسکی راہ محبت میں دیوار آہن کی طرح ثابت قدم

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۶) مُصِیبَة' یعنی اجتماعی بدحالی کے معنوں میں استعمال ہوئی ہے 'سَیِّئَة' ہے اور جس کی ضد 'حَسَنَة' ہے۔ یہاں اس تقریب پر ان اہم اصطلاحات کی توضیح بھی کر دی جاتی ہے اگرچہ اسکی ضرورت آگے چل کر واضح ہو گی۔ **(الف)** سورۂ نساء میں ہے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (۴: ۷۹)، یعنی اے لوگو! جو بھلائی تم کو اس دنیا میں پہنچتی ہے وہ تمہارے خدا کے بتائے ہوئے راہ پر چلنے کی وجہ سے ہے، اور جو برائی تم کو اس دنیا میں ملتی ہے وہ تمہارے اپنے کرتوت سے ہے"۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ شوریٰ میں ہے وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۴۲: ۴۸) یعنی اگر ان کو اُنکے اپنے کرتوت سے کوئی بُرائی پہنچے"۔ جس سے مقصود افراد و اُمت کی غلط کاری کی وجہ سے اجتماعی سزا کا ملنا ہے۔ سورۂ اعراف میں اقوام کو سزا ملنے کے ابتدائی مراحل کے ذکر میں ہے ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا (۷: ۹۵) "پھر ہم اس قوم کی ظاہری بدحالی کو خوشحالی اور فارغ البالی سے بدل دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ لوگ اسکے زعم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں"۔ اسی سورہ میں آگے چل کر ہے وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ (۷: ۱۳۰) "اور ہم نے تو فرعون کی قوم کو برسوں کی خشک سالیوں اور کمی پیداوار کی سزا اسی لیے دی تھی کہ وہ لوگ عبرت پکڑیں اور اپنی بداعمالیوں سے باز آئیں۔ پھر جب انپر کوئی اجتماعی راحت نازل ہوتی تھی تو کہتے کہ خدا کی طرف سے خوشنودی مزاج کا یہ پروانہ ہمارے نیک اعمال کی وجہ سے ہے، اور اگر ان پر کوئی عمومی آفت آتی تو موسیٰ اور اسکے ساتھیوں کے بداعمال کا نتیجہ گردان کر اُن کے سر تھوپتے"۔ یہاں 'نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ' کے متذکرہ صدر معانی (صفحہ ۲۴ تحت المتن) کی تائید بھی ہو گئی اور 'سَیِّئَة' کے مطالب بھی صاف ہو گئے۔ سورہ رعد میں ہے وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (۱۳: ۶) "اور اے پیغمبر! یہ لوگ تم سے خوشحالی اور اجتماعی عافیت مانگنے کی بجائے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ انکو خوب معلوم ہے کہ ان سے پہلے ہمارے ہاں سے کیسے دردناک عذاب آئے ہیں کہ ان کی کہاوتیں چل آئی ہیں"۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ نمل میں حضرت صالحؑ کا قول ہے: قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۲۷: ۴۶) یعنی حضرت نے کہا کہ اے قوم! تم کیوں خوشحالی اور امن (الْحَسَنَة) کو چھوڑ کر ذلت و شکست کے عذاب (السَّيِّئَة) کے لیے جلدی مچا رہے ہو، تم کیوں خدائے ذوالجلال سے اپنی گذشتہ نافرمانیوں پر پردہ پوشی کی درخواست (تَسْتَغْفِرُوْنَ) نہیں کرتے تاکہ تم مستحق انعام و اکرام ہو جاؤ"۔ یہاں بھی 'سَیِّئَة' سے مراد صاف طور پر وہ اجتماعی بدحالی ہے جو احکام خدا کی عدم تعمیل کے باعث ہر قوم پر دفعۃً یا رفتہ رفتہ نازل ہو جاتی ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (۳: ۱۱۹) یعنی مسلمانو! اگر تم کو کوئی اجتماعی فائدہ پہنچتا ہے تو انکو بُرا لگتا ہے اور اگر تم پر کوئی قومی آفت نازل ہوتی ہے تو یہ منافق خوش ہو جاتے ہیں۔ یہاں 'سَیِّئَة' کی کوئی دوسری تاویل غیر ممکن ہے اور مطالب بالالتزام وہی ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ سورۂ اعراف میں بنی اسرائیل کے بارے میں ہے وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۷: ۱۶۸) "اور ہم نے بنی اسرائیل کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر کے سطح زمین پر پھیلا دیا، ان میں سے بعض اُمتیں صالح ہی رہیں (اور مدت مدید تک ہمارے انعاموں سے بہرہ ور ہوتی رہیں)، اور بعض بہت جلد غیر صالح ہو گئیں (اور جلد صفحہ زمین سے محو کر دی گئیں)"۔ "ہم نے ان غیر صالح اُمتوں کی آزمائش طرح طرح کی اجتماعی خوشحالیوں (الحسنات) اور قسم قسم کی جماعتی بدحالیوں (السیئات) سے کی کہ شاید وہ انعاموں کے ملنے کی لم کو سمجھ کر اور سزاؤں کے آنے کی حقیقت کو پا کر ہمارے قانون کی طرف لوٹ آئیں (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ)"۔ گویا یہاں مراد یہ ہے کہ جہاں کچھ مدت کے لئے وہ راہ راست پر آجاتے تھے تو ہم اپنی نعمتوں کا دروازہ یکسر کھول دیتے تھے تاکہ انکو معلوم ہو جائے کہ انعام یکسر ہماری متابعت کی وجہ سے ملتا ہے، اور جہاں ہمارے قانون سے سرکش ہو بیٹھتے تھے تو ان کو بدحال کر دیتے تھے کہ سمجھ لیں کہ یہ بدحالی اُنکے اپنے کرتوت ہی سے ہے۔ سورہ زمر میں سیئات کا یہی مفہوم ذرا اور بھی واضح طور پر ہے۔ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ وَالَّذِيْنَ

رہ کر لڑا کرتے تھے۔ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ (۶۱: ۴) نہیں! وہ زمین و آسمان کے خزانوں اور ملاءِ اعلیٰ کے گنجینوں کا مالک خدا جس کے قبضے میں کائنات عالم کی مقالید

ف بیشک خدا ان لوگوں کو پیار کرتا ہے جو اسکی حمایت اور محبت میں صف باندھ کر لڑتے ہیں اور ایسے جمے رہتے ہیں کہ گویا ایک دیوار میں جستہ پلا دیا گیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷) ظَلَمُوا مِنْ هٰؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ (۳۹: ۵۱) یعنی تو ان لوگوں کو ان کی بداعمالی کے بُرے نتائج اجتماعی بدحالیوں (السَّيِّئَاتُ) کی صورت میں پہنچے، اور ان اہل مکہ میں سے بھی جو لوگ حد سے تجاوز کر رہے ہیں (ظَلَمُوا) ان کو بھی ان کے اعمال کے بُرے نتائج قومی زبوں حالی کی صورت میں عنقریب پہنچنے والے ہیں، اور یہ لوگ ایسے طاقتور تو ہیں نہیں کہ ہم کو عاجز کر دیں۔ اس موقع سے ذرا پہلے سَیِّئَات کو بعینہٖ اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے: وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (۳۹: ۴۸) یعنی پھر ان لوگوں کو اپنے کرتوت کے بُرے نتیجے اجتماعی شکست و ریخت (سَیِّئَات) کی صورت میں ظاہر ہوئے، اور جس سزا کو یہ لوگ ہنسی محال سمجھ رہے تھے ان پر آ نازل ہوئی۔ یہاں بھی سَیِّئَات سے مراد بصراحت تمام وہ فقر و افلاس، خوف کا ماحول، اور دل شکستگی ہے جو اقوام عالم کو اُن کی غلطیوں اور بداعمالیوں کی پاداش میں ملتا ہے۔ اس سے مقصود گناہ نہیں جس کا عملی مفہوم آج شرعی اصطلاح بن کر کچھ بے معنی سا ہو گیا ہے۔ چنانچہ سورہ ہود میں سَیِّئَات کا بدحالی مفہوم اور بھی واضح ہے: وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي (۱۱: ۱۰) یعنی اگر انسان کو کسی تکلیف کے پہنچنے کے بعد ہم نعماے الٰہی کا تھوڑا سا مزا چکھا دیں تو فوراً ایسے ولمس یقین کر لیتا ہے (لَیَقُولَنَّ) کہ اب ہمیشہ کے لئے امیری سب خستہ حالیاں مجھ سے دور ہو گئیں۔

(ب) ان مثالوں سے قطع نظر قرآن حکیم میں کَسَبُوا السَّيِّئَاتِ اور عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ کے معنی جہاں کہیں بھی استعمال ہوئے ہیں ان کا صحیح مفہوم قوم کے افراد کا اُن مجموعی گناہوں اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو جانا ہے جس کا نتیجہ اجتماعی شکست و ریخت ہو۔ یہاں پر صرف دو مثالیں پیش کر دینا کافی ہیں۔ سورہ یونس میں ہے: وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (۱۰: ۲۷) یعنی جس قوم نے بداعمالیاں کمائیں تو یاد رکھو کہ بُرے عمل کا ویسا ہی بُرا نتیجہ ہے، اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ اُس قوم پر ذلت چھا رہی ہو گی۔ گویا بروئے قرآن سَیِّئَات وہ اجتماعی بداعمالیاں (مثلاً تفرقہ اندازی، بدنظمی، بددیانتی وغیرہ وغیرہ) ہیں جن کا نتیجہ قوم کی بدحالی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس آیت میں جزا و سزا کا ذکر ہے تو آخرت کی سزا کا مذکور نہیں، اس کا ثبوت تفسیری مجلد میں آئے گا جہاں تمام رکوع کا مربوط ترجمہ کر دیا ہے۔ سورہ قصص کے آخری رکوع میں آخرت کی جزا و سزا کے بارے میں ہے: مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۲۸: ۸۴) یعنی جس شخص نے اپنی جماعت کے حق میں ایک بھلائی کی تو اسکو اس بھلائی سے بہتر اجر دیا جائے گا، اور جس نے اپنی قوم کو کوئی گزند پہنچایا تو بداعمالیاں کرنے والے لوگوں کو تو ان کے اعمال کے مطابق ہی سزا ملے گی۔ گویا کَسَبُوا السَّيِّئَاتِ کے قرآنی معانی قومی بدحالی کو اپنے ہاتھوں خرید لینا، اور عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ کا صحیح مفہوم اس بدحالی اور ذلت کے لیے عمل کرنا ہے جیسا کہ آج قریب قریب ہر مسلمان اپنی قوم کے لیے عملاً اور معناً کر رہا ہے۔ ایک اسی قطع کی قرآنی اصطلاح مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ ہے جو سورہ نحل میں واقع ہوئی ہے: أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ (۱۶: ۴۵) یعنی تو کیا وہ لوگ جنہوں نے اپنی کارگاہ ہستی میں بداعمالیوں اور غلطیوں کا جال بچھا رکھا ہے (مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ) فی الحقیقت اس امر سے بے خوف و خطر ہو گئے ہیں کہ خدا کسی دن اُن کو زمین میں دھنسا مارے یا ان پر کوئی اور عذاب اُدھر سے آ نازل ہو جدھر سے ان کو سان گمان تک نہ ہو۔ گویا مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ سے مراد اجتماعی غلطیوں کا پے در پے مجرم بننا، لیکن تکبر ریا سے یہ سمجھنا کہ درحقیقت کسی جرم کا ارتکاب نہیں ہو رہا جیسا کہ آجکل عالم اسلام میں ہر جگہ ہو رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن حکیم میں بعض اوقات حَسَنَة اور سَيِّئَة کے الفاظ بادی النظر میں انفرادی نیکیوں اور دائمی برائیوں کے لیے مستعمل نظر آتے ہیں۔ تفسیری خصوصیاً

اور جمیع مخلوق کا رزق ہے: لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ (۳۹: ۶۳)، وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝ (۱۵: ۲۱)،

زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں۔ جسکو چاہے اُن میں سے بخش دے تو جو لوگ احکام خدا سے منکر ہیں اور اُسکے مطابق نہیں چلتے وہی گھاٹے میں ہیں۔

اور ایسی زمین و آسمان کے اندر کوئی ایسی شے نہیں جسکے ہمارے ہاں خزانے کے خزانے نہ بھرے پڑے ہوں، اور ہم انکو اس دنیا میں بھیجتے بھی ہیں تو ایک مناسب اندازے کے ساتھ جو ہمارے علم میں ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۸) سے بظاہر اس کا کچھ تعلق نظر نہیں آتا لیکن اگر بہ امعانِ نظر دیکھا جائے تو سیاق و سباق کلام سے عیاں ہو جائے گا کہ اس کا اصلی مفہوم بھی اجتماعی ہی ہے۔ قرآن حکیم ایسے کسی امر دینی میں اجتماعیت کے گرانقدر اصل اصول کو نظر انداز نہیں کرتا، اور ایسی اعمال کو حسنات یا سیئات قرار دیتا ہے جن کی تہ میں اجتماعی ترقی یا تنزل کے جراثیم مخفی ہوں۔ پس بلکہ ازروئے قرآن 'حَسَنَةً' انسان کا وہ انفرادی عمل ہے جو خالصۃً اس ارادے کو پیش نظر رکھکر کیا جائے کہ اُسکے کرنے میں اجتماعی فائدہ ہے، اور علیٰ ہذا القیاس 'سَيِّئَةً' وہ عمل ہے جسکا تعلق اور اثر من حیث الجماعۃ نقصان دہ ہے' اور اسی لیئے اسکے عامل کی نیت اپنی جماعت کے بارے میں درست نہیں۔ **اعمال کا نیات کے ساتھ** لازم ملزوم ہونا اسلامی فلسفہ عمل کا وہ جزو لاینفک ہے جو ہر صاحب نظر پر ظاہر ہے۔ دنیا کی بیدار اقوام کے سب افراد ہمیشہ سے تمام حسنات اسی مستقل پیش نہاد کو سامنے رکھکر کرتے آئے ہیں، اور یہی مطمح نظر جب رفتہ رفتہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو قوم میں بلا تجسس نتائج سیئات شروع ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ اکثر 'حَسَنَات' بھی 'سَيِّئَات' بن جاتی ہیں جیسا کہ آجکل زکوٰۃ ہے کہ بیہودہ اور منتشر طور پر خرچ کرنے سے مسلمانوں کو قوت دینے کی بجائے ان میں گداگروں کی جماعت پیدا کر کے ضعف پہنچا رہی ہے۔ اس اہم موضوع کے متعلق اسلامی فلسفہ عمل کے تحت میں مستقل بحث کی گئی ہے جو تیسری مجلد کے شروع میں آئے گی۔ سردست صرف اسقدر کہنا مقصود ہے کہ 'حَسَنَةً' **کی صحیح تعریف ازروئے قرآن یہ ہے کہ اس سے کسی مستقل اجتماعی زبون حالی (یعنی السَّيِّئَة) کا دفعیہ ہو۔** مثال کے طور پر اگر ایک قوم کے افراد دیانت داری کے اصول پر اسلیئے عمل پیرا ہیں کہ بددیانتی سے اس کی تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا، انکی دنیا میں ساکھ نہیں بیٹھ سکتی، اُن کا کاروبار عالمگیر نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ، تو وہ قوم بلاشبہ ایک سَيِّئَةً کا دفعیہ ایک حَسَنَةً سے کر رہی ہے، اور اسی لیئے فطرت کے خزانہ عامرہ سے انعام پا رہی ہے۔ برخلاف اسکے جس قوم کا کوئی مستقل پیش نہاد نہیں رہا، اور اُس کے افراد فرداً فرداً ایک عمل بلانیت کر رہے ہیں یا سرے سے قوم کے مدّ انجام سے غافل ہو کر بدیاں کر رہے ہیں تو قرآن کے رو سے یہ حالت کچھ داخل حسنات نہیں۔ سورۂ رعد میں ہے:

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (۱۳: ۲۲)

لوگو! اصحاب علم و نظر تو وہ لوگ ہیں (اُولُوا الْأَلْبَاب' کا ترجمہ جو آیہ (۱۳: ۱۹) میں ہے) جو اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر استقلال کو اپنا دستور العمل بنا لیتے ہیں (صَبَرُوا) جو 'الصَّلوٰۃ' کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دے رکھا ہے اُس میں سے ایثار مال در پردہ اور علی الاعلان کرتے ہیں اور اپنی اجتماعی بدحالی کا دفعیہ مناسب اعمال کے ذریعے سے کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی معاشرت (الدَّار) کا انجام (عُقْبیٰ) اچھا ہی اچھا ہے۔

'الصَّلوٰۃ' کی اجتماعی خوبیوں، اور ایثار مال کے اجتماعی فوائد کے متعلق اصل کتاب میں بحث ہو رہی ہے، اور آئندہ کئی ورق ابھی اہم موضوعوں کے لئے وقف ہیں، تاہم اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ 'صبر' 'اقامت الصلوٰۃ'، 'انفاق مال'، 'ادفاع سیات'، **سب کے سب اجتماعی اعمال ہیں** جنکا اجتماعی حالت کو درست کرنے کی نیت سے کیئے جانا مقصود ہے۔ یہی مضمون قریب قریب سورۂ قصص (۲۸: ۵۴) میں ہے، اور وہاں بھی یہی مجموعی

أُولٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ ۝ (۲۸: ۵۴)

اِن فاقہ مست اور گدیہ گر عرب کے مال و متاع کا محتاج اور قرضِ حسنہ کا امیدوار کیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۹) حاذ و جہد مراد ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں یہود کے سیاسی مد و جزر اور اجتماعی عروج و زوال کی توضیح کے سلسلے میں جو الٰہی ارشاد ہے

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۔ إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۔ (۱۷ ۔ ۶-۷)

پھر اے بنی اسرائیل کے افراد سردار لوگو! ہم نے زبردست حکمرانوں کو تم پر حاکم بنا دینے کی سزا کے بعد (دیکھو آیۃ ۱۷ ۔ ۵) تم کو پھر غلبہ دیکر بخش ڈاری دی، مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی، اور تم کو بڑے جتھے والے بنا دیا اور ہم نے بار دگر تم پر عیاں کر دیا کہ اگر تم نے حسنِ عمل سے اپنی اجتماعی حالت درست کرلی (اِنْ اَحْسَنْتُمْ) تو اس کا فائدہ تمہی کو پہنچا (اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ)، اگر اس کے بعد تم نے برے عمل کرکے اپنے آپ کو غیر کا محکوم بنا لیا تھا (اِنْ اَسَأْتُمْ) تو اس کا نقصان بھی تمہی کو ملا تھا (فَلَهَا)۔

یہاں صاف طور پر رہیں آسمان کی لغت میں حُسنِ عمل '(الحسنات) سے مراد اجتماعی بیداری اور قومی ابھار کے وہ متعارف اعمال ہیں جن کا اٹل نتیجہ غلبۂ قوم ہے، اور 'سُوءِ عمل' (السّیّئات) قومی اخلاق کا وہ انحطاطِ عظیم ہے جس کا نتیجہ محکومیت اور غلامی ہے۔ جن لوگوں نے حسنِ عمل سے مراد خانقاہوں میں بیٹھکر تسبیحیں چلانا سمجھ رکھا ہو اُن کے لیئے یہ آیات از بس سبق آموز ہیں! بنی اسرائیل کی قوم نے اپنے ظالم حاکموں (یعنی ملکہ خدا کے سخت گیر اور بارعب بندوں عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ (دیکھو آیہ ۱۷ ۔ ۵)) سے نجات اعتکاف خانوں کے اندر تسبیحیں پھیرکر حاصل نہیں کی تھی، وہ لامحالہ تیغ و تفنگ لیکر باہر نکلے ہونگے، ایمان کی اٹل قوتیں انکے دلوں میں موجزن ہوئی ہونگی، اتحاد، صبر، ایثار مال وغیرہ ان کا مذہبِ عمل بن گیا ہوگا، پھر ربِّ غفور و رحیم نے انکے اس حُسنِ عمل کو دیکھکر اُن کے گذشتہ گناہ، معاف کر دیئے ہوں گے، اور یہ بادشاہت کا حاصل ہونا ہی خوشنودیٔ خدا کی علامت تھی! مال و اولاد کی کثرت (اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ)، اور اُن کا جمِ غفیر ہو جانا (وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا)، بھی کچھ تسبیحوں کے زور سے نہ تھا، یہ سب انعامِ الٰہی عروسِ سلطنت کی وہ ادنےٰ کنیزکیں ہیں جو ہاتھ باندھے ہوئے اس کے جلو میں ہر وقت حاضر رہتی ہیں اور پھر اُس قوم کے گھر کا اُجالا بن جاتی ہیں جسکی میہمانی عروسِ بادشاہت قبول کرے! جو قوم اس کارگاہِ عمل میں اپنی بہتری کے لیئے حتی الامکان ہاتھ پیر مار رہی ہے، جو سعی و عمل کی دوست ہے، آزاد اور زور آور ہے، جو اُولِيْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ ہے، وہی اَحْسَنْتُمْ کی مصداق ہے، وہی فرمانِ خدا کی پابند ہے، وہی خدا کی عملاً غلام ہے، وہی 'عبادت' کا حق ادا کر رہی ہے، یہی عِبَادًا لَّنَا ہے! منکوں کو ہاتھ میں پھیر پھیر کر رواں کر دینے سے خدا کی بندگی ہرگز نہیں ہوسکتی! اسکے لیئے ملازم ہونا شرط ہے، کام کرنا شرط ہے، متفق اور متحد ہوکر ہاتھ پیر مارنا شرط ہے! لیکن اس موضوع کو یہاں پر طول دینا بہت کچھ بے موقع اور وقت ہے۔

(ج) 'سَيِّئَةٌ' اور 'حَسَنَةٌ' کے متعلق متذکرہ صدر بحث سے جو (الف) اور (ب) کے ماتحت ہوئی اسقدر ظاہر ہے کہ جہاں آیات متعلقہ (الف) میں ان اصطلاحوں سے مقصود اجتماعی بدحالی اور قومی خوشحالی ہے، وہاں آیات مذکورہ (ب) میں ان سے مراد وہ اعمال ہیں جو اجتماعی بدحالی اور خوشحالی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں اور جن کا انجام بادشاہت اور تسلط فی الارض یا محکومیت اور غلامی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے کلامِ الٰہی میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں وہاں مراد یہی طاقت اندوز یا شکست انگیز اعمال ہیں اس سے کمتر قطعاً کچھ نہیں۔ سورۂ انعام کے آخری رکوع میں ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔ (۶ ۔ ۱۶۱)، یعنی "جو شخص اس کارگاہِ سعی و عمل سے ایک 'حسنہ' کما لایا تو اُسکو اُس جیسی دس 'حسنات' انعام میں ملیں گی اور جس نے اپنی جماعت کے حق میں کوئی شکست انگیز عمل کیا تو اسکو صرف اسیقدر سزا ملے گی جسقدر اُس نے شکست و ریخت کی تھی، اور اُس پر زیادتی تو کسی صورت میں نہ ہوگی" یہاں بادی النظر میں محاکمہ عام معلوم ہوتا ہے اور خیال میں آتا ہے کہ کسی خاص شکل کی تخصیص نہیں کی لیکن اس سے پہلے کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ

رہا کرتا تھا، اور اُس بروقت مالی امداد کے صلے میں چند سِکوں کے بدلے، جنّت کے نظر فریب

(بقیہ بحث اِسی صفحہ ۱۳) اِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○ (۶ ۱۶۰) یعنی اے پیغمبر جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے، تمہارا اُن سے کچھ تعلق نہیں ہے، اُن کا معاملہ خدا کے حوالے ہے، وہ خود ہی اُنکو دردناک سزائیں دے گا اور اُس وقت اُنکے بداعمال کا نتیجہ مو بمو بتلا دے گا جبکہ شکست و ہزیمت اُن کے سروں پر چھا رہی ہوگی۔" یہ فیصلہ کردیتی ہے کہ حَسَنَۃ اور سَیِّئَۃ کے الفاظ ما تحصر اِسی اتحاد اور تفرقہ بندی کے متعلق استعمال ہوئے ہیں جو ایک اجتماعی عمل ہے، اور ایسے ہی دو درس اور تمہ خیر اجتماعی نیکیوں کے متعلق خدا نے زمین و آسمان سے دس گنا ثواب مقرر کیا ہے۔ نہ یہ کہ اگر کسی راہ چلتے گداگر کو دو پیسے دیدیئے جائیں تو خدا سے بیس پیسوں کا امیدوار انسان ہوجائے۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ نمل کے اخیر میں الحَسَنَۃ کو اسقدر جلیل القدر اور لائق الطاف و اکرام عمل قرار دیا گیا ہے کہ قیامت کی نفسا نفسی اور کس مپرسی کے دن اُس ایک الحسنۃ کا عامل سب جزع و فزع سے امن میں ہوگا، اور ایک السَّيِّئَۃ کا کرنے والا اوندھے منہ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُم مِّن فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ○ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (۲۷ ۸۹ - ۹۰) یعنی جس شخص نے قیامت کے دن الحَسَنَۃ، کو اپنی شفاعت میں پیش کیا تو اُسکو اُسکے عمل سے بہتر اجر دیا جائے گا اور ایسے لوگ اُس دن قیامت کی تمام جزع و فزع سے امن میں ہونگے، اور جو السَّيِّئَۃ کو اپنے ساتھ لایا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں دھکیل دیے جائینگے اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ دردناک سزا تم لوگوں کو ماسوا تمہارے اعمال کے کسی اور جرم کی پاداش میں مل رہی ہے" اِن آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ الحَسَنَۃ کا معیار از روئے قرآن کسقدر بلند ہے۔ آج لوگوں نے نیکی کا معیار بقدر نیت مقصود کرلیا ہے کہ ادنیٰ سی اور بے مسیحی نیکیاں کرکے دس گنا ثواب کے منتظر رہتے ہیں اور اپنی بار وا عم میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ قریب یہی بات سورۃ المؤمن (۴۰ ۴۰) میں ہے مگر اسکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ قرآن حکیم کی کل کتاب میں صرف دو تین موقعے (۱۳۲ ۴؛ ۴۳:۱۴۱) ، (۲۳ ۹۶) ہیں جہاں بادی النظر میں سَیِّئَۃ یا حَسَنَۃ کے الفاظ انفرادی معانی میں استعمال ہوئے ہیں مگر جس وقت اُن آیاتِ الٰہی کا ربطِ اصل کتاب میں ظاہر کردیا جائے گا تو عیاں ہوجائے گا کہ اُن موقعوں پر بھی اِن قرآنی مصطلحات کا بلند معیار بدستور قائم ہے۔

اِس تمام طول و طویل بحث و تمحیص سے ان اوراق میں سَیِّئَۃ اور حَسَنَۃ کے الٰہی مفہوم کے متعلق ہوئی بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ سَیِّئَۃ کے معانی بھی مُصِیبَۃ کی قرآنی اصطلاح کی مانند دنیاوی اور اجتماعی بدحالی کے ہیں۔ جو جو سزائیں اقوام عالم کو اس دنیا میں قانون خدا سے منحرف ہونے، اور ذاتی غلطیوں کے تسلسل میں ملتی ہیں اُن کے لیے قرآن نے لفظ سَیِّئَات تجویز کیا ہے اسی لحاظ سے جہاں جہاں قرآن میں "نُكَفِّرْ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ" یا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ" وغیرہ کے الفاظ ہیں اُنکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ "ہم اُن کی تمام اجتماعی بدحالیوں اور خانہ بربادیوں کو دُور کردینگے"۔ نہ یہ کہ "ہم اُن کے گناہوں کو معاف کردینگے"۔ جس کے معنی عملاً غیر محدود ہیں کیونکہ کسی شخص یا قوم کو پتہ نہیں لگ سکتا کہ اسکے گناہ درحقیقت معاف ہوئے ہیں یا نہیں۔ اکثر شارحین قرآن نے اِن الفاظ کا یہ بے معنی اور بے نتیجہ ساترجمہ کردیا ہے اور حقیقت سے دور جا پڑے ہیں۔

سَیِّئَۃ کے لفظ پر طول و طویل بحث آیہ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ (۲ ۱۵۶) صفحہ ۱۲۳) کے تحت میں اس لیے کی گئی ہے کہ صفحہ ۱۲۲ کے متن کی آیہ (۳ ۱۹۴) میں لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ کے الفاظ آچکے ہیں اور سَیِّئَۃ کی تشریح نہیں ہوسکتی تھی جبتک کہ مُصِیبَۃ کی تشریح نہ کردی جاتی۔ بہر نوع ظاہر ہے کہ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ جن لوگوں اور قوموں نے میری راہ میں قتال کیا اور قتال کرتے کرتے ترک وطن پر مجبور ہوئے، میں اُن کی اجتماعی بدحالیوں کو دور کردونگا، اور اُنکو ایسے باغوں اور سرسبز بیلوں (جَنّٰت) کا بادشاہ بنا دونگا جن کے تلے نہریں بہتی ہونگی۔ ضمناً یہاں جَنّٰت کے معانی کی بھی تشریح ہوگئی اگرچہ جَنّٰت کے متعلق مکمل بحث تیسری مجلد پر چھوڑ دی گئی ہے۔ جو شخص اِس سال میں بچے رہے اُن کے لیے زمین کے جنّات کی بادشاہت، اور جو مارے گئے اُنکے لیے آخرت کے

باغات اور نہریں کیوں فروخت کر دیا کرتا تھا، اور پھر ان نعمائے الٰہی کے باوجود اِس

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۱) باغِ بہشت یہی "ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے میں ' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ ثواب، بیاو بہ ہے اور سودا نقد۔ آخرت کا اُدھار مقصود نہیں جیسا کہ شارحین نے بالعموم فرض کر لیا ہے اور اس بار وا فرض کے باعث مسلمانوں کے آگے سے بادشاہت زمین کا وہ اہم نصب العین اور بہترین انعام دور کر دیا ہے جس پر سعی و عمل کا تمام حصر تھا۔

صَلَوٰت کے مفہوم کی تشریح

آیۂ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (۲ ۱۵۶) کے مطالب کی صحیح تعیین کے بعد جو غور طلب بات لائق شرح و بیاں رہ جاتی ہے یہ ہے کہ آیۂ (۲ ۱۵۷) صفحہ ۱۲۳ کے الفاظ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ میں صَلَوٰتٌ کا مفہوم تعین کیا ہے، بلکہ مروجہ طریق درود خوانی میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے کیا معانی ہیں۔ اہل اسلام کی شرعی مجالس میں اور دوسرے موقعوں پر نبی کریمؐ کے نام پر درود بھیجنے، کا طریقہ ابتدا سے رائج ہے، جس میں ہر مسلمان دورِ اول سے نہایت شد و مد سے حصہ لیتا چلا آیا ہے، اور اس درود کا بار بار پڑھنا 'اصل ثواب' سمجھتا ہے۔ صدرِ اسلام میں بلکہ اسکے کچھ دیر بعد تک جب کہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑھایا ہوا سبق ابھی تازہ ہی تھا، اور اسلامی اوامر و نواہی کی حکمت بالعموم ہر مسلمان کے ذہن نشین اسقدر ہو گئی تھی کہ اسکی تعمیل کیلئے عند الضرورت ہزاروں میل چلنا بھی اُسکے لیئے ناگوار نہ تھا، ممکن ہے کہ کم و بیش ہر مسلمان 'درود' پڑھتے وقت اسکے صحیح مفہوم سے واقف ہو بلکہ اسکو صحیح لہجے اور کیف دل کے ساتھ ادا کرتا ہو لیکن آج جبکہ مسلمانانِ عالمِ اسلام کا اکثر دین بھول گئے ہیں، 'درود' کا صحیح مفہوم اور اُسکا سچا کیف حال ذہنوں سے قطعاً نکل چکا ہے، اور باقی ملفوظاتِ شرعی کی طرح یہ عمل بھی محض رسمی اور بے نتیجہ رہ گیا ہے۔ آج جب کسی اوسط مسلمان کو درود کے متعلق سوال کیا جاتا ہو کہ وہ کیا ہے، کیوں اور کس لیے بھیجا جاتا ہے، اسکی اتنی حکمت کیا تھی، تو وہ آئیں بائیں شائیں کرتا نظر آتا ہے، اور بالآخر جب تہ تک نہیں پہنچ سکتا تو سب ہتھیار ڈال کر یہ کہہ دیتا ہے کہ خدا کے احکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں! اسمیں کلام نہیں کہ یہ طریق تحیل کسی حق طلب قوم کے لیئے ازبس مہلک ہے، اور ہمارا عمل کا یارا بھی اسی دم مرا اور لب کتنا غالب کے قیام میں ہے آیۂ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کی متذکرہ صدر توضیح کے بعد کم از کم یہ ظاہر ہے کہ خدا نے اپنی جناب سے اُن لوگوں کو تحسین و آفرین کہنے کا وعدہ کیا ہے جو کسی اجتماعی مصیبت کے دفع کرنے کی غرض سے قانونِ خدا کی طرف لوٹ آتے ہیں! اور ایسے ہی کار کن لوگوں کے بارے میں اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ کے الفاظ استعمال کیے ہیں گویا صَلَوٰتٌ سے مراد وہ شاباش اور تحسین و آفرین ہے جو کسی شخص کو کسی پسندیدہ کام کے سرانجام کرنے کے بعد دی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں سرورِ کائنات پر 'صَلَوٰت' اور 'سلام' بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کے ان الفاظ سے ظاہر ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (۳۳: ۵۶)

(لوگو! تم کس بار وار غم میں ہو اور کیوں آسمانوں سے ہماں بار حکم اور جاوید رقیب کا کہ رسولِ خدا کو تنگ کرتے ہو حالانکہ اس جلیل القدر ہستی کی شان و منزلت یہ ہے کہ) خود زمین و آسمان کا مالک خدا، اور اسکی عالم آرا قوتوں کے علمبردار فرشتے سب اُسکی حیرت انگیز طاقتِ عمل، اُسکی ہمت کے دیرپا اثر، اُسکے انقلاب انگیز رد و بدلت، اُسکی مقلب القلوب روحانیت پر تحسین و آفرین کے نعرے لگاتے رہتے ہیں (یُصَلُّوْنَ) اور سرورِ اُسکے خیر الوریٰ اور سید کائنات ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اپنے اِس رہنمائے جلیل پر آفرین کے نعرے لگاؤ (صَلُّوْا عَلَیْہِ) اور اُس پر اپنی تمام اُمت کا سلام نچھاور کرو (سَلَامًا تَسْلِیْمًا) اُسکے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا کرو (سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا)۔

ملٰٓئکہ کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں، نہ اِسپر کہ رسولِ خدا کا وہ کیا زور عمل تھا جس سے ایک عالم کو انگشت بدنداں کر دیا تھا، اسکی حقیقت اصل کتاب میں بتدریج عیاں کر دی جائے گی۔ لیکن یہاں ظاہر ہے کہ نبی پر درود بھیجنے سے مراد کیفِ دل کے ساتھ اُسکے جلیل القدر کارناموں پر تحیّر ہونا، اُس کا نام برلب آنے پر تحسین و آفرین کے نعرے لگانا، اسکو زندہ باد و سلام کہنا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ آج ہر قوم اپنے رہنماؤں کے دیا سے معروف ہو کر کیا کرتی ہے۔ اِس عقیدت کیشی کا نتیجہ اکثر یہی ہوا کرتا ہے کہ دل میں اُن کاموں کی عظمت برقرار رہتی ہے، اور ہر شخص کے دل میں کچھ نہ کچھ اس ہمت کے

قرضِ حسنہ کی چند در چند واپسی کا کیوں اقرار کرتا تھا؟

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۲) قدم بقدم چلنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے یہی مقصود نبی کریمؐ پر درود بھیجنے سے تھا اور یہی اسکا ثواب، (فائدہ) ہے مگر واحسرتا کہ یہ رسم بھی اب بے اثر ہو چکی ہے!

رہی یہ بات کہ صَلَوٰۃ سے مقصود صدقہ نہ تھا جو اوپر بیان ہوا، اور صَلَوٰۃ کا عمل صرف پیغمبر خدا ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر درخور تحسین شخص اس کا مستحق ہے، اور اس زمانے میں جب کہ قرآن وحی کیا جا رہا تھا، اس کا ثبوت سورۂ توبہ کی ایک آیت سے ہوتا ہے جس میں منافقین عرب پر درود بھیجنے کا حکم رسولؐ خدا کو دیا گیا ہے!!

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۹: ۱۰۳)

اے پیغمبر! ان منکروں اور منافقوں کے مال میں سے کچھ تھوڑا سا بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ صدقہ مادی السطر میں آگے مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرتا ہے (دیکھو صدقہ کی تعریف تحت المتن صفحہ ۱۱۷)، تم بطریق احسن کرکے ان کی تحقیق ان کے دلوں کو محبت ماسوی سے پاک صاف کر دو گے (تُطَهِّرُهُمْ) اور اُن کے نفسوں کو آلائش محبت زر سے منزہ کر دو گے (تُزَكِّيهِم بِهَا) یہی نہیں بلکہ اُن کا شکریہ ادا کرو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) اُنکو اس ایثار مال کے عوض میں تحسین و آفرین کہو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) اُنکو دعائے خیر دو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) کیونکہ تمہاری شاباش (صلوٰتک) اُنکے لیے موجب اطمینان ہوتی ہے اور اُنکو اس سے بھی اچھے کاموں کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے" اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر باطن کو سمجھنے والا اور دل کی کیفیات کو خوب جانتا ہے۔

اسی زمرہ میں جہاد سے جی چرانے والے منافقین کے بارے میں، وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا (۹: ۸۴) ہے یعنی "اگر ایسی موت مر جائیں تو اُنکو ہرگز شاباش نہ کہ" اور پھر آگے چلکر اعراب کے لیے

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَاتٍ عِندَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۹: ۹۹)

اور لوگو! انہی اعراب میں سے ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو خدا کو حاکم اعلیٰ مانتے ہیں اور اسکے حضور میں روز حساب کو جواب دہی کرنے پر یقین کرتے ہیں، اور جو ایثار مال وہ کرتے ہیں اُسکو خدا کے تقرب اور رسول کی شاباش (صَلَوٰت) کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اے پیغمبر! ان کے ذہن نشین کر دو کہ یہ مال خرچ کرنا بیشک ان کے لیے باعث تقرب ہے، اور اگر وہ اسی طرح اپنی اجتماعی بہتری کے لیے مال خرچ کرتے رہے تو عنقریب خدا انکو اپنی رحمت میں لے لیگا، اس میں شک نہیں کہ وہ کارکن لوگوں کے حق میں گذشتہ واماندگیوں پر بڑا پردہ ڈالنے والا، اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

یہاں صاف طور پر "صَلَوٰت" کا مطلب وہ شاباش اور دعائے خیر ہے جو رسولؐ خدا اپنے مفید کارکنوں کو دیا کرتے تھے اور جو اُن کے لیے باعث ازدیاد اطمینان ہوا کرتی تھی۔ سورۂ احزاب میں قرون اولیٰ کے کارکن اور تہیدستے خدا مومنوں پر خدا اور اُسکے فرشتوں کا درود بھیجکر "صَلَوٰت" کی حقیقت کو اور بھی عیاں کر دیا ہے۔ (اس آیت میں "الظُّلُمَات" اور "النُّور" کے صحیح مفہوم پر بحث نہیں، آئندہ ترجمے میں ان اصطلاحوں کا قرآنی مفہوم ادا کر دیا ہے لیکن اسکا ثبوت بعد میں کسی موقع پر آئیگا)

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا (۳۳: ۴۳)

مسلمانو! اُس رب ذوالمنن کے احسان و اکرام کی یہ شان ہے کہ وہ اور اسکی عالم آرا قوتوں کے علمبردار ملائکہ تم خستہ حال اور بیچارگی کے عمل زدہ اور ناکارا اہل عرب کو اپنی تمام ہمدردی کے ساتھ تحسین و آفرین کہہ کہہ کر اس بات پر آمادہ کر رہے ہیں (يُصَلِّي عَلَيْكُمْ) کہ تم کو جہالت، غفلت اور ناکام شناسی کی ظلمتوں سے (مِّنَ الظُّلُمَاتِ) نکال کر علم و عمل اور حقیقت کی روشنی کی طرف (إِلَى النُّورِ) نکال لائیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ بادشاہ رحیم زمان ناایماں لوگوں کے ساتھ بڑا ہی صاحب لطف و کرم رہا ہے۔ (مَلَائِكَة کی حقیقت اور انکے "درود" کی کیفیت سے یہاں پر بحث نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ يُصَلِّي عَلَيْكُمْ سے مراد یہاں پر وہ تحسین و آفرین ہے جو ایک صاحب علم اور ہوشمند، اکثر دل اور حس شخص کسی مصیبت زدہ اور عاقل شخص کو اس نیت سے دیتا ہے کہ اُس میں اپنے آپ کو اُس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کا حوصلہ اور استعداد پیدا ہو، مومنین عرب کے حق میں خدائے بیمثال کے اسی اسلوب رحم کو مد نظر رکھکر اس سے پیشتر کی آیت میں فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (۳۳: ۴۱-۴۲)

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (۹ ۸۸-۸۹)

لیکن رسولؐ اور جو لوگ اسکی تائید میں ایمان لاکر اپنے مال و جان سے جہاد کرتے رہے، یہی ہیں جنکو بہتر سے بہتر چیزیں دیجائیں گی، اور یہی کامیاب لوگ ہیں۔ اللہ نے اُن کیلئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُنمیں ایک مدت مدید تک رہیں گے، اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۳۳) یعنی اے ایمان والو! خدا کا اپنے دلمیں احساس کثرت سے کیا کرو، اور صبح و شام اسکی تسبیح و تقدیس کرتے رہو، گویا ایسا محسن، ایسا رحیم ایسا صاحب لطف و کرم خدا جو تم کو سامانِ دے دے کر ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے اور تمہارے چھپلے بڑھا" حاکم حقیقت اور امن، تمکن فی الارض اور تعالیٰ کی طرف لاتا ہے اسی کے شایان ہے کہ ہر دم اس کا کھٹکا اور اسکی یاد دل میں لگی رہے)۔

ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ وہ شرعی ماحول جو لفظ صلّ علیٰ کے گرد اگرد پیدا ہوگیا ہے جو دو لوگوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ قرآن کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ قرآن حسب موقع عام مومنوں بلکہ منافقوں پر درود بھیجنے سے بھی نہیں جھجکتا۔ اصنا یہ بھی بات ہوگیا کہ الصلوٰۃ، التحیۃ، تحسین التخلیص ہے اس تمام تصریح کے بعد ہمنا اس عظیم الشان حکامت کے صحیح مطالب بھی صاف ہوجاتے ہیں جو ہر مسلمان پانچ وقت خدائے جل شانہٗ کے حضور میں سلام پھیرنے سے پہلے نثیھکر کرتا ہے یعنی "اَلتَّحِیَّاتُ" اور "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" اور "اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ" کے مطالب۔ آج فیصدی ایک شخص بھی ان تینوں قرآتوں کے مقاصد کی تہ تک نہیں پونچا، اور علی الحساب بڑبڑا کر سلام پھیر دیتا ہے۔ الصلوٰۃ کے صحیح مقاصد کے متعلق مفصل بحث اصل کتاب میں آگے آرہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ نماز میں حضورِ دل نہ ہونے کا بڑا باعث اُسکے صحیح مطالب کو نہ سمجھنا ہے۔ جب ایک شخص نہیں سمجھتا کہ وہ مخاطب کو کیا کہہ رہا ہے اور کس غرض و مطلب کے لئے کہہ رہا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ اسکو طوطے کی طرح پڑھکر جھٹ دانستہ اتار دے اور بس۔ "اَلتَّحِیَّاتُ" خدا کے حضور میں ہر مسلمان عالم اور جاہل کا وہ خراج تحسین آفرین ہے جو وہ نبی کریمؐ کے حیرت انگیز اور جلیل القدر کارناموں کو ذہن میں لاکر دن میں پانچ وقت ادا کرتا ہے، وہ رب ذوالجلال کی جناب میں اسیمان سے بیٹھکر سب سے پہلے اس آقائے دو جہاں کی نعمتوں کا مقر ہوتا ہے (اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ)، پھر اس رسول اعظم کے اعمال کو جسے تیئیس برس کی اقل قلیل مدت میں ایک جاہل اور اُجڈ قوم کا ماوٰا و آدم بنا کر انکو روئے زمین کے اکثر حصے کا بادشاہ بنا دیا تھا، سراہتا ہے، اُسپر رحمت اور برکت بھیجنے کی سفارش کرتا ہے، اسکو اعظم الناس سمجھتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ)، پھر اپنے آپ کو اُسی جلیل القدر رہنما کا ایک پیرو، اور اُمت وسطیٰ کا ایک کارکن شمار کر کے اس شہداء علی الناس اُمت[1] اور اسکے صالح العمل ارکان پر سلام بھیجتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ)، بعد ازاں جو اپنے دن بھر کے کارناموں اور اعمال کو نہایت عاجزی سے خدائے زمین و آسمان کے حضور میں پیش کر کے اپنے آپکے شاہد خدا ہونے اور اُس رسول کے اُمتی ہونے کا مقر ہوتا ہے (اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ) اسکے بعد "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" اور "بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ" ہے پھر خدا کے ساتھ کئی لمحوں کی ۔۔۔ اور خلق خدا سے قطع تعلق کے بعد باشندگان زمین کو "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ" کا نعرہ دائیں بائیں ہے اور نہایت ادب سے اُسکے حضور سے اُٹھ جاتا ہے۔ یہ نماز اگر ایسی کیفیت کیساتھ ادا ہو تو کچھ معنی رکھتی ہے، نتیجہ خیز ہے ورنہ ایک بے اثر اور بے ثواب رسم ہے جسکو لاکھ بار کرنے سے کچھ نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا۔ انسان جو چاہے فرض کرے مگر اس کارخانہ قدرت کے اندر دیکھا تو نتیجہ جیسا ہے جو واقع الامر ہے، وہم اور ظن کو اسکے اندر کچھ دخل نہیں!

† "الحسنات" کی تشریح صفحہ ۱۲۶ کے تحت المتن میں "سَیِّئَۃٌ" اور "سَیِّئٰت" کی تشریح و بسط کے ضمن میں ہو چکی ہے اور وہاں یہ ثابت کیا ہے کہ "حسنات" کا اصلی مفہوم وہ اجتماعی برکتیں اور خوشحالیاں ہیں جو اُمتوں کو اُن کے حسن عمل کے انعام میں ملا کرتی ہیں، نیز یہ کہ بعض موقعوں پر حسنۃ سے

[1] دیکھو تحت المتن صفحہ ۱

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ
قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۴) مقصود بالذات خود وہ اجتماعی اعمال ہیں جن کا نتیجہ قوم کی خوشحالی ہوا کرتا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ میں "الخیرٰت" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی مومن، اور مجاہد بالمال والانفس قوم کو اجتماعی خوشحالی کی بشارت دی گئی ہے (اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۹) شارحین نے "خیرٰت" سے مراد نیکیاں، اور فلاح کا مطلب "اُخروی نجات" لے لیا ہے جو بے معنی ہے، کیونکہ نیک عمل (یعنی جہاد بالمال والجان) کے بدلے "نیک عمل" ملنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اور "فلاح" بھی دنیوی اور اخروی دونوں مقصود ہے، صرف اُخروی نہیں جو بطور [illegible] مال جہاں سے اور اسقدر محرک سعی وعمل نہیں ہوسکتی جسقدر کہ فوری اجر۔ نہیں بلکہ اجتماعی فلاح کا حاصل ہوجانا، یا اسکی جستجو میں اپنی جان اور مال کو قربان کردینا ہی کسی شخص کی اخروی نجات کا پیش خیمہ ہے، اور یہی اُس آیندہ اور ابدی نجات کے حاصل کرنے کا صحیح معیار ہے۔ اس موضوع پر مدلل بحث اصل کتاب میں کچھ دیر بعد آئے گی، سردست لفظ "خیرٰت" سے سروکار ہے جسکے معنی ہم نے دنیا کی بہترین اشیاء اور نعمہائے الٰہی کیے ہیں۔ اس مفہوم کی تائید قرآن حکیم میں کئی موقعوں پر بالصراحت موجود ہے۔ سورۂ مومنون میں فرومایہ، مشرک، اور منتشر الاعمال لوگوں کے بارے میں ہے: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ (۲۳: ۵۵-۵۶) "کیا یہ لوگ اس زعم میں ہیں کہ ہم جو انکی مال اور اولاد کی کثرت سے انکی مدد کررہے ہیں، اُس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہم انکو اچھی اچھی اشیاء (الخیرٰت) اور نعمتہائے الٰہی (الخیرٰت) کے عطا کرنے میں جلدبازی کررہے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ہم ان کو کچھ اپنے پاس سے دے نہیں رہے، بلکہ انکے دئیے ہوئے انعام ہی رفتہ رفتہ چھین رہے ہیں" آگے چلکر ایمان والی قوم کے بارے میں ہے: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ (۲۳: ۶۱) "یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی انعامات خدا (الخیرٰت) کے حاصل کرنے میں جلدی کررہے ہیں (نہ وہ لوگ جن کا ذکر اوپر ہوا (۲۳: ۵۵-۵۶)، اور یہی اُن کو لپک لپک کر پکڑ رہے ہیں" ان دونوں موقعوں پر "الخیرٰت" کے کوئی دوسرے معانی ہو نہیں سکتے، اور مراد صاف طور پر اجتماعی انعام ہیں، انفرادی نہیں۔ سورہ مائدہ میں علیٰ ہذا القیاس اختلاف کی برائیوں کے ضمن میں ہے

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۵: ۴۸)

اور اے مسلمانو! اگر خدا ایسی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو صرف تم انسانوں کو ایک اُمت بنادیتا لیکن یہ صورت اختلاف جو تم نے اپنی خود رائی اور خدا سے برگشتگی کے باعث پیدا کرلی ہے اس سے شارع کی بات کی غرض یہ ہے کہ وہ تم مختلف شدہ امتوں کا امتحان اُن اہلیتوں اور نعمتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دیں (لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ) تو اے انسانی اُمتو! تم اپنے آپ کو اس آزمائش میں کامیاب ثابت کرنے کے لیئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعامات کی طرف لپکو (فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ) جانے رہو کہ تم سب نے آخر ایک دن خدا کی طرف لوٹنا، اور اُسکے حضور میں اپنے سعی وعمل کی جوابدہی کرنی ہے پھر اُسدن وہ جو نوع انسان کا خالق ہے تم کو اس حقیقت حال سے مطلع کردے گا جسکے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کرکے ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوگئے تھے۔

اس آیۂ مبارکہ کے مطالب کے متعلق مکمل بحث صفحہ ۳۰۱ کے تحت المتن میں آئے گی وہاں پر "لَوْ شَآءَ اللّٰهُ" کا متذکرہ صدر مفہوم ثابت کردیا جائے گا لیکن ادنیٰ تامل کے بعد صاف ظاہر ہے کہ "الخیرٰت" سے مراد یہاں پر وہ اجتماعی انعامات ہی ہیں جو اقوام عالم کو اُن کے سعی وعمل کے صلے میں خدا کی جانب سے ملتے ہیں، اور انہی انعامات پر قبضہ کرنیکے لیئے "اِسْتَبِقُوْا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے "نیکیوں کی طرف لپکنا" جیسا کہ اکثر شارحین نے سمجھ لیا ہے محض بے نتیجہ اور بے ربط ہے کیونکہ سعی وعمل کے متعلق تمام ترغیب و تحریص کسی مستقل انعام کو پیش نظر رکھکر ہوسکتی ہے سعی بے حاصل کو فی نفسہٖ مآلِ سعی سمجھنا محض ایک شاعرانہ تخیل ہے، جس کی حقیقت ازروئے عمل کچھ نہیں۔ یہی مفہوم "الخیرٰت" کا سورۂ فاطر کی اس معنی خیز آیت میں ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ

إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○ (۲: ۲۴۴-۲۴۵)

اور خدا کا بول بالا کرنے کے ضمن میں اگر دشمن سے لڑائی کی نوبت بھی آ پہنچے تو قتال کرو، اور خوب جان لو کہ خدا تمہارے ارادوں کو بڑا سمجھنے والا، اور تمہارے اعمال کو بڑا جاننے والا ہے کون ہے جو اللہ کو خوش دلی کے ساتھ قرض دے، اور پھر خدا اُس قرض کو اسی کے لیئے کئی گنا بڑھا دے۔ تنگ دست کرنا یا کشائش دینا بالآخر خدا ہی کے اختیار میں ہے، اور اُسی کی طرف تم بالآخر رجوع کرتے ہو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۵) اَلَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (۳۵: ۳۲)، یعنی اے لوگو! پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے جس قوم کو اہل سمجھا (یعنی مسلمانان قرون اولیٰ) اُسکو قانون خدا (الکتاب) کا وارث ٹھیرایا، تو اُن (کی آیندہ نسلوں) میں سے کوئی اُمت ایسی ناخلف ہوگی کہ بداعمالیوں سے اپنے آپ کو ہلاک کرے گی (ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ) اور کوئی ایسی سی ہوگی کہ اپنے اوسط درجے کے سعی و عمل سے ہلاکت اور عروج کے بین بین رہے گی (مُقْتَصِدٌ) اور کوئی ایسی بھی ہوگی جو اپنے انتہائی جدوعمل سے خدائے عظیم کے عطا کردہ انعاموں کی طرف لپک لپک کے پہنچے گی (سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ)، اور یہ آخری حالت کا قائم ہو جانا انتہائے فضل و کرم ہے۔" یہاں سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ کے ساتھ بِاِذْنِ اللّٰهِ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ وہ اجتماعی انعام خدا کے حکم سے ملیں گے خدا کے حکم سے نیکیوں کی طرف لپکنا کچھ بے معنی سا ہے، اور یہاں استعارہ بظاہر اُس حالت کو پیش نظر رکھکر لیا گیا ہے جب منعم کسی انعام کی بخشش کے لئے اذن دیتا ہے اور منعم علیہ اسکے لیے آگے کو لپکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ کے بہشت کی حوروں کو لفظ "خَيْرٰتٌ" سے یاد فرمانے کی وجہ بھی انکی یہی انعامی حیثیت ہو جو اوپر بیان ہوئی۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ○ (۵۵: ۷۰) یعنی اُن باغات کے اندر یہ عزیز القدر انعامات الٰہی یعنی خوبصورت بیبیاں ہوں گی!"

خَيْرٰتٌ کے اس مفہوم سے قطع نظر قرآن حکیم میں چند مواقع ایسے ہیں جہاں یہ اصطلاح سے مراد (حَسَنَات کے مفہوم کی طرح) وہ اعمال ہیں جنکا نتیجہ افضال و اکرام ہے ایک آیت (۲۱: ۷۳) صفحہ ۱۰۸ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے مگر یہاں پر اُسکا اعادہ کیا جاتا ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ○ (۲۱: ۷۳)

اور لوگو! ہم نے اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام کو بھی اُن کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی طرح اُن کی قوم کا پیشوا بنایا، وہ اسی قوم کی رہنمائی ہمارے قانون کے ذریعے سے کرتے رہے، اور ہم نے ان کی طرف مفید جماعت اور مصلح قوم کاموں (الخیرات) کے کرنے کی وحی بھیجی، انکو حکم دیا کہ الصلوٰۃ کو قائم کریں، الزکوٰۃ کو دیتے رہیں، اور وہ لوگ فرمانبردار اور پابند رکھے ہی ستے بلکہ فی الحقیقت ہمارے بندے اور غلام بنکر رہتے تھے

الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ کی اجتماعی حیثیت کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آنے والی ہے تاہم سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر اُن قومی اور اجتماعی اعمال کا ذکر ہو رہا ہے جن کا نتیجہ اصلاح قوم ہے اور جو ائمۂ اقوام کا پیش نہاد ہمیشہ سے رہا ہے گو ہمارے گوشہ نشین پیر کرام جیسے کا یہاں مذکور نہیں عامۃ الناس نے نیک سے (یعنی فِعْلَ الْخَيْرٰتِ) کو اکثر یہی سمجھ لیا ہے بعینہٖ اسی قطع کے اعمال کا ذکر اسی سورۃ میں زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کے بارے میں ہے: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○ (۲۱: ۹۰) یعنی ہم نے اُن پر احسان مزید اس وجہ سے کیئے کہ اس میں شک نہیں یہ لوگ مفید قوم اور مصلح اُمت اعمال کی طرف لپک لپک کر پہنچتے تھے، اور ہم کو اجتماعی انعام کی رغبت، اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور اسی بیم و رجا کے باعث ہماری جناب میں سچا خضوع و خشوع کیا کرتے تھے" رغب و رہب اور خوف امید کا تکیف دل میں بھی پیدا ہو سکتا ہے جب انعام دنیاوی ہو، اور یہی خشوع کا سچا باعث اکثر ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ادنیٰ تامل بھی اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ یہاں بھی الخیرات سے مراد عبادت ہے، تسبیح گردانی قطعاً نہیں۔ سورۂ آل عمران میں جو خدا نے بعض صالح اہل اہل کتاب کے بارے میں ہے اِس مفہوم کا صریح طور پر ثبوت ہے يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ (۵۷ : ۱۱)

کون ہے جو اپنے مال کا بہترین حصہ خدا کا نام بلند کرنے کی خاطر صرف کرے، اور پھر خدا بھی اسکے واسطے اسکو چند در چند کردے، اور ساتھ ہی اسکو اسکی خدمت کا باعزت اجر دے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (۶۴ : ۱۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۶) مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ (۳ : ۱۱۳ - ۱۱۴) "یعنی یہ یہود و نصاریٰ اسقدر با ایمان لوگ ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت میں مصروف رہتے ہیں، اور مفید جماعت اعمال کی طرف لپک لپک کر پہنچتے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو دراصل صالح کہلائے جانیکے مستحق ہیں۔ اور یہ لوگ کوئی بھی مصلح قوم عمل (مِنْ خَيْرٍ) کریں اسکا ہرگز یہ نہ ہوگا کہ ان کے اس عمل کی قدر نہ کی جائے گی، اور خدا تو ایسے قانون سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔" یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور "صالحین" وغیرہ اصطلاحات قرآنی کے صحیح مفہوم سے بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ "الخیرات" سے مراد اجتماعی جدوجہد ہی ہے، انفرادی عمل نہیں کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت جا نشین رہ کر نہیں ہو سکتی، اور يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ کا عمل بھی اسی قسم میں ہے۔ سورۂ بقرہ میں تحویل شدہ قبلہ کو مرکز امت گردانے کی بحث کے بعد الٰہی ارشاد ہے وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ڲ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۲ : ۱۴۸) "اور مسلمانو! تمہیں یاد رہے کہ اس کارگاہ اتحاد و اتفاق میں ہر قوم اور ہر امت اپنے لئے کوئی نہ کوئی سمت اتحاد تلاش کرتی ہے (وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ) اور پھر جب وہ لوگ کسی ایک مرکز کو مقرر کر لیتے ہیں تو سب کے سب طبعاً اسکی طرف رجوع ہو جاتے ہیں (هُوَ مُوَلِّيْهَا)، تو اے مسلمانو تم بھی اس کلیے کو پیش نظر رکھکر قوت افزا اور طاقت اندوز اعمال کی طرف لپک لپک کر پہنچو (فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ) اور تقرر قبلہ کے متعلق جو بات سب سے اہم اور مقصود خیر ہے یہ ہے کہ تم روئے زمین کے کسی گوشے میں ہو، اور کسی طرح بکھرے ہوئے ہو خدا تم کو اس کعبے سے مجتمع کردیا کریگا، اور دوسری قوموں کے بالمقابل تمہارے مجموعی رعب و وقار کو برقرار رکھیگا، جانے رہو کہ خدا ہر شئے پر قادر ہے۔" "الخیرات" کا مفہوم یہاں پر اسقدر اظہر من الشمس ہے کہ اسکے لئے کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

الغرض ان تمام آیات الٰہی کے غائر مطالعے کے بعد یہ مستنبط ہو جاتا ہے کہ "خیرات" کی جامع و مانع اصطلاح کا الٰہی مفہوم بھی حسنات کی طرح وہ اجتماعی انعامات ہیں جو صحیح حقیقی اقوام عالم کو انکے حسن عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہے جو اعمال ان انعامات ملنے کا پیش خیمہ ہیں وہ بھی از روئے قرآن "الخیرات" میں داخل ہیں خواہ انکی جزا اجتماعی انعام کی صورت میں عامل کی ضمن حیات میں ملے یا نہ ملے۔ اسلام کے رو سے سب سعی و عمل جماعت کی بہتری اور تقویت کیلئے ہی ہے جو عمل اس بنا میں اسطرح نتیجہ خیز نہیں وہ داخل حیات و حساب نہیں، جو جو دی قوم کی نیت سے کیا نہیں گیا وہ داخل سعی و عمل ہرگز نہیں۔ انفرادی جدوجہد اور جسمانی حسن عمل کا یہ وہ عالمگیر فلسفہ تھا جسکی صحیح تعلیم نے قرون اولیٰ کی اسلامی جماعت کے ہر فرد میں اضطراب عمل اس حد تک پیدا کردیا تھا کہ لوگ برسوں اور عمروں تک ایک امیر اور ایک نظام، ایک جماعت اور ایک مرکز کے ماتحت سر کھپا اور سخت سر پھر کر بھی اپنے آپ کو "استبقوا الخیرات" کا مصداق نہیں سمجھتے تھے، اور آج جبکہ وہ نبوی اور الٰہی درس ذہنوں سے قطعاً نکل چکا ہے، انحطاط عمل کی یہ حالت ہے کہ کسی علیک سلیک کو وظیفہ و تسبیح پر چند بار نام خدا رٹ رٹ کر "اسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ" کے مصداق اور جنت کے حقدار سے بیٹھے ہیں مگر یہ چند سطروں میں آج تک کہ اس بیت عمل کا نتیجہ عالم اسلام کے حق میں یہ بیست کن ثابت ہوا ہے کہ جہاں قرون اولیٰ کے مٹھی بھر مسلمانوں کو روئے زمین کی بادشاہت انعام میں ملی تھی وہاں جانے حال کے تسبیح پسند تسبیح برداروں اور "صالح العمل پارساؤں" سے سلطنتیں چھینی جا رہی ہیں اور ذلت و شکست سب طرف سے یوں لبیک کہہ رہی ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا! فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

٭ اس آیہ کریمہ اور متعدد آیات (۵۷ : ۱۱) اور (۲ : ۲۴۵) میں "قرضاً حسناً" کے الفاظ آئے ہیں۔ عوام نے اس سے مراد خدا کے نام پر بطور قرض حسنہ دینے کے لے لئے ہیں۔ ہم نے ترجمے میں ایک حد تک یہی صورت برقرار رکھی ہے لیکن اگر تامل سے دیکھا جائے تو یہاں پر تمام مال کی

اگر تم خدا کے لیئے اپنے مال کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کردو گے تو تمہارے ہی بھلے وہ اسکو چند در چند کردے گا، تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا، اور اللہ تو بڑا قدر شناس اور فراخ حوصلہ والا ہے جو کسی کی اُجرت روک کر نہیں رکھتا۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۷) کچھ خصوصیت نہیں اگرچہ "قرض" کا لفظ لگ رہتے گزرنے یہی معانی اختیار کر چکا ہے "قرض" کے اصل معنی کاٹنے کے ہیں، اور اس لحاظ سے "اِن تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اگر تم لوگ خدا کے لیئے اور اُسکی آقائی کو مدنظر رکھکر بہترین ٹکڑا کاٹ کر الگ کرو گے" تو خدا بھی اس حصے کو چند در چند کردے گا گویا اس احکم الحاکمین کی خاطر اگر انسان اپنے آرام کا، اپنی جان کا، اپنے مال و جائداد کا، اپنی محبوب اشیا کا بہتر سے بہتر ٹکڑا وقف کردے، اور اپنے پر تکلیف گوارا کرکے اسکی لڑائیاں لڑے تو یہ اسکی نوکری کی بہترین شہادت ہے۔ یہی بات سورۂ مزمل کے مفصلہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے جہاں زکوٰۃ، اور قرض حسنہ کو الگ الگ بیان کرکے اُنکے مطالب میں تفریق نمایاں کردی ہے

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا (۷۳ ، ۲)

تو ان وجوہ کی بنا پر (وجوہ کی تفصیل پر کسی موقع پر آئے گی)، جو حصہ اس قرآن عظیم کا تم آسانی سے مطالعہ کرسکو پڑھ لیا کرو اور الصَّلٰوۃ پر قائم رہو، اور ایثار مال کیا کرو، بلکہ خدا کے لیے اپنی ہر ملوکہ شے کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کردیا کرو۔

آیۂ زیر بحث میں "وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ" کے الفاظ بھی غور طلب ہیں، شکر کے معانی آج قطعاً مسخ ہوچکے ہیں ہر شخص دونوں ہاتھ اٹھاکر اس رسم کو ادا کردیتا ہے اور چند الفاظ منہ سے بڑبڑاکر سمجھ لیتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہوگیا۔ حالانکہ عام انسانی تعامل میں کیفیت قلب کا وجہ ہی سچا شکر ہے جو شخص دل سے اپنے منعم کی عطا کی ہوئی نعمت کی قدر کرے وہی شاکر ہے، اور منعم کا شاکر ہونا یہی ہے کہ وہ اپنے خادم کی خدمت کی دل سے قدر کرے۔ اس کیفیت قلب کے لیئے ظاہر ہے کہ کسی وقت کی تعیین، یا رسم کی پابندی ضروری نہیں، بلکہ پیہم قدردانی کرنا ہی سچا شکر ہے۔ ایک شخص اگر خدا کی دی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال کر رہا ہے، اُسکو برقرار رکھنے کے لیئے مسلسل سعی و عمل کرتا ہے، اُس سے متمتع ہونے میں کفایت کو ہر وقت مدنظر رکھتا ہے، اور دل سے خدا کی منعمیت کا مقر ہے تو وہ صحیح معنوں میں شاکر ہے خواہ وہ تمام عمر میں ایک بار بھی رسماً ہاتھ نہ اٹھائے برخلاف اِس کے جو شخص خدا کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، اُن کو برقرار رکھنے کے لئے حتی الامکان سعی نہیں کرتا، اُن کو حقیر سمجھکر پاؤں سے ٹھکرا دیتا ہے، کفایت کو پیش نظر نہیں رکھتا، یا ایک بیہودہ سا استغنا اختیار کرکے اُن کی بے قدری کرتا ہے، وہ اگر تمام عمر بھی ہاتھ اٹھائے رکھے، اور منہ سے نعتیہ الفاظ بڑبڑاتا رہے تو شاکر کے مقام تک نہیں پہونچ سکتا۔ مسلمانان عالم نے آج شکر کا مفہوم اسقدر غلط سمجھ لیا ہے کہ صرف الفاظ باقی رہ گئے ہیں اور خدائی مقصود باطل کردیا ہے۔ "وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خدا بھی اپنے بندوں کا شکر ادا کرسکتا ہے مگر ہاتھ اٹھاکر نہیں بلکہ اُن کی خدمات کی سچی قدردانی کرنے سے اور وقتاً فوقتاً ان کا صلہ دینے سے شکر کے اِن معانی کا قرآنی ثبوت جا بجا آگے چلکر (اور بالخصوص تیسری جلد میں) آئے گا۔

☆ یہ آیات شریفہ اگرچہ رسول خدا کے زمانے میں احبار اور رہبان کے خلق خدا کو لوٹ لوٹ کر بے اندازہ مال جمع کرنے کے متعلق آئی ہیں، مگر ہم نے اُن کا اطلاق اسلیئے عام کردیا ہے کہ آج مسلمانانِ عالم کے دلوں میں، اور قوموں کے بالمقابل، مال کی محبت اسقدر بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص کم و بیش اسکا مصداق ہو رہا ہے خود دینِ اسلام کے اندر اہل کتاب کے احبار اور رہبان کے بالمقابل لاتعداد ایسے سرگروہ پیدا ہوگئے ہیں جو اپنی نفسانی خواہشوں کو مدنظر رکھکر لوگوں سے روپیہ بٹورتے ہیں اور پھر اسکو خدا کی لڑائیاں لڑنے میں صرف نہیں کرتے اِنہی لوگوں کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں جیسا کہ انشا تیسری مجلد میں عیاں کردیا جائیگا۔

اور جو لوگ سونے اور چاندی کے ڈھیر لگائے رکھتے ہیں اور خدا کا نام بلند کرنے کی خاطر کچھ صرف نہیں کرتے، اُنہیں میری طرف سے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ روزِ قیامت کو یہی دولت جہنم کی آگ میں رکھکر تپائی جائے گی، اور پھر اس سے اُن کے ماتھے، اُنکی کروٹیں، اور اُنکی پیٹھیں داغی جائیں گی، اور اُنسے کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا تو آج اپنے ڈھیروں کے ڈھیر جمع کر رکھنے کا مزہ چکھو!

کیا مخالفین اسلام کی نظروں میں خلد بریں کی یہ ارزاں فروشی، اور ادائے قرض کے یہ دل خوش کن وعید، اُس خدائے غنی کے کامل غنا اور کمال تنعّم کے نقیض نہیں ہو سکتے تھے؟ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (۳: ۱۸۱)[1] کیا جو سید البشر اور سرور کائنات کے بارے میں زکوٰۃ و صدقات کے اِن نازک اور شکوک انگیز تقاضاؤں کے باعث، معاندین اُمت کی طرف سے طماع و حریص ہونے کا گمان نہیں ہو سکتا تھا؟ کیا راہ خدا کی بظاہر بے معنی اصطلاح کی آڑ میں انفاقِ مال، جُرمِ عشق کا کوئی خدائی تاوان، یا مذہبی کاروبار کا کوئی آلہی محصول تھا جو (العیاذ باللہ) کسی بُت پرست مجاور کی طرح، خدا کا گودڑی میں یہ مست رسولؐ ہر مسلمان سے وصول کر لیا کرتا تھا؟ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۹: ۱۰۴)[2] کیا خدا کی عبودیت کے اعتراف میں قربانیِٔ مال کا یہ وجوب و لزوم بنارس کے کسی مندر کے چڑھاوے یا نذر و نیاز قبور کی کوئی رسم تھی جو خدائے پاک نے اسلام میں گداگروں اور مفت خوروں کی اُمت کو ترقی دینے کی نیت سے وضع کی تھی؟ کیا دینِ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طالب جان و مال خدا (العیاذ باللہ) کسی برہمن کی جبینِ نیاز کیش کی غضب آلود دیوی، یا متھرا کے قشقہ نما اور زنار پوش مشرک کا کوئی

[1] اللہ نے اِن لوگوں کی بکواس سُن لی ہے جو تمہیں طنزاً کہتے ہیں کہ تمہارا اللہ تو محتاج ہے جو قرض مانگتا رہتا ہے اور ہم مالدار ہیں ہم اِنکی اِن گستاخیوں کو لکھ رکھیں گے، اور اِنکے پیغمبروں کے ناحق قتل کو بھی۔ پھر حشر میں ہمارے غضب کا دریا جوش مار رہا ہوگا ہم کہیں گے کہ اس بھسم کر دینے والے عذاب کا مزا چکھو۔

[2] کیا اِن لوگوں کو اِس بات کی خبر نہیں کہ اللہ اپنے غلاموں کی توبہ بھی ہر وقت قبول کرنے کیلئے تیار ہے اور اس توبہ کی تائید و تصدیق میں خیرات کا مال بھی لے لیتا ہے، اور وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم دل ہے۔

مہیب دیوتا تھا جو انسانی جان کی خوں چکاں قربانی، اور مال و زر کے ہلاکت آفرین جرمانوں کے بغیر مطمئن اور مسکن نہیں ہو سکتا تھا، اور جسکے نائرہ حرص و غضب کے تنور میں قیامت کے روز مسلمان عاصیوں کی پیشانیاں اور بدن داغے جانے کا وعدہ تھا! اور کیا یہ اسلام کے جابر و قاہر خدا کا تحکمانہ ظلم و ستم یا محض ایک بے سبب اور بے نتیجہ دراز دستی تھی جسکے رو سے وہ جنت کے پیش پا افتادہ وعدے کر کے، مومنوں کے جان و مال پر قابض ہو گیا تھا؟

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ[†] أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ (۹، ۱۱۱)

بیشک اللہ نے ایمان والوں سے اُنکی جانیں اور اُنکے مال اس وعدے پر خرید لیے ہیں کہ اُنکے بدلے انہیں آخرت میں جنت دیگا۔ یہ لوگ اب خدا کے نام کا ڈنکا بجانے کی خاطر دشمنوں سے لڑتے ہیں، ان کو قتل کرتے ہیں اور آپ بھی قتل ہوتے ہیں۔ یہ خدا کا پکا وعدہ ہے جو توریت اور انجیل اور قرآن میں ہر مومن کے ساتھ برابر چلا آیا ہے، اور خدا سے بڑھکر اپنے قول کا پورا اور کون ہو سکتا ہے۔ تو اے ایمان والو! اپنے اس سودے کی جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے خوشیاں مناؤ، اسی میں تمہاری بڑی کامیابی ہے۔ اس میں تم کو فلاح دارین ہے۔

آہ معاذ اللہ نہیں! اس تمام عجیب و غریب لین دین، اور محیر العقول ترغیب و تحریص سے خدائے بے نیاز کا مقصدِ وحید ساکنانِ عالم کو اپنی ناپیدا مثال ذات کا شیدا و مفتون بنا کر اُنکے دلوں میں

[†] "مومن" کی صحیح تعریف، اور "الجنۃ" کے حقدار بننے کی کامل شرائط اس آیہ کریمہ سے واضح ہیں۔ یہی شرائط بعینہ صفحہ ۱۲۵ کی آیات (۹، ۱۱۲) اور (۹، ۱۵۱)، اور صفحہ ۱۲۰ کی آیہ (۱۳، ۱۴۱) میں درج ہیں۔ اگر آج مسلمانانِ عالم نے اپنے نفس کو دھوکہ دے کر کوئی اور شرطیں وضع کر لی ہیں تو اس سے قانونِ خدا میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس خوش اعتقادی کے بدلے جنت "الجنۃ" مل سکتا ہے، خواہ لوگ ہزاروں برس تک یہ سبز باغ اور خوش کن خواب پڑے دیکھا کریں۔ شرط پوری جان اور سارے مال کے ایثار کی ہے، نہ یہ کہ تھوڑی سی تکلیف برداشت کر کے یا چند پیسے نار وا طور پر خیرات کر کے ایک مکر سا مال لیا جائے، جیسا کہ بالعموم ہر مسلمان نہایت التزام سے کر رہا ہے۔ "فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ان دونوں کتابوں پر عمل کرنے والی مجاہد اقوام بھی صحیح معنوں میں مومن اور جنت کی حقدار ہو سکتی ہیں۔

درد پیدا کرنا تھا! اپنی محبت اور اپنے تعلق سے وہ دارائے عالمیان، انسان کے غرض مند اور انعام طلب قلوب میں ایک اولوالامر کا خوف، اور ایک منعم اعلیٰ کا ڈر بٹھلانا چاہتا تھا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۷: ۵۴)[1] وہ باشندگانِ روئے زمین کا ایک حاکم کل اور ایک بادشاہ حقیقی سے لگاؤ پیدا کر کے، اُن کے اعتقادات اور معاملات میں، اُن کے اعمال و افعال میں مشترک عبودیت کا تذلّل اور عام نیازمندی کا عجز دیکھنا چاہتا تھا، اور پھر اس عجز و نیاز کی حوصلہ افزائیں، اور حیات انگیز تڑپ سے چاردانگ عالم میں، اِس گنبدِ افلاک کے نیچے، توحید کا نغمۂ مستطیر اور حقانیت کا ہنگامۂ عظیم پیدا کرنا چاہتا تھا!

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۗ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ (۶۳: ۷)

یہی منافق تو وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو بہکایا کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی تائید و تقویت میں جو رسول خدا کے گرد جمع ہو گئے ہیں اپنا مال نہ خرچ کیا کرو۔ جب روپیہ پیسہ ان لوگوں کے پاس نہ ہوگا تو عاجز آ کر آپ ہی تتر بتر ہو جائیں گے۔ یہی انکی قوت کا راز ہے۔ آہ لیکن منافقین نہیں سمجھتے کہ مال انکی قوت اور اجتماع کا راز نہیں، اور نہ خدا کو اسکی ضرورت ہی ہے، کیونکہ زمین و آسمان کے خزانے اسی کے ہیں!

آہ یہ بھی نہیں! اُس صاحب جلال خدا کو جسکی سطوت اور جبروت میں، جسکے حاکمانہ رعب و وقار میں، جسکی طاقت اور حکومت میں، روئے زمین کے تمام انسانوں کی سرکشی اور متفقہ انکار بھی ایک سرِ مُو فرق نہیں لا سکتی: وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝ (۱۴: ۸)[2] فی الحقیقت یہ منظور تھا کہ درد دل کے اس دائرۂ عمل میں، اور مشکلات و محن کی صبر آزما مجسمر میں، وہ ہر مومن کے قلب کو دنیا کی

---

[1] لوگو! سُن رکھو کہ تمام کائنات جہاں اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اُسکے حکم کے ذریعے سے سب کچھ ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے۔ پروردگار عالمین درحقیقت بڑا صاحب برکت ہے۔

[2] اور موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اگر تم اور جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ملکر بھی خدا کی نافرمانی کریں تو خدا کو ذرا بھی پرواہ نہیں وہ بے نیاز ہے اور ویسا ہی سزاوار حمد رہیگا۔

خطرات اور بدنی مصائب کے خوف سے پاک کرکے اُن میں صبر و انگیز کا کشور کشا نور اور قوت کی جلا پیدا کرے۔ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝[۱۵۱] (۳ ۱۴)، وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝[۱۵۲] (۳ : ۱۵۳)، وہ ہر مسلمان کے دل کو توحید کے مشترک مرکز پر لا کر ان کی جماعت میں وحدت و استحکام کا دستور العمل پیدا کرنا چاہتا تھا: وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝[۱۵۳] (۸ : ۱۱)، وہ اپنی ذات پر کامل ایمان، اور اپنے جاہ و منصب کے سچے خوف سے اُمت کے ہر فرد میں استقلال کا نظم و نسق، اور اتحاد عمل کا طریق کار دیکھنا چاہتا تھا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝[۱۵۴] (۳ ۱۵۹)، وہ ایمان کے جرات انگیز ولولوں، اور مقام خدا کے ہمت آفرین تذکروں سے اسلام کے ہر متنفس میں مقابلے کی ناقابل تسخیر روح اور ثبات کا ناقابل شکست

---

۱۵۱ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو خالص بنا دے اور خدا کے وجود میں شک و شبہ کرنے والوں کو ملیامیٹ کر دے۔

۱۵۲ اور اس غزوۂ احد میں تم کو ہزیمت میں یہ مصلحت تھی کہ خدا اس ایمان کو جو تمہارے سینوں کے اندر چھپا ہوا ہے آزمائے، اور دیکھے کہ ما خ ہزیمت کے خدا پر یقین رکھنے والا کون ہے، اور تمہارے دلوں کو ڈر اور وسوسوں، خوف مصائب اور خطرات سے پاک صاف کرنے اور جانے رہو کہ خدا سینوں کے حالات سے خوب واقف ہے، جب تک تمہارے دلوں میں وساوس اور خدا کے متعلق شکوک ہیں فتح تمہارے قدموں کو نہیں چوم سکتی

۱۵۳ اور خدا یہ چاہتا ہے کہ تائید غیبی کے حوصلہ افزا، اور جامع القلوب اثر سے شیطان کی آلائش (یعنی نفاق) کو تم سے دور کر دے اور تاکہ تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ کر مضبوط کر دے، اور پھر اس اتحاد کے ذریعہ سے تمہارے پاؤں میدان جنگ میں جمائے رکھے

۱۵۴ اے ایمان والو اُن اجتماعی تکالیف کا جو تمہیں پیش آئیں سختی سے مقابلہ کرو، اور ایک دوسرے کو مقابلہ کرنے کی تلقین کرتے رہو، اور ایک دوسرے میں گھل کر ایک ہو جاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہا کرو تاکہ دشمن کے مقابلے میں تم کامیاب ہو جاؤ

✤ اس آیۂ کریمہ میں "ایمان" کی بعض اہم شقیں بتلادی گئی ہیں۔ گویا مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا "ایمان" ہے۔ (اِصْبِرُوْا) جماعت کے اعضا کے مابین استقلال کا ماحول پیدا کرنا "ایمان" ہے (وَصَابِرُوْا) اور سب سے اہم یہ کہ کامل اور باہمی اتحاد پیدا کرنا بھی "ایمان" کا جزو اعظم ہے، (وَرَابِطُوْا)۔ جس قوم کے اندر یہ عظیم الشان خاصیتیں موجود ہیں، وہ خدائے عظیم کے ایک اہم حکم کو مان رہی ہے، اور وہی سب سے اس کے اٹل قانون کے موجب کامیاب ہو رہی ہے (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) گویا یہاں پر بھی "تُفْلِحُوْنَ" سے مراد دنیاوی فلاح ہی ہے، اُخروی فلاح کا یہاں ذکر نہیں۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اس استقلال، تلقین صبر، اور اتحاد کو "اتقائے خدا" پر محمول کیا گیا ہے (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) گویا وہی قوم "متقی" ہے جو فی الحقیقت خدا سے، اس کے قانون سے، اس کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے جس میں استقلال ہو، ایک دوسرے کو مستقل بنانے کی اہلیت ہو، اور متحد رہنے کی صلاحیت موجود ہو۔ فرقہ بند اور ڈرپوک قوم خدا سے قطعاً نہیں ڈرتی کیونکہ وہ اس کی سزا سے بے خوف ہو چکی ہے اور اسی لئے "متقی" کہلانے کی اہل نہیں۔

"اتقا" کے یہ معانی بالصراحت دو اور آیتوں سے جو مقدمہ کتاب میں صفحہ ۴۹ و ۹۷ پر گذر چکی ہیں ثابت ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں کو اس خدائی معاملے سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

جذبہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

(۸ ۴۵)؛ وہ اپنی لاشریک اطاعت اور بے ریا عبادت کے آلۂ عمل سے مسلمانوں کے ارادوں میں قوت، حوصلوں میں افزایش، نیتوں میں صداقت، اور پائے عمل میں ثبات دیکھنے کا متمنی تھا؛ وہ اسلام کی دنیاوی شوکت واحتشام اور مادی ارتقا وعروج کو روحانیت کے بے امان ہتیاروں، اور اخلاق کی اٹل قوتوں سے حاصل کرانا چاہتا تھا، اور اُمت کے اس اجتماعی اور انتلافی غلبے کو ہر مدعی ایمان کا واحد منتہائے نظر، اسکی فلاح ونجات کا اٹل ضابطۂ عمل، اُسکے تقوے اور عبادت کا صحیح معیار، اسکے کفر وشرک کی سچی محک، اسکی جزا وسزا کا قطعی مدار قرار دیتا تھا!

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ (۱۴ ۲۷)

اللہ ایمان والوں کو اپنے پکے قول کے ساتھ اِس دنیا کی زندگی میں خوب جما کر رکھتا ہے اور آخرت میں بھی اُنکو خوب جما کر رہیگا۔ لیکن کچے ایمانداروں اور بزدلوں کو جو اُسکے احکام کی متابعت نہیں کرتے وہ حفظ وامن کی راہ سے ڈگمگا دیتا ہے، اور خدا تو وہی کچھ کرتا ہے جو مناسب سمجھتا ہے

---

۹۵ اے ایمان والو! جب دشمن کی کسی فوج کے بالمقابل تم صف آرا ہو جاؤ تو ثابت قدم رہا کرو، اور اُسوقت خدا کا دھیان اور بھی زیادہ دل میں رکھو تاکہ تمہارے حوصلے بڑھیں، اور بالآخر تم دشمن کے بالمقابل کامیاب ہو جاؤ۔

٭ یہاں "ایمان" کو بہر دشمن کے بالمقابل ثابت قدم رہنے پر محمول کیا گیا ہے۔ "وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا" کا مقصود یہ ہے کہ جب تم دشمن کے بالمقابل ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ تو اُس حاکم اعلیٰ کا خیال دل میں لاؤ جس کی ماتحتی میں تم لڑ رہے ہو۔ پھر جس طرح ہر سپاہی کو اپنے سپہ سالار کی یاد، اُسکے انعاموں کی یاد، اُسکی سزاؤں کی یاد میدان جنگ میں اور بھی مستعد کر دیتی ہے اسی طرح تم بھی مالک زمین وآسمان کی یاد کر کے اپنی ہمتوں کو بڑھاؤ تاکہ تم دشمن پر فتح پاؤ (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ)۔ گویا یہاں بھی تُفْلِحُونَ سے مراد دنیاوی فتح ہے، اُخروی فلاح مراد نہیں۔ اور "وَاذْكُرُوا كَثِيرًا" سے مقصود یہ ہے کہ گھر بیٹھے تسبیحوں پر خدا کا نام بڑبڑاتے رہو تاکہ قیامت کے دن فلاح پاؤ جیسا کہ بعض نادانوں نے سمجھکر آیات الٰہی کو بے ربط اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ (۱۵ ۹۱) صفحہ ۴۷) کے مصداق بن گئے ہیں۔

٭ عجیب وغریب تاویلیں شارحین قرآن نے اس آیہ شریفہ کے مطالب میں اپنے پاس سے بنالی ہیں بجائے خود ایک تسخر۔ بعضوں نے قول ثابت کو کوئی اسم اعظم فرض کر لیا ہے، بعض نے ایک ربانی سا ایمان، لانا فرض قرار دیا ہے، بعضوں نے عالم اسلام کی موجودہ زبون حالی، اور خدا کے اس اٹل وعدے میں اختلاف دیکھکر تثبیت کے معنی روحانی ثابت قدمی بنالیئے ہیں، حالانکہ "ایمان" کی اُن کڑی شرطوں سے جو یہاں ہوئیں ظاہر ہے کہ جس قوم میں وہ خصائص موجود ہوں اُسکا اس دنیا میں جم کر رہنا، مضبوطی اور قوت سے بسر کرنا، علی الرغم عدو غالب آکر رہنا اٹل ہے۔ یہی حقیقت بعینہ اس آیہ کریمہ میں عیاں کر دی گئی ہے، اور جتلا دیا ہے کہ صاحب ایمان قوم کا اس دنیا میں تمکن اور استخلاف فی الارض قطعی ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۳) اور آخرت میں بھی اسی کا اول بالا ہے۔ گویا اس آیت اور آیۂ "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ" کا مضمون ایک ہی ہے جو صفحہ ۷ پر گذر چکی ہے۔

"روحانی ثبات قدمی" جس کا ذکر آجکل کے مسلمان بس شد و مد سے کرتے ہیں ایک پادر ہوا اور بے معنی سی بات ہے "تُثَبِّتُ" کا لفظ قرآن کریم میں جہاں کہیں آیا ہے اسی مادی تمکن اور دنیوی استقلال کے لئے آیا ہے دو مثالیں اصل کتاب میں ابھی ابھی گذر چکی ہیں یعنی "تُثَبِّتُ بِهِ الْاَقْدَامَ" (۸ : ۱۱) اور "اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا" (۸ : ۴۵)۔ دو اور پیش کردی جاتی ہیں۔ سورۂ انفال میں ہے:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ (۸ : ۱۲)

اے محمدؐ! یہ وہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار، تمہارا سپہ سالار اعظم خدا ملائکہ کی فوج کو حکم دے رہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو تم ایمان والوں کے پاؤں میدان جنگ میں جمائے رکھو، ان کے حوصلوں کو دو چند کردو، ان کے استقلال کو اور بھی مضبوط کرو، ہم عنقریب منکرین کے دلوں میں اسی مٹھی بھر مسلمانوں کی دہشت ڈال دینگے، تو مارو ان کی گردنوں پر کہ چور چور ہو جائیں، اور لگاؤ ان کی پور پور پر کہ ان سے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

ملٰٓئکہ کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ "فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" سے مقصود ارضی تغلب اور تمکن ہی ہے روحانی استقلال کا کچھ ذکر نہیں۔ یہی الفاظ قریب قریب زیر بحث آیت میں استعمال ہوئے ہیں دوسرا موقع سورہ نحل میں ہے

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶ : ۱۰۲)

اے محمدؐ! تم علی الاعلان کہدو کہ اس قرآن عظیم کو روح القدس میرے پروردگار کے ہاں سے لیکر اسلیے اترا ہے کہ جو لوگ اسکے احکام پر ایمان لائے ہیں ان کو اس دنیا میں مضبوطی سے، اور جما کر رکھے اور تاکہ یہ قانون جلیل تسلیم کرنے والوں کو صحیح راہ عمل دکھائے (ھُدًی)، اور اُن کو اجتماعی سلامتی اور حفاظت کی بشارت دے (بُشْرٰی)

"روح القدس" کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں صفحہ ۱۸ کے تحت المتن میں پیغمبران خدا کی بشارت کی نوعیت واضح کردی گئی ہے اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ یہاں بھی "لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ سے دنیاوی ثبوت اور استقلال ہی مراد ہے۔ "روحانی ثبات قدمی" کی ترغیب پیش کرنا منکر قوم کے لیئے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ دنیاوی خوشحالی کا لالچ ہی وہ شے ہے جو ہر مخالف کو ماننے پر مجبور کرسکتا ہے۔

"قول ثابت" کے الفاظ جو زیر بحث آیت میں آئے ہیں، ان سے مراد وعدہ خدا کی توثیق ہی ہے اور کچھ نہیں۔ ضمناً اس آیت سے "يُضِلُّ" کے معانی بھی صاف ہو گئے کہ یہ "يُثَبِّتُ" کی ضد کے طور پر آئے ہیں۔ گویا اس دنیا کی زندگی میں مضبوطی اور تمکن سے نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ "ظالمین" کا لفظ پھر یہاں استعمال ہوا ہے۔ اس سے پیشتر صفحہ ۱۲۰ کے متن کی آیت (۳ : ۱۳۹) میں ہوا تھا وہاں پر بھی "ظالمین" سے مراد بے ایمان والے ہی ہیں کیونکہ جو لوگ اپنے ایمان کی کمی کی وجہ سے دشمن سے شکست کھا جائیں وہ فی الحقیقت اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے ہیں آج "ظلم" کی قرآنی اصطلاح کے معانی بالکل بدل چکے ہیں لیکن آیندہ مجلدات میں وقتاً فوقتاً اسکے مختلف مفہوم بیان کرنے جائینگے مقدمۂ کتاب میں "ظالم" قوم کے متعلق قرآنی محاکمہ پیش کیا گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ ظالم قوم اجتماعی ہلاکت لیتی ہے (دیکھو صفحہ ۱۸ آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷)) گویا "يُضِلُّ" اور "ظالمین" کا تعلق ظاہر ہے۔

"مَتَّعْنَا" کے معنی ہم نے "مناسب" سمجھا کیے ہیں لیکن اسکا ثبوت فلسفۂ عمل (حاشیہ تفسیری مجلد) میں آئے گا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۳ ۱۱-۱۴)

اے ایمان والو! مقام خدا سے ڈرتے رہا کرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اُسکے احکام کے آگے ہر دم سر تسلیم خم رکھو، اور مرتے دم تک سر تا پا تسلیم بنے رہو۔ اور سب ایک دوسرے سے گھل مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور منتشر نہ ہو جانا اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے برخلاف عداوتیں اور کینے بھرے پڑے تھے، پھر خدا کو اپنا سمجھا آقا مانے کے باعث اُس نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے، پھر تم اسکی اس نعمت کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔ تم اِس سے پہلے اسقدر بکھر چکے تھے کہ گویا آگ کے گڑھے کے کنارے جا لگے تھے، پھر اُس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اِس طرح خدا اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیئے جو صرف اسی اتحاد (الخیر) کی دعوت دے، اِسی عظیم القدر نیکی (المعروف) کی تلقین بالتخصیص کرتا رہے، اور تفرقے کی مکروہات (المنکر) سے باز رکھتا رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم اس دنیا میں کامیاب کرینگے۔ اور دیکھو ہم پہلے ہی کہے دیتے ہیں کہ اُن جیسے نہ بن جانا جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے، اور جنہوں نے خدا کے کھلے کھلے احکام آنے پیچھے بھی آپس میں فرقہ آرائیاں اور اختلاف قائم کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم دردناک عذاب دینگے۔

کیفیتِ اتقا

صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

(ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرو، اور باہم ملکر ایک تحاد مار رہو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ کامیاب ہو جاؤ)

جامع القلوب خدا کی نظروں میں ایک مدعیٔ ایمان کا صحیح **تقویٰ** اسی کامل **مصالحت** اور

۞ ان آیاتِ قرآنی کے مطالب نہایت قابل غور ہیں۔ اصل کتاب میں سیاق کلام کو پیش نظر رکھکر ایک مربوط ترجمہ کر دیا گیا ہے مگر چند ایک باتیں خاص طور پر لائق ذکر ہیں جو یہاں بیان کر دی جاتی ہیں۔

اوّلاً:- اعتصام بحبل اللہ، اور جماعت کے کامل اتحاد کو پھر تیسری ملکہ چوتھی بار اتقائے خدا پر محمول کیا گیا ہے۔ پہلی مثالیں صفحہ ۹۴، ۹۷

اتحاد (لَا تَفَرَّقُوْا (۳ ۱۰۳)) کا مسلک عمل تھا۔ یہی وہ سچی ہدایت (لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ (۳ ۱۰۳)) اور یقینی فلاح (اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۳ ۱۰۴)) تھی جسکا حاصل کرنا ہر مسلمان کا منتہائے سعی اور مقصد حیات ہو سکتا تھا۔ خدائے برتر کی صحیح معنوں میں عبادت (غلامی)، اور اُسکے جاہ و منصب کے سچے خوف (تقویٰ) کا صحیح نتیجہ بھی یہی ہو سکتا تھا (اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (۳ ۱۰۲)) کہ ایک مقتدر حاکم کے کئی ملازموں کی مانند، اُسکے بندوں میں تالیف قلوب کے جذبات، اور اخوت و مساوات کے اصول قائم ہو جائیں (فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۵) اور ۱۴۶ پر گذر چکی ہیں گویا کسی قوم کا بالاجماع قانون خدا (حَبْلِ اللّٰهِ) کو مضبوط پکڑے رکھنا اور آپس میں فرقہ بندی نہ بننا ہی "اتقائے خدا" ہے۔ وہی قوم فی الحقیقت شدید العقاب خدا کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے، وہی اسکی عالی مقامی اور طاقت انتقام سے ڈر رہی ہے جو آپس میں اختلاف پیدا کرکے اپنے آپ کو کمزور نہیں کرتی۔ کیونکہ فرقہ بندی کا اٹل نتیجہ شکست ریخت ہے اور یہ قانون اسقدر عالمگیر ہے کہ اسکا اطلاق ہر جا اور ہر وقت ہو رہا ہے، کوئی امت یا گروہ اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا جب ایک حاکم اعلیٰ کا ڈر دل میں بس رہا ہے، رعیت کے افراد آپس میں لڑ جھگڑ نہیں سکتے جب تک کئی غلام ایک مقتدر آقا کی غلامی (عبادت) کر رہے ہیں اُن کا ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہونا محال ہے۔

ثانیاً۔ ائتلاف قلوب کو نعمت خدا کہا گیا ہے اور "اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ" کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں اگرچہ بادی النظر میں اس جملے کے معنی یہی ہیں کہ "خدا نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت کی راہ و رسم پیدا کر دی" لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس ائتلاف کا واقع ہونا خدا کا کوئی غیبی، استبدادی یا تقدیری فعل نہ تھا جیسا کہ آجکل کے مسلمان نہایت تن دہی سے اعتقاد رکھتے ہیں، اور بلا سعی و عمل اسکے پھر واقع ہونے کے منتظر رہتے ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُس ایک خدا کی عبودیت ہی تمہارے اتحاد کا باعث ہوئی۔ تم نے اسکو صحیح معنوں میں آقا اور حاکم اعلیٰ مان لیا، اور پھر اُسکے سچے خوف و اتقا کے باعث تمہارے دل آپس میں جڑ گئے گویا اتحاد کا واقع ہونا ایک مسبب بالاسباب فعل تھا جس کا بالواسطہ محرک خدائے عظیم کا صحیح معنوں میں ڈر تھا۔

ثالثاً۔ باہمی تفریق اور اختلاف کو "عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ" کہا گیا ہے یعنی جس قوم میں باہمی عداوتیں اور کینے رونما ہیں وہ جہنم کے کنارے پر کھڑی ہے۔ یہاں پر فرقہ آرائی کو "النَّار" سے تعبیر کرنا ازبس معنی خیز ہے۔ گویا اجتماعی ضعف اور عدم اتحاد ہی دنیا کا سب سے بڑا جہنم ہے جن خوش اعتقاد مسلمانوں نے قرآن کے لفظ "النار" کو خالصۃً اُخروی جہنم سمجھا ہے اُن کے لئے یہ الفاظ نہایت غور طلب ہیں لیکن ان آیاتِ الٰہی میں سے زیادہ غور طلب آیت "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ" (۳ ۱۰۴) ہے جو بات لائق دریافت ہے یہ ہے کہ "دعوۃ الی الخیر"، "امر بالمعروف"، اور "نہی عن المنکر" کا صحیح مفہوم کیا ہے، اور وہ کیا شے ہے جسکی تبلیغ و تلقین کے لئے ایک جماعت قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ادنیٰ سا تامل بھی ہر صاحب عقل کو اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ "الخیر" اور "المعروف" کا صحیح مفہوم اس آیت میں اصلاح و اتحاد اور صرف اتحاد ہی ہے، اور اسی نقطہ نظر سے ان الفاظ پر الٔ تخصیصی واقع ہوا ہے، اور چونکہ پیشتر اور بعد کی آیات میں اتحاد کی خوبیاں اور اختلاف کی برائیاں ظاہر کی گئی ہیں اور یہ آیت اُن کے درمیان گھری ہوئی ہے اِس لئے خدائے علیم نے عالم اسلام کے لیے ایک ایسی جماعت بنانے کا حکم دیا ہے جو سب اُمت کو اتحاد کی دعوت بالتخصیص دیتی رہے، اور انکو تفرقے کی مکروہات (المنکر) سے دم بدم باز رکھے۔ اِس مطمح نظر کے ماسوا یا اس سے کم درجے میں حتماً اس آیت کا اور کچھ مطلب نہیں۔ کلام الٰہی کو مربوط اور مدلل تسلیم کرنیوالوں کیلئے اسکے سوا کسی اور نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں۔

مسلمانان عالم اور شارحین قرآن نے اس آیت کا مفہوم قطعاً غلط سمجھا ہے، اور "الخیر" و "المعروف" کے معنی عام کرکے عالم اسلام کو ایک غلط

اخَوَانًا (۳: ۱۰۳)؛ وہ سب کے سب یکجان و یک زبان ہو کر اُسکی حکومت کے ہر آن شاہد، اور اُسکی بارگاہ عالیہ سے
بہرحال مرعوب رہیں: وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (۲۳: ۶۰)؛ وہ اللہ کو ہر وقت
اپنے ذاتی مناقشات میں حاضر و ناظر، اور ہر حالت میں نگرانِ اعمال یقین کر کے اُسکے رُعب و وقار کا احترام،
اور احکام کا پاس کرتے رہیں: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ

سلہ خدا سے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو باوجود اسکے کہ جو کچھ اُن کے پاس ہے اعلائے کلمۃ الحق میں صرف کر دیتے ہیں، مگر اُنکے دل اندر سے ہلتے رہتے ہیں کہ اُنھوں نے ابھی تک ان خدا کے حضور میں جوابدہی کے لئے کتنا [illegible] رکھا ہے (اور ممکن ہے کہ خدمت خدا کا حق ادا نہ ہوا ہو!)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۶) اور جہل، نامعلوم اور نامحدود رستے پڑ گئے ہیں۔ مطالب کی اس عام افراتفری میں حالت آج یہ حالت ہو گئی ہے کہ اسلامی جماعت کے ہزار در ہزار گروہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کے ظاہری ادّعا کی آڑ میں ہر طرف پھیلے ہوئے خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں، اور کسی مسلمہ پیش نہاد نہ ہونے کے باعث ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو کر اسلام کی رہی سہی قوت کو اور بھی منتشر کر رہے ہیں۔ ہر گروہ اپنے آپ کو 'داعی الی الخیر' کا خطاب دیکر جماعت میں تفریق و انتشار پیدا کر رہا ہے۔ سب کے سب اپنی اپنی ہٹ، دھرمی اور ضد کے باعث مختلف رستوں پر نہایت کبر و تحکم سے جا رہے ہیں، اور اپنے زعم میں خدا کے ایک اہم حکم کی تعمیل کر رہے ہیں! جو حیرت انگیز تفرقہ مذہبی ان گروہوں کی متخالف اور متقابل تعلیم و تلقین سے پیدا ہو رہی ہیں سچ ہے خود خدائے عظیم کے مقصد اصلاح و اتحاد اور اس آیت کے منشائے نظر کو باطل کر رہی ہیں۔ وہ 'اعتصام بحبل اللہ' اور 'ائتلاف قلوب'، اور 'اخوّت'، جو 'امر بالمعروف'، اور 'نہی عن المنکر' سے مطلوب تھی یکسر قلم مٹ رہی ہے۔ ہر گروہ اپنی اپنی دُکان سجائے سر بازار بیٹھا ہے اور حتی الوسع چرب زبانی اور لفاظی سے کام لیکر بے وقوف اُمّت کے گاہکوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے!

اگر بنظر تعمق اس آیت مسلسلہ کے مضمون کی طرف دیکھا جائے تو عیاں ہو جاتا ہے کہ رب کون و مکان تعالیٰ نے تمام عالم اسلام کیلئے صرف ایک گروہ اور ایک جماعت ہی کو 'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کے لیے تجویز کیا ہے، نہ دس بیس مختلف گروہوں کو۔ جو 'وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ' کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پس لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے عالم آرا، ایسے یکتا اور منتخب گروہ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا ہے کہ تمام مختلف ممالک کے مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم رکھے، اُن کو اعتصام خدا کی دعوت دے، اُن کے اختلافات کو وقتاً فوقتاً دور کرتا رہے، ان میں تفرقہ نہ پیدا ہونے دے، سب دنیائے اسلام کو صرف ایک مقصد وحید، ایک مطمح نظر اور ایک راہ عمل کی طرف لیجائے۔ وہ گروہ جو کسی مقتدر نظام کے ماتحت کام کر رہا ہو، اور تمام مسلمانوں کا صحیح معنوں میں قائم مقام ہو۔ ایسا گروہ تاریخ شاہد ہے کہ قرن اوّل سے قطع نظر مسلمانوں نے آج تک نہیں بنایا اور اسی لئے میرا یقین ہے کہ اُمّت مرحومہ اس آیت کریمہ کے خدائی مطالب کی تعمیل کرنے سے قطعاً قاصر رہی ہے!

اس گروہ کے متعلق 'وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ' کا ارشاد ہے۔ 'فلاح' کے معانی قرآن کریم میں دنیاوی کامرانی کے بھی ہیں جیسا کہ کئی ایک مثالوں سے جو پیشتر دی گئیں ظاہر ہے۔ گویا خدا فرماتا ہے کہ یہی وہ گروہ ہے جو فلاح دارین حاصل کرے گا اور اُمّت کو صحیح معنوں میں قوت دیگا۔ آگے چلکر ورنہ اُمّت کے لیئے، 'وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ' کہا گیا ہے۔ گویا یہ عذاب بھی دنیاوی ہی ہے جو ہر اختلاف زدہ اُمّت کو دنیا میں ملتا ہے۔ 'اُولٰٓئِكَ' کا تکرار بھی لامحالہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ 'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کا مفہوم دنیائے اسلام کو ایک مقصد و منتہا پر قائم و متحد رکھنا ہی ہے اور وہ جس نہاد دنیوی قوت اور تمکن ہے اسکے ماسوا کچھ نہیں۔

لیکن اس تمام خارجی استدلال سے صرف نظر کر کے قرآن حکیم کے الفاظ میں داخلی غور و فکر بھی اس نتیجے کی طرف راغب کرتا ہے کہ 'الخیر'، 'المعروف'، اور 'المنکر' کے الٰہی مطالب وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ 'الخیرات' کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مختصر بحث ابھی ابھی صفحہ ۱۲۵ کے

رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ؁ (۵۸ ۷)؛ وہ اسکی محتسبانہ رقابت میں سب جزوی معاملات اور فرعی مختلفات کو بالائے طاق رکھکر اُسی کی خدمت و اعلا میں ہمہ تن مصروف ہوجائیں؛ وہ اس احکم الحاکمین سے

؁ اے انسان کیا تو نے اس حقیقت پر کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ تو جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہو رہا ہے اسکا علم رکھتا ہے جب تین شخص آپس میں صلاح و مشورہ کرتے ہیں تو بہر حال چوتھا وہ ہوتا ہے، اور پانچ ہوں تو چھٹا وہ ہوتا ہے، اور اس سے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں وہ اُن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ پھر جو کام یہ آج کر رہے ہیں اُن کو روز قیامت کو موجود ملا دے گا، لوگو! درحقیقت خدا ہر چیز سے واقف ہے!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۷) تحت المتن میں ہو چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے اتحاد کے اجتماعی عمل کو یہاں پر لفظ الخیر سے یاد فرمایا ہے (يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ)۔ المعروف اور معروف کے الفاظ بھی کلام الٰہی کے اندر بالالتزام دو شخصوں یا فریقوں کے درمیان مصالحت یا صورت اصلاح و اتحاد پیدا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خاوند اور عورت کے باہمی تعلقات کی کشیدگی کے بارے میں ہے: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا (۲ ۲۳۱)، "جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور اُنکی عدت پوری ہونے کو ہو تو یا طلاق کا ارادہ فسخ کر کے اُنکو پوری صلح صفائی سے (بِمَعْرُوفٍ) پھر زوجیت میں رکھ لو، یا اُن کو مصالحت سے رخصت کرو، اور دکھ دینے کی نیت سے اُنکو نہ رکھو کہ بعد میں زیادتی کرو"۔ یہی مضمون اس آیت میں پہلے بھی ہے: فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (۲ ۲۲۹)؛ یعنی "یا صلح صفائی کے ساتھ پھر زوجیت میں لے لینا، یا حسن اسلوبی سے رخصت کر دینا"۔ ایک آیت پہلے پھر اسی مضمون کی تصریح ہے وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۲ ۲۲۸)، یعنی "اور اگر اُنکے خاوند مصالحت کرنا چاہیں تو اُن کو پورا حق ہے کہ اس اثنا میں اُن عورتوں کو پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لیں، اور اس صورت میں جس طرح پر مصالحت اور صلح صفائی سے رہنا عورتوں پر لازم ہے (عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ) اسی طرح پر مردوں کی طرف سے عورتوں کے ساتھ (لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي) مصالحت کا سلوک کیا جانا بھی لازم ہے"۔ اسی رکوع میں مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ (۲ ۲۳۲)، یعنی "طلاق ہو چکنے پیچھے تم ان عورتوں کو منع نہ کرو کہ سابق خاوندوں سے نکاح کر لیں اگر دو فریق آپس میں مصالحت اور اتحاد پر (بِالْمَعْرُوفِ) راضی ہو گئے ہوں"۔ آگے چلکر، دودھ پلانے کی اُجرت کے بارے میں ہے، وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۲ ۲۳۳)، "اور باپ پر لازم ہے کہ اسی رنجش کے بغیر مطلقہ ماؤں کو صلح صفائی کے ساتھ کھانا اور کپڑا دے"۔ اور اگر والدین دودھ پلانے کا باہمی سمجھوتہ ہو جائے تو فرمایا ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ (۲، ۲۳۳)، یعنی "اس صورت میں دایہ سے دودھ پلوالینے میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ ماں کو دینا کیا تھا صلح صفائی کے ساتھ دے"۔ رانڈ عورتوں کے دوسرے بیاہ کے بارے میں ہے فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۲ ۲۳۴)، "پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو نیک نیتی اور صلاح روی سے (بِالْمَعْرُوفِ) جو کچھ دوسرے بیاہ کے بارے میں اپنے دل میں ٹھان لیں اسکی پرسش تم وارثان میت سے کچھ نہیں، اور اسی لئے تمہیں اس فعل سے واسطہ نہیں جو چاہیں اُن کو کرنے دیں"۔ اس موقع پر المعروف سے مراد رانڈ عورت کا صلاح روی کے ساتھ دوسرا بیاہ کرنا ہے اور یہ کہ اُٹھے اور وہ وطیرہ اختیار کرے جس سے خاندان کی ناموس برباد ہو اور خانگی فساد کی صورت پیدا ہو۔ گویا یہاں بھی مقصود اصلاح و اتحاد، اور فساد کو مٹانا ہی ہے۔ شادی شدہ باکرہ عورتوں کو شب زفاف سے پیشتر طلاق دینے کے بارے میں ارشاد ہے کہ کچھ گناہ نہیں مگر ہاں اُن کو بطور احسان کے کچھ دے دینا چاہئے عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝ (۲ ۲۳۶)، "مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق اور بے مقدور اپنی حیثیت کے موافق۔ تم اسکو ایک زمانہ

پاس ادب اور لحاظ سے دلوں کے بغض اور سینوں کے حسد نکال کر باہم گرمتحد اور متفق ہو جائیں؛ وہ دانائے نہاں و آشکارا کی متجسسانہ دانش اور متفحصانہ بینش کا کامل یقین کر کے، دلوں کی تہ کے سر اثر دخفایا کو آلائش گناہ سے قطعاً پاک صاف کر دیں مخلص اور عقیدتمند خواجہ تاشوں کا اپنے آقائے حقیقی سے یہ وہ معترفانہ خوف، اور وہ غیر متزلزل اتقا تھا جس نے ہر ناگہاں مصیبت کے وقت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۸) سمجھ جسکی عرض و غایت یہ ہے کہ طلاق صلح صفائی کے ساتھ اور بغیر دنگے فساد کے طے پا جائے (مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ) اور سچ تو یہ ہے کہ مصالحت سے چلنے والے اشخاص پر یہ مداوا تو ایک طرح کا حق ہے" کچھ آگے چلکر مطلقہ عورتوں کے بارے میں بھی اسی قطع کا حکم ہے وَلِلْمُطَلَّقَٰتِ مَتَٰعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُتَّقِينَ۝ (۲ ۲۴۱) یعنی مطلقہ عورتوں کے لیئے بھی کچھ۔ کچھ مداوا بطور احسان یا یادگار ہونا چاہیے تاکہ فریقین صلح صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوں، اور مداوا صحیح معنوں میں ڈرنے والوں کے لیئے تو یہ معمولی سی روا داری بطور ایک فرض کے ہے" مطلب یہ ہے کہ جو شخص صحیح معنوں میں متقی ہے اسکا منشائے نظر دنیا میں ہمیشہ یہی رہتا ہے کہ انتہائی معاملات میں بھی کم سے کم فساد پیدا ہو۔ طلاق وہ مکروہ شے ہے جو دو فریقوں کے درمیان ایک ناقابل برداشت شقاق کا باعث ہوتی ہے۔ اگر اسکا واقع ہونا بہر نوع ضروری ہو گیا ہے تو ایک صلح پسند آدمی پر فرض ہے کہ اُس عورت کو جسکے ساتھ اس نے اتنی مدت صحبت کی ہے ایک معتد بہ رقم بطور مداوا نے کے پیش کرے تاکہ مخالفت کے جذبات انتہا تک نہ پہنچنے پائیں اور ازدواجی تعلقات کے منقطع ہونے پر فریقین ایک دوسرے کو کم از کم دشمن نہ سمجھیں؛ اور اسلامی جماعت کے اندر شکست انگیز تفرق پیدا نہ ہو۔

ناسمجھ اور کم عقل یتیموں کے سرپرستوں کو سورۂ نساء میں ہدایت ہے وَقُولُوا۟ لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (۴ ۵) یعنی ان کے ساتھ صلح صفائی سے بات کرو" محتاج سرپرست کے بارے میں ہے وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ (۴ ۶) یعنی اگر سرپرست کم مقدور ہو تو اُس یتیم کے مال میں سے بقدر مناسب (بِٱلْمَعْرُوفِ) اپنے گذارے کے لیئے لے لے" یہاں بقدر مناسب سے مراد یہ ہے کہ بلیس اس یتیم کی طرف نیکی، صلاح اور مصالحت کا خیال ہو، اُسکو تباہ کرے اور لوٹنے کی نیت نہ ہو، اُسکے بارے میں عداوت اور مخالفت کے جذبات موجزن نہ ہوں۔ بیبیوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں ہے وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ (۴ ۱۹) یعنی اُنکے ساتھ حسن سلوک سے رہو" لونڈیوں سے نکاح کرنیکے متعلق ہے وَءَاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ مُحْصَنَٰتٍ غَيْرَ مُسَٰفِحَٰتٍ وَلَا مُتَّخِذَٰتِ أَخْدَانٍ ۚ (۴ ۲۵)، یعنی اُن کو اُنکی اِس مستقل مصاحبت کے عوض میں اُنکے مہر مصالحانہ طور پر (بِٱلْمَعْرُوفِ) ادا کر دو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ گھر بلو عورتیں بن کر رہیں، بدکاری اُن کی غرض نہ ہو، اور نہ پوشیدہ طور پر یار رکھیں" یہاں "المعروف" سے مقصود حق مہر کا اس مقدار میں ادا کرنا ہے کہ فریقین میں رضامندی پیدا ہو جائے، گویا منشائے نظر وہی اتحاد ہے۔

سورۂ نساء میں منافقین اسلام کے بارے میں ہے لَّا خَيْرَ فِى كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَىٰهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَٰحٍۭ بَيْنَ ٱلنَّاسِ ۚ (۴ ۱۱۴) "اُن لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور صحبت رسیدہ دوابیوں میں متحد کرنے (خیر)، یا صلح و صلاح کی صورت (خیرا) سارے کا تو نام نہیں، اِن کا دار و مدار ہی نفاق پر ہے، البتہ وہ شخص اس سے مستثنےٰ ہے جس نے اصول کو ایثار مال کرنے کی ترغیب دی (أَمَرَ بِصَدَقَةٍ)، مصالحت کا کوئی عنوان قائم کیا (أَوْ مَعْرُوفٍ) یا لوگوں کے درمیان میل ملاپ کا بیج بویا" یہاں صاف "مَعْرُوفٍ" سے مقصود اتحاد برخلاف تفرقہ اور نفاق کے ہے جو منافقوں کی اصلی عادت ہوا کرتی ہے۔ سورۂ توبہ میں انہی منافقوں کی تعریف میں ہے۔ ٱلْمُنَٰفِقُونَ وَٱلْمُنَٰفِقَٰتُ بَعْضُهُم مِّنۢ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ (۹ ۶۷)، یعنی نفاق ڈالنے والے مرد اور نفاق ڈالنے والی عورتیں سب ایک ہی تھیلی کے چٹے ہیں، لوگوں کو نفاق (ٱلْمُنكَرِ) کی ترغیب دیتے ہیں، اور مصالحت اور اتحاد (ٱلْمَعْرُوفِ) سے باز رکھتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ایثار مال کے

مومنوں کے صبر میں استقامت، اور اتحاد میں استواری پیدا کر دی تھی. یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۠ (۳: ۱۹۹)۔ یہی وہ ہیبت انگیز ذکر، اور ارتعاش آفریں یادِ خدا تھی جو تیروں اور تلواروں کی بارش میں بھی پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دیتی تھی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۠ (۸: ۴۵)۔ اسی باہمی ولایت اور اتقا کا لازمی نتیجہ فلاحِ دین اور غلبۂ اسلام تھا؛ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۠ (۵: ۵۶)۔

ﻟﮯ دیکھو صفحہ ۱۴۲، ﻟﮯ دیکھو صفحہ ۱۴۳، ﻟﮯ اور جو اللہ کا دوست اور رسول کا معاون ساز رہا، اور جس نے ایمان والوں کے ساتھ اتحاد قائم کیا، وہ اللہ کے گروہ میں سے ہے۔ اور اللہ کا گروہ ہی تو غالب گروہ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۹) موقع پر اپنی مٹھیاں بھینچ لیتے ہیں۔" یہاں پہلی دفعہ "المنکر" کا لفظ آتا ہے اور ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ "المعروف" اور "المنکر" کا منتہائے نظر اس آیۂ کریمہ میں بعینہٖ وہی ہے جو آیات زیر بحث یعنی (۱۴: ۱۱-۱۴) (صفحہ ۱۴۵) میں ہم نے ظاہر کیا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تصدیق حیرت انگیز طور پر آئندہ آیتوں سے ہوتی ہے جو مومنوں کی تعریف میں آئی ہیں؛ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۹: ۷۱)، "اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں ایک دوسرے کے صحیح معنوں میں دوست ہیں، وہ لوگوں کو باہم گرمجوشی (المعروف) کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اور نفاق (المنکر) کے مکروہ نتائج سے باز رکھنے کی سعی کرتے ہیں، اور الصلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں، اور جس موقع ایثار مال کرتے، اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔" الصلوٰۃ کی اجتماعی حیثیت، الزکوٰۃ کے اجتماعی فوائد اور اطاعت خدا و رسول کی ماہیت اور سیاسی حکمت عملی پر بحث آئندہ اوراق میں آئے گی، لیکن سیاق مضمون سے عیاں ہے کہ المعروف کی دعوت فی الحقیقت اتحاد کی دعوت ہے، اس کے سوا کچھ اور اصلاً کچھ نہیں۔ المنکر کی آئی اصطلاح تفریق اور مخالفت کے معنوں میں ایک دو اور موقعوں پر استعمال ہوئی ہے جو یہاں لکھ دیئے جاتے ہیں، باقی موقعے اصل کتاب میں عنقریب آئیں گے۔ سورۂ حج میں ہے؛ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا (۲۲: ۷۲)، یعنی "اے پیغمبر! جب ان منکرین عرب کو ہمارے روشن اور بیش قیمت احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو تم ان لوگوں کے چہروں پر مخالفت اور نفاق کے آثار اس شدت سے دیکھتے ہو کہ گویا کوئی دم میں یہ لوگ ہمارے احکام سنانے والوں پر حملہ کر بیٹھیں گے۔" گویا "المنکر" یہاں پر وہ قلبی انکار ہے جس کا نتیجہ تفریق اور اختلاف ہے۔ سورۂ عنکبوت میں حضرت لوط علیہ السلام کا قول اپنی قوم کے بارے میں ہے؛ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ (۲۹: ۲۹)، یعنی "کیا تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو، شاہراہوں پر ڈاکے مارتے ہو، اور اپنی ٹولیوں میں دنگے مچاتے اور ناچاقیاں پیدا کرتے ہو (المنکر)"۔ مفسرین نے جو المنکر سے مراد "بے حیائی کے کام" لیا ہے وہ سب سے بے سند ہے جب تاتون الرجال اور تقطعون السبیل کے الفاظ میں نوعیت جرم کی پوری تخصیص ہے تو تاتون المنکر میں بھی تخصیص جاری رہنی چاہیئے اور وہ سوائے اس کے نہیں جو ہم نے بیان کر دی۔ رہزنوں اور لواطت پرست غنڈوں کا شیوہ ہمیشہ سے یہی چلا آیا ہے کہ بات بات پر دنگا کھڑا کر دیتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گروہ بن جاتے ہیں یہی وہ جرم عظیم تھے جن کی پاداش میں قوم لوط کی تباہی ہوئی تھی لواطت سے بڑھ کر کیا بے حیائی ہو گی جس کا ذکر تاتون الرجال کہہ کر اس سے پیشتر کی آیت (۲۹: ۲۸) میں اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ کے الفاظ میں ہو چکا ہے پھر بے حیائی کو ایک بے سبب دُہرانا کلام الٰہی کے شایان شان نہیں۔

(باقی)

اسی اتقا کے قیام اور باہمی نفاق کو دور کرنیکے لیئے قرآن آیا تھا؛ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ

الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا[۱]۝ (۱۹: ۹۷)۔ اسی الخیر اور المعروف کی مسلسل تبلیغ اور پیہم تلقین کیلئے رب العلمین

نے مسلمانوں میں ایک مستقل جماعت کی تاسیس ضروری سمجھی تھی؛ یہ تفریق بین الافراد ہی وہ المنکر

اور صحیفۂ کائنات کا وہ سب سے بڑا گناہ تھا جسکے انہدام و استیصال کے لیئے مسلمانانِ جہان پر ایک

غیر منقطع جہاد لازمی کردیا تھا وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[۲]۝ (۳: ۱۰۴)۔ اسی صحیح تقویٰ کے وسیلۂ عمل سے مسلمانانِ عالم کو ساکنانِ زمین پر ایک

امتیازی خصوصیت اور مقامِ بلند ملنے کا وعدہ تھا؛ اور اسی تقویٰ کے انعام میں منعمِ حقیقی نے دنیا کے

---

[۱] اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر سہل الفہم صرف اسلیے کر دیا ہے کہ تم اسکے ذریعے سے متقی (اور متحد) قوم کو (اجتماعی بقا) کی بشارت دو اور نفاق انگیز اور جھگڑالو قوم کو اجتماعی ہلاکت اور عذاب سے ڈراؤ (اس آیت کے لفظ الْمُتَّقِيْنَ کے متعلق ایک بحث صفحہ ۹ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے) [۲] ترجمے کیلئے دیکھو صفحہ ۱۴۵۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۵۰) الغرض جس نقطۂ نظر اور درجۂ تعمق سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی آیات کو دیکھا جائے، ہر صاحبِ نظر کو ان کا مطالعہ لامحالہ اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ کلامِ الٰہی کی قانونی زبان میں 'المعروف' کی اصطلاح سے مراد اتحاد اور 'المنکر' سے مقصود نفاق اور اختلاف ہی ہوسکتی ہیں اور لغت کے لغوی معانی جو شارحین قرآن نے ان دو اصطلاحوں کے لیئے بے اندازہ غیر محدود اور بے نتیجہ ہیں کہ ان کے مان لینے کے بعد کسی ایک حکم خدا کے بارے میں مستقل نتائج پر پہنچنا از بس دشوار ہوجاتا ہے۔ قرآن حکیم ساکنانِ زمین کے لیئے ایک قانونِ عمل ہے۔ اور قانونی کتاب کے سزاوار یہی ہے کہ اس کا کوئی قانون قیاس یا رائے یا تاویل کے تابع نہ ہوسکے، بلکہ ایک حکم کا صرف ایک ہی مطلب اور ایک ہی طریق عمل ہو اور بس، نہیں بلکہ سب سے ضروری امر یہ ہے کہ ہر متفرع المعانی اصطلاح کی آئینی تعریف خود اُسکے اندر موجود ہو، اپنی وضع کی ہوئی مصطلحات کی شرح و بسط کے لئے اسکو کسی دوسری کتاب کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ بعینہٖ اسی معانی میں قرآنِ عظیم تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ (دیکھو صفحہ ۹۱-۹۲) وہ اپنی سب مصطلحات کی آپ ہی تعریف کرتا ہے، آپ ہی اپنی لغت اور آپ ہی اپنی تشریح ہے، اُسکے کسی ایک امر و نہی یا آیت کا صرف ایک ہی مفہوم، ایک ہی مقصود، اور ایک ہی طریقِ عمل ہے۔ دستور عدل کے شارحین کا فرض ہے کہ وہ اُس مقننِ اعظم کے واحد مقصد کو صاف اور روشن الفاظ میں واضح کردیں کہ انتشارِ عمل کی گنجائش باقی نہ رہے، کوئی شخص اگر وہ تاویل کو دھوکے کی ٹٹی بنا کر گریز کی سبیل نہ نکال سکے، مگر ریا کی آڑ میں نہ چھپے، جملہ عقدہ ہائے ... جو تفسیر اس اہم مقصود کو پیشِ نظر نہیں رکھتی وہ فی الحقیقت کلامِ خدا کی شرح نہیں اس کا بیّن نہاد استنبات تعلق ہے، التفریق قولِ صریح اسی ... جب تک مطالب میں اور عمر مشکوک، واحد اور محدود نہ ہو جائیں کسی حکم کی تعمیل کرنا محال ہے، جب تک آقا کا صحیح عندیہ معلوم نہ ہو غلام کی تعمیل بے معنی ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ[۳] (۱۶: ۴۴)۔ 'المعروف' اور 'المنکر' کے صحیح مفہوم کے متعلق اسی تبیین کی سعی میں نے اس تحت المتن میں کی ہے اور میرا یقین ہوچکا ہے کہ جہاں جہاں ان الفاظ کا استعمال قرآن کریم میں ہوا ہے وہاں الٰہی مقصود وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ ہر چند یہ تمام بحث تجسس اس دعوے کا مزید اور حتمی ثبوت ہو کہ قرآن حکیم اپنی اصطلاحات کی تبیین میں تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے، نہیں بلکہ لغت اسکے مطالب کی تشریح کیلئے اکثر اوقات گمراہ کن ہیں کیونکہ تغیر پذیر ہیں اور لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶: ۱۱۶) صفحہ ۹۲-۹۳ کے تحت میں نہیں آسکتی۔

[۳] مطالب کے لیے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۵۹۔

شاداب اور سرسبز ملکوں کی بادشاہت مومنوں کے لیے اپنے پاس بطور امانت رکھ لی تھی!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (۸ ۲۹)

اے ایمان والو اگر تم خدا کا سچا خوف کرکے (متحد سے) رہو گے تو وہ تمہارے لیے ایک امتیاز پیدا کر دے گا، تمہاری سب اجتماعی واماندگیوں اور دنیاوی خستہ حالیوں کو تم سے دور کر دیگا، تمہاری تینیبی غلطیوں سے چشم پوشی کرے گا، اور خدا تو فی الحقیقت بڑا فضل کرنیوالا ہے بشرطیکہ تم اُسکے حکموں پر چلیں۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝ (۱۶ ۱۲۷-۱۲۸)

اور اے پیغمبر! مخالفوں کی ایذاؤں کو صبر اور استقلال سے برداشت کرو۔ جہاں تمہیں تکالیف خدا کی وجہ پہنچ رہی ہیں، وہاں تمہارا تحمل بھی خدا ہی کی وجہ سے ہوگا (ورنہ یہ لوگ فی الحقیقت صبر کے اہل نہیں) لیکن اسکے سلوک کو دیکھکر غم بھی نہ کھاؤ اور جو چالبازیاں یہ تمہارے برخلاف کر رہے ہیں اس سے دل تنگ بھی نہ ہو جاؤ، بلکہ استقلال سے اپنے اصولوں پر جمے رہو، کیونکہ تقویٰ کا صحیح مفہوم یہی ہے۔ اللہ بیشک اُنہیں کا ساتھ دیتا ہے جو مقام خدا کا سچا خوف دل میں رکھکر اسکی لڑائیاں استقلال سے لڑتے ہیں، اور جو اجتماعی بہبودی کو پیش نظر رکھکر حسن عمل کرتے ہیں (ھُم مُّحْسِنُونَ۔ دیکھو حسنات کا مفہوم تحت المتن صفحہ ۱۳۰۔ الیٰ آخرہ)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

✝ "یُکَفِّرْ عَنکُمْ سَیِّئَاتِکُمْ" کے الفاظ کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۱۳۱ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے جہاں پر عیاں کر دیا ہے کہ اس جملے سے صاحب القرآن تعالیٰ کی مراد اجتماعی اور دنیاوی بدحالیوں، اور قومی واماندگیوں کا دور کرنا ہے۔ "یَجْعَل لَّکُمْ فُرْقَاناً" کے الفاظ سے ان مطالب کی اور بھی تائید و تصدیق ہوتی ہے کیونکہ "فرقان" یعنی امتیاز باقی اقوام عالم کے بالمقابل، اور دنیاوی حیثیت ہی سے ہو سکتا ہے ورنہ بے معنی ہے، اور اگر یہ امتیاز روز قیامت ہی کو عیاں ہونا جیسا کہ آجکل کے اکثر مسلمانوں نے فرض کر لیا ہے تو "یَغْفِرْ لَکُمْ" کے الفاظ اس مطلب کو ادا کرنے کے لیے بالکل کافی تھے۔ یہ بات "وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ" سے بھی ظاہر ہے کیونکہ جیسا آگے چلکر ثابت کیا جائے گا "فضل" کے معنی از روئے قرآن دنیاوی افضال ہی کے ہیں۔

✱ ان آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ "صبر" یعنی مصائب و نوائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا "اتقائے الٰہی" کی ایک اہم شق ہے۔ یہی بات آیۂ (۷ ۱۲۸) سے ظاہر ہے جو مقدمۂ کتاب میں صفحہ ۳۹ پر آچکی ہے۔

فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ † ۝ (۳: ۱۹۵-۱۹۷)

اے پیغمبرؐ! دشمنانِ خدا کا اِن تمہارے شہروں میں چلنا پھرنا، اور ایمان والوں کے بالمقابل دنیا میں آرام و آسایش سے رہنا تمہیں کہیں مغالطے میں نہ ڈال دے۔ یہ سب ایک قلیل فائدہ، اور چند روزہ مہلت ہی جو انکو دی جا رہی ہے۔ پھر دیکھ لینا اِن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا سچا خوف کیا ہم اُنکے استقلال اور استقامت اُنکے صبر و اتحاد کے بدلے میں انکو ایسے خوشنما باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ اُنمیں ایک مدت تک رہیں گے۔ یہ تو انکی مہمانی اللہ کی طرف سے اِس دنیا میں ہوگی، اور جو کچھ حُسنِ عمل کرنیوالوں کے لئے اللہ کے پاس رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔

† اِن آیات میں بعض باتیں نہایت غور طلب ہیں

اولاً یہاں پر 'کفر' اور 'اتقا' کا باہم مقابلہ کیا گیا ہے۔ کافر اقوام کی دنیوی آسایش و راحت کو 'مَتَاعٌ قَلِيْلٌ' کہا گیا ہے، اور مراد یہ ہے کہ ایک اقل قلیل مدت کے اندر ہر کافر قوم سے دنیاوی نعمتوں کا چھینا جانا ناگزیر ہے، اور بعد ازاں اِس دنیا کے اندر شکست و ریخت ادبار و ہلاکت انکا حصہ ہے (ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ)۔ کافر قوم کے دنیاوی عذاب اور اجتماعی ہلاکت کے متعلق مقدمہ کتاب کے آخری حصے (صفحہ ۹۶) میں قرآن حکیم کا محاکمہ پیش کر دیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ہر کافر قوم کی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے 'مَتَاعٌ قَلِيْلٌ' کا متذکرہ بالا مفہوم عیاں ہے۔ اکثر لوگوں نے 'مَتَاعٌ قَلِيْلٌ' کا مفہوم یہ سمجھ لیا ہے کہ کافر اقوام کو جو دنیاوی نعمتیں مل رہی ہیں وہ انکو دنیا کی اِس چند روزہ زندگی کیلئے ملتی ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ دستور ملتی رہیں گی، پھر مرنے کے بعد یا قیامت کے دن انکو جہنم میں ڈالا جائیگا۔ غیرہ وغیرہ۔ یہ سب فلسفہ نہایت لچر اور ناپاک ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب خدا اُن سے ناراض ہے تو دنیا کی چند روزہ نعمتیں بھی کیوں اُنکو ملیں، یہیں سے عذاب کیوں نہ شروع ہو جائے اور آخر دم تک ملتا رہے۔ کیا یہ بات (معاذ اللہ) خدا کے بس کی نہیں رہی کہ وہ اِس دنیا کے اندر اُن سے نعمتیں چھین سکے اور سزا آخرت کے واقع ہونے سے پہلے نہ دے سکے۔ قرآن حکیم کی تمام حکمت اِس باطل تخیل کے سراسر خلاف ہے اور اسی تخیل کا اُمتِ حاضرہ میں رواج پا جانا بھی درحقیقت 'کافر' اور 'کفر' کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ 'وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ' (۳: ۱۳۹) صریحاً کا مضمون 'کافر' قوم کی دنیاوی خوشحالی کے حتماً نقیض ہے اور صاف اِس امر کا دعویدار ہے کہ مومن قوم ہی کی دنیوی فلاح قطعی ہے۔ یہی بات 'فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ' (۵: ۵۶) صریحاً سے ظاہر ہے، اور اگر قرآن حکیم اصلاح کے انسانی عیب سے قطعاً مبرّا ہے تو دنیاوی خوشحالی کسی کافر قوم کے شاملِ حال حتماً نہیں ہو سکتی۔ جو بات آیات زیرِ بحث (یعنی ۳: ۱۹۵-۱۹۶) میں کہی گئی ہے یہ ہے کہ منکرینِ خدا کی ظاہری خوش حالی، اُن کا تغلب اور تمکن فی الارض ایمان والوں کو دھوکہ نہ دے، اُن کو متعجب نہ کر دے کہ خدا کی طرف سے ان کو انعام کیوں مل رہے ہیں، وہ دراصل اُنکو انعام مل نہیں رہے بلکہ رفتہ رفتہ ان سے چھینے جا رہے ہیں۔ جو تغلب یا تمکن اُن کو اپنے آبا و اجداد کیطرف سے وراثةً ملا ہے وہ ایک متاعِ قلیل ہے، ایک اقل قلیل مدت میں اُنکے نااہل اور بے ایمان ہو جانے کے باعث چھین لیا جائے گا گویا متاعِ الٰہی کے چھینے جانے کی سازش ہو رہی ہے اور ہلاکت اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ پھر جب عذابِ الٰہی آ پہنچے گا تو اُن کا ٹھکانا جہنم ہے (ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ)۔

ثانیاً آیاتِ زیرِ بحث (۳: ۱۹۵) میں کافر قوم کی متاعِ قلیل کے بالمقابل 'متقی' قوم کی دائمی آسایش کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ جہاں 'کافر' قوم کی دنیوی طاقت روز بروز زوال پذیر ہے اور کوئی دن جاتا ہے کہ وہ صفحۂ زمین سے نیست و نابود ہو جائے وہاں 'متقی' قوم کا یہ حال ہے کہ سرسبز زمینوں کی بادشاہت اُن کا حصہ ہے (لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ)، وہ ان زمینوں کے مالک سدا سدا کو رہیں گے

آہ! یہ کیا **فرقانِ عظیم** تھا؟ یہ کیا ممیّز مقام تھا! یہ کیا نہروں والے باغوں کی دائمی بادشاہت تھی جو دربارِ رب العٰلمین سے تقوٰی کے صِلے میں جاودانی خدا بنکر نازل ہوئی تھی اور جلد تر ہوئی! کیا یہ تقوٰی، کیا یہی تقوٰی جو آج ہماری مسخ مصطلحات، غلط محاورات، اور تحریف شدہ مطالب کے رو سے تسبیح کے دانوں کا دیوانہ وار مرتعش انگلیوں کے درمیان سے سرکاتے رہنا، لمبے لمبے جُبّے، بڑے بڑے عمامے اور رنگ دار داڑھیاں بنا بنا کر اسلام کُش اور تفرقہ انگیز اعمال کرنا، خلقِ خدا کی آنکھوں میں دُھول ڈالکر پرہیزگار بنے رہنا، یا شبانہ روز بے روح وا اثر سجدوں سے ماتھے کو زمین پر ٹھکراکر، دنیا وما فیہا سے الگ تھلگ رہنے، اور اللہ کی عزیز القدر نعمتوں پر نہایت بیدردی اور اصرار سے لات مارنے کا مترادف ہی: یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ[۱] (۱۶: ۸۳)، کیا یہی تقوٰی وہ خوفناک اسلحہ تھا

---

[۱] یہ لوگ خدا کی نعمتوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں پھر تجاہل عارفانہ کرکے اُن سے منکر ہوتے ہیں اور اُن میں سے اکثر ان نعمتوں کے منکر ہیں، بلکہ درحقیقت خدا کے منکر ہیں (گویا از روئے قرآن خدا کی سونپی نعمتوں کی قدر نہ کرنی کفر ہے "کفر" کا قرآنی مفہوم آگے چلکر اسی جلد میں واضح کر دیا جائے گا)

(بقیہ نوٹ امتن صفحہ ۱۵۳) (خٰلِدِيْنَ فِيْهَا) - گویا جبتک قرآنی اصطلاح میں مُتقی رہینگے دنیوی تغلب اُن کے حصے میں رہیگا! "اتقا" کی مکمل تشریح ابھی تک نہیں ہوئی، اسکے لئے ابھی بہت وقت درکار ہے مگر جو کچھ اسکا حاصل ہوا ہے یہ ہے کہ از روئے قرآن (۱) مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا "اتقا" ہے (دیکھو صفحہ ۳۹- آیت (۷: ۱۲۸) اور صفحہ ۱۵۲- آیات (۱۶: ۱۲۷-۱۲۸)) (۲) "اُمّت واحدہ" بنے رہنا "اتقا" ہے (دیکھو صفحہ ۹۴- آیت (۲۳: ۵۲))، (۳) "قَوّٰمًا للّٰه" بننا "اتقا" ہے (دیکھو صفحہ ۹۷- آیت (۱۹: ۹۷))، (۴) "اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ" اور "لَا تَفَرَّقُوْا"، کا مصداق بننا "اتقا" ہے (دیکھو صفحہ ۱۴۴- آیات (۳: ۱۰۲-۱۰۳))، (۵) "اصْبِرُوْا" اور "صَابِرُوْا" اور "رَابِطُوْا" پر عمل کرنا "اتقا" ہے (دیکھو صفحہ ۱۵- آیت (۳: ۲۰۰)) - جس قوم میں یہ خاصیتیں موجود ہیں وہ از روئے قرآن "مُتقی" ہے، اور ایسی مستقل مزاج، اولوالعزم، متحدہ، مافوقِ سد، اور صاحبِ اخوت قوم کا روئے زمین پر تسلط قطعی ہے۔ اس مقام نظر سے تماشا ہے کہ زیر بحث آیت میں کافر قوم کا مُتقی قوم سے مقابلہ کرکے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اوّل الذکر قوم کی دنیاوی نعمتیں محض چند روزہ ہیں مگر موخر الذکر کے لئے جنّات زمین ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی رہتی ہیں، وہ اُن میں جبتک مُتقی بنے رہیں گے، رہیں گے۔ یہ جہانی اُن کی اس روئے زمین پر خدا کے ہاں سے ہے (مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ) اور جو کچھ روزِ آخرت کو اس بادشاہت زمین کے سوا خدا کے پاس (عِنْدَ اللّٰهِ) ملیگا، وہ اس سے بدرجہا بہتر (خَيْرٌ) ہے۔

"نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کے الفاظ کے بعد "وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ" کہنا، اور بعد ازاں معاملے کے لئے "خَيْرٌ" کا لفظ استعمال کرنا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" سے مراد بادشاہت زمین ہی ہے لیکن ماسوا اسکے کچھ نہیں، اور "وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ" کا مفہوم "الجنّة" کی آسائش ہے جو آخرت میں ملیگا، اور جو بادشاہت زمین کی نعمت سے بدرجہا بہتر نعمت ہے۔ "خٰلِدِيْنَ فِيْهَا" سے شارحین قرآن سے مراد ابد تک ہمیشہ ہوتا، السلام لیکن خلود کے معنی ایک مدّت مدید تک ہے کہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ "مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" اور "مَا عِنْدَ اللّٰهِ" کا تقابل صفحہ ۱۲۲ کی آیت (۲۱۴: ۱۹) میں گذر چکا ہے، اور وہاں بھی "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کے الفاظ موجود ہیں۔ یہ دونوں آیات الٰہی جنّات کے مذکرہ صدر معانی کی زبردست دلیلیں ہیں۔

جس کی آسمان دوز زدو اور زمین پاش ٹکر سے قرنوں کی مستحکم اور مقیم سلطنتوں کی بنیادیں ہل جاتی تھیں! جس کی آہنیں ضرب سے روستہ الکبریٰ اور فارس کے بلند نشینان عیش و عشرت کے تخت ہلنے، اور تاج ڈگمگانے لگتے تھے! جسکے قلعہ شکن اور حوصلہ کش گھمسان کے باعث قوی سے قوی دشمن کے حواس باختہ، اور روحیں فنا ہو جاتی تھیں! جس کی خانہ برباد طاقت اور تباہ کن قوت کا راز، دشمن سے قطع نظر، آج خود ہمارے لیئے تازیانۂ عبرت ہے

هُوَ الَّذِيٓ أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَّخْرُجُوا وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَأَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يٰٓأُولِي الْأَبْصَارِ (۵۹ ۲)

وہ خدا ہی تو تھا جسنے اپنے بہادر اور ثابت قدم مومنوں کے ذریعے سے منکر خدا اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے پہلی بھاگڑ میں نکال دیا! اے ایمان والو! تمہیں اپنی قوت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کے باعث گمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ اپنے گھروں سے نکل جائیں گے، وہ اس خیال میں مست تھے کہ اُنکے قلعے اُن کو خدا کی پکڑ سے بچالیں گے، مگر اللہ کے لشکر نے انکو اُدھر سے دھر پکڑا جدھر سے اُن کو وہم و گمان بھی نہ تھا، اور اُن کے دلوں میں ایمان والوں کی ہیبت بٹھا دی! اب وہ اِن گھروں کو اپنے ہاتھوں اور ایمان والوں کے ہاتھوں سے اُجاڑ رہے ہیں، تو اے بصیرت والو! اس واقعہ سے عبرت پکڑو کہ ایمان کیا کچھ کر سکتا ہے

کیا یہ اللہ کا محبت آمیز ڈر، کیا یہ اُس سب سے بڑے سپہ سالار کا ہَول مرتبت، کیا یہ اُس قائد اعظم کا عشق انگیز خوف، کیا یہ اُس دلق پوش پیغمبر کا رُعب رسالت، یورپ کی حصن پاش توپوں اور روستہ الکبریٰ کی قلعہ نشین فوج کی منجنیقوں سے بدرجہا مدہش اور مہلک تر ہتیار نہ تھا جس نے صدر اسلام کے متقی مومنوں کو انہی شکستہ نیزوں اور کند تلواروں کے ذریعے سے روئے زمین کے شاداب تر ملکوں کا وارث بنا دیا تھا!

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَآ إِلَيْكَ قَالَ عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهٖ مَنْ أَشَآءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ † وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ

† یہاں صاف ظاہر ہے کہ متقی قوم کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی سنور جائیگی پس دنیا کی خوشحالی کا ہونا اور نعمائے الٰہی سے حصہ پانا ہی کی اللہ کی رضا ہی اتقائے خدا کی علامت ہے، لیکن یہ بحث پانچویں مجلد سے پہلے ہو سکیگی۔ 'اشاء' کے متذکرہ صدر معانی کا ثبوت فلسفہ عمل میں آئے گا۔

وَالَّذِينَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۶)

اور اُنہوں نے کہا کہ اے پروردگارِ عالم! تو اس دنیا کی بہتری اور آخرت کی فلاح ہمارے نام لکھ دے کیونکہ ہم سب سے الگ ہو کر تیری ہی طرف آ گئے ہیں، تو اللہ نے فرمایا کہ ہم اپنا عذاب تو اُسی پر نازل کرتے ہیں جسکو ہم بوجوہ مستوجبِ سزا قرار دیتے ہیں (مَنْ اَشَآءُ)، لیکن ہماری رحمت تمام عالم پر حاوی ہے تو ہم بہبودیٔ دنیا اور فلاحِ آخرت عنقریب اُن لوگوں کے نام پر لکھ دینگے جو ہم سے سچے طور پر ڈرتے ہیں، جو ہمارا بول بالا کرنے کی غرض سے قربانیٔ مال کرتے ہیں، اور جو ہمارے احکام کے نفع مند ہونے پر ایمان رکھکر اُن پر عمل کرتے ہیں (يُؤْمِنُوْنَ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۵: ۳۵)

اے ایمان والو! مقامِ خدا سے ڈرتے رہا کرو، اور پسندیدۂ خدا کاموں کے وسیلے سے اُس سے قرب حاصل کرنے کی سعی کرو اور اسکی حمایت میں جانیں لڑا دو تاکہ تم آخرکار اس دنیا میں کامیابی اور آگے چلکر فلاح حاصل کرو (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)

یہ جس حیرت انگیز نادانی بلکہ تجاہل عارفانہ سے بعض ناعاقبت اندیش اور عقیدہ پرست مسلمانوں نے اس آیت الٰہی کے مطالب میں قصداً تحریف کر کے ”اِبْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ“ کے الفاظ کو اپنے اپنے انسانی کارفرماؤں اور پیروں کی تلاش، اور انکے توسل سے ”قربِ خدا“ حاصل کرنے پر محمول کیا ہے، اور جس ظاہری سکوت اور باطنی اطمینان سے پیر حضرات نے بھی اس آیت کو اپنی طرف منسوب دیکھکر دنیائے اسلام کی صدارت جیسی حد تک خود قبول کر لی ہے؛ اُس سے کم از کم یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں مسلمانانِ عالم نے قرآن حکیم کے الفاظ کی حفاظت میں اس شدومد سے حصہ لیا کہ باقی دنیا انکے اس کارنامے پر ہمیشہ رشک کرتی رہے گی، وہاں کتابِ الٰہی کے مطالب کی حفاظت کی طرف سے کامل بے اعتنائی اور بے حسی اختیار کر کے دینِ اسلام کی روح کو نہایت سرعت سے فنا کر رہے ہیں اب ہر شخص جس آیت کا جو مطلب چاہتا ہے بنا لیتا ہے، اور الفاظ کے مطالب کو کھینچ تان کر اُسکے ذریعہ ایک نہایت آباد اور پر رونق دکان سجا لیتا ہے۔ آج تاویل کے محشرستان مکر و فساد میں کسی ایک آیتِ الٰہی کے معانی کی تعیین مشکل ہو گئی ہے، ہر شخص اپنے اپنے تفکر سے اور من مانی تاویل کو ہاتھ میں لیے ہوئے تفریق و انتشار کے عدم آباد کی طرف نہایت شوق سے جا رہا ہے، اور خدا سے قطعاً نہیں ڈرتا کہ جن مطالب کی نشر و تبلیغ وہ نہایت تندہی سے کر رہا ہے، اور جن ”وحدتِ اسلام“ کے بدلے پر وہ نجاتِ آخرت کا امیدوار ہے اس وحدت اور مطلب کی کوئی صدائی سند بھی ہے۔ آج یہی آیہ ”وَسِيْلَة“ (۵: ۳۵) پیر پرستی کی سند میں ہر موقع پر کس تیقن اور التزام کے ساتھ پیش کر دی جاتی ہے، قرآن سے دن رات سروکار رکھنے والے مسلمان اور پیروں کے پڑھائے ہوئے مرید خدا تک پہنچنے کے لیے پیروں کے توسل کو اسقدر ناگزیر سمجھتے ہیں کہ اُن کے طرزِ استدلال اور تعقل، اُن کی قرآن فہمی اور تدبر کو دیکھکر عقل کانپ اٹھتی ہے لیکن یہ خدا کے اس آخری کلام کا زندہ معجزہ ہے کہ جس جس آیت کے مطالب مسلمانوں نے اپنا مطلب ہانکنے کیلئے محرّف کر لئے ہیں اسکی تغلیط کا پورا سامان خود قرآن کے اندر حیرت انگیز استقلال کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن حکیم کا ہر حصہ اپنے مطالب کا آپ محافظ ہے، اُسکو کسی مفسر یا شارح کسی من مانی لغو تاویل سے بنائی ہوئی حدیث کی حاجت نہیں۔ آیۂ وسیلہ کے ان نارواِ معانی کا پورا رد سورۂ بنی اسرائیل کے اندر موجود ہے اور یہ رد اس درجہ مسکت ہے کہ کسی شد سے شدے پیر پرست کو اسکے آگے دم مارنے کی مجال نہیں، بشرطیکہ ذہن کو کام میں لانے کی توفیق اسکو ارزانی

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (۹ : ۱۳)

اے ایمان والو! تم اُن لوگوں سے دل کھول کر کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول خدا کو وطن بدر کر دینے کا ارادہ کیا، اور ابتداء بے جا پہل بھی انہوں نے کی۔ کیا تم ان لوگوں کی طاقت اور تعداد سے ڈرتے ہو؟ پس اگر تم میں ایمان موجود ہے تو خدا اِن سے کہیں بڑھکر حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵۶) ہو جائے! انسان کے انسان کی عبادت کرنے کے متعلق کتاب خدا کا محاکمہ ہے

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ (۱۷ : ۵۶-۵۷)

اے محمدؐ! اِن لوگوں سے کہہ کہ خدا کو چھوڑ کر تم نے جن انسانوں (الَّذِينَ) کو اپنے زعم میں اپنا کارساز سمجھ رکھا ہے (جن کو تم خدا کے ساتھ ساتھ طاقتور اور مشکلکشا سمجھے بیٹھے ہو) ان کو پکار دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ نہ وہ تم سے تکلیف کو دور کر سکیں گے اور نہ اسکو بدل ہی سکیں گے۔ یہ شخص جنکو یہ لوگ حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں، (اور جسے اپنے مشکلکشا اور سفارشی بنے کی آس لگائے بیٹھے ہیں) خود اس قدر محتاج ہیں کہ ان میں سے خدا کے بڑے مقرب بھی (اَيُّهُمْ اَقْرَبُ) اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے رستے ڈھونڈتے رہتے ہیں (يَبْتَغُونَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ)، اُس کی رحمت کے ہر دم جویاں رہتے، اور اسکی سزا سے ہر آن خوفزدہ رہتے ہیں (تو وہ پھر مشکلکشا اور سفارشی آپ کیسے بن سکتے ہیں)۔ اے لوگو! خدا کا عذاب وہ شے ہے جس سے بچنے کے سوا کسی کو چارہ نہیں

یہاں پر انسان کو انسان کی عبادت، اور سلامت جتیا کرنے سے منع کیا ہے، اور بصراحت تمام اس بات پر زور دیا ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان بڑے سے بڑا انسان اور مقرب سے مقرب بشر بھی حاجت روائی کا وسیلہ یا نجات کا ذریعہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان میں سے جو سب سے زیادہ مقرب بارگاہ ہو وہ بھی اُس صاحب کبریا و جبروت کے سامنے اس قدر عاجز اور بے بس ہے کہ اسکو اپنا ہی قرب اور تقرب برقرار رکھنے کے لیئے وسائل ڈھونڈنے سے فرصت نہیں ملتی، پھر وہ کسی غیر کی سفارش یا مشکلکشائی کیا کر سکیگا گویا سب سے بڑا نبیؐ بھی اپنی ہی نجات کے فکر میں ہے، اور اُسکے لیئے ہمہ تن سعی کر رہا ہے تو پھر کسی خودساختہ "پیر طریقت" یا "ولی" کی کیا مجال ہے کہ کارسازی کرسکے۔ اِس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کا "وسیلہ" نہیں بن سکتا، اور بڑے سے بڑا انسان حتیٰ کہ نبی بھی اپنی نجات کا "وسیلہ" ڈھونڈتا ہے تو يَبْتَغُونَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ، کے "الْوَسِيلَةَ" کا مفہوم لامحالہ پیر پرستی کے علاوہ کوئی اور شے ہے جو انبیاء جیسے مقرب بارگاہ انسان بھی تلاش کرتے ہیں، اور وہ شے سعی و عمل کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے "اَقْرَبُ" بارگاہ الٰہ ہونے میں کسی ایک مسلمان کو اعتراض نہیں ہوگا، اور یہ بھی مسلّم ہے کہ آپنے اپنی زندگی میں کوئی پیر نہیں پکڑا تھا بلکہ تمام عمر سعی و عمل کرتے کرتے انتقال کر گئے۔ یہی بات آیت زیر بحث کے سیاق سے ظاہر ہے جہاں "ابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ" کے ساتھ "وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ" کہا گیا ہے جسکے واحد معنی یہی ہیں کہ خدا کی راہ میں اپنا جان، مال، آرام، گھر بار سب کچھ دیدے۔ ایک سپاہی کو بادشاہ کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کے لیئے یعنیہ یہی سعی و عمل ضروری ہے۔ یہ کہ بادشاہ کی لڑائیاں لڑنے سے انکار کرے اور تمغے حاصل کرنے یا کرسی نشین بننے کے لئے دوسروں کی سفارش کا طلبگار رہے۔ خدائے زمین و آسمان کی حکومت اہل فرنگ کی حکومت کی طرح (معاذ اللہ) پوچ نہیں ہے کہ تمغے کسی کی سفارش پر ملا کریں۔ ان آیات کا مضمون کپکپا دینے والا مضمون ہے بشرطیکہ مسلمان غور کریں۔

* یہاں "ایمان" کی شرط لاینفک قرار دی گئی ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی کمتر ہستی سے نہ ڈرے۔ ہو اور سمیں سے بجوف و خطر نمایاں کرے۔

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۝ (۹: ۴۴، ۴۵)

اے پیغمبر! جو لوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور روز آخرت کے محاسبہ کا بھی انکو یقین ہے وہ تو تم سے اس بات کی رخصت مانگتے نہیں کہ اپنے مال و جان سے شریک جہاد ہوں اور اللہ تو متقیوں کا حال خوب جانتا ہے۔ شامل ہونے سے بچنے کیلئے عذر پیش کر کے تم سے خواہاں اجازت وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ اور روز حساب کا یقین نہیں رکھتے۔ انکے دل شک میں پڑے ہیں، اور اسی شک میں پڑے متردد ہو رہے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (۱۰: ۶۲ - ۶۴)

٭ یہاں ایمان کی شرط جہاد بالمال و بالنفس ہے، اور یہی شرط تقویٰ کی ہے۔ "وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ" کہ خدا جیسے حاکم اعلیٰ سے ڈرنے کے یہی معنی ہیں کہ اسکی راہ میں جان و مال سے دریغ نہ کیا جائے۔ آج بھی ہر ملازم کا یہی حال ہے کہ اگر وہ سچا سپاہی اور سچا ملازم ہے تو اپنے حاکم سے ڈرے گا اور اسکی حفاظت میں جان تک لڑا دے گا۔

٭٭ یہاں صاف ظاہر ہے کہ متقی قوم کو جہاں آخرت میں کچھ ڈر نہیں وہاں اسکی دنیا بھی درست ہے۔ کوئی قوم جسکی دنیا درست نہیں "متقی" ہونے کی مصداق نہیں ہو سکتی۔ اور چونکہ الفاظ کے معانی صاف ہو چکے اسلئے جو قوم متحد ہو کر رہے گی، مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرے گی، "صَابِرُوا" اور "رَابِطُوا" پر عمل کرے گی، خوشنودی خدا حاصل کرنے کیلئے "ابتغائے وسائل" کرے گی، "فِي الدُّنْيَا" نہ رہے گی، اسکی دنیا بہر نوع اور لامحالہ اچھی ہے، اور وہی "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" کی بشارت کی سچی اہل ہے، اسکو یہاں بھی کسی قسم کا ڈر نہیں اور آگے چلکر تو ابد الآباد تک امن ہے۔ ایسی قوم ہی "اولیاء اللہ" ہونیکی صحیح مصداق ہے۔ وہ یقیناً خدا کی "دوست" ہے اور خدا اسکا "دوست" ہے کیونکہ یہاں بھی سب نعمتیں دے رہا ہے اور آگے چلکر بھی بے حساب دیگا۔

مسلمانوں نے نہ معلوم کس بنا پر اولیاء اللہ کا خطاب اُن دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے فقراء اور پریشان مو اصحاب کو دیا ہے جو تمام عمر اپنے اعتکاف خانوں میں سدرہ کر خلق خدا سے بیزار رہے، جنہوں نے امت کو متحد کرنے میں کبھی سعی نہ کی، جنہوں نے خدا کی لڑائیاں لڑنے میں اپنی جان کو پیش نہ کیا، جنکو خدا نے حیات دنیا میں کوئی بشارت نہ دی، جو خلق خدا کو متحد کرنے کی بجائے الٹا اپنے اپنے پیچھے لگا کر متخالف الآراء اور منتشر العمل کر گئے، جنکی تمام تر زندگیاں نہایت رنج و غم اور ذلت و مسکنت میں کٹیں۔ خدا کا دوست وہی ہے جو اسکی خاطر تکلیف اٹھائے لیکن پھر دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مالک الملک خدا اسکو اس تکلیف اٹھانے کے صلے میں سب سے بے خوف و خطر کر دے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ دوستی نہیں اگرچہ ساری دنیا اسکو ولی کہکر پکارتی رہے۔ آج اگر سطح زمین کے طول و عرض میں خدا کا صحیح معنوں میں دوست کوئی ہے تو وہ بندۂ خدا جو اپنی جماعت کی بہتری کی خاطر تن من کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، جو کسی کی قوت سے خوفزدہ نہیں ہوتا، جو ماسوا سے قطع نظر کر کے خدا ہی سے ڈر رہا ہے، جو "فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ" (۹: ۱۳) پر عمل کر کے سب سے بے خوف و خطر ہو گیا ہے۔ اگر کسی خدا کے بندے میں یہ قوت، یہ نڈری، یہ تقویٰ اور یہ بے خوفی، یہ خوف خدا اور لا خوف و لا حزن ماسوا آ چکا ہے تو وہ بلاشبہ ولی ہے، وہ لاریب خدا کا دوست ہے خواہ وہ کسی کا رہنے والا ہو یا ہندکا۔ خدا کو اپنی دوستی میں کسی ملک یا مذہب کی تخصیص نہیں!

لوگو! یاد رکھو کہ خدا کے سچے دوستوں کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہے اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوتے ہیں
یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور مقامِ خدا سے ڈرتے رہے۔ انہیں اس دنیا میں بھی حاکمیت اور ان
کی بشارت ہے، اور آخرت میں بھی فلاح ہے خدا کے وعدوں میں رد و بدل کا امکان ہرگز نہیں اور
یہ فلاح دارین تو بڑی بھاری کامیابی ہے۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ○ (۱۴:۱۴)

اور دشمن کے غارت ہوئے پیچھے ہم ضرور تم کو اسی سرزمین میں بسائینگے۔ یہ صلہ اُس شخص کا ہے جو میرے
مقام و منصب سے ڈرتا رہا اور جس نے میرے عذاب سے بچنے کی سعی کی۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ
وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ○ (۱۶:۳۰)

اور اُن لوگوں سے جنہوں نے مقامِ خدا کا سچا احساس کیا پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے
اپنے ہاں سے تمہاری اس خدمت کے عوض میں کیا دیا تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔
جن لوگوں نے (بھی) خدمت کی اور اپنے حسنِ عمل سے خدا کو خوش کر دیا انکے لیے اس دنیا میں بھی
بہتر سے بہتر نعمتیں ہیں اور آخرت کا گھر تو اس سے کہیں اچھا ہے۔ اور تقویٰ کرنے والوں کا ٹھکانا
تو بہرحال نہایت ہی اچھا ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ
اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۳۹:۱۰)

اے پیغمبر! ہماری طرف سے کہدو کہ اے ہمارے بندو! جو ہم پر ایمان لا چکے ہو، مقامِ خدا کا تقویٰ
کرتے رہا کرو۔ جنہوں نے ہم سے ڈر کر ہماری حمایت میں جان و مال کی پرواہ نہ کی اُن کے لیئے اس دنیا
میں زمین کی بادشاہت کا بہترین اجر ہے۔ اور خدا کی زمین تو بڑی وسیع ہے۔ بیشک مصیبت برداشت
کرنے والوں کو ان کا عوض بے حساب دیا جائے گا۔

* یہاں "متقی" قوم کے لیئے بادشاہت زمین کا انعام صاف ہے۔
* یہاں پھر صاف طور پر "متقی" قوم کے لیے دنیا کے بہترین انعام وقف کر دینے کا وعدہ ہے۔
* یہاں پھر روئے زمین کی وسیع بادشاہت "متقی" قوم کے لیئے وقف ہے اور صاف فرما دیا ہے کہ دنیاوی انعامات اسقدر بے حساب ہیں کہ تمام کرۂ زمین کی ملکیت اس میں شامل ہے (وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ) یہی سچا حسن عمل ہے (لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ) اور اعمالِ صالح، عمل کی بھی یہی تعریف ہے جس کی تلاش ہم کر رہے ہیں حسنات کے تحت الش صفحہ ۱۳ میں بھی اَحْسَنُ عَمَلًا سے یہی مراد ہے (دیکھو آیہ (۱۸:۷)) ضمناً اس آیت میں پھر بتلا دیا ہے کہ "صبر" یعنی مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا، اتقائے خدا کی ایک اہم شق ہے (إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ)

اِس اتحادِ عمل اور تزکیۂ اخلاق کا اصلی راز خدائے واحد کی **خالص** عبادت، اور **براہِ راست** عبودیت تھی۔ قرآن کی حیرت انگیز تعلیم، اور داعیٔ اسلام کی حیرت انگیز یقین آفریں صحبت سے خداوندِ عالم کا اپنے عاجز اور محتاج بندوں سے براہِ راست تعارف کرا کے عبد و معبود کے درمیان سے سب مشکوک حجاب دور کر دیئے تھے۔ رسولِ خدا کی ناقابلِ انکار صداقت اور انکسارِ نفس نے بندے کا ہاتھ مالکِ ارض و سما کے مقتدر ہاتھ میں دے کر خود ایک بے تعلق اور پیغام وِہ بشر کی حیثیت قبول کر لی تھی۔ ذاتیات اور شخصیت کا مُہلکِ ایمان اور مضعفِ یقین عنصر اسلام کے خمیر میں قطعًا نابود تھا، توحید تمام اُمت کے اجماع کا نقطۂ وحید بن گئی تھی، خیر و شر کا معاملہ، بلا وساطت غیرے اور بلا اشتراکِ احدے، اُس مصدر و منبع حقیقی کے ساتھ وابستہ ہو گیا تھا جسکی قدرت اور عظمت کے صحیح اندازے نے ایک عالم کو کپکپا دیا تھا! نفع اور ضرر کے اسی بے مثال یقین نے سرزمین عرب میں **خوف** خدا کی مشترک لہر دوڑا دی تھی؛ اِسی خوف کے باعث باہمی عداوتیں مٹ گئیں، کیسے ایک لیئے گئے، بھائی چارے کا سماں ہر طرف بندھ گیا تھا! انسان کی عزت و تکریم اور اُسکے انعام و اکرام کا معیار بھی خدا کے نزدیک اُس کا تقوے ہی تھا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ [1] (۴۹ : ۱۳)، قلوب کے اندر ایک مشاہدہ حاکم کی مانند اُسکے رعبِ مرتبت اور ہولِ جاہ کی بجلیاں، نفع و ضرر اور بیم و رجا کی لاانتہا تاروں کے ذریعے سے دوڑ گئیں؛ پھر وحدتِ امیر کی کشش اتصال نے، اور یک سمعی کے متحد القلوب خوف نے ہر مومن کے قلب میں مشترک عبودیت کی عصبیت، اور عالم آرا اخوت کا اعتصاب پیدا کر دیا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [2] † (۴۹ : ۱۰)؛ یہی وہ **عملی تقوی** اور وہ **مخلصانہ توحید** تھی جو

---

[1] اللہ کے نزدیک تم میں سے بڑی عزت والا اور مستحق فضل و کرم وہی ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ اور اللہ تو انسان کی قدر و قیمت کو جاننے والا، اور اُسکے حال و احوال سے باخبر ہے۔

[2] ایمان رکھنے والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں؛ پس تمہارا فرض ہے کہ اپنے دو بھائیوں کے درمیان مصالحت کرا دو اور خدا کی خفگی سے ڈرتے رہو اور اُسکا تقوی کرو کہ وہ تم پر مہربان ہوگا۔

† یہاں پر بھی مصالحت اور مواخات کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے جس قدر خوف و خشیت کو حاکم اعلیٰ کا ہے اسیقدر لوگ افراد متحد رہیں گے۔

سالہاسال تک اسلام کو نئی طاقت اور نئی زندگی بخشتی رہی؛ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ[1] وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ (٣٩ ١١-١٢)، قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ[2] (٣٩ ١٤)۔ اسی تقوٰی کی یاد اس عمل میں اللہ کی رحمتوں کے دریا امڈ جاتے تھے! یہی اتفاق و اتحادِ عمل اُس جلیل القدر ذات کی سچی عبادت اور اُسکی موجودگی اور وحدت کا زندہ اشتہار تھا؛ اِسی کی بے انتہا برکت سے نصرتِ حق اور فتحِ مبین ہر وقت شاملِ حال رہ کر اشاعتِ اسلام کا قطعی باعث ہوا کرتی تھیں: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ[3] وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا[4] (١١٠ ١-٣)۔ اللہ کے یہ محکوم اور خالصۃً اُسی سے ڈرنے والے سپاہی، عقیدت کے سرشار جوش، مستعدی کی داعیٔ انصلاب امنگ، اور محبت کی مضطرب امتحان وفا کے باعث صبر اور استقلال، توکّل اور مردانگی کے عدیم النظیر پیکر

[1] اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدے کہ مجھکو تو خدا کے ہاں سے یہی حکم ملا ہے کہ میں تمام ارادت اور اخلاص (الدِّیْنَ)، تمام عقیدت اور اعمال (الدِّیْنَ) کو خالصۃً خدا ہی کیلئے وقف کرکے ہمہ تن اُسیکا غلام بنا رہوں (اَعْبُدَ اللّٰهَ) اور مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں ہی سب سے پہلے اُسکو اپنا آقائے حقیقی تسلیم کروں، اور عملی طور پر اُسکی عبودیت میں رہوں (اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

[2] ان سے کہدو کہ میں اپنی تمام ارادت اور محبت کو اسی کے لئے خالص کرکے اُسکی غلامی کر رہا ہوں (اَعْبُدُ)۔

[3] اے پیغمبر! جب اللہ کی مدد آئے گی، اور دینِ اسلام کی فتحِ عظیم کا وقت آ پہنچیگا، اور تو دیکھے گا کہ لوگ جوق در جوق دینِ خدا میں داخل ہو رہے ہیں، تو اُس وقت اپنے پروردگار کے شکرانے میں سر بسجود ہو جاؤ؛ اُسوقت اسی جماعت کی اور اپنی گذشتہ تقصیروں کی معافی طلب کرو کیوں کہ وہ فی الحقیقت بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (ایسی مہربانیوں کے موقعے پر ہی اُس سے ایسی درخواستیں کرنی چاہئیں)۔

[*] یہاں 'اَعْبُدُ' کے معنی صاف ظاہر ہیں اور اِن سے مقصود سوائے پرستش قطعاً نہیں ہو سکتا۔ 'دین' کے معنی قرآن کی اصطلاح میں طرزِ عمل یا راہِ عمل کے ہیں۔ یہی معنی لفظ 'مذہب' کے ہیں۔ گویا 'اَعْبُدُ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ' کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا تمام طریقِ عمل خالصۃً خدا کی منشا کے مطابق کرکے اسکے غلام بنے رہو۔ ہر سچے ملازم (یعنی عبد) کا شیوہ یہی ہے کہ وہ کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کرتا؛ اسکی سب سے بڑی بھاگ دوڑ آقا کی مرضی پر منحصر ہے اور وہ اپنی منشا اور اپنی خواہشات کو مالک کے حکم کے مقابل فنا کر دیتا ہے۔ رہا اس امر کا تصفیہ کہ مالکِ زمین و آسمان کی منشا فی الواقع کیا ہے؟ یہ ایک بڑا دقیق سوال ہے اور اصل کتاب میں اسی کی ایک اہم شق پر بحث جاری ہے۔ بہر نوع اِن دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ 'دین' کے معنی کسی شخص کا مسلمان ہونا، نصرانی ہونا، یا یہودی ہونا نہیں بلکہ ہر غلام کا اپنے آقا کے حق میں طرزِ عمل ہی اُسکا دین ہے۔ 'وَاللّٰهُ عُلَیْمٌ' ... 'لَّهٗ دِیْنِیْ' کے کچھ معنی نہیں بنتے یہی بات 'لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ' (١٠٩ ٦) سے ظاہر ہے۔ یعنی تمہیں تمہاری خدمت کا اجر ملیگا اور مجھے میرے کئے کا؛ خدا کو 'مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ' (١ ٣) بھی اسلئے کہا کہ وہ دن 'اعمال کی اجرتوں، اور خدمتوں کی مزدوریاں' ادا کرنے کا ہوگا۔ (دین کے ان مطالب کی حقیقت کے لئے دیکھو حاشیہ کتاب ہذا صفحہ ...)۔

[4] اس سورۃ کے صحیح معانی کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک دفعہ سوال کیا گیا تھا جس پر مربوط اور قابلِ انکار معانی لکھدئے ہیں۔ خدا کی نصرت قطعاً کسی قوم کے شاملِ حال نہیں ہوتی جبتک کہ اسکی سعی و عمل خدا کو فی الواقع خوش نہ کردے۔ یہی وقت فی الحقیقت کسی حاکم سے مانگنے کا ہی ہے۔ اسیوقت اُسکی رحمت کا دریا جوش میں آتا ہے اور وہ سائل کی تمنّات علی الاعلان پوری کر دیتا ہے۔

بس گئے تھے؛ انکی قوت و استحکام کا رازِ دروں اُنکے متحد اور متفق قلوب میں مضمر تھا نفسوں کی یگانگت اور تہذیبِ نفس کے التیام آفریں اثر نے اُن کے اعمال میں ناقابل یقین ضبط اور اعمال میں عجب سی یکسانیت پیدا کر دی تھی؛ بڑے بڑے مقتدر اور جابر عساکر جو مدت مدید کی تیاری اور صرف کثیر کے بعد اُن کے مقابل کھڑے ہوتے تھے، انکے ضابطہ عمل، انکی پیش بندی اور اہتمام، اُنکے نظم و نسق، اور خوفِ قانونِ خدا، انکی مشق تحمل اور ستم برداری پر دنگ رہ جاتے تھے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۵۹ ۱۸)؛ لالچ اور بیدلی، ہراس، موت اور قنوط، تشتت اور جمود کے اُن زرخرید اور بے مولا، اُن ناآشنائے پایانِ عمل اور کرایہ پر لیئے ہوئے

---

۱۵ اے ایمان والو! قانونِ خدا سے ڈرتے رہا کرو اور تمہیں چاہیئے کہ ہر شخص اس بات پر نظر کر رہا ہے کہ اُس نے آنے والے کل کے لیے کیا تیاری کی ہے اور آیندہ مصائب کے لیئے کیا حفظِ نفس اور پیش بندی کی ہے اور قانونِ خدا سے مکرر ڈرتے رہو اللہ جو کچھ تم عمل کر رہے ہو اُس سے بخوبی واقف ہے

؎ اس آیت الٰہی میں پیش از وقت تیاری اور دور اندیشی کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے اور پیش بندی بالمآل حفظ نفس کو اسقدر اہم قرار دیا گیا ہے کہ اتَّقُوا اللّٰهَ کے الفاظ ایک آیت کے اندر دو بار آئے ہیں اس تکرار سے مقصود لامحالہ یہ ہے کہ خدا کا قانون اٹل اور واجب الخوف ہے کہ اسی قوم کو انعام کا مستحق قرار دیتا ہے جو ہر نوع اسکی اہل ہو، جسنے سعی و عمل سے اپنے آپ کو فتح و ظفر کا اہل ثابت کیا ہو، جس نے آنیوالے کل کے لیے تیاری کی ہو (مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ)۔ خدا کسی قوم کی کوئی بے جا رعایت مدنظر نہیں رکھتا، جس قدر جس نے زاد راہ کل کے لیئے جمع کیا ہے، جسقدر تحفظ اس نے آنے والی مصائب کے برخلاف اختیار کیا ہے، اُسیقدر اجر اُسکو لامحالہ مل رہیگا یہی بات اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ سے ظاہر ہے گویا خدا عمل اور صرف عمل کو چاہتا ہے اور سب کو دیکھکر فیصلے صادر کرتا ہے

لیکن بعد اور آخرت کے شیدائی مسلمانوں نے "قَدَّمَتْ لِغَدٍ" کے معنی "روز قیامت کی تیاری" کے لئے ہیں حالانکہ "غد" کے معنی کسی آنے والے کل کے ہیں، اور مزا یہ ہے کہ اسرائیلی مفسرین بھی قائل نہیں کہ اسکے معنی خاص روز قیامت کے ہوں۔ جامع ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ ۸۹۲ء) میں حضرت انس سے روایت ہے کہ۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَدَّخِرُ لِغَدٍ "یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی ذخیرہ نہ کرتے تھے"۔ روایت کی صحت یا عدم صحت سے بحث نہیں، صرف "لِغَدٍ" سے مطابقت ہے کہ معنی یہاں صاف آنیوالے کل کے ہیں روز قیامت کے نہیں ہیں۔ خود قرآن کریم میں چار موقعوں پر "غَدًا" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور چاروں موقعے آنیوالے کل کے معنی میں ہیں سورہ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے متعلق انکے بھائیوں کا قول ہے اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۲ ۱۲)، یعنی "ہمارے ساتھ کل یوسف کو بھیجدو کہ کھائے پئے اور کھیلے، اور ہم اسکی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں"۔ سورہ کہف میں ہے وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا (۱۸ ۲۳)، یعنی "کسی شئے کی بات یقینی طور پر مت کہو کہ میں اسکو ضرور بالضرور کل کرونگا"۔ سورہ لقمان کے اخیر میں ہے وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (۳۱ ۳۴) "اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا کریگا"۔ علی ہذا القیاس سورہ قمر میں قوم ثمود کی تباہی کے متعلق ہے سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (۵۴ ۲۶) یعنی "یہ لوگ عنقریب کسی آنے والے کل کو دیکھ لیں گے کہ کون جھوٹا اور گستاخ ہے"۔ ثابت کہ اس شہادت کے ہوتے ہوئے غد کے معنی کسطرح قیامت کے ہوسکتے ہیں، اور کس بیدردی سے مسلمان آیاتِ خدا کو توڑ مروڑ کر تحریف معنوی کے مجرم بنتے ہیں

سپاہیوں کی، اِن اللہ کے عاشق، بیقرار ابتلاؤمحن نصرت حق اور وراثت زمین کے موعد، موت کے لتشنہ ومنتظر، دست بخت گہوارۂ امید، اور جنت خرید غلاموں کے مقابلے میں کیا بساط تھی جو برو ئے کار آتی، مومنوں کے فلک کشا حوصلے اور متحدہ دلوں کی کوہ شکن طاقتیں، دشمن کے جم غفیر کو پہلے ہی ریلے میں پیوند زمین کر دیتیں، ایمان کا جرأت افزا اثر مثالاً اُن کی قوتِ عمل کو چند در چند کر دیتا، اور ایک حیرت انگیز طریقے پر یہی بظاہر کم سامان جماعت دشمن کا تہس نہس کر دیتی!

ما مردانِ خدا باش کہ در کشتی نوح

ہست خاکے کہ بہ آبے نخرد طوفاں را

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ (۵۹ ۱۳-۱۴)

مسلمانو! تم اللہ پر ایمان رکھنے کے باعث ہی ان منکرینِ خدا کے دلوں میں اشد شدید ہیبت بٹھلا رہے ہو، اور یہ محض اسلیئے ہو کہ یہ ایک ناسمجھ قوم ہے، جسکو ایمان کی قوت کا علم نہیں۔ اب تو اِنکی یہ حالت ہو کہ سارے کے سارے مِلکر بھی تم سے لڑنے کی تاب نہیں رکھتے مگر یہ کہ محفوظ بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں ہوکر لڑیں۔ سبب یہ ہے کہ انکی آپس کی لڑائیاں اور باہمی عداوتیں سخت ہیں۔ بظاہر

۱۔ "قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ" اور "قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ" کے الفاظ یہاں پر نہایت قابل غور ہیں گویا یہ منکرین خدا لوگ اس بات کا تفقہ اور تعقل ہی نہیں کر سکتے کہ قانون خدا کیا ہے، وہ کس اقوام کو دنیا پر برسر اقتدار رکھتا ہے، کس کو سزا میں دیتا ہے۔ یہ لوگ آپس میں لڑ مر کر اپنی قوتوں کو ضائع کر رہے ہیں یا دشمن سامنے آتا ہے تو دم دبا کر بھاگ جاتے ہیں! ان کو اتنی عقل ہی نہیں کہ سمجھیں کہ اتحاد اور ائتلاف قلوب میں کیا برکتیں ہیں، اور خدا کس طرح متحد القلوب قوم پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے۔ گویا ان آیات میں رمزاً اور کنایۃً جتلا دیا ہے کہ بزدل متفرق اور معاند ہونا کافر قوم کا خاصہ ہے۔ آج مسلمان عالم ہو "قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ" اور "قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ" اور "تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى" کے صحیح مصداق سے ہوئے ہیں۔ دوسری قوموں نے اپنے افراد کے مابین اتحاد پیدا کر لیا ہے۔ مسلمان ان کے خوف سے بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں اور قلعوں کی اوٹ میں بیٹھکر بھی لڑ نہیں سکتے۔ ہر جگہ شکست و ہزیمت ہے، خوف و خسران ہے، رنج و ماتم ہے، "بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ" اسقدر ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ آہ لیکن خدا کوئی مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ رب العالمین ہے، ہر قوم کو اسکی سعی و عمل کے مطابق اجر دے رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِى الْاَبْصَارِ!

"بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ" کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تمہارے متعلق ان کا خوف آپس میں بہت شدید ہے مگر اس سے مطلب کافی طور پر مربوط نہیں ہوتا۔

تو انکو مجتمع اور متحد دیکھیگا لیکن اُنکے دل ایک دوسرے سے جُدا ہوچکے ہیں یہ اسلئے کہ ان لوگوں میں سلیقہ اتحاد نہیں، انہیں عقل نہیں۔ یہ متحد قلوب کو کیا جانیں۔ اور ایک نصب العین پر قائم ہونے کی قوت کو کیا سمجھیں۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (۴: ۱۰۴)

اے ایمان والو! دشمن قوم کی تسخیر و تعاقب میں نرم نہ پڑ جاؤ، اگر لڑائی میں تم کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو جیسے تم کو پہنچتی ہے انکو بھی پہنچ رہی ہے۔ اور تم کو تو خدا سے وہ وہ امیدیں ہیں جو انکو ہرگز ہرگز نہیں۔ اور اللہ طرفین کے سب حالات سے اور قتال کی حکمت عملی سے خوب واقف ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (۸: ۶۵-۶۶)

اے پیغمبر! ایمان والوں کو دشمنانِ خدا کے برخلاف لڑنے پر برانگیختہ کیا کرو۔ ایمان والوں کی قوت تو اسقدر زبردست ہے کہ اگر تم میں سے برداشت کرنے والے بیس مومن بھی ہوں تو وہ مخالف فریق کے دو سو نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سے ایسے سو ہوں تو کفار کے ہزار نفر پر غالب رہینگے یہ اسلئے کہ یہ قوم ایمان کی غلبہ آفریں طاقت کو سمجھتی ہی نہیں۔ اس وقت اللہ نے اپنے علم کا بوجھ تم پر سے ہلکا کردیا ہے، اور محسوس کیا ہے کہ ابھی تم میں کمزوری و مسائل باقی ہے تو اس کمزوری کی حالت میں بھی تم میں سے ایک سو صابر ہونگے تو وہ دو سو دشمن نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر ایک ہزار ہونگے تو وہ دو ہزار پر غالب رہیں گے، اور اللہ تو مستقل مزاج لوگوں ہی کا ساتھی ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ

٭ یہاں صبر کے مطالب اسقدر صاف ہوگئے ہیں کہ اسکے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں رہتی۔ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ کے الفاظ یہاں پر آئے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ صبر کے فلسفہ اور نتائج کو نہیں سمجھتے۔ ان آیات میں صبر کو ایمان پر محمول کیا ہے (حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ) گویا ایمان کی ایک شق صبر بھی ہے لیکن جو اہم نتیجہ ان آیات کے مطالعے سے نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ جو قوم اس دنیا کے اندر اپنے سے کم تعداد قوم سے پچھڑ رہی ہے نہیں تھا کفر صریح، انتہائی کفر ہے کہ اپنے سے کم تعداد سے شکست کھائی لیکن اگر اپنے سے نصف تعداد سے پچھڑے تب بھی کافر ہے۔ انتہائی ایمان یہ ہے کہ ایک مومن دس کو پچھاڑے لیکن اگر ضعف کی حالت میں دو کو بھی ہرا سکے تو ایمان کا کچھ نہ کچھ دعویدار ضرور رہتا ہے۔ گویا کبری کی ایک اہم شق ارشادِ قرآن بزدلی ہے نامردی ہے، میدانِ جنگ سے بھاگنا ہے، اسلئے داڑھیاں رکھنے یا ٹخنوں سے اونچے پاجامے پہننے سے کوئی شخص خدا کے نزدیک کافر نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس مطلب کیلئے صفحہ ۱۶۳ کا تحت الحاشیہ بھی دیکھنا چاہئے۔

جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۳۷: ۱۷۱-۱۷۳)

اور لوگو! ہمارے پیغامبر بندوں کے حق میں ہمارا پہلے ہی ارشاد ہو چکا ہے کہ ہمارے ہاں سے لا محالہ اُنکو مدد دیجائے گی، اور بیشک ہمارے بندوں کی فوج ضرور غالب آکر رہے گی۔

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ أَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○ (۴۱: ۳۰-۳۲)

بیشک جن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا اور پھر اُسی پر تندہی اور استقلال سے جمے رہے، اُن پر ہماری رحمت کے علمبردار فرشتے نازل ہو کر اُن سے کہتے ہیں کہ اے خدا کے خالص بندو! دنیا کے مصائب اور دشمن کے ہجوم کو دیکھکر کچھ اندیشہ مت کرو اور غم نہ کھاؤ بلکہ اپنے تحمل اور استقلال کے صلے میں بہشت کی، جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، خوشیاں مناؤ۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں ہم تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑینگے۔ اور تمہارے لئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ میں (وہاں) جو کچھ تمہارا جی چاہے گا ملیگا، اور جو کچھ بھی طلب کرو گے حاضر کیا جائے گا۔ غفور رحیم خدا کے ہاں سے یہ تمہاری مہمانی ہے۔

---

* ان آیات الٰہی اور بعد کی آیات سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا کی تمکن اور ارضی غلبے کا ایمان والوں کے شامل حال ہونا قطعی ہے۔ اس موقع پر گو "عِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ" کے الفاظ آئے ہیں مگر بعد کی آیتوں میں یہ قید اُٹھا دی گئی ہے۔ "مُرسلین" کی نصرت سے بعض عافیت پسند اور کاہل مجبور مسلمانوں نے یہ لغو نتیجہ نکالا ہے کہ صرف پیغامبر ہی مظفر و منصور ہوا کرتے ہیں یا وہ مومن جو اُن کی معیت میں خدا کی لڑائیاں لڑتے ہیں۔ بعد کے مومنوں کیلئے "اَلْاَعْلَوْنَ" کا مکرر ہے کی کوئی شرط نہیں، وہ صرف زبانی ایمان سے مومن کے درجے تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ لچر اور ناپاک تاویل اسقدر مضحکہ انگیز ہے کہ اسکے لئے کسی رد کی ضرورت نہیں۔ فتح و نصرت کا سلسلہ دنیا میں روز اوّل سے لگا ہے اور روز قیامت تک جاری رہیگا۔ کاہل قومیں اسطرح کے مکر بنا کر اپنے نفس کو دھوکہ دیتی ہیں۔ "أَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کا محاکمہ اسقدر صاف اور ناقابل تاویل ہے کہ اسکے بعد کسی مکر و ریا کی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن یہ بحث و تمحیص چوتھی اور پانچویں مجلد کے لئے وقف کر دی گئی ہے۔

† ان آیات سے ظاہر ہے کہ ایمان والوں کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی۔ "قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ" سے مراد صرف منہ سے کہنا نہیں بلکہ خدا کو قول و عمل سے اپنا حاکم اعلیٰ ماننا، اور اسکے احکام کی نہایت تندہی سے تعمیل کرنا ہے۔ "ملٰئکہ" سے یہاں بحث نہیں مگر اسقدر ضرور ظاہر ہے کہ "ملٰئکہ" خدائے عظیم کی وہ مخلوق ہے جو فتح و نصرت کا پروانہ اس دنیا میں لیکر پہنچتی ہے۔ جو قوم "لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ أَنْفُسُكُمْ" کی مصداق ہے، جسکو اس دنیا میں قوت اور امن نصیب ہے، جو دشمن کے خوف و حزن سے نجات پا چکی ہے اس پر خدا کے ملائکہ کا نزول ہو رہا ہے۔ یہی نہیں کہ کیونکر نزول ہو رہا ہے، اسکی تشریح میں ابھی دیر ہے۔ "نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ" کے معنی سے ظاہر ہے کہ "فِيْهَا" کی ضمیر کا مرجع "الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" بھی ہے۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿۴۰: ۵۱﴾

اے لوگو! بگوش دل سن رکھو کہ ہم اپنے پیغامبروں، اور اُن لوگوں کی جو سچے دل سے ہمارے خدا ہونے پر ایمان لے آئے ہیں مدد کرتے ہیں، اُن کو غلبہ عطا فرما کر رہتے ہیں، اور یوم قیامت کو بھی اُن کی تائید کرینگے۔

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰: ۱۰۳﴾

اے لوگو! پھر جس دن ہمارے عذاب کا وعدہ آ پہنچتا ہے تو ہم اپنے پیغامبروں اور ایمان والوں کو عذاب کی شکست سے نجات دیتے ہیں۔ یہی ہمارا قانون ہے اور ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ایمان والوں کو ہر نوع نجات دیں۔

فَانتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۰: ۴۷﴾ *

پھر اے لوگو! ہم نے مجرموں کو شکست دیکر اُن سے بدلہ لیا، اور ایمان والوں کو مظفر و منصور کرنا تو ہم پر لازم تھا۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۴۱: ۱۸﴾ *

اور پھر اے لوگو! ہم نے ایمان والوں کو غلبہ عطا فرمایا اور اُن لوگوں کو جو ہمارا سچا اتقا کیا کرتے تھے۔

ربّ الافواج اور عزیز و حکیم خدا نے **ایمان** کی اسی مقلب العمل کیفیت، **اتحادِ قلوب** کی اسی

---

* یہاں بصراحت تمام کہہ دیا ہے کہ "رُسُل" کے سوا اصحاب ایمان قوم کی دنیوی فلاح یقینی ہے

* یہاں پھر "رُسُل" کے ساتھ ساتھ "وَالَّذِينَ آمَنُوا" بھی ہے۔ اور سیاق کے مطالب صاف ہو گئے ہیں کہ اس سے مراد دنیاوی مکمل ہی ہی نجات کو محض اُخروی نجات سمجھنا آج ناکارہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے سالیا ہے

* یہاں "رُسُل" کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا گیا صرف "ایمان والوں" کی نصرت کا حتمی وعدہ ہے بشرطیکہ وہ "ایمان والے" ہوں صفحہ ۱۱ آیات (۳: ۱۳۹-۱۴۲) میں غزوۂ اُحد کی شکست کے بارے میں خدائے عظیم نے مسلمان بھگوڑوں کو کافر اور ظالم کہا تھا گویا اگر یہ صاحب استقلال ہوتے تو یہ شکست نصیب نہ ہوتی۔ یہاں پر تاکیداً اسی مضمون کو دوسری عبارت میں دُہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ جو قوم صاحب ایمان ہو اُسکو نصرت عطا کرنا ہمارے لئے لازم ہو چکا ہے۔ خدائے عظیم کی اپنے پر یہ پابندی از روئے عدل ہے از روئے احسان و امتنان ہے جیسا کہ بے سعی و عمل مسلمانوں نے فرض کر لیا ہے، اور آج پے در پے شکستوں کو دیکھکر حیران ہیں کہ خدا کا وعدہ کیوں پورا نہیں ہوتا

* صفحہ ۱۰۹ کے متن کی آیات میں ہم نے جستہ جستہ قرآن عظیم سے وہ موقعے پیش کر دیئے تھے جن میں "متقی" اقوام کی دنیوی فلاح اور تمکن فی الارض کا قطعی وعدہ کیا گیا تھا "اتقا" کی بعض اہم شرطیں بیان کر دی تھیں۔ ان آٹھ موقعوں پر جو کتاب کے متن میں پیش کر دیئے ہیں صرف "ایمان والوں" کی دنیوی فلاح کا ذکر ہے، لیکن خاص اس آیت یعنی (۴۱: ۱۸) میں "ایمان" اور "تقویٰ" دونوں کو یکجا کر کے "متقی" اور "مومن" قوم کی دنیوی نجات کا فیصلہ کر دیا ہے۔ ایمان کی شرائط اس سے پیشتر ذکر کر دی گئی ہیں۔ اور ان میں اور تقوے کی شرطوں میں مماثلت عیاں ہے۔ چنانچہ آگے چلکر صفحہ ۔۔۔ پر ثابت کر دیا جائے گا کہ ایمان اور اتقا قریب قریب ایک ہی شے ہیں۔

عدو شکن طاقت، اور صبر کی اِسی عزم گسل استطاعت کو مدِّنظر رکھکر رسول کریم کو اطمینان دلایا تھا کہ کامیابی اسلام کیلئے **توحید** کا ہی **وحدت** انگیز ماحول، اور **ایمان** والوں کی یہی چھوٹی سی جماعت کافی ہے!

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۸ : ۶۳-۶۴)

اے پیغمبرؐ! سب سے بڑا احسان جو خدا نے تم پر کیا ہے یہ ہے کہ اُس نے مومنوں کے دل گانٹھ دیئے اگر تم روئے زمین کے خزانوں کو خرچ کر ڈالتے تو بھی انکے دلوں میں یہ الفت نہ پیدا کر سکتے تھے لیکن وہ خدا کی مشترک عبودیت ہی تو تھی جس نے ان کو آپس میں جوڑ دیا! بیشک وہ خدا اثر از بردست اور صاحبِ تدبیر ہے۔ اے پیغمبرؐ! اب تمہیں اللہ اور یہی مومن جو تمہارے تابع فرمان ہیں ہر ایک سے نمٹنے کے لیئے کافی ہیں۔

کفایتِ خدا کا یہ عظیم الشان وعدہ عرب کے بے زر اور بے بصر نبیؐ سے اُس وقت ہوا تھا جب کہ بعثت کے چھٹے سال میں اسلام کا وہ زبردست اور تند خو دشمن عمر (رض) محمدؐ کے خُلقِ عظیم کے آگے سپر ڈال چکا تھا، اور عرب کے کُل برِّ اعظم میں صرف **چالیس مرد** اور **پندرہ** عورتیں ایمان لائی تھیں! مگر **اُلفت** کی دلوں کے بیچ میں چلی ہوئی نہر سلسبیل نے اور **طاعت** کے پیدا کیئے ہوئے ابرِ بہار نے اِس بے نشان اور کمزور پودے کو ایکدن سر بفلک درخت بنا کر سایہ پرور اور زمین شگاف کر دینا تھا!

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ

وَاللّٰهُ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ کے مطالب کے لئے صفحہ ۱۴۶ کے تحت المتن کو دیکھنا چاہیئے۔ مرقومہ صدر ترجمے میں ہم نے اِن معانی کا ماحصل بیان کر دیا ہے۔ خدا کو صحیح معنوں میں خدا مان لینے کے بعد اسکے ماننے والوں کا آپس میں متحد ہو جانا قطعی ہے اسی حقیقت کو اصل کتاب میں توحید کا وحدت انگیز ماحول کہا گیا ہے اگر آج یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو اسکا باعث یہ ہے کہ مسلمان خدا کو درحقیقت خدا نہیں مانتے۔

فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (۴۸ : ۲۹)

اے دین خدا کے دشمنو! یاد رکھو کہ محمد خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے، اور اسی لئے تمہاری سب کارستانیوں کے باوجود بے خوف و خطر ہے! جو لوگ اُسکے ساتھ ہیں اعدائے اسلام کے حق میں بڑے سخت ہیں، آپس میں بیحد رحمدل ہیں؛ رافت و محبت کی ایک نہر سلسبیل اُنکے دلوں میں بہ رہی ہے تم انکو دیکھو گے کہ ہمارے حضور میں کبھی گھٹنوں کے بل کھڑے ہیں، کبھی زمین پر ماتھا ٹیکے ہیں گویا سرتاپا مطیع رہکر فضل خدا اور خوشنودیٔ رب العالمین کی طلبگاری میں لگے ہیں اطاعت کے نشان (اَثَرِ السُّجُوْدِ) اُنکے چہروں میں (فِیْ وُجُوْهِهِمْ) عیاں ہیں (سِيْمَاهُمْ) فرمانبرداری کی علامتیں انکی شکلوں سے نظر آ رہی ہیں یہی اوصاف اُنکے توریت اور انجیل میں مذکور ہیں یہی آج اُنکا طرز عمل ہے وہ روز بروز اسطرح زور پکڑتے جائینگے جیسے ایک کھیت ہو جسے پہلے زمین نے اپنی سوئی نکالی، پھر [illegible] سے آہستہ آہستہ زور پکڑا، پھر رفتہ رفتہ موٹا ہو کر اپنی جڑ پر سرو قد کھڑا ہو گیا، کسان ہیں کہ اپنی محنتوں کو بار آور دیکھکر باغ باغ ہو رہے ہیں، اور دشمن ہیں کہ مارے حسد کے جل رہے ہیں۔ اے لوگو! خدا نے محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو دل سے ایمان لائے، اور جنہوں نے تدبیر سے مناسب اعمال بھی کئے (اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ) اس دنیا میں اجر عظیم دینے اور انکی اجتماعی واماندگیوں اور بدحالیوں پر پردہ پوشی کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے!

---

* یہ آیۂ جلیلہ "اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کی پہلی قسط ہے جو ہم نے صفحہ ۳۰۹ کے حواشی میں ایمان کی تشریح کے بعد پیش کر دی ہے گویا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ہونا، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہونا، تعمیل احکام خداوندی میں رُكَّعًا سُجَّدًا رہنا، اور سب سے اہم یہ کہ ہر دم اور ہر آن **خدا کے انعامات کی تلاش** میں لگے رہنا، **قوت اور طاقت، تمکن اور تسلط** کے درپے رہنا (يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ)، اور اسکے لئے وسائل تلاش کرنا ہی **ایمان اور عمل صالح** ہے جو قوم دشمن کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آ رہی ہے، آپس میں نہایت متحد اور رحمدل ہے، قانون خدا کی نہایت پابند ہے، خدا کی دنیاوی نعمتوں اور طاقت دین حاصل کرنے کے درپے ہے اور ساتھ ہی خدا کے حضور میں اپنے آپکو عاجز شمار کرتی ہے، وہی **اعمال صالحہ** کر رہی ہے وہی **ایمان** کی شرطوں کو پورا کر رہی ہے وہی حیرت انگیز سرعت سے نشو و نما پا رہی ہے! وہی اس دنیا کے طویل عرصے میں اسطرح پھیل رہی ہے کہ نام نہاد مسلمان آج اسکے تمکن کو دیکھکر دنگ رہ گیا ہے، اور شدت غیظ کے باعث اپنی انگلیاں کاٹ رہا ہے۔ آہ! لیکن خدا صرف مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ رب العٰلمین ہے اور جو اُسکے قانون پر چل رہا ہے وہی انعام پا رہا ہے!

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ سے مراد ہرگز نہیں کہ اُن لوگوں نے نماز پڑھ پڑھ کر اپنی پیشانیوں پر گٹے ڈال لئے ہیں جیسا کہ آجکل بعض سادہ لوح مسلمان اپنے ماتھوں کو زمین پر عمداً رگڑ رگڑ کر ڈال لیتے ہیں اور اس حرکت سے "متبع رسول" اور اَجْرًا عَظِيْمًا (۴۸ : ۲۹) کے حقدار بنتے ہیں بلکہ یہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی **کیفیت قلب اور شدت اطاعت** کا **تمثیلی اظہار** ہے گویا یہ کہا ہے کہ اطاعت کے نشان تم اُنکے چہروں پر دیکھو گے جسطرح آج کسی کو کہا جاتا ہے کہ ذہانت اور اقبال فلاں شخص کے چہرے پر نظر آتے ہیں سجدہ ماتھے کا ذکر تک نہیں بلکہ چہروں (وُجُوْهِهِمْ) کا ہے اور تمام چہرے میں اطاعت نظر آ رہی ہے صرف ماتھے میں نہیں۔ علاوہ ازیں مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ اور مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کے الفاظ سے [illegible] گویا اہل کتاب کا نشو و نما [illegible] سیما کے معنی نشان کے ہیں چنانچہ سورۂ بقرہ میں مجاہدین فی سبیل اللہ کے بارے میں ارشاد ہے تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ (۲ : ۲۷۳) یعنی تم ایسے لوگوں کو اُنکے نشانوں سے تاڑ جاؤ گے (دیکھو تحت اللفظ صفحہ ۲۱) یہاں بھی گٹوں کا قطعاً کوئی ذکر نہیں اور پیشانی پر گٹے ڈال لینے سے کوئی شخص مطیع خدا نہیں ہو سکتا خواہ وہ گٹے تمام چہرے پر ڈال لئے ہوں! ایک قابل توجہ بات اس آیت میں لفظ مِنْهُمْ ہے جس سے ظاہر ہے کہ رسول خدا کے ساتھیوں میں سے بھی اجر عظیم کا وعدہ **صرف اُنہی** کو ہے جو اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق رہے، گویا کلمہ پڑھکر مسلمان بن جانا شرط نہیں بلکہ پیہم **عمل** کرتے رہنا اور ہر دم **مجسمۂ ایمان** بنے رہنا شرط ہے!

اطاعتِ رسولؐ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴ : ۸)

جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے گویا خدا کی اطاعت کی

طاعتِ رسولؐ، اور اُسکے منجانب اللہ ہونے کا یہ یقین تھا کہ عین اُسوقت جبکہ مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت اس پاک نبیؐ کی امامت میں اللہ جل شانہٗ کے حضور میں، اپنے عجز اور بینوائی کی داستان گڑگڑا گڑگڑا کر سنا رہی تھی، اور مسلمانوں کے ایمان سے منور دل اُس بارگاہ عالیہ کی رحمت کا سماں اپنے سامنے صاف دیکھ رہے تھے، تحویل قبلہ کا حکم ملا، قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو پاش پاش کردینے والے یہ مومن مثال اس اللہ کے سچے نبیؐ کی تبدیل سمت پر اسی طرح بیچون و چرا اور دست بستہ بے شائبہ استعجاب منتقل ہو کر پھر صف بستہ ہوگئے، اور آستانۂ خدا پر سر جھکنے لگے، عرش کے دم بخود اور صف آرا فرشتے جنہوں نے اپنی مدۃ العمر طاعت، بے اختیارانہ عبودیت اور دم مزن عبادت کے حوصلے پر ایک مرتبہ اللہ کی جناب میں انسان کو برا بھلا کہنے، اور اپنی فوقیت جتلانے کی جرأت کی تھی؛ اور جنہیں خدائے پاک نے انسان کی خفت و توہین کرنے پر ٹوک دیا تھا، اس کیفیت کو دیکھکر انگشت بدنداں رہ گئے، مگر جریدۂ رحمت کے کاتبوں کو حکم ملا کہ اس نادرۂ روزگار امت کے نام پر روئے زمین کی بادشاہت اور اللہ کی سب نعمتوں کی وراثت ابھی سے لکھ دی جائے!

؎ سورۂ بقرہ میں اس عبرت آموز اور شاندار قصے کا یوں ذکر ہے ہم نے ایک لفظی ترجمہ کر دیا ہے لیکن اس کا صحیح مفہوم تیسری مجلد سے پہلے بیان نہ ہوسکے گا۔ ملائکہ کی تسبیح اور سورۂ بقرہ کا ربط پانچویں جلد میں عیاں کر دیا جائے گا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ

نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲ ۳)

اور اے پیغمبر! ان کو وہ وقت یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے فرشتو! میرا ارادہ ہے کہ اس زمین میں اپنا ایک قائم مقام بناؤں، فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! کیا تو کسی ایسی مخلوق کو اپنا نائب منتخب فرمائیگا جو اس زمین میں فساد پھیلائے اور آپس میں خونریزیاں کرے، حالانکہ ہم ہیں کہ تیرا امر دل سے بجا لاتے ہیں، تعریف میں لگے ہیں، اور تعمیل احکام کر کے تیرا ہی دل ملا کر رہے ہیں، پروردگار عالم نے جواب دیا کہ ہاں بیشک لیکن میں اپنی ان تمام ہی مصلحتوں کا جو علم رکھتا ہوں جن کی ابھی تک تم سمجھ نہیں پہنچ سکے

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ (۲ ۱۴۳)

اور اے پیغمبرؐ ہم نے کچھ عرصے کے لیے بیت المقدس کو قبلہ اسی غرض سے قرار دیا تھا کہ جب مستقل قبلے کا حکم پونہچے تو ہم ان لوگوں کو جو رسول کی بے چون وچرا پیروی کریں، اُن سے جو سرتابی کرکے اپنے پاؤں پھر جائیں، الگ معلوم کرلیں اور قبلے کا دفعۃً بدلا جانا بلاشبہ ایک اہم بات تھی مگر جن لوگوں کو خدا نے اطاعت رسول کا رستہ دکھا دیا تھا اُنکے لئے کچھ قابل اعتراض نہ تھی اور خدا ایسا نہیں کہ رسول کی صداقت پر تمہارے اِس حیرت انگیز جلی ایمان کو ضایع ہونے دے، وہ تو ایسے اعمال کو دیکھکر بیشک تمام عالم پر بیحد مشفق اور مہربان ہوجاتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ○ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ○ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ○ (۸ ۲-۲۲)

اے ایمان والو اللہ کے احکام مانو، اور رسول کے بالمشافہ احکام کی بھی بلا حیل و حجت تعمیل کیا کرو، اور خصوصاً جبکہ تم اسکا حکم سُن رہے ہو (یعنی دیدہ و دانستہ) اُس سے سرتابی نہ کیا کرو۔ کیونکہ وہی تمہارا اولوالامر ہے۔ اور نہ تم ان لوگوں کی مانند ہو جو مُنہ سے ہاں کہہ چھوڑتے ہیں اور پھر حکم کی تعمیل فوراً نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ ڈھیٹھ اور نکمے لوگ ہوتے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے خواہ اُنکو کتنا ہی سمجھایا جائے، اور اطاعت امیر کی لِم سے بیخبر ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

✢ اس آیہ کریمہ سے ظاہر ہے کہ قرونِ اولیٰ میں متابعت رسول بھی فی الحقیقت ایمان کی ایک اہم شق تھی۔ رہا یہ امر کہ یہ اتباع کس معنوں میں تھا اور آج جبکہ رسول خدا صلعم موجود نہیں کیونکر ہو سکے، اسکی تصریح اسی صفحہ کے آیندہ تحت المتن میں کردی ہے۔ تحویل قبلہ کی متذکرہ صدر توضیح سے صرف ظاہر ہے کہ رسولؐ خدا کے قدم بقدم چلنا اور بے چون وچرا اُسکے حکم کی تعمیل کرنا اُسپر ایمان لانیکے مرادف تھا یہی بات "اٰمَنُوا" پہلے کے الفاظ سے ظاہر ہے جو آیہ (۔۔ ۱۵۷) میں آگے چلکر آرہی ہے۔ (دیکھو صفحہ ۱۷۲)۔

✤ "اَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ" کا اصلی مقصود مرورِ زمانہ اور نسیان دین کے باعث مسلمانانِ جہاں کے ذہنوں سے اسقدر محو ہوگیا ہے کہ وہ آج دین انحطاط کے زمانے میں شرعی رسوم اور فقہی مسائل کی ایک نمائشی سی پابندی کو ہی اطاعت خدا اور رسول سمجھکر اپنے آپ کو دین اسلام کے ایک اہم فریضے سے سبکدوش کر رہے ہیں۔ اُنکے نزدیک صوم وصلوٰۃ وحج وعمرہ وغیرہ ارکان دین کا شرعی التزام یا کتب احادیث کا لفظی ورد اور سطحی اتباع ہی اطاعت خدا اور رسولؐ کا انتہائی مقصود ہے۔ اِسکے سوا کوئی دوسری شے اُنکے ذہنوں میں سماتی نظر نہیں آتی، کوئی الٰہی یا پیغمبری آواز آج اُن کی

يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (۸: ۲۴-۲۵)

اے ایمان والو جب اللہ اور رسول تمہیں کسی ایسے کام کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی اور قوت بخشتا ہو (یعنی قتال اور متعلقہ فرائض) تو تم انکے احکام کو بگوش دل سنو اور مستعدی سے انکی تعمیل کرو اور جو

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷۰) خواب استراحت میں مخل نہیں، کوئی امر امیر لائق امتثال و استیجاب نہیں "اطاعت خدا" اور "اطاعت رسول" کی اصلی اور ابتدائی غرض و غایت کو عیاں کردینے کا یہ موقع نہیں۔ یہ موضوع "اطاعت امیر" کے عنوان میں بالاستقلال بیان کیا گیا ہے جو دوسری جلد میں آئے گا مگر مندرجۂ صدر آیات (یعنی (۸: ۲۰-۲۲) اور (۸: ۲۴-۲۵)) سے جو یہاں بطور شہد کے پیش کردی گئی ہیں، ظاہر ہے کہ اطاعت خدا کا علمی مطمح نظر قرن اول میں کچھ ہی ہو، لیکن "اطاعت رسول" کا مقصود نبی آخر الزمان کے عہد حیات میں انکے **بالمشافہ** احکام کی تعمیل ہی تھا۔ آیات (۸: ۲۰-۲۱) میں "وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ" اور "قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ" کے الفاظ، اور آیہ (۸: ۲۴) میں "إِذَا دَعَاكُمْ" کی قید اس دعوے کی صریح تائید میں ہے گویا رسول خدا کا کسی بات کو منہ سے کہنا، اور صدر اسلام کے مومنوں کا لبیک خاطر اس حکم کی فوری تعمیل کرنا، اور لنگ عذرات پیش نہ کرنا ہی "اطاعت رسول" تھا۔ صدر اسلام میں کوئی حدیث کی کتابیں نہ تھیں جن کی رسمی درس و تدریس اطاعت رسول کے مترادف ہو، یہ فقط صحابہ تھے جنکو عینک لگا کر پڑھ لینا، اور پڑھکر بادب تمام بالائے طاق رکھدینا اتباع رسول کے ہم معنی تھا، جیسا کہ آج اکثر سہل پسند مسلمانوں کا شیوۂ اعتقاد ہے۔ قرن اول میں رسول خدا مسلمانوں کے قائد اعظم اور سپہ سالار ہونیکی حیثیت میں وقتاً فوقتاً احکام نافذ کیا کرتے تھے جو مصالح وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کے اجتماعی دفاع کے لیے ضروری تھے، اور جنکے حسن جن گوشے میں ان قرابہا کی صدائیں پہنچتی تھیں لوگ لبیک لبیک کرتے حاضر ہو جاتے، اور اپنا تن من دھن اس بیکسیرت سردار کی خاطر قربان کردیتے، یہ اطاعت رسول کا صحیح مفہوم تھا۔ رہا یہ امر کہ آج جبکہ رسول خدا بذات خود مصلحت وقت کے مطابق حکم دینے کے لیے موجود نہیں تو "اطاعت رسول" کا بدل کیا ہو، اور کسکے حکم کی تعمیل فرض ہے، یہ ایک علیحدہ سوال ہے جسکی تصریح اپنے موقع پر کردیجائیگی مگر اس بحث میں آیہ (۸: ۲۵) کے مطالب خاص طور پر قابل التفات ہیں جسمیں عصیان خدا اور رسول کا نتیجہ وہ فتنۂ عظیم قرار دیا گیا ہے جسکی لپیٹ میں بلا امتیاز اچھے برے ساری کی ساری جماعت آرہتی ہے۔ یہ فتنہ لامحالہ سیاسی شکست ریخت اور اجتماعی بدنظمی ہے جو امیر جماعت کی نافرمانی اور تشتت آرا سے پیدا ہوجاتی ہے اور جو نظام کائنات کا اصل اصول ہے۔ اس نقطہ نظر سے اطاعت رسول اور "استجابت للرسول" کے معانی اور بھی صاف ہوجاتے ہیں اور اسلامی جماعت کی رہنمائی کے لیے ہر وقت کسی ایسے امیر کا موجود ہونا لازم و ملزوم ہوجاتا ہے جو خدا اور رسول کے احکام کی تابعداری عملاً کرائے اور جسب موقع امت کے شکست و ریخت سے بچانے۔ "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" (۸: ۲۴) کے الفاظ بھی اس دعوے کی حتمی تائید کرتے ہیں کہ احیا اجتماعی اور سیاسی قوت کا حاصل کرنا ہی تھا۔

اب رہا یہ امر کہ "أَطِيعُوا اللَّهَ" کا کیا مفہوم ہے اسکا جواب اعتقاداً اور نظریۃً اگرچہ یہی رہا ہو کہ جو کچھ کلام الہی کے اندر لکھا ہے اسکی پیروی کرنی اطاعت خدا ہے، مگر عملی معاملہ نظر سے یہ بات ناممکن العمل اسلیے ہو کہ قرآن حکیم ایسے احکام و قوانین کا مجموعہ ہے جنمیں اکثر کی بیک وقت پیروی کرنی محال ہوجاتی ہے، ان میں بعض (مثلاً جہاد بالسیف اور ہجرت وغیرہ) ایسے اوامر ہیں جن کا نفاذ وقتی اور مقامی حال احوال کو دیکھکر ہوتا ہے اور جو لامحالہ کسی امیر کے ماتحت رہکر ہی ہوسکتے ہیں۔ اس بنا پر بھی مسلمانوں کی امت کا کسی ایک "اولوالامر" کے اذن میں رہنا از روئے قرآن ضروری ہے، مگر رسول خدا کے عہد حیات میں "اطاعت خدا" سے مراد عملاً رسول خدا کے احکام کی تعمیل ہی تھی خواہ وہ احکام بالمشافہ اور مصلحتی تھے یا بذریعہ وحی خدا کے ہاں سے بھیجے تھے، حتیٰ کہ سورہ نساء میں "مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ" (۴: ۸۰) کہہ کر اطاعت خدا کو فی الحقیقت اطاعت رسول میں مدغم کردیا ہے۔ گویا قرون اولی کے عرش بارگاہ خداوندی سے حکم ہوتا ہے کہ جس شخص نے رسول خدا کے کہے کو مانا پس وہ ایسا مانتا اسے فی الحقیقت خدا ہی کے کہے کو مانا۔ پس "أَطِيعُوا اللَّهَ" کا مفہوم بھی صدر اسلام میں اطاعت رسول ہی تھا۔ اس نکتے کی تائید "وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ" (۸: ۲۰) اور "إِذَا دَعَاكُمْ" (۸: ۲۴) کی واحد غائب ضمیروں سے بھی ہوتی ہے

سمجھ لو کہ اللہ آدمی اور اُسکے دل کے درمیان حائل ہے، اور جو کچھ اُن کے درمیان بحث و نیز ہوتی ہے اُسکو خوب جانتا ہے یہ بھی جانے رہو کہ تم ایک نہ ایک دن اُسی کے حضور میں حاضر کئے جاؤ گے اور اُس اجتماعی موت سے ڈرتے رہا کرو جو امیر جماعت کی حکم عدولیوں اور داخلی فتنہ و فساد سے بالآخر پیدا ہوتی ہے اور جو خاص کر اُنہی لوگوں پر نازل نہیں ہوگی جنھوں نے تم میں سے سرتابی کی ہے بلکہ تم سب اُسکی رو میں آجاؤ گے، اور جانے رہو کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (۷، ۱۵۷)

تو جو لوگ اِس رسول کی صداقت اور منجانب اللہ ہونے پر ایمان لائے، اور اُنکی حمایت کی، اور اُن کو مدد دی، اور لعبیہ جو راہ ہدایت اُنھوں نے اِس نور عظیم (قرآن) کے ذریعے سے دکھلائی جو اُن کے ساتھ اُترا، یا جو اُن کے قلب میں تھا، اُسکی متابعت کرتے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو اِس دنیا میں کامیاب ہونگے۔

آہ! یہ وہ صادق النّیتہ متابعت، اور وہ محیّر العقل اطاعت امیر تھی جو مومنوں کے بمیثال ائتلاف قلوب اور طہارتِ نفس کا نتیجہ تھی؛ یہ وہ کرشمۂ اتحاد و عمل تھا جس کا قطعی اور حتمی باعث حسنا نفس اور اتقائے خدا تھا؛ یہ وہ محتسبانہ اتقا، اور مقامِ خدا کا ہول تھا جس کا محرک اصلی وجود خدا کا یقین اور اُسکی خالص عبادت تھی؛ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ۝ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۚ (۳۹، ۲-۳)؛ یہ وہ غیر

---

[1] تو خالص خدا ہی کی فرمانبرداری مد نظر رکھکر اُسی کی خدمت کیا کرو۔ دیکھو سچی خدمت گذاری خدا ہی کے شایاں ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۷۱) جس کا مرجع رسول ہی ہے، تثنیے کی ضمیروں کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن ان باتوں سے قطع نظر، آیہ (۸، ۲۵) میں "ظَلَمُوا" کا لفظ سب سے زیادہ قابل غور ہے۔ مقدمہ کتاب میں کئی جگہ (مثلاً صفحہ ۸۱، ۹۶، ۱۰۲) اس قرآنی اصطلاح کی جامعیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ان آیات (یعنی ۸، ۲۴-۲۵) سے صاف ظاہر ہے کہ شارع کائنات کی نگاہوں میں امیر جماعت کی نافرمانی کرنا "ظلم" ہے اور اسکا نتیجہ عذاب خدا اور اجتماعی شکست ہے۔ "ظلم" کے معانی کی یہ دوسری قسط ہے جو ضمناً یہاں پر ادا کر دی گئی ہے۔ پہلی قسط صفحہ ۱۲۰ کی آیہ کریمہ (۳، ۱۳۹) کے تحت المتن میں ادا کی تھی جہاں بتلایا گیا کہ جو قوم بزدل ہو کر میدان جنگ میں لڑتی ہے وہ رب زمین و آسمان کی نظروں میں ظالم ہے۔

[2] اِن آیات کے مطالب پر غور کرنے کے بعد لفظ "دِین" کے معانی اور بھی صاف ہو جاتے ہیں جو صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں بیان ہوئے۔ "لِلّٰهِ الدِّینُ الْخَالِصُ" کا مقصود یہی ہے کہ انسان کا سب سعی و عمل (الدِّینُ) خالصۃً (الخالِصُ) خدا ہی کی رضا میں وقف (لِلّٰہ) ہو، سب خالص فرمانبرداری (الدِّینُ الخالِصُ) اُسی خدا کی ہو ماسوا کی نہ ہو، سچے دل سے اطاعت (الدِّینُ الخالِصُ) اُسی احکم الحاکمین کی ہو، خالص راہ عمل (الدِّینُ الخالِصُ) خدا کے لیے مخصوص کر دیا جائے گویا "دِین" کے معنی "راہ عمل" کے ہیں اور یہ طرز عمل ہی خدا کی نظروں میں کسی شخص کا "چلن" یا "مذہب" یا "دین" ہو سکتا ہے۔ اعتقادی یا نظری "دین" کے معنی خدا کی نگاہوں میں کچھ نہیں، جیسا کہ آج کل بعض حوش اعتقادوں نے دین اسلام کو سمجھ لیا ہے۔ مزید تشریح کیلئے اردو دیباچے کے پہلے صفحوں پر غور کرنا چاہیئے۔

محلل اور منکر ماسوا توحید تھی جسنے دل کی تسلیم پر خدائے برتر کی کامل حکومت قائم کرکے انسان کو تسلیم کا خوگر اور قانون الٰہی کا پابند کردیا تھا فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝[۵۱] (۲۲: ۳۴-۳۵)؛ اور یہ وہ ادب آموزِ باطن، ماحیٔ نفس، مبطلِ کذب، اور محرک اعتصاب اسلام تہا جسکا واحد مسہائے نظر تقویتِ قوم اور استحکام جماعت تہا۔ خدائے جلّ وعلےٰ کو اسکے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بندوں اور نطفۂ منی سے پیدا کیئے ہوئے انسان کے رسمی سجدوں، ظاہری عبادتوں، قربانیوں اور پیوں کی مطلق حاجت نہ تھی؛ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝[۵۲] (۳: ۹۶) - وہ اس ہیچمیرز بستر کے ترک ا. نادا و ترک وطن، ابتاے مال و ایثار جان سے قطعی بے نیاز تہا۔ اسکو اس فرۂ مقدار اور بے حقیقت انسان کی نصرت کی کچھ خواہش نہ تھی۔ وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ[†] إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝[۵۳] (۲۹: ۶)؛ وہ اگر چاہتا تو ایک آنکھ کی جھپک میں سرکش اور متمرد انسان کو فطرت کی زمیں پاش طاقتوں کے قابض ارواح ملائک، اور طبیعت کے عالم آشوب حوادث کے علمبردار مصیطروں کو ایک اشارہ کرکے مکھی یا مچھر کی طرح مسل ڈالتا

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ۝ (۳۶: ۶۶-۶۷)

اور اگر ہم چاہیں تو ضرور ان سب کی آنکھوں سے بینائی اچک لیں اور پھر یہ رستے کی طرف دوڑیں تو کہاں سے دیکھ پائیں، اور اگر ہم چاہیں تو یہ جہاں ہیں وہیں انکی صورتیں اور طاقتیں مسخ کردیں پھر تو ان سے آگے چلتے ہی بن پڑے اور نہ لوٹتے ہی بن پڑے۔

---

[۵۱] تم سب کا خدا ایک ہی خدائے واحد ہے پس اُسیکے احکام کی تعمیل کیا کرو اور اسی کے آگے سرِ تسلیم خم کردو اور اے پیغمبر تم ہماری طرف سے ہمارے حضور میں حاضری سے رہنے والے بندوں کو بشارت دو کہ ہم انکی خدمت سے خوش ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو تعمیل احکام تو درکنار جب اللہ کا نام اُنکے آگے ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل لرز اٹھتے ہیں اور اسکی حمایت میں جو جو مصیبتیں بھی اُن پر آن پڑتی ہیں بطیب خاطر برداشت کرتے ہیں، پھر وہ ہیں پانچوں وقت ہمارے سامنے ماتھا رگڑتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ [۵۲] اور جو کوئی خدا سے منحرف ہوا تو اللہ وہ غنی ذات ہے کہ تمام جہاں سے بے نیاز ہے۔
[۵۳] اور جس نے تکلیفیں سہیں اور جہاد کیئے، سعی و عمل کیا اور مصائب کا مقابلہ کیا سو وہ کچھ اپنے ہی بھلے کے لیئے کر رہا ہے ورنہ خدا تو تمام عالم سے مطلقاً بے نیاز ہے، اُسکے واسطے کسی کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

[†] اس ذاتی معاد اور لِنَفْسِهِ کی تشریح عنقریب آیندہ صفحوں میں آئے گی۔ (دیکھو صفحہ ۱۸۰-۱۸۱)

مگر اسکی شانِ عاطفت اور کبریائی اِس بات کی مقتضی تھی کہ، انبیائے کرام اور کتابِ وحی کے ذریعے سے اُس ظلوم وجہول انسان کو جسنے فہم وادراک کی امانت اپنے ذمے لیکر (۳۳ ۷۲) اور حیوانوں کی عمرًا اپنے آپ کو قانونِ فطرت سے قطعی بے خبر کر رکھا ہے، جسکے ایک حد تک صاحب اختیار ہونے کی وجہ سے اسکو اپنی راہِ عمل میں ہر قدم پر لغزش کا سامنا ہے، جو آپ صاحب ارادہ ہونیکے باعث اپنے مالکِ حقیقی کے ارادے سے طبعًا ناآشنا ہے، جسکے صاحب تدبیر ہونیکے جرم میں فطرت نے اُس کو اپنے پاس سے کوئی ہدایت نامہ یا طرزِ عمل مہیا نہیں کیا، جسکے فساد فی الارض کی اور خونریزی کی داستانیں جسکے ظلم و ستم اور تمرد، نفس پرستی اور خود پسندی کی حکایتیں، اسکی نشاءِ اول سے پہلے ہی زمین و آسمان کی حکمبردار قوتوں، اور مقدس فرشتوں کے بزبان ہوچکی تھیں، جو آج اپنے علم و عقل کے غرور اور ہوش و تمیز کے گھمنڈ میں کتابِ خدا حتّی کہ وجودِ خدا کا بھی متکبرانہ انکار کر رہا ہے، اَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ[۵۱] ۝ (۳۶ ۷۷)، جو اپنی تجویز پر نازاں، اور اپنی سعی و عمل پر فریفتہ ہوکر قدرت کی قاہر اور جابر روحانی قوتوں، اور کارخانہ جہان کے اٹل اور عدیم المثال اخلاقی اصولوں کی معاندانہ روک اور تمسخر کے درپے ہے فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ[۵۲] ۝ (۳۹ ۴۹)، ہاں وہ کتابِ وحی کے ذریعے سے اِسی ظلوم وجہول انسان کو فطرت کے عالم آرا اخلاقی اور احسانی، مادی اور روحانی قانون سے باخبر کرکے، ابدالآباد تک بیخوف و خطر، اور قوت و استقامت سے رہنے کے قابل بنادے، وہ اسکی قوائے مُدرکہ کے سامنے **فطرت** کی کتابِ مبین کا فوری اور تیار ملخص پیش کرکے کارگاہ

---

۵۱ کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم نے اُسکو گندے پانی سے پیدا کیا پھر بھی وہ کھُلم کھُلا ہمارا مخالف بنا رہتا ہے اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگتا ہے، اپنی اصل کو بھول گیا اور کہتا ہے کہ بھلا گلی سڑی ہڈیوں کو کون ازسرِ نو زندہ کرے گا۔

۵۲ انسان کی عادت ہے کہ جب اُسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے پھر جب اسکو کوئی نعمت ہم بطور احسان عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھے میری ذاتی لیاقت کی وجہ سے (یعنی سمع و بصر اور ذہن سلیم کے صحیح استعمال کے باعث (عَلٰی عِلْمٍ کا ترجمہ دیکھو صفحہ ۸۲) ملی ہے۔ اے ناسمجھ انسان! یہ نعمت تو آزمائش کے طور پر ہی ہے کہ ہم دیکھ لیں کہ تو اسکا جائز استعمال کہاں تک کرتا ہے لیکن افسوس کہ اُن میں سے اکثر لوگ ہمارے نظامِ سعد کے قانون کا علم نہیں رکھتے۔

قدرت کے عظیم الشان اور ممتنع الحصول اسرار سے آگاہ کردے : تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ (۲۷ : ۱-۲)؛ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۗ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۗ (۹۶ : ۴-۸)؛ وہ اسکے محدود اور ناقص علم پر حکیم حقیقی کی لامتناہی حکمت کے مہتم بالشان سرائر و خفایا کا اضافہ کرکے اُسکو حفظ نفس اور اجتماعی استحکام کے اٹل اصول سکھلادے، وہ اسکے جزوی اختیار کے بالمقابل قادر مطلق کی ناپیداکنار قدرت اور استطاعت کی علی سرحد مقرر کرکے، بنی نوع انسان کو تجاوز کے نفس کُش عمل، اور عدوان کے ضبط شکن فعل سے روک دے : تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (۲ : ۲۲۹)؛ وہ اُن کو نظم و نسق کا طبعی اور صحیح طریقہ سکھلاکر، ان کے اعمال میں فطری صلاحیت، اور عزائم میں لازوال استقامت بخش دے؛ وہ انسان کے تنگ افق نظر کو کتاب خدا کے اٹل فیصلوں، اسکی فقید المثال ہدایت اور بشارت، برکت اور رحمت، علم اور حکمت، نور اور شفا کی وساطت سے وسیع تر کرکے اقوام عالم کے تمکن و بقا کا مسئلہ سہل تر کردے : وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۷ : ۵۲)۔ وہ الغرض انسان کی دینی اور دنیاوی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو اعتدال کے زریں اصول، صلاحیت کی محکم

---

۱۵ یہ قرآن کریم کی آیات ہیں اور اس کتاب مبین کے احکام ہیں جو ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ ایمان والوں کے لئے ان احکام میں سراسر ہدایت عمل اور بشارت ہے۔

۲۵ خداوند پاک ذات ہے جسنے ظلوم و جہول انسان کو کتاب وحی کے ذریعے سے (بالقلم) وہ عظیم الشان حقائق سکھلا دیے جو اس سے پہلے وہ ہرگز نہیں جانتا تھا، نہیں نہیں یہ درحقیقت انسان کی کمال سرکشی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت سے بے نیاز سمجھتا ہے اور اگر وہ نظر تعمیق دیکھے تو وہ اسقدر محتاج ہے کہ ہر بات میں اسکو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہے۔

۳۵ یہ قانون فطرت ہے، اور یہی اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں پس اس سے تجاوز نہ کرو، حدود سے آگے نہ بڑھو۔ اور جس قوم نے خدا کی حدسے تجاوز کیا وہی ظالم ہے

۴۵ اور ہم تو ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جسمیں ہم نے ہر اہم امر کی تفصیل اپنے علم کے ذریعے سے کردی ہے۔ ایمان والی قوم کے حق میں اسکے احکام سراسر ہدایت اور رحمت ہیں۔ (یہ آیہ شریفہ صفحہ ۵۸ کے متن اور صفحہ ۵۹ کے تحت المتن میں آچکی ہے)

✤ ''کتاب مبین'' کی ضمنی تشریح مقدمہ کتاب ہذا صفحہ ۶۱، ۶۲ پر گذر چکی ہے جہاں اس آیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے

✤ یہاں ''ظالم'' کے متعلق فیصلہ کردیا ہے کہ جو قوم قانون فطرت کی حدود سے تجاوز کرے وہ تاریخ کائنات کی اصطلاح میں ''ظالم'' ہے اور آیہ (۶ : ۴۷) صفحہ ۱۸ کے محاکمے کے مطابق ہلاکت کی اہل۔ ''ظالم'' کے معانی کے متعلق یہ تیسری قسط ہے جو ہم نے ادا کردی ہے پہلی دو قسطیں یعنی ''نقص فی القانون'' ''عصیان امیر'' صفحہ ۱۷۲ اسکے تحت المتن میں آچکی ہیں۔ ✤ قرآن حکیم کے متعلق صفحہ ۸۹۔ ۹ کے تحت المتن کی آیات کی طرف اشارہ ہے

سطح، اور اتّفاق و اتحاد کی استوار زمین پر لاکر انکی جماعت کو پیش از وقت شکست کے **خوف** سے قطعی نجات اور بیوقت **فنا** سے عملاً مامون و مصئون کردے!

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۵ ۱۵-۱۶)

اے باشندگانِ زمین! پروردگارِ عالم کی طرف سے تمہیں وہ نور اور واضح کتاب آچکی ہے جسکے ذریعے سے خدا اس قوم کو جو منشائے ایزدی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، انہیں اپنے فضل و کرم سے جہالت اور ناعاقبت اندیشی کی ظلمتوں سے نکالکر علم اور حفظِ نفس کے نور کی طرف لائیگا، اور انہیں اس نعمتِ عظمیٰ کے سیدھے رستے پر ڈالدیگا!

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶ ۸۹)

اور اے محمدؐ! ہم نے تم پر یہ کتاب اس پائے کی نازل کی ہے کہ اسمیں انسان کے متعلق تمام اصولی قواعد کا مفصل بیان موجود ہے اور تسلیم و عمل کرنے والی قوم کے لیئے تو یہ سرتاسر ہدایت ہے، رحمت ہے اور سلامتی اُمم کی بشارت ہے!

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹ ۲۷-۲۸)

اور ہم نے تو کافۃ الناس کو راہِ ہدایت اور طریقِ عمل جتلا سکنے کے لیئے اس قرآن میں ہر ممکن حالت کو پیشِ نظر رکھکر مثالیں بیان کردی ہیں تاکہ لوگ اُن سے نتائج اخذ کرسکیں۔ اسی وضاحت کے لحاظ سے ہم نے اسکو عربی زبان میں کردیا ہے۔ اسمیں کسی طرح کی پیچیدگی یا منطق کی کجی نہیں رکھی اور یہ سب اس لیئے

✽ آیۃ زیرہ (۵) کے متعلق بحث صفحہ ۶۲ کے تحت المتن میں گذرچکی ہے "سُبُلَ السَّلٰمِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کا منتہا اقوامِ عالم کو تمکن فی الارض اور حفظِ نفس کے اصول سکھلانا ہے "ظُلُمٰتِ" کا صحیح مفہوم بھی جہالت اور عدمِ تعقل قانونِ خدا کی تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا کیونکہ مقدمہ کتاب میں ثابت کردیا گیا ہے کہ قرآن کا ظہور لئے اختیار اسکا علم ہی ہے اور یہی بات آیۃ (۵ ۱۹۶) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۸۵ کے متن میں آچکی ہے "روحانی ظلمتوں" اور "روحانی نور" کا ذکر جو بعض ما قرآن شناس مسلمان کرتے ہیں ایک بے معنی سی اور بے نتیجہ بات ہے صفحہ ۵۵ کی آیت (۲ ۱۱۲) بھی ہمارے معانی کی مؤید ہے "الظُّلُمٰتِ" اور "النُّوْرِ" پر مکمل بحث اور معنی کی چھان بین آیاتِ کبریٰ سے یہی مستنبط ہوتا ہے کہ "سُبُلَ السَّلٰمِ" یعنی حفظِ نفس کی راہوں پر چلنا اور جہالت کی ظلمتوں سے نکلکر علم کی منوّر راہوں پر گامزن ہونا ہی صراطِ مستقیم ہے صفحہ ۸۸، ۹۳، اور ۹۵ کے حواشی میں کسی قوم کا علم کی حقیقت کا ماہر ہوجانا "سبیل خدا پر چلنے" کا مترادف قرار دیا گیا تھا، اور قریب قریب یہی مضمون اِن آیات میں ہے۔ صراطِ مستقیم کے مکمل مفہوم بیان کرنے میں ابھی کچھ دیر ہے مگر اسکی پہلی قسط یہی ہے کہ اُمّت اجتماعی رنگ (دیکھو مسئلہ ارتقا بحث المتن صفحہ ۱۲) کے ماحول میں نکلکر سلامتی اور امن کی راہ پر قدم بڑھائے، اور جہالت کی قیود سے آزاد ہوکر علم کے معیار ! پر سے عبرت ہو یہی صراطِ مستقیم ہے جس کی رہ ... [illegible] ... لکے معنوں میں ہوتی ہے اہدنا الصراط المستقیم (۱ ۵) سے خدا ہم کو صراطِ ... [illegible] ... سیدھی راہ پر چلا"

کہ لوگ ان مشرح احکام کو سمجھ کر اتقا پیدا کریں، بربادی سے بچیں۔ اور حفظ نفس اختیار کریں (یَتَّقُوْنَ)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۙ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ† وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (۷: ۳۴-۳۵)

اور ہر ایک قوم کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے۔ پھر جب اُسکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اُس سے ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں پھر اگر اسوقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم! ہم نے تمہیں پہلے ہی کہدیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پہنچیں اور ہمارے احکام تم پر واضح کردیں۔ تو جو قوم ہلاکت سے دامن بچا کر چلی اور جسنے اپنی حالت کی اصلاح کرلی، اُنکو اس دنیا میں کسی قسم کا خوف وخطر لاحق نہیں ہوگا۔

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ‡ ۝ (۲: ۱۱۲)

اصل تو یہ ہے کہ جسنے اپنے آپ کو ہمہ تن قانون حق کے سپرد کردیا، اور اسکے بتائے ہوئے پسندیدہ عمل کئے تو اسکا اجر تو اس شخص کو اُسکے پروردگار کے ہاں سے ملیگا لیکن وہ قوم دنیا میں بے خوف وخطر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَن يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ

---

† یہ آیت مسئلہ ارتقا کے تحت اس صفحہ ۱۳۱ میں آچکی ہے مگر وہاں پر "اتقی" اور "واصلح" کے صحیح مفہوم کو ملتوی کردیا گیا تھا۔ اس وقت تک "اتقا" کے اسی مفہوم کی کئی شقیں ظاہر ہو چکی ہیں مثلاً اُمت واحدہ بنا (آیہ ۲۳: ۵۲ صفحہ ۴۹)، باہمی اتحاد قائم رکھنا (آیہ ۳: ۹۹ صفحہ ۱۵۰)، ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرنا (آیہ ۳: ۱۹۹ صفحہ ۱۵)، تفرقہ پیدا کرنا (آیات ۲۳: ۱۰۱-۱۰۲ صفحہ ۱۴۴) مصائب میں صبر تلقین کرنا (آیہ ۳: ۱۴۹ صفحہ ۱۶)، آمدہ مصائب کے لیے پیش از وقت تیاری کرنا اور حفظ نفس کے لیے مستعد رہنا (آیہ ۵۹: ۱۸ صفحہ ۱۶۲) وغیرہ وغیرہ سب اعمال "اتقا" میں داخل ہیں۔ جس قوم میں یہ خاصیتیں بدرجۂ اتم موجود ہوں گی وہ از روئے قرآن "فمن اتقی" کی مصداق ہے اور اس دنیا کے اندر "ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون" کا مصداق ہے اسی طرح "واصلح" کی تشریح بھی کچھ ہو چکی ہے مثلاً "رحماء بینہم" والی آیت (۴۸: ۲۹) صفحہ ۶۸ کے متن میں اور ان آیتوں میں جو مقدمۂ کتاب میں صفحہ ۲، ۸۷، اور ۱۵۹ پر ہو چکی ہیں

‡ "اسلام" اور "احسان" کا ذکر جو اس آیت میں آیا ہے وہ دراصل "اتقا" اور "اصلاح" ہی کے دوسرے نام ہیں جیسا کہ کچھ دیر بعد عیاں کردیا جائے گا۔ اسی لیے "مسلم" اور "محسن" قوم ہی دنیا میں بے خوف وخطر ہے۔ نیز "ربہ" تک واحد کی ضمیر استعمال کرنا اور بعد ازاں "علیہم" اور "یحزنون" میں جمع کی ضمیر لانے کا مقصود یہ ہے کہ ہر شخص کو اُسکے ذاتی عمل کا اجر آخرت کی صورت میں واضح ہو جائے (فلہ اجرہ عند ربہ) اور جس قوم کا وہ رکن ہو اُسکا دنیاوی اجر "لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون" کی صورت میں ظاہر ہو یعنی یہاں بھی اجتماعی مرصول ہو سکتی ایک مثال صفحہ ۳۴۳ پر گذر چکی ہے

فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ؏ (۵ : ۱۱)

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب ایک دشمن قوم نے تم پر اپنا دست تعدّی دراز کرنے کا تہیّہ کر لیا تھا اور اللہ نے تمہیں صبر اور استقلال، تہوّر اور اتّحاد کا سبق دیکر تم سے اُنکے ہاتھوں کو روک دیا اور اے مسلمانو! مقام خدا کا خوف دلمیں ہر آن رکھکر اسکے احکام کی متابعت کرتے رہو کیونکہ دشمن پر غالب آجانے کا راز اسی تقویٰ میں ہے اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ ہی حتی الامکان سعی کے بعد نتائج کے بارے میں خدا ہی پر توکل کیا کریں۔

آہ! اُس مالک الملک، اُس ربّ العالمین خدا کی عالم آرا رواداری اُمّت رسولؐ کے اسی خوف حزن کو امن وامان میں بدل دینے کے اہتمام میں تھی۔ قرآن حکیم کے اوامر ونواہی، آجکل کے عام اور پست کن تخیّل کے مطابق، دنیاوی نقطۂ نظر سے محض بے وجہ اور بے نتیجہ نظریئے نہ تھے، وہ کسی توشۂ آخرت اور زاد معاد کے بے سبب اور بے دلیل، انفرادی اور شخصی سامان نہ تھے جنکا تیار کرنا خوشنودی خدا کے لیئے "اِتَّبَعَ رِضْوَانَهُ" (۵ : ۱۶) رسماً اور فرداً ضروری تہا، بلکہ وہ مستقل اور نتیجہ خیز اجتماعی اعمال تھے جن کا اولین پیش نہاد اِس دنیا کو خوش اسلوبی سے نباہنا ہی تہا۔ خدائے واحد پر ایمان، اسکی عبادت اور طاعت، اسکے تقوے اور اتحاد، اسکے جہاد اور ہجرت، صبر اور توکل، بلکہ صدقات اور زکوٰۃ کا صحیح مآل یہی تہا کہ دین اسلام مسلمانوں کے متفقہ کسب وعمل سے دنیا کی تمام مجتمعات پر سیاسی اور اجتماعی معنوں میں غالب آجائے۔ وحدت جماعت، مصالحت افراد، ائتلاف قلوب، اطاعت خدا، اطاعت رسول، متابعت اولوالامر، ایمان کے وہ لاینفک اجزا، اور اتّقائے خدا کے وہ ناقابل انفصال

اس آیۂ سریعہ کے مطالب کی مسئلہ ارتقا کی شق ہم دہم صفحہ ۱۲۱ سے مماثلت عیاں ہے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اسمیں دشمن سے بچ نکلنے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ قانون خدا پر چلنا ہی دشمن کے دست تشدد سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے بس ملکہ قرآن حکیم کی حکمت جامعہ نے حفظ نفس کا تیر بہدف نسخہ "وَاتَّقُوا اللَّهَ" کے جامع اور مانع الفاظ کے اندر بند کر دیا ہے گویا جس قوم کے افراد میں "اتّقا" کی صلاحیتیں موجود رہیں، جو قوم متحد اور متفق بنکر رہی، جس نے تفرقے سے اپنے آپ کو بچائے رکھا اور خطوط تقدم کے طور پر اپنے آپکو بہہ دحوہ تیار کیا وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت الشق صفحہ ۱۷۷) اسپر کسی دشمن کی دست درازی عبث ہے آیت کے آخری حصّے سے "توکّل" کے معانی کی ایک جہلک نظر آتی ہے گویا توکل یہ ہے کہ انسان قانون خدا پر کما حقہٗ چلکر نتائج کا منتظر رہے، عافیت پسند مسلمانوں نے آج توکل کے معانی ہاتھ پر ہاتھ دہر کر بیٹھنا سمجھ لیے ہیں!

خصص تھے جنکا مآل کار لامحالہ اس دنیا میں حصول عافیت اور غلبۂ اسلام ہی تھا۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (۸ ۱)، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ (۴: ۵۹)، قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (۵ ۱۱۲) ہجرت اور جہاد کے جارحانہ اور مدافعانہ اوامر بھی حفظ نفس اور تقویت جماعت کے وہ عالم آرا، معرکۃ الآرا اور جلیل القدر اصول تھے جن پر ظہور آفرینش سے آجتک روئے زمین کی ہر زندہ قوم، عالم حیوانات کی ہر صالح اور مستعد نوع، بلکہ کائنات فطرت کی ہر ذی حیات جنس طبعًا اور حتمًا کاربند ہے! شارع فطرت کے نزدیک اعلائے حق کی خاطر حزب خدا اور اعلون بننا ہی وہ لازمۂ ایمان، مستحق اجر، اور مستوجب رضا فعل تھا جسکا انجام راحت دنیا اور فلاح عاقبت دونوں تھا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (۵۸ ۲۲)، فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (۵ ۵۶)، وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (۳ ۱۳۹)

ساھ پس اس احکم الحاکمین کے مقام و منصب سے ڈرتے رہو اور اگر تمہیں اسکے منصب کا صحیح احساس ہے تو آپس میں کامل طور پر متحد اور مصالحت سے رہو اور اگر تم ایمان اور تقدس کے مدعی ہو تو خدا کے سب احکام کی کلی متابعت کرو اور اسکے علاوہ رسول (یعنی تمہارے امیر جماعت) بھی جو کچھ تمہیں کہیں مع تعمیل کیا کرو۔

ساھ اے ایمان والو! اللہ کے احکام کی پوری اور کلی متابعت کرو، رسول کا کہا بلا چون و چرا مانا کرو، اور تم میں سے جو شخص تمہارے گروہ کا امیر مقرر کیا گیا ہو اسکے احکام کی بھی پوری متابعت کرو۔ پھر اگر خدانخواستہ تمہارے اور حاکم وقت کے درمیان کسی معاملے میں جھگڑا ہی ہو جائے تو اللہ اور رسول پر چھوڑ دو (اور حاکم جماعت کی اطاعت میں کسر نہ اٹھا رکھو) اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور روز قیامت کا تمہیں پورا یقین ہے (اس دن خود ہی خدا اور رسول بتا دینگے کہ کون غلطی پر تھا) یہی تمہارے لیے بہترین طریق عمل ہو اور تمہاری اطاعت گذاری کی بہترین تاویل ہے۔

ساھ تو اس نے کہا کہ اگر تم میں فی الحقیقت ایمان موجود ہے تو خدا کو سر دم محسوس کرتے رہا کرو اور اس کا اتقا کرو (یعنی وہ اعمال پیدا کرو جو اتقا کے لیے ضروری ہیں)

ساھ خدا ان سے انکے اعمال کے باعث خوش ہو چکا ہے اور وہ خدا سے اسکے کئے کا اجر پا کر خوش ہو گئے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی فوج اور اللہ کے سپاہی ہیں۔ سنو اور ہمیشہ پیش نظر رکھو اور یقین ہو کہ خدا کی فوج ہی اس دنیا میں غالب آئیگی اور آخرت میں فلاح پا کر رہے گی۔

ساھ تو لامحالہ خدا کے سپاہی ہی اس دنیا کے اندر غالب آکر رہیں گے۔

ساھ اور اگر تم فی الحقیقت ایمان والے ہو تو بالآخر تم ہی تم غالب آکر رہو گے

---

† اس وسیع التاویل، اجیب و، لیکن اہم اور سبق آموز آیت کے صحیح مطالب کی تصریح دوسری مجلد میں پیش کر دی جائے گی یہاں پر مطالب سے صرف اس قدر بحث ہے کہ اطاعت خدا، اور اطاعت رسول، کو ایمان کی شرط لاینفک قرار دیا گیا ہے اطاعت اولی الامر کا سوال بعد میں اٹھایا جائیگا

‡ اس آیت میں صاف طور پر اتقا کو شرط ایمان قرار دیا ہے گویا اتقا کے اعمال کا موجود ہونا فی الحقیقت ایمان کے موجود ہونے کے مترادف ہے (دیکھو صفحہ ۱۶۶ آخری سطر)

"خوشنودیٔ خدا" کی خاطر ایثارِ مال اور ایتائے زکوٰۃ بھی وہ مصدّق ایمان، محرّکِ عشق اور مطہّرِ قلب و اعمال تھے جن کی تہ میں اسلامی جماعت کی اقتصادی استواری اور مالی استحکام کا عظیم الشان راز مضمر تھا، انہی کے باقاعدہ اجرا و التزام میں تاسیس بیت المال کی وہ عظیم المنفعت اور کثیر النفع حکمت پنہاں تھی جو سب مہمات امور میں اور خوف و خطر کے موقع پر، اُمّت کو مالی مشکلات سے قطعًا بے نیاز کر سکتی تھی بالغرض اُس چارہ فرمائے جہان کو جس کی ذات مستجمع الصفات عارضۂ احتیاج سے قطعًا مستبعد ہے اس تمام کارفرمائی سے انسانوں کی اپنی ہی بہبودی مدّنظر تھی: هَآ أَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَمِنكُم

---

* قرآن حکیم نے جابجا قربانیٔ مال کو ایمان کا جزوِ اعظم قرار دیا ہے، بلکہ ایک رو سے ایمان کی تصدیق کا معیار ہجرت، جہاد فی سبیل اللہ، نصرتِ نادار مجاہدین کے ساتھ ساتھ (جن کا ذکر صفحہ ۱۱۴ کی آیہ (۸: ۷۴) میں ہو چکا ہے) اقامتِ صلوٰۃ اور جہاد بالمال کو بھی تسلیم کیا ہے جیسا کہ سورۂ انفال کی مفصلہ ذیل آیت کے الفاظ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ حَقًّا سے ظاہر ہے

ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَٰتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ (۸: ۳-۴)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو صلوٰۃ پر قائم رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اُس میں سے ایک معتد بہ حصّہ تقویتِ جماعت کے لئے صرف کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو فی الحقیقت ایمان والے ہی ہیں۔ پروردگار جل و علیٰ کے نزدیک ایسے ہی لوگوں کے درجات بلند ہونگے، انکی بھول چوک کو نظر انداز کر کے ان سے اغماض کیا جائے گا (مغفرۃ)، اور عزت و آبرو کے مقام اُنکے لئے وقف ہونگے

الصّلوٰۃ کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں، مگر المؤمنون حقًّا کا استعمال تمام قرآن میں صرف انہی دو موقعوں پر ہوا ہے اور اس سے ایثارِ مال کا مصدّقِ ایمان ہونا ظاہر ہے۔ کلام الٰہی نے صدقہ (بمعنی انفاقِ مال) کی اصطلاح بھی اسی قرینے سے وضع کی ہے (دیکھو تحت الخمس صفحہ ۱۱۷) اور اسی شخص کو "صادق" اور "مصدّق" ٹھیرایا ہے جو اپنے زبانی دعووں کو عملًا یعنی روپیہ خرچ کر کے سچ کر دکھائے۔ سورۂ حدید میں ہے

إِنَّ ٱلْمُصَّدِّقِينَ وَٱلْمُصَّدِّقَٰتِ وَأَقْرَضُوا۟ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝ (۵۷: ۱۸)

اس میں شک نہیں کہ اپنے ایمان کی تصدیق کرنے والے مرد اور تصدیق کرنے والی عورتیں وہی ہیں جنہوں نے خدائے زمین و آسمان کی خاطر اپنے مال کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دیا یہی وہ لوگ ہیں جن کو اُن کے ایثار کا اجر چند در چند کر دیا جائے گا، اور آگے چلکر بھی انکی ازحد عزت کا بدلہ ملیگا۔

ایثارِ مال کا محرکِ عشقِ الٰہی ہونا سورۂ آل عمران کی اس آیت سے ظاہر ہے:

لَن تَنَالُوا۟ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا۟ مِن شَىْءٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِهِۦ عَلِيمٌ ۝ (۳: ۹۱)

لوگو! خدا کی محبت کے بارے میں ترکِ نفس اور اخلاص کے مرتبے (البِرّ) کو تم ہرگز نہ پہنچ سکو گے جب تک کہ اُسکے اعلاء، اور اُسکے احکام کی تعمیل میں اُن چیزوں میں سے، خرچ کرو جنکو تم محبت کرتے ہو (مقابلہ کرو اسکا آیہ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (۲: ۱۶۵) سے جو صفحہ ۱۱۷ پر گذر چکی ہے اور جس میں بتلایا ہے کہ خدا کی محبت کے بالمقابل کسی شے کی محبت ٹھیر نہیں سکتی) اور یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے خدا اُس سے خوب واقف ہے۔

اس آیۂ شریفہ میں بالصراحت اس واقع الامر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کسی محبوب کی خاطر کسی عزیز شے کا ایثار کرنا عاشق کے متعلق محبت کو اور بڑھاتا ہے بالخصوص اُس حالت میں کہ عاشق کو اطلاع ہو کہ محبوب کو اُسکے ایثار کا علم ہے۔ بِرّ کی مکمل تعریف میں ابھی بہت دیر ہے یہاں ہم نے ترجمے میں ظاہر کر دیا ہے کہ

مَّن يَبْخَلُ ۖ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ٥ (۴۷ ۳۸)، وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ٥ (۲۹ ۶) ؎ وہ

مسلمانوں کے سب اعتقادات اور معاملات اور ہر فعل و عمل کو انکی دنیاوی فلاح و بہبود کی خاطر ہی درست کرنا چاہتا تھا، وہ انکو دنیا کی اس عظیم الشان کشمکش میں غیر اقوام کے بالمقابل قوت اور زور سے رکھنا چاہتا تھا، وہ کائناتِ جہان کی اس ہولناک اور عتابِ گسل مزاحمت میں مسلمانوں کو سلامتی کے طریقے، حفظ و امن کے دائمی اصول، اور عافیت اور تمکن کے اٹل قواعد بتلانا چاہتا تھا، وہ توحید کے متحد القلوب ماحول اور عبودیت کے سرفروشانہ ولولے میں مسلمانانِ عالم کو ایک نصب العین پر قائم کرکے انکو حقیقت اور حریت کے

ص۵۱ تم لوگ گوش ہوش سے سن رکھو کہ تم وہ قوم ہو کہ آج تمہیں خدا کی راہ میں اپنے قومی فائدے کے لئے خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے۔ اسپر بھی تم میں ایسے آدمی موجود ہیں جو دینے سے بخل کرتے ہیں۔ اور جو آج بخل کرتا ہے وسعت میں اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ ورنہ اللہ تو غنی اور بے نیاز ہے اور تم ہی اسکے محتاج ہو اور اگر تم نے حکم خدا سے روگردانی کی تو اسی بخل کے باعث ہلاک ہو جاؤ گے اور خدا دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ لا بٹھائیگا اور وہ تم جیسے بدعمل اور نکمے اور ناکارہ لوگ بھی نہ ہونگے۔ ص۵۲ اور جنہے خدا کی حمایت میں اپنے پر تکلیفیں سہیں اور دشمن سے جہاد کیے تو وہ اپنے ہی بھلے (یعنی حصول قوت) کیلئے سعی کرتا ہے ورنہ خدا تو دنیا جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے (۲۹ ۶-۵ کو مدنظر رکھکر جَاهَدَ کا یہ ترجمہ کیا گیا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸) ماسوا کی محبت سے خدا کی محبت کو مُبّرا رکھنا ہے کا صرف ایک ہی ایثار مال کا مظہر قلب ہو اور جو فی الحقیقت ربّ کا مقام حاصل کرنیکے مترادف ہے کلام الٰہی کی اس آیت سے ظاہر ہے

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ٥ (۹ ۱۰۳)

اے پیغمبر! ان مسلمانوں اور مخلص مومنین (انکے مذہب اور نفاق کے قلبی مرض کو دور کرنے کی غرض سے) انکے مال میں سے کچھ شے بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ صدقہ باطنی طور پر انکی مرض قلبی کی نقص دور کر دیتا ہے) تم یہ طریقہ اختیار کرکے فی الحقیقت اُن کے دلوں کو محبت ماسوا سے پاک کروگے (تُطَهِّرُهُمْ) اور انکے نفس کو آلائش سے بری کرکے منزکی کروگے (تُزَكِّيهِم) اور یہی نہیں بلکہ ان کا شکریہ ادا کیا کرو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) انکو دعائے خیر دو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) لیکے اس فعل کے عوض میں تحسین و آفرین کہو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) کیونکہ تمہاری شاباش (صَلَاتَكَ) انکے لئے موجب تسکین ہوتی ہے اور انکو اور بھی بہتر کام کرنے پر آمادہ کیا کرتی ہے اور یوں تو خدا شخص کے ظاہر باطن کو سننے والا اور دل کی کیفیات کو جاننے والا ہے

صَلِّ، اور صَلَاتَكَ کے مفہوم کے متعلق تفصیلی بحث صفحہ ۱۳ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ یہاں اس نقطہ نظر کی کامل تصدیق ہو جاتی ہے اور ظاہر ہو کہ صَلوٰۃ سے مقصود تحسین و آفرین ہی ہیں سمجھا ہے پر تُزَكِّيهِم کے لفظ سے زکوٰۃ کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہوگئی کہ زکوٰۃ فی الحقیقت وہ شئے ہے جس سے تزکیہ نفس ہو یعنی مال کی محبت گھٹے اور خدا کا عشق بڑھے۔

ص۵۳ آیہ (۴۷ ۳۸) سے صاف ظاہر ہے کہ انفاق مال فی سبیل اللہ کی صحیح غرض و غایت اُمّت کی اجتماعی اور سیاسی بہتری ہی ہے، اور اسمیں بخل کرنا گویا اسی قومی بہتری میں مخل ہونا ہے اس امر کی تائید کہ يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ سے مراد قوم کی دنیاوی اور اجتماعی بہبودی سے بخل کرنا ہی ہے (یہ ہر روز خدا سے کے بہت سے بخل کرنا خدا کو بصورت زکوٰۃ کے اصلی مدعا کو مسخ کرنے کی غرض سے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے) وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ کے الفاظ سے ہوتی ہے جو مابعد میں آتے ہیں گویا ایثار مال نہ کرنے کا نتیجہ ہوگا کہ قوم کی مالی قوت کو نقصان پہنچے گا، اسی طرح سے غیروں کے بالمقابل اسکی مدافعت نہ ہوسکیگی

علمبردار، اخوت اور مساوات کے مبلغ، عالم آرا عصبیت کے محافظ، اور وراثت زمین کے اہل بنانا چاہتا!

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ○ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ○ (۶۱ ۹ - ۱۳)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۱) مجاہدین کو ہماروں سے [illegible] کہنا مقدر ہو جائے گا اور بالآخر کوئی دوسری قوم جو اعمال میں اس کم ہمت قوم سے بہتر ہوگی اس کے ملک پر قبضہ کرے گی اور اس قوم کی سیاسی قوت کو تباہ کر دے گی۔

جن جوشیلے اعتقادوں نے زکوٰۃ کو بیت المال کی حکمت عملی سے الگ سمجھ کر کسی بھٹک میں کہ یا ہیئت سا سمجھ لیا ہے ان کے لیے یہ آیت ارشاد قابل غور ہے لیکن فی سبیل اللہ کے صحیح معانی اور زکوٰۃ کے متعلق باقی بحث آگے چل کر آئے گی

آیت (۹ ، ۱۲۹) میں بھی لِيَتَفَقَّهُوا کا لفظ ہے، اور ان دونوں آیتوں کے مضامین کی مماثلت سے [illegible] یہاں بھی فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ سے مراد اپنی دنیاوی بہتری کے لیے سعی و عمل کرنا ہے [illegible] جنت کا قصہ جو لوگ آسانی سے وصول کر لیں [illegible] اور جَاهِدُوا کے لفظ سے مراد [illegible] روحانی مجاہدے کرنا لیتے ہیں، ان کی سند قرآن میں موجود نہیں [illegible] میں [illegible] آیتوں کی مستقل طاقت عمل سے اَعْلَوْنَ بنکر رہے [illegible] روحانی مجاہدے بے معنی ہیں اور ان کی کچھ اجرت نہیں [illegible] لفظ کو جیسا یہاں [illegible] ہے۔

ان آیات جلیلہ میں چند باتیں غور طلب ہیں

(۱) اسلام کا اصل مقصد دنیا میں منتہائے وحید اَعْلَوْن اور غالب بنکر رہنا ہے، اور [illegible] واحد دین [illegible] کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے۔ قرآن کے تمام طول و عرض میں رسول کے بھیجنے کی اس کے سوا [illegible] غرض کہیں نہیں بتلائی گئی۔ یہ اس سوال کا جواب ہے جو ہم نے صفحہ [illegible] پر قائم کیا تھا

(۲) جہاد بالسیف اور جہاد بالمال کا نتیجہ قرآن حکیم نے عذاب الیم سے نجات، دنوں کی [illegible] ایک طیبہ بتایا ہے اگرچہ [illegible] قیامت سے متعلق کر لیجائیں، پھر بھی وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ [illegible] کی مادی اور اجتماعی بہتری ہی [illegible] ہے اس نقطۂ نظر سے ایتائے مال یعنی زکوٰۃ کی غرض [illegible] بھی عیاں ہو جاتی ہے۔

(۳) جنت کی تشریح کے ضمن میں ہم نے صفحہ [illegible] پر کہا تھا کہ قرآن حکیم میں یہ لفظ ارضی باغ [illegible] آخرت کے باغ بہشت کے لیے 'الجنّة' کا لفظ مخصوص ہے یہاں پر اس دعوے کی بادی النظر میں تغلیط ہوتی ہے [illegible] الفاظ استعمال کر کے سیاسی اور دنیاوی جلیلے کو واضح کر دیا ہے، جنت کا ذکر [illegible] العام دونوں [illegible] گویا اس مجاہد بالمال والانفس کو [illegible] کے جنات رہیں کی بادشاہت [illegible] اسی طرح کا استثنائی استعمال قرآن میں ایک دو جگہ اور [illegible] آئیں گے مگر یہ [illegible] ایسی ہیں کہ ان سے [illegible]

(۴) صفحہ ۱۸ کے تحت المتن میں بشارت [illegible] کی گئی تھی یہاں وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ [illegible] اجتماعی ملکی بشارت ہی ہے۔ ایمان کی ماہیت کے بارے میں اتنی کچھ قرآن حکیم سے [illegible] ہوا ہے یہ ہے کہ (۱) فطرت کا لاشعوری [illegible] (۱۰ ، ۶) صفحہ ۲ او ۱۰۳ ، (۲) الرزق طلب کا موجود ہونا (۸ ، ۲) صفحہ ۱۰۳ ، (۳) مخالف متعلقین سے اعلائے اسلام کے لئے قطع تعلق کر لینا (۵۸ ، ۲۲)

خدا وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے رسول کو عظیم الشان ہدایت اور سچا دین (راہ عمل) دیکر بھیجا تاکہ اسکے ذریعہ سے باقی سب غلط راہ ہائے عمل پر غالب آجائے اگرچہ یہ مشرکوں کو بُرا ہی لگے۔ اے ایمان والو کیا میں تمہیں کوئی ایسی سوداگری بتلاؤں جو تمکو دنیاوی شکست کے دردناک عذاب سے نجات دے وہ یہ ہے کہ خدا کو ہی الحقیقت ایسا حاکم اعلیٰ مانو (تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ) اور اُسکے رسول کے لائے ہوئے احکام کی تعمیل کرو، اللہ کی حمایت میں اپنی جانیں اور مال لڑادو۔ تمہاری بہبودی اور غلبۂ اُمت کیلئے یہی بہترین دستور العمل ہے اگر تم اسکو سمجھو۔ ایسا کرتے رہوگے تو خدا تمہاری اگلی تقصیروں پر پردہ پوشی کریگا، تم کو خوشگوار باغوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں، آخرت کے دائمی باغوں میں نہایت عمدہ مقام دیگا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور اس انعام کے علاوہ ایک اور نعمت بھی ہے جسکو تم پسند کرتے ہو وہ یہ کہ تم کو اس دنیا میں خدا کیطرف سے مدد ملیگی، فتح تمہارے شامل حال ہوگی، اور اے پیغمبر! یہ بشارتِ تمکن بھی ایمان والوں کو دے دو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۲) صفحہ ۱۴۳، (۴) اُعِدُّوْا لَهُمْ اور جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کا مصداق بنا (۲۲ ۷۷-۷۸) صفحہ ۱۵، (۵) راہ خدا میں جہاد اور ہجرت کرنا، مجاہدین کو مدد اور پناہ دینا (۸ ۷۴) صفحہ ۱۱۴، (۶) مشکک ہی السر بہ ہوا اور جہاد بالمال والانفس کرنا (۴۹ ۱۵) و (۹ ۲-۴۲) صفحہ ۱۱۵ و (۹ ۸۸) صفحہ ۱۳۴ و (۹ ۱۱۱) صفحہ ۱۴۰، (۷) ثابت قدم ہوکر لڑنا (۳ ۱۴۷) صفحہ ۱۲ و (۳ ۱۶۵) صفحہ ۱۲۴ تحت المتن، (۸) اِصْبِرُوْا اور صَابِرُوْا اور رَابِطُوْا کا مصداق بنا (۳ ۱۹۹) صفحہ ۱۴۲، (۹) دنیا کے ادر رحم کرنا (۱۴ ۲۷) صفحہ ۱۴۳، (۱۰) اعتصام بحبل اللہ کرنا، رفرقہ بندیہ بنا (۳ ۱۰۱-۱۰۳) صفحہ ۱۴۴ تا ۱۴۵، (۱۱) دشمن کے دل میں اپنی قوت کی ہیبت بٹھا دینا (۵۹ ۲) صفحہ ۱۵۵، (۱۲) القائے الٰہی کرنا اور سعی و عمل سے دست خدا کی تلاش کرنا (۵ ۳۵) صفحہ ۱۵۶ و (۵ ۱۱۲) صفحہ ۱۷۹، (۱۳) ماسوا سے نہ ڈرنا (۹ ۱۳) صفحہ ۱۵۷، (۱۴) جہاد کے وقت لگ عذاب نہ کرنا (۹ ۴۴-۴۵) صفحہ ۱۵۸، (۱۵) اولیائے خدا بنا (۱۰ ۶۲-۶۴) صفحہ ۱۵۸، (۱۶) با شاہ دین بنا (۳۹ ۱) صفحہ ۱۵۹، (۱۷) حفظ نفس کرنا (۵۹ ۱۸) صفحہ ۱۶۲ (۵ ۱۱) صفحہ ۱۷۰، (۱۸) قتال بالسیف کی طرف راغب ہونا (۸ ۶۵-۶۶) صفحہ ۱۶۴، (۱۹) آپس میں کامل طور پر متحد ہونا (۸ ۶۳-۶۴) صفحہ ۱۶۷، (۲۰) اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ و عشر ہونا (۴۸ ۲۹) صفحہ ۱۶۸، (۲۱) امیر جماعت کا کامل طور پر مطیع ہونا (۲ ۱۴۳) (۸ ۲-۲۲)، (۸ ۲۴-۲۵) صفحہ ۱۷۰ و ۱۷۱، (۲۲) امیر جماعت کی مدد کرنا (۷ ۱۵۷) صفحہ ۱۷۲، (۲۳) اطاعت اولوالامر کرنا (۴ ۵۹) صفحہ ۱۷۹ (۲۴) الصلوٰۃ پر قائم رہنا اور الزکوٰۃ دینا (۸ ۳-۴) صفحہ ۱۸، (۲۵) لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ کا مصداق بنا (۶۱ ۹-۱۳) صفحہ ۱۸۲۔ ایمان ہے صحیح بخاری باب الایمان میں ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا "ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں جن میں ایک شاخ حیاء ہے" چنانچہ اسوقت تک پچیس شاخوں کی توضیح اس کتاب میں کردی گئی ہے۔ اسکے بعد اب جہاں جہاں قرآنی آیات میں لفظ ایمان آئیگا وہاں مراد یہی اعمال لینے چاہییں۔

(۵) رسولؐ کے ساتھ "الْهُدٰی" اور "دِیْنِ الْحَقِّ" کے بھیجے جانے کا ذکر ہے "دین" کے معنی "راہ عمل" ہیں۔ صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں ثابت کر دیتے ہیں اس بنا پر "دِیْنِ الْحَقِّ" اس دنیا میں قوی بنکر رہنے کیلئے وہ صحیح راہ عمل ہے جو عرب کے رسولِ خدا کی سیادت میں اختیار کی تھی جبتک مسلمان غالب آتے رہے یہ راہ عمل از روئے قرآن درست رہی جب مغلوب ہوکر رہے کا نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تو مسلمانوں کا طرز عمل بھی "دِیْنِ الْحَقِّ" نہیں رہا، اور اسی لئے لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ کا میثاق ایزدی آج پورا نہیں ہوتا۔ اسی طرح "الْهُدٰی" کیا ہے؟ اسکا ملی الحساب جواب تو یہی قرآن ہے جو مجسمہ ہدایت ہے مگر صحیح مفہوم وہ تکیف دل اور صحت عمل وہ صلاحیت اور استعداد کار ہے جو قرون اولیٰ میں رسول خدا کی تعلیم سے پیدا کردی تھی اور جو آج قطعاً معقود ہے لیکن اسکے حصول ثانی کیلئے سمجھو۔ الحمدللہ اکسی زمانے میں دین اسلام کا واحد مطمع نظر تمکن فی الارض اور غلبہ استقرار رہا کہ آٹھویں صدی ہجری کا مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شاہ محمد تغلق کے سکوں پر ایک طرف "اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ" کے الفاظ کندہ تھے ساتھ ہی اس علیٰ کو حاصل کرنے کیلئے اطاعت امیر کا درس اسقدر تازہ تھا کہ دوسری پشت پر من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمٰن کے حروف کندہ تھا گویا خدا رسول اور سلطان کی اطاعت اصلاً ایک ہی شے ہے۔ (دیکھو صفحہ ۱۷۱)

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کی مشعل کو پھونکیں مار مار کر بجھا دیں اور اللہ اسے ... الہام
خدا اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا خدا ہی تو وہ پاک ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا
تاکہ اسکو دنیا کے تمام مذاہب پر غالب کر دے گو مشرکوں کو یہ بات کیسی ہی ناگوار گزرے

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ (۴۸ ۲۸)

وہ خدا کی مقتدر ذات ہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسکو بالآخر دنیا کے
تمام طریق عمل پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر شہادت دینے کیلئے خدا نگہبان بس ہے

وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ
كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (۸ ۷، ۸)

٭ اس آیہ کریمہ سے جس کے لکھنے کی ... سورہ ... کی مذکورہ صدر آیات (۹ ۳۲-۳۳) سے بھی پہلے آچکی ہے اور یہی ظاہر ہے کہ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ سے مراد اسلام کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہی ہے اسکے ساتھ ... ہیں کہ دشمن اسلام کی دنیاوی طاقت ہی کو
مٹانا چاہتے تھے، وہ اپنی کوشش ہوئی تو ... مسلمانوں کے ... سیلاب کو روک دینے کے درپے تھے اور اس جہاد کی تحریک ہی کو
نور اللہ کہا گیا ہے جسکے اتمام کا وعدہ خدائے عزوجل نے ... کفار کو اسلام کی روحانی طاقت سے کچھ حسد یا تعرض نہ تھا ... مسلمانوں
نے امت کی روحانی اور تشریعی وضع قطع کو مذاہب عالم ہی کی روحانی طرح سمجھ لیا ہے اسکے لئے یہ آیات نہایت سبق آموز ہیں سورہ صف کی مذکورہ
صدر آیت یہ ہے: يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (۶۱ ۸) اسکا پہر ... کی ضرورت نہیں۔

٭ اس آیہ شریفہ سے متصل آیت یہ ہے:
لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۖ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَ
مُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ (۴۸ ۲۷)
بیشک نہیں کہ خدائے عزوجل نے اپنے سچے رسول کی وہ رویا سچی کر دکھائی ... اضطراب اور ... اسلام کیا تھا عالم خواب میں دکھائی گئی تھی
اور جس میں ... کہ اگر خدا نے چاہا (ان شاء اللہ) تو تم لوگ مسجد حرام میں
... محفوظ و مامون ہو کر ... داخل ہو گے، اور وہاں جا کر ... مطابق اپنا سر منڈواؤ گے یا بال کترواؤ گے ... مسلمانوں ... مکہ کے
... کیلئے ... علم نہ تھا (نَعْلَمُ مَا لَمْ تَعْلَمُوا) اور ... کا عہد نامہ ... سے پہلے ... سے مراد ... فتح
مکہ ہی صحیح ہے

رویا کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں اگرچہ ہم نے ترجمے میں رویا کے واقع ہونے کی توجیہ اور سیاسی حالات میں صحیح سعی و عمل کے بعد اسکے سچ ہونے کی وہ
بھی اشارۃً بیان کر دی ہے مگر یہ آیت اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ زیر بحث آیت یعنی (۴۸ ۲۸) میں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ سے مراد مسلمانوں کا اجتماعی اور سیاسی
غلبہ ہی ہے کیونکہ مسجد حرام میں داخل ہونے اور فتح قریب کا ذکر ہے روحانی غلبہ جسکی داستان آجکل کے کم ہمت اور ناکارہ مسلمانوں نے اپنا دل خوش رکھنے کیلئے گھڑی ہے
مراد نہیں، اور نہ روحانی غلبہ کوئی ایسی شئے ہے جس پر وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۹ ۳۲) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (۹ ۳۳) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (۸ ۸) کا
اطلاق ہو سکے، اور جس کا فروں کی جڑ مٹا دینی ہے جیسا کہ آگے چل کر سورہ انفال میں ہے وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ (۸ ۷)

اور لوگو! خدا تو اس بات کا ارادہ کر رہا ہے کہ اپنے احکام کے قوت اور اثر سے صداقت کو اس دنیا کے اندر مستحکم کر دے، اور منکرین کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے، اور یہ اسلئے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ ان مجرموں کو برا ہی کیوں نہ لگے جو اسکے احکام کی تعمیل نہیں کرتے،

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (۱۰ : ۸۲)

اور خدا اپنے احکام کی قوت اور وساطت سے حق کو اس دنیا کے اندر مستحکم کر دیتا ہے اگرچہ مجرموں کو جو خدا کی نافرمانی کرتے ہیں برا ہی کیوں نہ لگے (۱)

غلبۂ اسلام و اتحادِ عالم

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲ : ۱۳۶)

ہم ان میں سے کسی ایک کے مابین تفریق نہیں کرتے (سب کے ایک پیغام کے لانے والا سمجھتے ہیں) اور ہم رجسٹ خدا ہی کہ حاکم اعلیٰ مانے ہوئے ہیں

اُس قاضی حاجات کے پیش نظر دراصل ایک ایسی مقتدر جماعت کی تنظیم و تنسیق تھی جو اپنے مال و جان کی مہذب نفس اور مطہر اخلاق قربانیوں سے دنیا کی تمام امتوں پر غالب آ کر انسان کی **دنیوی** فلاح اور **اجتماعی** نجات کا باعث ہو۔ وہ مسلمانوں کی جماعت کو عبادت صلٰوۃ کے حوصلہ انگیز عمل، تقویٰ کی وحدت افزا خلش، اور ایمان کی غلبہ انداز عزم کے ذریعے سے ہر معاند گروہ سے عہدہ برآ کر کے اُسکے عالم آرا **اتحاد**، اور ناقابل شکست **اخوت** کی ہیبت دلوں میں بٹھا رہا تھا! وہ جہاد فی سبیل اللہ کو حفظ جماعت اور دفاع نفس کا اسلحہ وحید اور فلاح عاقبت کا قطعی اور فوری وسیلہ قرار دیکر، ہر متنفس کے دل میں مقابلے کی ناقابل شکست روح، اور فیروزمندی کی شدید تڑپ پیدا کرنا چاہتا تھا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۶۱ : ۱۱)۔ وہ اسلام کی عالم آرا صداقت، توحید کی ناقابل انکار حقیقت، اور انسان کے مخلصانہ اعمال کے استیلائے اثر سے پہنائے جہان کے اندر اُسکی ہیبت اجتماعی میں روز افزوں تقدم اور ارتقائی تقویت دیکھنا چاہتا تھا

* غلبے کو پیش نظر رکھکر اسلام کا اتحاد عالم کی دعوت دینا جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا بظاہر دو متضاد باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن ادنیٰ تامل اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ اسلام انسان کی ہیئت اجتماعی میں ایک مستعد عمل (الهدى)، ایک ادو عمل (الثقف)، اور ایک صراط مستقیم (دین الحق) پیدا کر کے سب کو مجتمع کرنا چاہتا تھا گویا سب کو ایک ہی اصول اور سمت پر عملاً چلانا چاہتا تھا جس کا نتیجہ تمکن فی الارض ہے۔ ہندوؤں اور نصرانیوں کی طرح ایک تسری حزب بنا دینا اس کا مقصد قطعاً نہ تھا اگرچہ اسی کا نتیجہ یہی ہو کہ اسی اتحاد اور نسل انسانی کے مجموعی فائدے کو پیش نظر رکھکر اس نے سب ماسبق کو ماننے کا اعلان کیا تاکہ ہر قوم کی تعصب اس اتحاد میں حائل نہ ہو (دیکھو دیباچہ کتاب صفحہ ۶۲)

ہیں وہ سب نسلی اور تمدنی اختلافات، اور سب ملکی اور اعتقادی تفرقات کو خدائے مشترک کی مشترک ملازمت (عبادت)، اور ایک قانون اور ایک حاکم کی عملی اطاعت کے بالمقابل نسیاً منسیاً کر کے، انسان کی مختلف العقائد، متخالف الآرا، اور منتشر الاغراض جماعتوں میں بنی نوع آدم کی طبعی یک رنگی، اور کارگاہِ فطرت کی جنسی یک وضعی از سرِ نو قائم کرنا چاہتا تھا! وہ الغرض حیات کی اس المناک کشمکش میں خدا پرستاروں کی یک عمل اور باعمل، یک خدا اور باخدا، یک قانون اور تابع قانون جماعت کو حصول قوت کے محکم اصول، حفظ نفس کے لازوال طریقے، اور دنیوی ترقی کے مستحکم ضوابط سکھا دینا چاہتا تھا!

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ

اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کی مشترک اساس پر ملا کر متحد العمل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہود اور نصاریٰ دونوں فرقے کم از کم زبانی طور پر "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کے مدعی تھے اسی لیے اس کلمے کو "کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ" کہا گیا ہے۔ مگر عملاً وہ خدا کے حکموں کی جو تورات و انجیل میں مذکور ہیں کما حقہ تعمیل نہ کرتے تھے۔ آجکل کے مسلمانوں کی طرح خدا کو منہ سے خدا کہہ چھوڑا، یا اس کے نام پر مر رہے۔ بہ لحاظ اعتقاد تھا مگر عبادت یعنی ملازمتِ خدا صحیح معنوں میں ہرگز نہ رہی تھی۔ یہودیوں نے احکام خدا کی تعمیل کو چھوڑ کر، احبار و رہبان (یعنی عالموں اور گوشہ نشینوں) کو اپنا مخدوم بنا لیا ہوا تھا، وہ ان کے پیچھے لگ کر ایک دوسرے سے الگ اور فرقہ بندی کرتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس نصرانی بھی خدا کی اطاعت اور ملازمت کو چھوڑ کر اپنے پادریوں کے صحیح معنوں میں ملازم بنے ہوئے تھے گویا ان کا مرتبہ عملاً خدا کے برابر بلکہ اس سے بہتر بنا رکھا تھا۔ سورہ توبہ میں اسی عبادتِ ماسوا کی طرف اشارہ کر کے احبار اور رہبان کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کہا گیا ہے، "اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ" (۳۱:۹)، یعنی انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علما اور مشائخ کو اور مسیح ابن مریم اپنے نبی کو خدا بنا کھڑا کیا ہے اور عملاً ان کی ملازمت اور عبادت میں لگے ہیں" اس آیہ شریفہ میں قرون اولیٰ کے کارکن مسلمانوں کی طرف سے یہود و نصاریٰ کو دعوت ہے کہ "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کے اصل اصول پر عملاً کاربند ہو جائیں (یہی معنی تَعَالَوْا اِلٰی کے ہیں) اور بصراحت تمام بتلایا ہے کہ خدا کی عملاً ملازمت کرنا، کسی شے کو عملاً اور معناً اس کے برابر نہ کرنا، اور خدا کے حکموں کو پس انداز کر کے علما و مشائخ کے من گھڑت حکموں پر نہ چلنا ہی عین اسلام ہے۔ گویا یہ زبانی اعتقاد کو خیرباد کہہ کر عمل کی طرف آنا اور خدا کو معناً حاکم اعلیٰ سمجھنا ہی مسلم بننے کے مترادف ہے۔ (فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ) یہ وہ بے مثال دعوت اتحاد اور وہ وسیع المشربانہ مصالحت ہے جس پر قرن اول کے مسلمان سب دنیا کو متحد العمل کرنا چاہتے تھے۔ آج جو بعد المشرقین ان کے اور یہود و نصاریٰ کے درمیان واقع ہو چکا ہے، بس، بلکہ جو ناقابل گذر خلیج ان کے آپس کے فرقوں کے درمیان حائل ہے اور جس کے باعث وہ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے میں مصروف ہیں، اسلام کی ماہیت نہ سمجھنے اور منشائے آیت کے مطابق عمل نہ کرنے کی صحیح شہادت ہے۔ ماہیتِ اسلام اور اتحادِ عمل کے متعلق یہ اہم بحث تفصیل کیساتھ پھر پانچویں جلد میں کی جائیگی۔ سر دست جو بات غور طلب ہے یہ ہے کہ آج امت مرحومہ کا ایک ایک فرد بذاتِ خود "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کے برخلاف صحیح معنوں میں عمل کر رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اپنے احبار اور رہبان کے پیچھے لگ کر فرقہ بند ہو چکا ہے ان کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" بنا رہا ہے، ہر گروہ نے اپنا اپنا طریقہ الگ کر کے امت کو صدہا بلکہ ہزارہا فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے اور وہ روح غایت جو خدا کی مشترک عبودیت اور ایک حاکم اعلیٰ کی اطاعت میں مضمر تھی قطعاً مفقود ہو چکی ہے گویا آج ان کے طرز عمل کو دین اسلام کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔

ضمناً اس آیہ شریفہ میں عبادت کے معانی کی تائید ہو گئی جس پر ایک طویل و طویل بحث صفحہ [illegible] کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔

ــه چنانچہ اسی آیت میں ان الفاظ کے بعد ہی "وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا" (۳۱:۹) گویا عبادتِ خدا صحیح معنوں میں [illegible] یہاں عبادت کا صحیح مفہوم [illegible] ہو گیا ہے

بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (۳ ۶۱)

اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ اے اہل کتاب! آؤ ہم سب ایک ایسی حقیقت پر متفق ہو جائیں جس کا ہمارے اور تمہارے درمیان کم از کم زبانی طور پر یکساں اقرار ہے، اور جس پر فی الواقع عمل کرنے میں نہ تمہیں کوئی عذر ہو سکتا ہے نہ ہمیں، اور وہ یہ ہے کہ ہم ماسوا خدا کے کسی غیر کے ملازم نہ بنینگے، اور نہ کسی شئے کو اطاعت گذاری میں اُسکے ہم مرتبت کرینگے، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا آقا نہ سمجھے گا۔ پھر اگر اس سچی اور مطلق العمل بات کے ماننے سے بھی منہ موڑلیں تو ان سے کہدو کہ اب گواہی دو کہ ہم تو حقیقت میں خدا کو خدا مانتے ہیں نہ تم۔ کہ صرف منہ سے اقرار کرتے ہو لیکن اسکے احکام پر عمل نہیں کرتے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ (۲ ۱۳۶-۱۳۸)

اے ایمان والو! تم تمام عالم کی اُمتوں سے مصالحانہ طور پر کہدو کہ ہم تو اللہ کو اپنا خدا مان چکے ہیں اور ہم قرآن کو اُسکا قانون تسلیم کرکے اُس پر عمل کرتے ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اُترا، اور جو کچھ بھی موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا، اور جو کچھ دنیا کے دیگر تمام

---

* ان آیات الٰہی میں اتحاد کی طرف ایک اور اہم قدم بڑھایا گیا ہے اور صاف الفاظ میں تمام انبیاء سابقین کو لا نفرق بین احد منہم کے بموجب تسلیم کرکے متحد العمل ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ لیکن اس اتحاد کا اساس کار پھر وہی خدا کو حاکم مطلق تسلیم کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۲ ۱۳۶) اور اسکی عملی عبادت کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ ۲ ۱۳۸) قرار دیا گیا ہے۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ ایمان فی الحقیقت عمل ہی کا دوسرا نام ہے، زبان سے اسکو کچھ تعلق نہیں، جو شخص کہتا ہے مگر کرتا نہیں وہ از روئے اسلام کچھ نہیں۔ اس امر کی تصدیق میں کہ دعوت عام ہے اور روئے سخن کسی ایک قوم مثلاً یہود یا نصاریٰ کی طرف ہی نہیں بلکہ تمام عالم کی طرف ہے، قرآن حکیم (۱۶ ۳۶) کو پیش نظر رکھنا چاہئیے جس میں بصراحت تمام کہا گیا ہے کہ ہر اُمت بلکہ ہر فرقے میں خدا کا کوئی [illegible] ہو گذرا ہے جو لوگوں کو عبادت خدا کی طرف بلایا کرتا تھا۔ سورۂ نحل میں ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (۱۶ ۳۶)

یعنی ہم ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی رسول اس غرض کے لئے بھیجتے رہے ہیں کہ لوگوں کو بتلائیں کہ اے لوگو! اس خدائے برحق کی عبادت اختیار کرلو، اور شیطان کی غلامی سے بچے رہو۔

اس قسم کی اور آیتیں آگے چلکر دوسری جلد میں آئیں گی (دیباچہ کتاب میں ہم نے اسلام کی اس اتحادی دعوت کی حکمت کو دوسرے نقطہ نظر سے واضح کیا ہے) (دیکھو صفحہ [illegible])

پیغمبروں کو اپنے پروردگار سے ملا، سب اسی ایک خدا کی طرف سے تھا ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی، اس معاملے میں کوئی مابہ الامتیاز تسلیم نہیں کرتے اور ہم تو بہرنوع اسی خدائے واحد کے فرمانبردار ہیں تو اگر یہ بھی اسی طرح جس طرح تم نے اپنے آپ کو اطاعت احکام خدا کے لئے وقف کردیا ہے یہ بھی اپنے آپ کو سپرد کردیں تو بس راہ راست پر آگئے اور تمہاری اس میں کوئی صحبت نہیں لیکن اگر یہ روگردانی کریں تو سمجھ لو کہ تمہاری ضد پر ہیں۔ پھر اس حالت میں خدا تم کو ان کے شر سے اپنے حفظ وامان میں رکھیگا اور وہی حقیقت میں حالات کا بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے ان سے کہدو کہ جس مصالحانہ اور اتحادی رنگ میں ہم رنگے ہوئے ہیں یہی اللہ کا رنگ ہو اور اللہ کے رنگ سے بہتر رنگ کس کا ہوگا، اور ہم تو اسی کی خدمت کرنیوالے ہیں۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (۳ ۸۳)

اے محمد! ان یہود و نصاریٰ سے صلح صفائی سے کہدو کہ ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اس کتاب پر جو ہمکو دی گئی، اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور یعقوب پر اُتارا گیا تھا اور جو کچھ بھی موسیٰ اور عیسیٰ اور دنیا کے تمام پیغمبروں کو ان کے پروردگار کیطرف سے دیا گیا تھا، اسی خدا کی طرف سے تھا ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی فرق تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو ہمہ تن اسی خدا کے فرمانبردار غلام ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲ ۲۱۳)

✝ صفحہ ۱۸۰ کی آیہ (۲: ۱۳۶) سے اس آیت کی مماثلت عیاں ہے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ کی شرط یہاں بھی التزام کے ساتھ موجود ہے گویا مسلم ہونا صداقت خدائی کو عملاً تسلیم کرلینے کے ہم معنی ہے۔

✝ شارحین قرآن نے اس آیہ شریفہ کے مفہوم کو کتنا غلط سمجھا ہے اور نہایت لایعنی، بے نتیجہ، اور متناقص ترجمہ کرکے مطالب کو گڈمڈ کرگئے ہیں متن میں ہم نے ایک بامعنی اور مدلل ترجمہ کردیا ہے مگر ایک دو باتیں لائق تشریح ہیں۔

(۱) كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً میں کَانَ کسی گذشتہ واقعہ کو بیان کرنے کے لیے استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایک ایسے واقع الامر کے اظہار کیلئے جو بہرحال درست ہی۔ اس طرح پر کَانَ کا استعمال قرآن میں بیسیوں جگہ ہوا ہے ہم صرف سورہ نساء کے پہلے چند رکوعوں سے مثالیں اخذ کرتے

انسان تو حقیقت میں ایک ہی امت ہیں کیونکہ ایک ہی نوع کی مخلوق ہیں اور اسی وحدت کو ملحوظ نظر رکھکر خدا نے اپنی طرف مشیت الٰہی سے باخبر انسان (نبی) بھیجے جو انہیں اجتماعی بقا کی بشارت دیتے اور اجتماعی ہلاکت سے متنبہ کرتے رہے، اور خدا نے اِن سب کے ساتھ ہی نوع انسان کیلئے (مختلف زبانوں میں) ایک دستور العمل بھیجا تھا جو کتاب کی صورت میں تھا اور مبنی بر حق تھا تاکہ وہ کتاب اُن کے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۸) میں إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (۴ ۱۱)، (۴ ۲۴)، بیشک خدا بڑا صاحب علم حکمت ہے؛ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (۴ ۱۶)، بیشک خدا بڑا توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے؛ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (۴ ۱۷)، اور خدا بڑا صاحب علم و حکمت ہے؛ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا رَّحِيمًا (۴ ۴۳) بیشک خدا بڑا صاحب عفو و درگزر ہے؛ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (۴ ۲۹)، بیشک خدا تم پر بہت مہربان ہے؛ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا (۴ ۳۰)، اور یہ بات کرنا خدا کے لیے بہت آسان ہے؛ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (۴ ۳۲)، خدا لامحالہ ہر شے سے موبمو واقف ہے؛ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا (۴ ۳۳)، بیشک خدا ہر شے پر پوری نگرانی کر رہا ہے؛ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا (۴ ۳۴)، خدا لامحالہ بڑا اعظم و جلیل خدا ہے؛ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا (۴ ۳۵)، خدا بیشک بڑا صاحب علم و خبر ہے؛ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا (۴ ۳۶)، بیشک خدا اُس شخص کو پسند نہیں کرتا جو اترائے اور بڑائی مارتا پھرے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن كَانَ کا یہ استعمال خدائے عزوجل کی صفات کے متعلق مخصوص نہیں بلکہ ہر واقع الامر کے اظہار کے لیے آیا ہے۔ مثلاً سورۂ بنی اسرائیل میں ہے وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا (۱۷ ۱۱)، اور انسان بڑا ہی جلدباز ہے؛ علیٰ ہذا القیاس سورۂ کہف میں ہے وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (۱۸ ۵۴)، اور انسان اکثر معاملات میں جھگڑالو ہے؛ اسی سورہ نساء میں آگے چلکر ہے إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا (۴ ۱۰۳)، اسمیں شک نہیں کہ نماز ہم حکم الٰہی ہے جو ایمان والوں پر بقید وقت فرض ہے؛ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا (۱۷ ۵۳)، بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے؛ الغرض کہانتک مثالیں لکھی جائیں تمام کلام مجید اُن سے بھرا پڑا ہے لیکن اُنکے مطالعے سے عیاں ہوجاتا ہے کہ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً (۲ ۲۱۳) میں صرف ایک واقع الامر اور حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، اور وہ حقیقت کبریٰ یہ ہے کہ کل بنی آدم فی الحقیقت ایک ہی گروہ ہیں، ایک دوسرے کے اعضا ہیں، انکی نوع ایک ہی ہے، ایک جیسی شکل و صورت، ایک جیسے اعضا، ایک ہی آبا و اجداد، بلکہ آفرینش بھی ایک ہی جوہر سے ہے، وغیرہ وغیرہ اس وحدت نوع کے ہوتے ہوئے اُن میں باہمی نزاع و اختلاف طبعاً اور فطرتاً ناروا ہے۔ کارگاہ فطرت کے قانون کے مطابق اگر کسی غیر انسانی نوع یا فرد کو وجہ پرخاش ہے تو صرف غیر نوع کے افراد سے۔ ہم جنس سے برسرپیکار اور آمادۂ جدال رہنا مقتضائے طبیعت ہرگز نہیں، اور یہ ادنیٰ مخلوق کی طرز معاشرت اس طریق عمل کی تائید کرتی ہے۔ اس آئین طبیعت کی طرف مجمل اشارات مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۲ میں کیئے جاچکے ہیں لیکن تفصیل کے لیے ابھی وقت درکار ہے بہرنوع زیر بحث آیت میں اس گرانقدر حقیقت کو آشکارا کر کے کہا ہے کہ شارع کائنات نے انسان کو ایک ہی امت گردانکر انکی طرف مختلف اوقات میں مختلف انبیاء کی وساطت سے ’الکتٰب‘ یعنی اُن کا واحد لائحہ عمل بھیجا جو اگرچہ مختلف زبانوں میں آتا رہا مگر اُسکا منشا و مقصد ایک تھا (وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ) اِس لائحہ عمل کا مقصود بالذات نسل انسانی کو اجتماعی بقا کی بشارت دینا، یا عدم تعمیل کی صورت میں اجتماعی ہلاکت سے ڈرانا ہی تھا۔ (فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ) انبیاء کے پیغام کی نوعیت کے متعلق کافی بحث صفحہ ۱۸ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ اور یہاں بھی علیٰ ہذا القیاس اجتماعی بقا کی بشارت مقصود ہے جو قانون خدا کی تعمیل کا طبعی نتیجہ ہے۔ ’الکتٰب‘ کے صحیح مفہوم کے متعلق زیادہ توضیح کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ آگے چلکر دوسری جلد میں ہم نے ایک مستقل عنوان اس موضوع کے لیئے باندھا ہے، مگر وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ لائحہ عمل جو مختلف انبیاء کی وساطت سے آتا رہا فی الاصل سب اقوام عالم کیلیئے ایک تھا اور معقول بات بھی دراصل یہی ہے کہ ایک خدا کی طرف سے ایک بنی نوع انسان کی طرف ایک ہی پیغام ہو، خواہ اُسکے پیغامبر کئی مختلف اشخاص ہوں۔ اسی حقیقت کبریٰ کو مدنظر رکھکر قرآن حکیم نے بلاامتیاز سب الہامی

اعمال کی رہنمائی کرے اور اگر کسی امر میں اُن میں اختلاف پیدا ہو تو اُسکا قطعی فیصلہ کر دیا کرے
لیکن جن لوگوں کو کتاب دیگئی تھی وہی لوگ اپنے پاس کھُلے کھُلے اور واضح احکام آنے پیچھے اُس کے
مقاصد میں اُسکے معانی اور مطالب میں بیجا اختلاف محض آپسمیں ضد کے باعث کرنے لگے اور
فرقے بن گئے پھر آخر کار وہ راہ حق جسکے مسلق لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہو گیا تھا اللہ نے
اپنے حکم سے ان ایمان والوں کو دکھا دی اور اللہ تو اُسی کو راہ راست دکھاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۹) کتابوں کو "الکتٰب" کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ سب انبیائے جہان کو منجانب اللہ تسلیم کرنا، اور اُن میں کوئی مابہ الامتیاز قائم نہ کرنا عین اسلام ہے۔ آیت زیر بحث میں بتایا ہے کہ "الکتٰب" اِس لئے بھیجی گئی تھی کہ انسان کی امت واحدہ میں اگر کوئی جزوی یا فرعی اختلاف واقع ہو جائے، تو یہ کتاب جلیل اُسکے متعلق اپنا قطعی محاکمہ دے کر اُس اختلاف کو مٹاتی رہے، اور یوں نوع انسان بدستور امت واحدہ بنے رہیں جیسے کہ وہ فطرتاً بنائے گئے تھے لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ، لیکن ان انسانوں نے آپس میں عناد و بغض و ہٹ دھرمی سے اِن روشن احکام (الْبَيِّنٰت) کو توڑ مروڑ کر نئے معانی پیدا کر لئے اور الگ الگ فرقہ بندیاں کر لیں کتاب حالانکہ سب انسانی معاملات میں آخری اور قطعی حکم ہو نیکے متعلق کئی آیتیں مقدمے کے ایبر (یعنی صفحہ ۹) میں پیش کر دی تھیں، مگر آیت زیر بحث سے عیاں ہے کہ "الکتٰب" کے بھیجنے اور انبیاءؑ کی بعثت کا مقصود بالذات نوع انسانی کو متحد الغرض اور متفق العمل کرنا ہی تھا، متفرق اور فرقہ بند کر کے ایک فریق کو دوسرے کے برخلاف لڑوانا مقصد نہ تھا۔ یہ اتحاد عالم کا درس اے کہاں اسلام کی تعلیم کا وہ درس اولیں ہے جو اُسکے ہر صفحے سے عیاں ہے اور اسی کیلئے حتی الامکان سعی کرنا عین ایمان ہے (فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) میں یہی ہدایت ہے اور قرآن حکیم کی حکمانہ نصب میں بھی صراط مستقیم کے مفہوم کی اہم شق ہے (وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ) صراط مستقیم کے مفہوم کی پہلی شق، یعنی علم فطرت کا حاصل ہونا صفحہ ۱۷۳ کے تحت المتن (آیہ (۲۴ ۴۲)) میں، اور دوسری شق یعنی حفظ نفس صفحہ ۱۰۱ کے تحت المتن (آیہ (۵ ۱۶)) میں بیان ہو چکی ہے۔ دیباچۂ کتاب میں جو دعوے میں نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ایک ہی پیغام لانے کی بات کیے تھے اُنکی تصدیق یہاں پر بالصراحت ہو گئی۔ اس آیہ مبارکہ کے مطالب میں انسان مقاصد کے باعث معنوی تحریف اِسقدر واقع ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کے لئے مندرجۂ صدر مفہوم کا معترف بن جانا آج نہایت غیر مانوس معلوم ہوتا ہے۔ فرقہ بندی اور مذہبی تعصب انسان کے ہر رگ و پے میں اس شدت سے سرایت کر چکے ہیں کہ اسلام کو جامع ملل مذہب تسلیم کر لینا آج مسلمانیت کے منافی اکثر ہو چکا ہے تاہم اگر غائر نظر سے حقیقت کی طرف دیکھا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ رب العالمین اور رازق گبر و ترسا و مومن خدا جسکے نزدیک سب انسان یکساں ہیں، جو سب کو کمال محبت سے پال رہا ہے، جسکے خزانہ غیب سے سب یکساں انعام پا رہے ہیں ایسا حکم دنیا کو کبھی گوارا ہو سکتا ہے جس سے انسان ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر کھائیں، اُس روحانی باپ کی طرف سے اگر کوئی پیغام ہو سکتا ہے تو یہی کہ سب انسان مل جلکر رہیں، اتحاد اور اتفاق سے رہیں، ایک حاکم اعلیٰ کے حکموں پر چلیں، شیطان کی ملازمت کم کریں، آپس میں بھائی بھائی بنیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہی عین اسلام ہے، اور یہی اسلاف صالحین کے اس قول کا صحیح مفہوم ہے کہ اسلام کے اندر کوئی فرقہ نہیں قرآن حکیم کے بلیغ فی المطالب اور عمیق فی البیان ہونے کی یہ آیت ایک روشن شہادت ہے۔

قرآن کی عبارت کے متعلق ترتیل کے نشانات اور رموز اوقاف اہل عرب نے بہت بعد میں وضع کیے ہیں، غالباً حجاج بن یوسف والی عراق کے ایما پر امیر عبدالملک (المتوفی سنہ ۸۶ھ) کے عہد خلافت میں لگائے گئے تھے، وہ وہ زمانہ تھا جبکہ قرآن کا صحیح علم سینوں کے اندر بارہ تارہ تھا۔ بیہودہ سے کو مولبا کے نشان اور اوقاف کی علامتیں اکثر اوقات قرآن کے ربط کو معلوم کرنے اور صحیح مطالب کے حل کرنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہیں آیت زیر بحث میں كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے بعد علامت قف ہے جس سے مراد یہ ہے کہ مطالب کی تہ تک پہنچنے کیلئے کافی دیر تک ٹھہرنا ضروری ہے اگرچہ پڑھنے والے کو یہاں پر مسلسل عبارت کا گماں ہوتا ہے یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہے کہ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے معنی بس یہ ہیں کہ اختلاف تب پیدا ہوا جس کے لئے بعد میں انبیائے کرام مبعوث ہوئے مگر اس مطلب کے لئے بس آتے تھے کہ فرقہ بنا کر لوگوں کو آپس میں لڑائیں۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (۱۰: ۱۹)

اور انسان تو فی الحقیقت ایک ہی اُمت ہیں لیکن انہوں نے خدا اور کتابِ خدا کے متعلق باہمی ضد اور ہٹ دھرمی سے اختلاف پیدا کر لیا اور اے پیغمبر! اگر تیرے پروردگار نے انکو ایک معین مدت تک دنیا میں رکھنے کی پہلے سے ہی نہ ٹھان لی ہوتی تو جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اب تک کبھی کا انکو صفحۂ ہستی سے معدوم کر کے فیصلہ کر دیا ہوتا۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ (۳: ۱۸-۱۹)

خدا کے نزدیک انسان کا سچا دستور العمل یہی ہے کہ اپنے آپ کو خدا کے ہمہ تن مطیع کر دینا ہے۔ اور اہل کتاب اگر اسلام کے اس جامع الناس مقصد کو غلط سمجھکر آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے تو اس

---

* یہاں بھی وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً سے مقصود ایک واقع الامر کو ظاہر کرنا ہے نہ کسی گذشتہ قصے کو یاد دلانا۔ اس طرح کا وَمَا كَانَ کا استعمال قرآن میں بعض جگہ ہوا ہے مثلاً سورۂ شوریٰ کے آخر میں وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا (۴۲: ۵۱)، اور یہ کسی بشر کی مجال نہیں کہ خدا اس سے دوبدو ہو کر کلام کرے مگر وحی کے ذریعے سے۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ نمل میں ہے: مَا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا (۲۷: ۶۰) "یعنی تمہاری طاقت نہیں کہ ان کے درختوں کو اُگا سکو۔" اور سورۂ قصص میں مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ ہے۔ یعنی "انکو کچھ اختیار نہیں ہے"۔ بہرنوع یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ منشائے خدا تمام عالم کو متحد کرنا ہے اور یہ کہ انسان اپنی خودرائی کے باعث آپ متفرق ہو گیا ہے پھر یہ باہمی اختلاف اور ایک قوم کا دوسری قوم سے مجادلے اور محاربے کرنا زمین و آسمان کی نظروں میں مکروہ اعمال ہیں جن کا فیصلہ کسی دن کرے گا اور زیادتی کرنے والوں کو کماحقہ سزا دیگا!

† ان آیات جلیلہ میں اسلام کی حقیقت قطعاً عیاں ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام وہ صحیح طرز عمل (الدِّين) وہ سچا انسانی دستور العمل (الدِّين) اور خدا کا وہ طبعی آئینِ کار (الدِّين) (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۱) ہے جس کا دوسرا نام ایک حاکم اعلیٰ کی ماتحتی میں رہکر اتحاد اور اصلاح بین الناس ہے۔ جو اختلاف پہلے حاملین الْكِتَاب میں قائم ہو گیا تھا وہ لوگوں کا خود پیدا کردہ تھا اور اس کا اصلی باعث انسان کی آپس کی ضد (الْعِلْمُ) سے عداوت تھی (بَغْيًا بَيْنَهُمْ)، ورنہ الْإِسْلَام اور أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ کی صورت میں افتراق قطعاً پیدا ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ایک آقا کے کئی غلام یا ایک حاکم کے کئی ماتحت ملازم بشرطیکہ وہ انکے آقا اور حاکم ہونے کے دل سے مقر ہوں آپس کی طاقت سے اور حرابے جو وقوع ہوں آپس میں ہوشیار نہیں کر سکتے۔ پس یہی اتحاد، یہی قانونِ خدا کے آگے سر جھکا دینا، یہی خدا کو خدا تسلیم کر لینا الْإِسْلَام ہے اور یہی سچی ہدایت ہے، (فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا)۔ یہاں سر اتحاد کو ہدایت کہا ہے پہلے دو موقعے آیۂ (۲: ۱۳۷) صفحہ ۱۸۷ و (۲: ۲۱۳) صفحہ ۱۸۸ میں گذر چکے ہیں فتاحیہ اور دیباچہ کتاب میں یہ بعینہٖ یہی اسلام پیش کیا ہے دیکھو صفحہ ۷ افتتاحیہ و ۶۲ الخ دیباچہ

علم کے آنے کے پیچھے جو انکو نبیوں کی وساطت سے منشائے خدا کے متعلق ملا تھا۔ اور زیادہ تر اس اختلاف کی وجہ آپس میں ضد ہی تھی لیکن جو شخص خدا کے صریح احکام کو پس پشت ڈالتے ہیں ان سے بہت جلد حساب لے لیتا ہے۔ پس اے پیغمبر! اگر مشیت خدا کی اس کامل تشریح کے بعد بھی یہ لوگ تم سے کٹ حجتی کریں (اور اپنی بزدلی، کم ہمتی، اور ہٹ کے باعث اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے سے گریز کریں) تو ان سے کہدو کہ میں تو خدا کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر چکا اور جو لوگ میرے پیرو ہیں وہ بھی اپنے آپ کو اللہ کے غلام بنا چکے پھر ان اہل کتاب اور عرب جاہلوں کو کہو کہ کیا تم اس بات کے لیئے تیار ہو پھر اگر ہاں کریں تو بیشک راہ راست پر آگئے اور اگر منہ موڑیں تو اے پیغمبر! تم پر حکم خدا کا پہنچا دینا فرض ہے اور بس اور اللہ بندوں کے اعمال کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْــَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝† (۱۶-۹۳)

† اس آیۂ شریفہ میں امت واحدہ بن کر رہنے کو بصراحت تمام ضلال کہا گیا ہے (يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ)، اور منتشر و متحد ہونے کو بہر حیثیت ہدایت سے تعبیر کیا ہے (وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ)، اور غیر مشکوک الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ تفریق و انتشار کی پرسش خدا کی جانب سے ضرور بالضرور ہوگی جیسا کہ آج مسلمانان عالم کو ہو رہی ہے، مگر وہ نہیں سمجھتے یہاں يَّشَآءُ پھر اجتماعی موصول ہو اور تمام قوم کیلئے آیا ہے پہلی مثالیں صفحہ ۴۳، ۴۴ پر گذر چکی ہیں اتحاد کو بالالتزام (۲ : ۱۳۷)، (۲ : ۲۱۳)، (۳ : ۱۹) اور (۱۶ : ۹۳) میں ہدایت کے لفظ سے تعبیر کرنا قرآن حکیم کے حیرت انگیز استقلال مطالب اور بے مثال تطابق کا وہ بدیہی ثبوت ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔

شآء کا استعمال اس آیت میں تین بار ہوا ہے اور اس دقیق المطلب اصطلاح کے متعارف مفہوم کو پیش نظر رکھکر بادی النظر میں اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب خدائے عزوجل نے انسان کو ایک امت بنانا نہیں چاہا، تو اس بیچارے کا اس میں کیا قصور ہے، اور جب خدا اپنی مرضی سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور علی الحساب ہدایت دیتا ہے تو پھر ہم سے پرسش کیوں کرے گا اور اس فعل کو كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سے تعبیر کرنا ناروا ہے۔ یہ اعتراض بجائے خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ شآء کے وہ معنی قطعاً نہیں ہیں جو عوام نے لے لئے ہیں مشیت خدا کے متعلق مکمل بحث فلسفۂ عمل کے عنوان (غالباً تیسری مجلد) میں آئے گی اگر متذکرہ صدر آیات کو پیش نظر رکھکر جو اختلاف پسندیٔ انسان کے متعلق پیش ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ انسان کے اعمال ہی اختلاف کا باعث ہوتے رہے ہیں۔ خدا کا منشا ہرگز یہ نہ تھا کہ انسان مختلف الغرض اور منتشر العمل ہو کر رہے لیکن خدائے عزوجل چونکہ قادر علیٰ کل شئی ہے، اور اسکے مالمقابل انسان کا جزوی اختیار محض ہیچ ہے، اسلئے بلند مقام نظر سے یہ باہمی اختلاف بھی جو انسان نے اپنے اعمال کے باعث پیدا کیا ہے لامحالہ اسکی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے اسکے دائرہ قانون و اقتدار سے باہر ہرگز نہیں ہوتا۔ منشائے الٰہی اور مشیت ایزدی کے درمیان یہ باریک فرق بعد میں اور بھی عیاں کر دیا جائے گا لیکن قرآن حکیم میں خدائے عزوجل کے متعلق شآء کا استعمال جہاں کہیں ہوا ہے اسی اصول کو پیش نظر بیشتر ہوا ہے اور اس آیۂ کریمہ میں تو كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہہ کر انسانی ذمہ داری کو قطعاً صاف کر دیا ہے۔ پس جب انسان ہی تمام اختلاف کا بانی ہے تو زیر بحث آیت کا ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر خدا اپنا منشا کرتا (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ)، اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا اور تمہاری مرضی کو اپنے منشا میں دخل ہونے نہ دیتا (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو تم کو امت واحدہ بنا تا اور روز قیامت تک یوں ہی بنائے رکھتا (لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً)، کیونکہ تم سب ایک ہی نوع کی مخلوق ہو

۱

اگر اللہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا تو تم کو ایک اُمّت بنا کر رکھتا اور تم میں کبھی کسی اہم امر کے متعلق اختلاف نہ پیدا ہوتا۔ لیکن جسکو گمراہی کا اہل سمجھتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسکو درخورِ ہدایت دیکھتا ہے ہدایت دیدیتا ہے لیکن لوگو! یاد رکھو کہ یہ سب تفرقہ جو تم ہدایتِ حق آپس میں پیدا کر رہے ہو اسکی بازپرس تم سے ضرور ہونی ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ (۵ ـ ۴۸)

اور اے ساکنانِ زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَاءَ اللّٰهُ)، اگر وہ اپنے حسبِ پسند کام کرتا (لَوْ شَاءَ اللّٰهُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک ہی اُمّت بنا دیتا (تم سب کے سب متحد الخیال اور متفق الاعمال ہو جاتے اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۲) اور واحد الاصل ہو (یہاں باللہ کے لفظ پر زور ہے) لیکن چونکہ اسنے تم اشرف الخلق اور ذی شعور انسانوں کو اپنے اعمال پر ایک بہت بڑی حد تک قدرت دے رکھی ہو اسلیئے یہ اختلاف جو پیدا ہو رہا ہے تمہارے اپنے کرتوت سے ہے۔ اس صورت حال میں وہ خدائے عظیم ہی تمہارے اعمال کو دیکھکر جس قوم کو نااہل قرار دیتا ہے اپنی مشیّت (یعنی قانون اور سنت اللہ) کے روسے تفرقہ و شکست کی راہ ضلال دکھاتا ہے، (وَلٰكِن يُضِلُّ مَن يَشَاءُ)، اور جسکو سمجھ جو اہل سمجھتا ہے اپنی مشیّت کے اٹل رو سے اتحاد عمل کا راہ راست دکھاتا ہے، (وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ)، لیکن لوگو! یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اسکی پرسش ضرور ہوگی (وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ)۔

آگے چلکر ہم دوسری مجلد میں عیاں کر دینگے کہ خدائے خیر آفرین نے اپنی سب ادنیٰ حیوانی مخلوق کی ہر نوع کو جو انسان کی طرح اپنے میں کچھ اختیار و ارادہ نہیں رکھتی، اور جسکا ذاتی اقتدار منشائے خدا میں کچھ دخیل نہیں ہوتا۔ اُمّت واحدہ ہی بنایا ہے اُن کے افراد کے مابین جماعتوں کی اختلاف رونما نہیں ہوتا۔ وہ سب کے سب مختلف جماعتوں میں منقسم ہیں لیکن آپس میں متحد اور متفق ہیں لیس یہ انسان کا اپنی نوع کے ساتھ تخالف و تباین فی الحقیقت اسکی خود رائی اور صاحبِ اختیار و ارادہ ہونیکے باعث ہے ورنہ فطرت کا منشائے وحید کریم ایک نوع کے افراد میں اتحاد ہی اتحاد ہے۔

۴؎ اِس آیۂ کریمہ سے اور بھی واضح طور پر عیاں ہو جاتا ہے کہ اختلاف کا اصلی باعث خود انسان ہی ہے (بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ) اور خدا کی عین مرضی یہ ہے کہ ہر نوعِ انسان متحد ہو کر رہے۔ مالک کتاب کے صحیح مفہوم کی تشریح صفحہ ۱۳ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کا کسی اُمّت کو اجتماعی انعاموں سے مشرف کرنا اس بات کی علامت ہو کہ وہ اُمّت مشیّت ایزدی کے مطابق چل رہی ہے (مثال کے طور پر اگر وہ اُمّت أُمَّةً وَاحِدَةً بن کر رہتی ہے اور فرقہ بندی میں نہیں تو لامحالہ جزائے خدا سے بادشاہت یا آزادی وغیرہ کا انعام پاتی ہے) اسلامی اقوام کے بارے میں ایک آیت مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳ میں آ چکی ہے۔ اور یہاں بھی ظاہر ہے کہ اقوام عالم کے متعلق منشائے ایزدی انکا سعی عمل اور اسکے وسعت پر مسابقت ہی ہے۔ مسئلہ ارتقا کو پیش نظر رکھکر اس آیت کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

سلہ؎ آگے چلکر فلسفۂ عمل میں ہم ثابت کر دینگے کہ منصبِ خدا فی الحقیقت اس کا قانون ہی ہے جو قانون خدائے عزوجل نے روزِ اول سے بنا دیا ہے، اُسی کے مطابق عمل درآمد ہو رہا ہے، اُسکے روسے جزا و سزا مل رہی ہے اور وہ ہی ابدی سنت ہی ہر معقول عالم کے سامان سامان ہی ہے کہ اکثر وہ سوچ سمجھکر قانون بنا کر دے اور پھر اسکے مطابق عمل کرا ما انسان پر چھوڑ دے، حتی الامکان اُسی پر قائم رہے، بلکہ اُسکو ہر طرح آسیب سے بچائے رکھے۔ خدا کی منصب العباد یا بندہ کوئی استبدادی منتفت نہیں کہ گھڑی میں ماشہ اور گھڑی میں تولہ بن کر دکھائے بلکہ وہ روز آفرینش سے اٹل ہے، ناقابل تبدیل اور لازوال ہے: فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا ۝ (۳۵ ـ ۴۳)، یعنی اُسے مخاطب تو قانونِ خداوندی میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا اور ہرگز کوئی تحویل نہیں دیکھیگا۔

تم میں کسی امر کے متعلق کوئی کشمکش پیدا ہی نہ ہوتی) لیکن بصورت اختلاف جو تمہاری اپنی خودرائی خدا سے بیگانگی، اور ضلال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اسلیے ہے کہ وہ خدائے عالمیان تم سب مختلف سدہ امتوں کا امتحان اُن الہتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دی ہیں (لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ آتَاكُمْ)، تو اے انسانی اُمتو! تم بھی اس آزمایش میں پورے اُترو، اور اس کتاکش عظیم میں فتح پانے کیلیے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعاموں کی طرف مسابقت کرو (فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ)، جانے رہو کہ تم سب کو خدا کی طرف لوٹنا، اور اُسکے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جوابدہی کرنی ہے، پھر اُسدن وہ انسانوں کا خالق خدا تم کو اُس حقیقت حال سے آگاہ کر دیگا جسکے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کرتے تھے!

وَلَوْ شَاءَ[4] رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ (۱۱: ۱۱۸-۱۱۹)

اور اے پیغمبر! اگر تیرا پروردگار اپنے منشا کے مطابق کرتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا، لیکن یہ لوگوں کی شقاوت ہے کہ وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف قائم کرتے رہتے ہیں اور متحد اور متفق العمل ہو کر

---

[4] جو چیز سب سے زیادہ افسوسناک اور موجب تعجب ہے وہ یہ ہے کہ ان دو آیات جلیلہ کے مطالب میں بعض ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے عمداً اور شعوراً معنوی تحریف کچھ اس طرح پیدا کر لی ہے، جو دیدہ دلیری اور ابلیسی مکر و ریا ہے وہ ان آیات الٰہی کو سند گردانکر اپنی موجودہ فرقہ بندی اور شکست انگیز حالت کو حکمت ملکوتیت ایزدی پر محمول کر کے موت کی نیند لے رہے ہیں اور چاردانگ عالم سے ایک آواز اس تشریح کے برخلاف بھی سنائی نہیں دیتی، اس سے آج عالم اسلام کے فقدان فہم و فکر کا خوب پتہ چلتا ہے اور یہ امر متحقق ہو جاتا ہے کہ جب کسی امت کی اجتماعی موت قریب ہوتی ہے تو جمع، بصر اور قلب سلیم اسکے افراد سے خود بخود رخصت ہو جاتے ہیں، اور اذا جاءَ اجلهم لم يبق لون ولا عين کا عالم ہر طرف عملاً پیدا ہو جاتا ہے، آج مسلمانوں نے "وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ" کا یہ مطلب سمجھ لیا ہے کہ انسان فطرتاً اور خلقتاً اختلاف پیدا کرنے پر مجبور ہے، اور "وَلَوْ شَاءَ" کا محاکمہ اسکی تائید میں ہے! اور اسی لئے مسلمانوں کی موجودہ حالت طبعاً اور حکماً لاعلاج ہے، بلکہ اختلاف پیدا کرنا اور امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے شکست ریخت کے جہنم کی طرف گھسیٹنا ہی "رحمت" الٰہی کی علامت اور مشیت خدا کی تکمیل ہے! اس شرارت انگیز تعلیم کی تلقین آج ہر طبقہ خوشی سے ماتم افزا حجرے میں بیٹھکر رونکند، سے کر رہا ہے اور اسے زعم میں رب زمین و آسمان کی ایک اہم ہدایت کی تبلیغ کر رہا ہے۔ اور یہ سب نشر و تبلیغ صرف و نحو کے اُن خداوند فرستادہ قاعدوں کے تتبع میں ہو رہی ہے جن کے بیغمبر قطرب اور کسائی وغیرہم تھے، اور جنہوں نے ایسی سنت بتائی کہ کبھی کہنا ہوگا کہ "ذٰلك" کبھی اشارۂ قریب کیلئے آتا ہے، اور اشارہ بعید کے لئے "ذٰلك" کا لفظ وقف ہے، اس قرآن جامع الادعان کے رُو سے "ذٰلك" کا مشارٌ الیہ "مختلفین" ہی ہو سکتا ہے، "اُمَّةً وَّاحِدَةً" نہیں ہو سکتا اور اسی لیے رب زمین و آسمان اُن کے زعم میں اختلاف کا یکسر حامی ہے! یہ سب طرز استدلال ظاہر ہے کہ نہایت لغو اور شرمناک ہے۔ اور کسی ذہن سلیم کے لئے قابل التفات نہیں۔ یہاں "إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" کے الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اختلاف پیدا نہ کرنا اور امت واحدہ بنے رہنا رحمت خدا کی نشانی ہے، اور "وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ" کا اشارہ صریحاً اسی رحمت مستمرہ کی طرف ہے، "وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ" کے الفاظ کی طرف نہیں ہو سکتا

تو وہی رہتے ہیں جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔ فی الحقیقت خدا نے انسانوں کو پیدا ہی ایسا کیا تھا کہ ایک اُمّت بن کر رہیں، لیکن اگر یہ اختلاف نہ مٹا تو فرمودۂ خدا پورا ہو کر رہیگا کہ ہم کیا جن اور کیا انسان سب سے دوزخ کو ضرور بھر دینگے اور نافرمانیٔ احکام کا انتقام لیکر رہیں گے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۴) دور جا پڑے ہیں۔ لیکن اتحاد کا اسلامی تعلیم کا جزوِ اعظم ہونا چونکہ مسلمانوں کی موجودہ فرقہ بندیوں کا شدت سے مانع ہے اور آگے چلکر ایسی اُمّت کے کل جن وانس کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے اس لیئے امت حاضرہ (جسکے لیئے تمت کے ماحداؤں کے زعم میں جہنم کی آگ مدت سے حرام ہو چکی ہے) اسکا اطلاق ختماً نہیں ہو سکتا! اس جوشِ اعتقادی کا نتیجہ بعض اوقات یہاں تک ظاہر ہوا ہے کہ لوگوں نے اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ تک ایک مضمون سمجھا ہے اور لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ کو نیا مضمون فرض کر کے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر گئے ہیں حتیٰ کہ بعض حلقوں میں جہنم والے آخری جملے کو پہلے مضمون کے ساتھ ملا کر پڑھنا مارا سمجھا گیا ہے۔ اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ جب اختلاف پیدا کرنے سے مشیتِ ایزدی کی تکمیل ہو رہی ہے اور یہی انسانی فطرت بھی ہے تو پھر اس انسان کا کوئی قصور نہیں، اور جہنم کی سزا بھی اس قصور کے متعلق نہیں۔

اصل کتاب میں ان آیات کے صحیح مطالب واضح کر دیئے گئے ہیں اور ہر صاحبِ نظر بطورِ خود سمجھ سکتا ہے کہ قرآنِ حکیم کس استقلال اور التزام سے جا بجا اتحادِ نوعِ انسان کا حامی اور وحدتِ امت کا مؤید ہے اور تناقض اور اختلاف کے انسانی عیب سے کسقدر مبرا ہے لیکن آیہ (۱۱: ۱۱۹) کے آخری جملے کے متعلق تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ کے معانی کی ضروری توضیح باقی ہے جو یہاں پر لکھی جاتی ہے۔

سورہ اعراف میں شیطان کے انسانی اغواء کے متعلق یہ عجیب مکالمہ درج ہے جس پر آج ہر جگہ حرف بحرف عمل ہوتا ہوا ہر صاحبِ نظر کو نظر آرہا ہے

> قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَدْحُورًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (۷: ۱۶-۱۸)

پھر شیطان ربِ زمین و آسمان کی جناب میں یوں گستاخی سے بولا کہ اے مالکِ کون و مکاں! جس طرح تو نے مجھے ناحق مارا اور انسان کے مطیع ہو کر رہنے اور اُسکے آگے سجدہ نہ کرنے کے جرم میں جنت کے آرام دہ سبزہ زاروں سے نکالا ہے تو میں بھی بنی نوعِ انسان کی تاک میں تیرے سامنے سیدھے صراطِ مستقیم پر بیٹھ رہونگا، پھر انکو اس صراطِ مستقیم سے بھٹکانے کی غرض سے طرح طرح کے لباس پہنکر اور قسما قسم کے مکر و فریب سے اوڑھ کر کبھی آگے سے آونگا اور پیچھے سے جا ملونگا، کبھی داہنی طرف سے آملونگا کبھی بائیں طرف سے آسلام کرونگا، اور جس طرح بن پڑے گا سادہ لوح انسان کو بہکا کر رہونگا، اور اگر میرا بس اس پر چل گیا تو انسانوں میں کثرت کو تو اسا قدر دان اور مطیع نہ پائیگا۔ شیطان کی اس انتہائی گستاخی پر خدائے عزوجل غصّہ اٹھا اور فرمایا کہ باغِ بہشت سے یکدم نکل باہر ہو! اسکے لیے ملعون ا رجو ، ہار ہو۔ لیکن بنی نوعِ انسان میں جس جس نے تیری پیروی کی ہوگی تو یہ میرا پکا وعدہ ہے کہ میں بھی تم سے اور اُن سب سے جہنم کو لبالب بھر دونگا۔

شیطان کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں، اور نہ اسپر کہ یہ مکالمہ کیونکر ہوا اور کہاں پر ہوا لیکن اِن آیات کے آخری جملے سے ظاہر ہے کہ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ والی آیت یعنی (۱۱: ۱۱۹) میں اسی قول کی طرف اشارہ ہے صفحہ ۱۸۸ کے تحت المتن میں آیت (۲: ۲۱۳) کی تشریح کے ضمن میں ہم ابھی ابھی بتا آئے ہیں کہ اتحادِ امت ہی صراطِ مستقیم کی ایک اہم شق ہے، پس شیطان کا صراطِ مستقیم سے ورغلانا انسانوں کے درمیان نفاق پیدا کرنا ہی ہے۔ اور اسی اختلاف کی سزا میں شیطان اور انسان دونوں کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی دی گئی ہے اور صاف فرمایا ہے کہ جو قوم اس طرح پر شیطان کی متابعت کرے گی اُسپر یہ قول پورا ہو کر رہے گا۔ بعینہٖ اسی طرح کا مکالمہ سورۂ صٓ میں ہے۔ (ماتی)

تمکین انسان - اسلام و نقش توحید

کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط

[illegible] اے ایمان والو! [illegible]

آؤ اب یہ دیکھیں کہ [illegible] اختلاف [illegible] اور جامع الناس [illegible] اسلام تھا جس کا آغاز جس کا [illegible]

روئے زمین پر ایک امت کا قیام تھا۔ فطرت کی اساسی وحدت اور اتحاد، اور اولاد آدم کے طبعی اور ذہنی

(ترجمہ تحت الامر صفحہ ۱۹۵) قال فبعزتک لاغوینہم اجمعین ۝ الا عبادک منہم المخلصین ۝ قال فالحق والحق اقول ۝ لاملئن جہنم منک و ممن تبعک منہم اجمعین ۝ (۳۸ : ۸۲ - ۸۵)

اس پر شیطان ابلیس نے کہا کہ تیری عزت کی قسم کہ میں بھی ان سب کو [illegible] سوائے [illegible] تیرے خالص بندوں کے [illegible] گمراہ کر کے رہوں گا

رب نے فرمایا کہ حق [illegible] یہ سچ ہے [illegible] میں بھی سچ ہی کہتا ہوں کہ اگر [illegible] تم بھی [illegible] [illegible]

[illegible] کی [illegible] وہ انسانوں کے ساتھ ابلیس بھی جہنم میں [illegible] (۱۱ : ۱۱۱) من الجنۃ والناس اجمعین

کے [illegible] شیاطین کا گروہ [illegible] ان کو صراط مستقیم سے غلط [illegible] [illegible] حقیقت [illegible]

[illegible] سورہ کہف کی آیت کان من الجن ففسق عن امر ربہ (۱۸ : ۵۰) کو پیش [illegible]

ابلیس کو [illegible] جس نے حکم الٰہی سے سرتابی کی تھی۔ جہنم کو [illegible] سورہ [illegible]

ولو شئنا لاٰتینا کل نفس ھدٰھا ولٰکن حق القول منی لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین ۝ (۳۲ : ۱۳)

اور اگر ہم [illegible] مرضی کے مطابق عمل کرتے (ولو شئنا) [illegible] (۱۱ : ۱۱۸) صفحہ ۱۹۴ کی طرح [illegible] [illegible] انسانی [illegible]

[illegible] صراط مستقیم [illegible] (ھدٰھا) پر چلا دیتے (اور

[illegible] لامحالہ [illegible] امت واحدہ [illegible] کی ہدایت ہوتی [illegible] انسان [illegible] ہدایت [illegible]

[illegible] لامحالہ [illegible] پورا ہو کر رہے گا [illegible] شیطان سے کہا [illegible] [illegible]

[illegible] الا تینا کل نفس ھدٰھا اور ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ میں معنوی [illegible] قرآنی

معانی کی ایک [illegible] ہم [illegible] اتحاد امت [illegible] کر چکے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۹۲) اور یہاں [illegible] مفہوم کی تائید ہوتی ہے

[illegible] تمام استدلال کو پیش نظر رکھ کر یہ حقیقت ظاہر [illegible] ہو جاتی ہے کہ امت واحدہ [illegible] فطرت انسانی [illegible]

[illegible] مطابق ہو، اختلاف کی [illegible] شکست [illegible] [illegible] اسلام [illegible] توحید کے [illegible]

پر متفق العمل کر کے امت واحدہ بنانے آیا تھا، فرقہ بندیاں پیدا کرنا اس کا کام نہ تھا [illegible] انبیاء کو [illegible] تسلیم کر لینا [illegible] الہامی کتابوں [illegible]

مجموعہ ایک سمجھنا، ایک خدا کی ملازمت پر متفق العمل ہو جانا، ایک حاکم اعلیٰ کو ماننا، اور اس کے سوا کسی دوسرے رستے پیچھے لگ کر [illegible] اسلام کی اصلی تعلیم تھی

[illegible] صراط مستقیم تھا، متحد العرض اور متفق العمل رہنا اسکی ہدایت تھی۔ یہی الھدیٰ اور دین الحق کا صحیح مفہوم تھا [illegible]

(۶۱ : ۹) صفحہ ۱۸۲) اسی فطرت کے عظیم الشان اصل الاصول کو لے کر رسول آیا تھا اور [illegible] لیظہرہ علی الدین کلہ [illegible] مسلمان

عالم [illegible] اسی [illegible] مغرب [illegible] عالم [illegible] دین فطرت کی ایک اہم شق ہے [illegible] تمام عالم مجبور ہے (فطرۃ اللہ التی فطر الناس

علیھا ۳۰ : ۳۰) اور اگر آج مسلمان اس سبق کو بھول کر شکست پر شکست کھا رہے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ دین فطرت سے انحراف کے سوا [illegible]

اسلاف کی طرف یہ آخری بازگشت تھی جسکا اولین پیش نہاد ساکنانِ عالم کو پابندِ خدا، اور بریدہ ماسوا کے ایک کردینا تھا! دین اسلام کی صلائے عام (۱۳: ۹۳) (۱۵: ۱۳) (۴: ۱۳) (۲۲: ۳۹) انسان کی اعتقادی اور نسلی، ملکی اور تمدنی تفریق و تخریب کے برخلاف وہ عربدہ جو صدا، اور آمادہ پیکار آواز تھی جس سے عہدہ برآ ہونے کی شرط وحید **توحید** کا عملی اقرار، اور بندگی خدا کا عملی اعتراف تھا؛ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۵۱﴾ (۳: ۸۴)، فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۵۲﴾ (۴۰: ۱۴)؛ بین المللی مصالحت اور جنسی اتحاد عمل کی یہی وہ طبعی اور قابل تسلیم بنا، اور یہی وہ مشترک اساس تھی جس پر خلقِ خدا کے اجماع و ائتلاف کا امکان ہوسکتا تھا؛ اِس **اَللّٰہُ اَحَدٌ** کی عملی اور نتیجہ خیز للکار میں ہی وہ آسمان شگاف

۵۱ اور جو شخص اس عملی اسلام کے سوا کسی اور مذہب عمل کی تلاش میں ہوگا اسکا وہ مسلک ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا، اور بالآخر وہ زیاں کاروں میں سے ہوگا

۵۲ سو اے ایمان والو! اپنی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اسی خدا کے لیے مخصوص کرکے اُس کو پکارا کرو، اگرچہ منکرین خدا کو بُرا ہی کیوں نہ لگے

✤ یہ آیہ شہیرہ قرآن حکیم میں صفحہ ۱۸۸ کے متن کی آیہ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ (۳: ۸۳) کے عین بعد واقع ہوئی ہے دونوں آیتوں کو ملاکر پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ الْإِسْلَامُ، درحقیقت انبیائے جہاں کو صرف ایک پیغام (الکتب) کا حامل سمجھے، اُن میں سے کسی ایک کو دوسرے سے الگ نہ کرے، سب کا موحد ہونا تسلیم کرے، بنی نوع انسان کو مشترک اساس عمل پر لائے اور خدا کو قول و عمل میں حاکم اعلیٰ تسلیم کرکے اسکے قانون پر عمل کرنے کا نام ہے۔ یہی وہ راہ عمل (دین) تھی جسکے سوا کوئی اور طریق عمل اختیار کرنا خدا کی نظروں میں پسندیدہ نہ تھا (فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ) گویا تفرقہ ایجاد ہونا، عمل میں اتحاد انسانی کو پیش نظر نہ رکھنا، اور اپنے سعی و عمل کا مطمح نظر اصلاح بین الناس نہ بنانا وہ شیوہ کار ہے جسکا نتیجہ بہت بُرا ہے، جس کا انجام شکست و ہزیمت ہے (وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ) جس میں بالآخر نامرادی ہی نامرادی ہے یہ دونوں آیتیں اسلام کو مجسمۂ اتحاد ثابت کرنے میں فیصل ہیں مگر آج لوگوں نے آیہ وَمَن يَبْتَغِ کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ جب تک کوئی شخص نماز میں ابھی جُبّہ کاٹ کر اور دستار باندھ کر کسی امام مسجد کے ہاتھ پر اُس کے کہنے کے مطابق کلمۂ شہادت نہ پڑھ لیگا، اور بعد ازاں شخصوں تک کے پائنچے والے پاجامے اور سر پر جبہ و دستار کو تادم موت اپنا اسلامی شعار نہ مانے گا تب تک اِس بے چارے کو قیامت کے دن ٹھکانا ہی نہ ملے گا۔ گویا آخرت کو سدھارنے کے لیے اس ہیئت کذائی میں ہونا لازمی ہے۔ اور رب زمین و آسمان اسی طرح کی قطع کی ہوئی قمیص و ازار کو پسند فرماتا ہے۔ کسی دوسرے خیاط کے ہاں کا سلا ہوا کپڑا اسکو پسند نہیں۔ آہ! قرآن حکیم کے الفاظ اسطرح باقی ہیں صرف روح نکل چکی ہے اور نکلکر کسی حقیقت شناس اور دقیقہ رس قوم کے جسم کی نس نس میں ہی ہے! مگر جس قوم میں حلول کر گئی ہے اُس کی رگ رگ میں نشہ کرامیں حیات کا عالم انگیز جوش ہے یہ مسلمان لاکھ مارا ہے اس شرعی ادھوت انگریز اسلام کو اسلام سمجھتے رہیں لیکن اسلام وہاں ہی جہاں اُس خدائے بیار او رحاکم عادل کی طرف سے قبولیت کی سند آ رہی ہے، جہاں طاقت و حکومت، عروج و شرف کا دریا اُمڈ رہا ہے، جہاں سلطنتیں لونڈیاں ہی ہوئی ہیں، جہاں بادشاہت زمین کی عروس جلوہ گر ہے جہاں دولت و عزت و حکم کی دیویاں ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ نہ کہ جہاں سے طرف تحقیر و مسکنت ہی ہی کا ساچا رگی ہے، مانگے ہوئے ٹکڑوں پر گذارہ، اور جوتیوں عزو مدلت ہو رہی ہیں!

۵۳ دیکھو صفحہ ۱۸۷ و ۱۸۸۔

طاقت، اور وہ انجذابی اثر پنہاں تھا جو ہر مقامی نصب العین، اور ہر نسلی مطمح نظر کو نالائق التفات کر دیتا تھا؛ اِسی حقیقت کی عالم آرا عظمت، اور مستم بالشان نافعیت[+] کے باعث مومن کا ایمان ایثار کا لازوال مصدر، اضطرارِ عمل کا عظیم الشان پیکر، اور ہجوم قوت کا بے خوف و خطر مسکن بن گیا تھا۔ لیکن یہ توحید ہی وہ مُسکنِ قلب اور مزکّی نفس دوا تھی جو غلبے کے مُسکر اثر کے باوجود قدم قدم پر بہیمی جذبات کو مشتعل ہونے سے روکتی تھی، جو بڑے سے بڑے دشمن کے بالمقابل رِفق و مسامحت حُسنِ معاملت اور اخلاق کے ملکوتی صفات کو ہر مومن کے قلب میں موجزن کیئے رکھتی تھی، جو احتساب نفس کی پیہم قطع و برید کے باعث اُسکے ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کو بھی حدِ اعتدال سے گذرنے نہ دیتی تھی، جو حق خدا کی ہردم محافظ، اور حقوقِ عباد کی ہر آن نگراں تھی، جسنے حُسنِ اخلاق کی ربانی فضیلتیں، اور خوفِ خدا کی قدوسی بزرگیاں ہر متنفس کے اعمال میں جاری و ساری کر دی تھیں، جسکے صحیح نقش نے مومنوں کے زندہ قلوب میں باہمی محبت کا حِس، اور یک رنگی کی لہر دوڑا دی تھی، جسکے مصلح اعمال اثر نے مسلمان کی زندگی کو ہر انسان کے لیئے قابلِ تقلید نمونہ بنا دیا تھا۔ اسی توحید کے نفع مند اور نتیجہ خیز یقین نے، مسلمانوں کے روزانہ معاملات میں بلا تفریقِ قوم، اور بلا امتیاز مذہب راستی اور صلاحیت پیدا کر دی تھی؛ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ[۵۱][+]۔ (۳ : ۷۵) میدانوں میں لڑنے والے یہ شیر ببر، اور پہاڑوں سے ہاتھا پائی کرنے والے یہ

---

[۵۱] سچ تو یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے عہد پر قائم رہا، اور خوفِ خدا کے باعث بد معاملگی سے بچا تو اللہ تقوٰی کرنے والوں کو بیشک دوست رکھتا ہے۔

[+] توحید کے متعلق میں نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اس کا اثل نتیجہ اتحادِ قلوب ہے علی ہذا القیاس جو قوم متحد ہے اُسکے افراد کے دلوں میں توحید بس رہی ہے! چونکہ سب ایک کام کر رہے ہیں اسلیئے اُنکا آقا بھی ایک ہی ہے جو قوم متفرق ہو اُسکے خدا بھی الگ الگ ہیں بلکہ اُسکا خدا درحقیقت شیطان ہے جو ایسے عدا[illegible] [illegible] ہر شخص اپنے اپنے خدا سے ہمکلام ہے اسی لئے اتحادِ عمل کی کوئی صورت پیدا ہو ہی نہیں سکتی [illegible] اللہ [illegible] (۵۹ : ۱۴) [illegible] العالمین [illegible] توحید کی اہمیت ظاہر

[+] یہاں ایفائے عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے گویا جو شخص اپنے قول کا سچا اور معاملے کا راست باز ہے وہ خدا سے صحیح معنوں میں ڈر رہا ہے، اُسکو اللہ کے ہردم حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہے، وہ فی الحقیقت اُس پاک ذات کو اپنے اور فریقِ ثانی کے درمیان گواہ یعنی شاہد اور ضامن ٹھہرا کر عہد کرتا ہے، اور پھر ایسی جلیل القدر ذات کی ضمانت میں اُس عہد کو نباہنے کے لئے اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتا ایسا ہی شخص اور ایسی ہی خوش معاملہ قوم بلا شبہ خدا کی دوستی کے قابل ہے لاَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ سورۂ نحل میں ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (۱۶ : ۹۱)

جانباز بطل، اسلام کی تنبیہی صدا اور اللہ کے امر و نہی کے آگے یوں جُھک گئے تھے کہ اُنکے اعمال کو دیکھکر بعض اوقات ان کی بشریت پر گمان گزرتا تھا؛ وہ سلاطین عالم پر تحکم کی نظر رکھتے تھے، مگر استکبار و تعلی کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۸) اور دوسری جب کسی سے کوئی عہد کرنے کا اپنے دل میں عزم صمیم کرلو تو اس خدا سے ڈرتے ہوئے عہد کو پورا کرکے رہو۔ اور یہی نہیں بلکہ اُن معاہدوں کو جنکو تم اپنے رب سے باندھ چکے ہو (الأیمان) کو ایک سرے سے ملا کر ہی توڑ ڈالو کیونکہ اگر عہد معاہد فریقوں ہی کے درمیان ہوا ہے مگر تم نے حقیقت خدا کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس سے بخوبی واقف ہے

اسلام نے ایفائے عہد کو ہر حالت میں سختی سے برقرار رکھنا اپنے پر اسقدر لازم کرلیا تھا کہ عین اُسوقت جب کہ اکیس برس[1] کی مسلسل سعی و عمل کے بعد مدینے میں مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اوج کمال پر پہونچ چکی تھی، جب دشمنان دین کو خدا کی جانب سے مال کی صدائے عام مل رہی تھی اور برارت کی آیتیں نازل ہورہی تھیں، رب عزوجل نے مسلمانوں کو عہد پورا کرنے کی بہرحال تلقین فرمائی اور کہہ دیا کہ میری دوستی کا تقاضا ہے کہ میری ضمانت رسوا نہ ہونے پائے، جبتک عہد ہوچکا ہے تب تک قائم رہے بعد از آں تمہارا اختیار ہے لیکن اُس سے پہلے دشمنوں کو چھیڑنا اتقائے خدا کے برخلاف ہے

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (۹ : ۴)

ہاں مگر لیکن دشمنان دین میں سے جن لوگوں کے ساتھ تم نے صلح کا عہد و پیمان کر رکھا ہے، اور بعد ازآں انہوں نے ایفائے عہد میں تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی، تو مستثنٰی ہیں اُن کے ساتھ جو عہد و پیمان ہے اسے اس مدت تک جو اُنکے ساتھ ٹھہری ہے پورا کرو اور خدا سے ڈر کر عدل نے یاد اُنہی لوگوں کا دوست ہے جو اس سے صحیح معنوں میں ڈرتے رہتے ہیں

اور بہرحال اُسکی آمد کو برقرار رکھتے ہیں۔

یہاں چھ سورتوں کے تفاوت کے بعد ایفائے عہد کے بارے میں پھر وہی إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ کے الفاظ دہرائے، اور تکمیل عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کرنا قرآن کے حیرت انگیز تطابق اور اتحاد مطالب کا بدیہی ثبوت ہے

عہد و پیمان کو برقرار رکھنا، انہیں ذاتی اغراض کو بہرحال حائل نہ ہونے دینا، ہر دم خدا کو فریق ثالث سمجھتے رہنا، اور ایفائے عہد کا اطلاق بلا تفریق رنگ و نسل ہر قوم پر کرنا وہ عظیم الشان سیاسی اصول ہیں جس پر سلطنت کی بنیادیں اُستوار ہوتی چلی آرہی ہیں جبتک مسلمانانِ عالم نے اس اصل اصول کو برقرار رکھا وہ تمام عالم کے بادشاہ بنے رہے، جب اُن سے یہ چیز چھوٹ گئی، اور مغربی اقوام کی استواری عہد کی دھاک بیٹھی تو مغرب کو ایشیائی اقوام پر وہ تسلط و تمکن، اور عیسائیت کو اپنی وہ قوت و اتحاد نصیب ہوا کہ دنیا عش عش کر اٹھی۔ آج جبکہ جنگ سال کے عدم ایفا اور بدعہدی کا چرچا ہر جا ہو رہا ہے تو اُسکے رعب و داب کی بنیادیں بھی اسی تیزی سے ہل رہی ہیں کہ ہر صاحب نظر قانون خدا کے اٹل ہونے کا قائل ہوکر رہ گیا ہے۔

قرآن حکیم کے عجائب خانے کے اندر یہ آیتیں وہ عزیز القدر جواہر ریزے ہیں جو تہوں کے اندر لپٹے ہوئے موجود ہیں، اُنکی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا، اُنکی حکمت عالیہ کی تہ تک پہونچنا ماہرِ شناس کا کام ہے نہیں، یہ وہ انمول موتی ہیں جنکو نااہل کا ہاتھ لگنا بھی جائز نہیں، وہ انکو سنگ خذف سمجھکر پھینک دیگا، اُنکے آسان سیدھے معانی کرکے ولیس اساطیر الاولین سمجھ لیگا لیکن جن قوموں نے ان کسوٹیوں کو اصول کو لیکر حرز جان بنائے رکھا ہے، وہی ان الفاظ کو سمجھیں گی، نادان کیا سمجھے اور کیا پائے۔ اسکا لیڈر ملک اور بار بار قرآن کے پاکیزہ منقولات کو معرض بحث میں لاکر دراصل حقیقت بلند کررہا ہے اور اسی لئے قرآن عظیم کو ایسے شخص کے ہاتھ لگنے سے پرہیز ہے

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۵۶ : ۷۷ — ۸۰)

[1] سورۂ برأت کی پہلی آیتوں کا نزول ۹ھ میں ہوا تھا گویا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو اکیس برس گذر چکے تھے۔

اُن میں نام نہ تھا؛ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا[۵۱] (۱۷: ۳۷)؛ وہ آسمان کی زمینوں پر تمکن کے چشم براہ تھے، مگر اللہ کی اس زمین پر دھیمے چلتے تھے! وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا[۵۲] (۲۵: ۶۳)؛ مغرور و متکبر شہنشاہوں کے تاج آئے دن

---

[۵۱] اور اے انسان! میری اس زمین پر اکڑ کر مت چلا کر کیونکہ اس دھاکے کے ساتھ چلنے سے تو زمین کو پھاڑ نہیں سکے گا، اور نہ تن کر چلنے سے تو پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکے گا۔ [۵۲] اور اللہ کے پیارے بندے تو وہ ہیں جو اس زمین پر نرمی کے ساتھ چلیں، اور جب کم علم اور بے عقل آدمی ان سے سخت مباحثہ کریں تو سلام کہہ کر ٹال دیا کریں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۹) گویا یہ قرآن عظیم بڑی ہی عزیز العدیم کتاب ہے اسکے اندر کے جواہر بیش بہا اوراق میں نہ دیکھ اس طرح لپٹے ہوئے ہیں کہ ان پاک لوگوں (الْمُطَهَّرُونَ) کے سوا کوئی اسکو چھونے نہیں پاتا، کوئی اسکی تہ کو نہیں پہنچتا، آنکی عظیم الشان نافعیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اسکے اندر بیش بہا گوہر کیوں نہ ہوں یہ تو پروردگار عالم کی طرف سے اتارا ہوا کلام ہے۔

سلطنت کے امور عالیہ تو ایک طرف، ذاتی اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی آج مسلمان کو قطعاً حس نہیں رہا کہ وعدہ کیا شئے ہے، اسکے ایفا کے کیا معنی ہیں، وہ کس سبیل کا نام ہے، اسکے کرتے ہی کسقدر اہتمام کی ضرورت ہے، خدا کے نزدیک اسکا پورا کرنا کسقدر محبوب ہے اسلاف صالحین کے نزدیک کریم النفسی بلکہ مردمی یہی تھی کہ وعدہ بہرحال وفا ہو خواہ اسکے ایفا میں جان جوکھوں میں پڑے الکریم اذا وعد وفی۔ اسد قول جو لاں جان اردو کے مقالے اسکی شہادت میں ہیں۔ لیکن آج بدعہدی اور نادہندی کا شیوۂ زنان مسلمانوں میں اسقدر رواج پا گیا ہے کہ مرد ایک نظر نہیں آتا۔ یورپ کی قومیں مقابلۃً اس بھی بدرجہا اچھی ہیں ان میں ایفائے عہد کا خاص اہتمام ہے، پابندی وقت سجد ہے، زمین و آسمان ٹل جائے لیکن اوسط درجہ کا لیے وعدے کو ٹال دینا نامردی سمجھتا ہے اور اسی لیے صحیح معنوں میں متقی ہے، محبوب خدا ہے، اور اسی محبوبیت کے صدقے میں بادشاہت زمین کا انعام پا رہا ہے!

✽ تکبر کرنا اور زمین پر اکڑ کر چلنا چھا جانی، حکمرانی، اور بہروعت سربزی کا وہ عظیم الشان اصل اصول ہے جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے منکر و فرعون اسمال اقوام کی بادشاہت کے تختے اپنی آنکھوں سے الٹتے دیکھے ہیں۔ آج مصر کے متمرد و بد انجام شاہ جالموں کے اپنی رعیت سے فرعونی سلوک کا دو ایک نتیجہ ہندوستان کی ساحرلوار اور غیر پرندہ زمین میں سے دیکھ رہا ہے کہ برطانیہ کی عالم آرا سلطنت کی بنیادیں سو برس کی نہایت قلیل مدت میں متزلزل ہو چکی ہیں، دلوں پر حکومت کے آثار قطعاً باقی نہیں رہے، اعتماد کا اکثر حصہ کالعدم ہو چکا ہے عزت کے دل کھٹک چکے ہیں، اور اگر نظام سلطنت ابھی باقی ہے تو کتنے جبر و تعدی کے زور پر، در پیچ کھو کھلی ہو چکی ہے، اور کوئی انسانی تجویز آج اسکو مضبوط نہیں کر سکتی۔

✽ اس آیۂ شریفہ میں منکسر المزاج اور فروتن انسانوں کو عِبَادُ الرَّحْمَٰن کا خطاب دیا گیا ہے، گویا ایسا اخلاق پیدا کرنا صحیح معنوں میں خدا کی عبادت ہے۔ جو شخص اس قطع کا ہو، ہر ایک سے نہایت اخلاق سے پیش آئے، عجب و غرور کا اس میں نام تک نہ ہو، اور بڑے سے بڑا دنیاوی مرتبہ رکھنے کے باوجود خوش خلقی سے پیش آئے وہ فی الحقیقت خدا کی خدائی سے مرعوب ہے، اپنے آپ کو اسکے بالمقابل ہیچ سمجھتا ہے اور سب انسانوں کو برابر یقین کرتا ہے اور اسی لئے صحیح معنوں میں اسکا بندہ (عبد) ہے علی ہذا القیاس جاہل اور کم علم آدمی سے بحث نہ کرنا اور حکمت عملی سے اسکو ٹال دینا بھی عبادت میں داخل کیا گیا ہے گویا باوجود اس تمام انکسار طبیعت کے لغو اور لایعنی آدمیوں کی صحبت سے حتی الوسع اعراض کرنا بھی ملازمت خدا میں شامل ہے سورۂ قصص میں صاحب ایمان لوگوں کی تعریف میں ہے

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ (۲۸: ۵۵)

اُن کے قدموں پر بچھا و رہتے تھے، مگر اُن کے انکسارِ طبع، اُنکی لینت دل، اُنکی ملائمتِ سلوک، اُن کی نیچی نظروں میں فرق نہ آتا تھا! فرمانروائی کی اُمنگیں، اور جہانبانی کے ولولے اُن کے دلوں میں موجزن تھے مگر طبائع میں وہی سادہ پن اور خاکساری، وہی اطاعت کیشی اور اللہ کا شغف، وہی فکر انجامِ قوم اور ناموس اسلام کا پاس گھر کر گیا تھا۔ انکی زندگیاں فطرت کے اعتدال کی صحیح تصویریں، اور اُنکے دل خشیتِ خدا کے مستقل نشیمن بن گئے تھے: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ (۷: ۲۹)۔ اُن کا ہر عمل اور ہر شغل ربّ

(بقیہ تحت الملس صفحہ ۲۰۰) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کسی لغو بات کو سنتے ہیں تو اس سے حتی الوسع کنارہ کش ہو جاتے ہیں، اور ایسے لوگوں سے کہہ دیتے ہیں کہ بھائی جو تم کرتے ہو اسکا نتیجہ ہم کو ملیگا اور جو تم کرتے ہو تمہارے سامنے آئیگا۔ آپ مہربانی فرمائیں اور ہم کو اس بحث میں شامل نہ سمجھیں، خدا کی سلامتی تم پر ہو لیکن ہم ان لوگوں کی ملاقات میں نہیں جو علم نہیں رکھتے اور بے علم انکلیں دوڑاتے ہیں

ہمارے قرین سے قریب یہی مضمون ہے جو زیر بحث آیت (۲۵: ۶۳) میں ہے کہ قَالُوْا، اور سَلٰمًا اور اَلْجٰھِلِیْنَ کے الفاظ بھی مشترک ہیں اگرچہ سَمِعُوا اللَّغْوَ کا مضمون آیۃ (۲۵: ۶۳) میں بالصراحت بیان نہیں کیا گیا بلکہ آگے چلکر اسی سورۃ میں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کی تعریف کے تسلسل میں بیان کیا گیا ہے وَالَّذِیْنَ لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا (۲۵: ۷۲)، یعنی خدا کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو بے نیاز ہوکر گزر جاتے ہیں۔ اس تکرار کو پیش نظر رکھکر وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (۲۵: ۶۳) اور وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا (۲۵: ۷۲) کے دو قریب المعانی مضامین میں ایک ہی شان کے سیاق میں واقع ہوتی ہے، مجھے خیال پیدا ہوا ہے کہ آیت مذکورہ میں جٰھِلُوْنَ سے مراد کم علم اور اُجڈ لوگ نہیں بلکہ ناواقف اور ناآشنا لوگ مقصود ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں مستحق زکوۃ فقراء کے بارے کہا گیا ہے یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمٰھُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۲: ۲۷۳) یعنی یہ فقراء وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور اپنے مال و جان کو لٹانے والے سست الست لوگ ہیں کہ ناواقف ان کی ظاہری بے ماری اور خودداری کو دیکھکر اُن کو غنی سمجھتا ہے، اُنکے چہرے اسقدر بارونق اور پیشانیاں اسقدر کشادہ ہیں کہ تم اُن کی صورت سے اُنکو صاف پہچان جاؤگے، یہ بھیک منگوں کی طرح لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے" علیٰ ہذا القیاس خَاطَبَھُمْ سے مراد بھی مخاطب ہونا یعنی بالمقابل آجانا ہے نہ بحث و مباحثہ کرنا۔ اگر اس تاویل کو تسلیم کر لیا جاوے تو آیہ (۲۵: ۶۳) کے معانی نہایت مربوط اور صاف ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں

"اور اللہ کے خاص بندے تو وہ ہیں جو اس زمین پر فروتنی اور انکسار کے ساتھ چلیں، اور انکی اخوت کا حس

اس قدر ہے کہ جب ناواقف اور ناآشنا آدمی بھی سربازار ان سے دوچار ہو جاتے ہیں (خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ)

تو انہیں سلام کرنے میں سبقت کرتے ہیں"

یہ تشریح اسقدر سلیس اور نتیجہ خیز ہے کہ میں اسکو عالم اسلام کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ ہر واقف یا ناآشنا شخص کو سلام کرنے میں پہل کرنا عالی ہمتی اور حسن اخلاق کا وہ انتہائی درجہ ہے جسکو مسلمان کسی زمانے میں سیکھکر تمام عالم کے بادشاہ بن گئے تھے، اسی کے باعث اُنکے قدموں پر تاج و تخت گرتے تھے، یہی وہ عالم آرا حقیقت تھی جسے دنیا نے بھلا دیا۔ یہاں رسول خدا خود اسی خلق عظیم کے موجد تھے راہ چلتے لوگوں کو سلام کرتے اور ہمیشہ پہلے سلام کرنے میں بازی لیجاتے تھے حاشیہ صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا "بہترین اسلام یہ ہے کہ فقراء کو کھانا کھلاؤ (یعنی اُن فقراء کو جنکی تعریف (۲: ۲۷۳) میں گذری) اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو اسکو سلام کرو" یہی اسوۂ حسنہ فاروق اعظمؓ کا تھا اسلام کا یہ جابر امیر المؤمنین اور احرام و اکرام کا یہ اولوالعزم سپہ سالار مدینے کی گلیوں میں مشک اپنے کندھے پر اُٹھائے بیچاروں کے گھر پانی پہنچاتا اور ہر واقف و ناواقف سب کو سلام پر سلام کرتا گذر جاتا تھا اور اگر آج مسلمانان عالم بھی چند لمحوں کے لیے اسوۂ عمل اختیار کرلیں تو اب بھی انکی بگڑی ہوئی قسمت سنور سکتی ہے مگر آہ! اب وہ حقیقت کا وہ پیارا احساس باقی نہیں ہے! اور اسے ٹھکرا کر یورپ کی "مدارات" اور "آداب" کا فرق قوموں میں چلا گیا ہے،

لم یزل کے وجود کی صریح شہادت، اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا زندہ ثبوت تھا توحید کی یہ روح عمل لاریب اُس مصورِ حقیقت، اُس سید البشر، اُس ہادیٔ اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) کی حیرت انگیز تعلیم اور مقلب القلوب صحبت کا نتیجہ تھی جسنے غارِ حرا کی انجمن آرا خلوتوں سے نکلکر، ریگ زارِ عرب کے اِن بادیہ پیما بدّوؤں کے سامنے خدائے بیمثال کی ذات اسقدر مشخص کردی تھی!

سرِ خدا کہ عابد و زاہد بکس نگفت
در حیرتم کہ دُرد کشاں از کجا شنید

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ (۴: ۱۳۵)

اے ایمان والو! علی الاعلان خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال اور بیانہ روی پر قائم رہو! خواہ یہ اعتدال تمہیں اپنے یا والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ کرنا ہو!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (۵: ۸)

اے ایمان والو! انصاف کے شاہد بنکر خدا کی جناب میں جم کر کھڑے ہو جاو اور کسی قوم کی عداوت بھی تم کو بے انصافی کے ارتکاب کی باعث نہو۔ نہیں! بہر حال انصاف کرو، یہی تقویٰ ہے، اور خوف خدا سے قریب تر ہے اور اللہ سے ہر دم ڈرتے رہو، وہ جو کچھ تم کر رہے ہو اچھی طرح جانتا ہے۔

✣ یہاں ہر معاملے میں قسط و اعتدال پر قائم رہنے، اور عدل کو بہرحال اور بلا امتیاز احد رہنمائے حیات سامنے رکھو تقاضائے خدا پر محمول کیا گیا ہے گویا وہی شخص خدا کے وجود کا صحیح معنوں میں یقین رکھتا ہے جو وہی اسکا لوگوں اور اُس سے بیگانہ فرماں ہی جو بڑی سے بڑی آزمائش، ذاتی معاملے کے موقع پر بھی ناانصافی نہیں کرتا بلکہ ہر آن اسکو حاضر و ناظر یقین کرکے اُس کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

آہ! صدرِ اسلام کا عالم انگیز زمانہ تو در کنار، نزولِ قرآن کے کامل سات سو برس بعد تک بھی مسلمانوں نے فخرِ رسل کے اِن آسمان سے لائے ہوئے پیغام پر عمل کرنا اسقدر ضروری سمجھا ہوا تھا کہ محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند کی انصاف پسندی کا ذکر کرتے ہوئے مشہور سیاح ابن بطوطہ المتوفی ۷۷۹ھ ایک چشم دید واقعہ (۷۳۴ھ) بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ کسی ہندی کے لڑکے نے دعوے کیا کہ بادشاہ نے بلا سبب اسکو مارا ہے، قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ یا لڑکے کو راضی کرے، ورنہ قصاص دے۔ اس بطوطہ ذکر کرتا ہے کہ شاہ تغلق نے لڑکے کو دربار میں بلایا اور لکڑی اسکے ہاتھ میں دیکر کہا کہ اپنا عوض لیلے پھر اپنے سر کی قسم دلا کر کہا کہ جیسا میں نے تجھکو مارا ہے تو بھی مار۔ لڑکے نے ہاتھ میں لکڑی لیکر اکیس دفعہ بادشاہ کے لگائے حتیٰ کہ ایک دفعہ اسکی کلاہ بھی سر سے گر پڑی!!

ہاں! لیکن جہاں اسوقت ماننے میں حکیم خدا کی تعمیل یہ تھی، جہاں خوفِ خدا اس اوجِ کمال تک پہونچ چکا تھا وہاں بارگاہ خدا سے انعام بھی یہ تھا کہ مسلمان عالم کے دنیا کے طول و عرض کے بادشاہ بن گئے تھے، سلاطین کے رعب و وقار کے آگے لرزہ براندام رہا کرتی تھی۔ آج جبکہ قرآن کو چوم چوم کر بالائے طاق رکھا اسلام کا ماحصل سمجھا ہے تو خدا بھی کان سے پکڑ کر ملکوں سے نکال رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔

حکمتِ عباداتؕ

لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ (۲۲: ۶۷)

ہر امت کے لیے ہم ہی نے ایک طریق بندگی مقرر کیا ہے جس کو وہ شعار بنائے ہوئے ہیں تو چاہیے کہ لوگ خاموں ... کے بارے میں تم سے جھگڑا نہ کریں۔

اِس رُوحانیت، اور علوِّ اخلاق میں وہ آسمانی طاقت، اور زبردست تبلیغی اثر پنہاں تھا جو اسلام کی تقویت اور اشاعت کا بہترین سامان تھا؛ بڑے بڑے دشمنانِ دین اور جبابرۂ کفر مومنوں کے اِن اعمال کو دیکھکر وجودِ خدا کے از خود قائل ہوجاتے، اور دینِ آلٰہی کے بہترین معاون اور مددگار بنتے، اسلام کا زور اثر قرونِ اُولیٰ کے ابتدائی ایام میں، ایک بہت بڑی حد تک اِسی خاموش طریقِ عمل، شہادتِ خدا، اور تقوے پر تھا؛ مومنوں کا صلاحِ عمل، اُنکی ربانیت، اُن کا سچا زہد و تورّع خود بخود دلوں میں گھر کرجاتا اور وہ آپ نمونۂ اخلاق بنکر عوام کے لیے ایک مستقل اور غیر متزلزل ہدایت کا باعث بنتے۔ خود رسول کریمؐ کی پاکیزہ زندگی کا مقصود بالذات خلقِ خدا کے سامنے انسانی حیات کی ایک لائقِ رشک اور قابلِ تقلید مثال قائم کرنا تھا۔ قرآن حکیم کی اصلی غرض و غایت فی الحقیقت بنی نوعِ انسان کی درستیٔ اخلاق اور صلاحِ اعمال ہی تھی؛ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۝ (۱۱: ۸۸)[1] اسلام اور سب باتوں سے قطع نظر امر بالمعروف کا سراپا مجسمہ، اور نہی عن المنکر کا مکمل ضابطہ ہی تھا مگر اور سب مذاہب کی غیر مانند، اُسکی حیثیت خالصۃً داعیانہ تھی، اُسکی نسبت بزرگ تر تھی؛ وہ ختمِ رسالت کی تمامیت اور پیامِ اخیر کی قطعیت کا حکم رکھتا تھا؛ اُس میں پیغامِ خدا کی انانیت، اور انتخابِ ربّ العرش کی رعونت تھی! اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (۳: ۱۸)[2] اُسمیں تقویتِ نفس کا ہیجان اور اجماعِ خلق کا

---

[1] اسپر شعیب علیہ السلام نے اہل مدین سے کہا کہ میں تو حتی الامکان تمہارے اعمال و اخلاق میں صلاح ہی پیدا کرنا چاہتا ہوں، کچھ تم سے اجرت اور رزق نہیں مانگتا (۱۱: ۸۸) قرآن کریم، میرا اس ارادے میں کامیاب ہونا خدا ہی کے اختیار میں ہے اسی پر توکل کرکے میں نے اپنا کام شروع کیا ہے، اور نتائج کے بارے میں میرا رجوع بھی اسی کی طرف ہے۔

[2] خدائے زمین و آسمان کی نگاہوں میں اسلام ہی پسندیدہ دین ہے! یہ ایک سرسری ترجمہ ہے جو ہم نے کردیا ہے اور جو عوام کے ذہنوں میں اسی طرح ہے اگرچہ صحیح مفہوم یہ ہے کہ الاسلام (یعنی خدا کو عملاً احکم الحاکمین تسلیم کرلینا) ہی وہ طریق عمل (دین) ہے جو خدائے زمین و آسمان کی نظر میں پسندیدہ تر ہے" جیسا کہ ہم نے صفحہ ۱۹۱ میں واضح کردیا ہے۔

اضطرار تھا، دعوتِ جہان اُسکا مایۂ خمیر، اور کل کائنات اسکی مشارٌالیہ تھی،

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ٱلَّذِى لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِ ٱلنَّبِىِّ ٱلْأُمِّىِّ ٱلَّذِى يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَكَلِمَٰتِهِۦ وَٱتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۷: ۱۵۸)

اے محمدؐ! تمام عالم کے لوگوں سے کہدو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس خدائے عظیم کا قاصد ہوں جسکی سلطنت تمام آسمانوں اور زمین پر چھائی ہے۔ اُسکے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ وہی زندہ کردیتا ہے، وہی مارتا ہے۔ تو آؤ! اُس پاک ذات کا ایسا مالک تسلیم کرو اور اسکے بھیجے ہوئے اُمّی نبیؐ کو جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور اُسکے احکام بجالاتا ہے، اپنا رہنما تسلیم کرو۔ اور اسی کی پیروی کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ، (گویا ایک آقا کو مان کر سب کے سب متحد ہوجاؤ دیکھو ھدایت کا مفہوم تحت الحق صفحہ ۱۹۲)

وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ٥ (۳۴: ۲۸)

اور اے محمدؐ! ہم نے تو تم کو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف قاصد بناکر بھیجا ہے تاکہ تم ہمارے حکموں پر چلنے والوں کو اجتماعی بہبودی کی خوشخبری اور ہمارے منکروں کو دائمی عذاب کا پیغام پہنچادو۔ لیکن اکثر لوگ ابھی تک اس امر سے مطلع نہیں ہیں کہ تمہارا پیغام تمام عالم کے نام ہے

ہر متنفس قوم، اور مجتمع انسانی کے پیشِ پیش رہنا اسکی حیات کی علامت تھی! اسکے صلائے عام میں سماج کی جاذبی تڑپ، اور قبلہ نما کا مقناطیسی اضطراب تھا! حصول قوت اسکا نشانِ سیما، اور غلبۂ عام اس کا طرۂ امتیاز تھا! وہ عامۃ الناس کو اپنی حقیقت اور سادگی تعلیم سے، اپنے روزافزوں اثر اور جماعتی اقتدار سے، اپنی انقلاب انگیز تجویز اور بے مثال ہدایت سے، مومن کے زورِ اخلاق اور روحِ عمل سے خدائے احد کی عملی عبادت اور غلامی کیطرف کھینچ کر **جامعیت** اور **وحدت** پیدا کرنا چاہتا تھا، اِسی حیثیت کی بنا پر اسکے اوامر و نواہی کا ہر شعبۂ عمل جلب اقتدار، توسیع اثر، اخوت اور مساوات کا بطور خود متواتر **جہاد** تھا۔ اخلاق کی درستی میں بلاشبہ ایک سطحی نقطۂ نظر سے متنفس کی ذاتی ہدایت یا انفرادی نجات ہی پیش نظر تھی، صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے انفرادی افعال بظاہر ایک مسلمان کے اپنے خدا سے تعلق قائم کرنیکے انفرادی ذرائع ہی تھے، صوم کا فریضہ بادی النظر میں، کسی ایمان دار کا شخصی ایثار یا اُسکے نفس امارہ کا شخصی اجتہاد ہی تھا، طواف بیت الحرام بھی بظاہر مسلمانوں کے درمیان خدا سے اظہار ارادت کا ایک مُرتسم شیوہ ہی تھا، قرآن حکیم کے اور اوامر و نواہی بھی سطحی نظر میں تدین اور نکوکاری کی یہی انفرادی شان لیئے ہوئے تھے،

٭ دیکھو تحت الحق صفحہ ۸۱

مگر سر نوشت اُمت کے اسرار مرسشتۂ پیں اجمل نے، ان تمام احکام کی تہ میں، غلبۂ اسلام کی وہ نستعلیق حکمت عملی و نظم و ضبط مرکوز تھی جو ۲۰۰ برس تک مسلمانوں کو دوسری قوموں کے بالمقابل ما بہ الامتیاز مقام دیتی رہی! ان احکام کی اجتماعیت، ان کی مرکزیت، انکی پابندی وقت اور یک رنگی میں فطرت کی صلائے اتحاد کی تکرار، اور ان کی نوعی وحدت کا اظہار ضبط نفس کی تعلیم، مساوات کا حوصلہ افزا اثر، اور عصبیت کی روح تھی، انکے استمرار و تعلّل میں، ان کے تعود اور تسلسل میں حکومت خدا کا متواتر سماں اور اتقائے قلوب کا پیہم ضبط باندھ دیا تھا! وہ تقویت اسلام کے بہترین اوزار، اور تکثیر جماعت کے زبردست محرک تھے، وہ تہذیب نفس اور اصلاح اعمال کے بہترین کفیل تھے، اس

الصّلوٰۃ

کے پنجوقتہ قیام میں باہمی محبت کی لہریں تھیں! اسمیں خدائی کا مشترک اقرار، اور اللہ کی غلامی کا مشترک اعلان تھا! اسمیں ہر دل کی دوسرے دل سے سچی رسم و راہ تھی! اسمیں خوف خدا کی مشترک لرزشیں، اور نیاز مندی کی مشترک خلشیں تھیں! وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (۷ : ۵۶) اسمیں ہم آہنگ دلوں کی طبعی ہمرنگی، اور ہم غرض انسانوں کی فطری یکجہتی تھی! اسمیں یک معمول کا باہمی اُنس و اجلاس، اور ہم انعاموں کا برادرانہ ربط و اختلاط تھا! اسمیں ایک امیر کی عملی اطاعت، ایک عرض اور ایک غرض، ایک کی پیشوائی اور سب کی اقتدا، ایک کے عرض حال اور سب کے سکوت کا سچا سماں باندھ دیا گیا تھا! یہ ایک منظم اور منضبط، ایک مرعوب خدا اور منکسر اسوا۔ ایک لرزہ براندام اور سربکف فوج کی پنجوقتہ اپنے قائد اعظم تعالیٰ کے حضور میں پیشی تھی! اسمیں عصیان کار اور خود پسند، تفرقہ ایجاد اور مختلف نواز

ﷺ عذاب خدا سے ڈر کر اور انعام کی امید میں، دونوں موقعوں پر اسکو پکارا کرو، بے شک فضل خدا ان لوگوں کے شامل حال ہے جو خلوص دل سے اُسکو پکارتے ہیں اور اُسکے احکام کی متابعت میں حسن عمل کرتے ہیں۔

* اِحسان کا صحیح قرآنی مفہوم صفحہ ۱۳ پر واضح کر دیا ہے جس سے ظاہر ہو گیا ہے کہ یہ جو طمع بھی اجتماعی حکمت کا جو ضابطہ اجتماعی راحت کی طمع سی ہی سمجھا خوف و طمع مراد ہیں اُدْعُوْهُ اور مُحْسِنِيْن کا جمع کا صیغہ بھی اسی پر دال ہے

انسان کو دن میں پانچوقت ایک کی قیادت اور سب کی پیروی، ایک کے اقدام اور سب کے اتباع ایک کی خدائی اور سب کی عبودیت کا عملی سبق دیا گیا تھا! یہ جماعت کے خارجی نظم و نسق، باطنی ضبط اور ظاہری مساوات، وحدت خدا اور وحدت امام کی سچی متحرک تصویر تھی! اسکے رکوع و سجود میں اونی اور اعلیٰ، شاہ و گدا کی تمیز عمداً اٹھا دی گئی تھی! اسکے وضو میں احکم الحاکمین کی پیشی کا اہتمام، جسم کی پاکیزگی اور لباس کی تطہیر ظاہر کی صفائی اور خوف و پریشان حالی کا سماں چھایا ہوا تھا! وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ[۵۱] (۷۴-۳-۵) کے اسکی تسویہ صفوف نے پیشگاہ خداوندی کا ضبط ادب، مساوات کا باطنی احساس اور قرب و ہم یگی کی عصبیت پیدا کر دی تھی، مساجد میں جماعت کے بے تکلف قیام نے مسکینان فقر و افلاس کو صدر نشینان جاہ و حشم کے ساتھ، ایک قطار میں کھڑا کر کے ایک کر دیا تھا! وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ[۵۲] (۷-۲۹) بارگاہ رب العالمین میں اس پنجوقتہ محاسبے اور غیر منقطع حاضری نے اُن کے نفس عصیان و نفاق سے پاک کر دیئے تھے! إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ[†] وَلَذِكْرُ اللَّهِ

[۵۱] اور اے پیغمبر! اپنے آقائے نامدار کا بول بالا کیا کرو، اور جب اُسکے حضور میں جانے کا ارادہ کیا کرو تو صاف ستھرے اور پاکیزہ کپڑے پہنکر جایا کرو، اور کپڑوں کی پاکیزگی کے علاوہ بدن کو تمام نجاست اور آلایش سے پاک صاف رکھو۔

[۵۲] اور درگاہ احکم الحاکمین میں ہر نماز کے وقت ہمہ تن توجہ بن جایا کرو اور اسی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اسی کیلئے مخصوص کر کے اُسکو پکارا کرو۔

[†] جن لوگوں نے "الصلوٰۃ" کی ماہیت کا بامعان نظر مطالعہ کیا ہے انکو معلوم ہو چکا ہے کہ اس سامانہ حاضری کی تہ میں خدائے عزوجل کی حکمت عملی یہی تھی کہ اُمت کے افراد کو دن میں پانچ وقت خارجی اور باطنی ضبط کا وہ مکرر سبق دیا جائے جو اسکو کبھی بھولنے نہ پائے۔ اگر ایک فوج کے سپاہیوں کو ہر روز علی الصباح میدان میں نکالکر قواعد سکھائی جاتی ہے، اگر ایک معلم قواعد کی آواز پر حرکت کرنے کی تعلیم دیجاتی ہے، اگر سب کو ایک حکم پر چونک اُٹھنے کا سبق پڑھایا جاتا ہے، اور وہ سب کے سب یکوقت اور بالالتزام ایک ہی امام کی حرکت کرتے ہیں تو اسکا مقصود یہی ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں اُنکی اس اطاعت سے فائدہ اٹھایا جائے، اور وہ اپنے سپہ سالار کے حکموں پر فی الفور عمل کرنے کا سبق سیکھیں کیونکہ لڑائی میں سپہ سالار کے احکام اُن روزانہ قواعد کے احکام سے مختلف ہی کیوں نہ ہوں یہی مقصود نماز سے تھا اور امام مسجد کی پنجوقتہ اطاعت سے امیر جماعت کی اطاعت حسب موقع مراد تھی۔ یہی حکمت تسویہ صفوف میں تھی، یہی رفتار وقت کی پابندی اور مقتدیوں کے جاملتی رہنے میں تھا اور اسی نکتے کو پیش نظر رکھکر اگر ایک شخص امام کے پیچھے کئی گز یا ایک میل دور بھی کھڑا ہو (مثلاً عیدین کے موقع پر) اور اُس کی قرأت کا ایک لفظ بھی نہ سن سکے لیکن رکوع و سجود اسکے تتبع میں ادا کرتا جائے تو اسکی نماز کا ہو جانا علمائے سلف نے مسلم قرار دیا تھا کیونکہ نماز کا مقصود بالذات اتحاد عمل اور اطاعت تھا، خدا کو اس پنجوقتہ چاپلوسی کی کچھ حاجت نہیں۔ یہی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات اپنے مقتدیوں کی گھٹی میں اسقدر ڈالدی تھی اور نماز کو اطاعت کے نصب العین کیساتھ اسطرح مدغم کر دیا تھا کہ عین حالت نماز میں تحویل قبلہ کیوقت بھی اُنکو چند ثانیے محسوس ہوئے (دیکھو صفحہ ۱۶۹) اسی تعلیم کی بنا پر جنگ موتہ میں لوگوں نے نماز کیوقت بھی اسی ضبط کا قائم رکھنا اسقدر ضروری سمجھا تھا کہ ایک گروہ سجدہ کے اندر دو رکعت پڑھنے سے ترتیب کا ماحول پیدا کر دیا نماز کی حکمت کے منافی تھا لوگ اپنے اپنے گھر نماز پڑھکر آئے اور رسول خدا صرف فرض پڑھاتے۔ آج جبکہ الصلوٰۃ کا آئینہ میں دھندلا چکا ہے لوگ ابھی مسجد کے اندر سنتیں پڑھتے ہیں اور سجدہ کی حالت میں سر کو خم کر دینے میں مبتلا ہیں، ماننا ہوں کہ ان اوقات میں سنتیں پڑھکر سنگ مسجد کو بت پرستان کا رنگ دے رہے ہیں یا نہیں سمجھتے کہ یا نیز خلیفۃ اللہ کا گستاخانہ عمل صفحہ ۵ کے تحت اللفظ میں بات کو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ مکروہ تفرقہ اندازی ہے! آپ نے بجا طور پر بتایا کہ اس آیت کی الفحشاء کا مفہوم یہی ہے اور المنکر کا صحیح مفہوم یہی ہے، قرآن حکیم

اکبر ۚ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (۲۹: ۴۵) کہ مقامِ خدا کا پیہم اور زندہ احساس اُن کے اعمال کو یکسر سُدھار دیتا تھا، دلوں میں حمیّتِ دین کے جوش زن تنوّر، اور ذہنوں میں غلبۂ اسلام کے موّاج دریا تھے۔ پھر تدلّی و

؎ بیشک بشرطیکہ اسے خدا کا سچا احساس ہو، اور اسکو الصلوٰۃ کہہ سکیں، وہ مطہر نفس تیار کرتی ہے جو تمام اخلاقی بدعملیوں (الفحشاء) اور اجتماعی تفرقہ اور نفاق (المنکر) سے روکتی ہے اور خدا کا پیہم احساس تو نماز سے زیادہ موثر ہے اور خدا جو کچھ بھی تم کرتے ہو جانتا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۶) میں الفحشاء کا ذکر چند مواقع پر آیا ہے لیکن یہ مواقع معانی کی تعیین کے لیے کافی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲: ۱۶۸-۱۶۹)

اے لوگو! زمین میں جو چیزیں پاکیزہ صورت اور جوہر پاکیزہ، خوش صحت اور مرغوب صورت (حلالًا طیبًا) ہوں انکو کھاؤ مگر ابلیس کا کہا مان کر شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور بہت ایسی چیزوں کے کھانے کی ترغیب دیگا جس سے تمہاری شہوات نفسانی کا ہیجان بڑھے۔ شیطان تمہیں لامحالہ نفس پروری اور بے حیائی (السوء والفحشاء) کے کام کرنے کو کہیگا، اور صرف اسی بات پر آمادہ کرے گا کہ نفس پروری کے جوش میں جو بات منہ پر آئے وہ احکام خدا کی طرف منسوب کردو جن کا تمہیں علم نہیں ہے (آیہ (۲: ۱۶۹) کا مقابلہ آیہ (۲: ۱۸۰) سے کرو جو اسی سورہ کے آخر میں ہے)

حلال حرام کی حکمت سے یہاں پر بحث نہیں، یہ موضوع پانچویں مجلد میں آئے گا۔ یہاں پر شیطان کی حیثیت سے سروکار ہے یعنی الفحشاء سے مراد یہاں پر صاف بیحیائی، نفس پروری، اور شہوات نفسانی کو فروغ دینے والی باتیں ہیں کیونکہ آگے چلکر آیہ (۲: ۱۷۳) میں لحم خنزیر کو حرام کردیا ہے۔ جو بڑا مہیج شہوت تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی سورۃ میں ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (۲: ۲۶۷-۲۶۸)

اے ایمان والو! اپنی امت کی بہبود اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنی کمائی میں سے بہترین اشیاء (طیبٰت) صرف کیا کرو، اور جو اشیا ہم نے تمہارے لیئے زمین سے پیدا کی ہیں اُن میں سے بھی بہترین چیزیں دو، اور ناکارہ خرچ کر دینے کا ارادہ بھی نہ کیا کرو کہ گویا اسی سے خیرات کا حق ادا ہو جائے حالانکہ یہی شے اگر کوئی تم کو دیا چاہے تو تم اُسکو بطیب خاطر قبول نہ کرو، ماسوا اسکے کہ دیدہ و دانستہ اپنی بات رکھنے کے لیے اُس شے کے لینے سے چشم پوشی کرو۔ جانے رہو کہ خدا ان چیزوں کو لینے سے بے نیاز ہے، جو کچھ ہے تمہاری اپنی خاطر ہے اور وہ بڑا بے نیاز اور بڑا سزاوار حمد ہے۔ شیطان تمہیں ایثار مال اور بہترین اشیا کے دینے کے سبب افلاس سے ڈراتا ہے، اور بخل امساک کی راہ سے بے حیائی (الفحشاء) کا حکم دیتا ہے اور خدا تمہیں اس ایثار کے بعد اجتماعی بدحالیوں پر پردہ پوشی (مغفرۃ) اور سامانِ انعام و اکرام (فضلًا) کا وعدہ فرماتا ہے اور جانے رہو کہ خدا عظیم ترین گنجائش والا اور ہر قوم کی بات سے بخوبی واقف ہے۔

یہاں اُس قلبی بےحسی اور باطنی بےحیائی کو جو قوم کی بہتری کی خاطر ایثار مال نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے الفحشاء سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ اعراف میں شیطان کے آدمؑ کو بہکانے کے قصے کی تفصیل کے بعد ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۷: ۲۷-۲۸)

اے اولاد آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو پھر اسی آزمائش میں ڈالے جس طرح کہ اُسنے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا باہر کیا اُنکے لباسوں کو بدن سے

انکسار کے اس ملکوتی ارتعاش میں سب شخصی معاملات اور ذاتی تمناؤں کو بالائے طاق رکھ کر جو تنہا اور اہم سوال تمام جماعت کی طرف سے متفقہ طور پر، باآواز بلند پیش کیا جاتا تھا یہ تھا کہ اے بار الٰہا!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۷) کھلتا رہتا تھا کہ ان کے عیوب اور ستر گاہیں ان پر ظاہر ہو جائیں، وہ اور اس کے چیلے چانٹوں کے بہانے گھات میں [illegible] اور تم کو وہاں سے دیکھ پاتے ہیں جہاں سے تم انکو نہیں دیکھتے۔ پس تم اس سے حتی الوسع بچتے رہو اور اس کے دام تزویر میں پھنس کر اسے اپنے کو شکار ہونے [illegible] کو عیاں کرنے کا موقع نہ دو۔ لوگو! ہم نے اس قسم کی باتیں ان لوگوں کو جو ایمان کے قوت اور اعمال و خصائص سے بے بہرہ ہیں (الذین لا یؤمنون) انہی شیطانوں کا محب یعنی (اولیاء) بنا رکھا ہے اور یہ بے ایمان لوگ وہ ہیں کہ جب کوئی شرم و اخلاق کش [illegible] (فاحشۃ) حرکت کرتے ہیں تو اپنی صفائی کے لئے بہانہ ایجاد کر لیتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو شروع سے یہی کرتے دیکھا ہے اور درحقیقت خدا نے ہم کو اس کام کا حکم دے رکھا ہے۔ اے محمد ان نادانوں سے کہہ دو کہ خدا ہرگز کسی بیہودہ کام (الفحشاء) کا حکم نہیں دیتا جس کا انجام ہلاکت ہو، [illegible] اس کے حق سے اخراج ہو، کیا تم جھوٹ موٹ خدا پر وہ باتیں تھوپتے رہتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں

یہ قصہ نہایت نتیجہ خیز ہے اور اس کا انطباق جو انسان کی نئی نسلوں پر کیا گیا ہے اور بھی عبرت انگیز ہے مگر اس قصے سے یہاں بحث نہیں کہ آدم و شیطان کی تحقیق کیا ہے البتہ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر الفحشاء سے مراد قوم کے وہ بنیادی عیوب اور اجتماعی بداعمالیاں ہیں جو لوگ نہایت وثوق سے یہ خیال کرتے ہیں کہ باپ دادا سے چلی آئی ہیں، اور اس لئے قطعاً خدا کا حکم ہیں۔ ان بداعمالیوں میں مثال کے طور پر فرقہ بندیاں، گور پرستی، رسوم قبیحہ، اعتقادات واہیہ وغیرہ شامل ہیں جن کا نتیجہ بحیثیت مجموعی یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کے اجتماعی (سوآت) عیوب روز بروز عیاں ہوتے جاتے ہیں، اور بالآخر وہ ساری کی ساری قوم شیطان کو دوست رکھنے کے جرم میں قوت اور امن کے دارالسلام سے ہمیشہ کے لئے نکال دی جاتی ہے۔ فحشاء کے ان معانی کی تائید ان آیات سے اگلی آیت سے بھی ہوتی ہے جو متن کتاب میں صفحہ ۲۰۱، ۲۰۶ پر آچکی ہے۔ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ (۷: ۲۹)

یعنی اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ ان بداعتدالیوں کا حکم ہرگز کہیں نہیں دیا گیا بلکہ میرے پروردگار نے تو مجھے ہر نوع قسط و اعتدال پر رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر سجدے کے وقت ہمہ تن متوجہ ہو جایا کرو، اور تمام ارادت مندی اور اخلاص اس احکم الحاکمین کے لئے وقف کرکے اس کے حضور میں کھڑا ہو، جانے رہو کہ تم اسی طرح بے یار و مددگار اس کے حضور میں واپس آؤ گے جس طرح کہ تم روز آفرینش کو تھے۔"

اس آیت میں صاف کسی ماسوا کو وسیلہ بنانے اور خالصۃً خدا کی غلامی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہر معاملے میں حد سے تجاوز نہ کرنے (قسط) کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی ہے۔ ان تینوں آیتوں میں ظاہر ہے کہ اول سے آخر تک ربط تبھی مکمل ہو سکتا ہے جب الفحشاء کو ان معنوں میں لیا جائے جو ہم نے کئے ورنہ الفحشاء کے بالمقابل القسط اور ادعوہ مخلصین لہ الدین کے الفاظ ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ الفحشاء کا ذکر قرآن حکیم میں اور جگہ بھی ہے مثلاً یوسف اور زلیخا کے مشہور قصے میں جب اول الذکر بدفعلی سے صاف بچ نکلے تو فرمایا وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ (۱۲: ۲۴) "اور وہ عورت تو یوسف کے ساتھ ارادۂ بد کر ہی چکی تھی اور علیٰ ہذا القیاس اگر یوسف کو اپنے خدائے احکم الحاکمین اور حاضر و ناظر ہونے کی دلیل اس وقت آنکھوں کے سامنے نہ پھر جاتی تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ ارادۂ بد کر بیٹھے، اور یہ اسباب ہم نے اس لئے پیدا کر دیئے کہ یوسف کو بدکاری اور بے حیائی سے باز رکھیں، اس میں شک نہیں کہ وہ ہمارے خالص اطاعت گذاروں میں سے تھا۔" یہاں الفحشاء سے مراد صاف زناکاری اور بے حیائی ہے سورہ نحل میں خدا کے متعلق ینہیٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ (۱۶: ۹۰) ہے مگر وہاں الفحشاء کا مفہوم کچھ نہیں دیا سورۂ نور میں قصہ افک کے متعلق حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی برئیت کے بعد ایمان والوں سے خطاب ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ

تو اسلام کی جماعت کو سیدھے سے سیدھے، چھوٹے سے چھوٹے، اور قریب سے قریب راستے سے دُنیاوی نعمت اور اقتدار تمکن فی الارض اور تخلف کے اُس معراج پر پہونچا جسکو حاصل کرنیکے لیئے تونے اپنا پاک رسول الھدیٰ و

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۸) فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (۲۴ ۲۱) یعنی اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اور اسطرح کی بیحیائی کی باتیں آپسمیں پھیلنے دیا کرو اور تم میں سے جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلیگا تو جان لے کہ شیطان نفس اُسکو ایسی ہی بیحیائی کی باتیں (الفحشاء) کرنے کا حکم دیگا اور آپس میں فساد برپا کرنے اور نفاق پھیلانے (المنکر) کی ترغیب دیگا۔ اور مسلمانو! اگر تمپر اللہ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہوتا تو تم میں سے ایک فرد بشر کا دل بھی آلائش عصیاں سے پاک نہ ہوتا لیکن وہ خدائے عظیم جسکو مناسب سمجھتا ہی (مشاء) تزکیۂ نفس کی توفیق دیتا ہے، اور وہ بڑا منتوں کو سمجھنے والا (سمیع) اور دونوں کی بخت و بُرکو جاننے والا (علیم) ہی۔ یہاں الفحشاء اور المنکر دونوں کو اکٹھا کر دیا ہی اور دونوں کے مطالب کی تصریح کر دی ہی گویا الفحشاء شیطان کی طرف سے نفس امارہ کو وہ باطنی ترغیب و تحریص ہے جس سے کوئی شخص اپنی قوم کے کسی فرد کے متعلق کوئی بیحیائی یا بدنامی کی بات پھیلانے پر آمادہ ہوتا ہی، اور المنکر وہ باہمی نفاق اور باطنی کدورتیں، وہ فساد آرا اور انتشار عمل ہے جو ایسی باتوں کے ناحق پھیلانے سے پیدا ہوتا ہے، اور جو آج ہر مسلمان کی گھُٹی میں پڑا ہی۔

اس تمام بحث و تحقیق سے نتیجہ یہ نکلتا ہی کہ الفحشاء سے مراد وہ انسانی عیوب ہیں جو شیطان نفس امارہ کی وساطت سے کرتا ہے۔ ان میں بالتخصیص (۱) شہوات نفسانی کے ہیجان کی بنا پر اسراف کرنا (۲) محبت مال میں غلو کرنا اور خدا کیلئے بہترین شے نہ دینا، (۳) آباؤ اجداد کی بیہودہ اور ہلاکت انگیز رسموں کی اندھا دھند تقلید کرنا، (۴) زناکاری کیطرف مائل ہونا، (۵) افراد ملت کو بدنام کرنیکی غرض سے بیحیائی کی باتیں لوگوں میں پھیلانا، شامل ہیں۔ ان باتوں کا کرنا شیطان کا صحیح معنوں میں اتباع اور اسکی سچی عبادت ہی۔ زیر بحث آیت یعنی (۲۹ ۴۵) میں کہا گیا ہی کہ الصلوٰۃ وہ شے ہی جو الفحشاء اور المنکر سے قطعاً روک دیتی ہے۔ اگر ایک شخص صحیح معنوں میں الصلوٰۃ کو خدا کے حضور میں حاضری سمجھ رہا ہی، اگر وہ دن بھر کے اعمال کے بعد الصلوٰۃ کو حاکم اعلیٰ کی پیشی میں ان اعمال کا محاسبہ سمجھتا ہے تو وہ لامحالہ فحشاء سے بچیگا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر الصلوٰۃ وہی متفقہ درخواست ہی جو تمام اسلامی جماعت کیطرف سے خدا کے حضور میں کی جاتی ہی تو اسکے بعد مسلمانوں کے آپس میں نفاق (المنکر) واقع ہونے کی گنجایش قطعاً نہیں رہتی، انہی معنوں میں الصلوٰۃ الصلوٰۃ ہی اور اسی لیئے اُس کی تخصیصی اسپر دال ہے۔ الصلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق مفصل بحث چوتھی جلد میں آئیگی۔ ان اوراق میں اسکی حکمت عملی سے بحث ہی لیکن الفحشاء کی تخصیص اور تحدید جو قرآن عظیم نے متذکرہ صدر آیات میں کی ہی زیادہ تر اس غرض سے ہی کہ یہ پانچوں شقیں ہر قوم کی اجتماعی زندگی کیلئے از بس مہلک ہیں۔ اگر مسلمانان عالم نماز کو فی الحقیقت محرم کی نیت سے پیشی سمجھکر فواحش کی ان پانچوں قسموں سے محترز رہیں تو آج انکی بگڑی پھر بن سکتی ہی۔ مغربی اقوام میں دوسری، تیسری اور پانچویں شقیں اسقدر کالعدم ہیں کہ الفحشاء کا ایک عظیم حصہ انکی ہیئت اجتماعی سے بالکل نکل چکا ہی، ایثار مال انمیں حد درجہ ہی، آباؤ اجداد کی اندھی رسموں کی تقلید تیں صدیوں سے بالکل جاتی رہی، علیٰ ہذا القیاس اپنی قوم کے افراد کی بدنامی کے درپے نہ ہونا انکا قومی شعار ہی۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ پہلی اور چوتھی شق یعنی نفسانی شہوات اور زناکاری کی طرف بہت زیادہ مائل ہیں اور ممکن ہے کہ زمانۂ قریب میں ہی انکی اجتماعی ہلاکت کا باعث بن جائے۔ لیکن اس موضوع پر بحث غالباً تیسری جلد میں آے گی۔

الصلوٰۃ کی اس جامع و مانع تعریف کے بعد قرآن حکیم نے زیر بحث آیت یعنی (۲۹ ۴۵) میں وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ کہکر نماز کی حکمت عملی اور تسبیح ملنے کے بطرکو اور بھی صحیح کر دیا ہی۔ عبارۃ آخری یہ کہا ہی کہ الصلوٰۃ اگرچہ دن بھر میں پانچ وقت خدا کے حضور میں حاضری اور اپنے اعمال کی جوابدہی ہی لیکن خدا کو ہمیشہ یاد رکھنا (ذکر اللہ) اُس کا کہیں بڑھکر ہے یعنی ہر وقت لگاتار کہنا (ذکر اللہ)، چوبیس گھنٹے اُس حاکم اعلیٰ کا خوف دل میں رکھنا (ذکر اللہ)، عبث اور حاضری، نماز اور غیر نماز ہر دو صورتوں میں اسکو حاضر و ناظر اور نگران اعمال یقین کرنا وہ مصلح اعمال شے ہی جو الصلوٰۃ سے کہیں بڑھکر (اکبر) ہی۔ انسان کو اگر یہ حال نصیب ہو جائے تو الصلوٰۃ سے بدرجہا بہتر ہے۔ ذکر کے معنی وہ نہیں جو لوگوں نے بہت ناسمجھی سے وضع کر لیئے ہیں اور وہ یہ کہ سب کاروبار چھوڑکر تسبیح ہاتھ میں لے لیں اور خدا کا نام تمام دن رٹ رٹ کر پکارتے رہیں۔ یہ تشریح نہایت لچر اور مضحکہ انگیز ہے اور وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ تمام دنیاوی کاروبار کے ضمن میں خدا کا کھٹکا لگاتار رکھنا اور اعمال کو قانون خداوندی کے مطابق کرنا ہی ذکر خدا ہے۔

دِیْنِ الْحَقِّ † ساتھ دے کر بھیجا تھا!

اِھْدِنَا †

† الْهُدٰی اور دِیْنِ الْحَقِّ کا اشارہ آیہ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (۶۱ ۹) کی طرف ہے جو صفحہ ۱۸۲ پر ستہائے اسلام کی تعیین کے ضمن میں پیش کی گئی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس الْهُدٰی کے بھیجے جانے کا ذکر اس آیت میں ہے، اسکی ایک اہم شق کی توضیح صفحہ ۱۹۲ پر ہو چکی ہے جہاں پر ثابت کر دیا ہے کہ الْهُدٰی کا الٰہی مفہوم وہ استعداد مصالحہ اتحاد ہے جو پیغمبر آخر الزمان نے عرب قوم کے اندر اک انتہائی قلیل مدت میں پیدا کر دی تھی اور جو صحیح معنوں میں لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ کا باعث ہوئی۔ دِیْنِ الْحَقِّ کے معنی سچائی کی راہ عمل کے ہیں گویا سورۂ فاتحہ میں جب الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر چلنے کی درخواست پنجوقتہ ہوتی ہے تو وہ یہی دِیْنِ الْحَقِّ ہے جو رسول خدا کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اگلے اوراق میں اسی صراط مستقیم کی تبیین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ کیا ہے اور کیونکر لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ یا اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کا مصداق بناتا ہے۔

† ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے سورۂ فاتحہ کا صحیح مفہوم پالینا، اور بعد ازاں اسکو پیش نظر رکھکر زندگی کا منتہائے عمل بنانا اسقدر اہم ہے کہ اسکے بغیر نہ کوئی نماز صحیح معنوں میں نماز ہے اور نہ اس غرض و غایت کے لئے کوئی مستقل عمل پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر آج قرآن کے تدریجی نسیان اور فقدان علم کے بعد اوسط مسلمان کو یہ بھی پتہ نہیں رہا کہ وہ خدا کے حضور میں پنجوقتہ ہاتھ باندھ کر کیا مانگ رہا ہے، وہ بہرے سے کچھ مانگتا بھی ہے یا نہیں، یہ رکوع و سجود کیوں ہیں، یہ اٹھنا بیٹھنا کس مطلب کے لئے ہے، یہ ظاہری ادب اور مسلسل قیام اور قعدے کس صحیح اسپرٹ کے مظاہر ہیں، اگر یہ سبق جو پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیئیس برس کے مسلسل عمل کے بعد پڑھایا تھا قطعاً بھولا جا چکا ہے تو ایسی نماز سوائے اس کے کہ وہ کچھ بن جائے جو آجکل ہے اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان آیات میں بعض امور نہایت غور طلب ہیں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ، کیا شے ہے؟ اگر اس کی تعریف صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ہے تو اس میں نعمت، کا کیا مفہوم ہے؟ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے کون مراد ہیں؟ الضَّآلِّیْنَ کے مصداق کون لوگ ہیں؟ یہ سب سوالات ایسے ہیں کہ ان کے اطمینان بخش حل کے بغیر الصّلوٰۃ کی ماہیت کو سمجھنا از بس محال ہے۔

شارحین کلام الٰہی نے بالعموم ان عظیم الشان آیات کے مطالب کو اپنے مشہور و مقبول عامیانہ اور حکیمانہ لہجے میں بیان فرما کر چند جملوں میں ختم کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ، دین اسلام کا سیدھا راستہ ہے۔ گویا تعریف المجہول بالمجہول ہے۔ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے مراد اگلے زمانے میں روحانی نعمتیں ہیں جن کے اہل زمانہ اول کے مسلمان قرار پا چکے ہیں۔ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ، یہودی ہیں جن پر قہر خدا صدیاں گذریں نازل ہوا تھا اور اب تک ان کی اولاد پر نازل ہو رہا ہے۔ الضَّآلِّیْنَ، نصرانی لوگ ہیں جن پر غضب خدا آنے والا ہے اور ان کی گمراہی مسلّم ہے۔ گویا اس عالم عطر سے مسلمان دن میں پانچوقت وہ شئے مانگ رہا ہے جو اسکو الحال حاصل ہے اور ابدالآباد تک حاصل رہے گی بشرطیکہ نسلاً مسلمان رہا ہے! آج یہ نا روا تخیل ہر مسلمان کی اقلیم خیال میں اسقدر مستحکم اور متمکن ہو گیا ہے کہ کوئی دلیل اسکو اقوام عالم کی اس مفروضہ صدر نشینی سے ہٹانے کے لئے کارگر نہیں ہوتی، بلکہ لطف یہ ہے کہ جب اسکو اسلامی امت کی خستہ حالی اور نصرانی کی دنیاوی خوشحالی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ غیظ و غضب میں آکر اور بھی اپنے آپ کو خدا کا منظور نظر اور اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ، کا صحیح مصداق شمار کرتا ہے اور اس کرسی نشینی سے دست بردار ہونا اپنے لئے گناہ سمجھکر روحانیت کی نادیدہ اور ناقابل درک کستوری میں سر چھپا لیتا ہے۔ اسکی نظروں میں نصرانی بہر نوع مستوجب عذاب ہیں، ان سے خدا سخت ناراض ہے۔ یہ انعام جو آج انکو مل رہے ہیں بلا استحقاق مل رہے ہیں۔ نہیں بلکہ اسکے نزدیک آج دنیاوی نعمت کچھ شئے نہیں رہی، اگرچہ تیرہ سو برس پہلے وہ اسی دنیاوی نعمت کا راگ الاپتے ہوئے بادشاہت زمین کو اپنے منظور خدا ہونے کا ثبوت بتا رہا ہے، اور طرفہ تر یہ کہ اسکو یہود کے مغضوب علیہم ہونے کا اعتراف بھی اکثر اسی بنا پر ہے کہ انکی قوم پر اجتماعی شکست اور ذلت چھا رہی ہے، انکی کوئی زمینی بادشاہت نہیں ہے، وہ دنیا کے ملکوں میں دربدر مارے مارے پھر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ، مگر جب اسی حالت کا اطلاق آج بعینہ اپنے آپ پر ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو اسکا ذہن سلیم اسکو ملمع جواب دے دیتا ہے، اور وہ باصرار اسی خیال پر قائم ہو جاتا ہے کہ مسلمان باوجود اس زبوں حالت کے صراط مستقیم پر ہیں، الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ہیں، مغضوب علیہم ہرگز نہیں، الضَّآلِّیْنَ بننے کا امکان ان کے حق میں قطعاً نہیں۔ غرض وغیرہ اس ذوق کہن تخیل کی ظاہر

الصراط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱) کہ کوئی لفظ سورہ فاتحہ کے اندر موجود نہیں، اور نہ اس فیصلے سے خواہ وہ تمام مسلمانانِ عالم کا متفقہ فیصلہ ہی کیوں نہ ہو
قادر خدا یا قول رب العالمین کے مفہوم میں کوئی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو بات کسی تبدیلی کی محتاج نہیں یہ ہے کہ رب زمین و آسمان نے
ان آیات شریفہ میں ہر مسلمان کو دن میں پانچ وقت بلکہ ہر نماز میں کئی دفعہ صراط مستقیم پر رہنے کی دعا سکھلائی ہے، گویا یہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہی وہ شے
ہے جس سے ہر انسان کے بھٹک جانے کا ہر لحظہ خطرہ ہے، ہر مسلمان کے اس راہ سے بے راہ ہو جانے کا ہر آن امکان ہے، اور جب تک اس کی
تمام توجہ صرف نہ ہو، اس کا استوار ہو کر چلتے رہنا محال ہے۔ یہ سیدھی سادی دلیل ہر ہوشمند شخص کو اس نتیجے پر پہنچا دیتی ہے کہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
پر قائم رہنے کے لیے بیحد جد و جہد کی ضرورت ہے اور جب تک وہ سعی و عمل جاری ہے ایک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔ اگلے وقتوں کے ہوشمند
دقیقہ رس اور اسلام شناس علماء نے اس حقیقت کو ان نہایت خوبصورت، بلیغ، اور تشبیہ خیز الفاظ میں ادا کیا تھا کہ اسلام کا صراط مستقیم
ایک نہایت دشوار گذار **بال سے سوا باریک، اور تلوار سے سوا تیز رستہ ہے** جس سے ہر شخص کو گذرنا ہے، جو شخص "**مسلمان**" ہے وہ
اس رستے پر سے آسانی سے گذر جائے گا (کیونکہ مسلمانی کی شرط چونکہ ہر لحظہ سعی و عمل کرتے رہنا اور باحتیاط تمام اس راہ کو عبور کرنے کی سعی کرنا
ہے) جو مسلمان نہیں کٹ کر جہنم میں جا گرے گا وغیرہ وغیرہ"۔ بعد کے جاہل کٹ ملاؤں نے ان الفاظ کی حقیقت کو توڑ مروڑ کر صراط مستقیم کو
عالم آخرت کے دوزخ کا کوئی پل بنا دیا، اور سعی و عمل سے گریز کرنے کا بہانہ ڈھونڈنے کے لیے اس تشبیہی بیان کو احوال قیامت کا ایک واقعہ بنا کر
اعلان کر دیا کہ اس "پلصراط" پر سے ہر شخص گذرے گا، مسلمان اپنی قربانیوں کے دُنبوں پر سوار ہو کر سرپٹ جنت میں جا داخل ہوں گے۔ یہودی اور
نصرانی وغیرہ کٹ کٹ کر دوزخ میں دھڑام سے گر پڑیں گے! آج یہ سب حکایت حقیقت سے اسقدر دور ہو گئی ہے کہ ہر سلیم الذہن شخص اس کو سنکر
بے اختیار ہنس پڑتا ہے اور اسلامیت کو بیہودہ افسانوں کا مجموعہ قرار دے کر اس سے یکسر متنفر ہو جاتا ہے!

ادنیٰ تامل بھی ہر شخص کو اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ جو خط مستقیم بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز ہو اُس پر چلتے رہنا کس قدر انتہائی
احتیاط کا کام ہے اور اس میں اِدھر اُدھر ہٹنے کی کسقدر کم گنجایش ہے نہیں بلکہ جس طرح کوئی بازیگر کسی رسی پر چلتے ہوئے تمام توجہ **عدل و توازن**
قائم رکھنے میں صرف کر دیتا ہے اسی طرح کسی امت کا ہر لحظہ اپنی تمام احتیاط **قسط و اعتدال پر رہنے میں صرف کر دینا صراط مستقیم**
پر چلنے کے مترادف ہو۔ دین اسلام کا یہ اصل اصول قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ (۷: ۲۹) کے الفاظ سے ہی ظاہر ہے جو اس سے پیشتر صفحہ ۱۰۲ پر
آ چکے ہیں۔ اصل کتاب میں آمدہ اوراق (صفحہ ۲۲۶-۲۴۶) میں صراط مستقیم کی قرآنی تعریف بصراحت تمام بیان کر دی جائے گی۔ جس کے مطالعے کے
بعد واضح ہو جائے گا کہ جو اُمت صراط مستقیم کے اس مفہوم پر بطور تمام اور بوجہ اتم چل رہی ہے اُس کا اس دنیا میں بہ تمکّن سے رہنا اٹل ہے،
اُس کا بقائی الارض اور استخلاف قطعی ہے، کوئی دوسری قوم اُس کے بالمقابل صف آرا ہو کر اُسکو میدانِ جہاد میں پچھاڑ نہیں سکتی اُسے مادی
انعام اور افضال الٰہی اُس قوم کے شامل حال ہر دم ہیں اور رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ دنیاوی تمکّن ہی وہ صراط مستقیم ہے جس کی تعریف رب زمین و
آسمان نے صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں کی ہے اور اسی سے ہٹ کر قومیں مغضوب علیہم بن جاتی ہیں یا الضَّالِّينَ میں شمار ہو کر شدید
العقاب خدا کے عذاب کو دعوت دیتی ہیں۔ ان آیات میں یہود و نصاریٰ کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ مسلمان بالخصوص الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہیں
وہ بلاشبہ اُس وقت تھے جب حقیقۃً رب خدا کے انعام اُن کو ہر طرف سے مالا مال کر رہے تھے مگر اب سب طرف قہر خدا ہے۔ تاہم ہماری پختہ گذارش
اسی کی ہے کہ ہم کو اُس صراط مستقیم پر چلا جس پر چلنے سے توفیق ہو جائے اور دنیاوی انعامات اور تعمّر سے مالا مال کر دے۔ یہی دعا بحیثیت ایک خوددار
غلام کی اپنے آقا سے ہو سکتی ہے، اور اسی صلاحیت عمل کا کوئی آقا اپنے غلاموں سے متمنی ہو سکتا ہے۔ 'اِهْدِنَا'، اور 'الَّذِينَ' اور 'عَلَيْهِمْ'
اور 'الضَّالِّينَ' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انعام اور سزائیں سب **اجتماعی** ہیں اور اسی لیے الصَّلوٰة خدا کے حضور میں قوم کی طرف سے ایک
متفقہ درخواست ہے، افراد کا اپنی جماعت سے الگ ہو کر اس دعا کو حضور رب العزت میں گذرانا ایسا ہی بے معنی ہے جیسا کہ کسی مسلمان کا افراد

الْمُسْتَقِيْمَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۱) قوم سے الگ تھلگ ہو کر صراط مستقیم پر چلنے کی سعی کرنا جیسا کہ آگے چل کر اس وقت واضح ہوگا جب کہ صراط مستقیم کے متعلق سب سوال جتامی تمام کر دیے جائیں گے۔ پیغمبر خدا صلعم نے اسی مقام لفظ سے الصَّلٰوۃ کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے باصرار تمام فرمایا تھا کہ جماعت کے بغیر کوئی نماز فی الحقیقت نماز نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کے الفاظ سے دنیاوی نعمتیں ہی مراد ہیں، یہ نماز کی رکعتوں میں قیام اٹھنا اور بیٹھنا، یہ احکم الحاکمین کے حضور میں دست بستہ کھڑا ہونا، یہ گھٹنوں کے بل جھک جانا اور بار بار ماتھا رگڑنا، پھر اٹھنا اور گڑگڑانا، وغیرہ وغیرہ سب کچھ دنیاوی انعام کی امید اور اجتماعی ثمر کے خوف سے تھا۔ اس کا ثبوت خود قرآن کے اندر موجود ہے۔ قرآن حکیم میں نعمت کا لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے مگر باستثنائے چند موقعوں کے جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا سب جگہ نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ روحانی نعمتوں کا جن کے صحیح معانی کی تعیین بھی از بس مشکل ہے، قرآن حکیم میں کہیں ذکر نہیں۔ توضیح مطالب کے لئے یہ سب موقعے یہاں پر لکھ دیے جاتے ہیں مگر خوف طوالت کے باعث بعض حوالوں کو مختصراً بیان کر دیا ہے۔ مزید معلومات کے لیے سیاق کلام کو دیکھنا چاہیئے

(الف) سورہ انفال میں ہے ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (۸ – ۵۳) یعنی "یہ اس وجہ سے کہ خدا کا دستور ہے کہ وہ کسی قوم پر سے اپنی عطا کی ہوئی نعمت کو نہیں بدلتا جب تک کہ لوگ آپ اپنی استعداد کو نہ بدلیں" یہاں نعمت صاف دنیاوی راحت اور امن ہے، اور "اَنْعَمَهَا عَلٰى" کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کی مماثلت سورہ فاتحہ کے "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے عیاں ہے۔

سورہ ابراہیم میں دنیاوی نعمتوں کی تفصیل کے بعد فرمایا ہے وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (۱۴ – ۳۴) "اور لوگو اس نے تم کو جو کچھ تم نے مانگا عطا فرمایا، اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز نہ گن سکو گے" یہی بات آیت (۱۶ – ۱۸) میں ہے مگر اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورہ لقمان میں کشتیوں کے سمندر میں چلنے اور اس حرکت سے انسان کے لئے سہولت سفر پیدا کرنے کو بھی نعمت الٰہی کہا گیا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۳۱ – ۳۱) یعنی "اے مخاطب! کیا تو نے اس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا کہ کشتیاں سمندر میں خدا کی نعمت (احسان) کے باعث چل رہی ہیں، اور یہ اسلئے کہ خدا تم کو اپنی قدرت کے حیرت انگیز عجوبات دکھلائے، اس میں شک نہیں کہ عجائبات قدرت پر استقلال سے ہر غور کرنے والے (صَبَّار۔ دیکھو صبر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اور نعمتہائے خدا کے صحیح معنوں میں قدردان (شَکُوْر۔ دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳۰) شخص کے لئے کشتیوں کے سطح سمندر پر چلنے میں علم و عمل کے بہتیرے اشارات (لَاٰیٰت) موجود ہیں" علی ہذا القیاس سورہ قمر میں کنکروں کے پتھراؤ سے آل لوط کی بچت کو نعمت خدا کہا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۙ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ (۵۴ – ۳۴–۳۵) یعنی "پھر ہم نے اس قوم پر پتھروں کی بارش کی مگر خاندان لوط کے لوگوں کو ہم صبح ہوتے ہوتے بچا لے گئے، یہ ہمارے ہاں سے آل لوط پر نعمت تھی اور جو لوگ ہمارے احکام کی قدردانی کر کے ان کی کماحقہ تعمیل کرتے ہیں (مَنْ شَكَرَ دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳۰) انکو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں"۔ سورہ قلم میں حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ سے نکل کر نجات پانے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا ہے گویا اس موقع پر بھی نعمت دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے مترادف ہے، روحانیت سے اسکو کچھ واسطہ نہیں لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ (۶۸ – ۴۹) یعنی "اگر خدائے رحیم کا فضل و کرم ان کی دستگیری نہ کرتا تو بڑے حالوں چٹیل میدان میں پھینک دیے جاتے" سورۂ احقاف میں نعمت کا دنیاوی مفہوم ذرا واضح نہیں۔ چنانچہ اس نہایت دقیق آیت کے مطالب جس میں اَنْعَمْتَ عَلَيَّ کے الفاظ قابل لحاظ ہیں بنا بر تمام کمال لکھ دیئے جاتے ہیں:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَ

صراط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۲) أَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۴۶ ۱۵﴾

اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، وہ فی الحقیقت اس سلوک کے مستحق ہی ہیں کیونکہ تکلیفیں اٹھا کر ہی اسکی ماں نے اسکو پیٹ میں رکھا اور دردناک اذیت کے بعد ہی اسکو جنا، پھر یہی نہیں بلکہ اس کا پیٹ میں رہنا اور اسکے دودھ کا چھوٹنا بھی ڈھائی برس میں جا کر ختم ہوتا ہے (لیکن انسان وہ ناشکرا اور احکام خدا سے باغی انسان ہے کہ ماں کی ان تکالیف کی کماحقہٗ پرواہ نہیں کرتا اور طفولیت کی نادانیوں اور کم عقلیوں کی بنا پر ماں باپ سے الجھتا جھگڑتا رہتا ہے اور اُنکے احسان کو کچھ خاطر میں نہیں لاتا اُسکو صحیح معنوں میں ہوش نہیں آتی) یہاں تک کہ آخرکار وہ سن رشد و تمیز کے کمال کو پہنچ کر یعنی چالیس برس کی عمر کا ہو جاتا ہے (حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ) پھر جب باپ بن کر خود ان تکالیف کو سہنے لگتا ہے تو بزبان حال پکار اٹھتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے اس بات کی توفیق دے (قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي) کہ میں تیری ان نعمتوں کی صحیح معنوں میں قدر کروں (أَنْ أَشْكُرَ، دیکھو شکر کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۳۴) جو تم نے مجھ پر طفولیت میں عطا کی تھیں اور آج کر رہا ہے، اور جو میرے ماں باپ پر کی ہیں، اور مجھے توفیق دے کہ میں وہ مناسب اعمال کروں جسے تو راضی ہو جائے اور میری اولاد کو بھی (جو ہماری ماں بیوی کی تکالیف سے بے خبر ہے) مناسب راہ پر لا (وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي)، میں تو اب چالیس برس کی عمر کے بعد سیدھی طرف لوٹ آیا ہوں (إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ، اور صحیح معنوں میں تیرے احکام کو بر از حکمت سمجھ کر انکو تسلیم کرتا ہوں)

(قرآن کی بلاغت یہی ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب ادا ہو جائے اور ہر صاحب غور و فکر فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس آیۃ بالا کی تعبیر میں یہی مطلب ہے جو بیان ہوا اسمیں انسان کی فطرت اور عادت مستمرہ کو واضح کیا گیا ہے۔ چالیس برس کی عمر کو پہنچ کر حقیقت حال کا کھلنا صاف ظاہر ہے۔ زندگی کی اسی منزل پر استعداد و تمیز حد کو پہنچ جاتی ہے اور انسان کو اپنی ماہیت پر غور کرنے اور اس دنیا جہاں کے کارخانے کو بنظر تعمق دیکھنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے خود رسول خدا صلعم کو نبوت کا خلعت بھی اسی عمر میں عطا ہوا تھا۔ فافہم و تدبر) لیکن اس بحث سے قطع نظر اس آیہ شریفہ میں "نعمت" کا مفہوم سراسر دنیاوی احسان ہی ہیں روحانیت کا یہاں کچھ ذکر نہیں۔ سورہ یوسف میں علیٰ ہذا القیاس تاویل احادیث کے علم کو اتمام نعمت قرار دیا ہے وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ (۱۲ ۶) یعنی اسی طرح خدا تم کو "تاویل احادیث" کا علم سکھا دے گا اور اپنی نعمت کا تم پر اتمام کرے گا "تاویل احادیث" کے صحیح مفہوم سے یہاں پر بحث نہیں مگر ظاہر ہے کہ تحصیل علم کو یہاں نعمت فرمایا ہے سورہ نساء آیہ (۴ ۷۲) میں اَنْعَمَ اللّٰهُ کے الفاظ دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے معنوں میں آئے ہیں اور وہ آیت صفحہ ۲۰۵ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے مگر یہاں پر اُس سے استدلال نہیں کیا کہ ان الفاظ بطور قول غیر استعمال ہونے میں بیشک الٰہی مقصودوں سے مستنبط کرنا روا نہیں سمجھا

(ب) انسان کی ناقدرشناسی کے ضمن میں کئی جگہ لفظ "نعمت" کا ذکر ہے جس سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں سورۃ زمر میں ہے وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ (۳۹ ۴۹)، یعنی انسان کی عادت ہے کہ جب اُسکو کوئی تکلیف پہنچے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھکو میرے علم کی وجہ سے ملی ہے" سورۃ حم السجدہ میں ہے وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ (۴۱ ۵۱)، یعنی جب ہم انسان پر اپنا دنیاوی فضل و کرم کرتے ہیں تو وہ ہم سے منہ پھیر کر کنارہ کش ہو جاتا ہے اور جب اسکو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے" سورۂ بنی اسرائیل میں قریب قریب یہی مضمون ہے وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوسًا (۱۷ ۸۳)، یعنی تکلیف کے وقت آس توڑ بیٹھتا ہے"۔ ان دونوں موقعوں پر اَنْعَمْنَا عَلَىٰ کے الفاظ قابل لحاظ ہیں۔ سورۂ زمر کے شروع میں پھر اسی دنیاوی نعمت کا ذکر ہے، وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا

الدِّین

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۳) ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوا إِلَيْهِ مِن قَبْلُ (۳۹ : ۸)، یعنی "جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خدا کی طرف ہمہ تن رجوع ہو کر کراہتا ہے، پھر جب خدا اپنی طرف سے کوئی نعمت اُسکو عطا کرتا ہے تو جس مطلب کے لیئے اُس نے خدا کو پہلے پکارا تھا اُسکو بھلا دیتا ہے"۔ سورۂ نحل میں ایک جگہ اسی قطع کی یاد دہانی ہے وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ (۱۶ : ۵۳)، یعنی "لوگو! جسقدر نعمتیں تم کو مل رہی ہیں سب خدا ہی کی طرف سے ہیں، پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی کے آگے آہ وزاری کرتے ہو"۔ سورۂ ہود میں پھر اسی ناشکر انسان کا ذکر ہے، وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ (۱۱ : ۱۰)، یعنی "اور اگر اسکو کسی تکلیف کے بعد نعمہائے الٰہی کی لذت چکھائیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ اب میری سب بدحالیاں (السیئات) دور ہو گئیں، اسمیں شک نہیں کہ انسان بڑا جلد خوش ہو جانے والا اور جلد شیخی میں آجانے والا ہے"۔

(ج) مادی نعمتوں کے بارے میں انسان کو خطاب کئی جگہ ہے۔ سورۂ نحل میں ہے، وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ (۱۶ : ۸۱)، یعنی "لوگو! وہ خدا ہی ہے جس نے تمہارے ماندے اور آرام کے لیئے پیدا کردہ بہت سا کے سائے بنائے، اور تمہاری پناہ کے لیئے پہاڑوں کے اوٹ بنائے اور لباس جو تم کو گرمی سے بچائیں۔ اور ایسی زرہیں بھی جو تم کو ایک دوسرے کی مار سے بچائیں، خدا یوں ہی اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری کرتا ہے تاکہ تم اسکو صحیح معنوں میں خدا تسلیم کرو"۔ یہاں بھی صاف طور پر "نعمت" سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں جن کا ذکر آیہ (۱۶ : ۸۰) سے برابر چلا آیا ہے اور آگے چلکر تو کفر کے طور پر بیر يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ (۱۶ : ۸۳) فرماتا ہے یعنی "لوگ خدا کی نعمتوں کو خوب سمجھتے ہیں، پھر دیدہ دانستہ اُن سے انکار کرتے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ اُن میں سے اکثر ناشکر (کافرون) ہیں"۔ اس آیۂ شریفہ میں خدا کی عطا کی ہوئی دنیاوی نعمتوں کو **نعمت نہ تسلیم کرنیوالوں کو بصراحت تمام کافر کہا گیا ہے**، جو مسلمان آج دنیاوی نعمتوں کو ہیچ سمجھکر اس دنیا کو قابل نفرت سمجھتے ہیں اُنکے لیئے یہ تہدید بہت عبرت انگیز ہے۔ اسی سورۃ میں انسان کی دنیاوی خوشحالی کو بار دیگر نعمت سے تعبیر کیا ہے وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَفَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ (۱۶ : ۷۱)، "اور لوگو! اُس خدا نے جو الجلال ہے تم کو رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے تو جن کو زیادہ روزی دیگئی ہے وہ کبھی اپنی دولت اپنے پیش خدمت غلاموں اور ماتحتوں کو لوٹا نہیں دیا کرتے تاکہ آقا اور غلام آپس میں برابر ہو جائیں۔ جب وہ ایسا نہیں کرتے اور اپنے تفضل رزق کو بہت اہتمام سے برقرار رکھتے ہیں تو کیا اس کے بعد بھی اللہ کے احسانات سے منکر ہیں"۔ اس متعلق آیت کے مطالب کے متعلق مکمل بحث اپنے موقع پر آئیگی، مگر صاف ظاہر ہے کہ یہاں تفضل رزق کو نعمت کہا گیا ہے۔ اس سے اگلی آیت ہے وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ (۱۶ : ۷۲)، "اے لوگو! خدا ہی وہ کارساز حقیقی ہے جس نے تمہاری آسایش کے لیئے تم ہی میں کی بیبیاں بنائیں، اور تمہاری بیبیوں سے تمہارے لیئے بیٹوں اور پوتوں کو پیدا کیا اور تم کو نہایت عمدہ رزق ارزانی فرمایا، تو کیا یہ لوگ اس حقیقت کے کھل جانے کے بعد بھی فرضی معبودوں کے لاطائل انعاموں پر ایمان رکھیں گے، اور خدا کی دی ہوئی صریح نعمتوں کا کفران کرینگے"؟ یہاں بھی صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں بیویوں، اولاد، اور طیبات رزق کو نعمت کہا گیا ہے، اُنکے عدم اقرار کو کفر پر محمول کیا ہے۔ سورۂ فاطر میں ہے، يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (۳۵ : ۳)، یعنی "اے ساکنان زمین! خدا کی نعمتوں کو جو تم کو دی گئی ہیں یاد کیا کرو اور غور کرو کہ کیا فی الحقیقت خدا کے سوا کوئی اور وجود بھی ہے جو اس قدر طاقت رکھے کہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچائے"۔ یہاں نعمت وہ مادی وسائل ہیں جن پر انسان کی حیات کا مدار ہے۔ سورۂ لقمان میں ہے، أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (۳۱ : ۲۰)

[illegible]

اَلنِّعْمَت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۴) یعنی "کیا تم لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا نے ہمارے فائدے اور استفادے کیلئے آسمان اور زمین کے اندر جو کچھ ہے تسخیر کر رکھا ہے، اور اس تسخیر کے باعث گویا اپنی ظاہری اور باطنی سب نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں" یہ آیہ جلیلہ ناقابل انکار طور پر اس حقیقت کی موید ہے کہ اشیائے فطرت سے استفادہ کرنا ہی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تکمیل ہے، گویا النعمت کا کامل اور مکمل مفہوم خدا کی تمام بنائی ہوئی اشیاء کا جائز استعمال ہی ہے، اس کے ماسوا کچھ نہیں۔ یہاں پر روحانی نعمتوں کے وجود کی یکسر تغلیط ہو جاتی ہے اور جیسا کہ چوتھی مجلد میں علم کے عنوان میں واضح کر دیا جائے گا۔ فطرت کی اشیاء کے صحیح استعمال کے اندر اور اس کے ضمن میں ہی روحانیت کے تمام مدارج کی تکمیل بھی ہو رہی ہے۔ اور یہی وہ اوج مرتبت ہے جس کے حاصل ہونے کے بغیر کسی قوم کا اس دنیا میں تمکن ناممکن ہے۔ (کتاب کے عربی افتتاحیہ میں قرآن حکیم کی اس تعلیم کی ایک جھلک دکھلا دی گئی ہے (دیکھو صفحہ ۳۸-۴۰)

(د) انسانوں کی طرف عام خطاب سے قطع نظر بنی اسرائیل کی طرف خدائی خطابات بھی اسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کیا نعمت کا مفہوم دنیاوی اقبال و اکرام ہی ہے۔ سورہ ابراہیم میں حضرت موسیٰ کا قول ہے: وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ (۱۴: ۶) یعنی "ایک وہ وقت تھا کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم کو فرعون کے لوگوں کے ظلم سے نجات دی تھی، وہ تم کو غلامی میں رکھ کر دردناک طور پر تکلیفیں دیتے، تمہارے بیٹوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرتے کہ تم تعداد میں تھوڑے رہ جاؤ، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے کہ لونڈیاں بنا کر رکھیں"۔ یہاں ایک قوم کی سیاسی نجات کو نعمت خدا کہا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ (۵: ۲۰)، "اور ایک وہ وقت تھا کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اس عظیم الشان نعمت کو یاد کرو جب کہ اس نے تم ہی میں سے پے در پے کئی پیغمبر تمہاری ہدایت کیلئے بھیجے پھر تم کو بادشاہ بنا دیا، اور وہ وہ انعامات عطا فرمائے جو دنیا جہان میں کسی قوم کو نہ دیئے تھے"۔ یہاں ایک سطح بین شخص کہہ سکتا ہے کہ انبیاء کا بنی اسرائیل میں مبعوث ہونا ایک روحانی نعمت تھی، لیکن ادنیٰ تامل بھی اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ ان انبیاء کا آنا درحقیقت اس قوم کی جماعتی اور دنیاوی بہتری کے لئے ہی تھا، جیسا کہ جَعَلَكُمْ مُلُوكًا اور آتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ خود موسیٰ علیہ السلام پیغمبر بنا بھی بنی اسرائیل کو فراعنۂ مصر کے مظالم سے نجات دینا، اور اس قوم کو انوار خدا کا پابند بنا کر بادشاہ بنانا ہی تھا جیسا کہ مذکورہ صدر آیت (۱۴: ۶) سے بھی ظاہر ہے نہیں بلکہ اس آیت سے بعد کی آیتیں (یعنی ۵: ۲۱-۲۶) جن میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدسہ پر حملہ کرنے اور دشمن سے مردانہ وار لڑ کر بادشاہت زمین حاصل کرنے کی زبردست ترغیب دی ہے، پیغمبری کے معنی اور جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ کی نعمت کے مفہوم کو اظہر من الشمس کر دیتی ہیں۔ آگے چل کر یہی تحت المتن میں اس واقعے کی مزید تفصیل کر دی جائے گی لیکن ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر موسیٰ علیہ السلام اس قوم کو اس دنیا میں تمکن اور تسلط کرنے کیلئے ہی مبعوث ہوئے تھے اور یہ اجتماعی بقا کی بشارت دینا ہی ہر مرسل کا پیغام جلیل ہوا کرتا ہے جیسا کہ صفحہ ۱۱ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا ہے۔ نبی اپنی قوم کے لئے یا تمام دنیا کے لئے چند روشن احکام خدا کے ہاں سے لے آتا ہے پھر جب تک لوگ ان پر عامل رہتے ہیں اجتماعی بقا کی بشارت ان کو ملتی رہی ہے، جب اس راہ سے ہٹ جاتے ہیں ہلاک ہو جاتے ہیں، یہی سچی روحانیت، اور صحیح معنوں میں نعمت ہے۔ اسی حقیقت کو کس صراحت سے سورۂ بقرہ میں دو لفظوں میں واضح کیا ہے: سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۲: ۲۱۱)، یعنی "اے محمدؐ! تم بنی اسرائیل سے پوچھو تو سہی کہ ہم نے ان کو کیا کچھ روشن قانون اور کتنے کھلے کھلے اور غیر مشکوک حکم دیئے تھے (آيَةٍ بَيِّنَةٍ)، (وہ اگر ان پر عامل رہتے تو [illegible] کیا کیا انعام نہ پاتے)، لیکن جس قوم نے خدا کی نعمت کو اس کے آنے کے پیچھے

عَلَيْهِمْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۵) بدل ڈالا تو خدا نے بھی آخر اُس قوم سے انتقام لیا ہی تھا۔ ہم کہہ نہیں سکتے ہیں کہ وہ بہت شدت سے بدلہ لینے والا ہے۔" یہاں اُن احکامِ خداوندی کو نعمت کہا گیا ہے کیونکہ اُن پر عمل کرنے کا نتیجہ اجتماعی راحت تھی، اور رد کرنے کا بدلہ ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی بات سورۂ بقرہ کے اِس خطاب سے ظاہر ہے: يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (۲: ۴۷ و ۲: ۱۲۲)، یعنی "اے بنی اسرائیل! میری اُس نعمت کو یاد کرو جو کسی زمانے میں میں نے تم کو عطا کر رکھی تھی، اور بالخصوص اِسکو کہ میں نے تم کو دنیا جہان کی سب قوموں پر ہر طرح کی فوقیت دی تھی۔" نہیں بلکہ ایک اور موقع پر دنیاوی فضیلت کو دوبارہ واپس دینے کا اقرار کیا ہے بشرطیکہ احکام پر عمل اَز سرِ نو شروع ہو جائے، بالفاظِ دیگر ماسوا کا خوف (جو فی الحقیقت تمام عصیاں و عدمِ تعمیل کا باعث ہے) اُٹھ جائے: يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ۝ (۲: ۴۰)، یعنی "اے بنی اسرائیل! یاد کرو وہ نعمتیں جو میں نے تمہیں دے رکھی تھیں، یاد کرو کہ وہ کیونکر چھین گئیں اور میری تو یہ شان ہے کہ اگر آج میرے عہد کو پورا کرو گے تو آج میں بھی اپنے عطائے سلطنت کے عہد کو پورا کر دوں گا اور وہ عہد یہی ہے کہ مجھ کو حاکمِ اعلیٰ مان کر مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔" کسی دوسرے موقع پر اِس عہد بیان کی جو خدائے عزوجل نے بنی اسرائیل سے کیا تھا تصریح کر دی جائے گی، یہاں پر بحث صرف نعمت کے صحیح مفہوم سے ہے اور ظاہر ہے کہ وہ نعمت بادشاہت ہی تھی جو اُن سے چھین لی گئی۔ علیٰ ہذا القیاس فرعون کے بارے میں ہے: كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ (۴۴: ۲۵)

(ھ) بنی اسرائیل سے خطاب کے علاوہ قرآنِ حکیم میں کئی موقعے ہیں جہاں بالخصوص قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں سے خطاب ہے لیکن وہاں پر بھی نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ سورۂ نحل میں رزق کی حلت اور حرمت کے بارے میں ہے: فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ (۱۶: ۱۱۴)، "پس اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے اُن میں سے پاکیزہ اشیا کو کھاؤ اور اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے تابع اور ملازم ہو (إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ) تو اُسکی نعمتوں کا صحیح استعمال کرو۔" (معانی شکر کے لیے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۱)۔ سورۂ احزاب میں ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا (۳۳: ۹)، یعنی "اے ایمان والو! خدا کی اُس نعمتِ عظمیٰ کو یاد کرو جب کہ غزوۂ خندق میں تم پر لشکر کے لشکر آ چڑھے تھے پھر ہم نے اُنکے زور کو توڑنے کے لیے اُن پر تند ہوا بھیجدی، اور آندھی کے علاوہ اور مقابلہ کرنے والی قوتیں اور افواج جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔" یہاں بھی نعمت وہ خدائی تائید تھی جسکا نتیجہ دنیاوی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ سورۂ مائدہ میں ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَن يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ (۵: ۱۱)، یعنی "اے ایمان والو! اپنے اوپر خدا کے اُس احسان کو یاد کرو جب ایک گروہ نے تم پر دستِ تعدی دراز کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن خدا نے تم سے اُن کے ہاتھوں کو روک دیا۔" یہاں دشمن کے حملے سے بچ جانا نعمتِ خدا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں بدر الصغریٰ کے میلے پر جو تجارتی فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوئے اور جو اخلاقی فتح اُنکو ابوسفیان کی دھمکی سے ڈر نہ اور بدر میں جنگ کے لیے آ دھمکنے سے ہوئی اسکے اعتراف میں ہے: فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ (۳: ۱۷۴)، یعنی "پھر اسلام کا جرار لشکر اور اُس کے بہادر سرخیل لوٹے تو وہاں سے لوٹے کہ خدا کی نعمتوں اور اُس کے فضل و کرم سے لدے ہوئے تھے، بدر کے میدان میں تین دن رات پڑے رہنے کے باوجود اُن کا بال تک بیکا نہ ہوا (لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ)، وہ خدا کی خوشنودی کے طلبگار ہوئے تھے اور خدا بڑا ہی صاحبِ فضل و کرم ہے جو پل میں کچھ کا کچھ کر دیتا ہے۔" یہاں نعمت کے دنیاوی مفہوم کے علاوہ 'فضل' کے معانی بھی صاف ہو گئے کہ قرآن کی نعت میں اس کا مفہوم بھی دنیاوی مال و دولت ہی ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں راہِ خدا میں اپنی جان لڑا دینے والے مجاہدین کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ اور خوش و خرم خدا کے پاس موجود ہیں، اُن مجاہدوں کو جو ابھی مارے نہیں گئے آخر وہی اس کی بشارت دے رہے ہیں، پھر اسکے بعد فرمایا ہے: يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ (۳: ۱۷۱)، یعنی "وہ لوگ دنیا میں رہنے والے

بحث ۵ یعنی "اُن لوگوں کو ہماری نافرمانی کے عوض کیسے کیسے عمدہ باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور بڑے بڑے عمدہ مقام اور نعمت کی چیزیں جن میں مزے اڑایا کرتے تھے چھوڑنی پڑیں" دیکھو صفحہ ۱۱۶۔

حسنِ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٢١٦) مومنوں کو خدا کے ہاں سے (مِّنَ اللّٰہِ) دنیوی انعام و اکرام اور فضل کرم کی بشارت دے رہے ہیں۔ یہاں نعمت سے صاف دنیاوی نعمت مراد ہے کیونکہ اُخروی انعام کا ذکر پیشتر کی آیت میں آچکا ہے۔ سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کی دوررس حکمت عملی کو فَتْحًا مُّبِیْنًا (٤٨ ١) کہہ کر اتمام نعمت اور صراط مستقیم کے معنی یہ الفاظ عطا فرمائے ہیں وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (٤٨ ٢) یعنی یہ معاہدہ جو بظاہر ذلت آمیز معلوم ہوتا ہے کمزور مسلمانوں کے لیے درحقیقت فتح مبین ہے کیونکہ ان کو اس اثنا میں اپنی قوتوں کو از سر نو جمع کرنے کا موقع مل جائے گا دشمن اپنی قوت کے غرور میں اور قوی سستی کی سعی نہ کر سکے گا، اور یہ متارکہ فی الحقیقت تم پر خدائے عزوجل کی نعمت مکمل ہو جانے کا پیش خیمہ ہوگا، اور نیز اس لیے کہ خدا تم کو دشمن پر غالب آنیکے صراط مستقیم پر لیجائے"۔ یہاں نعمت کے سیاسی مفہوم کی توضیح کے ساتھ ساتھ صراط مستقیم کے مطالب کی بھی ایک حد تک تشریح کر دی ہے۔ سورۂ آل عمران میں قرون اولیٰ کے مومنوں کے بے مثال اتحاد اور اخوت کو دوبار نعمت کہا ہے وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا (٣ ١٠٣) مطالب صفحہ ١٢٥ پر آچکے ہیں یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورۂ مائدہ میں بدن کی تطہیر اور نماز سے پیشتر ہاتھ منہ دھونے کو بھی اتمام نعمت فرمایا ہے فَاَنْزَلَ اللّٰهُ یَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (٥ ٦) یعنی خدا اپنے وضو اور تیمم کی بندش سے فی الحقیقت تم پر کوئی ناروا یا بے سبب سختی کرنا نہیں چاہتا، بلکہ وہ انسان ایسی اشرف المخلوقات کو ظاہری نجاست اور آلائش سے ہر پنجوقتہ پاک صاف کرنا چاہتا ہے، اور جہاں اُس سے تمہاری دنیاوی بہتری، معاشرتی بہبودی، اور اُخروی نجات کیلئے تم کو نہایت گرانقدر اصول سکھلاتے ہیں وہاں وہ تمہاری جسمانی صفائی کا یہ چھوٹا سا اصول سکھلا کر فی الحقیقت تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اُس محسن حقیقی کی اس حیرت انگیز محافظت کی دل سے قدر کرو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)"۔ گویا یہاں بھی نعمت سے بیماری نعمت (یعنی جسمانی صحت) مقصود ہے، محض بدن کو دھونا کسی شخص میں روحانیت پیدا نہیں کر سکتا، اور یہ وضو سے اُس روحانیت کا اتمام پیش نظر ہے بعینہ اسی نقطۂ نظر سے اس آیۂ شریفہ سے دو ایسے احکام حرمت ماکولات کے ضمن میں اتمام نعمت کا تذکرہ کیا ہے اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (٥ ٣) یعنی آج اے مسلمانو! ہم نے معاشرتی اور اجتماعی اوامر و نواہی کی کامل شرح و بسط کے بعد حلت اور حرمت کے ان نتیجہ خیز احکام کی بھی توضیح کر کے گویا تمہارے آمدہ اور مجوزہ طرز عمل کو (دِیْنَكُمْ) دنیا کے اس ابتلاگاہ سعی و عمل میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔ بلکہ ایک رو سے اپنی تمام نعمتوں کی تکمیل کر دی ہے، اور تمہارے لیے اسی تقویت انگیز اور سلامتی اندوز اسلام کو بطور راہ عمل پسند کیا ہے"۔ حلت اور حرمت کے احکام کی نتیجہ خیز حکمت اور اُنکی اہمیت کے متعلق فلسفیانہ بحث کرنے میں ابھی بہت دیر ہے یہ موضوع غالبًا پانچویں مجلد میں آسکیگا، مگر پوری آیت کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ مُردار شئے کے کھانے سے بچنا، لہو جیسی کراہت انگیز شئے سے پرہیز کرنا، یا لحم خنزیر سی پلید اور مُضر صحت چیز کو حرام سمجھنا، یا اور باقی اشیا جنکی حرمت کی تصریح اس آیت میں ہوئی ہے کے کھانے سے گریز کرنا فی الحقیقت انسان کی معاشرتی اور دنیاوی زندگی کی اصلاح کا ایک منظر ہی ہے، اِن کو روحانیت سے چنداں کوئی تعلق نہیں، اور اسی لیے اتمام نعمت کا مفہوم یہاں پر بھی دنیاوی ہے۔ علی ہذا القیاس طلاق کے متعلق احکام خدا کی شرح و بسط کے بعد ارشاد ہے وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَمَاۤ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ یَعِظُكُمْ بِهٖ (٢ ٢٣١) یعنی مسلمانو! احکام خدا کو ہنسی مخول یا بے نتیجہ اور بے مطلب باتیں (هُزُوًا) سمجھ کر ٹال دیا کرو، بلکہ اُن کی تعمیل خدا کے اُن بیش قیمت احسانوں کو دل میں رکھکر کیا کرو جو اُس نے وقتًا فوقتًا تم کو مناسب احکام دے کر کئے۔ اور جو گرانقدر کتاب اُس نے تم پر اتاری ہے بلکہ حکمت الٰہی کے جو بیمثال نکات اس سے تم کو اپنی جناب سے عطا فرمائے ہیں اور جن کے ذریعے وہ تم کو مناسب طرز عمل بتاتا رہتا ہے اُنکو پیش نظر رکھکر تعمیل کیا کرو"۔ یہاں بھی نعمت سے مراد وہ اجتماعی خوش حالی ہے جو احکام خدا پر کماحقہٗ عمل کرنے سے ہر قوم کو اس دنیا میں نصیب ہوتی ہے، روحانی سعادت چنداں مراد نہیں

المغضوب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۷) قریب قریب یہی مضمون سورۂ مائدہ میں احکام وضو کے بعد ہے وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۵ : ۷)، یعنی اے مسلمانو! وضو کے بارے میں اس الٰہی حکم کو بے سود یا بے نتیجہ نہ سمجھو بلکہ اُس اجتماعی راحت اور خوشی (نعمت) کو خیال میں لاؤ (اذکروا) جو تم کو خدا کے ہاں سے دمبدم نصیب ہوتی رہی ہے، نیز اُس الٰہی عہد و پیماں کے قوت انگیز نتائج پر غور کرو جسکے ساتھ اُسنے کچھ مدت ہوئی تم کو وابستہ کر دیا تھا (واثقکم بہ)، اور جس کی نتیجہ خیز اہمیت کو پیش نظر رکھکر تم نے بھی اُسکے منقولہ احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کی ٹھان لی تھی (اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا) اور دیکھو! خدائے قاہر کے قہر و غضب سے ڈر کر (وَاتَّقُوا اللَّهَ) اُسکے ہر حکم کی بطیب خاطر تعمیل کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے دلوں کی کشمکش اور سینوں کی پیچ و تاب کو بھی خوب جانتا ہے (عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ)۔" اِس آیت کا ربط پہلی آیت کے ساتھ نہایت غور طلب ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدائے عزوجل نے صفائی بدن کی اہمیت کو دلنشیں کر دینے کی غرض سے قرون اُولیٰ کے مسلمانوں کو ثبوت کے طور پر وہ اجتماعی فائدے (نعمت) یاد دلائے جو احکام خدا کی تعمیل کے باعث اِس سے پیشتر مل چکے تھے گویا یہاں پر ترغیب و تحریص کا بعینہ وہی رنگ ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی رعیت کو کہے کہ فلاں کام بھی اسی انہماک اور سرگرمی سے کرو جیسا کہ اور حکم مانتے آئے ہو، اور ذرا خیال میں لے آؤ کہ پہلے حکموں کی تعمیل کے باعث تم کو کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اِس مقام نظر سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی نعمت سے مراد دنیاوی منفعات ہی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں علیٰ ہذا القیاس تحویل قبلہ کی بحث کے ضمن میں اسلام کی عالم آرا اُمّت کے لیئے ایک مرکز کی صورت کو واضح کرکے فرمایا ہے: وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۲ : ۱۵۰)، یعنی "اور یہ تمام عالم اسلام کا ایک نقطے پر تمرکز اسلئے ہو کہ میں اپنی نعمت کی تکمیل تم پر کروں، اور تاکہ تم اِس دنیا میں سنت ابراہیمؑ کی اتحاد کے ساتھ رہنے کا راہ راست ملجائے۔" سورۂ عنکبوت میں بیت الحرام کے تقدس اور توقیر کی شان میں ہے اَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ (۲۹ : ۶۷)، یعنی "اے محمدؐ! کیا دشمنانِ اسلام اِس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم ہی نے بیت الحرام کو روز اول سے جائے امن بنا رکھا ہے حالانکہ عین اسکی چاردیواری کے باہر یہ حال ہے کہ لوگ اِن کے آس پاس سے دھڑک جھپٹا مارے جا رہے ہیں (اور کوئی شخص انکی داد رسی نہیں کر سکتا) تو کیا یہ لوگ لاطائل اور بے نتیجہ باتوں کو مانتے ہیں اور خدا کی اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہیں کرتے"۔ گویا خدا کا حرم کعبہ کو پر خطر ماحول کے عین وسط میں دارالامان بنا دینا نعمت الٰہی ہے اور جو لوگ احکام خدا کے امن انگیز ہونے پر کچھ یقین نہیں رکھتے، ایک زندہ مثال انکے گرد و پیش سے لیکر دی ہے تاکہ بطور خود غور کریں کہ خدا کیونکر خوف و خطر کے گرد و نواح میں امن و آسایش کی صورت پیدا کر سکتا ہے، اور کیونکر ایک وقیع اصل، جو فرزند اور تحفۂ مستحق خدا قوم میں سے ایک بارعب، صاحب وقار اور مضبوط ہمّت کھڑی کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہاں بڑی صاف نعمت سے مراد دنیاوی امن و راحت ہی ہے۔ خود پیغمبر آخر الزماں کو الٰہی ارشاد ہے مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ (۶۸ : ۲)، یعنی اے محمدؐ! تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے پاگل نہیں ہو (جیسا کہ اہل مکہ کہتے ہیں)"۔ گویا صحیح الاعضا ہونا بھی نعمت الٰہی میں داخل ہے۔ سورۂ واللیل میں خدا کے ہاں سے انعامات کی تقسیم کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ بیاں کرکے اسکے دنیاوی مفہوم کو اور بھی واضح کر دیا ہے وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ (۹۲ : ۱۹-۲۰)، یعنی "اے لوگو! خدائے عزوجل کے پاس (عِندَهُ) کسی فرد واحد کے لیئے بھی (لِأَحَدٍ) کوئی نعمت (مِن نِّعْمَةٍ) نہیں کہ بطور بدلہ کے دیجائے (تُجْزَىٰ) مگر یہ کہ وہ انعام اُس شخص کو اپنے پروردگار جلّ و علیٰ (رَبِّهِ) کی تلاش رضا کے صلے میں ملتا ہے"۔ یعنی اِس دنیا کے اندر جسکو جو کچھ مل رہا ہے وہ سب اُسی خدا کے صلے میں مل رہا ہے یہاں پر اِس جلیل القدر کلیے کی صداقت پر بحث نہیں صرف لفظ نعمت سے سروکار ہے۔ سورۂ والضحیٰ میں ہے! وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۹۳ : ۱۱)، یہاں پر بھی نعمت صاف دنیاوی ہے۔

(۹) اِن تمام نصوص صریحہ کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا، قرآن میں چند موقعے ایسے بھی ہیں جہاں نعمت کا مفہوم بادی النظر میں

سلہ صفحہ اس آیہ میں تَهْتَدُونَ کا لفظ صاف عام ظاہر کرتا ہو کہ ہدایت کا قرآنی مفہوم اتحاد ہی ہے۔ اس مفہوم کی کچھ مثالیں نیچے صفحہ ۱۹۳ کے تحت المتن میں دی ہیں۔

عَلَيْهِمْ

(بقیہ تحت اللفظ صفحہ ۲۱۸) مشکوک سا معلوم ہوتا ہے، تاہم اگر ہم اس مفہوم کے متعلق وہاں پر تاویل کی بہت کچھ گنجائش ممکن ہے۔ سورۂ احزاب میں
حضرت زید بن حارثہ کے مشہور قصے کے ضمن میں ہے وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَ
اتَّقِ اللَّهَ (۳۳ : ۳۷)، یعنی اے محمدؐ! وہ بھی عجب وقت تھا جب تم زید بن حارثہ کو جس پر خدا نے چند در چند احسانات کیے تھے، اور تم بھی جس پر احسان کرتے
رہے تھے، سمجھاتے تھے کہ اپنی بی بی زینبؓ کو زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔ یہاں شارحین نے کہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت زیدؓ کو بچپن سے پالا تھا، پھر غلامی سے آزاد کر کے اپنی پھوپھی زاد بہن بیاہ دی، وغیرہ وغیرہ۔ "أَنْعَمْتَ عَلَيْهِ" میں انہی احسانوں کی طرف
اشارہ ہے۔ یہ سب دنیوی انعامات ظاہر ہے کہ مادی اور دنیاوی تھے، تخیل کی کوئی پرواز ان کو روحانی قرار نہیں دے سکتی، لیکن "أَنْعَمَ اللَّهُ
عَلَيْهِ" کے متعلق مفسرین نے بہت کچھ خیال آرائی کر کے اسلام کی روحانی نعمت کو انعام خدا قرار دیا ہے۔ ممکن ہے کہ خدائے عزوجل نے اس
آیۂ شریفہ میں حضرت زیدؓ کو اسی روحانی نعمت کا احسان جتلایا ہو مگر الفاظ وحی کے اندر اس دعوے کی قطعاً کوئی سند موجود نہیں، نہیں
بلکہ جب تعبیر ایک ہے اور انعام و احسان کی نوعیت دنیاوی تھی تو غالب گمان یہی ہے کہ خدا نے اپنے احسانات بھی اسی قسم کے یاد دلائے ہوں، ایک ادنیٰ حیثیت
اور پھر غلام کا پیغمبر عرب کی خالہ زاد بہن سے رشتہ کر دینا ہی میرے نزدیک اُس نعیم بے حساب کا وہ غیر مترقبہ انعام تھا جس کو صحیح
معنوں میں "أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ" کہا جا سکتا ہے، حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا احسان کم از کم یہاں پر نہیں جتلایا کیوں کہ اوّلاً اس کی تخصیص حضرت
زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ نہ تھی بلکہ سب مسلمان اس میں داخل تھے۔ ثانیاً اس احسان کو یاد دلانا یہاں پر اصلاً غیر متعلق ہے کیوں کہ "أَمْسِكْ عَلَيْكَ
زَوْجَكَ" سے اس کا کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ اگر عورت کو طلاق دینا اسلام میں شرعاً ممنوع ہوتا تو زیدؓ کے مسلمان ہونے کا احسان یاد دلانا
کچھ معنی رکھتا۔ یہاں صرف اس قدر کہا گیا ہے کہ تو دیکھ، اُن احسانات کو نہ بھول جو خدا نے تمہاری ذات پر کیے، تم کو ایک ادنیٰ طبقے سے
اٹھا کر پیغمبر خدا کا کفو اور عرب کا سردار بنا دیا، خود پیغمبرؐ نے تم کو پالا پوسا، غلامی سے آزاد کیا، وغیرہ وغیرہ۔ ایسے منعم کی بہن کو طلاق
دینے سے ڈر اور خدا کا خوف کر۔ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس بات پر اُبھارا تھا کہ اپنی تمام قوتوں کو مجتمع
کر کے اور پوری ہمت دکھلا کر ارض مقدس پر حملہ کر دیں، دشمن کے بالمقابل جم کر لڑیں اور کسی حالت میں پیٹھ نہ دکھلائیں، مگر صدیوں کی یہ محکوم قوم
اپنی موروثہ بزدلی اور ضعف کے باعث اُس زبردست دشمن "قَوْمًا جَبَّارِينَ" (۵ : ۲۲) پر ہجوم کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو سکی اور لنگڑے عذرات پیش کر کے
ٹال دیا۔ اس واقعہ کا ذکر سورۂ مائدہ میں ہے۔ بنی اسرائیل کے دو جوان مرد یوشع اور کالب عام قوم کے برخلاف، اس برانگیخت میں موسیٰ اور
ہارون علیہما السلام کے ہم زبان تھے، اُن کی بابت ارشاد ہے قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ
فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۵ : ۲۳)، یعنی بنی اسرائیل کے اس بیہودہ عذر پر خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے
والوں (مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ)، اور اُس کا سچا تقویٰ کرنے والوں (مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ) میں سے دو شخصوں نے جن پر خدا نے خاص احسان کیا تھا (أَنْعَمَ
اللَّهُ عَلَيْهِمَا)، کہا کہ اے نامردو! دشمنوں کی ظاہری ڈیل ڈول کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ اُن کے گرانڈیل جسم دیکھ کر بزدل نہ بن جاؤ (دیکھو آیہ ۵ : ۲۲)۔ ہم جس
طرح بن پڑے چڑھائی کر کے شہر کے دروازے میں گھس جاؤ، اندر جب دروازے پر قبضہ کر لیا تو بلاشبہ فتح تمہاری ہی ہے، اور یاد رکھو کہ اگر تم میں
ایمان موجود ہے تو ایک دم آمادۂ سعی ہو کر نتائج کو خدا پر چھوڑ دو (فَتَوَكَّلُوا)۔ تمام رکوع کا سیاق و سباق یہی ظاہر کرتا ہے کہ أَنْعَمَ اللَّهُ
سے مراد وہ **ہمتِ مردانہ** اور وہ **عزمِ صمیم** ہے جو ان مردانِ خدا کو تمام قوم کے جمود و سکون کے بالمقابل بارگاہ خدا سے عطا ہوا
تھا، اور یہی وہ **قوتِ ایمانی** تھی جس کو بعض محل پسند اصحاب نے "روحانیت" سے تعبیر کیا ہے۔ ادنیٰ تامل بھی ہر شخص کو اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے
کہ روحانی نعمت دراصل انسان کی اُس اخلاقی برتری، اس کے علوِ ہمت اور تربیت نفس کا دوسرا نام ہے جس کا مشہود دنیا ہی میں ممکن اور اس ہی ہے
اس سے کمتر کچھ نہیں۔ اس آیۂ شریفہ میں یوشع اور کالب کی "روحانیت" بالعبارۃ اُخریٰ اُن پر خدا کا انعام یہی تھا کہ اُنھوں نے اپنے پیغمبر کے

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (۱: ۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۹) حکم کی اطاعت کرنا اس سے بہتر سمجھا جاتا تھا، اور اسکی تعمیل میں اپنی جانوں کو لڑا دینے سے نہیں جھجکتے تھے پس نعمت سے مراد یہاں پر بھی وہ **توفیق عمل** ہے جسکا نتیجہ قوم کی **دنیاوی** راحت ہی ہے، وہ کوئی اذکار کی کثرت یا تسبیح ورزش نہیں جسکا اس دنیا میں ظاہر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ ایمان اور عملی اخلاق کی یہی وہ عملی اور بیع صاحبیت ہے جس کی بنا پر خدائے عزوجل نے احکام الٰہی کے عاملوں، اور رسول کے بالمشافہ احکام کی **تعمیل کرنے والوں** کو اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا لقب عطا فرمایا ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (۴: ۶۹) یعنی مسلمانو! تم میں سے جس شخص نے اپنے آپ کو احکام خدا کی متابعت کے لیے وقف کر دیا، اور اس نے رسول کے بالمشافہ احکام کی تعمیل تندہی اور خلوص نیت سے کی تو یہی وہ لوگ ہیں جو ان لوگوں کے دوش بدوش چلتے ہیں اور مثل انکے اُخروی اجر کے مستحق ہوں گے (مَعَ الَّذِيْنَ) جن پر اللہ نے اپنا خاص احسان کیا (اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ) مثلاً وہ انبیائے کرام جنہوں نے راہ حق میں جہاد کیے (مِّنَ النَّبِيّٖنَ) یا وہ صادق لوگ جو اپنے عمل سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھاتا (وَالصِّدِّيْقِيْنَ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۱۷) یا وہ شہدائے حق جو اپنے بلا مرد اعمال سے خدا کی گواہی دیتے چلے (وَالشُّهَدَآءِ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱) یا وہ صالح العمل لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت درست کی (وَالصّٰلِحِيْنَ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۸) اور یہ لوگ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں" اطاعت رسول کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک حصہ تحت صفحہ ۱۸۱ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ وہاں پر اشارہ کر دیا ہے کہ اس سے مراد رسول خدا صلعم کے ان بالمشافہ احکام کی پوری تعمیل ہے جو آپ بحیثیت قائد اعظم و رہنمائے اُمت وقتی اور مقامی حالات کو مدنظر رکھکر دیا کرتے تھے، اور جن کا منشائے نظر تقویت جماعت یا غلبہ اسلام ہی تھا چنانچہ یہاں پر بھی جہاد بالسیف اور ہجرت وطن کے احکام اس آیت سے پیشتر آیہ (۴: ۶۶) میں اُقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ کے الفاظ میں ہو چکے ہیں۔ اور اَنْعَمَ اللّٰهُ کا مخاطب بھی اسی قطعہ کے جان و مال ایثار کرنے والوں کے بارے میں ہے اس بنا پر مختصر الفاظ میں اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد یہاں پر بھی **وہ توفیق عمل ہے جو ایمان کا جزو لاینفک ہے اور جسکا اس دنیا میں نتیجہ فلاح قوم، اور آگے چل کر فلاح آخرت ہے**، اسکے ماسوا کچھ نہیں۔ جن لوگوں نے اسلامی اوامر و نواہی کے اجتماعی مقاصد کو نظر انداز کر دیا ہے اور بعد ازاں انہیں چند ہی احکام مثلاً نماز روزہ کو لے لیا ہے پس فرما کر اُن کی انفرادی تحقیق پیدا کر لی ہے، اور دیدہ و توریع کی اس طرح صوفیانہ شان کو روحانیت فرض کر کے اپنے آپ کو اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا مصداق مانا ہے اُنکے لیئے یہ آیت اس سے آشنا ہے صدیق اور شہداء اور صالحین اور انبیاء کی ہمدوشی کا مقام حاصل کرنیکے لیے **انتہائی سعی و عمل شرط ہے**، جان و مال کی **قربانی** شرط ہے **خدمت عباد** شرط ہے وغیرہ وغیرہ، پس وہی شخص اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا صحیح مصداق ہو سکتا ہے جو ان جیسے **نتیجہ خیز اور غلبہ اندوز، مصلح قوم اور محرک اعضا کام کر رہا ہے** سورہ مریم میں صدیق العمل ابراہیم (۱۹: ۴۱)، مخلص الاعمال موسیٰ (۱۹: ۵۱)، اور صادق الوعد اسمٰعیل (۱۹: ۵۴) علیہم السلام کے ذکر کے بعد ارشاد الٰہی ہے وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۙ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۙ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ (۱۹: ۵۶-۵۸) یعنی "اے پیغمبر! ابراہیم اور موسیٰ اور اسمٰعیل کے جلیل القدر کارناموں کو یاد کرنے کے بعد اس ہماری کتاب میں ادریس کا تذکرہ بھی کرو کیونکہ اس میں شک نہیں کہ یہ کارکن شخص بھی اپنے اعمال و افعال سے اپنے ایمان کی بڑی ہی تصدیق کرنے والا (صِدِّيْقًا)، اور قانون خدا سے بڑا ہی باخبر (نَبِيًّا) تھا اور اسی وجہ سے ہم نے اُسکو ایک نہایت بلند منصب پر سرفراز کیا تھا، (مَكَانًا عَلِيًّا)۔ اولاد آدم میں سے یہی وہ انبیاء لوگ تھے جن پر خدا نے احسان کیے، اور جو اس دنیا سے فی الحقیقت سرخرو ہو کر گئے" گویا یہ عمل کے ذریعے سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھانا اور "صدیق" بننا ہی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے، اور یہی سچی روحانیت ہی ہے۔ گوشہ نشین بنکر خدا خدا کرتے رہنا اور مخلوق سے بے پار ہو جانا درحقیقت نہ کوئی عمل ہے اور نہ اس میں خلق خدا کی بہتری کی کوئی صورت نکل سکتی ہے انبیائے کرام علیہم التحیۃ والسلام کی

اے پروردگار عالم اور اے نعمتوں کے بخشنے والے خدا! تو ہم سب کو اس سیدھے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۰) بے مثال علمی سرگرمیوں، اُنکے اِن نمایاں عالم انگیز کارناموں، اور مخلوق خدا کی اجتماعی اصلاح کے بارے میں اُن کی اَن تھک کوششوں کو پیش نظر رکھکر ہی رب زمین و آسمان نے جابجا اُن پر سلام بھیجا ہو اُنکے اعمال کو سراہا ہے، اور عوام کے سامنے اُنکو بطور نمونہ پیش کرکے اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِم کا عزیز القدر لقب دیا ہے چنانچہ قرآن میں جابجا اس سلام بھیجنے کی کئی مثالیں موجود ہیں جن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔

(نمبر ۲) انبیائے عظام کی اسی عالمانہ حیثیت کو پیش نظر رکھکر سورۃ زخرف میں خاص حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ذکر میں ہے اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ط (۴۳ — ۵۹)، یعنی مسیح تو فی الحقیقت ہمارا ایک حکمبردار بندہ کار کن غلام (عَبْدٌ۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۴۰) ہی تھا جس پر ہم نے اپنی جانب سے توفیق عمل عطا فرماکر خاص الخاص احسان کیا تھا (اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ) اور یہ توفیق عمل اس حد تک ارزانی کردی تھی کہ ہم نے اُسکو بنی اسرائیل کی جمود زدہ اور غافل قوم کے لیے ایک نمونہ (مَثَلًا) بنادیا تھا۔ بنی اسرائیل کے اس باعمل نوجوان پر خدائے جل وعلیٰ کے یہی وہ بے مثال انعامات تھے جن کی بنا پر سورہ مائدہ میں حضرت کی زبان پر احسان جتلایا ہے۔ یہاں پر ربط قائم کرنے کیلئے اس سے پہلی آیت بھی نقل کردی جاتی ہے جس سے احسان جتلانے کا سبب اور بھی واضح ہوجائے گا:

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ (۵ — ۱۰۹ - ۱۱۰)

اے پیغمبر! وہ وقت بھی نہایت ہی کڑا اور کپکپا دینے والا ہوگا جب وہ مالک زمین و آسمان اور صاحب کبریا و جبروت خدا سب معاشرتی اور قاصدوں کو اکٹھا کرکے (یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ) اُن سے اپنے پیغام کے صحیح طور پر ادا کرنے کے متعلق محاسبہ کرے گا۔ پوچھا جائے گا کہ ٹھیک جواب آج تم اپنا اپنا بیان پیش کرو کہ سارے زمین کی طرف سے تم کو ہمارے پیغام کا کیا جواب ملا (فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ۵ — ۱۰۹) اسوقت ہم نے تم کو کیونکر قبول کیا (مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ) اُس کا باشندگان زمین پر کیا اثر ہوا (مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ) اور بعد ازاں اُن پیغمبروں سے صرف نظر کرکے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جن کی امت نے پیغام رب العالمین کی ہیئت کو قطعی مسخ کرکے اُسکو خدا کا بیٹا بنایا، متوجہ ہوگا اور فرمائیگا (اِذْ قَالَ اللّٰهُ) کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! تم میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر کیے تھے۔

سورہ مائدہ کے دو آخری رکوعوں کے مطالب کو مربوط کرنے کا یہ موقع نہیں بلکہ پوری آیت (۵ — ۱۱۰) کی تشریح بسط کردینا ہی یہاں پر بہت کچھ بیش از وقت ہے، مگر اوقاف قرآن کے رموز کو جاننے والے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر بطور خود پہنچ سکتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ میں اِذْ قَالَ اللّٰهُ سے عَلٰى وَالِدَتِكَ تک ایک مستقل بیان ہے جس میں خدائے عظیم نے احسانا بلکہ تہدید آمیز لہجے میں حضرت عیسٰی کی توفیق عمل و سعادت کو اُن پر بلکہ اُن کی ماں پر بھی احسان کے طور پر جتلایا ہے۔ اِس دعوے کی تائید علامت ط سے ہوتی ہے جو وَالِدَتِكَ کے بعد ہے اور جس سے مراد یہ ہے کہ اسکے بعد ٹھیر جانا لازمی ہے ورنہ بعد کی عبارت سے ملاکر پڑھنے سے مطالب کے بگڑ جانے (حتیٰ کہ بعض ظاہر پرست اشخاص کے نزدیک کفر کے مرتکب ہونے) کا خوف ہے گویا تم جیسے باعمل اور کارکن شخص کا ہونا ہی تم پر خدا کا ایک احسان عظیم تھا، اور بالخصوص اس ماں پر جسنے ایسا سپوت جنا۔ ماں اور بیٹے دونوں کو احسان جتلانے کا سبب سولہویں رکوع کے شروع میں ظاہر ہوتا ہے جہاں پندرہویں رکوع کے بعد انبیائے جہاں کے بھرے مجمع میں فرمایا ہے کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تم نے فی الحقیقت لوگوں کو کہا تھا کہ خدا کو چھوڑکر مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو؟ حالانکہ میں نے ہی تم کو بنی اسرائیل کا سردار بنایا تھا اور تمہاری ماں کو ایسا کارکن بیٹا دیا تھا اکثر شارحین نے کلام خدا کے ربط کو نظر انداز کرکے آیہ (۵: ۱۱۰) میں وَالِدَتِكَ کے بعد کی عبارت کو متذکرہ صدر ٹکڑے سے ملاکر اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وغیرہ وغیرہ کو نعمت قرار دیا ہے یہ واقعات یعنی تائید روح القدس اور کلام فی المہد وغیرہ خواہ ان کا مفہوم کچھ ہی ہو حضرت عیسیٰ پر بطور

راستے پر لے چل، ان لوگوں کے رستے پر جن کو تُو نے اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۱) احسان سے عائد ہو سکے مگر حضرت مریم پر ان کا جتانا کچھ بے معنی سا ہے۔ یہ آیت اس امر کی بہترین مثال ہے کہ قرآن حکیم کے اوقاف اور نشانات رکوع جو علمائے سلف نے حجاج ابن یوسف کے زمانے میں لگائے تھے کس عزم و احتیاط سے لگائے اور انکو کلام الٰہی کے صحیح مطالب پر کتنا عبور تھا۔ اس بنا پر بالغالب گمان بلکہ یقین یہی ہے کہ آیہ (۵: ۱۱) میں بھی نعمت سے مراد حضرت کی وہ حیرت انگیز روح عمل تھی جسے انکو مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ (۴۳ ۵۹) بنا دیا تھا، اور نوعیت احسان حضرت مریم پر یہی ہے کہ ایسے جلیل انسان ہی کی ماں تھیں۔ چنانچہ اسی امتیاز کی بنا پر سورۂ آل عمران میں ولادت مسیحؑ کی بشارت دینے سے پہلے ملائک کا خطاب مریم علیہا السلام سے ہے إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ۝ (۳ ۴۲) یعنی اے مریم! اس شک نہیں کہ خدا نے تمہیں منتخب کر لیا ہے تم کو آلائش گناہ سے پاک صاف کر دیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ دنیا جہاں کی عورتوں سے تمہیں اس منصب یعنی آدمؑ ہی کے ملنے کے لئے پسند فرما لیا ہے۔ قرآن حکیم کے مطالب میں مزید غور و خوض کرنے والے شاید اس نتیجے پر بھی پہنچ سکیں کہ یہ انتخاب محض بے سبب یا علی الحساب نہ ہوا تھا بلکہ خود مریم علیہا السلام کی بے لوث اور پاکیزہ زندگی، اُن کا عملی ایمان، اُن کی صدیقیت اور حکم برداری اس انعام و اکرام کا باعث ہوئی تھی جیسا کہ سورۂ تحریم کے اخیر میں بہت تمثال سے وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا کے الفاظ میں زوجۂ فرعون (آسیہ) اور مریم علیہا السلام کی زندگیوں کو ایمان والوں کے لیے بطور نمونہ پیش کر کے مؤخر الذکر کے حق میں فرمایا ہے، وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ۝ (۶۶ ۱۲) یعنی اے ایمان والو! مریم علیہا السلام کی پاکیزہ زندگی تمہارے لئے نمونہ عمل اس وجہ سے ہے کہ یہ نیک اور باعمل خاتون ہمیشہ احکام خدا کی بذریعہ عمل تصدیق کرتی رہی، اور اسکی بھیجی ہوئی کتابوں کو قانون حیات سمجھ کر اس پر حتی الوسع عمل پیرا رہی، اور وہ فی الحقیقت خدا کے فرماں بردار بندوں میں سے ایک بندی تھی" یہی توفیق عمل صحیح معنوں میں وہ نعمت عظمٰے ہے جس کی بنا پر سورۂ مومنونؑ میں عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ دونوں کو "خدا کی نشانی" کہا گیا ہے، وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً (۲۳ ۵۰) یعنی ہم نے ابن مریم اور اسکی ماں کو اُن کی بے نظیر عملی زندگی کی وجہ سے خدا کی قدرت کی ایک نشانی اور نمونہ بنا دیا تھا" اور اسی نعمت کا ذکر آیہ (۵ ۱۱۰) میں ہے جس کی تشریح میں یہ سب ضمنی آیتیں پیش کی گئی ہیں

اِن تمام حیرت انگیز شہادتوں سے جو مندرجہ صدر عنوانات (الف ۔ س) میں پیش ہوئیں بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ نعمت کا الٰہی مفہوم تمام تر اور بہر کیف دنیاوی ہی ہے، کہیں اِس سے مراد وہ اجتماعی تمکن اور راحت ہے جو سیرِ حقیقی اقوام عالم کو ان کے حسن عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہے (الف) (۸ ۵۳)، (۳۵: ۵۴)، (ی) (۱۴: ۶)، (۵ ۲۰)، (۲: ۲۱۱)، (۴۷ ۲)، (۲۲ ۲)، (۲ ۴۰)، (۴۴، ۲۷) (ھ) (۵ ۱۰۵)، (۳: ۱۰۳)، (۳ ۱۷)، (۸ ۲)، (۵ ۳)، (۲: ۲۳۱)، (۵ ۷)، (۱۲ ۱۵)، (۲۹ ۶۷)، کہیں اِس سے مقصود انفرادی گرد و پیش کے انعام و اکرام ہیں (الف) (۱۶۸ ۴۹)، (۴۶ ۱۵)، (۱۲: ۶)، (ب) (۳۹ ۴۹)، (۴۱: ۵۱)، (۱۷ ۸۳)، (۳۹: ۸)، (۱۶: ۵۳)، (۱۱ ۹)، (ھ) (۲، ۶۸)، (۳، ۹۳: ۱۱)، (و) (۳۳ ۳۷)، کہیں میش نظر بنی نوع انسان کے عام عطیات کو یاد دلانا ہے (الف) (۱۴ ۳۴)۔ (ح) (۱۶: ۸۳)، (۱۶: ۷۱)، (۱۶ ۷۲)، (۳۵: ۳)، (۳۱ ۲۰)، کہیں نعمت سے مراد اجتماعی بہتری کے لیے تائید خدا ہے (ھ) (۳۳ ۹) کہیں وہ حفظِ نفس کے مرادف ہے (ھ) (۵ ۱۱)، کہیں یہ خانگی مصالحت معاشرتی امن، یا بدنی طہارت ہے (ھ) (۵: ۶)، (۲: ۲۳۱) کہیں اسکا مطمح نظر علم ہے، (الف) (۲ ۱۱۳) کہیں وہ توفیق عمل ہے جس کا نتیجہ دنیاوی اصلاح اور اجتماعی امن ہے (و) (۵: ۲۲)، (۴، ۶۹) (۱۹: ۵۶ - ۵۸)، (س) (۴۳: ۵۹)، (۵ ۱۱۰) وغیرہ وغیرہ۔ پس سورۂ فاتحہ کے صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں بھی اسی دنیاوی اور اجتماعی انعاموں کی طرف اشارہ ہے، ذہنی یا خیالی، روحانی یا اُخروی انعاموں کی طرف ہرگز نہیں وہی قوم صراط مستقیم پر صحیح معنوں میں چل رہی ہے جو اُس منعم بے مثال کے اجتماعی انعاموں کی طرف لپک رہی ہے، جو اس غرض و غایت کو پیش نظر رکھ کر اپنے افراد میں سعی عمل

عہ یہ الفاظ آیہ (۶۶ ۱۱) میں آسیہ میں،

اُن کی راہ نہ دکھا جو تیرے غیظ و غضب کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور نہ اُنکی جو تیرے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۲) پیدا کر رہی ہے جو محافظ نفس ہے، زور آور اور تنومند ہے، فاتح اور غالب ہو۔ ایسی ہی اُمت کے لیے اُخروی انعام بھی وقف ہیں، اور یہی وہ قوم ہے جسکی روحانیت اور تقویٰ، جسکا اخلاقی تفضل اور عملی تعہد اسکو رضائے خدا کے مال سے سوا مار کہ اور تلوار سے سوا تیر راہ پر لیجا رہا ہے۔ البکل اصل کتاب میں بعینہ اسی نتیجے پر ایک اور طریقے سے پونہچنے کی سعی کیجائے گی۔

"المغضوب علیہم" کے صحیح مفہوم کے متعلق بھی قرآن حکیم میں کئی جگہ شہادت موجود ہے۔ یہودیوں کی اجتماعی شکست و ریخت اور اُنکے سیاسی انحطاط کے ذکر میں دو جگہ ہے وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ (۲: ۶۱)، وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (۳: ۱۱۱)، یعنی "اُنپر ذلت اور غربت لیس دی گئی، اور وہ خدائے قاہر کے غضب میں آگئے"۔ سورۂ اعراف میں ہے إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (۷: ۱۵۲)، یعنی "جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ہے اُن پر عنقریب غضب خدا نازل ہونے والا ہے اور اس دنیا میں ذلت اُنکے دامنگیر ہوگی"۔ اور بھی جہاں جہاں غضب اللہ کے الفاظ آئے ہیں اُن سے مراد اجتماعی انحطاط یا ہلاکت ہی ہے، اس شہادت کو یہاں جمع کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مابہ النزاع محض اسقدر ہے کہ "المغضوب علیہم" سے مراد صرف یہود ہی نہیں بلکہ جس قوم کا سیاسی اور اجتماعی اقتدار زائل ہو رہا ہے، جو قوم ہلاکت کے قریب پونہچ رہی ہے اُسپر غضب خدا نازل ہو رہا ہے، اسمیں کسی ایک قوم کی تخصیص نہیں اس امر کا ثبوت سورۂ طٰہٰ کے اندر مفصلہ ذیل آیات میں ہے جنکے محاکے کی تعمیم اظہر من الشمس ہے:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ (۲۰: ۸۰-۸۲)

(پھر لوگو! خروج مصر کے واقعۂ عظمیٰ کے بعد ہم نے صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے بنی اسرائیل پر یہ امر واضح کر دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل! ہم نے اب تم جیسی جمہور دہ اور غلامی میں پلی ہوئی قوم کو ظالم کاروتس کی مصر والی گرفت سے نجات دیدی ہے اور مقدس اور بابرکت کوہ طور (کوہ سینا) کے دامن میں تم کو جمع کرکے تم سے احکام خدا کی تعمیل، اور بشرط تعمیل تمہاری اجتماعی بہبودی کے سامان مہیا کرنے کا باہمی معاہدہ بھی کر لیا ہے (وٰعدنٰکم)، اور یہی نہیں بلکہ اس معاہدے کی پہلی جز کے بعد عین حادثہ کی پرفضا وادیوں میں تم کو آباد کرکے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۹۷) تم پر شیریں مرغ حلوۂ (السلویٰ) اور شیریوں کے سکار کا مائدہ مہمانی کے طور پر نازل کر دیا ہے تاکہ تم اطمینان سے اس معاہدے کی تکمیل کر سکو، تو اب تم بیکری سے جو عمدہ روزی ہم نے مہیا کر دی ہے کھاؤ پیو، لیکن پس ہمارے عہد کے بارے میں جو ہم نے تم سے کیا ہے سرمو تجاوز نہ کرو (لا تطغوا فیہ) اگر ایسا کروگے تو پھر ہمارا غضب نازل ہوگا، اور جس قوم پر ہمارا غضب نازل ہوا تو جانے رہو کہ وہ قوم ہلاک ہو گئی (ھوٰی) اور یہ بھی سمجھے رہو کہ جو قوم میرے قانون کی طرف لوٹ آئی (تاب) اسنے ایمان کی اعلیٰ قوتیں اپنے اندر قائم رکھیں (وَآمَنَ) اور جسنے مناسب اعمال بھی کیے (وَعَمِلَ صَالِحًا)، اور بعد ازیں اس راہ راست پر قائم بھی رہی تو میں اس قوم کے حق میں بڑا پردہ پوش ہوں (لَغَفَّارٌ)۔

من یہاں پر اجتماعی موصول ہے جسکی شرح و بسط صفحہ ۸۶ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ "وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ جو قوم ہلاک ہو رہی ہے اُسپر غضب خدا نازل ہو رہا ہے۔ یہ ایک عام اور مطلق محاکمہ قرآن حکیم کا ہے جسمیں بنی اسرائیل کی کچھ تخصیص نہیں۔ پس اس مقام نظر سے بھی "غیر المغضوب علیہم" کے الفاظ میں اس امر کی استدعا ہے کہ اسلامی اُمت اس راہ پر چلے جسپر چلکر اجتماعی ہلاکت کا سامنا ہو گویا یہ قوم کی دنیاوی حالت کا بگڑنا ہی صراط مستقیم سے ہٹ جانیکے مترادف ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر "الضالین" کے مطالب بھی بالکل صاف ہو جاتے ہیں اور اس امر کے ثبوت کی مزید حاجت نہیں رہتی کہ اجتماعی انحطاط کا واقع ہو جانا ہی صحیح معنوں میں ضلال ہے۔ ضلال کے ان معانی کی حتمی تائید وہ آیات الٰہی (۲۲: ۴۳)، (۱۲: ۱۹۳) سے ہوتی ہے جو علی الترتیب صفحہ ۲۳ اور ۱۹۲ پر آچکی ہیں اور جنکے متعلقہ حاشیوں سے ظاہر ہے کہ کسی قوم کا اجتماعی طور پر "تمکن فی الارض" اور "غلبہ" تبت نہ ہونا اور اُمت واحدہ نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے ان معانی کے علاوہ ایک معنی فقدان علم ہے جسکا ذکر مقدمہ کتاب صفحہ ۸۰، ۹۳، ۹۵ کے حاشیوں میں ہو چکا ہے۔

بتائے ہوئے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

"صراطِ مستقیم"

یہ تھا سچا فلسفہ اُس **نماز** کا جسکے اہم ترحصّے کو خود خدائے جل وعلیٰ نے مومنوں کی ہدایت اور آئندہ نسلوں کی رہنمائی اور طمینان مزید کے لیئے، بطور وحی نازل کرکے قرآن کے ورقِ اوّل پر لکھدیا تھا۔ یہی وہ واحد، فراخور سعی، اور درخورِ طلب نصب العین تھا جو اسلام کی دنیاوی اور اخروی بہتری کے اُس بہترین مجوّز نے، دن میں پانچوقت مسلمانوں کے پیش نظر کردیا تھا! اس صراطِ مستقیم کی دعا میں ربّ العالمین کے حضور میں نعمت کے **جلد تر** عطا ہونے کی درخواست تھی؛ اسمیں اُس اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا صبر گسل اشتیاق شعلہ زن تھا، اسمیں درنگ کی بے صبرانہ تڑپ، اور تعویق والتوا کا بسلسلہ اضطراب تھا:

وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَفَضْلٍ وَّیَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ٥ (۴ - ۱۷۶)

سو جن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا، اور سم کر اسکے قانون کی تعمیل کرتے رہے، اُنھیں عنقریب اپنی مہربانیوں اور بخششوں سے مالامال کردے گا۔ اور اُنھیں دنیاوی مرفہ الحالی کیطرف مختصر سے مختصر اور قریب سے قریب راستے سے لے آئیگا۔

اسمیں اوّلین فرصت پر، اور سہل تر طریقے سے، اِس معاملے کو طے کرنے کی خواہش کیگئی تھی؛ اسمیں گنجایش صبر اور تابِ مہلت کا انکار تھا؛ اسمیں ناقابلیت اور سوءِ تدبیر، نادور بینی اور غلط طریقِ عمل کی مشکلات سے

---

* اس آیہ کریمہ میں الفاظ یَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا اِس امر کی شہادت ہیں کہ صراطِ مستقیم کا اصلی مفہوم مختصر سے مختصر اور قریب سے قریب راستہ بھی ہے۔ دو مقامات کے درمیان سب سے مختصر راستہ خطِ مستقیم ہے، اور ایک سِرے کو دوسری سِرے کی طرف سیدھے رہتے سے لیجانے میں اختصار اور سرعتِ نقل و حرکت دونوں مدنظر ہوتی ہیں، بیشمار راستے اختیار کرنے میں لامحالہ طوالت اور دیری دونوں کا خوف لاحق ہے؛ پس اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ٥ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (۱ - ۵-۶) کی دعا میں اصل اس نعمت تک نہایت سرعت اور مختصر سے مختصر راستے سے پہنچنے کی دعا بھی ہے اور اسمیں اس نعمت کے جلد تر حاصل ہونے کا اضطراب مضمر ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے دلوں کی یہی وہ اضطراری کیفیت تھی جو نماز کے وقت منعمِ حقیقی تعالیٰ کے حضور میں اُنکو خشوع و خضوع کرنے، ملکہ بار بار اٹھنے اور جھکنے پر مدام مجبور کردیتی تھی۔ آج یہی اضطرا

نجات مانگی گئی تھی، اسمیں عام انسانی لغزشوں، اور سہو و خطا کی طویل اور دشوار گذار راہوں سے پناہ طلب کیگئی تھی۔ یہ ہر اسلامی معاملے میں حُسنِ عمل کی استدعا، اور عطائے سہولت کی عرضداشت تھی، نہیں یہ ہر متنفس کی طرف سے سطحِ زمین کی تمام اسلامی جماعت کے حق میں توفیقِ عمل کی گذارش تھی؛ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ؁ ریگستان عرب کے ہزاروں بلکہ لاکھوں نفوس کی یہ جماعت صبح و شام، زوال آفتاب پر اور دن ڈھلے، رات کی خاموشیوں اور دن کی مصروف کاریوں میں، ایک مرکز کی طرف قبلہ رو ہوکر، نہایت عجز و الحاح سے یہ کہا کرتی تھی کہ اے آلہ العالمین! تو دنیا کی اس عظیم الشان کشمکش

؁ ہماری تمام امت کو نعمت کا صراط مستقیم رکھا۔ سلسلے کے لیئے دیکھو آیہ (۱:۵۔ب) نا کا صیغہ جمع کا ہے اسلیے خطاب تمام اُمت کی طرف سے ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۴) ہر عرضمند شخص اپنے دنیاوی منعم کے روبرو دست بستہ کھڑے ہوکر ظاہر کرتا ہے، وہ انعام کو جلد تر حاصل کرے اور اپنے منعم کے دل کو اقل قلیل مدت میں نرم کرنے کی غرض سے کبھی اُسکے پاؤں پڑتا ہے، کبھی اپنی پگڑی اُسکے پاؤں پر ڈال دیتا ہے، کبھی اُسکے آگے زمین پر سجدہ کرتا ہے، کبھی گڑگڑا کر اُٹھتا ہے اور پھر ہاتھ جوڑنے لگتا ہے۔ اس تمام اضطراری عمل سے مقصود منعم کے دل کو نعمت کے فوراً عطا کرنے کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اور بس۔ اور میری یقین ہے کہ نماز کے قومے اور قعدے بھی اُس منعم حقیقی کے حضور میں اسی کیفیت دل اور اضطرار کے مظاہر تھے اگرچہ آج وہ سب کیف حال ہر نمازی کے دل سے اصلاً محو ہو چکا ہے۔ فَسَنُدْخِلُهُمْ کے معنی سے بھی، جو مستقبل قریب کے لیئے بالعموم استعمال ہوتا ہے یہی انعام کا جلد تر عطا ہونا مستنبط ہوتا ہے۔ دَخَلُوا اور فَضْلٍ کے دنیاوی مفہوم کے متعلق شہادتیں صفحہ ۲۱۶ کے تحت المتن میں اور چند صفحہ ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۵۰ پر گذر چکی ہیں، باقی شہادت کو خوف طوالت کے باعث نظر انداز کر دیا ہے

يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا میں اِلَيْهِ کی ضمیر کو بعض بوجہ سہو اور سطحیت اصحاب نے خدا کی طرف پھیر لیا ہے اور اس جملے کا مطلب یوں لیا گیا ہے کہ ایمان والوں کو خدا اپنی طرف کا سیدھا رستہ دکھاویگا" ادنیٰ تامل بھی ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی طرف کا سیدھا رستہ' وہ ناقابل درک شے ہے کہ اسکے صحیح مفہوم کے متعلق ایک برس بحث کرنیکے بعد بھی کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ ہم نے اِلَيْهِ کی ضمیر کا مرجع فَضْلٍ ظاہر کیا ہے، یہی اردو قواعد صحیح تر مرجع ہے، اور اسی سے مطالب بالکل مربوط ہو جاتے ہیں۔

✝ یہاں پر نَا کی ضمیر اس امر کی شہادت ہے کہ صراط مستقیم کی درخواست تمام جماعت کی طرف سے ہے انفرادی نہیں۔ اور اس لیئے صراط مستقیم بھی لامحالہ وہ اجتماعی طریق عمل ہے جس پر چلکر جماعت کے دنیاوی انعام حاصل ہوتے ہیں جیساکہ آگے چلکر ثابت ہوگا۔ اسلامی نماز کی تمام قراءت میں جو بات غور طلب اور دلچسپ ہے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں (جسکو بیشتر امام اُمت کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے باآواز بلند پڑھتا ہے درآنحالیکہ مقتدی خاموش کھڑے رہتے ہیں) متکلم اور غائب کی سب ضمیریں جمع کی ہیں باقی تمام حصص جو مقتدی دبی آواز میں بطور خود ادا کرتے ہیں سب کے سب انفرادی ہیں، اُن میں سب متکلم ضمیریں اور صیغے (ماسوا التحیات کے) واحد ہیں گویا اجتماعی حصوں کو بیشتر امام کی زبان سے باآواز بلند کہنے اور انفرادی حصوں کو فرداً فرداً دبی آواز میں ادا کرنے کا سبب انکا اجتماعی اور انفرادی ہونا ہی ہے۔ اس مقام پر نظر سے ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی درخواست اصلاً نے معنی ہے اور نماز کو اسلامی جماعت سے الگ ہوکر، یا خانہ نشین بنکر ادا کرنے سے اسکی اصلی غرض و غایت ایک بہت بڑی حد تک مفقود ہو جاتی ہے۔

؁ التحیات پر السلام علینا کی ناکی ضمیر لیکن ظاہر ہیکہ یہ صرف ایک ورد کا سا آمیز انفرادی حصوں میں سلام ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

میں جہاں ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہے، جہاں معاملات کی عظمت و اہمیت کے باعث کم علم اور کوتاہ بین انسان کے لیئے اکثر اوقات حق و باطل میں تمیز، اور صحیح و غلط میں فرق کرنا محال ہو جاتا ہے" تو دنیا کے اس وسیع مجادلے میں اسلام کی جماعت کو حصول قوت کے سیدھے اور آسان طریقے بتا دے" تو اُن میں حُسنِ تدبیر اور اصلاح عمل کی اہلیت پیدا کرے، تو اُن میں اعتصام خدا اور تسلیم، اتقا اور اتحاد کے جذبات موجزن کر دے! وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝† يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (٣: ١٠١-١٠٣)[1] تو اُن میں صبر کی توفیق اور توکل کی ہمت

---

[1] اور جو لوگ اللہ کے دامن کو مضبوط پکڑے رہے، (اُسکے قانون کی ہدایت سے تعمیل کر کے اسی کا آسرا ڈھونڈتے رہے) وہ تو صراط مستقیم پر لگ گئے۔ اے ایمان والو! تمہارے لیئے راہ راست یہی ہے کہ مقام جلالت سے ہر وقت ڈرتے رہا کرو اور ایسا ڈر جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اور اُسکے احکام کے آگے مرتے دم تک سر تسلیم خم رکھو۔ اور سب ایک دوسرے سے گُتھ کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور دیکھنا آپس میں تفریق ہرگز پیدا نہ ہونے دینا۔

---

† یہاں سے صراط مستقیم کی قرآنی تعریف شروع ہے۔ بعد کی آیات اس عنوان کے تحت میں پیش کی گئی ہیں۔ سب کی سب الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے مفہوم کی کسی ایک شق کی توضیح کر رہی ہیں۔ یہاں یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ ماسوا **ایک** مقام کے جس کا ذکر آگے چل کر کر دیا ہے، قرآن حکیم کے تمام طول و عرض میں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے الفاظ سورہ فاتحہ سے قطع نظر، اور کہیں نہیں آئے۔ سب موقعوں پر صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ بالعموم موجود ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ان آیات میں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے الٰہی مفہوم کی صرف **ایک** شق بیان کر دی ہے، تمام و کمال مفہوم کا ادا کرنا اُس جا مقصود نہ تھا۔ صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کی تین شقیں یعنی (١) **علم فطرت** کا حاصل کرنا صفحہ ٣٠ تحت الشمس آیہ (٢٢: ٤٦) میں (٢) **حفظ نفس** پر کاربند ہونا صفحہ ١٧٦۔ آیہ (٥: ١٦) میں اور (٣) **اتحاد امت** صفحہ ١٨٨۔ آیہ (٢: ٢١٣) میں بیان ہو چکی ہیں دیکھو تحت الشمس صفحہ ١٩۔

آیت زیر بحث (یعنی ٣: ١٠١) کے موضوع کی مماثلت صفحہ ٢٢٤ کی آیت (٤: ١٧٥) سے واضح ہے "اعتصام باللہ" اور "صراط مستقیم" کے الفاظ دونوں جگہ استعمال ہوئے ہیں اور مضمون بھی قریب قریب واحد ہے۔ آیہ (٣: ١٠٣) سے نئے رکوع کے شروع ہونے کے باعث اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ لَا تَفَرَّقُوا یعنی اتحاد کے مضمون کو جو (آیہ ٢: ٢١٣) میں آیا ہے صراط مستقیم کا ایک شقی مفہوم سمجھنا دور از کار تاویل ہے، مگر ادنیٰ تامل بھی اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ یہ محاکمہ درست نہیں۔ اولاً قرآن حکیم میں نئے رکوع کا شروع ہونا اس امر کی حتمی دلیل نہیں کہ بعد کے رکوع کا پہلے رکوع سے تعلق نہیں، برخلاف اس کے کلام الٰہی کے ربط کو سمجھنے والے اشخاص خوب جانتے ہیں کہ قرآنی رکوع بسا اوقات ایک سلسلۂ استدلال کی کئی منازل کے مابین بطور وقفے کے ہوا کرتے ہیں، انکے واقع ہونے سے اُس موضوع کا انقطاع مراد نہیں ہوتا۔ اکثر موقعوں پر کئی رکوعوں میں ایک ہی تواتر بیان اور مسلسل خیال چلا جاتا ہے اور بعد کا رکوع پہلے رکوع کے دعاوی کا مؤید ہو کر اُس بیان کی توکید مزید یا تشریح کرتا ہے۔ بعینہ یہی بات اِن دو رکوعوں میں ہے جو زیر بحث آیات کے متعلق ہیں جیسا کہ کسی آیندہ موقع پر تمام سورۃ کا مربوط ترجمہ کرتے وقت عیاں ہو جائیگا۔ ثانیاً آیہ (٣: ١٠٢) میں فَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا کے الفاظ اور آیہ (٣: ١٠١) میں يَعْتَصِم بِاللَّهِ کو صراط مستقیم کی ایک شق قرار دینا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ بعد کے رکوع میں صراط مستقیم کے مفہوم کی مزید توضیح ہی لَا تَفَرَّقُوا کے الفاظ میں کی گئی ہے اور مضمون برابر ایک ہی چلا آرہا ہے گویا متفقہ طور پر اعتصام بحبل اللہ کرنا، اور فرقہ بندی نہ بنانا، صرف ایمان (آمَنُوا)، اور اتقا (اتَّقُوا اللَّهَ)، اور اسلام (وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ) ہی کی ایک اہم شق ہے بلکہ صراط مستقیم کا ایک شعبہ بھی ہے۔

عطا فرما! وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (۱۴ ۱۲)؂ تو اُن میں قانونِ خدا کا صحیح علم و عمل، اور ایمان کی اٹل طاقتیں قائم رکھ! وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۲ ۵۴)، مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۲ ۵۲)؂ تو ان میں ایثارِ مال کے محبت انگیز ولولے اور ایثارِ جان کا نتیجہ خیز ہیجان پیدا کر! اَمْ تَسْـَٔــلُهُمْ خَرْجًا فَخَــرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ڰ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۳ ۷۲-۷۳)؂ تو ان کو تفریق کے ہولناک نتائج اور تشتت و انتشار کی

---

۵۱ اور قاصدانِ خدا نے قوم موسیٰ سے کہا کہ ہم کیوں نہ اپنا تمام معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں اور ڈٹ کر قانونِ خدا کی تبلیغ و اشاعت کریں، حالانکہ اسنے ہمارا طریق عمل ہم کو بتلا دیا ہے اور ہم کیوں نہ استقلال سے اس دُکھ کو برداشت کریں جو تم نے ہم کو دیا، اور توکل کرنے والوں کو تو یہی چاہیئے کہ اللہ پر توکل کریں۔

۵۲ اور خدا لامحالہ ان لوگوں کو جو اسکے [illegible] ہوئے، ایمان لے آئے اور جنہوں نے اسکی تصدیق میں فرمودہ خدا اعمال کیئے، صراطِ مستقیم کی سمت لیجائیگا۔

۵۳ اے پیغمبر! تم اس سے پہلے کیا جانتے تھے کہ کتابِ خدا کیا چیز ہے، اور کیا سمجھتے تھے کہ ایمان کسے کہتے ہیں مگر ہم نے اس ایمان کو تمہارے اندر نور کر دیا ہے جس سے تمام اصلیت تم پر کھل چکی ہے اپنے بندوں میں جنکو ہم مناسب سمجھتے ہیں اس نور کے ذریعے سے رستہ دکھاتے ہیں! اور تم تو لامحالہ لوگوں کو صراطِ مستقیم پر ہی چلا رہے ہو۔

۵۴ اے محمدؐ! کیا تم اِن نابکار اور ناانجام شناس لوگوں (یعنی سابق اہل عرب) سے خرچ مانگ رہے ہو، کیا تم اُمت کی بہتری کے لیے انکو ایثارِ مال کے واسطے کہہ رہے ہو، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، خدا کا بھیجا ہوا مال جو سچے مسلمانوں کی وساطت سے تم کو ملا ہے تمہاری اُمت کے حق میں بہتر ہے کیونکہ وہ درد مند لوگوں نے دیا ہے، اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے اور تم تو لامحالہ اِن لوگوں کو صراطِ مستقیم پر ہی بلا رہے ہو۔

---

† صَبْر کے صحیح مطالب صفحہ ۲۹، ۳۰، [illegible] کے حاشیوں میں بیان ہو چکے ہیں! علیٰ ہذا القیاس توکل کے معنے کے لیے صفحہ ۸۰ کا تحت المتن دیکھنا چاہیئے۔ ھَدٰىنَا سُبُلَنَا سے مراد صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی ہی ہے گویا مصائب کو استقلال سے برداشت کرنا، ان کا مقابلہ کرنا، ان کے دفعیے کے لئے سعی کرنا اور بعد ازآں نتائج کے بارے میں خدا کے فیصلوں پر بہرحال اعتماد کرنا اسلامی صراطِ مستقیم کی ایک شق ہے۔

‡ ایمان کی کڑی شرطوں اور اسکے قوت افزا اعمال کے متعلق مفصل بحث ابھی ابھی ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں پر اٰمَنُوْا سے مراد صرف اٰمَنَّا بِاللّٰہِ کہنا نہیں بلکہ ایک جانگداز اور روح فرسا اعمال کا کرنا ہے جسکا نتیجہ غلبۂ قوم ہے اور ایسی اعمال کو شعار بنانا ہی صراطِ مستقیم کی طرف جانا ہے

۞ الکتٰب کے مفہوم کے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۱۱ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے یہاں مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ الکتٰب سے مراد قانونِ خدا ہی ہے اور یہ لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے کوئی خاص کتابِ الٰہی مراد نہیں۔ تُو نہیں جانتا تھا کہ قرآن کیا ہے اُس وقت کہنا جب کہ قرآن آنحضرتؐ پر نازل بھی نہیں ہوا تھا بے معنی ہے۔ ایمان سے مراد یہاں پر بھی وہ تخیّف قلب ہے جسکا نتیجہ خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی ہے منہ سے کچھ کہکر چپ ہو رہنا مراد نہیں۔ اس مقام پر صاف نظر سے ایمان کو جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کہا گیا ہے اور بالآخر اسکو صراطِ مستقیم کی ایک شق گردانا گیا ہے بہت ممکن ہے کہ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کی ضمیر ہُ کا مرجع صرف ایمان نہ ہو، بلکہ الکتٰب بھی ہو کیونکہ کتابِ خدا کو نور سے تشبیہ پہلے بھی دی جا چکی ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۴۶ آیہ (۵ ۱۵)۔

لاعلاج شکست وریخت سے بچا! وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ[1] ۝ (۲ ۲۱۳)؛ تو اُن میں اپنی سچی ملازمت اور لاشریک عبادت کے ولولے پیدا کردے! أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ[2] ۝ (۳۶ ۶۰)؛ تو اسلامی اُمت کے لیے ایک منسکِ عمل، ایک طریق ملازمت، اور ایک انداز عبادت مقرر کرچکنے کے بعد اُنکو اصل قانون (اتحاد) کے متعلق سب تنازعات سے باز رکھ! لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ† ۚ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ[3] ۝ (۲۲ ۶۷)؛ تو اُن کو صورتاً اور معناً ایک مرکز پر جمع کرکے اُنکی جماعت کو قوت کا لازوال مصدر، تمرکز کا بے مثال پیکر، اور شہادت خدا کا بے عدیل نمونہ بنا دے! لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ

---

[1] اور کتاب خدا کے متعلق تو انہی لوگوں نے آپس میں صریح احکام آئے پیچھے، اختلاف قائم کر لیا جن کو وہ دی گئی تھی، اور اس اختلاف کی وجہ اُن کی آپس میں ضد ہی تھی پھر جس کار رہ راہ حق، جسکے بارے میں لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہو گیا تھا، اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان ایمان والوں (یعنی قرون اولیٰ کے مسلمانوں) کو دکھا دی، اور اللہ تو جس کو مناسب سمجھتا ہے صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے۔

[2] اے اولاد آدم! کیا ہم تمکو وقتاً فوقتاً تاکید نہیں کرتے رہے، اور کیا ہم نے تم سب کی جبلت سے اِس بات کا معنوی عہد نہیں لیا کہ دیکھو شیطان کی غلامی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی عبادت اور عملی خدمت میں لگے رہنا کہ یہی صراط مستقیم ہے! (عبادت کا مفہوم ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی عبادت کیلئے کوئی مخصوص شیطان کی عبادت نہیں، بلکہ مقصد عملی اطاعت ہی ہے۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۰۔ اس آیت کے مطالب کا مقابلہ آیہ (۵۱: ۵۶) صفحہ ۱۸۱ سے کرنا چاہیئے۔

[3] لوگو! ہم نے روئے زمین کی ہر اُمت کے لئے خدا کی عبودیت اور قانون خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کر دیا ہے جس پر وہ چل رہی ہے لیکن اصل قانون سب کے لئے ایک ہے (اور وہ اتحاد ہے) تو لوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعاً قائم نہ کریں پس تم سب دنیا کو اپنے پروردگار ہی کی طرف ملا کر ایک مرکز پر جمع کر دو اور اسی توحید کے ذریعے سے اتحاد عالم پیدا کرو۔ اسمیں شک نہیں کہ اُمم عالم کے مابین اس اتحاد معنوی کے قائم کرنے میں تم لامحالہ صراط مستقیم پر ہو۔ الامر کی تشریح کیلئے آیندہ تحت المتن کے علاوہ دیباچہ کتاب صفحہ ۲-۹ و ۲۲-۳۳ کے مطالب پر غور کرنا چاہیئے۔

---

† اس مشکل آیت کے صحیح مفہوم کو میں نے متذکرۂ صدر تشریح میں ظاہر کرنے کی سعی کی ہے اور مطالب کو گذشتہ اور آیندہ سیاق سورۃ سے مربوط کر دیا ہے۔ متولہ بالا مطالب کی صحت کا اندازہ شاید اُس وقت زیادہ صراحت سے ہو سکے گا جب سورۂ حج کے داخلی ربط اور مطالب کو جس میں یہ آیت واقع ہوئی ہے واضح کر دیا جائے گا اور حج کی الٰہی حکمت عملی بھی ذہن نشین ہو جائے گی۔ حج بیت الحرام کے متعلق ایک ابتدائی بحث دوسری جلد میں آنے والی ہے اور وہاں پر بھی اس آیت کے مذکورۂ بالا مطالب کی تصدیق کا موقع مل رہے گا۔ یہاں پر فی الحال لفظ 'مَنسَك' اور لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا کے صحیح مفہوم سے بحث ہے۔ مَنسَك کے معنی میں نے "نشان ملازمت" کئے ہیں، اور میری مراد اس سے وہ اجتماعی رسم و رسوم اور شرعی رواجات ہیں جن کے ذریعے سے روئے زمین کی ہر قوم بلحاظ مذہب و ملت وقتاً فوقتاً معبود سے اپنے تعبد اور تعلق کا رسمی اظہار کرتی رہتی ہے۔ بعض اُمتوں میں یہ مناسک حیوانی قربانیاں ہیں، بعض میں سالانہ اجتماع اور میلے ہیں، بعض میں کسی ظاہری نشان مثل قشقہ و زنار کا لگائے رکھنا ہے، بعض میں عجیب و غریب اور ناقابل فہم رسومات ہیں جن کی اصلی غرض و غایت مرور مدت کے باعث مسخ ہو چکی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اِن شرعی

مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲: ۱۴۲)

تو اُن کو ابراہیم کی مخلصانہ اطاعت اور ایک منعمِ کے کامل اتحادِ عمل کی طرف مائل کر قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ

سلہ ناسمجھ اور ناداں لوگ تو یہی کہیں گے کہ بھلا محمد (صلعم) کے پیروکیوں سے وہ اور اس سب اپنے پہلے قبلے سے ہٹ کر دوسرے قبلے کی طرف آگئے اور وہ کیا ہی معمولی سی بات تھی جس پر یہودیوں اور عیسائیوں سے لڑائی مول لی تا ہوں خدا کے اِن ناداں کو بھی مختصر سا جواب دے کر چپ کرادو کہ تمہیں اِس بات کی کیوں جلن ہے، خدا ہی کا مشرق اور خدا ہی کا مغرب ہے، وہ جو چاہے پسند کرے۔ لیکن وہ جس قوم کو چاہتا ہے اور جس میں اہلیت دیکھتا ہے تمرکز اور وحدت کا صراطِ مستقیم دکھا دیتا ہے۔

اس آیت ربعہ کے صحیح مطالب میں سے مذکورۂ بالا ترجمے میں ظاہر کردیے ہیں شارحین نے جو کچھ لکھا ہے۔ سوال از آسمان اور جواب از ریسمان کا مصداق ہے۔ سفہاء اور ناداں کا اعتراض ہے کہ قبلہ بیت المقدس سے مکۂ معظمہ کی طرف کیوں بدل دیا گیا؟ کوئی نے قوموں کا سا جواب دیا ہے کہ مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی اللہ کا۔ اُسے جو چاہا پسند کرلیا۔ عاقلوں اور سوچ والوں کے لائق جواب ہے کہ اسلام کو ایک مرکز چاہئے تھا سو جس قوم میں خدا اہلیت دیکھتا ہے اُسکو ایک مرکز پر لانے کا صراطِ مستقیم دکھا دیتا ہے۔ اگر بیت المقدس بدستور قبلہ رہتا تو یہ تمرکز ممکن نہ تھا۔ عیسائی الگ تھلگ رہ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بناتے، یہود جدا ستور مچاتے، اور وہ سچا اتحاد جو پیش نظر تھا قائم نہ ہوسکتا۔ پس بہتر یہی تھا کہ الگ مرکز بنایا جائے جس پر یہود و نصاریٰ نہ ملکہ تمام عالم مجتمع ہوسکے اور ہو جائے۔ جمع جواب میں اِس اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ کردیا کہ خدا کا مشرق مغرب کی کچھ تخصیص نہیں، سب اُسی کے ہیں۔ اسلئے بیت المقدس مقصود بالذات تھا نہ اب مکہ ہے جو مقصود ہے وہ تمرکز اور اتحاد ہے گویا مسلمانوں کو متنبہ کردیا ہے کہ اصل قانون کی طرف رجوع کریں جیسا کہ میں نے ھَدٰىنِيْ کے تحت المتن کے آخر (صفحہ ۲۳۳) میں واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ تحت المتن چنانچہ اِس صفحے پر بھی جاری ہے اور اس آیت کے مطالب پر غور اُس تمام تحریر کو پڑھ کر کرنا چاہیئے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۸) علامات کی پابندی کسی قوم کے اُسکے اپنے معبود سے لگاؤ کا صرف ایک **ظاہری نشان** ہے، معبود کے **احکام کی تعمیل پر آمادگی** یا اُسکے بتائے ہوئے **قانون کی پابندی** اُس سے لازم نہیں آتی۔ بہت ممکن بلکہ اغلب ہے کہ ایک شخص اِن رسومات کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں **ملازم** خدا بنا رہے۔ مگر ہر رسمی بنا رہنے والا **غلامی** (یعنی عبادت) کا دعوےٰ اُس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک کہ اصل **قانون** اور احکام کی تعمیل بھی کما حقہ نہ ہوتی رہے۔ اِس مقام نظر سے کسی مذہب کے اُس کے اپنے معبود سے اظہار تعلق کی اِن ظاہری علامات کو **'عبادات'** **کہنا قطعاً نادرست** ہے کیونکہ عبادت' آقا کے حکموں پر پیہم عمل اور اُس کی خاطر **مسلسل** تکلیف برداری ہی ہے۔ اور اِن رسوم کو تسدید وقت پورا کرلینا صحیح معنوں میں **عمل** نہیں گو کہ اِن کی پابندی بھی معبود کے احکام میں داخل ہو۔ قرآن حکیم نے اسی نقطہ نظر سے اِس قطع کے وقتی اور رسمی اعمال کو **'مَنٰسِک'** کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور **'عبادت'** کا لفظ کسی شخص کے باطنی تعبد اور اُس کی قلبی اطاعت کے ساتھ مخصوص کردیا ہے۔ چنانچہ اسی موضوع پر ایک مستقل بحث عبادت کے تحت المتن صفحہ ۵ الخ میں گذر چکی ہے۔ اسلام میں صلوٰۃ اور حج، صوم اور زکوٰۃ کے افعال، نیز شرعی مجالس، فقہی مراسم اور اجتماعی تہوار جو ظہور اسلام کے بعد اُمت میں رواج پا گئے ہیں، اور جن کے باعث مسلمان باقی نامسلمان اُمتوں سے ممتاز نظر آتے ہیں، سب کے سب 'مناسک' میں داخل ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ نماز اور حج کے ادا کرنے، ناداروں بھوکوں کا پیٹ بھرنے اور مقررہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے ہر متنفس میں کچھ نہ کچھ اطاعت کا مادہ موجود ہونا ضروری ہے مگر پیشتر نمازگذار، صائم یا حاجی وغیرہ بن جانے سے **'عبد'** کا درجہ لازماً حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ **اطاعت کا کیف اِن مناسک کے ادا کرنے کے بعد بھی ہر وقت موجود نہ رہے**، اور تمام احکامِ قرآن کی حسب موقع تعمیل نہ ہوتی رہے۔ پس 'نُسُک' اور **'عبادت'** میں بحسب فی الحقیقت **کیفِ دل کا فرق** ہے اور جو مسلک قلبی اطاعت سے ادا ہو اور جاکم کا کچھ سا پیدا کردے وہ بلاشبہ عبادت کا ایک جزو ہے۔ مناسکِ اسلام کی اسی باطنی استعداد اصلاح کو مدنظر رکھ کر قرآن نے صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کو عبادات میں داخل کیا ہے، اور اصل کتاب میں بحث اُسی الصلوٰۃ پر ہو رہی ہے جو کیفیتِ دل کے ساتھ ادا ہو کر

رَبِّیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۹) صحیح معنوں میں تعبد پیدا ہو سکے۔ برے قومے اور قعدے کر لینا اگرچہ مناسک میں داخل ضرور ہے لیکن عبادت تھا نہیں۔ قرآن حکیم نے مناسک حج کے اسی سطحی اظہار تعبد کو پیش نظر رکھ کر سورۂ بقرہ میں واضح کر دیا تھا کہ ان سے اصلی مقصود اُس حاکم اعلیٰ کا کھٹکا ہی ہے، تو جس وقت وہ مناسک ادا ہو جائیں اصلی غرض و غایت کی طرف بیش از بیش رجوع ہو جاؤ فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (۲: ۲۰۰) یعنی جب تم مراسم حج ادا کر چکو تو اس احکم الحاکمین کی یاد میں اسی طرح لو لگاؤ جس طرح جوش محبت میں اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اُسکا کھٹکا لگا رہے تو اچھا ہے۔ یہاں ذکر سے مراد تسبیحیں چلانا نہیں بلکہ حضور خدائے عظیم کی دھک دل میں رکھنا ہے لوگ اپنے باپوں کو تسبیحیں چلا چلا کر یاد نہیں رکھتے بلکہ ان کا خیال کرنا ان سے دلی رسم و راہ رکھنا ہی ان کا ذکر ہے۔ اس آیت سے ذرا پہلے ہے فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ (۲: ۱۹۸) یعنی پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ) میں ٹھیر کر خدا کا کھٹکا اپنے دلوں میں پیدا کرو (فَاذْكُرُوا اللّٰهَ) اور اسکو اس شدت سے دل میں لاؤ جس طرح تمہیں بتلایا ہے۔ بعینہٖ یہی مقصود الصلوٰۃ کے مناسک ادا کرنے کے بعد پیش نظر کر دیا ہے چنانچہ سورۂ نساء میں اُس نماز کے آخر میں جو میدان جنگ میں خوف عدو کے باعث قصر کر دی جائے، ارشاد ہے کہ اسکے مناسک ادا کر لینے کے بعد وہی کیفیت دل میں پیدا کرو جو الصلوٰۃ کا منتہائے نظر ہے فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۴: ۱۰۳) یعنی پھر جب میدان جنگ میں نماز کے ارکان کو اوپر اوپری اور گھبراہٹ میں ادا کر چکو تو اسکے بعد کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے جس طرح بھی ہو سکے خدا کا کھٹکا دل میں پیدا کر لو (کہ یہی مقصود اصل نماز کا ہے)، پھر جب دشمن کی طرف سے بے خوف و خطر ہو جاؤ تو اُسی اصلی کھٹکے والی، اور یاد پیدا کرنے والی نماز (الصلوٰۃ) کو پھر قائم کرو (اور یہ جو میدان جنگ میں بھی تم کو نماز پڑھنے کے لیے کہا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ) صاحب ایمان بندوں پر یہ پنجوقتہ حاضری بقید وقت فرض ہے (یہ نہ کہ جب جی میں آیا اور قلب مطمئن ہوا پڑھ لی اور جب چاہا ملتوی کر دی)۔ اس آیہ شریفہ کے معانی نہایت غور طلب ہیں اور ان مطالب سے جو پیش کیے گئے ہیں بعض اہم نتائج مترشح ہوتے ہوتے ہیں۔ اولاً مناسک صلوٰۃ کو انتہائی خطرے کے وقت بھی ادا کرنا اسلیے ضروری ہے کہ پابندیٔ وقت کا درس جو قرآن حکیم نے الصلوٰۃ کی تہ میں رکھا تھا بھول نہ جائے تا ما الصلوٰۃ 'ایمان والوں' کے لیے 'موقوت' اسلیے بھی ہے کہ بادشاہ ارض و آسمان کے حضور میں بروقت حاضر نہ ہونا آداب شہنشہی کے برخلاف، اور اطاعت کے منافی ہے۔ ثانیاً صرف مراسم یعنی قومہ اور قعدہ کر لینے سے نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ اسکے بعد خدا کی تڑپ دل میں پیدا کرنا لابدی ہے۔ بہرنوع ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ اسلامی مناسک عبادت کے حد پر اُسی وقت پہنچ سکتے ہیں جب ان سے ذکر خدا یعنی اطاعت پیدا کرنے والی دھک صحیح معنوں میں پیدا ہو، اور یہ ذکر کا پیدا ہونا ان مناسک کی رسمی تکمیل سے کہیں بہتر ہے جیسا کہ آیہ (۲۹: ۴۵) میں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کے الفاظ سے ظاہر ہے جو صفحہ ۲۰۹ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے اگرچہ مناسک کا اپنے وقت اور موقع پر ادا کرنا بھی انسان پر ضروری ہے جیسے اور اوامر و نواہی کی تعمیل۔ اس مقام نظر سے اسلامی مناسک فی الحقیقت ایک شخص کو مطیع خدا بنانے کے اوزار یا وسائل ہی ہیں۔ بجائے خود منتہا، یا اصالتاً عمل نہیں۔ اُن کے ہوتے ہوئے یا ان کی وساطت سے تعبد پیدا ہو سکتا ہے مگر انکا اختیار کر لینا فی نفسہ عبادت نہیں! اگر ایک شخص کسی حاکم کے نشانات ملازمت میں چپراس یا تمغہ جات، یا رنگ لباس وغیرہ وغیرہ اختیار کرتا ہے، اور اسکو علانیہ پہنے پھرتا ہے تو یہ حیثیت کہ ان کی ایک رو سے اس حاکم ہی کی اطاعت کرنے کی محرک ہو سکتی ہے والا ممکن ہے کہ محض نمایش کے لیے چپراس لگاتا پھرے، لیکن فی الحقیقت مطیع نہ ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کی اُس دل شگاف اور بہرہ گداز دعا کا جو آپ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھی بعینہٖ یہی راز تھا، اور اسی لیے مٹی اور گارے کی ٹوکریاں سر پر اٹھاتے وقت پہلے بے اختیار جس جو اس اولوالعزم ہستی کے دل سے نکلی یہی مُسلم اور مطیع بننے کی تڑپ تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً

لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝[۱] (۶ ۱۶۲-۱۶۴) تو اُن میں تسلیم کی خو، اطاعتِ خدا کا ولولہ، اور اپنی دی ہوئی نعمتوں کی سچی قدر کرنے کی قوت دے! **اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً**

---

[۱] اے پیغمبر تم علی الاعلان کہدو کہ اُس خدائے عظیم نے مجھے صراطِ مستقیم دکھا دیا ہے، اور وہ وہی راہ راست (دِیْنًا قِیَمًا) ہے جو ابراہیم کا تھا اور وہ حالصتہً خدا ہی کے ہو رہے تھے، اُسی کے قانوں کی علانیہ اطاعت کیا کرتے تھے، اور اطاعت گذاری میں کسی شئے کو بھی خدا کے برابر نہ کرتے تھے (مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ)۔ اے پیغمبر تم کہدو کہ میں تو اُس ربّ زمین و آسمان کے قانوں کی عملی اطاعت کی طرف اس طرح جھک گیا ہوں کہ میرے سب اعمال، میرا ایمان میں جھکنا، میری ملازمت و اطاعت کے سب ادارے (نُسُکِیْ) میری خدمت اور بندگی کے سب ظواہر (نُسُکِیْ) میری باطنی اطاعت (صَلَاتِیْ) اور ظاہری عبودیت (نُسُکِیْ) حتیٰ کہ میرا جینا اور مرنا بھی اُسی ربّ العالمین کے اعلاء کے لئے ہے، اُسی کی حکومت کو لوگوں کے دلوں میں استوار کرنے کے واسطے ہے اور وہ وُہ حاکم اعلیٰ ہے جس کا کوئی ہم پلہ نہیں، جس کے برابر کوئی حکمراں نہیں۔ یہی حکم مجھے اُسکے ہاں سے ملا ہے۔ میں سب سے پہلے اُسکو اپنا عہدِ تسلیم کرتا ہوں (اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

---

[۲] مناسک کے تحت اُس میں جو اس صفحے پر جاری ہے میں نے آیۂ (۶ ۱۶۳) کی تشریح کر دی ہے چنانچہ یہ آیت حسن اتفاق سے اسی صفحے کے ذیل میں آگئی ہے آیۂ (۶: ۱۶۴) کے الفاظ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ سے واضح ہے کہ یہاں بھی نُسُک سے مقصود تسلیم و اطاعت ہی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خدا کو چھوڑ کر ما سوا کی محبت میں گرفتار ہونا (مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ)، اپنی تمام قلبی نیاز مندی (صَلَاتِیْ) اور ظاہری نشان ملازمت (نُسُکِیْ) اور زندگی (مَحْیَایَ) اور جان (مَمَاتِیْ) کو قانون خدا کے مطیع کر دیا اور تسلیم کیا شیوۂ عمل بالیقیں صراطِ مستقیم ہے۔

(بقیہ تحت اُس صفحہ ۲۳) لکَ **وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا** وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ (۲ ۱۲۸) یعنی اے حاکموں کے حاکم اور ہمارے پالنے والے خدا! تو اس ریگستان اور بیابانِ عرب کے اندر ہماری ناچیز کوششوں کو جو ہم اس چھوٹے سے اور بے حیثیت گھر کو تیرے جلیل القدر نام پر موسوم کرنے کے لئے کر رہے ہیں، قبول کر (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کا ترجمہ جو آیہ (۲ ۱۲۷) میں ہے)، تو ان نیک مساعی کو بارآور کر، اور اے احکم الحاکمین تو ہم کو صحیح معنوں میں اپنا حکم بردار بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمت پیدا کر جو فی الحقیقت تیرے حکموں کو ماننے والی ہو، اور ہم کو ہماری ملازمت کے نشان (مَنَاسِکَنَا) بتلا، ہماری گذشتہ واماندگیوں سے درگذر، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ تو تائب بندوں کے حق میں بڑا ہی درگذر کرنے والا مہرباں ہے"۔ اسی اطاعت کے منتہا کو مدنظر رکھکر ابراہیم علیہ السلام کے "دین قیم" اور "ملت حنیفہ" کو دوسرے موقع پر یوں واضح کیا ہے **قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝** (۶: ۱۶۳-۱۶۴) لیکن چونکہ یہ آیات عنقریب آگے چل کر اصل کتاب میں آ رہی ہیں، اسلیئے مطالعے کے لئے وہاں دیکھنا چاہیئے۔ تاہم ظاہر ہے کہ یہاں پر صلاۃ سے باطنی تعبد اور نُسُک سے اُس تعبد کے ظاہری نشان مراد لیئے ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ از روئے قرآن ہی نماز فی الحقیقت صلوٰۃ ہے جس کا نتیجہ باطنی تعبد ہے ورنہ کچھ نہیں۔ گویا مقصود یہ ہے کہ اگر میرا باطن (صَلَاتِیْ) کسی کی ملازمت کر رہا ہے تو ربّ العالمین کی، اور اگر میرا ظاہر (نُسُکِیْ) کسی کے ملازم ہو رہے ہیں تو اس خدا کے۔ اور یہی اصل دین، دین حنیف، اور صراط مستقیم ہے۔ سورہ حج میں احکام قربانی کی توجیہ بھی اسی **ذکر** خدا اور تسلیم کے اصل اصول پر کی ہے چنانچہ فرماتا ہے

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَہُمْ مِّنْ بَہِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ ۭ فَاِلٰـہُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَلَہٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُہُمْ (۲۲ ۳۴-۳۵)

اے مسلمانو! ہم قربانی جان کے اِن ظاہری مراسم کو احکام خدا میں شامل کیکر مقصد یہ ہے ہم نے اس روئے زمین کی ہر اُمت کے لئے اسی کے مخصوص اعمال کو پیش نظر رکھکر کوئی نہ کوئی نشان ملازمت قرار دے رکھا ہے اور ہمارا مقصود اس سے یہ تھا کہ وہ اس مویشی اور چارپایوں کے عوض میں جو اور بے زبان انعاموں کو جو خدا نے انہیں دے رکھے ہیں اس پیش نظر رکھکر قربانیاں کرتے وقت اُس منعم حقیقی کی شکر گذاری ادا کریں اور اسکا اعلاء کیا۔

---

[۱] چنانچہ یہ آیتیں اسی صفحے کے حاشیہ میں آگئی ہیں اور مطالب بھی اسی صفحے پر درج ہیں۔

فَاِنَّ اللہَ حَنِیْفًا ؕ وَلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۙ شَاکِرًا لِّاَنْعُمِہٖ ؕ اِجْتَبٰہُ وَھَدٰہُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ وَاٰتَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً ؕ وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (۱۶ ۱۲۰-۱۲۲) تو ان کو دشمن کے بالمقابل کامل حفظ و امن عطا فرما کر

ملا بے شک ابراہیم دنیا کے جلیل القدر رہنماؤں میں سے تھے وہ خدا کے کامل فرمانبردار بندے تھے اور حالتاً اُسی کے ہو رہے تھے اور کسی تنے کو بھی خواہ وہ اُس کتنی ہی عزیز ہو خدا کے ہم مقام نہ کرتے تھے اور ساتھ ہم خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی سچی قدر کرنے والے تھے خدا نے انہیں منتخب فرما لیا تھا اور انہیں صراطِ مستقیم چلا دیا تھا۔ اور ان تمام اعمال کے صلے میں ہی ہم نے اُن کو دنیا میں ہر طرح کی نعمتوں سے معزز فرمایا تھا اور بے شک آخرت میں بھی وہ ہمارے معزز بندوں میں سے ہوں گے۔

ﷺ یہاں فاننا للہ معنی یعنی تسلیم و اطاعت کو شعار بنا لینا اور خدا کی دی ہوئی چیزوں کا صحیح استعمال کرنا شَاکِرًا لِّاَنْعُمِہٖ دیکھو معانی شکر تحت المتن صفحہ ۱۳۸) صراطِ مستقیم ہے جو شخص یا قوم نعماء الٰہی کا مناسب استعمال کرتی ہے اسکی دنیا بھی درست ہے اسی لیئے اس پیمبر اعظم کے بارے میں کہا ہے وَاٰتَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً ؕ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۱) کرنے والا خدا اپنے دلوں میں وقتاً فوقتاً حمالا کریں (لِیَذْکُرُوا اسْمَ اللہِ)، (ملکی لوگوں نے ان بہترین بنیاد کو چیرا اور کھوکر قربانیوں کو سے بے معبودوں پر چڑھانا شروع کیا یا اسکے صلی مفہوم سے الگ ہوکر ان میں جبر رسوم کو بے انتر کر گئے) اور اے مسلمانو! گوشت پوست ہوش رکھو کہ تمہارا احکم الحاکمین وہی ایک خدا ہے، تم اُسی خدائے واحد کے تابع فرمان رہو (فَلَہٗٓ اَسْلِمُوْا)، اور اے پیمبر درگاہِ خدا میں خشوع و خضوع کرنے والی قوم کو اجتماعی بقا اور دنیوی اس کی خوشخبری دو اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو دلائی جاتی ہے تو اُنکے دل کانپ اُٹھتے ہیں اور وہ بیش از بیش احکام خدا کی تعمیل میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ مناسک کی صحیح حکمتِ عملی یہی تھی کہ اُن کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً انسان کے دل میں شارعِ زمین و آسمان کی یاد پیدا ہوتا کہ لوگ احکام خدا کی طرف بیش از بیش رجوع ہوں، اُسکی تیس اور ڈر دلمیں رکھیں، اُسکے اِس فرما احکام سے غافل ہو جائیں اسکی سزاؤں کو یاد کرکے لرز اٹھیں، اُسکے انعاموں کو خیال میں لا کر تیار عمل ہو جائیں۔ اِس سے زیادہ اُن سے فی الحقیقت کچھ مقصود نہ تھا اور جب خدائے عظیم کا دعوٰے ہے کہ ہر اُمّت کے مناسک اُس نے بذات خود مقرر کیئے تھے تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک قوم کے مناسک کو دوسری قوم کے مناسک پر کوئی وجہ فضیلت نہیں، اُنکے مابین کوئی بنیادی فرق نہیں، وہ کسی قوم کیلئے فی نفسہٖ مقصود بالذات شئے نہیں، وہ صرف تسلیم، ہیجان قلب اور ذکر پیدا کرنیکے آلے ہیں، جو شئے اُن سے بہر نوع مقصود ہے اطاعت احکام الٰہی ہے یعنی عمل ہے حکمبرداری اور تقوٰی ہے، احکم الحاکمین کا ڈر اور اتحاد ہے چنانچہ اسی سورۂ حج میں قربانیوں کے احکام کے ضمن میں صاف فرما دیا کہ لَنْ یَّنَالَ اللہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ؕ (۲۲ ۳۷) یعنی "خدا تک تو ان قربانیوں کے گوشت ہی پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون، بلکہ اگر کوئی شئے وہاں تک رسائی پاتی ہے تو وہ تمہارا تقوٰے ہے" پس جب تقوٰی کا جزو اعظم اتحاد ہے، اَلَا تَتَفَرَّقُوْا ہے، اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ ہے صَابِرُوْا اور رَابِطُوْا ہے، اُمَّۃً وَّاحِدَۃً سے رہنا ہے وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۵۱)، تو ارکانِ اُمّت کا فرض ہے کہ خدائے عظیم کے مقرر کیئے ہوئے مناسک کو اسی اتحاد قوم، اسی عبودیت، اسی حکمبرداری اور اطاعت کو پیش نہاد بنا کر بالاجماع ادا کریں، انکو فی نفسہٖ مقصود و منتہا نہ سمجھیں کیونکہ اصل قانونِ اُمّت کے افراد کے مابین اجماع و اتحاد پیدا کرنا ہے، افرادِ قوم کے دلوں میں خدا کا ڈر پیدا کرکے انکو متحد کرنا ہے، اس سے کمتر جزاً اور اصلاً کچھ نہیں۔

اس تمام بحث و تمحیص کے بعد اصل کتاب کی آیت یعنی لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ ؕ اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (۲۲ ۶۷)، کے معانی بالکل صاف ہو جاتے ہیں خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ مراسمِ عبادت جس پر دنیا جہان کی سب اُمّتیں چل رہی ہیں فی الحقیقت ہم ہی نے مقرر کیئے تھے لیکن اُن سب کے رائج کرنے کی اساسی حکمت اتحاد بین الافراد اور تقوٰی و تسلیم خدا

دنیاوی نعمتوں سے مالا مال کر! وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ

وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا[1] (۴۸ : ۲۰)[†] تو اُن کی ہیئت اجتماعی میں پیغمبرانِ جہان

---

[1] اے ایمان والو! اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر چکا ہے جنہیں تم تمام عالم کے دشمنوں کو شکست دیکر حاصل کروگے تو یہ خیبر کی غنیمت تم کو سردست دلوادی اور بڑی بات تو یہ ہے کہ دشمنوں کے دست تعدی سے تم کو بچائے رکھا۔ اور یہ سب افضال الٰہی تمہارے شامل حال اسلئے ہیں کہ ایمان والوں کو قوت ایمان کا پتہ لگ جائے اور تمہیں دشمن کے بالمقابل غلبہ حاصل کرنے کا صراط مستقیم معلوم ہو جائے۔

† یہ آیت بیعت رضوان کے ذکر کے بعد آئی ہے جہاں پر حضرت عثمانؓ کی افواہ قتل کے بعد چودہ سو مسلمانوں نے ایک درخت کے نیچے رسول خدا صلعم کے ساتھ دشمن سے جان توڑ کر لڑنے کا عزم کیا تھا۔ یہاں اور اس سے پہلی آیت (۴۸ : ۱۹) میں خدائے عزوجل نے بصراحت مسلمانوں کو مال غنیمت بمقدار کثیر اور فتوحات تمام دنیا کا وعدہ کیا ہے؛ دشمن سے بچ نکلنے کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے، اور ان سب اعمال کو صراط مستقیم کہا ہے۔ گویا اس دنیا میں سب سے کامل صراط مستقیم یہی ہے کہ دشمن کے خلاف کامل طور پر حفظ النفس کیا جائے، اُس پر مستقیم جارحانہ تشدد کر کے اُس کے وجود کو پیس کر دیا جائے۔ مسئلہ ارتقا کی شق سوم و چہارم (صفحہ ۱۲، ۱۳) سے اس قانون الٰہی کی مماثلت عیاں ہے اور ظاہر ہے کہ فطرت کی ادنیٰ حیوانی مخلوق بھی کرتی ہے۔ [illegible] دین اسلام اور دین فطرت کی [illegible] لوگوں [illegible] کو دھوکا دیکر [illegible] خوف میں آ کر اسلام کو [illegible] اور [illegible] عبرت انگیز [illegible] اگر ابھی اعمال [illegible] آپ اس امر کی آخریں [illegible] کیلئے یہ آیات اس عبرت انگیز [illegible] کو صراط مستقیم [illegible] (صفحہ ۹۶) [illegible] (صفحہ ۱۱۱) [illegible] چاہیئے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۲) اور اطاعت خدا ہی تھی کہ یہی اصل قانون اور اس کارگاہ جہان کا اٹل حکم ہے) تو اِن لوگوں یعنی یہود و نصاریٰ اور اُور اقوام کو جنکو مناسک اسلام کے قبول کرنے میں اعتراض ہے، چاہیئے کہ ایک مسلک اور دوسرے مسلک کے مابین ظاہری فرق کو نظر انداز کر دیں اور اصل قانون کے بارے میں تم سے کوئی نزاع پیدا نہ کریں (فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ)، اور وہ اصل قانون اے محمدؐ! یہی ہے کہ تم لوگوں کو صحیح معنوں میں اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیکر متحد العمل کر دو (وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ) اور اسمیں شک نہیں کہ توحید کی یہ مشترک سطح قائم کرنے میں تم لامحالہ راہ راست پر ہو؛ اِن مطالب کی صحت کی قطعی شہادت اِس آیۂ شریفہ کے عین بعد کی آیات سے ہوتی ہے جو مطالب کو مربوط کرنے کی غرض سے یہاں پر لکھدی جاتی ہیں؛ اس مضمون کے بعد ارشاد ہے:

وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ (۲۲ : ۶۸-۶۹)

اور اے محمدؐ! اگر اس حقیقت کشائی کے بعد بھی یہ لوگ تم سے اختلاف قائم کریں اور اپنے مناسک پر ضد سے اڑے رہیں تو تم ان سے کہدو کہ جو تفرقہ اندازیاں اور انتشار تم بنی نوع انسان میں پیدا کر رہے ہو اس سے خدا خوب واقف ہے اور وہی روز قیامت کو تمہارے مابین اُن باتوں کے متعلق فیصلہ کر دیگا جن میں تم ناحق اختلاف پیدا کر رہے تھے۔

اسلام ہی نوع انسان کے اتحاد کیلئے آیا تھا (دیکھو تحت المتن صفحہ ۹۱) خدا فرماتا ہے کہ مسلک مقرر کئے ہیں، وہ سب ہم ہی نے مقرر کئے تھے کیا یہود کے مناسک اور کیا نصاریٰ کے، انکا مطلب اتحاد قوم تھا۔ جب یہ مطلب الیسے فوت ہو گیا ہے تو اب ان کے رہنا بے معنی ہے۔ اب یہ اسلامی مناسک ہیں جو ہم نے رائج کئے ہیں انکی غرض بھی بعینہٖ وہی ہے بلکہ ایک درسے یہ حج کا مسلک تمہاری جماعتی اور پنجگانہ مراسم نماز کی ترمیم شدہ صورتیں ہی ہیں پس اس امر میں نزاع پیدا نہ کرو اور سمجھو کہ صراط مستقیم یہی ہے خیر یہ مکہ اور بیت المقدس، چین و روم سب ایک ہیں مشرق و مغرب ایک ہے۔ زمین و آسمان ایک ہے، نہ مجھے تمہاری قربانیوں کے گوشت پہنچتے ہیں نہ خون، مجھ تک تو صرف تمہارا تقویٰ، تمہارا اتحاد عمل، تمہاری اطاعت اور جذبۂ تسلیم تمہاری قلبی دولت (دِکر) اور لرزش پہنچتی ہے اور بس۔ انہی کو دیکھکر میرے سب فیصلے ہیں۔ انہی پر سزا و جزا کا سب انحصار ہے! لیکن یہ جامع الاقوام اور عالمگیر اسلامی مناسک آج خود رسم و رواج کی لکیریں پڑ کر وہ بے مطلب انتشار پرور، وہ افتراق خیز اور تفرقہ آرا سنتیں بن گئے ہیں کہ ایک شخص بھی آج انکی اس خالص حکمت عملی کا معترف نہیں رہا!

پس الامر اس کارگاہ جہان کا وہ مختص قانون، اُس بے پرواہ خدا کا وہ خاص الخاص حکم، اُس شدید العقاب آقا کا وہ اٹل آئینِ جہانگیر

کی عالی ہمتی، اُن کے اخلاف کا تفضّل، اور اسلاف کی برتری بخش؛ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَالۡیَسَعَ وَیُوۡنُسَ وَلُوۡطًا ؕ وَکُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ وَمِنۡ اٰبَآئِہِمۡ وَذُرِّیّٰتِہِمۡ وَاِخۡوَانِہِمۡ ۚ وَاجۡتَبَیۡنٰہُمۡ وَہَدَیۡنٰہُمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ [1] (۶: ۸۶-۸۷) تو عالمگیر غلبہ عطا فرما کر ان کے ہر فرد میں عدل دوستی اور حق پسندی کی خصلتیں برقرار رکھ! یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَۃً فِی الۡاَرۡضِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الۡہَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَضِلُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌۢ بِمَا نَسُوۡا یَوۡمَ الۡحِسَابِ [2] (۳۸: ۲۶) تو اُن میں قانونِ خدا کے احترام، اور حدودِ خدا کی رعایت سے، حمایتِ حق اور طہارتِ نفس سے، تقویٰ کے مقتدر عزائم اور ایمان کی اٹل طاقتوں سے، اعانتِ عدل اور نگہداریٔ عہد سے، وہ اجتماعیت، وہ عزم بالجزم، اور وہ قوتِ نظم و ادارت نصیب فرما، جو اسلام کے شیرازۂ اُمّت کو تشتّت کی شکست وریخت سے ہمیشہ کیلئے مامون و مصئون کر دے!

قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ ۙ یَّہۡدِیۡ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ [3] اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِہٖ وَیَہۡدِیۡہِمۡ اِلٰی صِرَاطٍ

---

[1] اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط (علیہم السلام) یہ سب ہمارے مکرم اور رہنمایانِ خلق تھے۔ اور ہم نے اِن سب کو تمام عالم کے لوگوں پر برتری دی اِن کو اسی قوم کا سردار بنایا اور سیادت دی اور صرف اُسی کو ملک اُن کے آبا۔ اجداد اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی بہتیروں کو اُن کے علوِ ہمّت، حسنِ عمل، اور شجاعت کے صلے میں دنیا جہاں کی قوموں میں سرفراز کیا اور ہم نے اُن کو باقی قوموں سے منتخب کر کے ممتاز کر دیا اور اُن کو دنیا میں قوت سے رہنے کا صراطِ مستقیم دکھا دیا۔

[2] اے داؤد! ہم نے تم کو اس زمین پر بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں کے معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، اور خواہشاتِ نفس کا تتبع نہ کرنا کیونکہ یہی خواہشاتِ نفسانی تم کو اعتدال کی صراطِ مستقیم سے بھٹکا دیں گی جو لوگ عدل و انصاف کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں اُن کو اس دنیا میں سخت عذاب ملیگا اسلیئے کہ روزِ جزا کو بھول گئے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۳۳) جس کا نام اتحاد ہے، اتحادِ من الافراد اور اتصال بین الاجزاء ہے، اتحادِ عمل اور اتحادِ اثر ہے۔ یہی وہ شے ہے جس کے باعث اُمتیں جتنے زمین میں تمکن کے بامِ بلند پر چیستہ جاتی ہیں، جو باعثِ قیامِ عالم اور علّتِ تکوین کائنات ہے جو جاندار کا تجاذب ہے جس سے ہستیٔ بیں زندگی ہے جس کا نہ ہونا موت و شکست کے مترادف ہے یہی وہ رازِ حیات ہے جس کے ہوتے ہوئے شکست ناممکن، نامرادی کالعدم، اور نامرادی امکان سے خارج ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ روئے زمین کے ہر مذہب و ملت کا اصل اصول یہی تھا یہی وہ پیغام تھا جو سب انبیاء جہاں لیے آتا رہے اور ارشاد لائے تھے اور اسی حقیقت کر لئے کو کتاب کے دیباچے میں میں نے سب سے بڑی الاصل اور احکم الحاکمین کا الامر قرار دیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۴ و ۳۱۔

[3] الظّلُمٰتِ سے میں نے اس کتاب میں بالالتزام قانونِ خدا کے عدمِ تعقّل کی تاریکیاں اور اجتماعی انحطاط کی بے راہ رویاں، اور النّور سے علم و عمل کی انجام شناسیاں اور تمکن فی الارض کی روشنیاں مراد لیا ہے دیکھو صفحہ ۵ و ۱۴۳ و ۱۷۶۔ اِن معانی پر ایک فیصلہ کن بحث عنقریب اس مجلد کے اختتام پر آئے گی۔

مُّسْتَقِيمٍ ○ (۵ ۱۵-۱۶)

لوگو! پروردگار عالم کی طرف سے تمہیں وہ رہ نما نور اور وہ واضح قانون یعنی صحیفۂ فطرت کا ملخص (دیکھو تحت المتن صفحہ ۶۲) آچکا ہے جسکے ذریعے سے خدا اُس قوم کو جو رضائے الٰہی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، اُنہیں اپنے فضل و کرم سے جہالت اور نا انجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر حفظ نفس و علم اور تمکن کے نور کی طرف لائیگا، اور اُنکو قیام و بقا کے صراط مستقیم پر ڈال دیگا۔

وَاللَّهُ يَدْعُوٓا إِلَىٰ دَارِ السَّلَٰمِ* وَيَهْدِي مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ○ (۱۰ ۲۵)

اور اللہ تو اُمتوں کو حفظ نفس اور سلامتی کے گھر کیطرف بلا رہا ہے، اور جس قوم میں اہلیت دیکھتا ہے اُسکو تمکن اور قیام کا صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔

پس "صراط مستقیم" کیا تھا! تحفظ و بقا تھا! قوم کی سلامتی تھی! اُمت کا "دار السلام" تھا! جماعت کا کامل امن اور فرد کا اضطراب عمل تھا! اتحاد کا التہاب درون، اور توحید کا کرداری اظہار تھا! تعبد کا معنوی اقرار اور ملازمت کا عملی پہلو تھا!

إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ○ (۴۳ ۶۴)

اے لوگو! وہ خدائے عظیم میرا اور تمہارا پروردگار ہے، مولیٰ ہے، آقا ہے، مالک ہے، رازق ہے! مختصراً وہ حاکم ہے اور احکم الحاکمین کے غلام بنے رہو (فَاعْبُدُوهُ)، اُسی کی خدمت میں لگے رہو (فَاعْبُدُوهُ)، اُسی کے قانون کی تعمیل کرو (فَاعْبُدُوهُ) اُسی کے آگے سر تسلیم خم کرو (فَاعْبُدُوهُ) اُسی کے سچے خدمت گزار ہو کہ یہی صراط مستقیم ہے!

عبادت کا وحدت انگیز کیف، اور اختلاف سے اجتماعی گریز تھا! اتقا تھا! اطاعت امیر تھی!

وَلَمَّا جَآءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ○ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ○ (۴۳ ۶۳ ۶۴)

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ○ (۴۳ ۶۵)

* دار السلام کے الفاظ کو لوگوں نے "جنت" کا نام سمجھ کر اس تمام آیت کو عالم آخرت میں منتقل کر دیا ہے، لیکن اس کے لیے تاویل کی کوئی سند نہیں۔ تیسری مجلد میں اس کو حسب پیرایہ آیت واقع ہوئی ہے۔ تمام کمال ترجمہ کرکے واضح کر دیا جائیگا کہ دار السلام ہرگز کوئی اخروی مکان نہیں لیکن اگر دار السلام جنت کے باب میں کوئی اصرار ہے تو خوش اعتقاد شارحین سے پوچھنا چاہیے کہ "سُبُلَ السَّلَامِ" جو آیہ (۵: ۱۶) میں واقع ہوا ہے کیا تھے؟ کیا وہ بھی جنت کی سڑکیں ہیں۔ افسوس کہ لوگوں نے قرآن حکیم کو یکسر افسانہ بنا لیا ہے!

اور جب عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس خدا کے حق غلی کے روشن اور کھلے کھلے احکام (الْبَيِّنٰتِ) لے کر آئے تو اُنہوں نے اُن کو مخاطب ہو کر کہا کہ اے بھائیو! میں تمہارے پاس نئے احکام کیا لایا ہوں، درحقیقت عظیم الشان حکمتی اصول لایا ہوں جس کا نتیجہ خدا کے بیت المال ہے (جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ)۔ اور میرے آنے کا اہم مقصد یہ ہے کہ میں تم پر اُن باتوں کی اصلیت واضح اور دلیل کردوں جن میں اختلاف پیدا کرنے کے باعث تم ایک دوسرے سے الگ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہو، تم میں اتحاد کی مشترک سطح از سر نو قائم کروں، تم سب کو ملا کر ایک کردوں۔ پس اے لوگو! اُس شدید العذاب خدا سے ڈرو! اُسکے مشترک قانون سے متحد ہو جاؤ (اتَّقُوا)، اور سب کے سب ایک امیر کی (یعنی میری) اطاعت کرو، میرے پیچھے لگ جاؤ، وہ خدائے عظیم میرا اور تمہارا دونوں کا آقا ہے پس اسی کی غلامی میں لگ کر ایک ہو جاؤ، اُسی کے سچے بندے بن جاؤ کہ صراطِ مستقیم یہی ہے۔ لیکن لوگوں نے اس اولوالعزم پیغمبر کا کچھ کہا نہ مانا، وہ آپس میں اُسی طرح اختلاف کرتے رہے، اُسی طرح فرقہ بندی کرتے رہے، تو جن لوگوں نے یوں اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اُن پر ہلاکت کے دردناک اور کپکپا دینے والے دن کے اعتبار سے ہزار حیف ہو۔

تمسک قانونِ خدا تھا!

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (٤٣ ٤٣)

تو اے پیغمبر! تم اس قانون کو جو تم پر وحی کر دیا گیا ہے مضبوطی سے پکڑے رہو، اُس پر جم کر عمل کرو۔ اس میں شک نہیں کہ تم صراطِ مستقیم پر ہو (اور لامحالہ اپنی مراد کو پہنچو گے)۔

خوف عذابِ الٰہ تھا! بیم روزِ جزا تھا!

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (٤٣، ٦١)

اے لوگو! اس میں شک نہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) بھی بنی اسرائیل جیسی تفرقہ آرا اور فرقہ باز قوم کے لئے ہلاکت اور موت کی عیسیٰ اور قطعی، آخری اور قرار واقعی دلیل تھے (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)؛ اُن کا آنا اور جھٹلایا جانا، اتحاد کی تبلیغ کرنا اور ناکام رہنا یہود کے لئے صدائے اجل تھا، پیامِ موت تھا، ہلاکت کی علی الاعلان شہادت تھی (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)۔ پس اے لوگو! اس روزِ بد کے آنے میں کبھی شک نہ کرو، اس سے اہل یہود کی طرح بے پروا ہو جاؤ، ملیا میٹ ہو جاؤ (فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا)، اور میرے احکام کی تعمیل کرو کہ یہی صراطِ مستقیم ہے! (دیکھو علم کی تعریف تحت الفظ صفحہ ٨٣-٨٤۔ گویا حضرت کا آنا یہود کی ہلاکت (السَّاعَة) کا علم (نشان) تھا)۔

وہ صراط تھا جس پر چل کر تعزز اور نعمت ہی، خدا کے دنیوی انعام، اور بے حساب بخششیں ہیں، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (١، ٦)؛ وہ خوف تھا جس کا اٹل نتیجہ انعام و اکرام ہے، يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى

السَّاعَة کو یوم آخرت کے متعلق بحث نہ سمجھنے کے باعث اس آیت کے سرف ایک شخص معنی بیان کرتے گئے ہیں کامل مفہوم کیلئے اسی اسطلاح کا باب ہے ان کی اصطلاح صفحہ ١٣٦ دیکھیں۔

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ [۵۱] (۴۹ : ۱۳)۔ جس سے ہٹ کر قہرِ خدا نازل ہوتا ہے، اُمتیں مغضوب علیہ ہو جاتی ہیں، ذُل و مسکنت، موت و افلاس صدیوں اور قرنوں تک پیچھا نہیں چھوڑتے: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ [۵۲] (۱ : ۷)۔ وہ سیاست تھی جس پر چلکر ہر سو امن ہے، امتوں اور نسلوں کا امن ہے، افراد اور قبیلوں کا امن ہے، گھروں اور محلّوں کا امن ہے! وہ "مذہبِ خدا" اور راہ مالک الملک تھی جس پر دنیا کی سب زندہ اور انعام یاب قومیں آج چل رہی ہیں اور اختلافِ مناسک کے باوجود، اپنے اپنے دائرے کے اندر قانونِ خدا اور "الامر" میں نزاع پیدا نہیں کرتیں، لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ [۵۳] (۲۲ : ۶۷)۔ نہیں! صراطِ مستقیم وہ تلوار سے سوا تیز اور بال سے سوا باریک راہ تھی جس پر چلتے رہنا کمال حزم و احتیاط کا کام ہے، جس سے ذرا ادھر ہٹ کر ضلال ہے، شکست و انتشار کا جہنم ہے، محکومیت کا دوزخ ہے، افلاس کی آہ و بکا ہے! وہ درصل سعی اور امن، تلاش اور مقصود، طالب اور مطلوب کے درمیان وہ خطِ مستقیم تھا جس کے سوا کوئی دوسرا خطِ راست نہیں، کوئی سعی مشکور نہیں، کوئی عمل نتیجہ خیز نہیں! وہ وہ تکیفِ قلب اور وہ ضبطِ نفس تھا جس سے قوم کے سب افراد تسلیم کے مجسّمے اور سعی و عمل کے فوّارے بن جاتے ہیں، جس سے سینے قانونِ خدا کی اطاعت کے لیئے یکسر کھل جاتے ہیں، جس سے دلوں کی تنگیاں اور حوصلوں کی پستیاں کالعدم ہو جاتی ہیں، ہر شخص

---

[۵۱] اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم سب کو ایک ہی نوع کے مرد اور اسی نوع کی عورت سے پیدا کیا، اب تم سب ایک ہی جنس کے ہو، اس لیے آپس میں اختلاف پیدا نہ کرو، ہمارے نزدیک تم سب برابر ہو۔ اور تمہارے مختلف گروہ اور قبیلے محض اسلیئے بنا دیئے کہ تم ایک دوسرے سے امتیاز کر سکو ایک دوسرے کے مصالحانہ حریف ہو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں سے وہی گروہ عزت اور انعام کا مستحق ہوگا جو سب سے زیادہ قانونِ خدا سے خوف زدہ رہیگا۔ جو سب سے زیادہ متحد، سب سے زیادہ صابر، محافظِ نفس، اولوالعزم، اور بہترین عمل بن کر رہے گا۔ (اَتْقٰىكُمْ دیکھو اتقا کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۵۴) اور استقلال سے احکام خداپر عمل کرے گا۔ یاد رکھو کہ خدا تمہارے اعمال سے مو بمو واقف، اور تمہاری نیتوں کو سر بسر جاننے والا ہے۔

[۵۲] ان قوموں کی راہ نہ دکھا جو تیرے قہر و غضب میں آکر ہلاک ہو چکی ہیں۔ اور نہ انکی جو راہ سے بھٹک کر تیرے قہر و غضب کو دعوت دے رہی ہیں۔

[۵۳] اے لوگو! ہم نے روئے زمین کی ہر اُمت کیلئے خدا کی عبودیت اور قانون خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کر دیا ہے جسکو وہ شعار بناتی ہے لیکن چاہیے کہ سب لوگ ایک ہے اور لوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعًا قائم نہ کریں، اور وہ اصل قانون یہ ہے کہ تم تمام عالم کو اپنے پروردگار ہی کی اطاعت کیطرف بلاؤ۔ اور سب کو ایک مرکز پر ہی جمع کر دو۔ اسمیں شک نہیں کہ ایسا اتحاد معنوی قائم کرنے میں تم صراطِ مستقیم پر ہو۔

دوسرے ہمقوم اور ہم جماعت فرد کے لیئے اپنی آغوش مرحبا کھول دیتا ہے، کوئی سینہ بھچا ہُوا اور تنگ ظرف نہیں رہتا، پھر محبت اور اخوت کی نہر سلسبیل دلوں میں چل جاتی ہے، اور اس حُسن عمل کے صلے میں امن و اُمّت کا "دار السّلام" اُس قوم کے استقبال کے لیئے دوڑتا ہے ؛

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ† يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (۶: ۱۲۶-۱۲۸)

اے لوگو! جس قوم کی نسبت خدا ارادہ کرلیتا ہے کہ اسکو صحیح راہ عمل دکھا دے تو اُسکے سینوں کو "الاسلام" اور تسلیم قانون خدا کے مطلق مذہب عمل کے لیئے یکسر کھول دیتا ہے، اور جسکو اپنی ہی بد اعمالی کے باعث گمراہ کر دینے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اُس قوم کے سینوں کو بھچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے؛ اُن میں حوصلۂ عمل اور توفیق خیر مفقود ہو جاتے ہیں۔ باہمی مدد اور بھلائی کرنے کا یارا نہیں رہتا، اُن کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ احکام خدا کی تعمیل کرنا اُنکے نزدیک گویا آسمان پر چڑھنا، اور اسیے آپکو ناحق تکلیف میں ڈالنا ہے۔ جو لوگ ہمارے احکام کے مفید ہونے پر ایمان نہیں رکھتے اُن پر خدا کی پھٹکاریوں پڑا کرتی ہے!

اور اے پیغمبر! یہ اپنے سینے کسب و عمل کے لیئے کھول دینا ہی تیرے آقائے جلیل کا بنایا ہوا صراط مستقیم ہے۔ یہی عین اسلام ہے، غور و فکر اور صحیح نتائج اخذ کرنے والی قوم کے لیئے ہم نے اپنے حکم کھول کھول بیان کر دیئے ہیں۔ یہی وہ قوم ہے جن کے لیئے اس دنیا کے اندر، اُنکے پروردگار کے نزدیک اُن کے اعمال کے صلے میں امن و امان کا گھر ہے، اور وہی اس دنیا میں اُس کا سچا دوست اور خبرگیراں ہے۔

کیا آج اِس پہنائے زمین کے طول و عرض میں صراط مستقیم کے اِس مفہوم کے متعلق ایک شق باقی ہے جسپر اسلام کا کوئی فرد بشر چل رہا ہے؟ کیا دن بھر میں بار بار اور خوش الحانی سے دُہرائے گئے باوجود کسی متنفس کو

† یہاں یَشْرَحْ صَدْرَهٗ کے بالمقابل یُضِلَّهٗ کا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کلام الٰہی کی اصطلاح میں کسی قوم کے اندر "الاسلام" پر عمل کرنے کی توفیق کا نہ ہونا (دیکھو تعریف "الاسلام" تحت المتن صفحہ ۱۹۱) احکام خدا پر عمل کرنے میں ناقابل برداشت تکلیف کا محسوس ہونا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے پہلے تشریح شدہ معانی میں سے صفحہ ۲۲۲ کے تحت المتن میں جمع کر دیئے ہیں۔ یہ ایک نئی قسط ہے مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ وہ آج خود اس ضلال کے مصداق کس شدت سے ہیں!

اِس بات کا احساس رہ گیا ہے کہ صراطِ مستقیم یہ ہے، نمازیں پنجوقتہ اسی کی گذارش ہیں، اسی سے ہٹ جانے کا ہر لحظہ ڈر ہے، اسی کی آرزو اور اسی کی تڑپ ہے، اسی کے لیئے اُٹھنا اور بیٹھنا ہے، اسی کی درخواست میں رکوع و سجود ہیں، قومے اور قعدے ہیں، جُھکنا اور سرنگوں ہوجانا ہے ؟ کیا دلوں میں اسکے متعلق ذراسی چوٹ، رتّی بھر حس، ادنیٰ سی سنسناہٹ، یا اُرو کی سفیدی کے برابر سعی و عمل باقی ہے ؟ نہیں، کیا اِس مفہوم کی آج سرے سے خبر بھی ہے ! کیا گذشتہ ایک ہزار برس کے اندر ہزار در ہزار فرقہ بندیوں اور شرک آرائیوں، تفریقِ عمل اور عصیانِ امیر، عدمِ تمرکز اور تشتّت آرا، حُبّ نفس اور محبت مال، عبادت طاغوت اور ملازمتِ شیطان † کے مہلک اثرات کے باوجود ہر مسلمان اس زعم میں نہیں کہ وہ "دینِ اسلام کے صراطِ مستقیم" پر چل رہا ہے، وہ خدا کو خدا مان رہا ہے، رسولؐ کو رسولؐ کہہ رہا ہے، اُس کے حلال و حرام کو نباہ رہا ہے، خیر الامم کا رکن اعظم ہے، اسلیئے اسکو کسی اصلاح کی ضرورت نہیں، کسی مزید راہ ڈھونڈنے کی حاجت نہیں۔ کیا وہ اس مہلک گراں خوابی، کوتاہ نظری اور آشوبِ چشم کا مریض نہیں کہ دنیا کی سب انعام یاب اور خدا کی نعمتوں سے مالا مال اُمتیں اُسکی نگاہ میں ٹیڑھے راستوں پر چل رہی ہیں، جہنم کی مکین ہورہی ہیں، دوزخ کا ایندھن بن رہی ہیں، مگر اسلام کی لاڈلی مگر بے نوا اُمت صراطِ مستقیم پر چل رہی ہے، "اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ" کی مصداق ابدالآباد تک ہے ! کیا آج ارضی نعمتوں کے چھن جانے کے بعد کسی "روحانی نعمتوں" کی تاویل کرکے، یا "دارالسلام" کے بے ضرر لفظ کو اسلامی بہشت بنا بنا کر دل کو تسکین دے دینا قہر خدا کو کم کرسکتا ہے ؟ کیا صاحب القرآنؐ کی اس حیرت انگیز اور ناقابل انکار، اس نصی اور صریح شہادت کے ہوتے ہوئے کوئی انسانی لغت، کوئی قیاس و رائے کوئی اجماعِ اُمت، کوئی یونانی حکمت، کوئی مُلّائی تاویل، یا خود ساختہ حدیث "صراطِ مستقیم" کی اس سے بہتر اور صحیح تر تشریح کرسکتی ہے ؟ کیا قربانیوں کے حشر سے بکروں کے مینڈھے اور مینڈھوں کے گھوڑے بنا بنا کر اُمت کو "پلصراط" پر سے گذار دینا سُنّت خدا اور قانونِ رب العالمین کو بدل سکتا ہے !

† درس اعمال صراطِ مستقیم پر چلنے کے بعض مانع کردیئے گئے ہیں (دیکھو اصل کتاب در صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۰)۔

کیا حالات حاضرہ کے ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں میں دھول ڈالکر نصرانیوں کو مغضوب علیہ کہدینا اور آپ
اُس غضب سے ہمیشہ کے لیئے بچے رہنا۔ اس نعمت کو عالمِ خیال میں اجارے پر لے لینا، آئین زمین و آسمان
میں تغیر پیدا کر سکتا ہے؟ کیا صدر اسلام کا صراطِ مستقیم، آجکل کے اسلام کی مانند یہی منہ سے خدا کہہ
چھوڑنا، حلال وحرام میں فرق کرنا، سؤر سے پرہیز کرنا، اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی خانہ بربادی کو دیکھتے
رہنا ہی تھا جسکے صلے میں چند برسوں کے اندر اندر روئے زمین کی سرداری مل گئی تھی!

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَ
لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ
وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○
وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ
ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ (۶، ۱۵۲-۱۵۴)

اے محمدؐ! اِن حلال وحرام پر لغو بحثیں کرنے والوں (۶، ۱۴۰) کو کہدو کہ آؤ! میں تمہیں پڑھ کر سناؤں
کہ دراصل حرام کیا چیز ہے، اور تمہارے پروردگار نے تم پر فی الحقیقت کیا حرام کیا ہی، اور وہ یہ ہے کہ
اطاعت گذاری اور حکمبرداری میں خدا کے ساتھ کسی دوسری شئے کو ہم مقام نہ کرو، اور اپنے ماں
باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو، اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو کیونکہ ہم ہی تمہارے
رزق کے اسباب پیدا کرتے ہیں، اور انکی روزی کے وسائل بھی ہم ہی پیدا کر دینگے۔ اور تمام ظاہری
اور باطنی بداعمالیوں سے بچو، اور انسانی جان جسکا مارنا اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ ناحق (یعنی
ماسوا جہاد کے) نہ لو۔ یہ وہ عظیم الشان معاشرتی اصول ہیں جنکا حکم خدا نے تمہیں اسلیئے دیا ہے کہ
تم دنیا میں مل جلکر رہنے کا طریقہ سمجھو۔ اور یتیم اور بیکس شخص کے مال میں مداخلت بیجا ہرگز نہ کرو،
ہاں اگر اسکے حق میں مفید ہے تو اسمیں ہمدردانہ تصرف کرو یہانتک کہ وہ اسکو خود سنبھالنے کے قابل
ہو جائے، اور تمام کاروبار اور لین دین میں انصاف، راست روی، اور پورے ماپ تول کو ملحوظ خاطر

رکھو۔ ہم کسی شخص کو اسکی استطاعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے، اسلئے تجارت کے متعلق اور کوئی سدِ بہیں نہیں کرتے۔ اور جب کسی کے متعلق کچھ کہو تو انصاف کو مدنظر رکھکر کہو، گو وہ تمہارا عزیز ہی کیوں نہ ہو، اور سب سے بڑھکر یہ کہ عہدِ خدا (وعدے) کے پابند ہو۔ یہ سب کچھ تمہیں اسلئے کہا گیا ہے کہ تم اُس کے نتائج پر غور کرو۔ اور بیشک یہی میرا صراطِ مستقیم ہے، جس میں امتوں کی سلامتی اور امن ہے، اور اسی کی پیروی کرو۔ اور دوسرے رستوں پر نہ پڑلینا کہ تم کو امن اور حفظِ نفس کے راستے سے بھٹکا کر تمہاری طاقت کو منتشر اور جماعت کو تتر بتر کردیں۔ تم کو خاص طور پر اس لئے کہا گیا ہے کہ تم شکست و انتشار کے خوفناک نتائج سے بچتے رہو۔

الغرض صراطِ مستقیم کی اِس شق میں بھی ایمان اور تقویٰ، صبر اور توکل کے اجتماعی اغراض اور استیلائی مصالح کی طرح، جماعتی استحکام، تمدن اور سیاست کے جراثیم مخفی تھے[†]۔ اِس تمام اصلاحی ترغیب و تاکید کا مآل کار بھی مسلمانانِ عالم کو جہانگیری سے قطعِ نظر جہانبانی اور جہانداری کے سیاسی رموز، اور بادشاہت اور حکومت کے دقیق آداب و قواعد سے باخبر کردینا تھا۔ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ[۱] (۶ ۱۵۲)۔ انصاف پسندی اور بے رُو و ریا عدل، ضبطِ نفس اور حُسنِ سلوک، حُسنِ معاملت اور اعتمادِ باہمی قیامِ سلطنت کے وہ عبرت آموز اور نصیحت آمیز اصول تھے جن پر سختی سے عمل کرنا ناگزیر، اور جنسے تغافل روا رکھنا مجرمانہ خودکشی تھی۔ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[۲] (۶ ۱۵۳)۔ خدائے بیمثال نے کلامِ پاک

[۱] یہ نصیحت تم کو خدا نے اسلئے کی ہے کہ تم معاشری اور اجتماعی، سیاسی اور تمدنی اصولوں کو سمجھ جاؤ۔ دیکھو آیہ (۶؛ ۱۵۲) صفحہ ۲۴۔

[۲] اِن باتوں کا حکم خدا نے تمہیں اسلئے دیا ہو کہ تم اس سے نصیحت اخذ کرکے اُسکے مطابق عمل پیدا کرو۔ دیکھو آیہ (۶ ۱۵۳) صفحہ ۲۴۔

[†] ایک موقع پر احکامِ خدا کی اجتماعی اور سیاسی مصلحتوں کو مندرجۂ صدر آیات (۶ ۱۵۲–۱۵۳) سے زیادہ واضح الفاظ میں ادا کیا ہے اور اسکی ساتھ حکمتِ عملی بھی بالصراحت بیان کردی ہے۔ سورۂ نساء میں ہے

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ٥ (۴ ۵۸)

اے مسلمانو! خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اُن کے مالکوں کے حوالے کردیا کرو۔ اِس کارگاہِ سعی و عمل میں حاکم ہونے کے بعد تم ہرگز نہ ہوئے۔ اور جب تم اپنی رعیت کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو نہایت دیانت داری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اس میں شک نہیں کہ خدا جو نصیحت تم کو کر رہا ہے تمہاری معاشری اور اجتماعی ترقی کے حق میں بہت اچھی ہے کیونکہ خدا ہی ہے وہ اس کارگاہِ عمل و اعمال کے قانون کو خوب سمجھنے والا (سَمِيعًا) اور اس کی باریکیوں کو خوب پرکھنے والا ہے (بَصِيرًا)۔

میں قرونِ خالیہ کی کتنی ایک متمدّن اور متسلّط قوموں کی ہلاکت آفریں غلط کاریوں اور سہل انگاریوں کی مثالیں دے کر، اِن اعمال کی اہمیت کو بصراحت تمام بیان کر دیا تھا، مگر باایں ہمہ نماز کے صراطِ مستقیم کا فوری اور پیشِ نظر مفہوم تقویٰ کا وہی التیام آفریں اثر، اور توحید کا مجتمع القلوب احساس تھا: وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ[۵۱] (۶: ۱۵۴)۔ متحد اور متفق قلوب کی یہ اسلامی جماعت، بارگاہ خداوندی میں اپنے دن بھر کے جلیل القدر کارناموں کی خاموش شہادت اور حوصلہ افزا سند پیش کر کے، اپنے آپ کو سزاوار انعام، اور مستحق اجر سمجھتی تھی۔ اعلائے حق کے متعلق اُس کے مخلصانہ اعمال، اور ربِّ عظیم کی غائبانہ خدمتیں، انھیں تحسین آفریں کا بسملانہ اضطراب اور حضوری خدا کی اضطراری تڑپ پیدا کر دیتی تھیں۔ عمروں کے سُلجھے ہوئے یہ مخلص ملازم اپنی روز روز کی نئی اور خوش کن خدمتوں کے بعد اس ادائے نہان و عیاں کے حضور میں لپک لپک کر پہنچتے اور دست بستہ کھڑے ہو جاتے! ان کو روئے زمین کی سلطنتیں اور حفظ و امان کی راہیں اُن کے شبانہ روز جہاد اور متواتر عمل کے صلے میں ملا کرتی تھیں: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ[۵۲] (۲۹: ۶۹)۔ اُنھیں اتمامِ نعمت کا راہِ راست اور حصولِ قوت کا صراطِ مستقیم، صلح حدیبیہ جیسی اہم حکمت عملیوں، اور فتح خیبر و فتح مکہ جیسے مہتم بالشان کارناموں کے عوض میں ملتا تھا: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا[۵۳] (۴۸: ۱-۲)

---

۵۱ اور مسلمانو! مختلف رستوں کا اتباع ہرگز نہ کرنا، کہ یہ تفرقہ و انتشار تم کو خدا کے امن و رستے سے ہٹا کر مضمحل کر دے گا، تمہاری ہیئت اجتماعی کو کمزور، اور قوتوں کو سلب کر دے گا۔ یہ نصیحت تم کو خاص کر اس لیئے کی گئی ہے کہ تم اجتماعی ہلاکت سے بچے رہو۔ سلسلے کے لیئے دیکھو آیہ (۶: ۱۵۴) صفحہ ۲۲۰۔

۵۲ اور جن لوگوں نے ہمارا نام بلند کرنے کی غرض سے جہاد کیئے اُن کو ہم ضرور دنیا میں امن سے رہنے کے ایسے طریقے بتلا دیں گے، اور بیشک اللہ تو حسن عمل کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ (محسنین کی تعریف صفحہ ۱۳۰ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے اور یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ جہاد کرنا سچا حسن عمل ہے)

۵۳ اے پیغمبر! یہ معاہدہ حدیبیہ کیا ہوا حقیقت میں ہم نے تم کو دشمن پر کھلم کھلا فتح دی۔ اور یہ اس لیئے ہے کہ اللہ تیری اگلی اور پچھلی مصلحتی واماندگیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈال دے، اور دشمن کے مقابل تم اس دنیا میں اور بھی مضبوط ہو جاؤ۔ اور تاکہ یہ آیندہ نعمتوں کے اتمام کا پیش خیمہ ہے، اور تمہیں حفظ نفس کی حکمت عملی اور علانے کا صراطِ مستقیم دکھلا دے۔ (ذنب سے یہاں صاف طور پر وہ مصلحتی واماندگیاں مراد ہیں جو ہر بہادر قوم سے کسی اہم اجتماعی معاملے کے متعلق صراطِ مستقیم سطے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔)

انہیں نگہبانیِ زمین کا انعامِ عظیم ایثارِ جان، ترکِ وطن، اور شدائدِ سفر کے پیہم تحمل کے عوض میں میدان جنگ کی روح گُسل مصائب کے بطیبِ خاطر برداشت کے صلے میں، اور اولوالامر کے احکام کی فوری اور قطعی تعمیل کی شاباش میں ملا کرتا تھا؛ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۙ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (۴: ۶۶)

لیکن صراطِ مستقیم کے اِن تمام شقی اور قسمی، اِن وقتی اور مقامی معانی سے قطع نظر، نماز اور فاتحۃ الکتاب کے

۵؎ اور اگر ہم اُن کمزور ایمان - اے مسلمان نما منافقوں کو حکم دیتے کہ تم اپنی جانوں کو اللہ کی حمایت میں لڑاؤ، یا اپنے طن سے ہجرت کر جاؤ، مگر وہ ہم سے کمزور ہیں کرو تو اُن میں سے چند آدمیوں کے سوا بہتیرے ہمارے اس حکم کی تعمیل نہ کرتے۔ اور اگر جو کچھ اُن کو سمجھایا جاتا ہے کرتے تو اُن کی اپنی بہتری کی بات تھی کیونکہ اُن کی جماعت اور بھی مضبوط اور طاقتور بن جاتی۔ اور اس صورت میں ہم اُن کو ضرور اپنی طرف سے بڑا اچھا بدلہ دیتے۔ اُن کی جماعت غالب رہتی، اور حفظِ نفس کا صراطِ مستقیم انکو ہم دکھا دیتے۔ پس جس نے ہم تن اپنے آپ کو احکام خدا کی متابعت کے لیئے وقف کر دیا اور جسے اپنے امیرِ جماعت (رسولِ کریمؐ) کا کہا مانا تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے روش بدوش چل رہے ہیں جنہیں اللہ نے اپنی نعمتیں بخشیں مثلاً وہ انبیائے کرامؑ جنہوں نے راہِ حق میں جہاد کیئے، یا وہ صادق لوگ جنہوں نے اپنے اعمال سے اپنے ایمان کی تصدیق کی، یا وہ شہدائے راہِ خدا جو خدا کا بول بالا کرتے کرتے ہلاک ہو گئے، یا وہ صالح العمل لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت کو درست کیا اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں یہ توفیقِ عمل محض اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہر شخص کی نیتِ دل جاننے کے لیئے بس ہے

✝ شارحین قرآن نے اِن آیات کے سیاق کو نظر انداز کر کے آیۂ (۴: ۶۹) کے مطالب پر عجیب و غریب اور طولِ طویل بحثیں کی ہیں اُنکا خدا و رسول کو بلا جانی مجاہدے فرض کر کے جنت اور آخرت میں انبیاءؑ و صالحینؓ کی مصاحبت کے متعلق افسانوں کا وہ طومارِ عظیم مطالب کے گرداگرد کھڑا کر دیا ہے کہ انکی طرف نظر کو دیکھ کر بعض اوقات عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اصل کتاب میں آخری آیتیں (۴: ۶۹ - ۷۰) پہلے مضمون کے تسلسل میں پیش کی گئی ہیں اور ظاہر ہے کہ آیۂ (۴: ۶۶) میں بودے ایمان والے منافقوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اُن کے حوصلے اس قدر بلند نہیں کہ وہ خدا و رسول کے حکم سے اسلامی جماعت کی خاطر اپنی جانوں کو لڑا دیں، یا اپنے گھروں کو چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ کریں، حالانکہ یہ جہاد اور ترکِ وطن اُن کی اپنی بہتری کی خاطر ہی ہے، اور جماعتی حفظِ نفس کا صراطِ مستقیم ہے (۴: ۶۷ - ۶۸) آیۂ (۴: ۶۹) میں صرف اس قدر کہا ہے کہ نبیؐ اور صدیق اور شہدا اور صالحین کا بلند مقام حاصل کرنے کے لیئے جان و مال کی ایسی ہی انتہائی قربانی کی ضرورت ہے ورنہ اسکے بغیر جنت کا حاصل کرنا انبیاء و صالحینؓ وغیرہ کے برابر آ جانا محال ہے۔ صفحہ ۱۱۰ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا تھا کہ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ کا قرآنی مفہوم صدرِ اسلام میں رسولِ خدا صلعم کے جنگی اور مقامی احکام کی تعمیل تھی۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں پر بھی یہی مطلب ہے کہ رسولؐ جو اکثر وقتاً فوقتاً منع فرمایا لڑنے اور مال و اولاد سے مفارقت اختیار کرنے کا حکم دیتا رہتا ہے اور وہ ان احکام کی تعمیل سے اکثر ٹلتے ہیں، اگر ان میں اطاعتِ رسولؐ کی توفیق پیدا ہو جاتی تو اُن کے درجے بھی ایسے ہی بلند ہو جاتے جیسے کہ انبیائے کرام کے جنہوں نے اپنی تمام عمر اصلاحِ انسانی میں صرف کر دیں، یا اُن صدیق

اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم" کا جامع اور مانع مفہوم دراصل انبیائے اولوالعزم اور اجلۂ رہنمایانِ زمین کی اُن
مزلزل الارض اور مقلب الانام مہموں، اُنکی اُن بلند نظر اور وسیع الاثر تحریکوں، اُن لشکر انگیز اور صبح برانداز

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۳) اور شہداء اور صالح العمل لوگوں کے صحبت سے جماعت کی خاطر فرما بیان کیں اس سے زیادہ ان آیات کا کچھ مطلب نہیں رہا۔ مگر یہ "اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ" سے کس طرح کی معیت اور رفاقت مراد ہے اسکے متعلق بحث کرنا عبث ہے کیونکہ آخرت کی کیفیت کا علم خدا ہی کو ہے۔ انسان کو ابھی بیٹھے اور وقت دخل دینے کی ضرورت نہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۲۶ آیہ (۴: ۶۹) "نعمت" کے تحت المتن میں صفحہ ۱۲ پر بھی آچکی ہے اور وہاں یہ عیاں کر دیا ہے کہ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ سے مراد وہ **توفیق عمل** ہے جو ہر با ایمان شخص کے شاملِ حال ہوتی ہے اور یہ **استعداد سعی و عمل کا حسب موقع موجود ہونا ہی صراط مستقیم پر چلنے کے مترادف ہے۔**

"اَلصِّدِّیْقِیْنَ" کے صحیح مفہوم کی مکمل تشریح صفحہ ۱۱ کے تحت المتن میں آیہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ (۴۹: ۱۵) کے ضمن میں کر دی تھی اور عیاں کر دیا تھا کہ از روئے قرآن "صدیق" وہ شخص ہے جو اپنے "ایمان" کی **تصدیق** ہر لحظہ اور ہر حال **عمل** سے کرتا ہے۔ "ایمان" کی اہم قرآنی شرائط بھی اصل کتاب میں بالتفصیل آچکی ہیں اور صفحہ ۱۵۳ کے تحت المتن میں جمع کر دی گئی ہیں۔ "اَلشُّھَدَآءِ" کی توضیح بھی صفحہ ۱۲۱ تحت المتن اور صفحہ ۲ کے متن میں آچکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ "شاہد خدا" وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنے کاموں کے ذریعے سے خدا کے **نوکر ہونے کی شہادت** ہر وقت دیتا رہے، اور جان و مال کو آقا کی خدمت میں پیش کرتے رہنا **اس نوکری کی اہم شرط ہے** (دیکھو آیہ (۲۰۷: ۲) صفحہ ۱۱)۔ "اَلصّٰلِحِیْنَ" کا مفہوم بھی علیٰ ہذا القیاس کچھ کچھ صفحہ ۱۶ کے متن آیہ (۴۸: ۲۹) میں، کچھ صفحہ ۸ کے تحت المتن میں آچکا ہے صلاحیت کی مکمل تشریح از روئے قرآن ابھی نہیں ہوئی، اور اسکی تکمیل کے لیے ابھی بہت دیر بھی ہے تاہم ان اجمال سے ظاہر ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ہونا (دیکھو آیہ (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸)، وہ اجتماعی اعمال کرنا جس سے قوم کے ہر عضو میں بیداری اور حیات پیدا ہو (دیکھو آیہ (۸: ۱۰۹) صفحہ ۸۰) وارث زمین بننا (دیکھو آیہ (۲۱: ۱۰۵) صفحہ ۳۰)، استخلاف فی الارض کا مستحق ہونا (دیکھو آیہ (۲۴: ۵۵) صفحہ ۳) وغیرہ وغیرہ صلاح ہے۔ آیہ (۴: ۶۹) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ "اَلصّٰلِحِیْنَ" کا درجہ تعبّد کا کمترین درجہ ہے اور یہی عامۃ الناس کے اتباع کے لائق ہے، اس سے بلند تر درجہ "اَلشُّھَدَآءِ" کا ہے جس میں مال و جان کی انتہائی قربانی شامل ہے، اس سے بلند درجے کے لوگ "اَلصِّدِّیْقِیْنَ" ہیں جن کا سعی و عمل اور بھی جانگزا اور روح فرسا ہونا چاہیئے مثلاً حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے رتبے کے لوگ جیسا خدا راضی ہو چکا ہے۔ "اَلنَّبِیّٖنَ" کا درجہ سب سے بلند اور ممتنع الحصول ہے، اسکے مفہوم کی تشریح جس اتفاق سے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق آیندہ آیات (۴۰: ۱۱۴-۱۲۲) صفحہ ۱۲۵ میں آرہی ہے جسے ظاہر ہے کہ "اَلنَّبِیّٖنَ" وہ لوگ تھے جو ایک جور زدہ اور شکست خوردہ، ایک مضمحل اور محکوم قوم کو اپنے زہرہ گداز اور مزلزل الارض عمل سے اقل قلیل مدت میں ترقی اور اس سے فلک الافلاک تک پہنچا گئے۔ اور اب مالک کون و مکاں بھی اُن پر سلام بھیج رہا ہے۔ "نبوت" کی ماہیت کے متعلق میں نے چند اشارے دیباچہ کتاب (صفحہ ۲۵-۲۶) میں بھی کیے ہیں جسے نبوت کا کیف ایک حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ موضوع کسی آیندہ بحث کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس امر کی تصدیق کہ ان آیات میں "یُّطِعِ الرَّسُوْلَ" سے مراد صدر اسلام میں رسول کے بالمشافہ یا وقتی احکام کی فوری یا حسب موقع تعمیل ہی تھی۔ اور آج جبکہ رسول خدا اُمت کے درمیان بالمشافہ حکم دینے کے لئے موجود نہیں تو اُس کا بدل امیر جماعت کے احکام کی **فوری اطاعت ہی ہے** اس سے کم و بیش کچھ نہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (۴: ۵۹) کے الفاظ سے ہوتی ہے جو آیات زیر بحث سے کچھ پہلے آئے ہیں اور جن میں ایمان والوں کو کہا گیا ہے کہ خدا، رسول اور امیر جماعت کے احکام کی تابعداری کریں۔ اسی اطاعت پر زور آیات زیر بحث (۴: ۶۶-۷۰) سے دو آیتیں پہلے ان الفاظ میں دیا گیا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ

سکون کوششوں کا اجرا، تسلسل اور تکمیل ہی تھا جنکے لیئے وہ اپنی زندگیاں وقف کر گئے تھے، اور جنکی ذمہ داری کا بوجھ وہ اخلاف عالمین پر قاطبۃً چھوڑ گئے تھے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۴) تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (۴ : ۶۴) "یعنی ہم نے آج تک کوئی رسول ہی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اسکے بھیجنے سے ہمارا مقصود یہی رہا ہے کہ لوگ ہمارے حکم سے اسکی اطاعت بے چون و چرا کریں، اور اگر یہ منافق بھی علی ہذا القیاس اُس ظلم کے بعد جو اُنھوں نے تمہاری نافرمانی کے باعث اپنی جانوں پر کیا تھا اللہ سے معافی مانگتے اور تم بھی اس درخواست میں اُنکے شریک حال ہوتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ خدا بھی فی الحقیقت بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور ظلم کار انسان پر بڑا ہی رحم کرنے والا ہے"۔ گویا رسول کا مقام من حیث الجماعت کسی سپہ سالار یا حاکم اعلیٰ کا مقام ہے اور اسکے اس دنیا میں بھیجے جانے کی غرض و غایت لکھی ہی ہوئی ہے کہ سب لوگوں کو ایک حاکم اور ایک حکم کے حلقۂ اطاعت میں لا کر منظم اور منسلک کر دے، اور جب وہ آپ اس دنیا سے رخصت ہو جائے تو یہ اطاعت کا مادہ ارکان اُمت میں بدستور جاری رہے اور اسکی بجائے اولوالامر منکم کی طرف منتقل ہوتا رہے۔ اس مقام نظر سے رسالت کا مقصود افراد اُمت میں اطاعت پیدا کرنا ہے اور بس لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ (۴ : ۶۴) مطاع کی ذات اس اطاعت میں مخصوص اسلئے ہیں کہ ہر رسول اپنے اپنے وقت میں خدا کی اجازت سے لائق اطاعت ہی تھا جیسا کہ مثلاً آیہ (۴۳ : ۶۳) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ سے ظاہر ہے جو اصل کتاب صفحہ ۲۳۸ پر آ چکے ہیں۔ رسول کے بعد وہ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴ : ۵۹) جو اُمت کی شیرازہ بندی اور عملے کو قائم رکھنے کے لئے بِاِذْنِ اللّٰهِ مقرر ہوتے ہیں اس اطاعت کے اہل ہیں، اور از روئے قرآن ان کی اطاعت کرنا فی الحقیقت خدا کی اطاعت کرنا ہے۔ مذکرۂ صدر آیت (۴ : ۶۴) کے الفاظ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ سے بھی ظاہر ہے کہ عصیان امیر درحقیقت وہ شکست انگیز تنے ہیں جنکے بُرے نتائج نافرمانوں کے اپنے حق میں مضر ہوتے ہیں گویا اس حکم عدولی کے باعث تمام جماعت کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور بدیں بار وہ سب اُمت کو موت کے گھاٹ اُتر جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۰ کی آیات میں عصیان رسول کو 'ظلم' سے تعبیر کر کے صاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ امیر اُمت کی نافرمانی کرنا وہ فتنۂ عظیم ہے جسکی سزا تمام جماعت کے افراد کو بھگتنی پڑتی ہے وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ (۸ : ۲۵)

* قرآن حکیم کے تمام طول و عرض میں سورۂ فاتحہ سے قطع نظر صرف یہی ایک موقع ہے جہاں پر اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں باقی سب مقاموں پر صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [1] بالتنوین موجود ہے اور مطالب کی تنکیر یہاں پر اس بار اور بھی جبر تخصیص اور آیات کے سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بے لوث و بے پایاں زندگیوں کا تمام سعی و عمل، انکی اپنی اُمت کی خاطر مسلسل کلفت برداریاں، اُن کے ہمسایوں سے جہاد بالسیف، اُن کا ترک وطن، اُنکی قربانیٔ مال و جان، ان کا فرعون پر غلبہ حاصل کرنا، اُنکی وادیٔ سینا و عین قادیش میں جماعتی تعلیم و تنظیم، اور بالآخر مسلسل تعلیم و تلقین کے بعد بنی اسرائیل ایسی غلام اور محکوم، ذلیل و ضد نامراد، پست اخلاق اور نامرد قوم کو اقل قلیل مدت کے اندر عالم اور جنگی، حکومت کے اہل اور بادشاہت کے لائق قوم بنا دینا ہی وہ اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تھا جو قرآن عظیم کے رو سے اس دنیا کو بانا ہے کا واحد اور سچا دستور العمل ہے۔ یہی وہ عزیز القدر اور پسندیدہ عمدۃ الاعمال ہے جسکے مطابق چلکر عرب کے پیغمبر جلیل اور سرور انبیاء نے تیئیس ۲۳ برس کے جانگداز اور روح فرسا سعی و عمل کے بعد وہ عقید المثال کامیابی حاصل کی کہ دنیا ابد الآباد تک اس کارنامے پر سر دُھنتی رہے گی۔ یہی اُسوۂ عمل تو انبیائے کرام کا

[1] باستثناء چند مقامات صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا سے بھی

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (۳۷: ۱۱۳-۱۲۲)

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی بہت سے احسانات کئے۔ ایک بڑا احسان یہ تھا کہ ہم نے ان دونوں بھائیوں کو اور اُنکی قوم کو فرعون کی مصیبت عظمیٰ سے بالآخر نجات دی، اور فرعون کے بالمقابل اُنکو کامیاب طریق عمل کی ہدایت دیکر اُن کی مدد کی، اور پھر آخر کار یہی لوگ غالب رہے۔ اس کے علاوہ ہم نے اُنکو ایک واضح اور بلیغ فی البیان دستور العمل کتاب کی صورت میں دیا، اور اُنکو دنیا میں خوش اسلوبی سے اور غالب بنکر رہنے کا صراط مستقیم دکھایا، اور پھر ان دونوں بھائیوں کے عظیم الشان اعمال کا اثر اُنکے اخلاف میں بھی باقی رکھا۔ موسیٰ اور ہارون پر ہمارا اور اُن کے بعد کی اُمتوں کا سلام ہو! بیشک ہم حسن عمل کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ وہ دونوں ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے!

ان نتیجہ خیز صبر آزما، اور بلند پایہ اعمال کے بعد یہ چشم انعام ہی نماز کی اصلی محرک، اور پنجوقتہ حاضری کی روح رواں تھی: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○ (۳۲: ۱۶)[ل]

یہ لطف و کرم کی اُمید، اور غضب خدا کا ہول ہی تھا جو اُس علۃ العلل، اُس قادر مطلق اور مسبب الاسباب خدا

ل یہ وہ صاحب سعی و عمل لوگ ہیں کہ احکام خدا کی تعمیل، اور بہبودی اُمت کی جد و جہد میں اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے، اور خوف خدا کی تعمیل میں اُنکی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں، وہ اپنے پروردگار کی جناب میں اجتماعی ہلاکت کے خوف اور غلبۂ اُمت کے طمع سے کراہتے ہیں، اُسکے لطف و کرم کے امیدوار اور سراسر حرف و رہکر دعائیں مانگتے ہیں، اور حتی الامکان اسمیں سے جو ہم نے اُنکو دے رکھا ہے ایثار مال بھی کرتے ہیں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۵) تھا، نوح، ابراہیم، لوط، صالح وغیرہم علیہم السلام سب اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر چلتے رہے۔ اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر چلکر نعمت اور دنیوی تعز ہے (صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) اسی سے آخرت اور عقبیٰ کا چھٹکارا ہے، یہی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰) صفحہ ہم ۱۴ ہے۔ اسی سے غضب خدا کی بندش یکسر ہوتی ہے۔ خدا کے فرشتے اور بادشاہ زمین و آسمان سلام بھیجتے ہیں (سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ) رب دو اللعس کی نگاہیں مہرآلود ہو جاتی ہیں (وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ) یہی سچا حسن عمل ہے (اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ) یہی اُس آقائے نامدار کی صحیح عبادت ہے، یہی اصل ایمان اور دین اسلام ہے۔ اسی کا محاسبہ اور اسی کی درخواست پنجوقتہ دل میں تھی، اسی کی ترتیب کے اظہار میں قومے اور قعدے تھے۔ اسی عمل کو قائم کرنا اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ تھا مگر آہ! کہ مسلمان آج اس آئین الٰہی اور نبوی سنت کو قطعاً بھول گئے ہیں!

ملہ ایمان کے متعلق وہ تمام قرآنی اعمال حسنہ کا ذکر اُس وقت تک ہو چکا تھا صفحہ ۱۰۱-۱۸۴ پر جمع کر دئے ہیں انکے مطالعے سے ظاہر ہو کہ موسیٰ اور ہارون پر اَلْمُؤْمِنِيْنَ کا لفظ کس قدر جچا تا ہے۔ ہیں بلکہ اُن دونوں کے عمل کو دیکھکر جو انہوں نے بنی اسرائیل کو مکن فی الارض بنانے کیلئے کئے، اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایمان کی حقیقت کس انتہائی سعی و عمل کا نام ہے اور اسکا منتہا ہی وحیدگی تک اپنے اندر قوت اور زور پیدا کرے کہ وہ شخص اپنے آپکو اور اپنی قوم کو دشمن کے دست تطاول سے نکالکر وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اور وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ کا مصداق ہو۔ یہی قرآن کی اصطلاح میں مومن ہے، کلمہ بہار کو پڑھ کر مومن بنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔ ان آیات الٰہی سے اس امر کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ ایمان کا اصل منتہا سیاسی غلبہ ہی ہے، نہ کہ دینی غلبے کا کھیل کرنا ہیں حَسَنٰتٌ کے صحیح مفہوم پر بحث صفحہ ۱۲۷-۱۳۱ میں بھی ہو چکی ہے جس سے ظاہر ہو کہ اَلْمُحْسِنُوْنَ سے مراد صفحہ ۱۳ کی آیت (۱۶: ۲) کے لفظ اَحْسَنُ کیطرح یہاں پر بھی اعلیٰ حد کی ہمہ گیر سیاسی قوت عاصل کرنا اصلاح عمل ہے۔

کی جناب میں ان وقف عمل اور اسلام کے سچے خادموں کو ضربِ دل اور خشوع خضوع سے آمادۂ رکوع و سجود کر دیتا تھا: اِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ﴿٢١ ٩﴾ یہ دستگیریٔ ربّ پر اعتماد، اور نصرت خدا کا یقین ہی تھا جو تملّق کی رحم آفریں اور مضطر انعام حالت میں خدا کی سچے دل سے تحمید و تقدیس کراتا!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ﴿١ ١-٤﴾

اے پروردگار عالمین! سب تعریف اور شکر اسے کا مستحق تو ہی ہے۔ تو بڑا ہی رحم کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔ روز جزا و سزا کا بھی تو ہی حاکم ہے۔ ہم اپنے سب اعمال میں تیری ہی عدمت اور تیری ہی چاکری کریں گے، اور ہر معاملے میں تجھی سے مدد مانگیں گے۔

یہ دوستی حق پر اعتماد، اور تائید خدا کا انتظار ہی تھا کہ انعام کی آس پر سب کی سب جماعت یکدم گھٹنوں پر، اور ہاتھوں کے بل گر پڑتی! پھر اٹھتی اور بار بار گرتی! اِس نماز میں روح تھی، اسمیں مقصد تھا، اسمیں غرض کی دلچسپی تھی، اسمیں انعام کی لِم اور رکوع و سجود کی منطق تھی، اس میں ایمان کے شعلے تھے، اس میں عصبیت کی یک رنگی تھی، اسمیں سچا خشوع و خضوع تھا، اسمیں محبت کی جنبشیں اور سوا خات کے باہمی تلاطم تھے! اسمیں اطاعت کا پیہم احساس، اور نظم و نسق کا سچا سبق تھا، اس میں توحید کا عملی اور نتیجہ خیز منظر تھا! اسمیں خدا کی سچی خوشامد، اور متفقہ جماعت کی اِسقدر عجز و زاری کے بعد طمانیت دل اور تسکین قلب حاصل ہوتی تھی، اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿١٣ ٢٨﴾ یہی وہ مُسکن روح اور مُفرح قلب دوا تھی جو

سلہ اسمیں شک نہیں کہ یہ لوگ حد کے قوت ارادہ اور سعید قوم اعمال (الخیرٰت) کیطرف لپک لپک کر پہنچتے تھے، اور ہمکو اجتماعی انعام کی رغبت سے اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور پھر اس بیم و رجا کے تکلیف کو دل میں رکھکر ہماری جناب میں سچا خشوع و خضوع کیا کرتے تھے۔

سلہ لوگو اچھی طرح دل میں رکھو کہ دلوں کو کامل تسلی خدا کے سچے احساس سے ہوا کرتی ہے

⁂ الخیرٰت کے صحیح مفہوم کے بارے میں ایک طویل و طویل بحث صفحہ ۱۳۴–۱۳۷ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے وہاں پر یہ آیت بھی آئی ہے متذکرہ صدر مطالب کی تصدیق کے لئے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

⁂ صفحہ ۱۱۰ کے تحت المتن میں عبادت کا صحیح مفہوم واضح کرتا تھا نماز کے عین وسط میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ کا اقرار بادشاہ زمین و آسمان کے سامنے کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دستور ہیم لازمت حسب مقدار کرنے کا ہی یہ نماز پڑھنے کا۔ یہ نکتہ ہم نے صفحہ ۱۱۲ پر بھی واضح کر دیا ہے۔

مشکلات کے آسان کرنے میں معین خاص ہوا کرتی تھی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ؏ (۲ ۔ ۱۵۳)۔ آج یہی نماز جسکے ہر قومے اور قعدے پر خدائے بے نیاز کی رگِ لطف و رحمت
میں مسلسل اور متصل جنبشیں ہوا کرتی تھیں، جسکے ہر کیفِ سجود پر منشیانِ لطف و کرم کے قلم مشرستانِ صریر
بنجاتے تھے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ؏ (۱۴ ۔ ۷)، جسکی ہر تہلیل جراحتِ عشق کی بے اختیار ٹیس، اور ہر تکبیر
کسی نمک بخت ناسور کی جگر شگاف چیخ تھی، جسکے ہر زمزمۂ اذان اور ہر مضرابِ دعا پر لطفِ الٰہی کے لاانتہا
سازِ یکدم بجنے شروع ہوجاتے تھے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؏ (۴ ۹) جسکی جاذب القلب صدائیں
پردۂ زنگاری کے اس بے نیاز، سیر چشم، اور پُرکار معشوقؑ کو بھی مجبورِ یاد اور آمادۂ جواب کردیتی تھیں،
وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُوْنَ ؏ (۲ ۔ ۱۸۶)، فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ؏ (۲ ۔ ۱۵۲)، آہ! یہی نماز آج اُمت کی بے حسّی اور ایمان کی سطحیت،
مطالب کے نسیان اور مقاصد کی فروگذاشت کے باعث ایک بے معنی اُٹھک بیٹھک بنگئی ہے! غرض تو
درکنار، اسکے لفظی معانی بھی آج سو میں پانچ نمازگذاروں کو میسر نہیں! اسکی اہمیت، غرض و غایت کی
ناواقفیت کے باعث روز بروز ذہنوں سے اُٹھ رہی ہے! مقصود کے فقدان اور کساد بازاری کی وحشت
نے اسمیں بے مطلبی کا تنفر، اور بے سبب فرضیت کا اکراہ پیدا کر دیا ہے: نصب العین کے سقوط، اور

---

۵۱ اے ایمان والو! مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے استقلال اور خدا کی سچی یاد سے مدد لیا کرو۔ بے شک خدا اُنھی کا ساتھ دیتا ہے جو مستقل رہتے ہیں (گویا اوّل مرحلہ سعی و عمل میں استقلال (الصَّبْر) ہے اور آخری مرحلہ دعا (الصَّلٰوة) ہے)۔

۵۲ اگر تم میری نعمتوں کا صحیح استعمال اور اُن کی سچی قدر کر کے میرا شکریہ ادا کرتے رہوگے تو میں تم کو اور بھی زیادہ کروںگا (شکر کے ان معانی کے لیے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۴۰)

۵۳ اللہ فرماتا ہے مجھے بلاؤ اور صدق دل سے بلاؤ میں تمہاری مدد کروں گا اور تمہاری درخواست کو قبول کروں گا۔

۵۴ اور اے محمدؐ! جب ہمارے بندے تم سے ہماری بابت پوچھیں تو اُن کو کہہ دو کہ ہم اُن کے پاس ہر وقت موجود ہیں ہم پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں بلکہ اگر اُس کا دل کرا ہے گے تو جواب بھی دیتے ہیں۔ پس اُنکو چاہیئے کہ سرتاپا ہمارے حکموں اور اشاروں پر چلیں اور بہر حتی الوسع سعی کر کے ہم پر اعتماد بھی کریں ممکن ہے کہ انکو راہ مل جائے

۵۵ تو تم کو ہر وقت سچے دل سے محسوس کرتے رہا کرو پھر ہم بھی تمہارا خیال رکھیں گے

طیتِ دل کے زوال نے اِسکے رہے سہے نباہنے والوں اور خدا دوستی کے بڑے دعوے داروں اور شب زندہ
داروں میں ایک المناک دوریٔ دل اور پریشانیٔ خیال پیدا کردی ہے ؛ اسکا ہر رکوع و سجود، درحقیقت ایک غیر
دلچسپ اور مضحکہ انگیز بیگار بن گیا ہے۔ اِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (۲ ۴۵)؛ بڑے بڑے رسمی اولیاء اللہ
اسکو برسوں تک نباہ کر اپنے آپ کو خدا سے ویسا ہی دور پاتے ہیں جیسا کہ روزِ اول میں تھے! اُدھر مجددینِ
دینِ کُہن، اور بعض شناسانِ عہدِ حاضر، اِس نماز کو یورپ کے فراعنۂ کبر و تمکنت اور مبلغینِ فسق و شیطنت کے
آبگینۂ تہذیب و وجاہت کو ٹھیس نہ لگ جانے کی خاطر، ازمنۂ مظلمہ کی ایک جاہلی رسم اور لغو حرکت خیال
کر رہے ہیں! اِسکی اذانیں محفل آرایانِ طرزِ جدید کے لطیف اور ناتحمل دماغوں میں، بے ہنگام اور
تکلیف دہ صدائیں بن گئی ہیں! یورپ کا شیوہ حکومت آج اپنے بےمثال تمکن اور خاموش تبلیغ سے اپنی
مخصوص طرزِ تعلیم اور مصالحانہ دخل سے، اپنی باطنی بدنیتی اور ظاہر احسان سے، اصلاح کے دلفریب
بہانوں اور تہذیب کے مشہور غذروں سے محکوم مسلمانوں میں تفرنج کا رنگ پیدا کر کے، اُنکی محبوب روایات
اور مہتم بالشان شعائر کی بیخ و بنیاد کو کھوکھلا، اور اسلام کی خانہ براندازی کا تماشا نہایت ٹھنڈے دل
سے کر رہا ہے! اسکی پُرفن اشاعتی تعلیم محکوم مشرق میں مذہب اور جماعت کو عمداً کالعدم کر رہی ہے۔ نئی
پود کی اکثر عصبیت، اُن کے امتیازی نشان، اُنکی ملی خصائص اور اخلاقی بزرگیاں حرفِ غلط بن بن کر
مٹ رہی ہیں۔ اسلام کی مسخ شدہ تصویر کے بقیۃ الموت سب خط و خال علمِ جدید کی عاریتی اور خانہ سوز شعاع
کے بالمقابل برف بن بن کر گھل رہے ہیں۔ مغرب کی شانِ مکر و تمکنت آج مشرق کی ہر خوبی کے متعلق اپنے
معنی خیز استخفاف اور عیارانہ سکوت سے ہی سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں پر مصالحانہ احتلال کر کے اُن کو
اپنے دین سے، اپنی روایات سے، اپنے اعمال سے، اپنے ابطال اور اعاظم الرجال سے، اپنے خدا سے قطعاً شرما
رہی ہے! مردِ تو در کنار، اسلام کی محفوظ اور محافظ مردِ صنفِ لطیف، یورپ کی آغوشِ لطف و مرحبا میں اِس حیا سوز

لہ اسمیں شک نہیں کہ یہ بمارماسوا ان لوگوں کے جنکا سب بیم و امید ہمارے ساتھ وابستہ ہو چکا ہو باقی لوگوں کے نزدیک بگار ہی بیگار ہے

سرعت سے ہمکنار ہو رہی ہے کہ ہر صاحب نظر کی نگاہیں زمین گڑی جا رہی ہیں! نا انجام شناس مسلمان نشر و تبلیغ کے ان منقلب القلوب مرکزوں میں ایک ناقص اور سطحی، نظری اور بیکار کن علم کی پتلی سی تہ چڑھا کر تعلیم کے خوشنما تبر سے اپنی ہی جڑ کاٹ رہا ہے۔ اُدھر علمائے دین کی ماتم انگیز کم علمی، علم و شہادت کے اِس عہد حکومت میں اسلام کی ایک قطعاً ناقابل تسلیم اور مضحکہ خیز تصویر پیش کرنے میں بڑھ بڑھ کر قدم مار رہی ہے۔

الغرض دنیائے اسلام کے اکثر اہم حصوں میں خدائے زمین و آسمان کے اِس شکر انگیز اور جہاں کشا دین کا ہر باقی ماندہ اصول مغرب کے ائمۃ المکر کی ہشیار فریب چالبازیوں، اور مشرق کے اجلۃ الجہل کی ناروا ضد کے باعث عجب ہنسی مخول بن رہا ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ○ (۵: ۵۷-۵۸)

✦ اِن احکام الٰہی میں اُن اعدائے اسلام کے ساتھ جو مناسک دین کا تمسخر اڑاتے ہیں، جو اُس کی تضحیک و توہین کر کے مسلمانوں کو اس سے بیزار کرنے کی سعی کریں، کسی قسم کی دوستی اور موالات نہ رکھنے کو اتقائے الٰہی اور ایمان پر محمول کیا گیا ہے، اور صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ ایسا کرنا ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ گویا جو شخص یا جماعت اُن سے موالات اختیار کرتی ہو اُسکے ایمان میں خلل ہے، اور اُسکے مومن ہونے کا ادعا محض باطل ہے۔ (إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ)۔ جو جماعت اِس صورت حال کو دیکھکر بھی ایسی جماعت سے سروکار رکھتی ہے، جو اُس کے مابہ تفاخر کا دین یا معبود تعالیٰ، مراسم عبادت یا تعاون برقرار رکھنا کچھ عیب نہیں سمجھتی وہ لامحالہ شدید العقاب خدا کی دردناک سزاؤں کا کچھ خوف (اتقا) نہیں کرتی، اُسکو اُس اجتماعی ضعف و شکست کا کچھ باک نہیں رہا جسکا ایسی حالت میں اُمت پر خدا کے ہاں سے نازل ہونا قطعی ہے، اور اسی لیے ایسا گروہ کچھ متقی بلکہ کچھ مومن نہیں۔ جو قوم اَعْدَاءُ الدِّين کے لعب العیب سے پرے ہٹ رہی ہے، جسکے اعمال اُمت کی اجتماعی قوت کو ضعف پہنچا رہے ہیں، اُس کا ایماندار رہنا از روئے قرآن سخت مشکوک ہے۔ مسلمانوں نے آج 'موالات' کے معانی میں بھی عافیت وہ تاویلیں پیدا کر لی ہیں حالانکہ آیہ (۵: ۵۷) سے صاف ظاہر ہے کہ اس ترک دوستی سے غرض دشمن قوم کی مضر تلقین و تعلیم کے اثرات سے محفوظ رہنا اور صاف اُن کو اِس ترک دوستی کے باعث انتہائی مالی اور اقتصادی نقصان پہنچا کر اپنی قوت کو محفوظ رکھنا ہی ہے۔ حفظ نفس کا اصل اصول قرآن حکیم کے ہر ورق پر لکھا ہے۔ یہی اسلام کی اصلی تعلیم ہے، یہی ایمان و تقویٰ ہے اپنی انتہائی حفاظت کرنا اور دشمن کو انتہائی ضرر پہنچانا۔ اِس دنیا کو حسن اسلوبی سے بنا ہے کا وہ صراط مستقیم ہے جو حریدہ کائنات کے ہر شعبہ بقا پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ ادنےٰ مخلوق سے لیکر اعلےٰ سے اعلےٰ مخلوق تک سب اِسی پر عمل پیرا ہیں، قانون فطرت کا لب لباب یہی ہے، یہی فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے، یہی دین اسلام ہے اور یہی دعامی حکمت عملی الصّلوٰۃ کے قیام میں مضمر ہے۔ اگر اس موضوع پر مبسوط بحث کسی آیندہ صحبت میں کی جائے گی

اے ایمان کے دعوے دارو! اُن اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے، جن کو تم سے پہلے کتابِ الٰہی دیجا چکی ہے، جن لوگوں نے تمہارے دین اسلام کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، نیز اُن لوگوں کو جو خدا کے سرے سے منکر ہیں، اپنا دوست نہ بناؤ، اور اگر تم سچے ایمان والے ہو تو خوفِ خدا کر کے اُن سے الگ تھلگ رہو، اور اُن سے میل ملاپ پیدا کر کے خودکشی نہ کرو، اور یہ تخصیص وہ قومیں ہیں کہ جب تم لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے ہو تو یہ لوگ اُسکو ہنسی اور مخول بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے، اور یہ اِس لیئے کہ اِن ناسمجھوں اور بے وقوفوں کو نماز کی عظیم الشان اہمیت کا کچھ اندازہ ہی نہیں، (یا محض تجاہلِ عارفانہ کر کے تمہارے دلوں میں اِسکی اہمیت کو کم کرنا چاہتے ہیں)۔

خود مساجدِ خدا کی معنوی حالت اِس ملحدانہ لاُابالیت سے کہیں ابتر ہے! اُن کے صحنوں میں دردناک خموشیاں، اور حجروں میں ہولناک ویرانیاں ہیں۔ خدا کے نام لیواؤں کی ایک تعدادِ کثیر بے حسی کے موت آفریں ماحول میں خانہ نشین رہکر، اِس نماز کو، ہمیں اِس صراطِ مستقیم کی متفقہ درخواست کو (!) گھروں کے اندر ہی اندر نپٹا لیتی ہے، لیکن ربِّ زمین و آسمان کیلئے دس قدم چلنا گوارا نہیں کرتی! سینوں کی کپٹ اور دلوں کی سیاہی کا یہ حال ہے کہ مساجد میں حاضر ہونے کے باوجود، نماز کی جماعتی حیثیت حسّاً اور معناً نابود ہو گئی ہے! وہ مسجدیں اور الٰہی دربارگاہیں جو کسی زمانے میں مسلمانوں کے سیاسی اجتماع اور دینی مواخات کی پنجوقتہ انجمنیں ہوا کرتی تھیں، جن میں اسلامی بہبودی کے ہر ممکن موضوع پر بے تکلف مباحثے، اور دشمن سے عہدہ برآ ہونیکے بے خوف و خطر منصوبے سوچے جاتے تھے، وہ اعلانِ خدا کے نقار خانے آج باہمی رنج و حسد کے باعث خموشوں کے مقبرے بن گئے ہیں! ہر مسجد دوسری مسجد کے مقابل صف آرا، اور ہر دل دوسرے دل سے جُدا ہے! فرعی اختلافات ہیں، عقائد کی ہولناک تفریق ہے، الفاظ اور لغات پر فرقہ بندیاں ہیں، پیش امام کا جہل محیط ہے، بے حسی کی بیکاری اور نامرادی کا جمود ہے! پھر پریشانیٔ دل اور فکرِ معاش میں چند پے در پے سجدے ہیں، برسوں کی بھولی ہوئی باتوں کی یاد دہانیاں وسطِ نماز میں ہیں، پھر منافقت کے رسمی علیک سلیک، یا دو ایک سطحی مصافحے ہیں، پھر خانۂ خدا سے نکلکر اِن سجدوں کی رعونت، اور اِس عبادت کا

غرور ہے! فاحش اور منکر خیالات بیش از پیش ہیں، تمام باقی وقت استیصالِ حریف، تھڑدلی اور تنگ ظرفی، ایذائے خلق اور مدِ مقابل سے جھڑپ مول لینے ہیں صرف ہو رہا ہے گویا فلاح و نجات کا منشورِ ایزدی خانۂ خدا کی دہلیز پر ِل چکا ہے!

زاہدہ ہائے صبوحی بدامنِ عصمت
چہ داغِ شرم کہ ننہادۂ وسیع از تو!

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ○ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ○ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ○ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ○ (۱۰۷: ۴-۷)

تو اے لوگو! حیف ہے اُن نمازگذاروں پر جو اپنی نماز کی اصلی غرض و غایت کو فراموش کر چکے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو محض دکھلاوے کیلئے نمازیں پڑھتے ہیں اور باہمی مصالحت اور اتحادِ اخوت اور رحمت کے سبق کو پیشِ نظر نہیں رکھتے۔ انکی باہمی کھٹپٹیں اسقدر بڑھ گئی ہیں، اور دل ایسے تنگ ہو گئے ہیں کہ محبت تو درکنار، وہ ایک دوسرے کو روزمرہ کے برتنے کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے مدد کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

✝ آیہ (۱۰۷: ۴-۵) سے ظاہر ہے کہ نماز کے ارکان ادا کر دیا اور اسکی غرض و غایت یعنی مساحمت اور مصالحت بین الناس کو فراموش کر دیا وہ عمل ہے جس کی خدا کے نزدیک کچھ وقعت نہیں، ایسی نماز محض ہوکا اور دکھلاوا ہے۔ ورنہ الصَّلٰوۃ وہ نیتوں کو نیک، ارادوں کو بلند اور حوصلوں کو فراخ کر دینے والی شے ہے کہ اسکے ذریعے انسان دوسرے انسان کے لئے ہر ممکن ایثار کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے چہ جائیکہ ایسا تھڑدلا اور کم حوصلہ ہو جائے کہ ادنیٰ سی مساحمت (مثلاً ایک دوسرے کو روزمرہ کی برتنے والی اشیاء سے مدد دینا) بھی روا نہ رکھے الصَّلٰوۃ کی اس صلاحیت کا ذکر سورۃ المعارج میں بھی ہے

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۞ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۞ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۞ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۞ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۞ (۷۰: ۱۹-۲۳)

(یعنی) اس میں شک نہیں کہ آدمی تھڑدلا کم حوصلہ اور بے صبرا پیدا کیا گیا ہے اگر اسکو کسی طرح کا نقصان پہنچتا ہے تو ہائے ہائے کرنے لگتا ہے اور اگر ذرا سا فائدہ پہنچ جاتا ہے تو پرلے درجے کا بخیل اور خسیس بن جاتا ہے البتہ وہ الصَّلٰوۃ کو قائم رکھنے والے لوگ جن کا چیتا نماز ہی فراخ حوصلگی سے دلوں کو موہ لینا ہے اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں اور یہ لوگ ہیں جو دم بھر کیلئے الصَّلٰوۃ کے جن نماز کو نظرانداز نہیں کرتے (الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ) الصَّلٰوۃ پر مداومت کرنے کے یہی معنی ہیں کہ ایک لمحے کے لیے بھی اسکی الٰہی حکمت کو بھولا نہ جائے، ہر دم نماز پڑھتے رہنا نہ ہو سکتا ہے اور نہ مقصود ہی ہے علیٰ ہذا القیاس زیرِ بحث آیات (۱۰۷: ۴-۷) میں الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ سے مراد نماز کے معنوں کو بھلا دینا یا اُسکے ادا کرنے میں غفلت کرنا نہیں بلکہ نماز کی بنکہ نماز کے منتہا کو بھول جانا مراد ہے دونوں جگہ الْمُصَلِّينَ کا ذکر ہے بے نماز وں سے بحث نہیں اور اسی لیے آیہ (۱۰۷: ۶) میں يُرَاءُونَ کہا ہے یعنی نمازیں تو پڑھتے ہیں مگر محض دکھلاوے کی۔ شارحین قرآن نے اِن سب حیر آیات کا نہایت لغو ترجمہ کر دیا ہے اور اصلیت سے دور جا پڑے ہیں۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ (۴:۱۴۲-۱۴۳)

اسلامی جماعت میں نفاق ڈالنے والے اور فرقہ بند لوگ تو گویا اپنی ظاہر داری سے خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ حقیقت میں خدا ہی اُن کی بداعمالیوں کو اُنکی نظروں میں اچھا دکھا دکھا کر اُنکو دھوکا دے رہا ہے اُنکی نشانی یہ ہے کہ جب نماز کے لیئے کھڑے ہوتے ہیں تو بیدلی سے اور الکسائے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں محض دکھلاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں، ورنہ خدا کا احساس اُن کے دلمیں فی الحقیقت بہت ہی کم ہے۔ انہیں خدا کا یقین تو ہے نہیں، کفر اور ایمان کے بیں بین بکھر مذبذب رہتے ہیں۔ نہ پورے اِدھر کے نہ اُدھر کے۔ سو جن کو خدا گمراہ کر دے انہیں کوئی مستقل طریق عمل کبھی نہیں ملتا۔

جب اسلام کے اس بہترین شعار، اور التیام جماعت کے اس بہترین چارۂ کار کے متعلق مسلمانوں کی کار فرمائی کے یہ عنوان ہوں، افراد میں یہ تفریق و انتشار، اور اتحاد میں یہ سطحیت اور نمائش ہو، یہ بے توجہی اور خدائے ذوالجلال کی جناب میں پنجو قتہ یہ صریح گستاخی ہو، بندگانِ خدا میں کفر و الحاد کی یہ طرحداری اور خود داری کی یہ وضع بن گئی ہو، اللہ کے آگے ماتھا رگڑنا یہ باعث ننگ و عار، اور بے روح سجدوں میں کبر و ادعا کی یہ شان ہو، جب نصب العین مفقود، اور مدعائے سوال کالعدم ہو، نہیں، جب سائل کو

✝ یہاں پیر الصّلوٰۃ کا یہ تیس یہاں دوہی اتحاد اور اصلاح میں التباس ظاہر کیا ہے۔ نفاق پیدا کرنے والے لوگوں کی بات کہا ہے کہ نمازیں الکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں اسلئے کہ الصّلوٰۃ کا مطمح نظر اتحاد ہے اور یہ لوگ تفریق پیدا کرنے والے ہیں، اسی وجہ نماز اُن کو کچھ بھلی نہیں لگتی۔ اُن کی نمازیں بھی اسی لئے محض دکھلاوے کی ہیں۔ یعنی غرض لوگوں کو دھوکا دینا ہے۔ یُرَآءُوْنَ کا لفظ یہاں یہ آیا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہاں بھی دکھلاوے کی نماز پڑھنا مراد ہے جیسا کہ پیشتر کی آیت (۶،۱۰،۷) میں دعوےٰ کیا تھا۔ عبرت کا مقام ہے کہ آج عالم اسلام میں کتنے لوگ ہیں جو نمازیں الکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں، اور از روئے قرآن وہ کس گروہ میں شامل ہیں جس کی بات اسی آیت سے ملا کے آیا ہے، اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۴:۱۴۵) یعنی جماعت میں نفاق پیدا کرنے والے لوگ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ فاعتبروا۔

ضمناً یہاں اس بات کا فیصلہ بھی ہو گیا کہ منافقوں کی سی نماز پڑھنا ذکر خدا قطعاً نہیں ہے (وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا) نہیں بلکہ ذکر سے مراد تسبیح چلانا بھی نہیں بلکہ وہی خدا کا کھٹکا دل میں لگائے رکھنا ذکر خدا ہے۔

سوال کی خبر اور منعم سے سوال کا رخ بھی نہو، جب اعمال قطعاً نابود، انعام کا حسن زائل، اور سعی سے یکسر گریز ہو تو پھر خدا سے کیا شکایت ہی کہ ہمیں ہے او صدیوں کی خواب آفرین مہلت، اور شوکت و حشمت کے بعد یہ ناگہاں عذاب کیا ہے!

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۶: ۴۴-۴۵)

پھر جب یہ اُمت رفتہ رفتہ اُس تمام دستورالعمل کو بھول گئی جو ہم نے اُنکو کبھی اچھی طرح یاد دلایا تھا، تو ہم نے بھی اُنکو اور مغالطے میں ڈالنے کی غرض سے اُنپر تمام دنیاوی نعمتوں کے دروازے چوپٹ کھول دیئے، یہانتک کہ جب وہ اُن نعمتوں کے نشے میں اچھی طرح مست ہو گئے اور یقین کرنے لگے کہ یہی طریق عمل فرمودۂ خدا ہے، اور ہم ہی ارض دنیا کے اندر خدا کے چاہیتے ہیں، تو ہم نے یک لخت اُنکو آ دبوچا۔ اور عذاب کا آنا تھا کہ اب وہ بے آس ہیں اور ہمارے حضور میں کراہ رہے ہیں۔ پھر کیا تھا اُس ظالم* قوم کی جڑ کاٹ کر رکھدی گئی اور اس پروردگار عالم کا شکر ہے کہ ان نااہل لوگوں کا قصہ پاک ہو گیا!

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝ (۴۰: ۶)

لوگو! پروردگار فرماتا ہے کہ ہمیں پکارا کرو۔ اگر صرف دل سے ہمیں پکاروگے تو ہم تمہاری درخواستیں بھی قبول کر لیا کرینگے لیکن جن لوگوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھکر اور غرور کے مارے ہم سے سرتابی کی اُنکو ہم عنقریب ذلیل و خوار کر کے جہنم واصل کرینگے۔

لیکن الصّلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق جو عبرت انگیز تنبیہی حکم رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو منافقین دین کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرنے، اور مساجد کو **تفریق** سے باز رکھنے کی غرض سے نازل ہوا تھا بجائے خود نماز کے فلسفے کی بہترین تشریح تھا۔ مدینے سے چار میل باہر قصبۂ قبا میں بنی عمرو بن عوف کے محلے میں ایک

* ظَلَمُوا کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مسوط حاشیہ آگے چلکر صفحہ ۲۵۵ پر آرہا ہے۔ یہاں صرف اسقدر کہنا ہی کہ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ظالم قوم کی ہلاکت قطعی ہے جیسا کہ مثلاً صفحہ ۸۱۔ اور ۱۲۱ پر آچکا ہے۔

مسجد تھی جسکے محل وقوع پر پیغمبرِ اسلام نے مکے سے ہجرت کے چند روز بعد تک نماز پڑھی تھی اور بعد ازاں یہ مقام تعظیماً مسجد میں تبدیل کر دیا تھا۔ محلہ والوں کی ایک شریر مسلمان نما جماعت نے اسلام میں نفاق ڈالنے کی غرض سے ایک اور جماعت اِس مسجد قبا کے بالمقابل اِس عذر پر کھڑی کی کہ بیماروں اور معذوروں کو آسانی ہو، مگر نماز اول کی امامت بطور افتتاح خود صاحب شریعت سے کرانی چاہی کہ ضد میں کسر باقی نہ رہے۔ اللہ کے اُس نکوکار و نکوسگال رسول نے وعدہ کیا کہ جنگ تبوک سے واپسی پر اِسی مسجد میں نماز پڑھ کر شہر میں داخل ہونگے، مگر وہ دانائے اسرار قلوب اور محافظ اسلام خدا جسنے نماز کی بنیاد میں مومنوں کے تالیف قلوب اور حقیقی اتحاد کی اہم حکمت عملی رکھی تھی، جسنے نماز کو استحکام جماعت اور عالم آرا اخوت کا بہترین پیش خیمہ قرار دیا تھا، اِس غیر مجاز وعدے پر برہم ہو گیا، اور ارشاد ہوا کہ جس مسجد کی وجہ بنا پراگندگی امت اور تفریق جماعت ہو، جو مسجد تقوے کے حقیقی منتہا اور عبودیت کے صحیح مطمح نظر کے مخالف ہو، اور اسلامی جماعت کو اشتات و انتشار کے جہنمی گڑھے کی طرف لیجاوے اسمیں تیرا ایک لمحے کے لیئے بھی کھڑا ہونا مہلک ہے!

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (۹: ۱۰۷-۱۱۰)

* اِن آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ جماعت کے اندر نفاق پیدا کرنے والے اور فرقہ ساز لوگ قرآن حکیم کی مطلق اصطلاح میں ظالم ہیں، اور ایسے آیات (۲۸: ۵۹) و (۱۶: ۴۷) صفحہ ۸۱ یا آیت (۶: ۴۷) صفحہ ۲۵۴ کے رو سے اُنکی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ ایسے لوگوں کو ظالم اِس لیے کہا ہے کہ وہ

اے محمدؐ! تمہاری اُمت کے جن منافق مسلمانوں نے آج اِس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی ہو کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں، خدا و رسول کے منکر بنیں، مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کردیں، اور ان دشمنانِ اسلام کو پناہ دیں جو اِس سے پہلے خدا اور رسول سے لڑ چکے ہیں، اور اگر ان سے پوچھا جائے تو قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہم نے تو نیکی کے سوا اور کوئی ارادہ ہی نہیں کیا تھا۔ تو آج

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۵) تمام جماعت پر، اور پھر اسکی وساطت سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور نااتفاقی کے باعث سب کو شکست و ہزیمت کی طرف گھسیٹتے ہیں۔ لائق غور بات یہ ہے کہ یہاں ظالمین کا اطلاق اُس جماعت پر ہوا ہے جو اپنے آپ کو رسماً مسلمان کہتی تھی گویا از روئے قرآن خود اسلام کے اندر فرقہ بندیاں پیدا کرنا بھی حتماً ممنوع ہے اور بالحاظ احد رسمی مسلمانوں کو نارِ جہنم کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ جو عافیت پسند مسلمان کلمہ گو مسلمانوں کو انتہائی مداہنت کے باوجود نارِ جہنم سے مستثنیٰ قرار دے کر آج مکر کی نیند سو رہے ہیں اُن کے لیے یہ آیات اور بالخصوص یہ نَارِ جَهَنَّمَ کے الفاظ (۹ ۱۰۹) از بس قابلِ غور ہیں۔ یہ دوسری وجہ ہے کہ خدائے علیم نے انسانی تفرقے کو نار سے تشبیہ دی ہے، پہلا موقع كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (۳ ۱۰۳) کے الفاظ میں تحت صفحہ ۲۲ پر گذر چکا ہے گویا تفرقہ ڈالنا یا متفرق ہو جانا جہنم کے گڑھے پر کھڑے ہونے کے مترادف ہے!

"ظلم" کی جامع و مانع اصطلاح کے الٰہی مفہوم کے بارے میں ابتدائی بحثیں مختلف مواقع پر آ چکی ہیں جن کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ از روئے قرآن میدانِ جنگ میں جم کر نہ لڑنا اور نامردی ظاہر کرنا ظلم ہے (آیہ ۳ ۱۳۹) و تحت المتن صفحہ ۱۴۰ ملی، کچے ایمان والے اور بزدل عبادِ ظالم ہیں (آیہ ۱۴ ۲۷) و تحت المتن صفحہ ۱۴۳)، امیرِ جماعت کی نافرمانی کر کے جماعت کو شکست و ہزیمت کی طرف گھسیٹنا ظلم ہے (آیہ ۸ ۲۵) صفحہ ۱۷۱، تحت المتن صفحہ ۱۷۲ و آیت (۴۴ ۱۴) تحت المتن صفحہ ۲۴۴)، جماعت کے اندر تفرقہ و انتشار پیدا کرنا ظلم ہے (آیت زیرِ بحث یعنی ۹ ۱۰۹) جو قوم اِن اجتماعی جرائم کی مرتکب ہو اُسکی ہلاکت کا الٹل نہ ایک دن واقع ہونا قطعی ہے اور اسی بنا پر هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ (۶ ۴۷) کا حکم قرآن میں بالالتزام موجود ہے "ظلم" کے الٰہی مقصود کی باقی تفصیلیں بھی اپنے اپنے موقع پر آتی رہیں گی۔ لیکن اتفاق بمعنی اتحاد کے بالمقابل ظلم بمعنی تفرقہ انگیزی اس استقلال کے ساتھ قرآنِ حکیم میں مستعمل ہوا ہے کہ اسکی کئی مثالیں آگے چل کر اس کتاب میں پیش ہونگی یہاں پر گذشتہ حوالہ جات کو اسلیے یکجا کر دیا ہے کہ آگے چل کر صفحہ ۲۰۹ پر ایک اہم آیت (۲ ۱۲۴) امامت کے منصب کے متعلق آ رہی ہے اور اُسمیں الظّٰلِمِيْنَ کا لفظ واقع ہوا ہے جیاکہ اس تصریح سے وہاں کے مطالب صاف ہو جاتے ہیں۔

آج عالمِ اسلام کے قریب قریب ہر قریے اور قصبے میں محلوں اور کوچوں کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں مساجدِ ضرار ہیں وہ سب کی سب دینِ اسلام کے اندر ہولناک تفرقے ڈال رہی ہیں۔ اُمت کی اجتماعی قوتوں کو منتشر کر رہی ہیں ہر پیش امام اپنی اپنی دکان سجائے سر بازار بیٹھا ہے حتی الامکان اپنے حلقۂ اثر کے مٹھی بھر افراد کو جمہور سے الگ رکھنے کی سعی کرنے میں منہمک ہے، اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد کو سراہتا ہے اور اپنے ٹکڑوں اور ریزگی کو محفوظ رکھنے کی غرض سے شہر کے کسی بڑے سے بڑے پیش امام کا مقتدی اور مطیع بننا گوارا نہیں کرتا۔ یہ نمایاں اُمت اور پیش اماموں میں یہ اطاعت کا فقدان اور یہ عصیاں امیری الحقیقت وہ ظلمِ عظیم ہے جسکا سم آلود اثر مقتدیوں کی رگ رگ میں بھی اثر کر چکا ہے۔ آج مسلمانوں کے ہر محلے میں اُمرا اور غربا کی الگ مسجدیں ہیں، ذاتوں اور پیشوں پر مسجدیں ہیں، اماموں اور پیروں پر مسجدیں ہیں، حدیث اور قرآن پر مسجدیں ہیں، آمین اور بغیر آمین پر مسجدیں ہیں۔ الغرض ہر طرف ضرار ہے، تفریق بین المسلمین ہے، کفر ہے، خدا سے محاربے ہیں، رسول سے لڑائی ہے (اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ) دشمنِ خدا کی حمایت ہے، ہاں لیکن جس اُمت کے دشمن خدا اور رسول بن چکے ہوں اسکی موت کا پیغام جلد سے جلد نہ آئے تو ہو تو کیونکر ہو!

میرے نزدیک اگر آج اِن مساجدِ ضرار کا کوئی علاج ہے، اگر ان مارہائے آستین کے مہلک اور سم آلود اثر کا کوئی حکمی تریاق ہے، اگر اُمت کی اس دردناک پراگندگی اور بے بسی کو اتحاد میں پھر بدلنے کی فی الحقیقت کوئی سبیل باقی رہ گئی ہے، نہیں اگر اُس شدید العقاب خدا کے رحم براندازِ ملائکہ کو زمینِ خدا پر

اس بات کا خدا گواہ ہے کہ یہ جھوٹے ہیں (تم اس مسجد میں ہرگز کبھی نماز پڑھنا ! بلکہ کھڑے بھی نہ ہونا) وہی مسجد جسکی بنیاد روز اول سے ہی ائتلاف اُمت اور خوف خدا (تقویٰ) کو پیش نظر رکھکر ڈالی گئی تھی اسکی اہل ہے کہ تم اُس امامت کیا کرو اسی مسجد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو طہارت نفس کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تو حقیقت میں دل صاف رکھنے والے لوگوں کو پیار کرتا ہے ۔ بھلا جس شخص نے اپنے تمام اعمال کی بنیاد خوف احکم الحاکمین اور خوشنودی خدا پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ کم بخت جس نے اپنی عمارت کی بنیاد تفریق و انتشار کے ایک کھوکھلے گڑھے کے کنارے پر رکھدی ؟ اور جو بعد میں اُسکو جہنم کی آگ میں لے گری اور اللہ تو تفریق پیدا کرنے والی ظالم قوم کو کسی مستقل طریق عمل کیطرف ہرگز راہنمائی نہیں کرتا ۔ یہ مسجد جو اِن لوگوں نے تفرقہ آرائی کی غرض سے تیار کی تھی اسکے مومنوں کی بجائے خود انہی کے دلوں میں جو پیدا کر دیگی یہاں تک کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے ۔ اور ایک ایک کا دشمن بن جائے گا ، اور اللہ تو بڑا واقف حال اور صاحب حکمت ہے ۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۶) اُترنے سے روکنے کا کوئی مؤثر ذریعہ رہ گیا ہے تو وہی جو خود محمد رسول اور سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی ہی حالت میں تجویز کیا تھا اور وہ یہ کہ ایسی سب مساجد کو بلا تعاق اُنکے اصطلاح دے کر امت کو نفاق کی شیطانی آلایش سے ایک دفعہ پھر پاک صاف کر دیا جائے اور فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ (۹ : ۱۰۸) کا مصداق بن کر اسپر وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (۹ : ۱۰۸) کا انعام حاصل کیا جائے ۔ اگر نہیں تو اُمت کے ساتھوں کو نارِ جہنم کا اصطلاع تو آگے چلکر ملنا ہی ہے ۔

لیکن بڑی بات جو مندرجہ صدر آیات ضرار (۹ : ۱۰۷ - ۱۱۰) اور بالخصوص آیۂ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (۹ : ۱۰۸) سے مستنبط ہوتی ہے یہ ہے ۔ ازروئے اسلام خدائے عظیم کے نزدیک سچی طہارت دلوں کے تفریق و نفاق سے پاک صاف ہونیکی طہارت ہی ہے ۔ اور یہی اُسکے ہاں محبوب بھی ہے ۔ بدنی صفائی کا ذکر ان آیات میں قطعاً نہیں آیا تمام بحث صرف تَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ کے متعلق ہو رہی ہے اسلئے طہارت کا الٰہی مفہوم صاف ہے جن لوگوں نے وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ سے صرف طہارت بدن مقصود سمجھکر اپنی زندگیاں استنجاؤں کے درست کرنے اور ڈھیلوں کو نہایت جوش اسلامی سے آبیار کرنے میں وقف کر دی ہیں ، اور ائتلاف قلوب اور اتحاد کی اہم حکمت کو غیر ضروری سمجھ لیا ہے اُن کو یہ آیات بہ امعانِ نظر دیکھنی چاہئیں ، اسمیں شک نہیں کہ بدنی صفائی اور بالخصوص طہارت ایک نہایت ضروری اور لغمہ ستھ ہے جسمانی صحت کا اکثر انحصار اسی پاکیزگی پر ہے ، اور جن قوموں نے اس کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں کی وہ آج اسکے بُرے نتائج نہایت التزام سے بھگت رہی ہیں بلکہ بدن صاف رکھنے والی قوموں کی عام جسمانی بہتری کو دیکھکر اُنپر رشک کھا رہی ہیں لیکن باایں ہمہ اِن فروعات کو نفس اسلام سمجھکر ساری زندگی رسمی تکمیل پر صرف کر دینا اور اہم امور کے متعلق خالی الذہن ہو کر اصل دین سے غافل ہو جانا بھی وہ غلو فی الدین ہے جسکا نتیجہ آج مسلمانوں کے حق میں بُرا ثابت ہو رہا ہے ۔ قرآن حکیم نے دن میں پانچ وقت وضو کرنے کی حکمت کو اتمام نعمت کہا ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۱۷ آیہ (۵ : ۶)) اور طہارۃ ہو کر پاکیزگی بدن کی توفیق بھی ایک خداداد انعام ہے جو ہر قوم کو حاصل نہیں قرآن کی تمام تعلیم کا لب لباب ہر نوع اور ہر حال قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۖ (۷ : ۲۹ صفحہ ۲۱) اور كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ (۴ : ۱۳۵ صفحہ ۲۰۲) کی عام حکمت کے ماتحت رہکر ہے نہ کہ کسی امر میں قسط و اعتدال کو ہاتھ سے چھوڑ دینا یا اُسکی تکمیل میں حد سے متجاوز ہونا بھی بالحقیقت اُس تعلیم کے منتہا کی غلط کرنا ہے ۔ آج یہاں اقوام مغرب اور ایشیائی نامسلموں کو بعض معمولی اور ہولناک بیماریاں طہارت بدن کے نہ ہونیکے باعث لاحق ہو رہی ہیں ، ایک تو دانتوں میں [illegible] مسواک نہ کرنے اور کھانے کے بعد کلی نہ کرنے ہی کا جُرمانہ محکمۂ فطرت سے [illegible] وصول کر لیا ہو کہ

[illegible]

جب تبوک سے واپس پھرے تو سرور کائنات صلعم نے مالکؓ اور معنؓ بن عدی کو حکم دیا کہ جاکر اس مسجد میں آگ لگادیں!

امامت جس کا جلیل القدر اور عالم انگیز منصب کسی زمانے میں **نبوت** کا شائبہ خاص الخاص ہوا کرتا تھا جسکو اس زمین پر خوش اسلوبی سے نباہنے کیلئے **آسمان** سے تقرری ہوتی تھی! جسکا منتہائے وحید خلق خدا کو اس دنیا میں اسلام کے بال سے باریک اور تلوار سے سوا تیز صراط مستقیم پر بحفظ تمام چلائے رکھنا تھا، جسکے حاصل کرنے کی شرط فرید امتحان خدا اس کامیابی تھی! جس سند اعلیٰ پر ابراہیم ایسا صاحب الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ (۳۸ ۴۵) نبی مدۃ العمر سعی و عمل اور روح فرسا بصیرت کے بعد متمکن ہوا تھا، جس مقام منیع کو ورثہ اور بے زور عمل پالینا رب امتحان طلب کو اپنے دوست کی اولاد کے لیے گوارا نہ تھا!

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ○ (۲ ۱۲۴)

اور اے سالکان راہ! کیا تم کو نشکر گیر رہا۔ یاد ہے جب خلاق زمین و آسمان اور صناع کون و مکاں تعالیٰ نے بعض مہمات امور میں ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا، اور اس آزمایش کو پیش نظر رکھکر انکو سخت ابتلا میں ڈالا، لیکن اس جلیل القدر نبیؑ کے عزم صمیم نے اُن سب امور کو بوجہ احسن پورا کردکھلایا تو رب ذوالجلال نے خوش ہوکر اپنی جناب سے حکم دیا کہ اے ابراہیم! میرے ہاں تمہارے سعی و عمل کو دیکھکر فیصلہ ہوچکا ہے کہ میں تم کو ساکنان زمین کا امام اور پیشوا بناؤں، (تم کو یہ منصب مبارک ہو اور ہم اس رکنؑ ثابت مدید تک فائز رہو) ابراہیمؑ نے فرط انبساط کے جذبات میں عرض کیا کہ اے حضور! یہ منصب بدستور میری اولاد میں بھی جاری رہیگا؟ خدائے امتحان طلب نے فرمایا کہ ہمارے اس اقرار میں وہ حصہ دار نہ ہونگے جو ہماری اصطلاح میں ظالم ٹھیریں گے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۵۷) تمام امور کے واسطے حیلے نکل گئے ہیں، وہاں مسلمانوں کے احکام طہارت میں توغل کا اکثر یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہر شخص حنفی کے چند مسئلہ مسائل پر عمل کرکے اپنے آپ کو پکا مسلمان سمجھ لیتا ہے اور اصل دین سے قطعاً غافل ہوگیا ہے۔ امام مسجد کے نزدیک آج مسلمانی یہی وضو کو نہایت صحت سے کرلینا، پانی کو بالوں کی جڑوں تک پونچانا، صوری بالوں کو دور کرنا، اور استنجاؤں کی نہایت بدبہت و بےحیائی سے تکمیل کرنیکا نام رہ گیا ہے، اسلام کی روح انکی تعلیم سے اصلاً نکل چکی ہے۔

✤ سورہ ص کی آیہ وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ (۳۸،۴۵) کیطرف اشارہ ہے یعنی اے محمد ہمارے بندوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کا ذکر اذکار کیا کرو کہ یہ لوگ فی الحقیقت بڑے صاحب دست و قدرت (اولی الایدی)، بڑے اہل و صاحب علم و عمل تھے (و الابصار) تھے اگرچہ انکے ہمیاں علم و عمل کو دیکھ انکو یہ لقب دیا۔

✤ جس حیرت انگیز ملائی نادانی اور طاعوتی تجاہل سے تاجس قرآن نے آسمانی وحی کے ان الفاظ کا مفہوم بیان کیا ہے، جو حیا سوز اور شرم پاش ستمظریفیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منصب امامت پر متقرر ہونے کی بیان کی ہیں جس درد انگیز بے رحمی سے انہوں نے فاطر زمین و آسمان کی نسل انسانی کی طرف

ہاں جس عہدِ جلیل پر صدیوں کے عزل والتوا کے بعد عرب کا اولوالعزم نبی اور آلِ ابراہیم کا بہترین رکن فائزالمرام ہوکر ختمِ رسالت کی مُہر ابدالآباد تک ثبت کر گیا جس اوجِ مرتبت اور معراجِ اتم کا اہلِ نبوت کے بعد فاروقِ اعظم جیسا عدیم المثال شخص قرار پایا تھا، جو مقام بلند کسی زمانے میں مجاہدینِ اسلام اور سپاہیانِ خدا کے لیے مختص ہو چکا تھا، آہ! اُس امانتِ عظمیٰ اور اُس موہبت کُبریٰ کو آج اُمّت کے گدیہ گر سنبھال رہے ہیں! اجل زدہ قوم کا سب سے ناکارہ، سب سے بزدل، کم حیثیت اور کم علم، فرقہ بند اور محتاج تر ظالم اس عہدے پر فائز القنوط ہے۔ عجز و مسکنت کا ماحول پیدا کر رہا ہے، جہل و جمود کا اشتہار دے رہا ہے، تفریق و انتشار کو ثواب سمجھ رہا ہے، شدید العقاب خدا کی سزا کو جزا کہہ رہا ہے، عذاب کو انعام بتا رہا ہے، اور کذب و غلط کی بیجا منادی کر کے اُمّت کو ہلاکت کے قعرِ عمیق کی طرف گھسیٹ رہا ہے! اُمّتِ مرحومہ کا فقدانِ فہم و عقل اس غلط انتخاب کے بارے میں آج اس اوجِ کمال تک پہنچ چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سی ادنیٰ دنیاوی حکومت سے تعبّد کا اظہار حاکمِ وقت کے بڑے منظورِ نظر اُس کے بڑے سے بڑے کارندے، اُس کے بااثر کارکن، اُسکے مشہور ترجمان باز اور سر فروش کی سیادت میں کرتے ہیں؛

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۸) اس آخری مکتوب اس ذِکرٌ لِلعٰلَمِین کی مٹی پلید کی ہے، اسکو دیکھ کر اگر آسمان زمین پر گر پڑتا تو کچھ عجب نہیں رسولِ خدا کی اس نام لیوا اُمّت پر آسمان ٹوٹ پڑے تو کچھ دور نہیں! شارحین کا ایک گروہ اِنّی اِبْتَلٰی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ کی تشریح میں ایسی حیاسوز جہالت اور ملائی تنگ نظری کے باعث اس طرف گیا ہے کہ حضرت اپنے بدن کو خاص احتیاط سے پاک صاف رکھا کرتے تھے، زیرِ ناف کے بال نہایت صفائی سے مونڈ کرتے تھے وضو کے سب ارکان خوش اسلوبی سے ادا کرتے تھے، داڑھی کو شریعت ابراہیمی کے مطابق کترواتے تھے، مونچھوں کو ترشوا کر رکھتے تھے، ناس ترشواتے تھے، ختنہ اُنہوں نے کرا رکھا تھا، پانی سے استنجا کرنا اُن کا شیوہ خاص تھا، ان امورِ مہمہ کے علاوہ حضرت کو توحید کے کلمے اور عقائدِ ابراہیمی خوب لوک زباں تھے، وغیرہ وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے "ان احکام کی تعمیل ایسی عمدگی سے کی" بدن کو زائد بالوں سے اس خوش اسلوبی اور حکمت سے صاف رکھا داڑھی ایسی خوب صورت اور متشرع ترشوائی، اسکی پرورش ایسی عمدگی میں اسطرح دن رات مشغول رہے کہ خدا نے رضامند ہو کر اُن کو لوگوں کا "امام" بنا دیا! اس منصبِ اعلیٰ کو خوش خوش منظور کرتے ہوئے حضرت نے تقاضائے حلّت چاہا کہ ان کی نسل بھی اس انعام سے محروم نہ رہے" خدا نے اس رعایت کو بھی منظور فرمایا لیکن صرف ظالموں کو مستثنیٰ کر دیا، چنانچہ اُسوقت سے آج تک "امامت" کی یہ شرطیں رائج چلی آرہی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی ذریت ہر مسجد کے محرابوں میں موجود ہے۔ اگر مالک یوم آسمان کے اوصاف میں حلم و درگذر کا مایہ اِکمار عنصر شامل نہ ہوتا تو صرف اس آیت الٰہی کی تشریح شارحین قرآن کی سطح ترین ہر سے بیج و بنیاد اکھیڑ دینے کیلئے کافی تھی لیکن یہ اسکی شانِ حلیمی کا ایک مظہر ہی ہے جو اسکے یادہ دوری گرفت نہیں ہوتی اور شخص وہ چاہتا ہے اُسکی شان میں بے خوف و خطر بکتے پھرتا ہے۔ یہاں "اِبْتَلٰی" کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا آسمانی امتحان کوئی بڑی سخت نہایت اور کڑی سے کڑی آزمائش ہوگی، کوئی صبر آزما اور تاب گسل تکلیف ہوگی، وہ آزمائش بھی لا محالہ اس قطع کی ہوگی کہ اُنہیں پورا اُترنا (فَاَتَمَّھُنَّ) اُنکو خلقِ خدا کی پیشوائی اور رہبری کا اہل بناتا ہوگا، یعنی حضرت ایک طول طویل اور صبر و گداز سعی عمل کے بعد قوم کو شرک کے ظلمِ عظیم سے نجات دلا چکے، حتّٰی عظمت اور با انجام شناسی دی کی

اُسی کو سرجیل اور رئیس وفد بناکر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں، اُسکو پیش پیش رکھکر اپنی لرزش انگیز اور دل آسا نیاز سدیوں کا اظہار کرتے ہیں، وہاں حاکم زمین و آسمان کی اس زبانی اور سطحی، دو دلی اور مشرکانہ عبادت کو شرخانے کی غرض سے اپنی نگاہوں میں سب سے کم مایہ اور بینوا، محتاج اور ذلیل شخص کو اگر منہ اور آنکھ فرض کرکے اُسکی نیچ وقعتہ پیشی اور عرض گذاری کے لئے منتخب کررہے ہیں! ہاں لیکن جس قوم کا نصب العین جہانبانی اور خداوندی، قوت اور عزت سے ہٹ کر گداگری اور غلامی محکومیت اور خوشامد تعبّد ماسوا اور تعلق غیر کی طرف منتقل ہوگیا ہو۔ اُس کے مرشد و رہبر بالآخر ہی بھک منگے نہ بن جائیں تو اور کیا ہو!

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ (۷: ۱۶۲)

تو لوگو! اس اُمت میں سے ناحقیقت شناس اور ایسے اور ظلم کرنیوالے گروہ نے خوشحالی اور امن کے اس سرّ عظیم کو جو انکو سکھادیا گیا تھا بدلکر کچھ اور ہی روش اختیار کرلیا۔ اور اُس تعلیم کو یکسر فراموش کردیا تو ہم نے بھی اُنکے اس ظلم عظیم کی پاداش میں آسمان سے بلا اُتاری اور انکی سب عظمت خاک میں ملادی۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۹) ظلمتوں سے نکلکر علم و عمل کے نور کیطرف آنکلی اور اُنکے رہنما نے بھی قوم کی ایذا رسانیوں کو صبر و تحمل سے برداشت کیا، دشمن نے سیم جما بالسیف کیلئے رعاں کھینچ کھینچکر حلق تک لو نہیں مگر سعی و عمل کو نہ چھوڑا تو خدا نے بھی انکو اپنی قوم کی پیشوائی اور امامت کا منصب عطا فرمایا، پادشاہت زمین دی، نبوت سے سرفراز کیا۔ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (۳۸: ۴۵) صفحہ ۲۵۶ کے الفاظ سے یاد فرمایا جیز ابراہیم علیہ السلام نے امامت کی اس موہبت عظمیٰ کو پاکر طلب کیا چاہا کہ پیشوائی خلق کا یہ منصب اعلیٰ اُنکی اولاد میں بھی برقرار رہے لیکن خدا نے ظالم قوم کو اس منصب سے ہمیشہ کیلئے محروم کردیا۔ ظلم کی بعض اہم شقوں کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۲۵۶ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ خدائے عز و جل نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ تم ملاش اس منصب کے اہل ثابت ہوئے ہو لیکن میدان جنگ میں جم کر نہ لڑنے والے اور نامردی ظاہر کرنیوالے ظالم، کچے ایمان والے اور بزدل بنے رہنے والے ظالم، امیر جماعت کی نافرمانی کرکے جماعت کو شکست و ہزیمت کی طرف گھسیٹنے والے ظالم، جماعت کے اندر تفریق پیدا کرنے والے ظالم وغیرہ وغیرہ اس عہد صدادی اور امامت کو ہرگز نہ پاسکینگے بادشاہت کا منصب محمد سے وہی قوم لیتی ہے جسمیں یہ صفتیں نہ ہوں اور ظلم کار قوم کی ہلاکت تو ایک طے شدہ امر ہے (دیکھو صفحہ ۲۵۶ تحت المتن)۔

صدر اسلام میں مسجدوں کے اندر امامت کا منصب بھی اسی اہم اور عظیم امامت کی تحدید کا ایک مظہر تھا، قرن اوّل کے مسلمانوں کی خدائی عروج دن میں پانچ وقت کسی جلیل القدر مجاہد کی پیشوائی اور امامت میں سپہ سالار عالم کے روبرو پیش ہوتی، اُسکے آستانۂ علیہ پر حاضر ہوکر اطاعت و تسلیم میں جھک جھک پڑتی، مصر سے بہتر شخص اس رتبہ کیلئے منتخب ہوتا تھا مسجد نبوی کے اندر رسول خدا صلعم اپنی حین حیات میں اس منصب کے فرائض خود ادا کرتے رہے، باقی مسجدوں کی امامت کیلئے اکثر وہی صحابہ کرام تھے جنکا علم و عمل مثالی ہوتا تھا۔ وفات کے کچھ مدت پہلے رسول خدا صلعم کا حضرت ابوبکرؓ کو امامت کیلئے مقرر کرنا بھی عوام کی نظر میں اُنکے بعد کے جانشین ہونے کا اشارہ سمجھا گیا تھا۔ الغرض ان قرنوں میں بادشاہت، خلافت اور امامت ایک شے تھی، خلیفہ وقت خود امام اعظم ہوتا تھا، اُسکے مقرر کئے ہوئے امام صحیح معنوں میں اولو الامر تھے نہیں بلکہ جو شخص اولو الامر مقرر ہوتا تھا اُسپر امامت کا فرض بھی ادا کرنا ضروری تھا، او تابعین سلف نے صرف ایک حد تک اس اہم رواج کی متابعت کی لیکن رفتہ رفتہ امامت کی

آج شدید العقاب خدا کی یہی آسمانی رضر مسلمان جہان کو سانپ بن بن کر ڈس رہی ہے۔ خدا کے ناقابل بدل قول کو بدل دینے اور مشکل سے پڑھائے ہوئے سبق کو بھلا دینے کے جرم میں مسکنت کے گھٹا ٹوپ بادل سروں پر چھا رہے ہیں، اُنکی قوت اور امن کی سب کشت زاریں وقف خزاں ہو چکی ہیں، جہانبانی کا ناز اور راہ لٹ چکا ہے، اُمت کی سب شیرازہ بندی، اُسکا تعبّد سے پیدا کیا ہوا ظم و نسق، اُسکا الصلوٰۃ سے بنا بنایا ہوا نظام اُسکا خوف احکم الحاکمین سے نکلا ہوا بھائی چارہ معناً کالعدم ہے! اب ہر طرف غیروں کی لتاڑ اور غلامی کی جوت پیزار ہے، مظلومیت کی چیخیں اور لکد زنی کی کراہیں ہیں، مُلک یک بیک ہاتھوں سے نکل رہے ہیں، زمین خدا تنگ ہو رہی ہے، ظالم اور نا اہل مسلمان اس پاکبازی میں مست ہیں، خانۂ خدا کو مار کر لمبی تان رہا ہے اور گھر پھونک اپنی بربادی کا تماشہ نہایت مزے سے دیکھ رہا ہے!

منتہائے الصلوٰۃ

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ

(اور بلاشبہ یہ اسکے [illegible] کا حسوس ہم سے [illegible] کے [illegible] کے لئے [illegible] ہی [illegible] ہے)

الغرض الصلوٰۃ کی الٰہی حکمت کی تہ میں اُمتِ اسلام کا لاینفک اتحاد تھا، باہمی رافت اور رحمت تھی، قوم کو پنجوقتہ اطاعت کا مکرر سبق تھا، شاہ و گدا کی مساوات کی یاد دہانی تھی، وقت کی پابندی تھی، انہاء عن الفحشاء والمنکر تھا، شب و روز خدا کی ملازمت اور اطاعت میں صرف کر کے پانچوقت آقائے نامدار کو سلام تھا، اُسکے حضور میں مؤدبانہ پیشی اور عزمندانہ حاضری تھی، اسکی خدمت میں دست بستہ عرض معروض تھی، صراط مستقیم[†] کی استدعا تھی، حصول نعمت کی گذارش تھی، بادشاہت زمین کی تڑپ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۰) ماہیت کو بھول گئے۔ آج اگرچہ خلیفۃ المسلمین سلاطین کی رسم ادا کرنے کیلئے مسجد اصوفیہ میں جاتا ہے مگر وہ امامت نہیں کراتا۔ لیکن سیاسی اقتدار کے کم ہو جانے کے باعث اسکا مذہبی مقام خود اسقدر مٹا یا ہو گیا ہے کہ عالم اسلام پر اسکی شخصیت کا فی الحال کچھ اثر باقی نہیں رہا۔

† صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کے بارے میں جو کچھ اب تک حاصل ہوا ہے اسکو یہاں یکجا جمع کر دیا جاتا ہے صفحہ ۲۲۴-۲۴۴ کے مباحث سے ظاہر ہے کہ (۱) اعتصام بحبل اللہ کرنا اور فرقہ بندی سے (آیات ۲، ۱۰۲، ۱۰۳) صفحہ ۲۲۶) صراط مستقیم ہے (۲) توکل بخدا کر کے صبر و استقلال سے مصائب کا مقابلہ کرنا اور دشمن پر غالب آ کر رہنا (آیت ۱۲، ۱۲) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے، (۳) ایمان کے اعمال (دیکھو تحت المتن

تھی، منعم علیہ بنجانے کی طمع تھی، مغضوب علیہ نہ بننے کا خوف تھا! اسی بیم و رجا کی تڑپ میں قومے اور قعدے تھے، اسی کے اضطراب میں رکوع و سجود تھے، اسی کی تڑپ میں شام و سحر، فراغت اور شغل میں، سوتے جاگتے سلام تھا، اسی اجتماعی ہلاکت کے خوف میں شب و روز سعی و عمل تھا، دنوں کو جہاد بالسیف تھے، چیتھڑوں کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں تھیں، رسیوں سے مرمت کیے ہوئے نیزے تھے، راتوں کو کوچ اور اسکی جناب میں کراہیں تھیں، بستروں سے پہلو آشنا نہ ہوتے تھے: تتجافی جنوبهم عن المضاجع یدعون

سلہ مطالب کے لیے دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۴۶-

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۱) صفحہ ۱۸۲-۱۸۳) اپنے اندر قائم رکھنا (آیہ (۲۲ ۵۴) و (۴۳ ۵۳) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے (۴) قوم کی بہتری کے لئے **ایثار مال** کرنا (آیات (۲۲ ۷۲-۷۳/ صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے۔ (۵) قانون خدا کے مطالب و مقاصد کے بارے میں **اختلاف** پیدا نہ کرنا (آیہ (۲ : ۲۱۳) صفحہ ۲۲۸ اور آیات (۴۳ ۵۳-۶۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۶) خدا کی **ملازمت** میں سلطان کی عبادت کو حائل نہ کرنا (آیہ (۳ : ۷۹-۸۰) صفحہ ۲۲۸ اور آیہ (۴۳ : ۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۷) **الاعراض** قانون خدا میں نزاع نہ پیدا کرنا (آیہ (۲۲ ۶۷) صفحہ ۲۲۸) صراط مستقیم ہے، (۸) **ایک مرکز** پر عملاً اور معناً قائم ہو جانا (آیہ (۲ : ۱۴۲) صفحہ ۲۲۹) صراط مستقیم ہے، (۹) سب اعمال انسانی کو خدا کیلئے وقف کردینا اور ان اعمال میں کسی غیر کی اطاعت کو شریک نہ کرکے **ابراہیم علیہ السلام کی توحید** پر چلنا آیات (۶ : ۱۶۲-۱۶۴) صفحہ ۲۲۹-۲۳۱) صراط مستقیم ہے، (۱۰) نعمتہائے خدا کی کما حقہ قدر کرنا خالصۃً **قانون خدا** کے مطیع رہنا، آیات (۱۶ : ۱۲۰-۱۲۲) صفحہ ۲۳۲) صراط مستقیم ہے، (۱۱) دشمن کو اپنے سعی و عمل سے بے **دست و پا** کر دینا، اسکے وسائل حفظ و دفاع پر **قابض** ہوکر اسکو تباہ کر دینا، اور حتی الوسع اپنے آپ کو اسکے دست تعدی سے **بچائے رکھنا** (آیہ (۴۸ ۲) صفحہ ۲۳۳) صراط مستقیم ہے، (۱۲) اس دنیا کے اندر **قوت اور زور** سے رہنا، دنیا جہان سے بڑھ چڑھ کر اور برگزیدہ ہوکر رہنا (آیات (۶ : ۸۷-۸۸) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے، (۱۳) بادشاہ رہیں ہو کر رعیت پر **عدل و انصاف** سے حکومت کرنا (آیہ (۳۸ : ۲۶) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے، (۱۴) اس دنیا کے اندر **سلامتی** اور **بقا** کے رستوں پر چلنا، قانون خدا کے عدم تعقل کی تاریکیوں سے نکلکر **علم و عقل** کے نور کیطرف آنا (آیات (۵ : ۱۵-۱۶) صفحہ ۲۳۴-۲۳۵ اور آیہ (۱۰ : ۲۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۱۵) خدا کی عملی ملازمت اور اتقا اور **اطاعت امیر** کرنا (آیات (۴۳ ۶۳-۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۱۶) قانون خدا سے تمسک کرنا اور اس پر ہمیشہ چلتے رہنا (آیہ (۴۳ : ۴۳) و (۴۳ ۶۱) صفحہ ۲۳۶) صراط مستقیم ہے، (۱۷) اپنے سینے سعی و عمل کیلئے یکسر کھول دینا اور اسکے اندر احکام خدا کی تعمیل کے بارے میں کوئی **تنگی** نہ رکھنا (آیات (۶ : ۱۲۶-۱۲۸) صفحہ ۲۳۸) صراط مستقیم ہے، (۱۸) ملازمت خدا کی تعمیل میں **غیر خدا** کے حکموں کو حائل نہ کرنا، والدین کے ساتھ احسان، اولاد کے ساتھ رافت، **مکارم اخلاق** پر عمل، قتل سے پرہیز کرنا، **مال یتیم کی نگہداشت**، پورے **ماپ**، پورے **تول**، **عدل**، **ایفائے عہد** پر قائم رہنا اور متحد رہنا (آیات (۶ : ۱۵۲-۱۵۴) صفحہ ۲۴۰) صراط مستقیم ہے، (۱۹) راہ خدا میں **جہاد بالسیف** کرنا، دشمن سے مشارکہ **حفظ نفس** کی خاطر کرنا (آیات (۴ ۶۹) و (۴ : ۱۷۵-۲۰۱) صفحہ ۲۴۲) صراط مستقیم ہے، (۲۰) قوم کی بہتری اور تثبیت کیلئے **جہاد بالسیف** کرنا، **ہجرت وطن** اختیار کرنا، **اطاعت امیر** سے چون و چرا نہ کرنا (آیات (۴ : ۶۶-۶۷) صفحہ ۲۴۳) صراط مستقیم ہے، (۲۱) اور سب سے اہم یہ کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اعمال کرکے ایک ذلیل اور محکوم قوم کو جابر بادشاہ کے ظلم و ستم سے آزاد کرنا، اور بالآخر قانون خدا کا پابند بناکر اسکو زمین کا حکمران اور بادشاہ بنادینا وہ **الصراط المستقیم** ہے جسکی تعریف سورۂ فاتحہ میں انعمت علیھم کے الفاظ میں کیگئی ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ آج وہ ان **اکیس** شقوں میں سے کس ایک پر سچے معنوں میں عامل ہیں؟ نہیں بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ مغربی قوموں کا اس صراط مستقیم پر کسقدر انتہائی عمل ہے۔ اور انکے انعمت علیھم ہونے کی کیا وجہ ہے اور وہ ہماری اس دعا پر کسقدر عامل ہیں۔ جو احکام یہاں نہر جلی قلم سے لکھے ہیں ان میں سے اکثر پر مغربی اقوام کا بیشتر عمل ہے۔

وَّتَهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۖ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۳۲ : ۱۶) اِسی مجموعی نعمت کی طمع میں اجتماع اُمّت تھا، قیام جماعت تھا، دلوں کے اندر خوف خدا کی مشترک جنبشیں اور باہمی محبت کی مشترک لہریں تھیں. کسی کو کسی سے کچھ دریغ نہ رہا تھا. بخل، حسد، دلوں کے کینے، کم ظرفی کی رنجشیں سب مٹ گئی تھیں، مسجدیں ایک منظم اور پُرامن، ایک طاعت آموز اور عصبیت خیز انجمنیں بن گئی تھیں! اِسی اَلصَّلٰوۃ کا قیام اور لرزش قلب یہی تعمیل احکام خدا اور پیہم سعی و عمل، یہی اطاعت رب اور استجابت رسول، قربانی مال اور طاعت امیر آپس میں اتحاد اور علی التوکل عمل قرن اوّل میں سچے مومن بننے کی نشانی تھی، اِسی ایمان کامل کا نتیجہ اُمّت کی واماندگیوں پر پردہ پوشی اور اس دنیا میں عزت اور آبرو کی روزی تھی*۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۖ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۸ : ۱ - ۴)

اے محمدؐ مسلمان تم سے مالِ غنیمت کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو اِن سے کہدو کہ مال غنیمت صرف خدا اور اُسکے رسول کا ہے، وہ جس طرح مناسب سمجھے اُسکو تقسیم کردے تو تم لوگ مال غنیمت کی تقسیم میں

---

* اِن آیات الٰہی میں حیرت انگیز طور پر مطالب ہیں (۱) پہلی آیت یعنی (۸ : ۱) میں متحد ہو کر رہنے (وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ) اور پھر اطاعت امیر کرنے (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۷) کو صرف اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے بلکہ انکو ایمان کی شرط لاینفک قرار دیا ہے گویا جو قوم متحد ہو کر نہیں رہتی اور امیر جماعت سے کسی امر کے متعلق (خواہ وہ معاملہ مال غنیمت ہی کا کیوں نہ ہو) نزاع پیدا کرتی ہے، اُسکا ایمان یکسر ساقط ہے۔ قرآن حکیم میں صرف چند موقعے ہیں جہاں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ آئے ہیں ایک اعلون سے متعلق ہے (دیکھو صفحہ ۷۔ آیہ (۳ : ۱۳۸)) دوسرا اتقائے حداً کرنا ہے (دیکھو صفحہ ۱۰۹۔ آیہ (۵ : ۱۱۲)) تیسرا یہی اتحاد و اطاعت امیر ہے۔ تین آیتیں جنکے اندر کلمہ مؤمنین کی شرط ہے [illegible] (۲) آیہ (۸ : ۲) میں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ آئے ہیں اور یہ آیت صفحہ ۳ پر آچکی ہے۔ گویا ایمان کی یہ لاینفک شرطیں (صفحہ ۱۱۵) کی جہاد بالمال اور جہاد بالسیف کی شرطوں کے علاوہ لرزش قلب یعنی اتقائے خدا (وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ)، اور تعمیل احکام الٰہی میں استقامت (زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا)، اور توکل یعنی نتائج کے متعلق خدا پر اعتماد کرنا بھی ہیں۔ (۳) اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کے الفاظ قرآن حکیم میں صرف دو جگہ آئے ہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸)۔ ایک آیہ (۸ : ۴) (صفحہ ۱۱۴) پر اور ایک زیر بحث (آیہ (۸ : ۴)) میں۔ گویا ایمان کی شرط لاینفک تقویت قوم کیلئے ہجرت وطن، جہاد بالسیف یا نصرت باہمی کے علاوہ (دیکھو صفحہ ۱۱۴) اقامت الصلوٰۃ اور جہاد بالمال بھی ہے (آیہ (۸ : ۳))۔ الغرض اِن تمام آیات الٰہی کو پیش نظر رکھکر ظاہر ہے کہ ایمان [illegible] قرآن وحدت اُمّت ہے، اطاعت امیر ہے، [illegible] جہاد بالمال ہے، جہاد بالسیف ہے، استقامت فی التعمیل ہے، توکل فی النتائج ہے، ہجرت ہے، باہمی نصرت، مساحت اور رواداری ہے، اور ان سب کے علاوہ اقامت الصلوٰۃ بھی ہے [illegible] [illegible] شرطیں ہیں تو ظاہر ہے کہ الصلوٰۃ کو صحیح معنوں میں قائم کرنے والے وہی شخص ہو سکتے ہیں جن میں یہ سب باتیں موجود ہوں، ورنہ محض [illegible] يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ نہیں ہو سکتا [illegible]

اپنے مابین جھگڑا نہ کرو اور اس غضب خدا سے ڈرو جو فساد کرنے والی قوم پر نازل ہوتا ہے اور اپنے باہمی تعلقات کو درست کر کے متحد بنے رہو اور اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان لوگ ہو تو خدا کے حکموں اور اسکے رسول کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ اصلی ایماندار تو وہی لوگ ہیں کہ جب خدا انکو یاد دلایا جاتا ہے تو انکے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب احکام خدا (آیٰتُہٗ) انکو سنائے جاتے ہیں تو ان کا انکی تعمیل پر یقین اور آمادگی عمل (اِیْمَانًا) اور بھی بڑھ جاتی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو حتی الوسع تعمیل کے بعد نتائج کے بارے میں خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں (یَتَوَکَّلُوْنَ) جو اس تمام اتحاد اور اطاعت اور لرزش اور مصالحت اور توکل اور سعی و عمل کو پیش نظر رکھ کر الصّلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دے رکھا ہے اسمیں سے حتی الامکان ایثار مال بھی کرتے ہیں ایسے لوگ ہی فی الحقیقت سچے ایمان والے ہیں، اور یہی وہ ہیں جنکے لیے انکے پروردگار کے ہاں عز و کرامت کے درجے ہیں، جنکی واماندگیوں اور اجتماعی بدحالیوں پر خدا کی طرف سے پردہ پوشی (مَغْفِرَۃٌ) ہوا اور جنکو بالآخر اس دنیا میں عزت اور آبرو کی روزی ہے۔

یہی وہ قوت انگیز اور غلبہ اندوز الصّلوٰۃ تھی جس کا الٰہی میثاق بنی اسرائیل سے جب بندھا تو امت چشم زدن میں نہال ہو گئی، اسکی اجتماعی بدحالیاں یکسر کافور ہو گئیں، جنات زمین قدموں پر نثار ہونے لگے نیچے سے نہریں پھوٹ بہیں، قوت اور حکومت، عزت اور امن قوم کے گہوارے ہو گئے، خدا دوست بن گیا وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ (۵-۱۲)[1] لیکن جب قوم اس عہد خداوندی کو بھول گئی، جب لوں کی

[1] اور لوگو! بنی اسرائیل سے عہد اس خدائے پاک ہی نے لیا تھا اور ہم ہی نے انہی میں کے بارہ سردار انپر مامور کر دیے تھے اور وہ خدا ہی تھا جس نے اپنا قول دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارا دوست اور رفیق ہوں، اگر تم الصّلوٰۃ پر قائم رہے، الزکوٰۃ کو دیتے رہے، میرے پیغمبروں کو منجانب اللہ یقین کر کے ان کے تابع ہوئے احکام پر عمل کرتے رہے (اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ) وقتاً فوقتاً انکی بدل و جان مدد بھی کی، خدا کے احکام کی تعمیل میں اپنے آرام اور مال و اسباب کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دیا (اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۰-۱۳۸) تو میں تمہاری سب اجتماعی بدحالیوں کو تم سے دور کر دونگا (لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۱)، اور تمکو ایسے خوشگوار باغوں اور سرسبز ملکوں میں لا داخل کر دونگا جنکے نیچے نہریں بڑی رہی ہونگی، پھر جس نے ان نعمتوں کے حصول کے بعد کفران خدا کیا اور اس عہد کو توڑا تو وہ راہ راست سے یکسر بھٹک گیا۔

صفحہ ۲۶۳ کے تحت المتن میں اور سیر سورۂ انفال کی آیتوں (۸-۱-۴) کے متذکرہ صدر ترجمے میں یہ بات ظاہر کر دی گئی تھی کہ اقامت الصّلوٰۃ کا قرآنی مفہوم

زمینیں تنگ ہو ہو کر سخت ہو گئیں، جب مساحت اور رواداری، خوف خدا اور ہدایت، اتقا اور ایمان کا آب زلال باقی نہ رہا اور قلوب کے اندر حسد اور نفاق کا چور، کبر اور ریا کا چور، تھڑدلی اور بے مرادی کا چور، بخل اور کم ظرفی کا چور، الفحشاء اور المنکر کا چور گھر کر گیا، ہاں جب قوم خدا کے اُس دیئے ہوئے درس کو بھول گئی، جب غرض مند رہنما اور کبرائے خلق ضد اور بغاوت سے مقصود خدا کو محرف کرنے لگے، احبار اور رہبان نے لوگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر لیں، مشترک خدا کے مشترک خوف اور اطاعت کو چھوڑ کر آپ ربّ بن بیٹھے اور پیغام خدا میں **خیانت** کرنا قوم کا شعار بن گیا، اُسی دن سے میثاق ٹوٹ گیا، جنات زمین چھین لیے گئے، ذلت اور محتاجی لیس دی گئی لعنت مونہوں پر برسنے لگی، آوارۂ جہاں ہو گئے، مردود زماں بن گئے، قسمت بگڑ گئی، خدا دشمن بن گیا: فبما

(بقیہ بحث الس صفحہ ۲۶۴) ۔ صرف رسمی نماز کی رکعتوں کو مسجد میں جاکر بصحت تمام ادا کر دیا ہو بلکہ اُن تمام اعمال (مثلاً وحدت اُمّت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، ہجرت، جہاد بالسیف، استقامت فی الشئ، توکل فی النتائج، نصرت باہمی، اعلویت وغیرہ وغیرہ) کو جو ایمان کی لابدی شرائط ہیں اپنے اندر پیدا کر کے خدا کے حضور میں حاضر رہا ہو۔ جو شخص مومن ہے جس میں ان اعمال کا ماحصل تحت موجود ہونا لازمی ہے پس الصلوٰۃ کی اقامت ہی وہ اصل اسلامی ہے جس میں (نماز کے علاوہ) مومن ہونے کی باقی شرائط بوجہ احسن موجود ہوں۔ سورہ مائدہ کی زیر بحث آیت (۵: ۱۳) میں اقمتم الصلوٰۃ کے اس مفہوم کی قطعی تائید ہوتی ہے کیونکہ موسیٰ کی شریعت کی نماز ظواہر اسلامی نماز کے ظواہر سے بالکل جدا تھے اور باوجود اس ظاہری اختلاف کے "اقمتم الصلوٰۃ" کی مطلق اصطلاح کا استعمال اس امر کی دلیل ہے کہ اس میثاق سے مراد اس قانون کی پابندی تھی جو الصلوٰۃ سے مقصود بالذات ہے، صرف ظواہر کی پابندی مقصود نہ تھی۔ دیباچہ کتاب صفحہ ۳۲-۳۳ میں قرآن حکیم کی اس مطلق لعنت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور اس اطلاق کی کئی مثالیں آگے چل کر ملیں گی۔

آیت زیر بحث (۵: ۱۳) میں "لَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ" کے الفاظ اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ جنت سے مراد جنات زمین ہی تھے، اُخروی جنت کا ذکر بیانیہ قطعاً نہ تھا۔ عہد عتیق میں اسی میثاق ایزدی کی جزا آدمی بادشاہت لکھی ہے (کتاب خروج باب ۶، آیت ۳-۸) بعض موقعوں پر ان ابدی جنات کو شہد اور دودھ کی نہروں والی سرزمین کہا ہے (کتاب استثنا باب ۶ آیت ۲-۳)، کتاب ثانی سموئیل باب ۷ آیت ۲۳-۲۹ میں پھر وعدہ اسی ابدی سلطنت کا ہے، اور کتاب اوّل سلاطین باب ۹ آیت ۱-۹ میں اس سلطنت کو چھین لینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بنی اسرائیل میں دنیاوی سلطنت کا قائم ہونا اس امر کی شہادت ہے کہ وعدہ جنات زمین ہی کا تھا اور اسی لئے "فَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ" کی شرط بھی موجود ہے جو آیۂ استخلاف میں مسلمانوں کے ساتھ وعدہ بھی دنیاوی سلطنت کا تھا جیسا کہ الفاظ "لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ" (۲۴: ۵۵) صفحہ ۷ سے ظاہر ہے اور وہاں بھی "وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ" کے الفاظ آئے ہیں۔ سورہ فاطر میں بھی اسی قطع کا اسلوب بیان ہے "هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا" (۳۵: ۳۹) یعنی لوگو! وہ خدا ہی ہے جس نے تم کو اس زمین میں (تمہاری سعی و عمل کو پسند فرما کر) بادشاہ بنا رکھا ہے تو اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بعد جس قوم نے قانون خدا سے انکار کیا (کفر) تو اس انکار کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اُسی کی گردن پر ہے اور قانون خدا سے منکر قوم کو تو اُن کا انکار خدا کی نگاہوں میں سوائے ناراضگی کے کسی شے کو نہیں بڑھاتا اور کفران نعمت کرنے والی قوم تو سوائے اس کے کہ روز بروز گھاٹے میں رہے کسی اور شے میں ترقی نہیں کرتی۔" الغرض ان تمام شہادتوں کے بعد اس امر کا ناقابل انکار فیصلہ ہو جاتا ہے کہ "جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ" سے مراد ہر جگہ جنات زمین ہی ہیں، آخرت کیلئے "الجنۃ" کی اصطلاح مخصوص ہے۔ جنت کی قرآنی اصطلاح پر بیشتر کی تحقیق صفحہ ۱۱۰-۱۱۶، ۱۳۱، ۱۴۲ وغیرہ پر گذر چکی ہیں۔ افتتاحیہ سے قطع نظر دیباچہ کتاب صفحہ ۶۶-۷۳ میں کئی مثالیں اسی قطع کی

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ
وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۵: ۱۳)۔ اگر
مسلمان آج اس عہد خداوندی کو توڑ کر لعنت خدا کے مستحق بنے ہوئے ہیں، اگر آج ان سے بھی سب کچھ
چھین کر ان لوگوں کو دیا جا رہا ہے جنہوں نے عمر بھر ایک رسمی نماز نہیں پڑھی، ایک اسلامی رکعت ادا
نہیں کی، ایک شرعی سجدہ نہیں کیا، ایک محمدی کلمہ نہیں پڑھا تو اسکی وجہ بھی یہی قساوت قلب ہے،
یہی تحریف دین اور نسیان درس ہے، یہی مقاصد خدا میں مجرمانہ خیانت ہے، یہی الصلوٰۃ کو
معناً اور صورتاً بگاڑ دینا ہے*، یہی خدا کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی ہے۔ ایسی نمازیں پانچ نہیں
پانچ ہزار ہوں خدا کے نزدیک سب ضائع ہیں، ان سے ضعف کے سوا کچھ حاصل نہیں، ان کا نتیجہ ہلاکت
کے کچھ نہیں، فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (۱۹: ۵۹) پس اگر آج

ف۱ لیکن بنی اسرائیل کے اس میثاق الٰہی کو توڑنے کے باعث ہم نے اُن پر ادبار کی لعنت برسا دی، اُن کے دلوں کو اپنے احکام کی تعمیل کیلئے پتھر کر دیا، پھر وہ اسقدر جمود زدہ اور مائل ہو گئے کہ ہمارے کلمات اور احکام کو اُنکے مناسب موقعوں سے ہٹا کر اُنکے الٰہی مقاصد میں حسب مطلب رد و بدل کرنے لگے (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)، مگر تاویلیں اپنے آرام کیلئے اُن میں معنوی تحریفیں پیدا کیں (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)، اور یہی نہیں بلکہ اسی تن آسانی اور آرام پسندی کے باعث رفتہ رفتہ اس درس الٰہی کے ایک اہم حصے کو بھول گئے جو اُنکو اچھی طرح یاد دلایا گیا تھا، اور اے محمدؐ! تم اُن میں سے معدودے چند کے ماسوا ہمیشہ کسی نہ کسی ایسی مکاری کی اطلاع پاتے رہو گے جس نے صریح خیانت اور بدباطنی سے احکام خدا کے مقاصد میں رد و بدل کر کے اپنی امت کو گمراہ کیا ہو تو اُن خائنوں اور مکاروں کا علاج سوا اِسکے کچھ نہیں کہ تم ایسے پیسے بیرے بیٹھے رہو (وَاعْفُ عَنْهُمْ)، ایسے قطعاً کنارہ کشی اختیار کرو (وَاصْفَحْ) (دیکھو ان معانی کی تائید میں دیباچہ کتاب صفحہ ۱۰ کی آخری سطر)، خدائے عز و جل تو انہی لوگوں کو پسند کرتا ہے جو صحیح عمل کر کے اپنی اُمت کو قوت اور عزت کے مدارج علیا تک پہنچا دیتے ہیں (اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ دیکھو محسنین کی تعریف صفحہ ۱۳۰ تحت المتن آیہ (۲: ۱۹۵) و صفحہ ۲۲۶ تحت المتن آخری دو سطریں و آیات (۳۷: ۱۲۱-۱۲۲)۔

ف۲ پھر ان لوگوں کے بعد ایسے ناکارہ جانشین آئے جنہوں نے الصلوٰۃ کو بالکل ناکارہ کر دیا، اسکی حکمت کو اسقدر بھلا دیا کہ وہ بالکل ایک لاطائل شے بن گئی (اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ) اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو عنقریب ہلاکت سے دوچار ہونگے۔

تحت المتن صفحہ ۲۶۶) پیش کر دی ہیں جنکے بغور مطالعے سے اس امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ "جنت" سے مراد ارضی بادشاہت ہی تھی۔ مسلمانوں نے قرآن سے بادشاہت دنیں پر لات مارنے اور اپنے نفس کیلئے آسانیاں پیدا کرنے کیلئے اس سے مراد اخروی جنت لیا اور مذہب اسلام کو رفتہ رفتہ تیرہ بنا کر رہبانیت کیطرف لگے!
آیت زیر بحث میں فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ کے الفاظ بھی نہایت قابل غور ہیں۔ گویا ارضی بادشاہت کا کفران نعمت کرنا ہی صراط مستقیم سے پرے ہٹنا اور صحیح معنوں میں ضلال ہے۔ یہ مفہوم بعینہٖ وہی ہے جو صفحہ ۲۳ کے تحت المتن کے آخر میں سورہ فاتحہ کے لفظ الضَّآلِّيْنَ کی تشریح میں حاصل ہوا تھا۔

---

* الصلوٰۃ کے معناً بگڑ جانے کے علاوہ اسکے صورتاً بگڑ جانے کے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۱۱۱-۱۱۲ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے جس سے کم از کم یہ ظاہر ہے کہ مساجد میں امام صاحبان کا خدا کے حضور میں نماز کو ترنم سے ادا کرنا بدعت سیئہ ہے جو نص قرآن کے قطعاً خلاف ہے، مساجد میں سنت اور نوافل کا ادا کرنا اور اسطرح پر خانہ خدا کے اندر بے ترتیبی اور بدنظمی کا ماحول پیدا کرنا بھی (جسکا ذکر صفحہ ۲۰۶ کے تحت المتن میں ہو چکا ہے) رسول خدا صلعم کے اسوۂ حسنہ کے برخلاف صریحاً

اُس صادق الوعد خدا کی بتائی ہوئی الصَّلٰوۃ' وہی قرنِ اوّل کے نتائج پیدا نہیں کرتی تو وہ الصلٰوۃ بگڑ چکی ہے، اُسکا کیف دل بدل چکا ہے، مطمحِ نظر بدل چکا ہے، اُسکے ادا کرنے والوں کے دل بدل چکے ہیں، حوصلے اور جگر بدل چکے ہیں، نصب العین بگڑ چکا ہے، نہیں اُسکو ادا کرنے کا محرک باقی نہیں رہا، نعمت کا پیش نہاد نہیں رہا، خشوع پیدا کرنے والی غرض نہیں رہی، غرض کا پیدا کیا ہوا اضطراب نہیں رہا، صرف ڈھانچ یا الفاظ باقی رہ گئے ہیں، اُٹھک اور بیٹھک رہ گئی ہے، مصیبت کو کم کرنے کا ترنم رہ گیا ہے: اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (۲ - ۴۵) یا پانی کو بالوں کی جڑوں تک پونہچانے کے وسوسے رہ گئے ہیں یا مسح اور قصر، غسل اور استنجا، تیمم اور وضو کے مسئلے رہ گئے ہیں یا خدا پر احسان اور سجدوں کا ادعا رہ گیا ہے، یا جنت کے سبز باغوں کے خواب رہ گئے ہیں ورنہ نماز کا الصلٰوۃ رہکر وہی قرنِ اوّل کے نتائج پیدا نہ کرنا ناممکن ہے! صراطِ مستقیم کے نصب العین کو ہر وقت پیش نظر رکھکر اُسکے لئے شبانہ روز سعی و عمل کرنا، سعی و عمل کر کرکے اُس راہ رست کی وعدہ دی ہوئی نعمت کی تڑپ میں منعمِ لم یزل کے حضور میں لپک لپک کر پونہچنا، دست بستہ کھڑے ہوجانا اور نعمت کو مانگنا، بیٹھ جانا اور پھر اُٹھ اُٹھ کر بالحاح تمام مانگنا، ماتھا رگڑ رگڑ کر مانگنا، گھٹنوں پر جھک جھک کر مانگنا، اور ساتھ ہی باقی وقتوں میں صبر اور استقلال، تکلیف برداری اور مشقت، عزم

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۶) آجکل مساجد کے اندر وضو کرنیکے لئے حوضوں اور کنوؤں، حماموں اور غسلخانوں کا موجود ہونا بھی وہ بدعت اور تن آسانی کے شیوے ہیں جو قرنِ اوّل کی مساجد میں قطعًا موجود نہ تھے۔ اُس زمانے میں لوگ مساجد کے اندر اپنے گھروں سے تیار ہوکر آتے اور خانۂ خدا کے اندر آجکل کی بدلحاظیاں اور بے تکلفیاں کرنا گناہ سمجھتے۔ مرورِ زمانہ سے بعد لوگوں نے جو اختلافات نماز کے ارکان میں ازخود پیدا کرلئے ہیں وہ اسکے علاوہ ہیں اور آہستہ آہستہ نماز کی اصلی صورت کو بگاڑ رہے ہیں۔ التحیات کے بعد اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے الفاظ جو پڑھے جاتے ہیں گمان غالب ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عین حیات میں امامت کے وقت خود نہ پڑھتے تھے۔ نہ معلوم کہ یہ درود شریف کب سے پڑھے جانے شروع ہوئے، کس کے حکم سے ہوئے اور خود رسول خدا انکی جگہ کیا پڑھا کرتے تھے؟ تکمیع اور حمد کی مشہور آیتیں جو آجکل نماز عشا کے بعد وتروں میں پڑھی جاتی ہیں اگر دستورِ عہد نبوت میں بھی پڑھی جاتی تھیں تو حیرت ہے کہ جمع قرآن کے وقت اُنکے کلام وحی نہ ہونے میں شکوک کیوں پیدا ہوئے۔ الغرض ان سب امور کو پیش نظر رکھکر یہ کہنا کچھ غلط نہیں کہ نماز کی ظاہری صورت بھی آہستہ آہستہ نامحسوس طور پر بگڑ رہی ہے اور یہ بگاڑ اس شئے میں پیدا ہوگیا ہے جسکی بابت ہم مسلمان کا دعوٰی ہے کہ وہ علی التواتر قرنِ اوّل سے بلکہ خود نبی آخر الزمان علیہ الصلٰوۃ والسلام کی سنتِ مؤکدہ سے ہم تک پہنچی۔ میرا یقین ہے کہ قرنِ اوّل۔ الی مردوں اور عورتوں کی مخلوط نماز جس کی امامت رسول خدا خود کیا کرتے تھے نہ صرف اپنے کیف و حال میں، خشوع و خضوع میں، اصلاحِ قلوب میں، تزکیہ نفس میں، انہاء عن الفحشاء والمنکر میں، اتحاد اور اطاعت، مواخات اور مساوات کا نتیجہ خیز اخلاق پیدا کرنے میں اصلاً مختلف تھی بلکہ اسکے ادا کرنے کا اہتمام، اسکی قرات کے الفاظ وغیرہ وغیرہ بھی کچھ نہ کچھ ضرور آجکل کی ترنم والی نماز سے ضرور مختلف اور جداگانہ تھے۔

[۱] مطالعہ کے لئے دیکھو عنوان صفحہ ۲۶۱۔

اور محنت کو اپنا استعان بنا لینا وہ شیوۂ مسلمانی تھا جس پر چلکر اسلام کو چند برسوں کے اندر وہ شوکت نصیب ہوئی کہ آج اسکو پھر دیکھنے کیلئے آنکھیں ترس رہی ہیں ؛ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ

(٢ ٤٥)۔ صاحب القرآن تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کی اپنی بار بار اور ضرب دل سے دُہرائی ہوئی آیتوں کی اہمیت کو اسی اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی ہدایت اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے راہ رست کے نصب العین کی ضرورت کو اسلامی اُمت پر کھولکر واضح کر دیا تھا کہ خدا کا اپنے بندوں پر سب سے بڑا احسان نہ صرف قرآن عظیم کو عطا کرنا بلکہ ساکنان زمین کے سامنے یہی سبع مثانی کا لشکر انگیز مطمح نظر دن میں پانچوقت پیش کر دینا ہے !

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (١٥. ٨٧)

اور اے محمدؐ ! سب سے بڑا احسان جو ہم نے تم پر اور تمہاری اجل زدہ قوم عرب پر کیا ہے یہ ہے کہ ہم نے سورۂ فاتحہ کی بار بار دُہرائی ہوئی آیتوں کا اہم اور عظیم الشان نصب العین پیش کر کے تمہاری قوم میں حصول نعمت اور الصراط المستقیم پر چلنے کی ایک لازوال ترغیب و تحریک پیدا کر دی ہے (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ)، اُن کے دلوں میں اِس نعمت کے حاصل کرنے کے ولولے پیدا کر دیئے ہیں (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ) اُنکے اندر اِس دنیا میں قوت اور زور سے رہنے اور ہلاک شدہ قوموں (دیکھو آیات (١٥ ٦٤) تا (١٥ : ٨٤) کی طرح مغضوب علیہم اور ضالین بن جانے کا ایک دائم اور قائم ہیجان پیدا کر دیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ ہم نے تم کو قرآن عظیم بھی دیا ہے جسکے اندر اِس اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر چلنے کا مکمل دستور العمل درج ہے۔

یہی وہ فراخور سعی اور درخور طلب نصب العین ہے جس سے بڑھ کر انسانی جماعت کے لیئے اِس دنیا کے اندر

سلہ اور اے لوگو ! اس کارگاہ سعی و عمل میں مشکلات کا خاطر خواہ مقابلہ کرنے کے لیے استقلال سے استعانت کیا کرو (اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ) اور حتی الوسع سعی و عمل کر کے خدا کے حضور میں گڑگڑایا بھی کرو کہ اُس حلال مشکلات کے حضور میں عاجزی حوصلوں کو ٹوٹنے میں خاص مدد دیتی ہے اور یہ نماز تو ماسوا اُن لوگوں کے جن کا خشوع و خضوع ہم ہی سے بیم و رجا ہو جسکے باعث نیو ماقی سے کے رو یک بیگار ہی سیگار ہے

✝ اس آیہ سریعہ کے الفاظ حاصکر قابل غور ہیں ۔ خدائے عزوجل نے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ یعنی سورۂ فاتحہ کو اسقدر اہمیت دی ہے کہ رسول صلعم کو اسکے وحی کر دینے کا احسان قرآن عظیم کو عطا کرنیکے احسان سے الگ جتلایا ہے، بلکہ سورۂ فاتحہ کی اہمیت کو دلنشیں کر دینے کے لیئے اسکو باقی قرآن سے الگ کر دیا ہے۔ شارحین قرآن نے چنانچہ اِس آیت کو پیش نظر رکھکر سورۂ فاتحہ کے الفاظ کی اہمیت پر صمیم بحثیں کی ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ سے لیکر الضَّآلِّيْنَ تک کے ایک ایک لفظ کو لیا ہے، اِسے علم و اعتقاد کے طومار باندھکر ظلمت انگیز مناظرے پیدا کئے ہیں۔ کہیں اللّٰه کے لفظ کو کوئی اسم اعظم قرار دیا ہے جسکو دُہرانے کے فضائل لاتعد ولاتحصٰی لکھے ہیں، کہیں الرَّحْمٰن اور الرَّحِيْم میں فرق بتلایا ہے، کہیں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پر بے تعداد مباحث چھیڑ دیئے ہیں۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں مگر ایک مفسر نے بھی ذہن کو کام میں لاکر اسطرف رجوع نہیں کہ سورۂ فاتحہ میں خدائے عظیم نے کیا اہم نصب العین دن میں پانچوقت مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ایک فرد واحد کا خیال اسطرف نہیں دوڑا کہ وہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کس چیز کا نام ہے اور اسکی صحیح قرآنی تعریف کیا ہے۔ میں نے تذکرہ صدر ترجمے میں اللہ صاحب کے سورۂ فاتحہ کو مَثَانِيْ کہہ کر یاد فرمانے کی توجیہ، اسکے پیش کیے ہوئے نصب العین کی

کوئی نصب العین نہیں۔ یہ اُس خدا کی زمین پر نعمت خدا کو برقرار رکھنے کا علم حاصل کرنا ہی وہ نور ہے جس سے بڑھکر نفعمند کوئی نور نہیں۔ سعی و عمل کے اس کارگاہ عظیم میں اسی علم سے بیخبر رہنا اور حصول نعمت کیلئے اپنے ہاتھ پاؤں، تن من دھن وقف نہ کردینا ہی وہ ظلمت عظمیٰ ہے جس سے تاریک تر کوئی ظلمت نہیں، عزیز اور حمید خدا کا بتایا ہوا یہی وہ معزز اور محمود مقام، اور یہی وہ عزت افزا اور قابلِ ستائش صراط ہے جس سے مستقیم تر کوئی صراط نہیں۔ اسی الصراط المستقیم کو ہر دم پیش نظر کردینے کیلئے سبع مثانی کا دُہرانا نماز میں تھا، اور اسی واحد غرض و مطلب کے لیئے خدائے عظیم کا قرآن عظیم اس زمین پر نازل ہوا تھا۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ (۱۴ : ۱)

اے محمدؐ! یہ قرآن عظیم ایک مکتوب خدا اور حکمنامہ رب العلمین ہے جسکو ہم نے تمہاری طرف اس نیت سے بھیجا ہے کہ تم تمام عالم کو قانونِ خدا کے عدم تعقّل اور اس سے نامراد اور مغضوب علیہ ہوکر رہنے کی ظلمتوں (الظُّلُمٰتِ) سے علم و عمل اور تنومند بنکر رہنے کے (النُّوْرِ) کیطرف نکال لاؤ اور قانون الٰہی کے عامل بناکر ان کے آقائے نامدار کی رضا اور عزت سے اُنکو قوت اور عزت کے اُس صراط مستقیم کیطرف لیجاؤ جو صاحبِ عزت اور لائق ستائش خدا کا بتایا ہوا راستہ ہے۔

اگر یہ الصلوٰۃ مسلمانانِ عالم کے شرعی ملّاؤں کی جہالت اور ناقرآن دانی یا مسلمانوں کی اپنی تن پروری

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۸) اہمیت، اور اُسکے قرآن عظیم سے الگ ذکر کرنے کی وجہ اشارۃً بیان کردی ہے، اور یہ مسلمانوں کے سامنے وراثت زمین کی نعمت کو رکھ کر، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی نعمت عظمیٰ کا ارفع نصب العین پیش کر دیا یا الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ بننے کا قلبی ہیجان پیدا کرکے قوم کو سعی و عمل کیطرف متوجہ کردیا ہی میرے نزدیک سورۂ فاتحہ کی واحد اور بے مثال فضیلت تھی جو آج نظروں سے نہاں ہو چکی ہے۔ صفحہ ۲۶۱-۲۶۲ کے تحت المتن میں صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کو یکجا جمع کردیا تھا اور اُسکا بغور مطالعہ کرے اور اُسکے متعلق تمام قرآنی آیات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہر صاحب عقل اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ کلام الٰہی کی تمام تعلیم کا لبّ لباب در اصل اسی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الفاظ میں مضمر ہے۔ تمام اوامر و نواہی جو دین اسلام کے اصل اصول اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ والے صراط پر چلانے کے صحیح ادارے ہیں اسی صراطِ مستقیم کی جامع و مانع اصطلاح میں مدغم ہیں۔ سورۂ فاتحہ اگر اس نصب العین کو قرآن کے ورق اول پر پیش کر رہی ہے تو باقی تمام قرآن اُس نصب العین کو حاصل کرنے کے وسائل بتلا رہا ہے۔ توحید کا اصل اصول ہی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ میں اسی سورۃ کے اندر ہے۔ ایمان، اتقا، صلاح، فسق، شرک، کفر الغرض دین اسلام کی تعلیم تمام کمال اسی اِهْدِنَا سے لیکر الضَّآلِّيْنَ تک کے الفاظ میں مضمر ہے (دیکھو افتتاحیہ کتاب صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۱۳۹)۔ اسی معنوں میں سورۂ فاتحہ تمام باقی قرآن کا ملخص، اس ہر صحیح معنوں میں حاوی، مکمل سب صحیح معنوں میں تفسیر ہے، اسی لیئے اسکی یہ بے مثال فضیلت ہی ہے جس قوم نے سورۂ فاتحہ کے علم و نظر کو پالیا اور اسکے بعد اُسپر عامل ہوگئی، اسکو فلاح دارین قطعاً حاصل ہے۔ اسکے ماسوا اسکے اندر کوئی اسم اعظم ہے، نہ اسکو بار بار دُہرانے میں کوئی ثواب ہے، نہ اسکو صحیح طور پر پڑھ لینے کا کوئی اجر ہے، نہ اسکی صحیح اور بے تشریح سمجھ کر کے اسکے الفاظ کی وہ بھی فضیلتیں جتلا ما خدا کو خوش کر سکتا ہے۔

✽ یہ آیۂ جلیلہ سورۂ ابراہیم کے شروع میں واقع ہوئی ہے اور صفحہ ۵۵ پر آچکی ہے۔ یہاں پر صرف اس بات کا قطعی فیصلہ کرنا ہے کہ الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ سے الٰہی مراد

اور ناخدا شناسی کے باعث ایک نابکار اور ناکار برآر، ایک مضحکہ انگیز اور بے مطلب، ایک نافوت اندوز اور مسکنت خیز، ایک بیگار اور مصیبت بن چکی ہے تو اسمیں قرآن اور اسلام یا خدا اور رسولؐ کا کیا گناہ ہے!

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا" (۹:۱۷)

اسمیں شک نہیں کہ یہ قرآن عظیم اپنے عاملوں کو اس راہ پر لے جاتا ہے جو سب سے زیادہ راست اور قیام آفریں ہے اور ان صاحب ایمان لوگوں کو جو ایمان کے لوازم پیش نظر رکھکر مناسب سعی و عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ بڑا اجر ہے۔

(بقیہ تحت المتن ۲۶۹) یعنیہ کس قسم کی تاریکیاں اور کس قطع کی روشنی ہے شارحینِ قرآن حسب معمول ان الفاظ سے علی الحساب روحانیت کی روشنیاں" یا "ما صداوانی کی تاریکیاں" لے لیتے ہیں لیکن یہ سب غیر معین اور بے نتیجہ باتیں ہیں جو دراصل قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کرنے کا نتیجہ ہیں ایک آیت (۳۳ ۳۴) جس میں الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۳۳ کے تحت المتن میں آچکی ہے، دو آیتیں (۵ ۱۵، ۱۶) جن میں یہی الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۷۶ پر آچکی ہیں۔ صفحہ ۱۷۶ والی آیتوں سے کم از کم اسقدر مستنبط ہوتا ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے قرآن عظیم کو "نور" کہا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ قرآن وہ نور ہے جسکے ذریعے سے خدا اقوام عالم کو سلامتی، قیام فی الارض، اور بقا کی راہوں پر لیجاتا ہے اور انکو الظُّلُمٰتِ سے النُّوْرِ کی طرف نکالکر صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۙ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۵ : ۱۵-۱۶) (دیکھو صفحہ ۱۷۶ و ۲۳۴)۔ گویا اس آیہ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ الظُّلُمٰتِ کا الٰہی مفہوم وہ تاریکیاں ہیں جو اقوام کو سلامتی اور بقا کے رستوں سے پرے ہٹا دیتی ہیں اور اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ والے صراط مستقیم سے ورغلا کر الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ اور الضَّآلِّیْنَ بنا دیتی ہیں۔ اور النُّوْرِ وہ روشنی ہے جو اقوام کو اس دنیا میں سے خوف و خطر کر دیتی ہے اور صراط مستقیم پر چلائے رکھتی ہے۔ اس نقطہ نظر سے الظُّلُمٰتِ دراصل قانون خدا کو نہ سمجھنے یا اسپر عامل نہ ہونے کی تاریکیاں ہی ہیں اور النُّوْرِ وہ قانون خدا کی تعمیل اور اسکی تعمیل ہے جسکا نتیجہ اجتماعی دوام و بقا ہے اور اسی لحاظ سے خود قرآن (یعنی قانون خدا) کو بھی "نور" کہا گیا ہے۔ زیر بحث آیت (۱:۱۴) میں بھی یہی دونوں الفاظ آئے ہیں اور "صراط" کا معنی جیر لفظ بھی وارد ہوا ہے ملکہ صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ" کہکر کنایۃً یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صراط عزت اور حمد کا صراط ہے ذلت اور مغلوب ہو کر رہنے کا صراط نہیں۔ الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے ان مطالب کی قطعی اور ناقابل انکار تائید اسی سورۃ ابراہیم کی آیت (۱۴، ۵) سے ہوتی ہے جس میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احکام دے کر بھیجا کہ وہ ان احکام کے ذریعے سے اپنی قوم کو الظُّلُمٰتِ سے النُّوْرِ کی طرف نکال لائیں اور حکم دیا کہ اس غفلت زدہ قوم کو "ایام خدا" کی یاد دہانی کراؤ، اسمیں شک نہیں کہ اس یاددہانی جہاد میں ہر مستقل مزاج (صَبَّار) عامل اور نعمت خدا کے قدردان (شَكُوْر) بندے کے لیئے بہت سے ارشادات موجود ہیں وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۱۴ ۵)۔ ایک ہی سورۃ میں چار آیتوں کے وقفے سے اور الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے مطالب کی یہ الٰہی تشریح اس بات کی حتمی دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہی کہا گیا تھا کہ قوم کو محکومیت اور بیچارگی، خوف اور ضعف، قانون خدا کے عدم تعقل اور نا انجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر بادشاہت اور امن، قوت اور عزت کے سُبُلَ السَّلٰمِ پر لے آؤ اور جہاد بالسیف (اٰیّٰىمِ اللّٰهِ) کے ولولے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷۰)

اُن میں پیدا کر کے اُنکے اندر صبر اور استقلال، بادشاہت کی صحیح قدرت سیاسی یعنی صفات اور سکونت سے کا اطلاق جاری و ساری کر دو۔ یہی وہ مقصد تھا جسکے لیئے موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اور یہی اُنھوں نے کر دکھایا۔ چنانچہ اسی سورۃ کے سیاق میں نوح علیہ السلام وغیرہ کے بارے میں بھی وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ (۱۴ ۱۵) آیا ہے، یعنی اُنھوں نے وہ ملک فتح کر لیا۔ اور ہر معاند اور ظالم گروہ منہ دیکھتا رہ گیا۔ بلکہ (۱۴ ۲۳) میں ہے وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۝ (۱۴ ۲۳) یعنی عمل صالح کرنے والے ایمان دار سرسبز باغوں میں داخل کر دیئے گئے، جب تک خدا ان کا راضی رہے گا (بِإِذْنِ رَبِّهِمْ) اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اُنکے اندر ہر طرف سے یہی دعائے خیر ہوگی کہ امن سے رہو۔ ضمناً اُدْخِلَ کا ماضی کا صیغہ اس امر کی ناقابل انکار دلیل ہے کہ جنت سے مراد یہی بادشاہت ہی تھی)۔

الغرض سورہ ابراہیم کی متذکرہ صدر آیت (۱۴ ۵) الظُّلُمَاتِ اور النُّورِ کے معانی کی صحیح تعیین ختم کر دیتی ہے اور قرآن عظیم کی بات ہی سورہ ابراہیم کے شروع میں یہی کہا گیا تھا کہ یہ وہ کتاب ہے جو اقوام کو محکومیت اور افلاس کی ظلمتوں سے نکال کر قوت اور عزت، علم اور امن بادشاہت اور جنات زمین حاصل کرنیکے نور کی طرف جو عزیز و حمید خدا کا بتایا ہوا صراط مستقیم ہے نکال لاتی ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی بادشاہی، قوت اور غلبے کو قرآن حمید میں کئی جگہ بالصراحت نور کہا گیا ہے۔ مثلاً يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (۹ ۳۲) اور يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (۶۱ ۸) میں جو صفحہ ۱۸۴ پر آچکی ہیں اور جہاں نور سے مراد سیاسی تمکن اور مادی قوت کے سوا کچھ اور لینا ناممکن ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۴) علیٰ ہذا القیاس سورہ حدید کی آیات (۵۷ ۱۲-۱۵)، اور سورۃ تحریم کی آیت (۶۶ ۸) میں يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ (۵۷ ۱۲) اور نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ (۶۶ ۸) کے الفاظ بلکہ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ کے الفاظ بھی آئے ہیں اور وہاں مراد صاف یہ ہے کہ جب مسلمان جنات زمین میں داخل ہونگے تو بادشاہت اور غلبے کا نور اُنکے آگے آگے دوڑ رہا ہوگا، منافق عرب جنہوں نے اس بادشاہت زمین کے حاصل کرنے میں روڑے اٹکائے تھے حسرت کے مارے مسلمانوں کو کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو ہم بھی اس نور سے کچھ لے لیں اور جب جواب نفی میں ملے گا تو حجتیں کرینگے کہ کیا ہم تمہارا ساتھ نہیں دیا کرتے تھے؟ پھر جواب ملے گا کہ نہیں۔ تم منتظر رہا کرتے تھے، ہمارے متحد ہونے میں شک کیا کرتے تھے، تم کو تمہاری من مانی آرزوؤں نے دھوکا دے رکھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان آیات کو یہاں پر نقل کرنے کی ضرورت نہیں جس وقت ان کا موقع آئے گا ان کا پورا مفہوم عیاں کر دیا جائے گا۔ لیکن نور کے مفہوم کے لیئے صفحہ ۲۷۱ کی آیت (۷ ۱۵۷) پر بھی غور کرنا چاہیئے۔

تم المجلد الاول

من کتاب

تذکرہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

ربنا ظلمنا أنفسنا و

إن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخسرين

ربنا لا تؤاخذنا إن نسينا أو أخطأنا ربنا ولا تحمل

علينا إصرا كما حملته على الذين من قبلنا

ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به و

اعف عنا واغفر لنا وارحمنا أنت مولنا فانصرنا على القوم

الكفرين (بقرہ) ربنا إنك آتيت فرعون وملأه زينة وأموالا في الحيوة الدنيا

ربنا ليضلوا عن سبيلك ربنا اطمس على أموالهم واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا

العذاب الأليم (یونس) ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظلمين ونجنا برحمتك من القوم الكفرين (یونس)

ربنا اغفر لنا ذنوبنا وإسرافنا في أمرنا (آل عمران) وأفرغ علينا صبرا وثبت أقدامنا وانصرنا على

القوم الكفرين (بقرہ) ربنا إننا سمعنا مناديا ينادي للإيمان أن آمنوا بربكم فآمنا ربنا

فاغفر لنا ذنوبنا [illegible] وكفر عنا سيئاتنا وتوفنا مع الأبرار ربنا وآتنا ما وعدتنا

على رسلك ولا تخزنا يوم القيمة إنك لا تخلف الميعاد فاستجاب لهم ربهم

أني لا أضيع عمل عامل منكم من ذكر أو أنثى بعضكم من بعض

فالذين هاجروا وأخرجوا

من ديارهم وأوذوا في سبيلي وقتلوا و

قتلوا لأكفرن عنهم سيئاتهم ولأدخلنهم جنت

تجري من تحتها الأنهر ثوابا من عند

الله والله عنده حسن الثواب (آل عمران)